لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اُسوۃ الرسول ؐ

جلد اوّل

سوانح حیاتِ مقدسہ حضرت سیّد المرسلین خاتم النبیین رسولِ اکرم محمدؐ بن عبداللہ

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از آغازِ حالاتِ [illegible] تا عصرِ حضرت [illegible] عبداللہ [illegible]

(مؤلف سوانح حضرات چہاردہ ۱۴ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین)

مؤلفہ

خان بہادر سیّد اولاد حیدر بلگرامی

قوّتِ برقیہ کی صنعت سے

[illegible]

فہرست مضامین اسوۃ الرسول حصہ اول

تمت بالخیر والعافیۃ

المؤلف

(خان بہادر) سید اولاد حیدر فوق بلگرامی
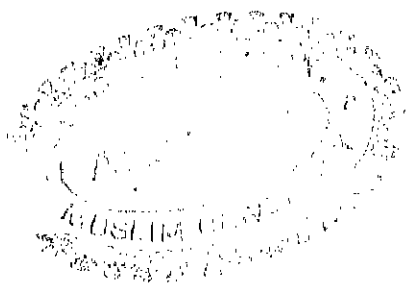
عفا اللہ تعالیٰ

اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وآلہ الطیبین الطاہرین الی یوم الدین

میرے سلسلۂ تالیفات حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی یہ آخر کتاب ہے اور ایسی آخر ہے جو ظاہر میں آخر او حقیقت میں اوّل ہے۔ اوّل اسلئے کہ یہ **سیرۃ الرسول** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ جو سابق اجزائے سیزدہ گانہ کی اصل الاصول۔ آخر اس لئے کہ سب سے آخر میں لکھی گئی۔ اور نیز اس رعایت خاص سے کہ **ختم الرسل** اور **نبی آخر الزمان** کے حالات ہیں صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ جنکی ذات قدسی صفات منازل رسالت کی تکمیل اور مناصب نبوت کی متمم ثابت ہوچکی ہے۔

وجہ تاخیر | ایسے متمم رسالت کے حالات وواقعات کی تحقیق تفصیل اور تشریح کے لئے مولف کو کلی جمعیت اور انتہائی ہمت سے کام لینا ہے میری سابق تالیفات اسی کل کی جزئیات تھین اور اسی اصل کی فروعات جنہین سوائے اندرونی پیچیدگیون کے بیرونی مشکلات کی تنقید وتفصیل اور جرح وتعدیل کی ضرورت نہین تھی۔ اس لئے انکی تدوین وترتیب کے منازل ومراحل بالتدریج وترتیب پہلے طے کر لئے گئے۔ اور اُن سے کُلی فراغت اور خاطر خواہ جمعیت حاصل کرکے **اسوۃ الرسول** کی مبارک تدوین سے سعادت اندوز ہونے کی کوشش کی گئی۔

ترتیب تالیف مین تقدیم وتاخیر کا الزام تنہا مجھ پر عاید نہین ہوسکتا۔ بلکہ مجھ سے اکثر اصحاب سیر وتاریخ اور ارباب تحقیق نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے میرے اس کتاب مین میرے مخاطب اصلی شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی سیرۃ النبی کے دیباچہ مین رقمطراز ہین -

رات بھر بیٹھنا - (۴) ایکبار انہیں صحبتوں مین جاتے ہوئے راہ مین ایک شادی کے جلسہ کا تماشا دیکھنے کھڑے ہو جانا اور پھر وہین سو کر تمام شب صبح کر دینا - (۵) حضرت علی مرتضی کا شراب پینا تسلیم کر لیا ہے - اور ان کے الیسی کثیر التعداد مثالین جن سے سیرۃ النبی کی متعدد جلدین سیاہ کی گئی ہین) ایسی ہی ہین تو فی الواقع انکی اصلیت کیا ہے ؟

میری موجودہ کتاب **اسوۃ الرسول** انھین مستفسرات کا جواب ہے اور شبلی صاحب کی غلط بیانیون کی حقیقت کا دفتر انکشاف - مگر مین اپنی موجودہ تالیف کی اسوقت تک کوئی تفصیل کرنا پسند نہین کرتا جب تک کہ شبلی صاحب کے دیباچہ پر کامل تبصرہ نہ کرون اور اسکی حقیقت اور اصلیت کا بھی اسیطرح صاف صاف اظہار و انکشاف نہ کرون جسطرح آپکی اصل کتاب کے تمام غلط مشکوک اور مبہم واقعات و حالات کے متعلق تحقیق و تنقید سے کام لیا گیا ہے -

دیباچہ سیرۃ النبی پر تبصرہ (۱) سیرۃ النبی کے مجلدات دیکھکر مفصلہ ذیل رائے قائم کی گئی ہے -

استخفاف و استیصال حقوق بنی ہاشم

(۱) حقوق بنی ہاشم کے استخفاف و استیصال کے علاوہ - جو مدت سے آپ کا شعار تالیف قرار پایا ہے - جسکے لیئے اخلاقاً اب کوئی شکایت نہین ہوسکتی - اس لئے کہ بنی امیہ کی جانبداری کے لیئے آپ فطرتاً مجبور ہین - بہت سے واقعات قدیمہ اور مشاہدات عظیمہ - جو تاریخ عرب - آثار اسلام اور اخبار جناب سید الانام علیہ و آلہ السلام سے پورا تعلق رکھتے تھے - قطعاً مرفوع القلم اور کالعدم فرما دیئے گئے -

بیضرورت کوتہ قلمی

(۲) ان مین سے بعض لکھے بھی گئے تو انکی تفصیل و بیان مین بیضرورت اور بیموقع اسقدر کوتہ قلمی اختیار کی گئی کہ اون مختصرات کو اشارات و استعارات شاعرانہ کہین تو بیجا - اور عموماً پہیلی اور چیستان سمجھین تو نازیبا نہ ہوگا -

بیضرورت تنقید

(۳) بہت سے واقعات کی تحقیق مین اپنی مقدار انہ مخترعات و مصنوعات کا بیضرورت اضافہ کیا گیا ہے - جو حقیقت اور واقعیت سے بمراحل دور ہے -

تاریخ قدیمہ عرب کے متواترات سے انکار

(۴) اکثر ایسے واقعات سے جو تاریخ و مرویات عرب مین متواترات کے درجہ پر پہونچے ہوئے تھے - اور مشاہدات کیے جا سکتے تھے - صرف اس وہمہ و اقیاس کی بناپر کہ آپ کے نوایجاد فلسفہ تاریخی کے حدود مین ظاہری طور پر نہین آسکتے تھے - انکار کر دیا گیا - اور قدمائے عرب کے اون اخبار و اقوال متفقہ اور آثار مسلمہ پر تکذیب و تغلیط کا حاشیہ چڑھا دیا گیا

مقررہ معیار سے انکار

(۵) جس طمطراق اور تکلفات مالا یطاق سے تنقید و تحقیق واقعات کے کثیر التعداد معیار ایجاد کیے گئے اون مین سے کسی کی بھی پابندی نہین فرمائی گئی -

ترجیح حدیث علی التاریخ

(۶) اسناد کی تفصیل اور تعیین مین سیرت پر تاریخ تاریخ پر حدیث کو ترجیح دیگئی ہے اور پھر حدیثون مین صحاح ستہ کی حدیثون کو - اور صحاح ستہ کی حدیثون مین صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثون کو ترجیح بالمرجح عنایت کی گئی ہے - مگر افسوس کہ آغاز کتاب ہی مین امام بخاری پر حدیث کے غلط معنی لگانے کا الزام ثابت کر دیا گیا ہے (دیکھو لفظ قراریط - سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۹) اور انکے

کتاب میں اپنے حصول مطلب کے لئے تمام قیود و حد و توڑ کر تمام چھوٹی بڑی ۔ عام و خاص اور معتبر و غیر معتبر کتب احادیث سے استنباط و استخراج فرمایا گیا ۔ کما لا یخفی علی ناظر کتابہا

(ب) یہی کتب تاریخ کی بھی کیفیت ہے ۔ لکھنے کو تو تاریخ قدیمہ عرب کی ایک جدول مفصل اور فہرست مکمل دیباچہ کتاب میں لکھی گئی ہے ۔ اور انہیں سے ۔ ابن ہشام ۔ ابن اسحاق ۔ طبری ۔ اور ابن سعد کے منقولات و روایات پر اعتبار کیا گیا ہے ۔ مگر اپنی کتاب میں مفید مطلب واقعات تاریخی کے نقل کے وقت ۔ ابو الفداء ۔ ابن اثیر ۔ ابن شحنہ ۔ مسعودی ۔ ابن الوردی ۔ غرض کوئی متاخرین نہیں چھوڑا گیا ۔ اور سب کے اقوال و ارشاد ۔ بلا تحقیق و تنقید ۔ داخل اسناد کر لئے گئے ۔ پھر سابق معیار کے تعین اور دعاوی دونوں بیکار ہو گئے ۔

(ت) سیرت کی بھی یہی صورت ہے ۔ دیباچہ میں عرب کے تمام قدیم سیرت نگاروں کی بڑی لمبی چوڑی فہرست داخل ہے (ملاحظہ ہو از صفحہ ۲۰ تا ۲۲) انہیں سے ۔ سیرت ابن اسحق ۔ روض الانف ۔ سیرت ابن سید الناس ۔ سیرت ابن عبد البر وغیرہم کی ایسی معدودے چند سیرتوں کو قابل الاسناد بتلایا گیا ہے ۔ مگر اصل کتاب میں حصول مطالب کے لئے ۔ وہی مولوی بھرتی ہے اور معیار دوم تک تو پہونچتے ہوئے ۔ **ملفوظات حضرت اشرف جہانگیر** تک کے حوالوں کی نوبت پہونچائی گئی ہے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ جب ان معیار پر کام کرنا ہی نہیں تھا تو پھر ان کا یہ طومار اتنا کیوں تیار کیا گیا ۔

(۱۰) دیباچہ کتاب کے پڑھنے سے ۔ بطور ظاہر تو آمد طبع ۔ شوکت الفاظ ۔ متقدمانہ طرز تحریر ۔ محققانہ اور مجتہدانہ

| زبانی لفاظی |

روش و انداز سب کچھ معلوم ہوتا ہے ۔ اور ایسا کہ محدود تحصیل و تحقیق کے افراد قوم وقت آپکی ظاہری عبارت آرائیوں اور نمائشی قلمکاریوں سے مرعوب ہو جائیں ۔ مگر حقیقت کی دوربین نگاہیں جب اصلیت پر غور کرتی ہیں تو سوا بڑے بڑے عربی کے الفاظ ۔ بڑی بڑی عربی کی قدیم کتابوں کے نام اور انکے بڑے بڑے مصنفین و مولفین کے ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ۔ انکے علاوہ اگر کچھ ہے بھی ۔ تو اپنی تحقیق جدید کی انانیت اور ایک فرقہ خاص اور قوم خاص سے حد درجہ کی نفسانیت ۔

(۱۱) صحاح کی اُن خاص مرویات میں عموماً اور صحیحین بخاری و مسلم کی اُن احادیث کی تفصیل و بیان میں خصوصاً ۔

| مفید مطلب مقامات صحاح و صحیحین کی جانبداری میں غلو |

جو مولف کے مدعائے خاص کی موید تھیں ۔ اس لغو یانہ اور مغویانہ انداز سے غلو کیا گیا ہے اور اس درجہ افراط و تفریط اختیار کی گئی ہے ۔ جس سے اسلاف کی کورانہ تقلید عقاید کی تدمیم مطلوب کی تائید ۔ اپنے فرقہ خاص کی جنبہ داری ہر ممکن با ممکن طریقہ سے اپنے مدعا و مطالب کی تصدیق ۔ اپنے اصول خاص کی توثیق ۔ جو جواز قیاس کی بنا پر ۔ اگرچہ ۔ منافی احکام الٰہیہ اور مخالف احادیث نبویہ ثابت ہوتے ہیں ۔ صاف صاف نمایاں اور آشکارا ہیں ۔ حالانکہ دیباچہ کی عبارتیں تمام تر حقیقت نویسی ۔ واقعہ نگاری کے پکے وعدے فرمائے گئے ہیں اور ہر واقعہ کی غایت تحقیق اور کامل تنقید کئے جانے کے لئے شرح و بیان کے دریا بہا دیئے گئے ہیں مگر یہ شکل آئینہ ادھر سے اودھر کچھ بھی نہیں ۔

رسالت کی حقیقت کہین نہین بتلائی گئی

جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد ص ۲۷۹ مین - امام فخرالدین رازی امام غزالی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی - حکماے اسلام (بقول شبلی صاحب) کی صرف عقلی دلیلون سے بتلائی اور سمجھائی گئی تھی - یہ کیون ؟ صرف اسلئے کہ یہان اسکے بیان کی ضرورت آپ کے مدعاے تالیفی کے خلاف واقع ہوتی تھی - اگر رسالت و نبوت کے اعلاے مقاصد و مطالب کی تفصیل و توضیح - الکلام کی طرح - سیرۃ النبی کے مضامین مین بھی داخل کردیجاتی تو شوریٰ اور خلافت - صحابہ اور صحابیت کی اہمیت مین تنقیص لازم آتی - اور رسالت و نبوت کے مقابلہ مین شور سے اور خلافت کی نظام سیاسی و قومی کی اصابت و قوت مین ضعف و اضمحلال پیدا ہوجاتا -

(۱۸) رسالت کی حقیقت پر روحانی انکشافات کے طریقہ استدلال سے ساری کتاب مین کسی ایک موقع پر بھی روشنی نہین ڈالی گئی - اور آیت واتبعوا النور الذی انزل معہ کے (جو سیرۃ النبی کے دیباچہ ص ۲۴ مین لکھکر معرفت صحابیت کی قرار دی گئی ہے) مطالب و مقاصد سے - کہین بھی بحث نہین کی گئی - حالانکہ الکلام مین مسبوق الذکر علما و حکماے اسلام کے مختلف ارشادات و اقوال سے ثابت کردیا گیا ہے کہ رسالت سراپا روحانیت ہے - ملاحظہ ہو الکلام (۱) جلد دوم از صفحہ ۲۴۴ - تا - ۲۵۹ و (۲) ۲۵۹ - تا - ۲۷۸ -

رسالت کے انوار حقیقت سے کہین نہین بحث کی گئی

(۱۹) سیرۃ النبی کے دفاتر ثلاثہ - ورق ورق کرکے لوٹ جایئے - تاجدار رسالت کی نظری شکل ، ایک شاندار دنیاوی اور قومی حاکم سے زیادہ ثابت نہین ہوتی - جس کے زاید از ہزار سالہ گذر رہتے ہوے احکام و قوانین انتہا درجہ کی کوشش و سعی کے بعد - توڑ مروڑ اور اینچ تان کر موجودہ زمانہ کے جدید اور غیر محفوظ نظام حکومت کے مطابق عموماً - اور دول یورپ کے آئین سیاست کے موافق خصوصاً ثابت کئے گئے ہین -

رسالت بمقدار سلطنت

(۲۰) کتاب کی تینون جلدین (مطبوعہ موجودہ) پڑھ ڈالئے اور رسالت کے عمل و نظم پر غور کیجیے تو وہ تمامتر اور علی الاکثر خلفاے راشدین اور صحابہ اکابرین کی اصابت رائے اور حسن مشورت کے نتیجے ثابت ہوتے ہین - پھر سیرۃ النبی کے تسمیہ کی ضرورت ؟"

رسالت محتاج مشورت

(۲۱) تفصیل واقعات مین علی الاکثر - جمہور محققین - علم الحدیث - علم التفسیر - علم السیرت اور علم التاریخ کی مرویات کی بالکل خلاف - صرف اپنے قیاسی مختار اور تاویل دور از کار کا انبار لگاکر اپنی قوت اجتہادی کا اشتہار دیا گیا ہے - حالانکہ یہ قیاسات و تاویلات - علما و محققین متقدمین و متاخرین کے اقوال و مختار کے مخالف ہونے کے علاوہ - قرآن مجید کے الفاظ و معانی کے بھی صریح مخالف و منافی ثابت ہوتی ہین - جیسا کہ ذبیح حضرت اسمعیل علیہ السلام کے متعلق آپ کی غلط فہمی کی پوری تصحیح کردی گئی ہے -

ذبیح اسمٰعیل مین غلط تاویل

(۲۲) اکثر مقامات مین ماخذ اصلی سے انھین مرویات کی نقل و تحریر پر اکتفا کی گئی ہے جو آپ کے مدعاے تالیف کے لئے مفید تھین - اور اُن سے مولف کی غرض خاص کی تائید ہوتی تھی - اور اُن مرویات کو بالکل مرفوع

خود غرضانہ طریقہ استنباط

انتقل فرما دیا گیا۔ جو مفید مطلب نہیں تھیں حالانکہ اصلیت اور واقعیت انہیں میں تھی۔ جیسا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گلہ بانی کی بحث میں۔ ابن سعد کے دونوں اقسام کی مرویات سے مولف کا صرف ایک کی نقل کرنا اور دوسری کو غیر مفید مطلب پا کر قلم انداز کرنا پورے طور سے اپنے مقام پر دکھلا دیا گیا ہے۔

استفادۂ واقعات مفاخرت بنی ہاشم

(۲۳) سلسلہ ابراہیمی اور خانوادۂ اسماعیلی میں۔ بنی قیدار کے وہ مخصوص امتیازات و اقتدار جو انکو اپنے زمانہ میں۔ دیگر بنو اسمعیل۔ بنو قطورہ اور بنو ادوم۔ ساکنین حجاز پر حاصل تھا اور جن سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباے کرام کی عظمت و قدامت مفصل اور مسلسل طریقہ سے ثابت ہوتی تھی۔ قطعاً متروک فرما دیے گئے۔ اگر انکی نسبت یہ عذر تھا کہ یہ بہت قبل کے حالات تھے۔ اور انکو موجودہ بعثت سے زیادہ تعلق نہیں تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ ایک شخص خاص کی سیرت ہو۔ یا کسی قوم کے حالات و واقعات لکھنے ہوں تو ایک سیرت نگار کا فرض اولین ہے کہ اسکے سلسلہ انساب کی شرافت و نجابت و قدامت و عظمت کو مفصل و مسلسل بیان کردے۔ کہ آیندہ آنکے عملیات اور خصائل و شمائل کے واقعات و حالات کو انکے حسن نسبی کے خواص [illegible] کرنے میں کسیقدر رد و کلام باقی نہ رہے۔

عرب کے تمام قدیم سیر و تاریخ کے دفاتر ملاحظہ کیے جاویں۔ ترتیب تو یہ ہے کہ [illegible] کا عنوان بیان تفصیل انساب ہی سے آغاز کیا گیا ہو [illegible]۔ تاریخ طبری کو لیجیے جو آپ کا [illegible] اس کے عنوان بیان کا آغاز بھی سلسلہ انساب ہی کی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اسلامی مؤلفین و مصنفین پر موقوف نہیں غیر اسلامی مؤلفین و مصنفین متقدمین کا بھی یہی معیار تالیف و تصنیف ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے لئے انجیل متی کا صفحہ اول ملاحظہ ہو۔ حالانکہ انجیل متی۔ حقیقتاً تاریخ کی اصل کتاب نہیں اور نہ سیرت کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ مگر بالآخر ایک شخص خاص کے حالات و واقعات کا مجموعہ تو ضرور ہے۔ متی کی انجیل کے علاوہ لوقا کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ السلام کے حالات و واقعات کا جہاں سے آغاز کیا گیا ہے۔ پہلے سلسلہ انساب کی تفصیل ہی شروع کی گئی ہے۔ اور آج تک کوئی کلام نہیں کہ ان کتابوں کی تالیف قرآن مجید کی تنزیل سے [illegible] قبل کی ہے۔ اس بنا پر صاف طور سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی شخص خاص کے حالات و واقعات کے بیان میں اسکے سلسلہ نسبی کی تفصیل و تشریح کا [illegible] کر دیا جانا تصنیف کا کتنا قدیم دستور ہے۔

بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حالات قیدار بلحاظ قدامت و [illegible] متروک کر دیے گئے تو قیدار کے بعد اس سلسلہ کے اور بزرگواروں کے تفصیل حالات کیوں قطعی نظر انداز ہو گئے۔ یا نفس حالات میں کیوں صرف ایک مختصر فقرہ سے کام دیا گیا تو اس کے لئے کیا عذر دکھلایا جاسکے گا۔

سیرۃ النبی میں ان حضرات کے حالات پر [illegible] سے حقیقت کا پورا انکشاف [illegible] ہوتا ہے۔ قصی کے زمانہ

سے اس سلسلہ مقدسہ کی عظمت و وجاہت کا تمام ملک و قوم عرب پر عہد مصطفیٰ قائم ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر من حیث السیرت۔ اس سلسلہ مبارکہ کے نامبردہ اور سربرآوردہ بزرگوار تفصیل و بیان سے قابل الذکر تھے اور ان ممتاز آن خاندان میں حالات قصی سے آغاز تفصیل کرنا ضروری تھا۔ مگر شبلی صاحب نے اپنے اصول تعمیم کی بنا پر ایسے نمودار قوم و قبیلہ کے حالات خاص میں بھی کسی تفصیل و تصریح کو مناسب و مصلحت نہ سمجھا۔

اس نمودار قبیلہ کے حالات و واقعات کی فہرست مختصر۔ ساڑھے چودہ ۱۴½ سطرون مین تمام ہی کی تو قصی سے تین پشت پہلے تفصیل سلسلہ نسب مین ایک نام ہی کا چھوڑ دیا۔ شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی ابن کلاب۔" سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۱۸ حالانکہ سلسلہ نسب کی صحیح ترتیب و تفصیل یہ ہے۔ نضر کے بعد مالک۔ مالک کے بعد فہر۔ اور فہر کے بعد قصی ابن کلاب ملاحظہ ہو طبری۔ ص ۱۱۰۲ ج ۱ مطبوعہ جرمن۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸ مطبوعہ جرمن۔ ابو الفدا۔ ابن وردی۔

طرفہ تر یہ ہے کہ غلط نامہ مین بھی اس غلطی کی صحت نہین کی گئی۔ اگر ایسا ہوتا تو کاتب یا مصحح سنگ کی خطا و فرد گذاشت سمجھی جاتی۔ جب ایسا نہین۔ تو اب شبلی صاحب کی عجلت رقمی یا درکوتہ قلمی کے سوا اور کیا یقین کیا جائے گا افسوس اتنا بڑا محقق اور معمولی سلسلہ نسب کی بھی صحیح نقل نہ کر سکا۔

(۴۴) اسی طرح۔ ہاشم مطلب اور عبد المطلب۔ ممتازین بنی ہاشم کے متعلق مشہور و معروف واقعات تاریخی یا تو قطعاً قلم انداز کر دیئے گئے۔ یا ایسے اختصار سے بیان کئے گئے کہ پیرے بود۔ پسر داشت۔ گم شد۔ باز یافت کے صرف چار جملون مین۔ ساری یوسف زلیخا تمام کر دی گئی اب ذرا ان واقعات کو عربی کی اصل کتابون مین ملاحظہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاوے گا کہ ان حالات مین کتنی وضاحت اور صراحت کا کام لیا گیا ہے مثال کے لئے ملاحظہ ہو قصی کے حالات مین واقعات منافرت۔ ہاشم کے زمانہ مین منافرۃ امیہ و عبد الشمس اور عبد المطلب کے ایام مین منافرۃ حرب اور بنی ثقیف کے واقعات قطعاً مرفوع القلم فرما دیئے گئے اور عبد المطلب کے بعد حضرت ابو طالب کے وقت سے تو بنی ہاشم سے ولایت کعبہ اور امارت مکہ بالکلیہ منتزع کر کے حرب ابن عبد الشمس کے سپرد فرما دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ص ۱۱۸

منافرۃ کے واقعات خاصکر یون قلم انداز کر دئے گئے ہیں صرف اس لئے کہ بزرگان بنی ہاشم کی ذاتی عظمت و وجاہت اور خاندانی شرافت و نجابت سارے قریش اور اقوام و قبائل عرب پر ان واقعات سے ظاہر ہوتی تھی اور یہ آپ کے اصول تعمیم کے بالکل خلاف تھا جو آپ کا اصل مقصود و موضوع تالیف ہے

انھین وجوہات کے سبب حضرت ہاشم کے کارنامجات ملکی و قومی کو کل ۲۰½ (ساڑھے بیس سطرون) مین حضرت عبد المطلب کے جرائد خدمات کو کل ۶ چھ سطرون مین حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب کے حالات زندگانی کو کل ۷½ ساڑھے سات سطرون مین اور علیا مکرمہ حضرت آمنہ خاتون سلام اللہ علیہا کے حالات کو کل ۸½

ساڑھے پانچ سطروں میں لکھکر تمام کردیا ہے - ملاحظہ ہو - از صفحہ ۱۲۰ - تا ۱۲۲

کیا ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کا طریقہ تحریر ایسا ہی ہونا چاہئے؟ کیا سیرۃ النبی سے پہلے بھی تاریخ سیرت یا تذکرہ کی کوئی کتاب لکھی گئی ہے؟ اگر لکھی گئی ہے تو کیا اس میں بھی اختصار پسندی اور کوتہ قلمی - اسقاط واقعات اور استخفاف حالات کے ایسے ہی غیر متدین اور مہمل طریقہ بالیقین اختیار کئے گئے ہیں؟ کیا سیرۃ النبی کے فاضل مولف نے ان حالات کی تدوین و تالیف کے وقت - عربی ماخذوں میں یہ واقعات و حالات نہیں دیکھے تھے -؟ کیا تاریخ کبیر امام طبری میں جسکا مطبوعہ جرمن نسخہ مولف کے پیش نظر تھا - ان واقعات و حالات کی پوری تفصیل مندرج نہیں ہے؟ پھر شمس العلماء صاحب نے انکی حقیقت پر تحقیق کی کافی روشنی کیوں نہ ڈالی - ان میں چند واقعات لکھے بھی - تو ان کی تفصیل و بیان میں بالتخصیص کوتہ قلمی اور مختصر رقمی کیوں اختیار فرمائی؟

ان تمام سوالات کا جواب ایک ہے اور وہ بالکل صاف و واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً شمس العلماء صاحب اپنے اصول اختیار کردہ کی وجہ سے قلمی مجبور ہیں - آپ سلسلہ ابراہیمی میں نبوت ثابت یا غیر ثابت بنی عدنان یا غیر بنی عدنان - بنی معد یا غیر بنی معد - بنی قیدار یا غیر بنی قیدار - قریش یا غیر قریش - بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم - بنی امیہ یا غیر بنی امیہ - غرضکہ تمام قبائل و عشائر کو - جو بعد از شیوع و وقوع اسلام - عہد جاہلیت کے [illegible] کے پیدا کرنے والے - اور کچھ اور آگے چلکر خلافت کے کل پرزے [illegible] دیکھو سیرۃ الفاروق [illegible] ثابت ہونے والے تھے - سب کو ذاتی شرافت و وجاہت میں برابر اور مساوی ثابت کرنا چاہتے ہیں - یہ آپ کی [illegible] درجہ کی [illegible] ہے - اسلئے کہ آگے چلکر قریش کے کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر ترجیح کا دعوےٰ نہ ہو سکے - [illegible] تمام قبائل [illegible] اصلیت کی ظاہری بنا پر مساوی المراتب بھی جاویں - علی الخصوص [illegible] بنی امیہ کو [illegible] پر تمکن ہو چکے ہیں اور ناکامیاب ہونا پر ناکامیابیاں حاصل ہوئی ہیں - انکا بیان کرنا شبلی صاحب [illegible] کے لئے بیحد مضر تھا - اسی اصول کی بنا پر آپ نے بنی ہاشم کی بنی امیہ پر ترجیح [illegible] شروع کے واقعات کو شروع ہی سے اصول تعمیم کی ایجاد کرکے بالکل نفی کردیا ہے اور [illegible] استخفاف کی کوشش [illegible] کا اظہار فرمایا ہے کہ بالآخر بعد حضرت عبد المطلب حضرت ابو طالب کو [illegible] سے معزول کرکے مسند امارت حرب ابوسفیان کے باپ کو حوالہ کردی - اور اس سے شبلی صاحب کا نفس مطلب یہ تھا کہ اسیوقت اور اسی زمانہ سے بنی امیہ کو [illegible] تحقیق و تنقید کے ساتھ انکے اصلی مقام پر لکھیں گے - [illegible] کے مولف کی یہ غلطی قابل اعتراض اور ناقابل معافی فروگذاشت ہے کہ وہ جس [illegible] سیرت نویسی کا [illegible] کرتے ہیں اسی کی عظمت خاندانی کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے میں اپنی کوشش [illegible]

(۲۵) اس خانوادۂ مقدس کے حالات و واقعات کی ضروری تفصیل و تشریح سے آپ کی ناتوجہی اور بے التفاتی کی ایک دوسری مثال جلد اول ص ۱۱۹ میں موجود ہے۔ وہ حسب ذیل ہے قصی کے حالات میں تحریر ہے "قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزی، عبد بن قصی، تخمر، برہ (یہ دو لڑکیاں تھیں) ہمکو ان میں صرف عبد بن قصی کی تحقیق درکار ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ان چھ ناموں میں صرف عبدیت کا اظہار ہے۔ البتہ سکا میں ابنیت کی تخصیص صرف ایک اسی نام کے ساتھ مخصوص پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ہونی چاہئے حقیقت حال یہ ہے کہ اصل میں "ابن" کا لفظ۔ اصلی نام میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ عوام میں ایسا ہی مشہور ہو گیا اور غلط العام کی حیثیت سے کتب سیرۃ و تاریخ میں نقل ہونے لگا۔ شبلی صاحب کو اگر اس سلسلہ کی تحقیق حال سے کوئی دلچسپی یا ہمدردی ہوتی تو وہ تفصیل حقیقت کی تکلیف گوارا فرماتے۔ میرے خیال میں زیادہ تفحص و تجسس کی ضرورت نہیں تھی۔ طبقات ابن سعد۔ تو تالیف سیرۃ النبی کے زمانہ میں ہر وقت پیش نظر تھی۔ اسکی منفصلہ ذیل عبارت نقل کردی گئی ہوتی تو حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔

عبد بن قصی کی غلط ترتیب پر صحت کی روشنی نہیں ڈالی گئی کا

عن ابن عباس قال کان قصی یقول ولد لی اربعۃ رجال فسمیت اثنین بالٰہی وواحدا بداری وواحدا بنفسی فکان یقال لعبد بن قصی عبد قصی والذین سمیتا لھما عبد مناف وعبد العزی وبداری عبد الدار

جلد اول ص ۳۹ مطبوعہ جرمن

ابن عباس سے مروی ہے کہ قصی کہا کرتے تھے کہ میرے چار بیٹے ہوئے اُن میں دو کے نام تو میں نے اپنے معبودوں کے نام پر رکھے۔ اور ایک کا نام اپنے گھر پر رکھا اور ایک نام اپنی خاص ذات سے منسوب کیا۔ اس بنا پر جسے عبد بن قصی کہتے ہیں وہ عبد قصی ہے اور جنکے نام معبود پر رکھے گئے وہ عبد مناف اور عبد العزی ہیں۔ اور عبد الدار انکے گھر پر نام رکھا گیا ہے۔

ابن سعد کی عبارت سے حقیقت کا پورا انکشاف اور لفظ ابن کی بیموقع اور بیضرورت مداخلت کا اصلی باعث صاف ہو گیا۔ شبلی صاحب اور انکے مؤیدین اسکو توزوائد اور غیر ضروری امور میں شمار کرینگے۔ مگر ایک محقق اسکو آپ کی تحقیق کی خامی۔ قبیلہ بنی ہاشم کے استخفاف و استفاط کی بنا پر مبنی بتلائے گا جسکی تفصیل اوپر مندرج ہو چکی ہے۔

(۲۶) نبی عربی (فداہ امی و ابی) کی خاص سیرۃ لکھی گئی ہے۔ اور یہ مسئلہ عالم اسلام کا کیا بلکہ عموماً تمام غیر اسلامی عوالم کا بھی مسلمہ ہے کہ پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حالات و واقعات کو تاریخ عرب سے پورا تعلق ہے۔ اس بنا پر آپ کے سیرت نگار کو عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ کے سلسلہ سے اپنے تفصیل و بیان تالیف کو ترتیب دیکر آپ کے زمانہ حیات کے حالات و واقعات کو مسلسل اور مکمل کرنا ضروری اور لازمی ہوگا۔ اس ترتیب میں جو اخبار و حالات۔ آپ کے حالات کے متقابل یا مماثل پائے جائیں گے

اسمائے سابقین عرب کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا

وہ خصوصیت کے ساتھ قلمبند کئے جائین گے اور جو حالات و واقعات آپ کے حالات سے کوئی نسبت خاص نہین رکھتے وہ قابل الذکر نہین سمجھے جائین گے - آپ نے سیرۃ النبی مین - جو حقیقتاً عرب کی تاریخی کلیات کا ایک جزو ہے - دو عربی پیغمبرون کے حالات و واقعات کو قطعاً مرفوع القلم فرما دیا - قوم عاد کا مختصر سا ذکر کیا - مگر انکے نبی مرسل حضرت ہود علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کا مختصر ذکر بھی نہ لکھا گیا - اسی طرح قوم ثمود کے حالات اور انکے قدیم صنعات بیان کئے گئے - مگر اُن کے پیغمبر عصر جناب صالح علی نبینا و آلہ علیہ السلام کو کسی حال و واقعہ سے مسلمانون کو کوئی خبر نہین دی گئی - قدامت عرب کے معتقدین و موئدین اور علم سیرت و تاریخ کے مولفین و مصنفین آپ کی اس فروگذاشت اور کمی نظر پر سخت خردہ گیری کرینگے -

شبلی صاحب کو ان اولین مرسلین عرب سلام اللہ علیہما کے حالات و واقعات کے مرفوع القلم فرمانے کیوقت عیسائیون اور یہودیون کے ان متعصبانہ اعتراضات کے اثبات کی طرف سے بھی نہ کوئی خوف آیا اور نہ کوئی حیا جو توریت و انجیل کی فہرست انبیاء و مرسلین مین انکے نام نامی مندرج ہونیکے باعث قرآن مجید کے ان اخبار و قصص حسنہ کو (نعوذ باللہ) غلط مانتے ہین - جو ان دونون بزرگوارون کے متعلق مرقوم ہین حسرت پر حسرت اور عبرت پر عبرت ہے کہ آجتک ہر خواندہ اور ناخواندہ مسلمان کو اس کا دعویٰ ہے کہ اُن کے اصلی اور حقیقی ملک و وطن کی خاک پاک قدیم الایام سے احکام رسالت اور الہام نبوت کا قدیمی مرکز ہے اور اسی بنا پر وہ اس ارض پاک کی تقدیس کو ارض بابل و شام کی تکریم و عظمت سے قدیم یقین کرتے چلے آئے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ انکی قدامت کی مفاخر انھین دونون قدیم پیغمبران عرب کے وجود ذی جود پر مبنی ہے - تو پھر انھین مقدسین کے حالات کو مرفوع القلم کرنا کسی ہمدرد اسلام اور خیرخواہ عرب کا کام ہوسکتا ہے ؟

(۲۷) اکثر مباحث کی تنقیدی تفصیل مین استدلال کے ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہین جو باخود با متعارض اور متناقض ہین - اکثر تنقیدی مضامین بحث مین نہایت شدت سے تقلید کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اسلاف کی تحریر کو اصلی معیار تحقیق بنا یا گیا ہے - بخلاف اسکے اکثر مضامین مباحث مین اسلاف کے اقوال و ارشاد کی کامل تردید و تنقید قلمبند فرمائی گئی ہے - اور ان پر کھلے کھلے الفاظ مین غلط نویسی - کمی تحقیق اور غلط فہمی کے الزام قائم کئے گئے ہین - بہت سے واقعات مین نقل کا لاصل کے اصول تحریر سے کام لیا گیا ہے اور بہت سے مندرجات کی بحث منقول ہین - استدلال معقولی کی نامعقول خلعت کی گئی ہے - آپ کے اکثر طریقہ استدلال تنقیدی مین آپ کا قدم بقدم اپنے علمائے کرام کا مقلد ہونا مشہود ہوتا ہے - اور بعض مباحث و مسائل کے انداز تحریر سے آپ کی شان ایک کامل غیر مقلد کی ثابت ہوتی ہے - اکثر واقعات و مضامین کی نقل و تفصیل مین آپ کی شدت احتیاط تخریج و استنباط ماخذ اصلی تک محدود پائی جاتی ہے - اور یہ ظاہر

تقلید اسلاف
پر
اصرار

ہوتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی مذہبی مسائل میں فکر و عقل سے کام لینا نہیں چاہتے۔ اور اکثر مسائل کی تحقیق میں آپ واقعات کے ایک ایک لفظ کو مسائل عقلی کے مطابق ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر اوقات تو اس سے بھی ترقی کی گئی اور اپنے کمال تحقیق کے اظہار میں سیرت و تاریخ کے ہر مسئلہ کو ہیئت و فلسفہ کی معیار و مقدار پر صحیح اتارنے کی جہد سعی فرمائی گئی۔ اس خلط بحث کا آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ واقعات سیر و تاریخ کے اصلی مقاصد تو فوت ہو گئے بحث ہی بحث رہ گئی۔ اور ان میں حقیقت کے متلاشی۔ اصلیت کے متمنی۔ منقولات کے ذکر و مطالعہ سے فارغ نہیں ہو سکے کہ حل معقولات کی پیچیدگیوں میں پھنس کر رہ گئے۔

رسالت کے معارف روحانی سے کہیں بحث نہیں کی گئی

(۲۸) تاریخ و سیرت کے مضامین کو ہیئت و طبعیات کے مطابق کرنیکے شوق و تمنا میں معارف رسالت اور مشارف نبوت کے اون مخصوصیات کو جو طبقات انسانی کی تفہیم سے علیحدہ ہو کر ان مقدس ہستیوں اور نورانی پیکروں کو روحانیت اور ملکوتیت کے حدود تک پہنچا ہوا بتلاتے ہیں بالکل قلم انداز فرما دیا۔ صرف اس خیال سے کہ وہ ہیئت و فلسفہ کے اصول کے مطابق نہیں ثابت ہوتے تھے مگر اسی کے ساتھ دماغ میں یہ تحریک نہ پیدا ہوئی کہ انبیاء مرسلین سلام اللہ علیہم کی روحانیت اور نورانیت قرآن مجید کے کثیر التعداد آیات میں داخل ہے اور آنحضرت صلعم کے اوصاف روحانی و نورانی تو آیہ واتبعوا النور الذی انزل معہ سے قطعاً ثابت ہے۔ اور جس سے آپ خود مسئلہ صحابیت کی بحث میں استدلال فرما چکے ہیں ملاحظہ ہو دیباچہ ۲۴ ص۔

مولف کا یہ طرز نہ عالمانہ ہے۔ نہ محققانہ ہے۔ نہ فلسفیانہ ہے۔ بلکہ صریح متلون مزاجی اور مولف کی نامستقل طبعی کا کامل ثبوت ہے حالانکہ الکلام میں ان تمام مباحث پر علماء حکماء اسلام کی تائیدی اقوال و ارشاد نقل فرما چکے ہیں۔

مخالفین اسلام سے مرعوبیت

(۲۹) یہ تو صرف اسلامی مولفین اور انکے مولفات سے اخذ و نقل واقعات و مختارات میں شبلی صاحب کے مختلف متغیر مسلکوں اور غیر مستقل طریقہ تحریر دکھلائے گئے۔ اب آپ کا انداز غیر اسلامی مولفین اور انکے معترضانہ اقوال و آراء کی تنقید و تردید میں اس سے زیادہ ملاطفت انگیز و حیرت خیز ہے۔ عیسائی معترضین کے جواب تنقیدی میں شبلی صاحب نے اتنی ضرورت سے زیادہ نرمی اور ملاطفت اختیار فرمائی ہے کہ گویا معترضین کے تمام معترضانہ مطالبات میں آپ نے تسلیمی جواب اور اقبال دعوی داخل کر دیا ہے۔ انکے معقولانہ اور مکابرانہ استدلال کے مقابلہ میں بعوض اسکے کہ اپنے پیش کردہ تنقیدی اور تردیدی دلائل و براہین میں قوت مدافعت پیدا کی جاسکے۔ بجز ضعف تحریر اور لا انتہا جبین تحقیق دکھلایا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر پورے مقابلہ کی جگہ صریح سپر اندازی کر کے کسی نہ کسی طرح مخالف سے جان بچائی گئی ہے۔

(۲۷۰) قیامت تو یہ کی گئی ہے کہ آپکے بے سروپا اور محض بیجا اعتراضوں کے جواب میں بھی بعض مقامات پر

معترضین کے مقابلہ میں سپر اندازی

تنقید و تردید سے تو ذرا بھی کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ اولٹے اپنی ہی مرویات کی جو روایت و درایت کے تمام منازل و مراحل کو طے کر کے حدود متواترات و مشاہدات مسلّمہ کے درجوں تک پہونچی ہوئی تھیں۔ تردید و تکذیب کر دی گئی ہے۔ مثال کے لئے۔ راہب بحیرہ کا واقعہ عظیم الشان موجود ہے جسمیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی صریح بشارت اور آپ کی رسالت کی صریح تصدیق و اجابت ثابت ہوتی ہے۔ مگر آپ صرف اپنے اس واہمہ اور عیسائیوں سے مرعوب ہوجانے کی وجہ سے اتنے بڑے متعدد قوم کا انکار کرتے ہیں کہ اسکی نقل سے عیسائیوں کا یہ متوبانہ قول کہ آنحضرت صلعم نے رسالت کی ابتدائی تعلیم ایک عیسائی عالم سے پائی تھی۔ مطابق ہوجاتا ہے "ہم نے اس واقعہ کی حقیقت اور اس متواتر روایت کی صحت اپنے مقام پر پوری تفصیل سے قلمبند کر دی ہے۔

(۲۷۱) اس طرح معراج کے عظیم الشان واقعہ کو اصل کتاب میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ موجودہ طریقہ فلسفہ تاریخ

استبعاد واقعہ معراج

نویسی کے خلاف ہے۔ اور مستشرقین یوروپ۔ ان اقسام کے اندراج واقعات کو مضحکہ انگیز خیال کرتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ شبلی صاحب نے یہ نہ سوچ لیا کہ یعقوب کا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھنا اور اس طریق سے معارج معراج کا حاصل کرنا انکے عہد نامہ قدیم میں موجود ہے۔ جسپر تمام فلسفی اور غیر فلسفی یوروپین افراد قوم کا ایمان ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز۔ یعقوب کا خدا سے رات بھر کشتی لڑنا۔ اور اسی ہاتھا پائی میں یعقوب کا چوٹ کھا جانا۔ انکی ران کا پھٹ جانا اور اسی بناپر۔ اس موضع خاص کے گوشت کا انکی امت پر حرام ہوجانا۔ اور اس سے زیادہ مضحکہ خیز و کفر انگیز۔ یروشلم (شہر بیت المقدس) کی دو فاحشہ عورتوں اہلہ اور اہلیہ سے (نعوذباللہ) خدا کا مبتلا ہوجانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ایسے کثیر التعداد لغویات و مہملات بھرے پڑے ہیں۔ جس سے دنیائے عیسائیت میں کسی فرد بشر کو انکار کی مجال نہیں۔

افسوس کہ ان لغویات و مہملات کے قائلین اور معتقدین سے آپ اتنا مرعوب ہوگئے۔ کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کو جسکی خبر صریحاً داخل قرآن ہے۔ مرفوع القلم قرار دیا۔ اگر آپ سے اتنی جرات بھی نہیں ممکن تھی تو کم سے کم آپ نے اسکی تفصیل و بیان میں اپنے مرزائی اور مسٹر ڈاکٹر سر سید احمد خان کا طریقہ تحریر اختیار کر لیا ہوتا۔ اور اس واقعہ کی تشریح و توضیح کو۔ رویائے صادقہ تک۔ جو تمام انبیائے کرام کی مقدس سیرت اور مقدمہ رسالت و نبوت میں داخل ہیں محدود کر دیا ہوتا۔ تاہم اہل اسلام کے اطمینان و دلجوئی کے لئے کافی ہوجاتا۔ آپ کے قطعاً قلم زد فرمانے نے تو نبوت اور بانی اسلام کے اس قدیم اور بالکل سچے دعوی کو۔ جو اس کے مشاہدات میں داخل ہے۔ بالکل تکذیب کر دی۔ نعوذباللہ آپ کو اس شرمناک تکذیب کی کس نے جرات دلائی۔ بجز مستشرقین

یورپ کی فیلسوفانہ تحقیق کی ظاہری ہیبت اور لفظی شوکت نے۔ یا خود آپ کی اس آرزو و حسرت نے کہ آپ کا شمار بھی کسی نہ کسی طرح فلسفی مورخین و مصنفین یورپ میں داخل اور آپ کی کتاب سیرۃ النبی بھی فلسفہ کی جدید نصابت تالیف میں شامل ہو جائے۔

(۱۴۲) جناب ہاجرہ سلام اللہ علیہا کو تمام عیسائی مولفین و مصنفین حضرت سارہ کی کنیز بتلاتے ہیں اس لئے کہ توراۃ میں انکو کنیز لکھا ہے۔ شبلی صاحب سیرۃ النبی میں حضرت ابراہیم و اسمعیل کے جستہ جستہ تمام واقعات لکھنے۔ اور قدامت کعبہ اور ذبیح اسماعیل کی خصوصیت کی نسبت۔ اور اصلی قربان گاہ اسماعیل کی حقیقت کے متعلق عیسائی مولفین کی غلط فہمیوں کی تنقید و تصحیح بھی کی۔ مگر افسوس ہے کہ اس مسئلہ واجب التنقید اور لازم التحقیق کی نسبت اتنا بھی نہیں لکھا گیا جتنا سرسید احمد خاں صاحب خطبات میں آپکے سامنے لکھ چکے تھے۔

حضرت ہاجرہ کی تحقیر بیشبہ چھوڑ دی گئی

(۱۴۳) آثار خصوصہ رسالت او مظاہر مختصہ نبوت۔ جو طبقہ کرام انبیاء علیہم السلام میں آغاز عمر سے وقت وفات تک۔ طبقہ عوام سے آنکے امور ذاتی و صفاتی کو ممتاز بتلاتے ہیں۔ اشارتاً و کنایتاً بھی کہیں مذکور نہیں کئے گئے۔ آپ اس خوف سے کہ موجودہ فلسفہ تاریخ نویسی کے اصول کے خلاف ہوگا حالانکہ مولفین یورپ کے عہد نامہ ہائے قدیم و جدید کی دونوں جلدیں اٹھا کر دیکھی جائیں تو تمام انبیاء علیہم السلام کے ان آثار روحانیہ اور مظاہر نورانیہ کے کثیر التعداد واقعات و مشاہدات بتدریج پائے جائیں گے۔ جنکے ایجاب و قبول سے کسی عیسائی کو انکار نہ ہوگا۔ مگر شبلی صاحب ہیں کہ بلا وجہ و بغیر سبب۔ اپنے نبی اور اپنے رسول (روحی لہ الفدا) کے آثار و مکاشفات روحانیہ کو ناقابل اندراج سمجھ کر قلم انداز فرمائے جاتے ہیں ؎

خصائص رسالت کی قطعی استناد

ایک ہم ہیں کہ ہیں مٹنا بھی نہیں آتا ہے ٭ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

سیرۃ النبی کے ورق کے ورق اور صفحے کے صفحے الٹ جائیے۔ پیغمبر عربی۔ نبی مطلبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات میں ابتدائے عمر سے آخر ایام حیات تک کہیں ان مشاہدات و مکاشفات کا ذکر و مذکور نہیں۔ بچپن کے حالات اور ایام طفولیت کے واقعات کل ساڑھے (۴ ۱/۲) سطروں میں لکھ کر ختم کر دئیے ہیں۔ اور محض سرسری اور سطحی طور پر حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کے پرورش پانیکی کیفیت لکھی گئی ہے۔ مگر حلیمہ کے گھر میں آپ کے فیوض قدم سے یمن و برکت کے جو آثار نمایاں ہوئے۔ اور جو زبان زد تمام عرب کے قدیم خاندانوں میں درج ہیں ایک بھی قابل ذکر نہیں سمجھے گئے۔ ان حالات کے متعلق لکھا بھی گیا تو یہ کہ اسیران طائف کے تذکرے میں خداقہ المعروف بہ شیما کا آپ سے اپنی پشت کا داغ دکھلا کر اپنی معرفت کرانا اور یاد دلانا کہ ایام طفولیت میں ایکبار آپ نے اسکی پشت میں کاٹ کھایا تھا جس کا داغ اب تک موجود ہے۔

افسوس کہ شبلی صاحب کو ایام قیام دار حلیمہ میں صرف یہی واقعہ قابل ذکر ملا جو بالکل منافی اخلاق نبوت اور آداب و تہذیب رسالت ہے۔ نہ معلوم کہ عیسائی متعصبین آپ کے اس واقعہ مندرجہ کو دیکھکر کیسے کیسے حاشیے چڑھائینگے اور اسلام اور بانی اسلام کے ساتھ آپ کی عقیدتمندانہ ارادت و خلوص کی تعریف فرمائینگے یا آپ کے اس آزادانہ غیر جانبدارانہ اور فلسفانہ طریقہ تحریر کو قدر کی آنکھوں سے لگائینگے۔

یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔ مگر یہاں تو اخلاق رسالت کی شان میں دھبہ لگ گیا۔ شبلی صاحب نے اپنے محدث و محقق ہونیکی آرزو و اشتیاق میں یہ بھی نہ دیکھا کہ ؎ این راہ کہ میروم بترکستان است۔ ان اقسام کے افعال عادات کے اظہار سے بچوں کی فطرت کا کسقدر نقص ثابت ہوتا ہے اور پھر آپ کس بچہ کی فطرت کا نقص بتلاتے ہیں جس کی مبارک فطرت کو آپ الکلام میں اپنے علماے کرام اور حکماے اسلام کے اقوال و افکار سے من اولہا آخرہا فطرت کاملہ اور صالحہ ثابت کراے ہیں۔ افسوس آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ بچپن میں جس بچہ کی مغلوب الغیظی اور زود رنجی کی یہ کیفیت دکھلائی جاتی ہے۔ پھر آیندہ اوقات حیات میں آپکے اعلی ترین اخلاق اشفاق عدیم المثال صبر و رضا اور جواب سیئہ لاحزنا کی مثالیں کیسے قائم کرسکتے ہیں۔ ہم آپ کے اس غلط واقعہ کی حقیقت کا اسکے خاص مقام پر کامل انکشاف کرینگے۔

(۴۲۷) آنحضرت صلعم کی ابتدائے عمر کے احوال ہیں۔ بذیل ذکر رضاعت حلیمہ سعدیہ۔ یہ حدیث نقل فرمائی گئی ہے کہ میں تم سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے سیرۃ النبی بحوالہ ابن سعد ج اص ۷۱۔

فصاحت و بلاغت رسول کیسی تھی۔ وہی بنی سعد (نعوذ باللہ)

آپکا مدعا سے تحریر یہ ہے کہ زبان رسالت کی فصاحت و بلاغت کا کمال قبیلہ بنی سعد ہی کی پرورش۔ رضاعت اور رفاقت کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر یہ حدیث۔ ایام رضاعت بنی سعد کے حالات میں لکھی گئی۔ افسوس ہے کہ تفہیم اور مسافت عام کا خیال کسیوقت شبلی صاحب کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ آپ زبان رسالت کی فصاحت و بلاغت کو اگر کمالات لدنیہ اور خصائص نبویہ میں داخل کر دیتے خوف کھاتے ہیں کہ عیسائی اعتراض کرینگے فلسفانہ تاریخ نویسی کے خلاف ہوگا۔ اور اس بنا پر لکھتے ہیں کہ آپ کے یہ کمالات قبیلہ ہوازن و بنی سعد کی تعلیم و تربیت کے نتائج تھے تو اس قیاسی تجویز کے ساتھ آپ کو یہ صحیح خیال نہیں آتا کہ خاندان زبیر ہونا اور خاندان قریش بالخصوص قبیلہ بنی ہاشم خصوصاً زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تمام اہل عرب کا سرمایہ ناز تسلیم کیا جاتا تھا عربی کی تمام تاریخوں میں قصی سے لیکر عبدالمطلب اور ابوطالب تک کے خطبات مذکور ہیں۔ جنکے لفظ لفظ سے زبان عرب کی اعلی ترین فصاحت و بلاغت ثابت ہوتی ہے۔ اور جنکو آپنے تو نہیں مگر میں نے اپنی اس کتاب میں اپنے اپنے مقام پر پوری تفصیل سے نقل کر دیا ہے۔

ان شواہد کے مقابلہ اور موجودگی میں قبیلہ بنی سعد یا ہوازن کی تعلیم و صحبت کو زبان رسالت کے کمالات کا تنہا باعث تجویز کرنا صریح بیعقلی ہے۔ اگر شبلی صاحب ذرا بھی غور و تعمق سے کام لیتے۔ تو انھیں کی نقل کردہ حدیث سے حقیقت کا انکشاف کامل ہوجاتا۔ کیونکہ زبان رسالت نے اپنی فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ ترین زبان عرب ہونے کا جو دعویٰ فرمایا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں انا اعربکم انا من قریش میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ ترفصیح ہوں اسلئے کہ میں قریش سے ہوں اس سے ثابت ہوگیا کہ آپ اپنی فصاحت و بلاغت کو سب سے پہلے اپنا کمال خاندانی بتلاتے ہیں۔ ان الفاظ کے بعد ارشاد فرمایا ہے ولسانی لسان بنی سعد بنی بکر میری زبان بنی سعد بنی بکر کی زبان ہے۔ یعنی میری زبان بنی سعد بنی بکر کی زبان کے مقابل اور مماثل ہے۔

اس حقیقت کے مقابلہ میں بنی سعد کی تعلیم و صحبت کو آنحضرت صلعم کی فصاحت و بلاغت کا تنہا اور اصلی باعث خیال کرنا اور آنکی امتیاز کو قریش اور بنی ہاشم کے اعلیٰ ترین ادبیات پر ترجیح و تفضیل دینا گویا قول رسول صلعم کی تکذیب کرنا ہے (نعوذ باللہ) حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب نے شان رسالت ہی کو نہ خود سمجھا ہے اور نہ اپنی زبان کتاب میں اسکی اصلیت اور حقیقت کسی کو سمجھائی ہے۔ اس بنا پر ان سے ایسی لغزشوں کا واقع ہونا لازمی ہے۔

(۳۵) اسی طرح مارگیولوس مستشرق جرمن کے اس مغویانہ تعریض کا جواب کہ ابوطالب آپ سے بچپن میں اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چروایا کرتے تھے۔ ایسے ضعیف لفظوں اور نامستحکم طریقہ میں دیا گیا ہے جس سے گویا تسلیم و ایجاب کے پہلو نکلتے ہیں۔ اگرچہ اس اعتراض کا اصلی سبب آپ خود۔ ابن ماجہ کے ایک شیخ کی غلط فہمی بتلاتے ہیں۔ اور آگے بخاری کا ان

> مارگیولوس کے اعتراض کا ناقص جواب

غلط استخراج و استنباط ثابت کرتے ہیں۔ مگر تاہم اصل حقیقت کا انکشاف نہیں فرماتے۔ طریقہ استدلال جو قائم فرماتے ہیں وہ ایسا ضعیف اور خلاف اصول ہے جو غیر مسلم معترضین کے لئے کبھی مسکت۔ اطمینان دہ اور تشفی بخش نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ نہ بخاری کی قصور النظری اور زود اعتباری کے جوابدہ ہیں۔ اور نہ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی غلط فہمی کے ذمہ دار ہیں میں نے اس واقعہ کو پوری حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کردیا ہے۔ یہ تمام دقتیں ارباب صحاح کی عموماً اور بخاری صاحب کی خصوصاً عقیدتمندانہ تقلید کی وجہ سے پیش آئی ہیں۔ اور اس حقیقت کے انکشاف نے ہمکو اختتام الکتاب بعد کتاب البار ی کی مختصر سی تنقید پر مجبور کردیا ہے

صحت صحیح بخاری پر ہمدردانہ نظر

(۳۶) صحیح بخاری کو معیار تحقیق بنایا۔ پھر اس شدت و عصبیت کے ساتھ کہ وہ کتب تفاسیر۔ احادیث۔ تواریخ اور سیر پر خواہ مخواہ مرجح۔ معتبر اور مستند تسلیم کی گئی۔ اسلاف کی تقلید کورانہ کا یہی اصلی طریقہ ہے۔ جو ایک محقق اور

وغيرهم من اهل البدع مختلف فيه فاين الاجماع
على صحة مرويات القدرية فاما يلزم ان احاديثهما
اصح الصحيح يعني انهما مشتملة على شروط المعتبرة
عند الجمهور وعلى الكمال وهذا لا يفيد الا الظن
القوي ـ هذا هو الحق المتبع ولنعم قال الشيخ
ابن همام ان قولهم تقديم مرويهما على مرويات
الائمة الآخرين قول لا يعتد به ولا يقتدى
بل هو من تحكماتهم الصرفة كيف لا وان
الاصحية من تلقاء عدالة الرجال وقوة ضبطهم
واذا كان رواة غيرهم عادلين ضابطين مثلهما
وغيرهما على الشروط لا سبيل للحكم بتقديمهما على
غيرهما الا تحكمًا والتحكم لا يلتفت اليه
فافهم ص ۴۱۱

راوی اس کے قدری ہیں اور قبول روایت اہل بدعت مختلف فیہ ہے
پھر کیونکر اجماع ہو سکتا ہے صحت روایات قدریہ پر۔ خلاصہ یہ
کہ اگر لازم آتا ہے تو صرف اسقدر کہ ان کی احادیث صحیح ہیں یعنی مشتمل ہیں
اُن شروط پر جو معتبر ہیں جمہور میں بوجہ کمال۔ تو اس سے حاصل
ہوگا مگر صرف ظن قوی۔ یہی مذہب قوی ہے۔ کیا خوب کہا ہے
شیخ ابن ہمام نے کہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کتاب
کی روایت کو دوسرے محدثین کی روایات پر فوقیت حاصل ہے
ایسا قول ہے جو کسی طرح قابل شمار نہیں بلکہ یہ اُن کا تحکم محض
ہے۔ کیونکہ صحت کا مدار صرف اتنا تو عدالت رواۃ اور قوت ضبط پر
ہے۔ جب دوسرے محدثین کے راوی ایسے ہی عادل اور
ضابط ہوں گے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انکو ترجیح دیا جاوے۔ لہذا
یہ ان کا حکم صحت کے متعلق محض تحکم کی شان میں ہے۔ جو
کہ کسی نوع وصورت سے التفات کے قابل نہیں ہے بہر حال

بحر العلوم کی مندرجہ بالا عبارت سے صحت صحیح بخاری و مسلم پر اجماع عام کا غلط خیال جو اب تک پھیلا دیا گیا
ہے اسکی مقدار حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی۔ اس تنقید و تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ محققین علماء سواد
اعظم ابتداہی سے حکم لگاتے ہیں کہ صحیحین میں روایات متناقضہ صحیح ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں
اور باوجود ان عیوب کے انکی صحت اور دوسری کتابوں پر انکی ترجیح و فضیلت کا قائل ہے وہ محض زبردستی سے
ایسا حکم لگاتا ہے جو ہرگز قابل التفات نہیں ہو سکتا۔

علماء قادحین بخاری

اتنا لکھ کر ہم ذیل میں اُن علماء کرام کے صرف نام لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں جنہوں نے
صحیح بخاری پر اعتراضات اور جرحیں نقل کی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم ان کے علیحدہ علیحدہ اقوال لکھ کر اس مبحث کو اپنی
ضرورت سے زیادہ طول دینا پسند نہیں کرتے اور اسکی تفصیل کو کتاب المستطاب الجرح علی البخاری مطبوعہ
المفید عام امرتسر کے ۱۳۱۱ھ اور حوالہ پر محول کرتے ہیں۔

حسب ذیل اکابر محدثین و محققین نے صحیح بخاری پر جرحیں وارد کی ہیں

امام دارقطنی۔ ابن جوزی۔ ابن قطان۔ ابن عبد البر۔ علامہ عینی۔ باجی۔ ابن ہمام۔ ذوالنون اندلسی
شیخ عبد الحق دہلوی۔ ملا علی قاری۔ شوکانی۔ محب اللہ بہاری۔ بحر العلوم۔ داؤدی۔ حافظ ابو مسعود۔ علامہ غسانی

ابن مندہ[17] - ابن سعد[18] - علامہ ذہبی[19] - حافظ شرف الدین[20] - علامہ دمیاطی[21] - جار اللہ زمخشری[22] - قاضی ابوبکر باقلانی[23] امام غزالی[24] اور علامہ کرمانی[25] وغیرہم -

ہم نے محض سرسری طور سے پچیس[25] علمائے معتبرین قادحین بخاری کے نام لکھدئے - ان بزرگون کے علاوہ - یہ نکتہ بھی ضرور یاد رکھنے کے قابل ہے - جیساکہ الفقیہ امرتسری نے لکھکر بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم نسائی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی صحیح و مسانید و سنن مین امام بخاری سے کوئی روایت نہین کی - اگر کوئی روایت کی ہے تو وہ کس مقام پر ہے - اور اگر نہین کی تو کیون نہین کی ؟ کیا یہ لوگ بخاری کو اس قابل نہین سمجھتے تھے کہ ان سے روایت کرین -

روات بخاری کی مجہولیت | صحت بخاری کا غلط اور عامیانہ خیال جیساکہ عالمگیر ہو رہا ہے - وہ حقیقت مین ایک فواہ عامہ سے زاید ثابت نہین ہوتا - بلکہ بخلاف اسکے - اسکی صحت پر اسکے آغاز تالیف ہی سے جرح و قدح ہوتی چلی آتی ہے - یہان تک کہ علماے معتبرین کی ایک تعداد کثیر نے اسکی صحت سے انکار کر دیا - امام ابن ہمام کے مختار سے اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ قدرمی اور اہل بدعت روات بخاری مین داخل ہین - اب ہم ذیل مین چند راویان بخاری کی حقیقت اور دکھلاتے ہین جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجانین اور شیاطین امت - ہر قسم کے لوگ اس مین علی الاکثر شامل ہین -

(۱) حریز ابن عثمان سفیانی ناصبی ہے - جسکی نسبت تہذیب التہذیب - جلد دوم ص ۲۴۰ مین مرقوم ہے :-

قال العجلی شامی وکان یحمل علی علی وقال عمر بن علی کان ینتقص علیاً وقال یزید ابن ہارون کان حریز یقول لا احب علیاً قتل آبائی وقال الحسن ابن علی الخلال عن یزید نحو ذالک وقال الضحاک ابن عبد الوہاب ہو متروک حدثنا اسمٰعیل ابن عیاش سمعت حریز بن عثمان یقول ہذا الذی یرویہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال لعلی انت بمنزلۃ ہارون من موسیٰ حق ولکن اخطاء السامع قلت ما ہو فقال انما ہو انت منی بمنزلۃ قارون (نعوذ باللہ) من موسیٰ قلت عمن ترویہ قال سمعت الولید بن عبد الملک یقولہ وہو علی

عجلی کا بیان ہے کہ وہ شامی تھا اور حضرت علیؑ پر برا بھلا کہا کرتا تھا۔ عمر ابن علی کہتے ہین کہ وہ تنقیص علیؑ کرتا تھا اور انکو گالی دیتا تھا۔ یزید بن ہارون کہتے ہین کہ حریز کہتا تھا کہ مین علی کو دوست نہین رکھتا کیونکہ انھون نے میرے باپ دادا کو قتل کیا علیؑ نے قتل کیا۔ ایک اور موقع پر ایسا ہی قول کہتے ہین ضحاک بن عبد الوہاب کہتے ہین کہ وہ متروک الحدیث ہے اور متعصب ہے۔ اسمٰعیل ابن عیاش کہتے ہین کہ وہ (حریز) کہتا تھا کہ یہ حدیث جو مشہور ہے انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ تو آنحضرت صلعم نے یون فرمایا تھا (نعوذ باللہ) انت منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ مگر سامع نے غلطی کی۔ مین نے پوچھا تم نے کس سے سنا تو بتایا کہ ولید ابن عبد الملک نے منبر پر ایسا ہی بیان کیا۔ علامہ ذہبی نے میزان کو ضعفا مین لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ حریز نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے جب چاہا کہ اپنے خچر پر سوار ہون تو علی نے آگے سے اسکا تنگ کھول دیا [illegible]

منبر وحكى الازدي في الضعفاء ان النبي صلى الله عليه
واله وسلم اراد ان يركب بغلة جاء علي فحل حزام البغلة
ليقع النبي صلعم قال الازدي من كانت هذه حاله
لا يروى عنه قلت لعله سمع هذه القصة ايضا
من الوليد قال يحيى بن صالح الوحاظي املى حريز ابن
عثمان عن عبد الرحمن بن ميسرة عن النبي صلعم حديثا في
تنقيص علي ابن ابي طالب لا يصلح ذكره حديث معضل
منكر جدا لا يروي مثله من يتق الله وقال الغنجار قيل ليحيى
ابن صالح لم لم تكتب عن حريز فقال كيف اكتب عن رجل
صليت معه صلوة الفجر سبع سنين فكان لا يخرج
من المسجد حتى يلعن عليا سبعين مرة مرة و
قال ابن حبان كان يلعن عليا بالغداة سبعين مرة و
بالعشي سبعين مرة فقيل له في ذلك فقال هو القاطع
رؤس ابائي واجدادي وكان داعية الى مذهبه
يتنكب حديثه وقال ابن حجر العسقلاني وعند البخاري
حديثان۔

گئے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ شاید اسکو بھی ولید ابن عبد الملک
سے سنا ہوگا۔ یحییٰ ابن صالح وحاظی بیان کرتا ہے کہ حریز نے
تنقیص جناب امیر میں ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اُسکا ذکر
بھی مناسب نہیں۔ اور حدیث معضل اسدرجہ قابل انکار ہے کہ
کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہوگا کبھی ایسی باتوں کو نہ بیان کرے گا
یحییٰ ابن صالح سے غنجار نے پوچھا کہ حریز ابن عثمان سے تم
نے کوئی حدیث کیوں نہ لکھی۔ غنجار نے جواب دیا کہ ہم کیونکر ایسے
شخص سے روایت کر سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ ہم نے
سات برس تک کامل نماز صبح پڑھی اور وہ روزانہ مسجد سے
اُس وقت تک نہیں نکلتا تھا جب تک کہ علی ابن ابیطالب ؑ
پر ستر بار لعنت نکر لیتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں
کہ وہ ہر روز صبح کو حضرت علیؑ پر ستر مرتبہ اور
شام کو ستر بار لعنت کیا کرتا تھا۔ کسی نے اُس سے وجہ پوچھی تو اُس نے
کہا کہ علی نے میرے سر آوردہ آباو اجداد کے سر کاٹے ہیں۔ یہ حریز ایک
مذہب خاص کا داعی تھا پھر ایسے شخص سے کیونکر روایت لیجا سکتی ہے
ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ بخاری نے اس حریز سے دو حدیثیں لی ہیں۔

(۳) عمران ابن حطان خارجی ہے۔ تاریخ ابو الفدا میں حسب ذیل انکے حالات تحریر ہیں۔

عمران ابن حطان خارجي يرثى ابن ملجم
يا ضربة من ولي ما اراد بها
الا ليبلغ من ذي العرش رضوانا
اني لاذكره يوما فاحسبه
اوفى البرية عند الله ميزانا
وقال العسقلاني في الاصابة عمران ابن حطان
يكنى ابا شهاب تابعي مشهور وكان من رؤس الخوارج

عمران ابن حطان خارجی نے ابن ملجم کے مرثیہ میں یہ اشعار موزون کئے ہیں
کیا اچھی ضرب تھی اُس ولی (ابن ملجم) کی جس نے
محض خوشنودی خدا کے ارادے سے ضرب لگائی
میں جب ابن ملجم کو یاد کرتا ہوں تو گمان کرتا ہوں کہ
اُسکا میزان عمل نیک تمام مخلوق سے زیادہ پورا ہے
ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں کہ عمران ابن حطان سرگروہ خوارج مشہور تابعی
تھا اسکا ذکر صحابہ میں کسی نے نہیں کیا مگر قاضی حسین ابن محمد تبانی نے

لم یذکرہ احد فی الصحابۃ الا ما وقع فی تعلیقات القاضی حسین بن محمد الشافعی فانہ ذکر ابیات عمران ابن حطان التی رثی بہا عبد الرحمن ابن ملجم قاتل علیؓ فعارضہ الامام ابو الطیب الطبری فقال ؎

انی ابرء مما انت تذکرہ
عن ابن ملجم الملعون بہتانا
انی لاذکرہ یوما فالعنہ
دینا والعن عمران ابن حطانا

قال القاضی حسین ابن محمد ہذا الذی قالہ ابو الطیب الطبری خطاء فان عمران صحابی لا یجوز لعنہ قال ابن حجر العسقلانی وقد اخرج البخاری وابو داود لعمران ابن حطان (الی ان قال) وعن عثمان البتی قال کان عمران ابن حطان من اہل السنۃ فی تلخیص الحبیر لابن الحجر العسقلانی قال وبالغ ابن حزم فقال لا اختلاف بین احد من الائمۃ فی ان ابن ملجم قتل علیا متأولا مجتہدا مقدرا انہ علی الصواب۔

تعلیقات میں عمران کو صحابی بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ جب عمران کے شعر ابو الطیب الطبری نے سُنے تو اُسکے جواب میں شعر منظوم کیے

میں عمران ابن حطان کے اشعار سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں
جو اُس نے ابن ملجم کی مدح میں بطور بہتان ۔ کہے ہیں
میں ابن ملجم کو یاد کرتا ہوں تو لعنت کرتا ہوں اور اُسکے
دین پر اور عمران ابن حطان پر بھی لعنت کرتا ہوں

یہ لکھکر قاضی حسین ابن محمد شافعی لکھتے ہیں کہ ابو الطیب طبری نے خطا کی جو عمران ابن حطان کی نسبت لعنت کے الفاظ استعمال کئے کیونکہ عمران ابن حطان صحابی ہے اور اُس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ابن حجر موصوف کتاب مذکور (اصابہ) میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور ابو داود نے عمران ابن حطان سے روایت کی ہیں۔ اور نیز عثمان البتی نے عمران ابن حطان کو اہلسنت والجماعت میں شمار کیا ہے اور کتاب تلخیص الحبیر میں ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ ابن حزم ظاہری نے مبالغے کے ساتھ کہا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں اس امر کے متعلق کچھ اختلاف نہیں ہے کہ ابن ملجم نے علی ابن ابی طالب کو تاویل و اجتہاد کی بنا پر قتل کیا کیونکہ ابن ملجم یہ سمجھتا تھا کہ اس بارے میں اسکی رائے غلط نہیں ہے بلکہ صواب پر ہے ۵؎

(۳) ابو قلابہ ہے جس کا پورا نام عبداللہ ابن زید ہے۔ تہذیب التہذیب میں انکی نسبت مرقوم ہے:۔

کان یحمل علی علی ولم یرو عنہ شیئا — علی ابن ابی طالب پر حملہ کیا کرتا تھا اور اسنے آپ سے ایک روایت نقل نہیں کی (ص ۲۲۵ ج ۵) علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں ۲؎ الا انہ مدلس وہ مدلس حدیث تھا۔ اور کتاب اسماء الرجال میں ہے: ابو قلابہ عبد اللہ ابن زید ذکر الذہبی انہ کان یدلس عمن لحقہم وعمن لم یلحقہم وکان لہ صحف یحدث منہا ویدلس۔

ابو قلابہ عبداللہ ابن زید۔ ذہبی انکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیثوں میں جن سے ملا تھا انکی حدیثوں میں بھی اور جن سے نہیں ملا تھا انکی حدیثوں میں بھی تدلیس کرتا تھا۔ انکے پاس حدیث کی کتابیں تھیں جن سے روایت کرتا تھا

۲؎ تہذیب التہذیب جلد پنجم میں مرقوم ہے۔

۵؎ یہی مذہب و قول ان صحابہ سابقین حضرت عثمان کی نسبت تاویل و اجتہاد ثابت نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ تاریخوں سے قتل عثمان پر صحابہ کا اتفاق ثابت ہوتا ہے۔ مولف

قال ابو الحسن علی ابن محمد القابسی المالکی فیما نقله ابن التین شارح البخاری فی الکلام علی القسامة بعد ان نقل قصة ابی قلابة مع عمر ابن العزیز علی مکانه فی العلم کیف لم یعارض ابا قلابة فی قوله ولیس ابو قلابة من فقهاء التابعین وهو عند الناس فی البله کذا قال　تہذیب التہذیب ص ۲۲۶ ج ۵

ابن التین شارح بخاری ناقل ہیں کہ ابی قلابہ نے عمر ابن عبد العزیز سے مسئلہ قسامہ کے متعلق بیان کیا جسکے مطابق عمر ابن عبد العزیز نے فیصلہ کیا۔ اس پر ابو الحسن ابن علی ابن محمد قابسی المالکی کہتے ہیں کہ تعجب ہے عمر ابن عبد العزیز سے کہ باوصفیکہ وہ کیسے عالم جید تھے۔ انہوں نے ابو قلابہ سے یہ کیوں نہ کہا کہ تیرا شمار تو بلہ یعنی احمقوں میں ہے۔

(۴) خالد ابن مہران سے۔ تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو حاتم یکتب حدیثه ولا یحتج ص ۱۲۰ جلد ۳۔ اسکی حدیث لکھو مگر اس سے احتجاج نکرو۔ پھر اسی کتاب میں یہ عبارت مندرج ہے۔

والظاهر ان کلام هؤلاء فیه من اجل ما اشار الیه حماد ابن زید من تغیر حفظه باخره او من اجل دخوله فی عمل السلطان

یہ سب اعتراضات خالد پر اس وجہ سے ہیں جیسا کہ حماد بن زید نے اشارہ کیا ہے کہ آخر عمر میں اسکا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہو گیا تھا۔

(۵) عبد الاعلی سے۔ میزان الاعتدال میں مرقوم ہے۔

قال محمد ابن سعید لم یکن بالقوی فات سنه تسع وثمانیة ومائة وقال احمد کان یری القدر وقال بندار والله ما کان یدری ای رجلیه اطول ص ۲۸ جلد ۲۔

محمد ابن سعید کہتے ہیں کہ وہ قوی الحدیث نہ تھا سنہ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ احمد کہتے ہیں کہ وہ قدری طریق رائے کا آدمی تھا۔ بندار کہتے ہیں کہ قسم بخدا وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ کون پیر اس کا بڑا ہے۔

(۶) ابو اسحٰق سبیعی سے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

روی جریر عن مغیرة فقال ما افسد حدیث اهل الکوفه غیر ابی اسحاق والاعمش

جریر مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ حدیث اہل کوفہ کو ایسا فاسد نہیں کیا جیسا ابی اسحٰق اور اعمش نے۔

تہذیب التہذیب میں انکی نسبت مذکور ہے۔

قال ابن حبان فی کتاب الثقات کان مدلسا وکذا ذکره فی المدلسین حسین الکرابیسی والطبری۔

ابن حبان کتاب ثقات میں کہتے ہیں کہ وہ مدلس تھا۔ اور ایسا ہی حسین کرابیسی اور امام طبری نے ابی اسحاق سبیعی کو مدلسین میں شمار کیا ہے۔ تہذیب جلد ۸ ص ۹۷ --

(۷) عمر ابن سعد (قاتل امام حسین علیہ السلام) سے۔

طرفہ تو یہ ہے کہ یہ ابو اسحق ایسا شخص ہے جو عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے جو قاتل امام حسین علیہ السلام ہے میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ میں مرقوم ہے۔

عمر ابن سعد الزهری هو فی نفسه غیر متهم لکنه باشر قتل الحسین وفعل الافاعیل روی شعبة عن ابی اسحاق عن العیزار ابن حریث عن عمر ابن سعد فقام الیه رجل فقال اما تخاف الله تروی عن عمر ابن سعد فبکی وقال لا اعود وقال العجلی روی عنه الناس تابعی ثقة وقال احمد بن زهیر سألت ابن معین اعمر ابن سعد ثقة فقال کیف یکون من قتل الحسین ثقة۔

عمر ابن سعد زہری اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے مگر بانیٔ قتل امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے وہ متہم ہے اور بہت سے افعال اس سے ایسے ہی سرزد ہوئے شعبہ ابن اسحاق سے۔ وہ عیزار ابن حریث سے۔ وہ ابن سعد سے روایت کرنے لگا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تجھے خوف خدا نہیں آتا کہ تو عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے۔ یہ سنکر وہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔ عجلی کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے عمر سعد سے روایت کی ہے اور وہ تابعی ثقہ تھا احمد ابن زہیر کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ عمر ثقہ تھا تو بولے کہ جو شخص قاتل امام حسین علیہ السلام ہو وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے

کچھ ابو اسحاق اور عمر سعد ہی کی حدیثوں سے صحیحین بخاری اور مسلم بھری نہیں ہے بلکہ اسکے بیٹے ابراہیم اسکے پوتے ابوحفص بھی راویان صحاح ستہ میں داخل ہیں اور انھیں کے ساتھ۔ عیزار بن حریث۔ یزید ابن ابی مریم۔ قتادہ۔ یزید بن حبیب۔ سب رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔

(۸) شمر ذی الجوشن ہے۔ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں :-

شمر ابن ذو الجوشن ابو السابغة الضبابی عن ابیه وعنه ابو اسحاق السبیعی لیس باهل للروایة فانه احد قتلة الحسین رضی الله عنه وقد قتله اعوان المختار روی ابوبکر بن عیاش عن ابی اسحاق قال کان شمر یصلی معنا ثم یقول اللهم انک تعلم انی شریف فاغفر لی قلت کیف یغفر الله لک وقد اعنت علی قتل ابن رسول الله صلعم قال ویحک فکیف نصنع ان امراءنا هؤلاء امرونا بامر فلم نخالفهم ولو خالفناهم کنا شرا من هذه الحمر السقاة قلت ان هذا لعذر قبیح فانما الطاعة فی المعروف ص ۴۰۴ ج ۱

شمر ابن ذی الجوشن۔ ابو السابغہ ضبابی اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور ابو اسحاق سبیعی اس سے روایت کرتا ہے۔ مگر وہ اس قابل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے۔ یہ قاتلان امام حسین علیہ السلام سے ہے جسکو اعوان مختار نے قتل کیا۔ ابوبکر ابن عیاش ابو اسحق سے روایت کرتے ہیں کہ شمر ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا اور کہتا تھا کہ خدایا میں شریف ہوں تو مجھ کو بخشدے ہم نے کہا تو کیونکر بخشا جا سکتا ہے حالانکہ تو نے قتل فرزند رسول صلعم میں اعانت کی۔ اس نے کہا کہ ہمارے حاکموں نے ہمیں اسی کا حکم دیا۔ پھر اگر اس حکم کو انجام نہ دیتے تو ہم سب گدھوں سے بھی بدتر ہوتے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ عذر تو ایسا قبیح ہے اس لئے کہ اطاعت تو امر معروف میں ہوتی ہے۔

(۹) عباس ابن حسین قنطری ہے۔ تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے۔

قال ابن ابی حاتم عن ابیہ مجہول

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے لکھتے ہیں کہ وہ مجہول الحدیث ہے ص ۱۰۵ ج ۱

(۱۰) اسرائیل ابن یونس ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے۔

اسرائیل ابن یونس بن ابی اسحاق سبیعی الکوفی دروی محمد ابن البراء ابن المدینی اسرائیل ضعیف واما یحیی القطان یحمل علیہ فی حال ابی یحیی القتات وکان لا یرضاہ واما یحیی القطان فکان لا یحدث عنہ ولا عن شریک

اسرائیل ابن یونس ابن ابی اسحاق سبیعی الکوفی اور یہی ابو اسحاق سبیعی کے پوتے ہیں ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ یحیی قطان اس کی مذمت کرتے تھے۔ اور اس سے ناراض تھے۔ اور وہ تو نہ اس سے نہ اسکے کسی شریک سے روایت قبول کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں انکی نسبت یہ مندرج ہے:۔

واطلق ابن حزم ضعف اسرائیل ورد بہ احادیث عن حدیثہ بما صنع شنا دقال عثمان ابن ابی شیبہ عن عبد الرحمان ابن مہدی اسرائیل سارق سرق الحدیث

ابن حزم نے اس کو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور ان حدیثوں کو رد کردیا جسکا راوی وہ تھا عثمان ابن ابی شیبہ۔ عبد الرحمن ابن مہدی کا یہ قول لکھتے ہیں کہ اسرائیل چور تھا۔ حدیثیں چراتا تھا۔ ص ۲۶۲ جلد اول

(۱۱) محمد ابن بشار المعروف بہ بندار۔ میزان الاعتدال ذہبی میں انکی نسبت تحریر ہے کذبہ الفلاس فلاس نے اسکی تکذیب کی ہے میزان الاعتدال ص ۲۵۲ ج ۲

وقال عبد اللہ ابن الدورقی کنا عند یحیی بن معین یجری ذکر بندار فرایت یحیی لا یعبأ بہ ویستضعفہ

عبد اللہ ابن الدورقی بیان کرتے ہیں کہ یحیی ابن معین کی صحبت میں بندار کا ذکر آیا تو انہوں نے اسکی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ تضعیف کی

تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے۔

قال اسحاق بن ابراہیم القرازی کنا عند بندار فقال فی حدیث عن عائشۃ قال قالت رسول اللہ فقال لہ رجل یتمسخر منہ اعیذک باللہ ما افصحک فقال کنا اذا خرجنا من عند روح دخلنا الی ابی عبیدۃ فقال قد بان ذلک علیک وقال عبد اللہ ابن سیار سمعت عمر بن علی یحلف ان بندار یکذب فیما یروی عن یحیی وقال علی ابن المدینی سمعت ابی وسالہ عن حدیث رواہ بندار فقال ہذا کذب وانکرہ اشد الانکار

اسحاق ابن ابراہیم القرازی کا بیان ہے کہ ہم بندار کے پاس تھے تو اس نے کہا عایشہ نے کہا رسول اللہ (نعوذ باللہ) فرمایا تھیں تو ایک شخص نے ٹوک کر کہا کہ تو رسول سے تمسخر کرتا ہے حدیث میں۔ خدا کی پناہ۔ دیکھو کیا فصیحت کیا کہ وہ کہتا تھا کہ جب ہم روح کے پاس سے ابو عبیدہ کے پاس جاتے۔ تو وہ کہتا تھا کہ تیری بات فاش ہوگئی۔ اور عبد اللہ ابن اسمعیل ابن سیار کہتے ہیں کہ ہم نے عمر ابن علی کو کہتے سنا ہے کہ بندار جھوٹا ہے ان روایات میں جو یحیی سے روایت کرتا ہے علی ابن مدینی (استاد بخاری) لکھتے ہیں کہ ہم نے بن بالی رسالہ سے یہ حدیث بندار کی بجز وافاق فی السحور برکۃ پوچھی تو اس نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور

وقال حدثنی ابوداود موقوفا وقال رایت الفواریری لا یرضاه وقال کان صاحب حمام ص ۲۰ ج ۹ — غلط ہے اور اس سے انکار کیا عبداللہ ابن الدورقی کہتے ہین کہ ہم ابن معین کی مجلس مین تھے کہ بندار کا ذکر آیا۔ یحیی ابن معین نے اسکی طرف کوئی اعتنا نہین کی بلکہ اُس کی تضعیف کی۔ اسی طرح قواریری بھی بندار کو نہین پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ تو کبوتر باز تھا۔

شبلی صاحب خود رواۃ بخاری کے قارح ہین

کہان تک رواۃ بخاری کی ثقاہت وصداقت کے اوصاف کی تفصیل کرین۔ انہین عشرہ کاملہ کی کمال صداقت مرقومہ بالا پر اکتفا کیجاتی ہے ۹ روایت بست کہ اور الشرح پایان نیست ہو حقیقتاً ہمکو اتنی مقلدانہ تفصیل وتصریح کی بھی ضرورت نہین تھی کیونکہ شبلی صاحب نے تو خود رواۃ بخاری کی تضعیف وتکذیب فرمائی ہے۔ اور ہم انھین کی اصل عبارت کی نقل پر اس بحث کو تمام کرتے ہین۔

واقعہ راہب بحیرہ کے بیان کرنیوالون کی تنقید فرماتے ہوئے مرقوم کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمن ابن غزوان ہے۔ اُسکو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی لکھا ہے مگر اکثر اہل فن نے اسکی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال مین لکھتے ہین کہ عبدالرحمن منکر حدیثین بیان کرتا ہے جن مین سب سے بڑھکر بحیرہ کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین لکھا ہے کہ عبدالرحمن ابن غزوان خطا کرتا تھا۔ اُسکی طرف اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی حدیث نقل کی ہے۔ ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہین۔ سیرۃ النبی ص ۱۲۱–۱۳۰ ج ۱

آنحضرت صلعم نے (نعوذ باللہ) اپنے ایک صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا" اس روایت کی تنقید وتردید مین مرقوم کیا جاتا ہے کہ —

اس روایت کا سب سے زیادہ ترصحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر مین روایت کیا ہے اس کا پہلا راوی اسماعیل ہے جس کا پورا نام اسماعیل ابن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اسکی توثیق بھی کی ہے۔ لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:-

معاویہ ابن صالح	اسمعیل اور اویس اسکا باپ دونون ضعیف ہے۔
یحیی ابن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور بالکل ہیچ ہے
امام نسائی	ضعیف اور ثقہ ہے۔
نصر بن سلمہ مروزی	کذاب ہے۔
دار قطنی	مین اسکو صحیح روایت کے لئے پسند نہین کرتا۔
سیف ابن محمد	وہ حدیثین وضع کرتا ہے۔

سلمہ بن شعیب — مجھ سے خود اس نے اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

مولوی صاحب خود ان رواۃ بخاری کی تکذیب فرماتے ہیں اور انکے کذاب ضعیف۔ غیر ثقہ اور وضاع ہونیکا خود اقرار کرتے ہیں اور باوجود اسکے اس کتاب پر ایسے شیفتہ و فریفتہ ہیں کہ اپنے تمام طومار تحقیق کا منتہا اقصی اسی کو قرار دیتے ہیں ان ھذا لشیٔ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

علم تاریخ میں بخاری کی جہالت

علم حدیث میں۔ جسکے خاص کر بخاری صاحب امام اولین قرار دئے جاتے ہیں۔ انکے کمال کی تو کیفیت ہماری مندرجہ بالا عبارت تنقیدی سے ثابت ہو گئی۔ علم تاریخ میں امام صاحب کو جیسا کچھ شعور حاصل تھا۔ وہ تو شبلی صاحب خود تاریخ صغیر بخاری کی روایت تسمیہ عبد العزیٰ میں بخوبی ظاہر فرما چکے ہیں۔ مگر ہم بھی مزید اطمینان کیلئے بخاری حمتاکی تاریخ دانی کی ایک اعلیٰ مثال ذیل میں نقل کرتے ہیں (صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی صفحہ ۱۷۰ سطر ۲۵۔ باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا یہ باب کتاب الجنائز میں ہے۔)

حدثنا الحمیدی ثنا سفیان قال حدثنا ایوب بن موسیٰ قال اخبرنی حمید بن نافع عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبہ بصفرۃ فی الیوم الثالث فمسحت عارضیہا و ذراعیہا وقالت ان کنت عن ھذا لغنیۃ لولا انی سمعت رسول اللہ صلعم یقول لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوجہا فانہا تحد علیہ اربعۃ اشہر و عشرا

حمیدی حدیث کرتے ہیں کہ سفیان نے کہا۔ اس سے ایوب بن موسیٰ نے اس سے حمید بن نافع نے اس سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا زینب نے کہا کہ جب ابو سفیان کے مرنیکی خبر شام سے آئی تو ام حبیبہ نے تیسرے دن صفرہ (یہ ایک قسم کی زرد رنگ کی خوشبو ہے) منگا کر اپنے گال اور ذراع پر ملی اور کہا کہ ہم کو اس کی حاجت نہ ہوتی اگر ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہ سنتے ہوتے کہ مسلمان عورت کو سوائے شوہر کے کسی کے مرنے میں تین دن سے زیادہ ترک زینت نہیں کرنا چاہئے۔ اور شوہر کے مرنے میں چار ماہ اور دس دن۔

اس روایت میں بخاری نے جو یہ لکھا ہے کہ ابو سفیان کے مرنیکی خبر شام سے آئی۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ابو سفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ میں ہوا۔ جیسا کہ عینی شرح بخاری مطبوعہ بیروت جلد ۴ صفحہ ۳ سطر ۲ میں۔ حدیث کے شروع میں مرقوم ہے۔

قولہ من الشام قال بعضہم فیہ نظر لان ابا سفیان مات بالمدینۃ بلا خلاف بین اھل العلم بالاخبار و الجمہور علی انہ مات سنۃ اثنتین و ثلاثین۔

کہا بعض نے کہ اس قول میں کہ ابو سفیان کے مرنے کی خبر شام سے آئی نظر ہے کیونکہ جمہور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو سفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ یا ۳۱ھ میں ہوا۔

ابن حجر مصنف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کے ایڈوکیٹ منجانب بخاری ہیں۔

اور شرح مذکور مین بخاری کی ہر گڑہی ہوئی بات کے بنانے کا انھون نے بیڑا اٹھایا ہے - ان کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا کہ یہ بخاری سے غلطی ہو گئی - چنانچہ وہ عبارت فتح الباری کی جو مطبوعہ مذکور صفحہ مذکور مین اس حدیث کے حاشیہ نمبر ۷ مین ہے - اور من الشام کے فقرے پر لکھا ہے - ہم بجنسہ نقل کرتے ہین -

قوله من الشام قال ابن حجر هو وهم لانه مات بالمدينة بلا خلاف وانما الذي مات بالشام اخوه يزيد بن ابو سفيان والحديث في مسندي ابن ابي شيبة والدارمي بلفظ لاخي ام حبيبة او حميم لها ولاحمد نحوه فقوي كونه اخاها -

ابن حجر کہتے ہین کہ بخاری کا یہ کہنا کہ ابوسفیان کا انتقال شام مین ہوا بالکل غلط ہے اور شام مین جو مرے وہ ام حبیبہ کے بھائی یزید ابن ابو سفیان تھے - اور مسند ابن ابی شیبہ، دارمی اور مسند احمد مین بھی یہی لکھا ہے کہ شام سے مرنے کی خبر ام حبیبہ کے بھائی کی آئی تھی فتح الباری شرح صحیح بخاری -

یہی اصح الکتاب بعد الکتاب باری ہے - اور اس مین اس قسم کی فاش غلطیان - انا للہ وانا الیہ راجعون - یہ امام المحدثین کی تاریخدانی کا پایہ کمال ہے، اور حقیقت حال - لاحول ولا قوۃ -

اسی حیثیت اور واقفیت پر شبلی صاحب حدیث تو حدیث تاریخ کی کتابون پر بخاری کے اقوال مختار کو ترجیح بالمرجح کی فضیلت دیتے ہین - حدیث مین بمصدوق - غیر مصدوق - موثوق - غیر موثوق اور راہل و نا اہل رواۃ کا ایسا کچھ انبار لگا پا گیا ہے - اسکی کیفیت ابھی ابھی اوپر دکھا دی گئی ہے اور حقیقت کا انکشاف کر دیا گیا ہے کہ جن رواۃ کے اقوال پر صحت بخاری کا دار و مدار ہے - ان مین - قدری - ناصبی - خارجی - فلان فرزند زوال - مدلس خاطی فی الحدیث وضاع اور کذاب کی بھرتی بھری پڑی ہے - پھر ان تمام عائب و متناقض سے پر اور مملو کتاب کو صحیح کیا اصح الکتاب کہنا سوا بدعقلی اور سیہ عملی کے اور کیا کہا جائے -

تعجب ہے شبلی صاحب کی اس دلیری پر کہ وہ بخاری کی ان فرد گذاشتون کو ذرا بھی خیال مین نہین لاتے - رواۃ کی تنقید کے علاوہ - خود بخاری صاحب کی مرویات و اقوال مین شبلی صاحب نے جو اختلافات و تناقص دکھلائے ہین وہ یہ ہین -

بخاری کے مرویات مین استبعاد و انکار روایات
[illegible]

(۱) بخاری مین روایت ہے کہ جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو انکا قد ساٹھ گز کا تھا

حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین

ويشكل هذا ما يوجد الآن من آثار الامم السابقة كديار ثمود فان مساكنهم تدل على ان قاماتهم لم تكن مفرطة الطول على حسب ما يقتضيه الترتيب السابق ولم يظهر الى الآن

اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قومون کے جو آثار اسوقت تک موجود ہین - مثلاً قوم ثمود کے آثار مکانات ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اسقدر بڑے نہ تھے جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے اور اسوقت تک

مالا یزیل ہذا الاشکال۔	مجھکو اس اشکال کا جواب نہیں معلوم ہوا۔

(۲) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں تو مجھے رسوا نہ کرے گا" اس حدیث کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں۔

استشکل الاسمعیلی ہذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ۔	اسماعیل نے اسپر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے۔

اسماعیلی کے اعتراض کا ابن حجر نے جواب دیا ہے۔ لیکن اسمعیل کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے۔ اسلئے اسمعیل کا اعتراض گو غلط ہو۔ لیکن قابل لحاظ ہو سکتا ہے ہم انکے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے۔

سبحان اللہ۔ کیا شان فیصلہ ہے اور کیا الفاظ تجویز۔ ابن حجر سے اسمعیل کا فن حدیث میں درجہ خاص کر بڑھا ہی ہے۔ مگر پھر بھی شبلی صاحب کے نزدیک اسمعیل کا اعتراض غیر صحیح اور مشکوک ہے۔ اور گو غیر صحیح کیوں ہو مگر تاہم قابل لحاظ ہو سکتا ہے۔ "کون بتلا سکتا ہے کہ ان بیچارہ اور ذو المعنی الفاظ و عبارت میں ایک لفظ کو بھی حقیقت اور صفائی سے کوئی سروکار ہے۔ سوا اسکے کہ پڑھنے والا ان منطق معکوس کے پیچیچ اقوال و آرا میں بغرض تفہیم و استفادہ اُلجھا رہے اور نتیجہ بجز حیرت کے کچھ بھی نہ معلوم ہو۔

(۳) عمر ابن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا (کی) تھا (تھی) "شمس العلما صاحب زنا کو مونث سمجھے" اس پر اور بندروں نے ملکر اسکو سنگسار کیا"

حافظ ابن عبد البر نے۔ جو مشہور محدث ہیں اس بنا پر اس حدیث میں تامل کیا کہ جانور مکلف نہیں۔ اسلئے اسکے فعل پر زنا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نہ اس بنا پر انکو سزا دیجا سکتی ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

وقد استنکر ابن عبد البر قصۃ عمرو بن میمون ہذہ وقال فیہا اضافۃ الزنا الی غیر مکلف واقامۃ الحد علی البہائم۔	ابن عبد البر نے عمر ابن میمون کی قصہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی اور جانوروں پر حد جاری کرنیکی نسبت و نشان قائم کی گئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے۔ اگر سند صحیح ہے تو وہ بندر زنا یا جن رہتے ہوں گے۔"

حافظ صاحب۔ ماشاء اللہ بخاری پرستی اتنی تو ہو۔ آپ کی تحقیق انیق میں جنات بھی اقسام حیوانات میں داخل ہیں۔ اور شیطان بھی کیونکہ وہ بھی تو قرآن مجید کی نص وکان من الجن کے رو سے جنات میں شمار ہے ہاں حافظ صاحب یہ حیوانات وبہائم کرۂ ارض کے کس اقطاع میں پائے جاتے ہیں؟ اور کس ملک وجزیرہ میں انکا مسکن ہے؟ زمانہ حال کے جدید یورپین نیچرلسٹ آپ کی اس تحقیقات وانکشافات سے بڑا فائدہ اٹھائینگے اور آپ کے ان اضافات کے بیحد ممنون ہونگے۔ ہم علامہ ابن حجر کی اعلیٰ قابلیت اور آن کی اس لغویت پر حیرت کریں یا شمس العلماء نعمانی کے ان لغویات کے نقل کرنے پر تعجب کریں؟ باوجود اسکے شبلی صاحب ان محدثین کے اقوال کو بے سروپا اور مہمل باتوں سے مبرا اور منزہ بتلاتے ہیں۔

(۴۱) صحیح بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ ایکدفعہ عبد اللہ ابن ابی کے طرفداروں اور آنحضرت صلعم کے صحابہ میں جھگڑا ہوگیا۔ اس پر یہ آیت اتری وان طائفتان اقتتلوا فاصلحوا بینھما اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑجائیں تو ان میں صلح کرادو۔

روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اسوقت تک عبد اللہ ابن ابی سلول کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ اس بناپر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں اور یہاں عبد اللہ ابن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیباً ایسا کہا گیا ہے۔"

ایک نہ شد دو شد۔ حافظ صاحب جس طرح جنات کو حیوانات بناتے ہیں اسی طرح مومن ومنافق کو تغلیباً ایک بتلاکر اپنے مبالغہ آمیز بیان کی پوری شان دکھاتے ہیں۔ ان سے زیادہ عبرت آتی ہے تو بخاری کے حال پر اور ان کی بصائت فی القرآن اور مہارت فی الحدیث پر۔ جو وحی الہی کی صحیح شان نزول کی بھی خبر نہیں رکھتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ عبد اللہ ابن ابی سلول کبھی مسلمان بھی ہوا۔ مومن کہاں تک ہوگا ان ھذا لشیء عجاب۔ ابن المومنین فی الحدیث ملخص از دیباچہ سیرۃ النبی جلد اول۔ ص ۵۵-۵۶

کمال تعجب ہے شبلی صاحب کی اس جرأت پر وہ بخاری کے اتنے قرآن وحدیث سے معارضات ایک ایک کرکے خود بتلاتے اور گنواتے ہیں اور کبھی تو خود اور کبھی دوسرے اکابر علماء ومحدثین سے آن پر الزام لگاتے ہیں مگر پھر بھی بخاری ومسلم کی تعدیل وتوثیق میں بڑی سرگرمی اور پرجوشی سے مقدمہ کتاب کے پائین حاشیہ میں یہ عبارت جوالقلم فرماتے ہیں:۔

صحاح ستہ میں متعدد کتابیں الیسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں مثلاً بخاری

اور مسلم حاشیہ ص ۵

اب مولوی شبلی صاحب سے کوئی کیونکر پوچھے جب صحیح بخاری میں ایک بھی اپنے ہی بقول ضعیف نہیں تھی تو خود یہ دلیل کے

شبلی صاحب کی ذوالجہتی اور تلوّن مزاجی

یہی مولوی شبلی صاحب ہیں جنھوں نے ابھی ابھی بخاری سے ایسی روایتیں جو صریحاً معانی قرآنی معارض اور مطالب احادیث کی مخالف ثابت ہوئی تھیں۔ دکھلا دیں۔ پھر آپ ہی ہیں کہ ایک دوسرے مقام پر۔ اپنی ہی قلم و زبان سے۔ اپنی خود غرضی کے زیر اثر ہو کر تقلید اسلاف اور تائید بخاری میں یوں رطب اللسان ہیں۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی خاصکر لحاظ کے قابل ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا۔ رسول اللہ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی۔ اسکے لحاظ سے بھی تمام محدثین پر ممتاز تھے۔ سیرۃ النبی دیباچہ ص ۲۹

اوّل تو اس قسم کی تحریر سے عموماً باستثنائے بخاری و مسلم۔ دیگر تمام علماء فضلا و اکابرین اسلام کے خلوص عقیدت و الفت رسول صلعم پر ناحق اور محض نازیبا حملہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ابھی تک تو شبلی صاحب صرف حدیث اور صرف حدیث رسول صلعم ہی کے متعلق امام بخاری کا کمال ثابت کرنے پر اصرار فرماتے تھے۔ اب آپ محبت و الفت رسول صلعم میں بھی ان کے خلوص و عقیدت کے کمال کی یکتائی اور عدیم المثالی کے دعوے فرمانے لگے۔ اس بنا پر ضرور ہوا کہ شبلی صاحب کے اس غلط دعوی کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاسکے۔

حضرت رسول میں امام بخاری کی بے ادبی

صحیح بخاری کے آٹھویں پارے میں۔ لیلۃ القدر کے متعلق یہ حدیث مرقوم ہے۔

باب فضل ليلة القدر وقول الله انا انزلنه في ليلة القدر وما ادرلك ما ليلة القدر ليلة القدر خير من الف شهر الى اخره قال ابن عيينه ما كان في القرآن وما ادريك فقد اعلمه وما قال وما يدريك فانه لم يعلمه۔

اس حدیث میں اصل بحث ابن عیینہ کے قول سے ہے کہ انھوں نے کہا کہ قرآن میں جہاں ما ادراک آیا ہے (یعنی کس چیز نے تجھے جتایا) اس کا علم تو آنحضرت صلعم کو حاصل ہے اور جہاں خدا نے ما یدریک کہا (یعنی کون چیز تجھے جتاتی ہے) اس کا علم آنحضرت صلعم کو نہیں تھا۔ ماحصل یہ ہے کہ جہاں بصیغہ ماضی آیا ہے اسکا علم آنحضرت صلعم کو حاصل ہے اور جہاں بصیغہ مضارع ہے۔ اسکا علم حضرت کو نہیں ،،

بخاری کی اس حدیث مترجمہ پر حسب ذیل اعتراض قائم ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ آپ حدیث رسول لکھتے ہیں یا قول تابعین۔ کیونکہ ابن عیینہ جنکا نام سفیان ہے نہ صحابی ہیں نہ خلیفہ۔ بلکہ ایک معمولی درجہ کے عالم ہیں۔ انکے کلام کو یہ رتبہ کہاں ملا کہ حدیث رسول پر مقدم

قد تعقب هذا الحصر لقوله ما یدریک لعله یزکی۔ فانها نزلت فی ابن مکتوم وقد علم بحاله وانه ممن تزکی ونفعته الذکری۔

اس دعوی حصری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے وما یدریک لعله یزکی ۔ یہ آیہ ابن مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلعم کو انکے حال کا علم تھا کہ وہ الٰہ کون ہیں جنکا تزکیہ ہوا اور پند و نصیحت نے انکو نفع دیا۔

اس بنا پر بخاری کا یہ دعوی کہ جس آیہ میں ما یدریک ہے۔ اسکا علم آنحضرت صلعم کو نہیں دیا گیا۔ بالکل غلط ہو گیا۔ کیونکہ یہاں اس لفظ سے جو وارد ہے۔ ثابت ہے کہ آنحضرت کو اسکا علم حاصل تھا۔ یہیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

اس چارون اعتراضون کو۔ ابن حجر اور عینی۔ دونون صاحبون نے لکھا ہے۔ مگر آخری دو اعتراضون کا کوئی صاف جواب نہ دے سکے۔ صرف عینی صاحب اتنا لکھتے ہین کہ تفسیر ابن عینیہ مین اس قول کا نہ ملنا اس کی دلیل نہین ہے کہ یہ قول ہی نہ ہو۔ ابن حجر تو اتنے جواب سے بھی عاجز ہے اور اسکا احساس بھی اُن کو نہوا کہ حضرت کی شان رسالت کے کس قدر خلاف ہے۔ مگر ابن حجر صاحب تو اہلحدیث ہین۔ اُن کو تو صحیح بخاری کی عظمت سے کام ہے نہ آنحضرت صلعم کی جلالت قدر اور عظمت مرتبت سے۔ اسی وجہ سے صرف اُن اعتراض کو لکھکر چھوڑ دیا۔ مگر علامہ عینی جو فرقہ حنفی کے مسلم الثبوت عالم ہین۔ بالاخر اون کا دل بھر آیا۔ اور اس جملہ سے انکا قلب کانپ گیا۔ لکھتے ہین۔ قلت فی هذه العبارة اساءة الادب لا یخفی ذلک علی المنصف۔ اس عبارت مین جس قسم کی اسارت ادب حضرت صلعم کی نسبت ہے وہ صاحبان انصاف پر مخفی نہین۔

افسوس۔ شبلی صاحب۔ بخاری کی ایسی سوء ادبی کو رسول کے ساتھ خلوص اور خاص شیفتگی کہتے ہین۔ اگر ایسی ہی ہے جیسا وہ سمجھے ہین تو اس عقیدت و خلوص کی دوسری مثال ملاحظہ ہو۔

(۲) بخاری مین تسمیہ سورۂ بقر کے متعلق۔ یہ حدیث مرقوم ہے۔

سوء ادبی کی ایک دوسری مثال

حدثنا بشر بن آدم قال اخبرنا علی ابن مسهر قال حدثنا هشام عن ابیه عن عائشه قالت سمع النبیؐ قاریا یقرء من اللیل فی المسجد فقال یرحمه الله لقد اذکرنی کذا وکذا آیة اسقطتها من سورۃ کذا وکذا (بخاری جزء حادی عشر ورق ۱۰۰)

بشر ابن آدم۔ علی ابن مسہر سے۔ وہ ہشام سے۔ وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہین کہ سنا رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کو کہ شب کے وقت مسجد مین قرآن پڑھتا تھا حضرت نے فرمایا خدا رحم کرے اس پر کہ اس نے فلان فلان آیہ کو مجھے یاد دلایا جو بھول گیا تھا مین فلان فلان سورے سے

بخاری کی اس مثال عقیدت سے رسالت کی نزاکت طبع کا خوبصورت مضمون شبلی صاحب کو اینٹل سکتا ہے ورنہ اس کفر انگیز عبارت سے ایک محقق کیا بہرحال ناقص العقل بھی بخوبی سمجھ جائیگا کہ خود رسول اللہ صلعم قرآن کو اس طرح بھول جاتے تھے کہ مطلق خیال بھی نہ رہتا تھا بلکہ جب کوئی دوسرا پڑھتا تھا تو آپ کو یاد پڑتا تھا۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ شبلی صاحب نے سیرۃ النبی مین بخاری کے ساتھ۔ جتنا خلوص عقیدت اور اپنی شیفتگی ظاہر کی ہے۔

افسوس کہ اُن کے دعوے کے خلاف بخاری نے اتنا خلوص و عقیدت بھی رسولؐ کے ساتھ نہ دکھلائی۔ اور جس رسول کو شبلی صاحب الکلام میں علماء و حکمائے اسلام کے اقوال کی بنا پر سے۔ دلائل و براہین عقلیہ کے ثبوت کے ساتھ۔ تمام قوائے مدرکہ و احساس ظاہریہ و باطنیہ میں۔ عام طبقہ انسانی سے اعلیٰ ترین ثابت کر چکے ہیں اور حدود ادراک و احساس انسانی سے متجاوز قرار دیکر حدود ملکوتیت اور روحانیت تک پہونچا چکے ہیں۔ اسی روحانیت اور نورانیت کے پیکر مجسم (روحی لہ الفداء) کو امام بخاری صاحب ایک عامی العقل آدمی کے برابر۔ حامل سہو و نسیان و فاعل تسامح و غلطان قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کے ساتھ یہی بخاری صاحب کی خلوص و شیفتگی ہے اور یہی الفت و فریفتگی۔ اگر اسی کا نام خلوص و عقیدت ہے تو پھر اہانت کیا ہے۔ هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔

ان مرویات مخالفت اصول اسلام کی نسبت اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ امام بخاری نے سرسری طور پر ان حدیثوں کو لکھ دیا ہے اور ان کے نتائج پر زیادہ غور نہ فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ وہ رسول اور رسالت کو قابل سہو و نسیان یقین کرتے تھے۔ اور اس پر وہ ثابت العقیدہ تھے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری میں۔ آپ نے خاص طور پر نسیان القرآن کے نام سے ایک علیحدہ باب قرار دیا ہے جس میں چار حدیثیں اس مضمون کی لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم قرآن بھول گئے تھے۔ لیکن ہم ان لغویات کی نقل سے تحاشا کرتے ہیں۔ اور ان جہلات کے نقل کو بھی معصیت سے خالی نہیں سمجھتے۔ اس لئے جتنی مثالیں اوپر لکھی گئی ہیں وہی ہمارے مدعا کے لئے کافی ہیں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حقیقت رسالت اصلاً سمجھی ہی نہیں گئی۔ نہ شبلی صاحب غایت رسالت کو سمجھ سکے اور نہ بخاری صاحب حقیقت نبوت کو سمجھا سکے۔ اور کیونکر سمجھتے یا سمجھا سکتے۔ خلافت اور صحابیت کے اصول تعمیم ان نصوص تخصیص سے بالکل مستاصل ہو جاتے۔ کمال حسرت و عبرت ہے کہ ان مرویات سے اپنے عقاید کے اصول کی تو حفاظت کر لی گئی مگر رسول کی شان رسالت مخالفین اسلام کی توہین و تضحیک کے لئے کھلی چھوڑ دی گئی۔ اور ان مرویات بخاری و غیر امثالہ کو دیکھکر۔ عیسائی متعصبین اور آریہ سماج۔ قرآن اور حامل قرآن سلام اللہ علیہ من ربہ المنان کی مقدس زبان بیان اور کمال حفظان کو محمول السہو والنسیان ثابت کرنے میں اور جری ہو گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

صحیح بخاری کی اصلیت
کیا بخاری صاحب اسکے اصل جامع ہیں جیسا کہ عام میں مشہور ہے؟

نقادان فن حدیث۔ صحیح بخاری کی اصلیت سے بخوبی واقف ہیں حقیقت میں یہ کتاب جیسا کہ عوام میں آجتک غلط مشہور ہے۔ امام بخاری کی تالیف ہی نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ تحقیق سے اس مسروقہ قرار پائی ہے۔ یعنی یہ کتاب امام صاحب کے استاد علی ابن المدینی کی ہے۔ جسکو امام صاحب نے استاد کی غیبت میں۔ اپنے ایک استاد دوسرے کو نظر دیکر

حاصل کر لیا اس کی حقیقت۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری کی زبانی ملاحظہ ہو۔ تہذیب التہذیب۔ امام بخاری کے خاص ذکر میں جلد نہم ص ۵۳ میں رقمطراز ہیں۔

قال مسلمة وألّف علي ابن المديني كتاب العلل وكان ضنينا به فغاب يوما في بعض ضيعاته فجاء البخاري إلى بعض بنيه ورغّبه بالمال على أن يرى الكتاب يوما واحدا فأعطاه له فدفعه إلى النسّاخ فكتبوه له وردّه إليه فلمّا حضر عليّ تكلم بشيء فأجابه البخاري بنص كلامه مرارا ففهم القضية واغتمّ لذلك فلم يزل مغموما حتى مات بعد يسير واستغنى البخاري عنه بذا الكتاب وخرج إلى خراسان ووضع كتابه الصحيح فعظم شأنه وعلا ذكره وهو أوّل من وضع في الإسلام كتابا في الصحيح فصار الناس له تبعا بعد ذلك.

مسلمہ کہتے ہیں کہ علی ابن مدینی (استاد بخاری) نے ایک تالیف بنام کتاب العلل کی تھی جس کی اشاعت میں وہ بخل کرتے تھے۔ ایک روز کسی ضرورت سے اپنے کھیت پر گئے تو بخاری نے ان کی بعض اولاد کو کچھ مال دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ایک روز کے لئے وہ کتاب دیدیں۔ اس نے دیدیا۔ بخاری نے کاتبوں کو دیا اور راتوں رات سب نے اس کو نقل کر دیا۔ جب علی ابن مدینی واپس آئے اور اپنے درس پر بیٹھے تو حسب معمول شاگردوں نے سوال کیا تو بخاری نے وہی جواب دیا جو ان کی کتاب میں تھا۔ اصل حقیقت کو علی ابن مدینی سمجھ گئے اور نہایت مغموم و مہموم ہو کر رہ گئے۔ اسی غم میں چند روز کے بعد وہ مر گئے۔ اور بخاری اس کتاب کو لے کر خراسان چلے گئے۔ اور وہاں جا کر اپنی کتاب صحیح کو تالیف کیا۔ جس سے بڑی ناموری حاصل کی اور وہ پہلی کتاب صحیح ہے جو اسلام میں تصنیف ہوئی اور سب نے اسی کی تقلید اختیار کی۔

ہم اس سے زیادہ اس کی حقیقت کی طول و طویل تفصیل کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ مسئلہ زیر بحث میں بخاری کی اصل حقیقت کی تنقید مقصود ہے نہ اس کی حقیقت و اصلیت کی تحقیق جس کو ہم ایک حد تک اپنی مندرجہ بالا عبارت تنقیدی میں درج بھی کر چکے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے سلسلہ بیان میں اس کتاب کی غیر صحت اور ابتری کی حالتوں کو دکھلاتے ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں اپنی جمع کردہ حدیثوں کی خود صحیح تعداد نہیں بتائی

حفظ احادیث کے متعلق بخاری صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم کو ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ مقدمہ صحیح بخاری ص ۱۵۔ مگر پھر اس پر ترقی فرما کر ارشاد ہوتا ہے خرجت الصحیح من ستمائة الف الحدیث ص ۱۶ صحیح بخاری کو ہم نے چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کر کے لکھا ہے۔ اب یہ دونوں متعارض اور متناقض دعاوی قابل ملاحظہ ہیں۔ پہلے دعوے میں تو اقرار ہے کہ صحیح اور غیر صحیح ملا کر کل تین لاکھ حدیثیں یاد ہیں پھر دوسرے دعوے میں چھ لاکھ حدیثیں کہاں سے آگئیں جن سے موجودہ صحیح بخاری مرتب کی گئی۔ بخاری کے ان دونوں مختلف دعووں کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص بآسانی فیصلہ کر لے گا کہ آپ کے ان دونوں مختلف اقوال میں ایک تو ضرور غلط ہوگا۔ مگر جب حقیقت کا متلاشی۔ اصلیت کا متجسس۔ آپ کے لاکھوں حدیثوں کی تلاش میں۔ آپ کی صحیح بخاری کا ورق ورق الٹ ڈالتا

ہے - تو پورے دس ہزار کی بھی تعداد پوری نہیں ہوئی - بلکہ تدریب الراوی میں ہے کہ صحیح بخاری میں بعد حذف مکررات کل دو ہزار پانچسو تیرہ ۲۵۱۳ حدیثین ہین تنقید بخاری حصہ سوم ص ۳۹

اب اس مضمون کی مفصل کیفیت حسب ذیل ہے ۹ - مقدمہ فتح الباری مین ابن حجر لکھتے ہین :

سمعت البخاری یقول احفظ مائة الف حدیث صحیح واحفظ مائتی الف حدیث غیر صحیح وقال وراقه سمعته یقول ما نمت البارحة حتی عددت کم ادخلت فی تصانیفی من الحدیث فاذا هو نحو مائتی الف حدیث ص ۵،،

بخاری سے منقول ہے کہ ایک لاکھ صحیح حدیثین اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثین مجھے یاد ہین - وراقہ بیان کرتے ہین کہ ایک روز بخاری نے مجھ سے کہا کہ ہم نے ایکدن سونے سے پہل اپنی یاد کرو حدیثون کو شمار کیا - جو میری تصنیفات مین تھین تو دو لاکھ حدیثین تھین -

اب ان دعاوی مختلفہ کی نسبت امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی مین مندرجہ ذیل انکشاف حقیقت فرماتے ہین :-

قال العراقی فی هذا الکلام نظر لقول البخاری احفظ مائة الف حدیث صحیح و مائتی الف حدیث غیر صحیح قال ولعل البخاری اراده بالاحادیث المکررة الاسانید والموقوفات فربما عد الحدیث الواحد المروی باسنادین حدیثین زاد ابن الجماعة فی المنهل الروی او اراد المبالغة فی الکثرة قال والاول اولی وقیل یرید ان هذا هو المراد ان الاحادیث الصحاح التی بلین اظهرنا بل وغیر الصحاح لو تتبعت من المسانید والجوامع والسنن والاجزاء وغیرها لما بلغت مائة الف بلا تکرار بل ولا خمسین الفا ویبعد کل البعد ان رجلا واحدا حفظ ما فات الائمة جمیعه فانما حفظه من اصول المشائخة وهی موجودة تدریب الراوی سیوطی ص ۳۶

بخاری نے جو دعوی کیا ہے کہ ہم ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ حدیث غیر صحیح یاد رکھتے ہین - اسمین کلام ہے شاید ان سے مراد وہ حدیثین ہین جنکی سند مکرر ہین اور موقوفات بھی ان مین شامل ہین جن سے ایک حدیث کو انھون نے دو کر دیا ہے - ابن جماعہ اپنی کتاب منہل الراوی مین کہتے ہین کہ مراد بخاری کی اس کہنے سے مبالغہ یا کثرت ہے کہاگیا ہے کہ قول اول اولی ہے - کیونکہ جو حدیثین ہمارے پیش نظر ہین - وہ صحاح و غیر صحاح مسانید سنن جوامع اور اجزاء مین ثبت ہین - اگر انکا تتبع کیا جاوے تو لاکھ کیا بلکہ پچاس ہزار سے بھی زیادہ نہ ہونگی - پھر یہ بھی نہایت مستبعد ہے کہ ایک شخص واحد کو وہ تمام و کمال کل حدیثین اکٹھا یاد ہو لیا - جو امت اسلامیہ مین سے کسی فرد واحد کو بھی نہ یاد ہون - حالانکہ سب لوگون نے ان حدیثون کو تمام تر اونھین مشائخ حدیث سے حفظ و یاد کیا ہے جو اس وقت ہم سب کے پیش نظر موجود ہین -

تدریب الراوی سیوطی ص ۳۶

امام جلال الدین سیوطی کی نسبت عرض کی ضرورت نہین وہ اکابر محدثین متأخرین مین ہین [illegible]

ایسی حالت میں - جیسا کہ امام سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ صحاح - غیر صحاح - مسانید - سنن - جوامع اور اجزاء کے استقرا سے سب کی حدیثیں ملا کر بھی ایک لاکھ پچاس (۱۵۰۰۰۰) ہزار حدیثوں سے زیادہ کا مجموعہ ثابت نہیں ہوتا تو پھر بخاری صاحب کو تین لاکھ حدیثیں کہاں سے مل گئیں جو انھوں نے یاد کر لیں جس کی نسبت وہ اتنی دلیری سے دعویٰ کرتے ہیں -

اب بخاری صاحب کے خوش اعتقاد مقلدین کے محققانہ اضافات ملاحظہ ہوں - بستان المحدثین میں شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں :-

واز جملہ شش لک (۶۰۰۰۰۰ لاکھ) حدیث کہ نزد او موجود بود از او انتخاب شروع نمودہ وآنچہ کہ بسیار صحیح بود بر آن اکتفا نمود - ص ۱۰۰ -

چھ لاکھ حدیثیں جو امام بخاری صاحب کے پاس موجود تھیں ان میں سے انتخاب شروع کیا - اور جس قدر ان میں سب سے زیادہ صحیح ثابت ہوئیں ان ہی پر اکتفا کی گئی -

کہاں تو علمائے متقدمین تین لاکھ حدیثوں پر جرح و قدح کر رہے تھے - شاہ صاحب کی ترقی اعتقاد نے تین لاکھ کی تعداد کو دونی کر کے تین لاکھ کو چھ لاکھ کر دیا - اگر اور زیادہ تحقیق سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقتاً یہ نہ شاہ صاحب کی ایجاد ہے اور نہ ان کا خاص مستزاد - بلکہ بخاری صاحب ہی کا دعویٰ ہے جس کو ہم آگے بصراحت الفاظ میں اس بحث کے آغاز میں لکھ آئے ہیں -

فی الواقع بخاری کا یہ دعویٰ اس درجہ غلط تھا کہ خود علمائے اہل سنت کو اقرار کرنا پڑا کہ بخاری نے اپنے اس اظہار دعویٰ میں مبالغہ سے کام لیا ہے - سبحان اللہ - احادیث رسولؐ کی تفصیل و بیان اور مبالغہ - بخاری کے ایسا امام المحدثین اور معمولی شاعروں کی طرح اپنے کلام و بیان میں مبالغہ آمیزی سے کام لے اور یقولون بالسنتہم ما لیس فی قلوبہم کا مصداق اور فی کل وادٍ یہیمون کا مفاد بنے - استغفر اللہ ربی -

بخاری صاحب کی ان طومار بندیوں کا آخر نتیجہ بھی تدریب الراوی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے -

سبعۃ آلاف ومائتان وسبعون حدیثا بالمکررۃ وبحذف المکررۃ اربعۃ آلاف ص ۳۰

صحیح بخاری میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں اور مکررات نکال دیجائیں تو کل چار ہزار حدیثیں رہ جاتی ہیں -

اب ظاہر ہے - یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کو اپنے ایک دعوے کے مطابق ایک لاکھ - دوسرے دعوے کے مطابق تین لاکھ اور تیسرے دعوے کے مطابق چھ لاکھ حدیثیں یاد ہوں اور اپنی ایسی عظیم الشان تالیف میں جس کو کبھی مکہ میں کبھی مدینہ میں ہمیشہ بیٹھ کر دو دو رکعت نماز پڑھ پڑھ کر لکھے وہ صرف چار ہزار حدیث لا سکے اور بقول اول چھیانوے ہزار اور بقول دوم دو لاکھ چھیانوے ہزار اور بقول سوم پانچ لاکھ چھیانوے ہزار غائب کر دے - آخر میں کچھ سمجھنا چاہئے کہ اصل سرمایہ یہ چار ہزار ہی کا تھا - باقی سب آپ کی نازیباں اور زبانی جمع خرچ

سچ تو یہ ہے کہ ہم بخاری صاحب کی حدیثوں کا لکھا لگا نہیں سکتے ؎ شمار کردم و دیدم کہ بیشمار آمد۔ امام صاحب کی قوت حافظہ۔ یادداشت اور صدق بیانی کی تصدیق تو تنیز ناظرین کی منصفانہ تجویز اور محققانہ فیصلہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

شبلی صاحب کو بخاری پرستی کی کیوں مجبوری ہوئی۔ صرف اس لئے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی ایک مقام پر اشارتاً بتلا آئے ہیں کہ بخاری صاحب اور ان کے اصنات کے حضرات چونکہ شبلی صاحب کی مدعائے تالیف مسائل تعمیم بین الطبقات الامم۔ عدم تخصیص فی الدرج الصحابہ۔ تنقیص بنی ہاشم اور ترجیح و تفضیل خلفا و امرار بنی امیہ میں آپ کے بالکل ہمخیال اور ہمکلام واقع ہوئے ہیں۔ اس بنا پر ان حضرات کے اخبار و آثار کو عموماً اور بخاری صاحب کے شعار و تحمار کو خصوصاً اپنی تحقیق و تنقید کا معیار قرار دیا گیا اور مقدمہ کتاب ہی سے بخاری کی مدح سرائی اور فن حدیث میں بے مثالی اور یکتائی آغاز فرمائی گئی۔ اور ہر جز کتاب کے مسائل و مباحث میں انہیں کے مختار کو ترجیح و تفضیل عنایت کی گئی۔ کیونکہ اصل مقصد و بغیر ان کی دستگیری کے دوسرے علما و محدثین کی مرویات و تالیفات سے کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳۷) سیرۃ النبیؐ کی جلدوں میں ایک حدیث بھی ائمہؑ یا علمائے اہلبیتؑ سے نہیں لی گئی جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگوار قطعی ساقط الاعتبار ہیں۔ اس طریق میں آپ پورے پورے اپنے شیخ الشیوخ امام بخاری کے مقلد ہیں۔ کیونکہ انھوں نے بھی اپنے تمام صحیح میں ان حضرات سے اخراج و استماع حدیث نہیں کیا۔

> اسقاط مرویات ائمہ اہلبیت تقلید بخاری

علمائے اہلبیت نے بخاری کی اس عصبیت کی تو آج تک نہ کوئی پروا کی اور نہ کبھی کوئی شکایت مگر علمائے اہلسنت میں مولانا عمر کریم صاحب فاضل معاصر نے۔ فہرست اعتراضات جرح و قدح بخاری میں اس متعصبانہ ستم اور فروگذاشت کو خصوصیت کے ساتھ داخل کر دیا۔ انکی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

> بخاری صاحب نے تقریباً چار ائمہ اہلبیتؑ کا زمانہ پایا۔ سیدنا حضرت علی بن موسیٰ الرضا سیدنا امام محمد تقیؑ سیدنا امام علی النقی اور سیدنا امام حسن العسکریؑ علیہم السلام مگر ان میں سے کسی بزرگوار سے کسی حدیث کی سماعت نہیں کی۔ اور تحقیق و تلاش حدیث میں ساری دنیا چھان ڈالی۔ مکہ۔ مدینہ۔ عراق۔ شام اور مصر۔ غرض کوئی جگہ نہ چھوڑی یہ کیوں؟
>
> (رسالۂ الفتنیہ۔ امرتسر)

(۳۸) امام بخاری ہی نے ان بزرگوں کو متروک الحدیث نہیں قرار دیا ہے بلکہ منہاج السنۃ میں امام ابن تیمیہ ذوکمال استغفار اس عصبیت کو جملہ اصحاب صحاح اہلسنت کا خاص شعار قرار دیتے ہیں۔ ان کی اصل

عبارت یہ ہے۔

فان العلماء المعروفین بالروایة الذین کانوا فی زمن هذا الحسن بن علی العسکری لیس لهم عنه روایة مشهورة فی کتاب هذا شیوخ اهل کتب السنة البخاری مسلم ابی داؤد الترمذی والنسائی وابن ماجه کانوا موجودین فی ذلک الزمان وقبله وبعده وقد جمع الحافظ ابو القاسم بن عساکر ذکر اسماء شیوخ الکل شیوخ هؤلاء الائمة فلیس من هؤلاء الائمة من روی عن الحسن بن علی العسکری مع روایتهم من الوف مؤلفة من اهل الحدیث.

منہاج السنۃ ص ۱۲۱

یعنی جو علماء مشہور بن حدیث ہیں۔ اور وہ۔ زمانہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اُن سے روایت نہیں کرتا شیوخ کتب سنن۔۔ بخاری مسلم۔ ابی داؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ۔ یہ سب اُسی زمانہ میں۔ قبل و بعد۔ موجود زندہ تھے۔ حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے۔ کتب سنت کے تمام شیوخ الشیوخ کے نام لکھے ہیں جن میں سے کوئی بھی حضرت امام حسن عسکری سے روایت نہیں کرتا۔ حالانکہ ہزاروں راویوں سے حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔

منہاج السنۃ ص ۱۲۱

اس کا سبب کیا؟ وہی تنقیص اہلبیت۔ جسکو ہم مجمل طور پر ابھی بھی ایک حنفی فاضل کی تحریر کا حوالہ دیکر اوپر لکھ چکے ہیں اور بار دیگر مفصل طور پر حسب ذیل ہے۔

امام ابن تیمیہ نے تو اصحاب سنن اور بخاری وغیرہم کی اس عصبیت کو بڑے افتخار سے لکھ مارا۔ مگر انکو نہیں معلوم تھا کہ علما سے اہل سنت ہی میں اکثر حضرت کو ان علما کے عموماً اور بخاری کے اس شعار سے خصوصاً سخت شکوہ ہوا ہے اور بخاری کی اس اعراض کو انھوں نے بکمال حقارت دیکھا ہے۔ انھیں میں علامہ دو النسبتین ابن دحیۃ اندلسی ہیں۔ وہ اپنی کتاب اسماء النبیؐ میں ذیل کی عبارت قلمبند فرماتے ہیں:—

ترجمة البخاری فی صحیحه فی وسط المغازی ما هذا قصة بعث علی ابن ابی طالب وخالد ابن ولید الی الیمن قبل حجة الوداع حدثنی احمد ابن عثمان قال حدثنا شریح بن مسلمة قال حدثنا ابراهیم ابن یوسف ابن اسحق ابن ابی اسحق قال حدثنی ابی عن ابی اسحق سمعت البراء بعثنا رسول الله صلی الله علیه واله وسلم مع خالد ابن ولید الی الیمن

بخاری نے اپنی صحیح کے وسط مغازی میں روایت کی ہے کہ ابن عازب سے کہ حضرت صلعم نے ہم کو خالد ابن ولید کے ہمراہ حجۃ الوداع کے قبل جانب یمن روانہ کیا بعد جناب علیؑ ابن ابیطالبؑ کو بھیجا اور کہا کہ جو شخص خالد کے ساتھیوں میں سے چاہے تمہارے ساتھ رہنا چاہے تو اُس کو رہنے دینا اور جو شخص کہ چاہے واپس آئے اس کو بھی آنے دینا براء کہتے ہیں کہ ہم اُن میں تھے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ بریدہ سے روایت ہے کہ حضرت نے حضرت علیؑ کو

ثم بعث علیا بعد ذلک مکانہ فقال مر اصحاب
خالد من شاء منھم ان یعقب معک فلیعقب ومن
شاء فلیقبل فکنت ممن عقب معہ فقال غنمت
اواقی ذات عدد حدثنی محمد ابن بشار قال حدثنا
روح ابن عبادۃ قال حدثنا علی ابن سوید بن
منجوف عن عبد اللہ ابن بریدۃ عن ابیہ قال
بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیا الی خالد
لیقبض الخمس وکنت ابغض علیا وقد اغتسل فقلت
لخالد الا تری الی ھذا فلما قدمنا الی النبی صلعم ذکرت
لہ ذلک فقال یا بریدۃ اتبغض علیا فقلت نعم قال
لا تبغضہ فان لہ فی الخمس اکثر من ذلک
قال ذو النبلین اوردہ البخاری ناقصا
مبترا کما تری وھی عادتہ فی ایراد الا
حادیث التی من ھذا القبیل وما ذاک الا لسوء
رایہ فی التنکب عن ھذہ السبیل واوردہ الامام
احمد ابن حنبل کاملا مشبعا ولی بطریقہ صحیحہ
وبہ موفقا فقال فیما حدثنی الثقات العدل الثقۃ
مشائخ العراق تاج الدین ابو الفتح محمد ابن احمد
بن المندائی قراءۃ علیہ بواسط العراق بحق
سماعہ علی الثقۃ الرئیس ابی القاسم ابن الحصین
بحق سماعہ علی الثقۃ ابو علی الحسن ابن علی الحسین الواعظ
بن المذھب بحق سماعہ علی الثقۃ ابی بکر احمد بن
جعفر بن حمدان بن القطیعی بحق سماعہ من
الامام ابی عبد الرحمان بن عبد اللہ بحق سماعہ
عن ابیہ امام السنۃ ابی عبد اللہ احمد ابن حنبل

بھیجا کہ جا کر خالد سے خمس وصول کریں اور ہم کو علی سے بغض تھا
اور ہم نے دیکھا کہ علی غسل کر کے آئے ہیں تو ہم نے خالد سے کہا کہ کیا
اسکی طرف نہیں دیکھتے ہو جب ہم جناب رسول خدا صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سے اس بات کا تذکرہ
کیا حضرت صلعم نے فرمایا کہ اے بریدہ کیا تم کو علی سے عداوت
ہے میں نے کہا ہاں حضرت نے فرمایا علی سے بغض نہ رکھو
کیونکہ ان کا حصہ خمس میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مصنف
ذو النبلین (صاحب کتاب) کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بخاری نے
اپنی صحیح کے اندر جیسا کہ دونوں حدیثوں میں بالکل ناقص
اور بطریق ابتر وارد کیا ہے جیسا کہ دیکھا جاتا
ہے۔ اور یہ ان کی عادت ہے جو ان احکام
کی حدیثوں کی تفصیل و بیان میں اختیار کرتے ہیں
اور سبب اس کا یہی ان کی رائے کی بدی ہے جو
وہ اس راہ سے انحراف کرنے میں رکھتے ہیں۔ اس
روایت کو امام احمد بن حنبل نے کاملاً اور
متفقاً وارد کیا ہے جس کے طرق ثقات میں وہ اتصال
ہوتے وہ یہ ہے (سلسلہ رواۃ متن میں مذکور ہے۔ بخوف
طوالت قلم انداز کرتے ہیں) عبد اللہ بن بریدہ سے روایت
کرتے ہیں کہ ہم کو حضرت علی بن ابیطالب سے ایسا بغض تھا
کہ ویسا کسی سے بھی نہیں ہوا میں نے ایک شخص سے محض اس
وجہ سے محبت کی تھی کہ وہ علی سے بغض رکھتا تھا [illegible]
دشمن علی تھا سردار لشکر بنا کر بھیجا گیا [illegible]
اس کی ہمراہی قبول کی [illegible] دشمن علی تھا [illegible]
قید کی دستیاب ہوئے [illegible] آنحضرت [illegible]
وسلم کو لکھا کہ تقسیم غنیمت کے لئے کسی کو بھیج دیں

قال حدثنا یحیی ابن سعید حدثنا عبد الجلیل قال
انتہیت الی حلقۃ فیہا ابو مجلز وابنا بریدۃ فقال
عبد اللہ بن بریدۃ قال ابغضت علیا بغضا
لم یبغضہ احد قط قال واحببت رجلا لم احبہ
الا لبغضہ علیا قال فبعث ذالک الرجل
علی خیل فصحبتہ ما اصحبہ الا علی بغضہ علیا
قال واصبنا سبیا قال فکتب الی رسول اللہ صلعم
ابعث الینا من یخمسہ قال فبعث الینا علیا
وفی السبی وصیفۃ ہی افضل من السبی قال
فخمس وقسم فخرج ورأسہ یقطر فقلنا یا ابا الحسن
ما ہذا قال الم تروا الی الوصیفۃ التی کانت فی
السبی فانی قسمت وخمست فصارت فی الخمس ثم
صارت فی اہل بیت النبی صلعم ثم صارت فی آل علی
ووقعت بہا فکتب الرجل الی نبی اللہ صلعم فقلت ابعثنی
فبعثنی مصدقا قال فجعلت اقرأ الکتاب واقول
صدق قال فامسک یدی والکتاب قال اتبغض
علیا قال قلت نعم قال فلا تبغضہ وان کنت تحبہ فازدد
لہ حبا فوالذی نفس محمد بیدہ لنصیب آل علی فی
الخمس افضل من وصیفۃ قال فما کان من
الناس احد بعد قول رسول اللہ صلعم احب الی
من علی قال عبد اللہ فوالذی لا الہ غیرہ ما
بینی وبین رسول اللہ صلعم فی ہذا الحدیث غیر ابی بریدۃ

آنحضرت صلعم نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو بھیجا
ان قیدیوں میں ایک لونڈی تھی۔ جو سب سے بہتر تھی
حضرت علیؑ بعد تقسیم تشریف لائے اس حالت سے کہ آپ
نے غسل فرمایا تھا اور پانی کے قطرے آپ کے سر سے
ٹپک رہے تھے۔ ہم نے کہا یہ کیا؟ حضرتؑ نے کہا کہ
اُس لونڈی کو کیا نہیں دیکھا جو ان قیدیوں میں تھی کہ بعد
تقسیم وہ خمس میں پڑی اور تقسیم خمس کے ذریعہ سے وہ
اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے حصہ میں آئی اور پھر
اُن سے خاص حصہ آل علیؑ میں آئی۔ اس شخص نے (خالد ابن
ولید) جو سردار لشکر بنایا گیا تھا ان سب حالات کو لکھ کر
حضرتؐ کے پاس بھیجنا چاہا۔ ابو بریدہ نے کہا کہ یہ خط ہم کو
دو کہ ہم اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ خط لیکر ہم رسول اللہ صلعم
کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ نے خط پڑھنا شروع کیا۔
ہم۔ سچ ہے۔ سچ ہے۔ کہتے جاتے تھے پس آنحضرتؐ نے
میرا ہاتھ پکڑ لیا اور خط پڑھنا بند کر دیا اور مجھ سے استفسار فرمایا کہ تم
علیؑ سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ حضرتؐ نے فرمایا
علیؑ سے بغض نہ رکھو۔ اگر محبت رکھتے ہو تو اسکو بڑھاؤ۔ قسم اسکی جسکے
قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ آل علیؑ کا حصہ خمس میں اُن
وصیفہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس حدیث کے بعد ہمارے نزدیک علیؑ
سے بڑھکر کوئی محبوب نہیں۔ عبد اللہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ قسم
خدا کی ہمارے اور جناب رسولخدا صلعم کے درمیان اس حدیث میں سوا
میرے باپ بریدہ کے کوئی دوسرا واسطہ نہیں ہے

ابن حجر کی مرقومہ بالا عبارت سے بخاری صاحب کا تدین فی نقل الاحادیث بدیہی طور پر ثابت ہو گیا یا علماء
دیانت و امانت آپ کیسے متدین اور باعتبار محدث محقق تھے کہ احادیث فضیلت جناب امیرؑ کو ناقص اور بسا
منظور نہ لکھا کرتے اور کبھی صریح ان کا دل اسکو گوارا نکرتا کہ فضائل و مناقب جناب امیرؑ کو پورے طور پر لکھیں

روایت امام احمد ابن حنبل میں حضرت علیؑ کی اخوت اور مساوات کا ذکر ہے۔ جس سے جناب امیرؑ کی فضیلت تمام عالم پر بعد رسول اللہ صلعم ثابت ہے۔ بخاری نے اس جملہ کو بالکل نکال دیا۔

بخاری کی یہ ترکیب صرف ایک روایت میں نہیں ہے بلکہ بقول علامہ ذوالنسبین ابن دحیہ الاندلسی۔ وھی عادتہ کما تری بخاری کی یہ عادت تھی جیسی کہ دیکھی جاتی ہے کہ جس حدیث میں حضرت علیؑ کا ذکر آتا۔ اسکو اسی طرح مختصر اور مقطوع کر کے روایت کرتے پھر آپ نے تدین فی الحدیث کا اعلیٰ بارہ علامہ ابن دحیہ کا یہ فقرہ وما زال الاسوء دابہ فی التنکب عن ھذا السبیل۔ بخاری کی یہ عادت اور بھی تھی کہ اس سبیل سے انحراف کرنے میں انکی رائے بڑھی۔ صاف صاف بتا رہا ہے کہ بخاری کو ان حضرات (اہلبیت طاہرین) سے کس قدر انحراف تھا کہ خود علمائے اہلسنت کو بھی اس کجروی کا اقرار کرنا پڑا۔ پھر بتایا جاوے کہ ایسے محدث کا کیا وزن اور ایسی کتاب کی کیا عزت ہو سکتی ہے جو اپنے ذاتی اغراض کے لئے احادیث رسول صلعم اس طرح ابتر کیا کرتا ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر دوسرے مقام پر وہی علامہ ابن دحیہ اندلسی لکھتے ہیں

بل اتا بھا او سرد لا مسلم لا نہ اورد لا بکمالہ وقطعہ البخاری واسقط منہ علی عادتہ کما تری وھو مما عتیب علیہ فی تصنیفہ علی ما جری ولا سیما سقاطہ لذکر علیؑ

اس روایت کو ہم نے صحیح مسلم سے اس لئے پہلے نقل کیا ہے کہ مسلم نے اس کو بہ تمام و کمال نقل کیا ہے بخلاف بخاری کے کہ انھوں نے اس حدیث میں بہت ساقط اور [illegible] کیا ہے جو اُن کی خاص عادت ہے جیسا کہ دیکھتے ہو [illegible] کہ ان کی تصنیف پر اس کا عیب لگایا گیا ہے خصوصاً ذکر حضرت علیؑ کا ساقط کر دینا۔

تو کیا ایسا شخص۔ ان تمام معائب و مناقص کے بعد بھی۔ محدث۔ امام اور امیر المومنین فی الحدیث کہا جا سکتا ہے۔ جو عمداً الفاظ و احادیث رسول صلعم کو نکال دے اور خصوصاً حضرت علی بن ابی طالبؑ کو ساقط کر دے۔ اور عموماً یہ اُس کی عادت قرار پائے۔

علامہ ذوالنسبین ابن دحیہ کی توثیق۔ علامہ ذوالنسبین ابن دحیہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے بلکہ اکابر علمائے اہلسنت سے تھے۔ وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے:

ابو الخطاب عمر بن الحسن بن علی بن محمد بن الجمیل بن فرح بن خلف بن قومس بن مزلال بن ملال بن بدر بن دحیہ بن فروہ المعروف بذی النسبین الاندلسی البلنسی الحافظ وکان ابو الخطاب المذکور من اعیان العلماء و مشاھیر الفضلاء متقنا لعلم الحدیث

ابو الخطاب عمر بن حسن بن علی بن محمد بن جمیل بن فرح بن خلف بن قومس بن مزلال بن ملال بن بدر بن دحیہ بن فروہ المعروف بذی النسبین الاندلسی البلنسی حافظ۔ اعیان علماء اور مشاہیر فضلا سے تھے۔ علم حدیث میں [illegible] بہت پختہ تھے

(۳۹) بخاری اور اُنکے اصناف کے حضرات۔ اصحاب صحاح کی عموماً اس قطع و برید اور استخفاف و استخذاف احادیث سے جو غرض و غایت تھی وہ پورے طور سے ظاہر ہو گئی۔ مولوی شبلی صاحب نے اپنی تالیفات و تصنیفات میں بھی اپنے اسلاف کی کامل تقلید اختیار فرمائی۔ بلکہ ضرورت سے زاید۔ زیادہ غور و تحقیق سے دیکھا جاوے تو آپ کے محتاط قلم نے تو اتنی تفصیل و بیان کا بار اٹھانا بھی گوارا نہ فرمایا۔ جتنا آپ کے اسلاف نے جبراً و قہراً اور طوعاً و کرہاً لکھ دیا تھا۔ ہم نے شبلی صاحب کے اس طریقہ استخفاف و استقصار کو آپ کی دونوں جلدوں میں غور و تعمق سے دیکھا ہے اور ایسے تمام واقعات میں جہاں جہاں آپ نے احذاف و استخفاف اور اسقاط الفاظ و مضامین سے کام لیا ہے۔ اُن کی اصلیت اور حقیقت تفسیر۔ حدیث۔ تاریخ اور سیر وغیرہ کی تفصیل و بیان سے پورے طور پر قلمبند کر دی ہے۔ اور کافی ثبوت و شہود سے بتلا دیا ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے ذکر و نقل میں بھی اپنی اُسی ضرورت خاص کو مدنظر رکھا ہے۔ جو بخاری اور غیرہ امثالہم کا قدیم سے معیار و مختار قرار پا چکا تھا۔ اور وہ اصول سیادت اور طریقہ تعمیم تھا۔ جس کی ابتدا قبل اسلام کے وقائع نگاری میں اُسی وقت سے اٹھائی گئی ہے جب سے بنی ہاشم۔ قبیلہ قریش سے جدا ہو کر اہلبیت کے خاص خطاب و القاب سے مخصوص کئے گئے اور امارت کعبہ اور ولایت خانہ خدا ان کا اصلی اور موروثی منصب قرار پایا۔ پھر بعد ظہور اسلام تمام واقعات اور خصوصاً اُن

اصول سیادت
طریقہ تعمیم

النبوی وما یتعلق به عارفاً بالنحو واللغة وایام العرب
واشعارها اکثر بطلب الحدیث فی اکثر بلاد الاندلس
الاسلامیة ولقی بها علماء و مشائخ ثم رحل منها الی
بر العدوة ودخل مراکش واجتمع بفضلائها ثم
ارتحل الی افریقیه ومنها الی الدیار المصریة ثم الی
الشام والشرق والی العراق وسمع ببغداد من بعض
اصحاب ابن الحصین وسمع بواسط من ابی الفتح
محمد بن احمد المنداوی ودخل الی عراق العجم وخراسان
وما والاها ومازندران کل ذلک فی طلب الحدیث والا
جتماع بائمة الحدیث والاخذ عنهم وهو فی ذلک الحال یحمل
عنه ویستفاد منه وسمع باصبهان من ابی جعفر الصیدلانی
وبنیشاپور من منصور بن عبد المنعم الفراوی

مسلم نحو علم لغت کے امام اور اشعار و ایام عرب کے عارف تھے طلب
علم حدیث میں اکثر بلاد اندلس اسلامیہ کی سیاحت کی اور علما و مشائخ سے
ملاقات کی۔ پھر علاقہ بر عدوہ کی طرف گئے۔ اور داخل مراکش ہوتے
افریقہ۔ دیار مصر۔ شام و شرق۔ عراق کا سفر کیا۔ بغداد میں
اصحاب ابن الحصین سے سماعت کی اور واسط میں ابو الفتح منداوی سے
عراق عجم و خراسان اور اُن کے متعلقات شہر مازندران کی طرف
سفر کیا۔ یہ سب طلب حدیث کے لئے تھا۔ اور خاص کر اس
غرض و مدعا سے کہ ائمہ حدیث سے ملاقات کریں اور ان سے
علوم حاصل کریں۔ ان سب کے ساتھ خود اس درجہ اعلم تھے کہ علماء ان سے
علم حاصل کرتے اور استفادہ کرتے۔ اصفہان میں ابی جعفر
صیدلانی سے اور نیشاپور میں منصور بن عبد المنعم فراوی سے سماعت کی۔
وفات ۶۳۳ھ میں ہوئی۔ وفیات الاعیان ص [illegible]

مقامات ہیں جن سے اور جہاں سے انکے اعلیٰ خدمات اسلام اور فضائل و مناقب اور ترجیح علی کافۃ الامم اور دیگر امور شرایف و خصائص ثابت ہوے۔ اُسی اصول مساوات اور طریقہ تعمیم کا ظاہری پردہ ڈال دیا گیا حقیقت حال اور صورت واقعہ یا تو قطعاً مرفوع القلم اور کالعدم کر دی گئی۔ یا بیان بھی کی گئی۔ تو محض اشارات یا استعارات کی صورت میں اور اگر کہیں خاص مقامی مجبوری سے توجہ بھی فرمائی گئی تو حقیقت بیان میں اسقدر اختصار اور قطع و برید سے کام لیا گیا کہ حقیقت و اصلیت واقعہ بالکل مبہم اور غیر مفہوم ہو کر رہ گئی۔

ہم نے اپنی موجودہ کتاب میں ابتدا ہی سے شبلی صاحب کے اس طرز تحریر و تصنیف حقیقت پر پوری نظر ڈالی ہے اور ہر ہر مقام پر آپ کی اس قلمکاری کی حقیقت کھولدی ہے۔ تنہا شبلی صاحب ہی کی اس ترکیب تحریر کی تنقید نہیں کی ہے بلکہ محدثین۔ مورخین اور مغازی و سیرت کے مولفین کے طبقہ میں بھی جن حضرات نے ان مصنوعات سے کام لیا ہے۔ اُنکے مستخفیات کا بھی پورا انکشاف کر دیا ہے بہ مناسب تھا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں ان مصنوعات کی چند مثالیں بھی پیش کر دیتے مگر ہم اس باعث سے باز رہے کہ ان تمام مضامین میں جو عنقریب ہماری کتاب میں پیش نظر آنے والے ہیں۔ بلا ضرورت توارد پیدا ہوسکے گا اور بیکار طوالت کا باعث ہوگا۔

اصول تعمیم اور مساوات فی المدارج میں الصحابہ کے اصول مسلمہ سے بالآخر شبلی صاحب کا انکار

(۴۴) حقیقت کسی ترکیب سے چھپ نہیں سکتی۔ کیونکہ صرف اس لئے کہ اُس کا نام ہی "حقیقت" ہے۔ شبلی صاحب نے اصول تعمیم کے مطابق انواع و اقسام کی ترکیبوں سے حقیقت حال کے مشاہدات پر نقاب افگنی فرمائی ہے۔ مگر ایک دوسرے موقع پر اپنے ہی دست و قلم سے اُسی اصول تعمیم کی کامل تنقید و تردید صاف صاف لفظوں میں مندرجہ ذیل عبارت میں قلمبند کر دی ہے :-

روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا مثلاً اصول روایت کے رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں کوئی راوی نہایت ضابط۔ نہایت معنی فہم اور نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے۔ کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں۔ کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں۔ یہ فرق مراتب جس طرح فطرتاً عام رواۃ میں پایا جاتا ہے۔ صحابہ بھی اُسی سے مستثنیٰ نہیں۔ حضرت عائشہ نے حضرت عبد اللہ و حضرت ابوہریرہ کی روایت پر اور حضرت عبد اللہ ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ کی روایت پر جو تنقید کیں وہ اسی بنا پر تھیں

اختلاف کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آئے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے

کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے زیادہ عالی رتبہ ہو یا ثابت کر دیا جاوے (گو دونوں اوّل ثقہ ہیں) اور یہ اُس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا لیکن صحابہ میں آکر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے۔ جس نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت صلعم کو دیکھ لیا تھا۔ تو اب دونوں راویوں کا درجہ برابر ہو جاتا ہے۔ علامہ مازری مشہور محدث ہیں۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد فرماتے ہیں۔ انھوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ صفحہ ۱۰ و ۱۱ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لسنا نعنی بقولنا الصحابہ عدول کل من راہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوما ما او زارہ لماما او اجتمع بہ لغرض وانصرف عن کثب وانما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون

یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہیں۔ ہم اس سے ایسے شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا یا آنحضرت صلعم سے کسی غرض کے لیے ملا۔ اور پھر واپس چلا گیا۔ بلکہ اون لوگوں کو مراد لیتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باستمرار رہے۔ اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی۔ علامہ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً منتخب صحابہ سے مخصوص کر دیا۔ اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بیجا نہیں۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً اُن روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسائل یا دقیق مسائل سے تعلق رکھتے ہیں   سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۱ و ۴۲

یہ ہے حقیقت کی حقیقت شبلی صاحب کے مرقومہ بالا اعتراف سے کہ مراتب صحابہ میں تعمیم و مساوات کا خیال صحیح نہیں بلکہ بعض بعض خاص مقامات (فقہی اور دقیق مسائل) پر اس تخصیص میں ترمیم ضروری اور لابدی ہے۔

۵۔ حضرت عثمانؓ کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ حضرت عمرؓ سے اُن کا سابق الاسلام ہونا روایتاً و درایتاً ثابت ہے رضی اللہ عنہ

شبلی صاحب کے اس مندرجہ بالا اعتراف کے لفظ لفظ کو غور سے پڑھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اُس بیان کے ایک ایک لفظ کو کس حزم و احتیاط سے تول تول کر لکھا ہے۔ اصول عقاید اور تقلید اسلاف نے ایک طرف ہاتھ پکڑ کر آپ سے تمام دلائل و مباحث کے بعد یہ لکھوائی ہے کہ علامہ مازری نے بے شبہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا۔" دوسری طرف حقیقت اثر نے اسی دست قلم سے یہ فیصلہ بھی ایک ہی خط و تحریر میں لکھوا دیا ہے کہ اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر اور علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔" پھر ذرا سنبھل کر اس تخصیص کی یوں تعمیم فرما دیتے ہیں کہ اُن روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جو فقہی مسائل یا دینی مطالب سے تعلق رکھتی ہیں۔ تو گویا ان مقربین صحابہ کے اقوال و ارشاد کا اعتبار الہیات و فقہیات تک مخصوص کر دیا گیا۔ اور باقی مسائل میں ان حضرات کی حالت تعمیم اور مساوات فی المدارج کے اصول پر تسلیم کرنا چاہئے۔

شبلی صاحب نے یہ فیصلہ سخت اضطراب و کشمکش کی حالت میں لکھا ہے۔ اور وہ اس دورخی تجویز کے لئے حقیقتاً مجبور تھے۔ اس لئے کہ کلہم عدول کے اصول عقاید کو بھی سنبھالنا ہے اور اپنی آزادانہ تحقیق اور فلسفیانہ طریقہ سیرت نگاری کی بھی آبرو رکھنی ہے۔ مگر آپ کی اس طرز تحریر پر جہاں تک غور کیا جاتا ہے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ نے حد درجہ کے حزم و احتیاط سے حقیقت کے لکھنے میں کام لیا ہے مگر پھر بھی تمام مصنوعات کی قلعی کھل گئی ہے اور حقیقت کا رنگ جھلکنے لگا ہے۔

دیکھئے۔ علامہ مازری نے کلہم عدول کے اصول کی غلطی کا باعث دکھا کر اپنی آزادانہ رائے قائم کر دی ہے اور خیالات اسلاف کی رتی بھر بھی پروا نہیں کی۔ مگر آپ کے دل و دماغ میں اتنی قوت کہاں تھی۔ آپ نے مسئلہ زیر بحث کی دورخی تصویر کھینچی اور انتہائی دلکشی سے دونوں پہلوؤں کو حتے المقدور قائم رکھنا چاہا۔ اور اسی طریقہ دو رخی نے آپ کو حقیقت نگاری سے کوسوں دور پھینک دیا۔ اور پھر آپ ہی سے آپ کی تردید اور غلط فہمی کی تحقیقات بھی لکھوائی۔

آپ علامہ مازری کی اس حقیقت نمائی کی تردید میں یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ "علامہ نے یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مقربین صحابہ سے مخصوص کر دیا۔ اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بجا نہیں۔" تو گویا بوجود علامہ مازری کی جرح و قدح کے جس کو آپ نے ان الفاظ میں لکھ کر تسلیم کر لیتے ہیں کہ "اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر اور علی کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔" صحابہ کلہم عدول ہیں۔

آپ نے اپنے بیان پر صرف الفاظ کا ایک معنوی پردہ ڈال دیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں آپ کے الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ صحابہ کے مابین آسمان زمین کا فرق ہے۔

دیکھئے آپ نے [illegible] اعتراف سے چند سطر پیشتر جو مسئلہ زیر بحث کے متعلق آپ نے [illegible]

نقل فرمائی ہے۔ اور جس کو ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں اور ضرورتاً پھر لکھے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ دو فرض کرو ایک روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے تو کبھی تو آپ کلہم عدول کی تائید میں اس پر جوشی سے علامہ مازری کی تغلیط و تردید کرتے ہیں۔ اور کبھی مندرجہ بالا عبارت تحریر فرما کر۔ کلہم عدول کے اصول عقاید سے علیحدہ ہو کر طبقہ صحابہ کرام میں ترتیب فی المدارج قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے معیار تالیف اصول مساوات اور تعمیم کا کوئی خیال نہیں فرماتے۔ ایک صحابہ کو حضرت عمرؓ کے القاب سے یاد فرما کر اُس کا اعزاز بڑھاتے ہیں اور دوسرے کو ایک بدوی عرب کے اہانت آمیز و حقارت انگیز الفاظ سے ذکر فرما کر اس کی شان صحابیت کو خاک میں ملاتے ہیں۔ اور جب علامہ مازری اس تخصیص و تفریق کو لکھ کر بتلاتے ہیں تو آپ اُن کے تمام تحقیق کو غلط ٹھہراتے ہیں اور جملہ علما و محدثین کی شکایت و مخالفت کا باعث ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مازری غریب نے صحابہ کی شان صحابیت کی نسبت کسی ایسے الفاظ کا استعمال نہیں فرمایا جس سے اس کی ذاتی یا صفاتی توہین ہو لیکن ہو۔ بخلاف اُن کے آپ نے ایک جگہ نہیں دو دو جگہ اصل شان صحابیت کی ہتک حرمت فرمائی۔

اب فرمائیے تفریق فی المراتب بالتخصیص بالمدارج۔ جو کہئے۔ آپ تو خود قائم فرماتے ہیں اور ایک بدوی عرب کی اصلیت و حیثیت دکھلا کر۔ صحابہ میں تخصیص و تفریق کا ثبوت خود پہونچاتے ہیں۔ تو پھر اب آپ کلہم عدول کی تعلیم کو غلط تسلیم کرنے پر کیوں طیار نہیں ہوتے

شبلی صاحب پر حقیقت کا انکشاف بھی ہو گیا اور مکاشفہ حقیقت کو تسلیم بھی کر چکے۔ جیسا کہ علامہ مازری کے اس قول کو نقل کر کے انہوں نے اس آیہ قرآنی کو الذین اٰمنوا بہ و عزروہ و نصروہ و اتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون۔ جو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بالالتزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو ان پر نازل ہوا وہی لوگ کامیاب ہیں۔ کو بھی نقل فرمایا ہے۔ جس پر علامہ موصوف نے اپنا معیار قائم کیا ہے۔ اور ایک گونہ آپ نے اُن کے اس استدلال کو تسلیم بھی کر لیا ہے۔ اور تخصیص بالمراتب کی اصل و نہایت کو اس آیہ قرآنی کی عبارت سے بھی سمجھ لیا ہے مگر ہم آپ کا طرز تحریر اور انداز تالیف بتلا رہا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ اچھے اس معیار کی غلطی اور خود غرضی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور یقین کر چکے ہیں کہ تنہا صحابہ ہونے کی شخصیت اور حیثیت فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ بلکہ اس کے ساتھ خدائے تبارک و تعالیٰ نے ادراو صفات و محاسن کے شروط و قیود بھی قائم کر دیے ہیں۔ اُن کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ مگر افسوس کہ حقیقت کے اتنے انکشاف کے بعد بھی آپ کلہم عدول کی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے اور سلف کی تقلید کا دامن نہیں چھوڑتے۔ علامہ مازری کے صحیح استدلال کو تسلیم نہیں کرتے اور اُس کے متعلق متاخرین کے مخالفانہ طرز کو صحیح اور جائز مانتے ہیں۔

حقیقت پنہاں کام کر گئی۔ اور آپ کی اس فرضی نقش و نگار کی صورت میں اُس کی پوری جلوہ آرائی ہو گئی۔

دلائل تفصیل تسلیم کئے جاوینگے اس کے لئے تخصیصات اور اثبات کی ضرورت نہیں شبلی صاحب - خیریت ہے کہ یہاں تک تو ہمارے ہمخیال ثابت ہوتے ہیں مگر ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آپ نے عام بدوی عرب اور صحابہ مقربین تک اس موازنہ و مقابلہ کو محدود و مختتم کر دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان صحابہ مقربین کے دائرے میں بھی یہی معیار امتیاز قائم کئے جائینگے اور ان میں بھی جن حضرات کے محاسن خدمات اور اوصاف نصاب معیار کے مطابق اتریں گے - وہی ماننی بزرگواروں سے ضرور افضل و اعلے یقین کئے جاوینگے - اگر شبلی صاحب کی طرح یہ سلسلہ امتیاز صحابہ سابقین تک تمام کر دیا جاوے تو نصوص الٰہی کے مخالف ہوگا اور ہر وہ شے جو مخالف قرآن ہو ہر عنوان سے غلط اور باطل ہوگی -

اب ہم شبلی صاحب کی اس غلط تجویز کی تحقیق و تنقید کرتے ہیں اور مفصلہ ذیل شہادات سے ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ اولین ہی کے زمانہ میں یہ معیار امتیاز و فضیلت قائم ہو چکے تھے - اور اسی معیار سے ترجیح و تخصیص بین الصحابہ قائم کی جاتی تھی - ابو المؤید اخطب خوارزمی مناقب میں تحریر فرماتے ہیں :-

قال مسروق شاممت اصحاب محمد صلے اللہ علیہ و الہ و سلم فوجدت علمہم انتہے الی عمر و عبد اللہ ابن مسعود والی الدرداء و معاذ ابن جبل و زید ابن ثابت و علی ابن ابیطالب ثم شاممت ھولاء الخمسۃ فوجدت علمہم انتہا الی رجلین علی و عبد اللہ ابن مسعود ثم شاممت الاثنین فوجدت علیا الفضل علے عبد اللہ ابن مسعود -

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ و الہ سلم کے صحابہ میں تشخیص و تمیز کمال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا علم حضرت عمر عبد اللہ ابن مسعود - ابو الدرداء - معاذ ابن جبل - زید ابن ثابت اور علی ابن ابیطالب پر تمام ہوتا ہے - پھر ہم نے ان پانچوں (چھہ) بزرگوں میں تشخیص تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان پانچوں حضرات کا علم دو آدمیوں پر تمام ہوتا ہے - علی اور عبد اللہ ابن مسعود پر - پھر میں نے ان دونوں بزرگوں میں تشخیص تمیز کی تو مجھے معلوم ہوا کہ علی عبد اللہ ابن مسعود پر فضیلت رکھتے ہیں

مسروق اجل تابعی ہیں حضرت عائشہ ہی محدثہ کی خدمت میں جو انکو رسوخ و وثوق حاصل تھا - وہ ہرگز میرے بیان کا محتاج نہیں - اگر ان کے اس مختار پر قول صحابہ نہ ہونے کے باعث اشتباہ ہو تو (حالانکہ بخاری اور شرح بخاری دیکھی جاوے تو قول تابعی بمقابل قول صحابی ہر ا دحدیث کے وقع پر زیادہ معتبر اور مستند ہے) امام خوارزمی کی کتاب المناقب میں مفصلہ ذیل عبارت سے حضرت ابی الدرداء کا یہ قول ملاحظہ فرمایا جاوے -

حضرت ابی الدرداء صحابہ کبار کے طبقہ اولی میں بہت بڑے فقیہ اور مجتہد تسلیم کئے جاتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ میں اسلام کے تین عالم موجود تھے - ایک کوفہ میں - ایک شام میں اور ایک خاص مدینہ میں - کوفہ کے عالم سے وہ عبد اللہ ابن مسعود کو مراد لیتے تھے - شام کے عالم سے وہ اپنی طرف اشارہ فرماتے تھے کیونکہ انہوں نے زیادہ تر علاقہ شام میں رہتے تھے - اور مدینہ کے عالم سے انکی مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے تھی - یہ لوگ

بھی تحقیق کرلی ہے نہ کاتب کی غلطی ہے نہ مصلح سنگ کی غفلت۔ یہ تو مولف ہی کا قدیم طریقہ استخفاف ہے۔ اس لئے کہ آخر کتاب جلد اول میں غلطنامہ لگا دیا گیا ہے۔ اور نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے صحت الفاظ کے اہتمام میں جو جو حزم و احتیاط کے سامان کئے گئے ہیں وہ نہایت وضاحت سے مندرج کر دئے گئے ہیں۔ اسکے نمبرہ میں یہ عبارت تلمبند کی گئی ہے۔

لیتھو میں غلطیوں کا رہجانا گزیر امر ہے۔ کاتب سے زیادہ اس کا ذمہ دار مصلح سنگ ہے۔ جسکے خرنگر کے نیچے نقطہ داغ بنکر اڑ جاتا ہے اور داغ نقطہ بن جاتا ہے۔ یا زیر چھوکر اپنی جگہ سے اوڑ جاتا ہے۔ ان میں (تمام کتاب کے غلطنامہ میں) تین سہو قلم ہیں۔ ص ۱۰۵ میں ھو الذی کو ھو ص ۲۰۹ میں اوکا الحدام کو اولوا الارحام اور ص ۲۶۴ میں فاشهدوا کو فقولوا اشهدوا بنا دیجئے۔ دیگر قابل اصلاح غلطیاں جو ہم نے غلطنامہ میں دی ہیں بقیہ غلطیاں زیر زبر یا نقطوں کی زیادہ ترہیں اور معمولی ہیں (دیکھو غلطنامہ ص اجلد اول سیرۃ النبیؐ)

اس اعلان کی عبارت سے ثابت ہو گیا کہ فقرات عربیہ میں اور اشتباہ الفاظ کی سہو قلم والی غلطیاں سوا ان تین غلطیوں کے جو اشتہاری عبارت میں درج کردی گئی ہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اور جو ہیں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور وہ زیادہ تر زیر۔ زبر اور نقطوں کی معمولی غلطیاں ہیں۔

مگر ان اشتہاری دعوؤں کے برخلاف اضافہ لفظ النور جو دیباچہ ص ۲۴ میں واقع ہے نہ تو ہرہ کے اشتہاری اغلاط میں دکھایا گیا ہے۔ نہ اس مقام پر حسب الارشاد مذکور لکھا گیا ہے۔ اور لطف مزید تو یہ ہے کہ جدول اغلاط میں بھی نہ اس صفحہ ۲۴ کا کہیں ذکر ہے اور نہ لفظ النور کا نشان۔ اس بنا پر اس غلطی کو یا تو مولانا کی انشا کی فرد گزاشت ٹھہرانا صحیح ہوگا۔ یا انکے بعد جو تہم اندراج کی صریح چشم پوشی کہنا مناسب اور فی الواقع ہوگا۔

ہم اس سے زیادہ اس مسئلہ کی تنقید کرنا نہیں چاہتے۔ اسلئے کہ اسکی ضرورت سے زیادہ تفصیل میری موجودہ مبحث کے موضوع سے زائد ہوگی اور بیکار طوالت کا باعث۔

اقوال صحابہ میں تعارض اور شبلی صاحب کا خود اقرار

(۴۴) شبلی صاحب اقوال صحابہ میں تناقض و تعارض دکھا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان حضرات کی سماعت و عقل بھی مدارج سے حدیث کے سمجھنے اور نبھانے میں علی الاکثر غلطی کر جاتی تھی۔ اس کے ثبوت میں انھوں نے متعدد مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں سے چند مفصلہ ذیل مثالیں ہم انھیں کے الفاظ و عبارت میں نقل کرتے ہیں۔

(الف) حضرت ابوہریرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جس چیز کو آگ چھوئے اسکے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی سے بھی وضو کیا کریں۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ بھتیجے جب تم آنحضرتؐ کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو (جامع الترمذی باب ...)

(... صحیح بخاری (باب الصلوٰۃ والنوافل جماعۃ) میں ہے کہ ... ایک جلسہ میں ... حدیث بیان)

کی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص خالصاً لخدا اُس کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہے گا ۔ خدا اُس پر آگ حرام کر دے گا
اس جلسہ میں ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے جنکے مکان میں آنحضرت صلعم نے ۷ مہینوں تک قیام فرمایا تھا ۔
حضرت ابوایوب انصاری نے یہ حدیث سُن کر کہا کہ واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ما قلت
قط خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوگا ۔ محمود ابن الربیع صحابی تھے اور حضرت ابوایوب
کو اُن کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا مگر چونکہ یہ حدیث اُنکے نزدیک قرآن کے خلاف تھی ۔ حضرت ابوایوب اس پر
یقین نہ لا سکے ۔ اور کہا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہ فرمایا ہوگا ۔ اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود ابن ربیع نے مدینہ
آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی عتبان سے کر لی ۔ لیکن اس سے اس مسئلہ (عدالت صحابہ) پر اثر نہیں پڑتا
حضرت ابوایوب کو جن اسباب کی بنا پر محمود ابن ربیع کی روایت میں شبہہ پیدا ہوا عتبان (اصل راوی) پر بھی وہی
شبہہ پیدا ہو سکتا تھا ۔ حضرت ابوایوب محمود ابن ربیع کو دروغگو نہیں سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے
اصل روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی ۔ یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہو سکتا ہے ۔ جیسا کہ
حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ تم لوگ تو سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو مگر سامعہ غلطی کر جاتا ہے ۔

(ب) حضرت عمارؓ ابن یاسرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی حدیث بیان کی تو حضرت عمر کو یقین نہ آیا
بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب تیمم میں ہے یہ الفاظ کہے ۔ اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو ۔ چنانچہ اسی بنا پر جب
عبد اللہ ابن مسعود کے سامنے حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے اس حدیث سے استدلال کیا تو حضرت عبد اللہ نے کہا
ہاں ۔ لیکن حضرت عمر کو عمارؓ کی روایت سے تسکین نہ ہوئی ۔

(ت) حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے
تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے کہ "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" کوئی بوجھ اٹھانے
والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ۔

(ج) اسی طرح جب انکے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی آنحضرت صلعم نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں
یہ سنتے ہیں ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی ۔ اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر تھے جو مشہور
صحابی تھے لیکن حضرت عائشہ نے اس بنا پر اس حدیث کی صحت سے انکار کیا کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن
مجید کے خلاف تھی ۔

(ح) صحیح مسلم کتاب الجہاد باب الفئی میں روایت ہے کہ حضرت عباس اور علی حضرت عمر کے پاس
آئے ۔ حضرت عباس نے حضرت عمر سے کہا کہ اقض بینی و بین هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن میرے اور اس جھوٹے
مجرم دھوکہ باز اور خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے ۔ چونکہ حضرت علی کی نسبت یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے

اور جن مسلمانوں کے زبان اور جنکی زبان سے بیا اس سے بھی زیادہ ثقیل اور فحش الفاظ نوے برس تک نکلتے رہے۔ جس کا خود شبلی صاحب کو اقرار ہے کیا وہ اسوقت مسلمان نہ تھے اور کیا اسوقت تک مسلمان نہیں کہے جاتے۔ فاعتبروا۔ مولف) اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ میں سے ان الفاظ کو نکال ڈالا (بحوالہ نووی شرح صحیح مسلم بذکر حدیث مذکور) علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں اذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا - جب اس حدیث کی تاویل کے سب راستے بند ہوجائینگے تو ہم اسکے راویوں کو جھوٹا کہیں گے [۱] سیرۃ النبی۔ دیباچہ ج ا ص ۵۲ - ۵۱

اختلاف میں الصحابہ کی اتنی مثالیں تو ہم نے شبلی صاحب ہی کے مندرجات و مسلمات سے نقل کردیں اور دیگر کتب حدیث و تفسیر میں اسکی متعلق تلاش نہیں کی۔ جن میں سیکڑوں مثالیں ابھی اور مل سکتی تھیں مگر حقیقتاً ہم کو دوسری کتابوں میں ان کی دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے مخاطب اصلی ہیں مولوی شبلی صاحب اور کتاب میں تمام خطاب ہیں انھیں کی طرف اس بنا پر انھیں کے معترفات سے ہمارا طریقہ استدلال اسقدر قوی ہوجاتا ہے کہ بیرونی اور خارجی مشاہد کی ضرورت نہیں رہتی آخر میں مثالیں پیش کر کے ہم شبلی صاحب کے اس فیصلہ کو یاد دلاتے ہیں۔ جن میں آپ نے حدیث کی کتابوں کو سیرت کی کتابوں پر ترجیح دی ہے۔ اور انھیں اختلافات باہمی کی بنا پر کتب سیرت کی کتب حدیث کے مقابلہ میں نا اعتباری بے مقداری اور کم وقعتی ثابت کی ہے۔ اب آپکے دونوں تحریر کردہ بیانات ایک طرف رکھے جائیں۔ اور اختلاف احادیث کے متعلق آپ کا مرقومہ بالا مفصلانہ اور محققانہ کارنامہ ایک طرف۔ تو صاف صاف معلوم ہوجائے گا کہ جن عیوب و تناقص کی وجہ سے سیرت کی کتابوں کی بے اعتباری اور کم وقعتی تجویز کی گئی ہے۔ وہی قبائح اور فضائح تو آپ حدیثوں اور انکے راویوں کی نسبت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور صرف تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ استدلالاً ان کو اپنے مباحث اور اصول تنقیدی میں پیش کرتے ہیں۔ اس بنا پر ترجیح حدیث علی السیرۃ کا مسئلہ ایک غلط اور بے اصل تجویز آپ ہی کے منطق سے ثابت ہوجاتا ہے۔ جس کو ہم ایک جداگانہ نمبر میں پوری تفصیل کے ساتھ حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

> شبلی صاحب کا دوسرا ناز دعویٰ ترجیح کتب حدیث

(۱۴) شبلی صاحب نے کتب حدیث کو کتب سیرت پر ترجیح دئے جانے کے مسئلہ کو اپنی غرض خاص سے اتنا اہم اور ضروری سمجھ لیا ہے کہ مقدمہ کتاب کے صفحہ (۴) ہی سے اسکی بحث آغاز کردی۔ اس عجلت سے آپ کی کیا مراد ہے اور اس بحث ترجیح سے آپ کی کیا غرض خاص ہے؟ وہ ہمارے سلسلہ بیان سے اپنے مقام پر معلوم ہوگی۔ ہم پہلے آپکے ان اقوال مختلف کو ذیل میں لکھتے ہیں

[۱] سبحان اللہ عظم شانہ امام اہلسنت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تو اس روایت کو نہایت معتبر و مستند سمجھ کر تحفہ اثنا عشریہ میں علامات خلافت جناب امیرالمومنین علی مرتضیٰ کے ثبوت میں پیش کریں اور بقول آپ کے اسلاف محدثین مثل امام نووی اور مازری وغیرہم اس حدیث کی یوں تشنیعیں اڑائیں۔ مولف

لکھی گئی - جو معاویہ کے حکم و اہتمام خاص سے مرتب کی گئی - تو اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ علم حدیث کی تالیف و ترتیب علم تاریخ کی تجمیع و تدوین سے بہت پیچھے ہوئی ہے -

مگر افسوس کہ شبلی صاحب کو نہ خود اپنے تناقض فی الکلام کا خیال ہے اور نہ انحراف عن الاعتراف کی پروا آپ کو تو صحاح کی عموماً اور صحیح بخاری کی خصوصاً توثیق و تصدیق بر نوع منظور ہے - جواب کی مرکز تمنا ہے اسلئے باوجود ان مشاہدات و مسلمات کے بھی - اگرچہ حدیث کی قدامت تاریخ پر ثابت نہیں - لیکن کتب حدیث ہی کی مردیات کو ترجیح دیجاتی ہے اور ان میں بھی بخاری کی تمام کتب حدیث پر ترجیح بالمرجح بتلائی جاتی ہے - حالانکہ بخاری کی مجہولیت اور پر ثابت کردیگئی ہے -

حدیث و سیرت کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی -

(۴۴) حدیث و تاریخ و سیرت کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں قائم کی گئی - گویا یہ دونوں علوم باہم مخلوط کر دئے گئے - اور انکی باہمی تفریق محض اس لئے مخفی رکھی گئی ہے کہ علم تاریخ کو ایک خاص علم ہونے کی اہمیت نہ حاصل ہو - ورنہ وہ اور علوم کے ساتھ عموماً اور علم الحدیث کے ساتھ خصوصاً مساوات کا مستحق ہوجائے گا - شبلی صاحب کے اس طرز تحقیق سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ علم تاریخ و سیرۃ کے ماخذ اصلی بھی وہی محدثین ہیں - جو پہلے صحابہ کرام کے سینوں میں تھیں پھر تابعین عظام کے سفینوں میں آئیں -

شبلی صاحب کے اس اعجوبہ روزگار معیار کو کون اختیار کرسکتا ہے - ہاں علم تاریخ کے مورخ عموماً اور محققین و واقفیت کے متلاشی تو خصوصاً آپ کی اس تحقیق خاص کو جو آپ کی محض خود غرضی پر مبنی ہے - ایک مضحکہ انگیز مطایبہ سے زیادہ نہ سمجھیں گے -

حقیقتاً اصناف فنون اور اقسام علوم میں - حدیث و تاریخ دو جداگانہ علوم ہیں جنکی تعریف جدا عنوان علیحدہ اور تفصیل و بیان الگ الگ ہیں

حدیث اصلاً تو کسی شخص کے اقوال اور اصطلاحاً ایک نبی مرسل کے احکام و ارشاد کو کہتے ہیں تاریخ ممالک و اقوام کے حالات و واقعات کی تفصیل کا نام ہے - سیرت اسی کا ایک خاص شعبہ ہے - جو کسی شخص خاص کے حالات و واقعات کی تفصیل تک محدود ہوتی ہے - عرب چونکہ قدیم ایام سے صاحب سیف اور ایک سربرآوردہ قوم تھی - اس بنا پر جہاں اس نے اپنے حالات و واقعات کی تنقیح و تالیف کی وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنی فطرتی جرأت و شجاعت کے حذبات قومی رکھنے کا جمع کئے اور اس کا نام مغازی رکھا اگرچہ کہ واقعات مغازی بھی - ملک و قوم کے وسیع کارناموں میں کسی قوم خاص یا کسی فرد خاص ہی کے ذاتی حالات و واقعات ہوتے تھے - اسلئے فن مغازی بھی سیر کی ایک شاخ اور تاریخ کا ایک شعبہ قرار دیا گیا -

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے دیباچہ کتاب میں تاریخ سیر اور مغازی کی جرح و قدح اور تکذیب و تضعیف ہی تک اکتفا فرمائی اور تفریق و تخصیص و تفصیل کسی کی بھی نہ بتلائی - حالانکہ دیباچہ سیرۃ النبی ص ۳۲ "تصنیف و تالیف کی ابتدا اسلام سے ہوئی" کے عنوان خاص سے ایک علحدہ باب قائم کیا ہے اور اس میں تاریخ - حدیث - سیرت اور مغازی کے آغاز و ایجاد - تالیف و تصنیف کے علحدہ علحدہ زمانے لکھ کر بتلائے ہیں - مزید براں - ائمہ حدیث - تاریخ و سیرت و مغازی اور ان کی تالیفات کے ناموں کی مطول فہرستیں بھی مندرج کر دی ہیں - یہ سب کچھ اہتمام کیا گیا ہے - مگر بحیثیت مؤلف جو آپ کا فرض اور فرض اولین تھا وہ کسی فن کا نام پر بھی واقفیت تام کے لئے نہیں لکھا گیا اور ان مختلف اصناف علوم اور متفرق اقسام فنون کی جداگانہ تعریف اور انکے باہمی تفریق و تخصیص کو تفصیل و تشریح کے ساتھ کہیں بھی نہ بتلایا

کیوں ؟ صرف اس غرض خاص سے کہ یہ فنون علم حدیث کے تبع - زیر اثر اور اسی سے ماخوذ و مخلوط ثابت ہوں - اور آخر میں انکا معیار اصلی علم حدیث اور حدیث میں کتب صحاح اور کتب صحاح میں صحیحین اور صحیحین میں خاص الخاص امام بخاری کی صحیح ثابت ہو جس سے آپ کو ایک فرقہ خاص اور قوم خاص کی حمایت اور دوسری قوم و فرقہ کے حالات و واقعات میں اپنی عیب پوشی کی غرض سے - اسقاط - اضافات اور تحفظات کلی اور جزوی کا پورا موقع ہاتھ آئے -

ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں اور پھر لکھ کر بتلائے دیتے ہیں کہ آپ کا یہ مختار بالکل اعجوبہ روزگار ہے اور آپکی یہ تجویز بالکل انوکھی اور اچھوتی ہے - افسوس ہے اگر آپ نے ابن خلدون ابن خلکان کی مقدمات کو نہیں دیکھا تھا تو کم سے کم فارسی کی معمولی تاریخ روضۃ الصفا خاوندشاہی ہروی کا دیباچہ پڑھ لیا ہوتا تو مجھ کو یقین ہے کہ آپ کو ان فنون کی باہمی تفریق و تمیز پوری معلوم ہو جاتی - مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آپ انکے باہمی فرق بتلا دینے سے بالکل مجبور تھے اور آپ کی خود غرضی آپ کی مجبوری کا باعث تھی - جس سے آپ کسی طرح علحدہ نہیں ہو سکتے تھے انھیں غرض و مدعا سے آپ نے حدیث و سیرت کے فرق کو جستہ جستہ نہایت مجبوری سے لکھا بھی تو حدیث اور اسکی صحت کی بحث میں - چنانچہ دیباچہ ص ۵ کے زیرین حاشیہ عبارت میں حدیث و سیرت کی جو تفریق بتلائی بھی گئی وہ تعریف نہیں سمجھی جا سکتی بلکہ تضعیف ہے - جو آپ کے اصلی مدعا - ترجیح حدیث علی السیرۃ کی اصل بحث پر مبنی ہے - آپ کی عبارت یہ ہے -

اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے - جو آج کل قلت علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے - بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ سیرۃ فن حدیث ہی کے ایک قسم کا نام ہے یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ کر دیئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق

کہ اگر ظہور اسلام سے قبل - قریش میں کسی شخص خاص کے حالات لکھنے کی آپ کو ضرورت ہوتی - یا ظہور اسلام
کے ایام میں یا اس کے بعد بھی آپ کو کسی غیر مسلم باشندہ عرب کی حالات و واقعات قلمبند فرمانے کا
اتفاق ہو تو آپ کہاں تک اُن اشخاص کی سیرتوں کی تالیف و تصنیف میں قرآن و احادیث سے اخذ حالات و
واقعات فرما سکتے ہیں - جب ان سیرتوں میں قرآن و احادیث کے استخراج و استنباط کی مطلق ضرورت نہیں اور یہ
بالکل صحیح ہے کہ بلا استمداد ان ماخذوں کے آپ اُن کی سیرتیں تیار کر سکتے ہیں تو پھر علم السیرۃ کو علم الفقہ کا مماثل
و مقابل ٹھہرانا کیسی فاش غلطی ہے ؟

ہاں آپ سیرۃ النبی صلعم سیرۃ الصحابہ اور عام طبقہ مومنین و مسلمین کی حالات و واقعات میں علی ترتیب
المراتب خاص خاص مقامات قرآن و احادیث کی اقتباسات کے محتاج ہوں گے - مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان
استخراج و استنباط سے اور ان اقتباسی جزئیات سے سیرت کے کلیات پر کوئی نقص واقع نہیں ہوتا کیونکہ
ایسے جزوی تعلقات تو باہمدیگر تمام علوم و فنون میں پائے جاتے ہیں جغرافیہ کو تاریخ سے تعلق ہے تو تاریخ کو جغرافیہ
سے - ریاضی اکثر مقامات میں ادب سے مدد کا طالب ہے اور ادب ریاضی سے - علم ہیئت فلسفہ سے استفادہ
کرتا ہے - تو فلسفہ ہیئت سے خارجی سبق لیتا ہے - اسی طرح سیرت اسلامی کو مناسب مقامات پر قرآن و احادیث
سے استفادہ کی ضرورت ہوتی ہے - مگر باینہمہ ماہرین علوم و فنون جانتے ہیں کہ ان وقتی اور جزوی تعلقات
سے نہ جغرافیہ تاریخ سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے اور نہ تاریخ جغرافیہ ہو سکتی ہے - نہ ریاضی ادب کہلائے گا نہ ادب
ریاضی - نہ ہیئت فلسفہ ہو جائے گی نہ فلسفہ ہیئت مگر شبلی صاحب کی منطق خواہ مخواہ سیرت اور فقہ کو مثلاً ایک
بتلاتی ہے - تو اس کو کیا کہا جاوے -

شبلی صاحب کے التباس کا اصلی باعث

آپ نے علم سیرت کو اپنی سیرۃ النبی کی خاص ضرورت تک محدود فرمایا ہے اور اس
بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات و واقعات کو قرآن و احادیث سے ماخوذ ہونا مشروط فرمایا ہے تو آپ
کی اس تجویز میں بھی یہ کہا جاوے گا کہ آنحضرت صلعم کے حالات و واقعات بھی بالکل قرآن و احادیث سے ماخوذ
و مستنبط نہیں ہیں - بلکہ انھیں حدود و قیود تک جن کا وجود و ثبوت عبارات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے استخراج
و استنباط کا محتاج ہے - یا جنکی تفصیل و بیان میں قرآن و احادیث کے شہود کی ضرورت ہے نہ عموماً حضرت
کے تمام جزوی اور کلی حالات ہیں - چنانچہ انھیں نصاب پر آپ نے بھی اپنی کتاب مرتب فرمائی ہے اور
آپ سے پہلے تمام مؤرخین نے بھی یہی نصاب اور نظام تصنیف قائم فرمایا ہے سیرۃ النبی میں جن جن واقعات
کا قرآن و احادیث سے تعلق تھا - انکی تفصیل میں قرآن و احادیث کے ماخذوں سے کام لیا گیا ہے اور جو
تاریخ و سیر ہی سے تعلق رکھتے تھے - وہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لئے گئے ہیں - پھر اگر تفریق حالات آپ کا یہ

قیاس صحیح بھی مان لیا جاوے کہ آپ اس مقام پر سیرت سے صرف سیرت اہل اسلام مراد لیتے ہیں۔ تب بھی تو اکیلے قرآن و حدیث سے مقاصد تالیفی پورے نہیں ہوتے۔ اور تاریخ و سیر کے نقل یا تعابیر کام نہیں نکلتا۔ حقیقت میں شبلی صاحب نے اپنی خود غرضی سے علم سیرت کے دائرہ کو بہت محدود دکھایا ہے۔ حالانکہ وہ بہت وسیع ہے۔ اور اتنا کہ وہ تاریخ سے علیحدہ ہو کر ایک فن جداگانہ بن گیا ہے۔ اس کے دائرے کو تنگ و محدود سمجھنا خصوصاً علم و تحقیق کے موجودہ روشن زمانہ میں۔ صریح خیرہ چشمی سمجھی جائے گی۔ علم سیرت کو خاص اسلامی مولفین و مصنفین کی ایجاد و طبعزاد سمجھنا۔ یہ بھی تحقیق کی خامی اور تلاش کی کمی ہے۔ کیونکہ جامعین اور مفسرین توراۃ و انجیل سے اگر قطع نظر کی جائے تو بھی مولفین و مصنفین اسلامی سے صدیوں پیشتر رومی اور یونانی مصنفین و مورخین علم سیرت کے قدیم مشتاق اور نقاد ثابت ہوتے ہیں۔

تعریف سیرت کی جگہ صحت حدیث سے استدلال غلط ہے

اس کے آگے شبلی صاحب فرماتے ہیں۔

> مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں موجود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اعلیٰ معیار کے موافق نہیں مل سکتیں۔ اس لئے ارباب سیر کو تنقید و تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔

اس عبارت میں بھی وہی ترجیح حدیث کے اصول پر بحث ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے دستِ قلم سے حدیث تاریخ و سیرت کی اصلی تعریفیں نکلتیں۔ آپ حدیث کی ترجیح والی بحثیں سنا رہے ہیں اور یہ نہیں بتلاتے کہ حدیث کیا ہے اور تاریخ و سیرت کیا اور ان میں فرق ما بہ الامتیاز کیا رکھا گیا ہے۔ آپ کی اس عبارت میں مزید اتنی توضیح ہے کہ ایک بار سیرت کے ساتھ مغازی کا بھی نام لیا گیا ہے۔ مگر ابھی سیرت ہی کی اصلی حد قائم نہیں ہوئی مغازی کی حد کہاں کیسی۔

(علماء سیرت اور اصحاب حدیث کا ادعا کردہ مقابلہ)

اس سے آگے تحریر فرمایا جاتا ہے:۔

> تیسری قسم وہ کتابیں ہیں جو سیرت کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً سیرت ابن ہشام۔ سیرت ابن عائذ۔ سیرت اموی وغیرہ۔ ان میں زیادہ تر غزوات کے حالات ہیں۔ البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل ہو گئیں مثلاً مواہب لدنیہ میں ذات کے علاوہ سب کچھ ہے"

اس تحریر سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ مغازی میں آگے چل کر اور چیزیں بھی داخل ہو گئیں۔ اس کے آگے لکھا جاتا ہے:۔

> اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے الگ الگ چیز ہے۔ یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف نظر آتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف۔ ایسے موقع پر لوگ امام بخاری

کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے۔ لیکن محققین لکھتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

ہم پہلے شبلی صاحب کی اس عبارت تمہیدی کا انکشاف حقیقت کریں تو آپ کی مثالوں کی کیفیت دکھائیں گے سیرت کی اصل حقیقت کے چھپانے اور اسکی وقعت و صحت کے گھٹانے میں۔ اتنے قبل سے جو کوشش فرمائی جارہی تھی اس کا نتیجہ اب دکھلایا گیا ؎ پیام یار لطیف است گر بدر آید۔ خیر۔ دو فریق (ارباب حدیث و اصحاب سیرۃ) اب تیار کر دیے گئے۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسا ہی جیسا اب بتلایا جاتا ہے۔ یہ دونوں برابر کے دعویدار ہیں۔ اصحاب حدیث ایک طرف ہیں اور ارباب سیرۃ و تاریخ ایک طرف۔ اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ خاص خاص مقامات پر دعویداران حدیث بمقابلہ سیرت و تاریخ کے قابل ترجیح و تفضیل ضرور ہیں اور اکثر مقامات پر واقعہ کاران سیر و تاریخ صاحبان حدیث پر ترجیح پانے کے مستحق ہیں۔ یہاں تک منصفانہ اور غیر جانبدارانہ فیصلہ فرمایا گیا ہے سلف سے آجتک یہی مختار جمہور مؤلفین و محققین کا عام دستور چلا آتا ہے۔ مگر برا ہو خود غرضی اور نفسانیت کا کہ اتنی حقیقت و اصلیت لکھ دینے کے بعد بھی شبلی صاحب صرف اپنا مطلب نکالنے کے لیے محض فرضی اور لامعلوم محققین کا فیصلہ۔ جو حقیقتاً نہ کسی محدث کا ہے اور نہ محقق کا۔ بلکہ آپ کی خاص ایجاد ہے اور آپ کی خاص طبعزاد۔ زیب قلم فرماتے ہیں:-

لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کے متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے۔

> خلاف جمہور اور بغیر اسناد فیصلہ

یہ فیصلہ بالکل خلاف جمہور ہے۔ اگر فی الحقیقت جیسا لکھا گیا ہے محققین کا فیصلہ ہے اور آپ سچے ہیں۔ تو ان محققین حضرات کے نام۔ انکی کتاب۔ ان کی عبارت تحریر فرما دیتے تو دیکھا جاتا کس پایہ کے مصنفین ہیں۔ کس مرتبہ کی انکی کتابیں ہیں۔ کس مقدار کے انکے مختار ہیں۔ شبلی صاحب کی ان قلمکاریوں سے کہ محققین کا یہ فیصلہ ہے یا محدثین کی یہ رائے ہے نہ واقفکاران فن مرعوب ہو سکتے ہیں نہ ناواقفکار غیبیوں کی اس سے تشفی و اطمینان ہو سکتا ہے۔ اول تو کوئی محقق اس تہی مغزی اور بد دماغی سے فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اور بفرض محال اگر کوئی صاحب ایسے ہوں گے بھی تو وہی ابن حجر شارح صحیح بخاری یا خود آپ۔ اگر حقیقتاً آپ ہیں اور یہ آپ ہی کا مختار ہے۔ تو آپ ایسے یکطرفہ مختار و فیصلہ کے ذمہ دار ہیں۔ اور اگر ابن حجر شارح صحیح بخاری ہیں (جیسا کہ بہت جلد معلوم ہوتا ہے) تو آپ خود ایسے محقق شخص کو اسی سیرۃ النبی میں۔ روایت پرستی کا خاص خطاب دے چکے ہیں اور علامہ اسماعیلی وغیرہ ہم کے مقابلہ میں انکی عدم قابلیت اور مجہولیت ثابت کر چکے ہیں ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۳۱۔ پر ایسے ناقابل و مجہول شخص کو محقق کہنا اور اس کے محض جانبدارانہ فیصلہ کے اتباع و تقلید کے لیے تمام اہل اسلام کو مجبور کرنا آپ ہی کی

حافظ ابن حجر نے ان دونوں روایتوں (روایت حدیث و روایت سیرت) میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصین نے دو تین دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کو ذکر کرتے ہیں وہ بڑا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل تیز نمایاں ہے عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) سے متعلق چونکہ کسی صحابی کی تاریخ متعین نہیں اس لئے انکو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کا سلسلہ کیا ہے لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ "

ابن حجر کا غلط فیصلہ

اب اس تحریر سے ثابت ہو گیا کہ ابن حجر کا یہ فیصلہ کسی تحقیق اور دلیل پر مبنی نہیں۔ اس لئے فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ مگر آپ نے خواہ مخواہ اپنی بات رکھنے اور اپنا مطلب نکالنے کیلئے قول فیصل بنا کر دکھلائے ہیں۔ جب بقول آپ کے ابن حجر کا یہ قول، قول فیصل تھا تو پھر ان واقعات میں تطبیق دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تطبیق کی تعریف میں آپ خود لکھتے ہیں کہ "دو مختلف فیہ اقوال میں اس وقت تطبیق کی جاتی ہے جب دونوں میں صحت کے شرائط پائے جاتے ہیں اور جب اقوال مختلفہ میں تطبیق کیجاتی ہے اور وجہ تطبیق بھی معقول اور مناسب دکھلائی جاتی ہے۔ تو باعتبار صحت و صداقت کے پھر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیجا سکتی۔"

شبلی صاحب خود ان دونوں مختلف اقوال میں ابن حجر کے طرز عمل کے دو مختلف طریقے دکھلاتے ہیں۔ ایک فیصلہ جس سے عیینہ کی صحت میں سیرت کی کتابوں سے گری ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔ دوسری تطبیق۔ جس سے دونوں کی روایات صحت میں مساوی اور برابر معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر اس تمام تطبیق کو شبلی صاحب بالکل قرین قیاس بتلاتے ہیں۔ مگر باین ہمہ۔ وہی شبلی صاحب ابن حجر کے اسی فیصلہ مجہول پر۔ جو حقیقتاً انکی روا داری پرستی کی بنا پر اُن کی اپنی رائے ہے۔ عمل کئے جانے کیلئے مصر ہیں۔

اصل حقیقت کا انکشاف واقعات

شبلی صاحب نے اگر خوش فہمی سے صحت روایات سیرت کی تنقید خطرہ میں ڈالی تو قطع و برید اور اختلافات و احتمالات کی کیا ضرورت تھی۔ فتح الباری کی پوری عبارت استدلال میں لکھ دی ہوتی۔ صرف ابن حجر کا قول آخر جسے وہ قول فیصل اور حکم ناطق قرار دیتے ہیں۔ لکھ دینا کیا معنی۔ یہ تو ان کے اسلوب کے بالکل خلاف ہے۔ آخر آپ نے انہیں ابن حجر کی تطبیق کی معقول توجیہ و تفصیل مندرج کی گر بیان نہیں کیا ہے اسلئے کہ بیان اسکی تفصیل آپ کے مفید مطلب نہ بنتی۔ بالآخر دوسرے مقام پر یہ راز سربستہ فاش کیا گیا اور صورت حال کا انکشاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ آپ کے اس طرز تحریر اور انداز تالیف کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ نے نقل واقعات میں پورے تدبر سے کام لیا ہے

شبلی صاحب نے تطبیق حدیث اور وجہ تطبیق کا ذکر تو کر دیا مگر حقیقتاً تفصیل کسی کی بنا پر نہیں دی کی

ابن حجر کے اس قول سے اتنا اشارہ ضرور کر گئے کہ عیینہ ابن حصین نے ذی قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ ہم اس اجمال کی تفصیل میں زرقانی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ اور زرقانی کی نسبت آپ دیباچہ سیرۃ النبی ص ۲۷ میں لکھتے ہیں۔

"زرقانی علی المواہب۔ مواہب لدنیہ کی شرح ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس تحقیق و جامعیت سے نہیں لکھی گئی۔"

زرقانی کی عبارت حسب ذیل ہے:

قال الحافظ ويحتمل في طريق الجمع ان تكون اغارة عيينة في اللقاح وقعت مرتين الاولى التي ذكرها ابن اسحاق وهي قبل الحديبية والثانية بعدها قبل الخروج الى خيبر وكان راس الذين اغاروا عبد الرحمان بن عيينة كما ساق سلمة عند مسلم ويؤيده ان الحاكم ذكر في الاكليل ان الخروج الى ذي قرد تكرر ففي الاولى خرج اليها زيد بن حارثة قبل احد وفي الثانية خرج اليها صلى الله عليه واله وسلم في ربيع الآخر سنة خمس والثالثة هذه المختلف فيها فاذا ثبت هذا قوي الجمع الذي ذكرته

حافظ (ابن حجر) کہتے ہیں کہ ان مختلف روایتوں میں جمع کی یہ صورت ہے کہ حقیقتاً اس مقام پر دو بار حملے کئے گئے۔ ایک بار تو وہی ہے۔ جسے ابن اسحاق (صاحب سیرت) نے قبل حدیبیہ بتلایا ہے اور اسکے بعد دوسرے بار خروج خیبر سے پہلے۔ اور یہ وہی ہے کہ جس کا ذکر سلمہ ابن اکوع کے طریق سے مسلم نے کیا ہے۔ اس کے سردار فوج عبد الرحمان ابن عیینہ تھے۔ اس قول کی تائید امام حاکم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر کتاب اکلیل میں اس طرح پر کیا ہے کہ ذی قرد پر خروج مکرر واقع ہوا ایک بار قبل جنگ احد زید ابن حارثہ کی زیر امارت حملہ کیا گیا۔ دوسرے بار سنہ ہجری میں بذات خاص جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور تیسری بار یہی ہے۔ جس کا ذکر سلمہ کی زبانی مندرج ہے زرقانی لکھتے ہیں کہ اگر حاکم کا یہ قول ثابت ہو جاوے تو جو صورت جمع بین الحدیثین کی اوپر لکھی گئی ہے۔ اور قوی ہو جاوے گی
زرقانی جلد اوّل ص ۱۷۱۔

اب تو زرقانی کی مرقومہ بالا عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ بقول ابن حجر مقام ذی قرد پر دو بار۔ اور بقول امام حاکم تین بار حملہ کیا گیا جن میں سے بقول ابن حجر صرف ابن اسحاق صاحب سیرت اور بقول شبلی صاحب عام ارباب سیر جس حملہ کا ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے۔

اب ان انکشافات و اعترافات اکابر و علماء محدثین کے مقابلہ میں بتلایا جاوے کہ اہل سیرت نے ذی قرد کی نسبت کیا غلط لکھا ہے جس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور جب انھوں نے غلط نہیں لکھا تو آپ انکی تکذیب یا کم سے کم تضعیف کیسے کر سکتے ہیں اور سچ لکھنے والوں سے۔ جو خود آپکے تصدیق کرتے ہیں۔ ان کو مورد جا و بے اعتبار کیسے کہہ سکتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اتنی خامہ فرسائی فرماکر اس بحث کو خوامخواہ طول دیا۔ اگر اونھین ابن حجر کے اُس ذاتی قول ورائے کے ساتھ عقیدت تھی۔ تو خیر اُسکو لکھکر۔ اسی کے ساتھ اُنکی تطبیق اور جمع بین الحدیثین والی عبارت بھی لکھ دی ہوتی تو یہ بحث تمام تھی اور مدعا سے بحث حاصل۔ مگر آپ کیسے لکھتے۔ وہان تو آپ کو حدیث کی ترجیح کسی نکسی نوع سے ثابت کرنی ہے اور سیرت کی کم وقعتی۔ مگر اصل کتاب مین جہان واقعہ ذی قرد کی تفصیل ضروری ہوگئی وہان حقیقت پر روشنی ڈالی بھی گئی۔ تو اس کم مقداری سے کہ اصل واقعہ کی کامل جلوہ آرائی نہین ہوئی جس قدر حقیقت حال لکھی بھی گئی وہ اصل کتاب مین داخل نہین کی گئی بلکہ عبارت حاشیہ زیرین مین قلمبند فرمائی گئی خیر۔ این ہم غنیمت است۔ اگر شبلی صاحب کو خوش نیتی ہے۔ جیسا کہ خود تحریر فرما چکے تھے۔ حقیقت حال کی تحقیق ہو چکی تھی اور خصوصا ابن حجر اور امام حاکم کے ایسے اکابرین محدثین کے اقوال سے ثابت ہو چکا تھا کہ مقام ذی قرد پر متواتر حملے کیے گئے تھے۔ ازانجملہ سب سے پہلا وہ تھا جسے اہل سیرت لکھتے ہین۔ اور بقول ابن حجر وہ دوسرا تھا اور بقول امام حاکم تیسرا حملہ۔ وہ تھا جسے اصحاب حدیث لکھتے ہین۔ تو آپ نے اس تمام عبارت محدثین کو اپنی اصل کتاب کی عبارت مین کیون داخل نہ فرمایا کہ ہر خاص وعام اسلام کی اطلاع اور اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے کافی ہو جاتا۔ حقیقت کا اخفا۔ خصوصا اسکے علم ہو جانیکے بعد مولف کے لیے نہایت خطرناک الزام پیدا کرتا ہے۔

اصل واقعہ اب شبلی صاحب کو کیا تمام دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اہل سیرت نے غزوہ ذی قرد کی نسبت جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور جس کا زمانہ وقوع بتلایا ہے۔ وہ اصحاب حدیث کے قرارداد واقعہ سے بالکل علحدہ واقعہ ہے اور وہ اُن کے مختار متفقہ کے مطابق حدیبیہ سے پہلے۔ اور امام حاکم کے اسناد کے موافق واقعہ احد سے بھی پہلے واقع ہوا تھا۔ اور صحیح مسلم مین جس واقعہ کی کیفیت مرقوم ہے اور بقول شبلی صاحب جس کے ہیرو مسلمہ بن الکوع ہین۔ وہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل سنہ ۷ ہجری مین وقوع پذیر ہوئی۔

ان تمام واقعات کی کامل تحقیق کرنیوالون پر بخوبی ظاہر ہے کہ حدیبیہ بلکہ اُسکے اور قبل سے لیکر غزوہ خیبر تک۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایات کا لگاتار سلسلہ کتابون مین لکھا ہوا ہے۔ جو حقیقتا تھوڑی تھوڑی تفاوت ایام کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد برابر واقع ہوتے گئے۔ چنانچہ خود شبلی صاحب ان الفاظ مین اس کی حقیقت حال کا اقرار کر چکے ہین۔ کہ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین۔

جب یہ اعتراف و اقرار فرما لیا گیا کہ یہ تمام واقعات حقیقتا ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین تو شبلی صاحب کو یہین سے حدیث وسیرت۔ دونون جداگانہ فنون کے فرق مابہ الامتیاز کی بھی تمیز کر لینی تھی۔ اور اسی تمیز سے آپکو دونون کی باہمی تفریق وتخصیص بھی معلوم ہو جاتی اہل سیرت نے کیون غزوہ ذی قرد کے صرف ایک حملہ اور اسی کے وقوع کا ذکر کیا۔ اور دوسرے یا تیسرے کا نہین؟

حدیث و سیرت کی تفریق اصول اعتراض سے پہلے ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اہل سیرت کی نظر اپنے اصول کے مطابق واقعہ کی اہمیت پر ہوتی ہے اور اسکے بیان و تفصیل کی شدت ضرورت پر۔ ہر قابل و ناقابل مشہور و غیر مشہور واقعہ کو۔ جو اس شخص خاص کی نسبت بیان کئے جاتے ہیں۔ جسکی سیرت کا قلمبند کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جمع کرنا اور لکھ لینا نہ اہل سیرت کا شعار تالیف ہے نہ معیار تصنیف اسی باعث سے ذی قرد کے متعدد اور مکرر سہ کرر واقعات میں دوسرے واقعہ کو (بقول ابن حجر) قابل الذکر سمجھ کے اس لیئے قلمبند کیا کہ اس واقعہ میں جناب رسالتمآب صلعم کے بالنفس النفیس شریک ہونے سے۔ اسکی شان اہمیت دوبالا ہوگئی تھی۔ اسکی حیثیت سرایہ کی حیثیت سے مرتفع ہو کر غزوہ رسول کی خاص عظمت حاصل کر چکی تھی۔ باقی اور ذی قرد کے واقعات حالات جو اس سے قبل و مابعد واقع ہوئے وہ ایک ہی مقام پر۔ ایک ہی قوم و قبیلہ کے ساتھ اور ایک ہی غرض و مدعا کی بنا پر سرایا کی معمولی صورتوں میں وقوع پذیر ہوئے۔ جو اہل سیر کے اصول تدوین کے مطابق توارد کے حکم پاتے تھے۔ اور جنکے بیان میں کوئی نوعیت واقعہ کی کوئی تفصیل نہین تھی۔ اس بنا پر قلم انداز کر دیے گئے۔

اہل سیرت کے خلاف اصحاب حدیث قول و احکام کے متلاشی ہیں۔ جب انکے معیار کے مطابق کوئی قول یا کوئی حکم مل گیا۔ عام اس سے کہ ایک طریق یا متعدد۔ متواتر اور مختلف طریقوں سے ملا ہو۔ اسکو انھوں نے ان تمام طریقوں سے۔ ایک مقام پر بھی نہیں۔ مختلف ابواب اور متفرق فصول میں قلمبند فرمایا۔ اور تواتر توارد یا تکرار کی کوئی پروا نہین کی۔ اسی بنا پر آپ ایک حدیث کو مختلف طریقوں سے متفرق ابواب و فصول میں کتب صحاح ستہ میں عموماً اور صحیحین بخاری و مسلم میں خصوصاً مندرج پائیں گے۔ اسی سے شبلی صاحب حدیث و سیرت کی تفریق و تعیین کو سمجھ لیئے ہوتے ؟

دوسری غلط مثال دوسری مثال یہ دی گئی ہے۔ ایک غزوہ۔ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا۔ اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

وامّا تغلیط الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح وان جمیع اهل السیر علی خلافه

ہاں اُن کے تتبع دمیاطی نے حدیث صحیح بخاری کی نسبت غلط ہونے کا سہو سے دعویٰ کیا ہے کہ تمام اہل سیر اسکے خلاف ہیں۔

دیکھئے۔ پھر وہی دُم بریدہ عبارت لکھ دی گئی اور پوری نہیں نقل کی گئی۔ لکھا گیا تو صرف دمیاطی کا قول اور رد بھی اتنا حافظ ابن حجر نے اس قول دمیاطی کو لکھ کر اس کا رد کیا ہے۔

اور بس۔ اچھا۔ وہ رد اور اسکی عبارت کہاں ہے؟ وہ بالکل غائب! اب تحقیق طالب کا ایک اس عبارت حقیقت حال کی نسبت کیا سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ کیونکر ابن حجر کے جواب تردید کی تصدیق پر تیار ہو سکتا ہے جبکہ

نہ اُس نے دیکھا اور نہ پڑھا۔ جب ترمیم کی اصلی عبارت موجود ہی نہین۔ تو پھر مجبوراً فتح الباری مین ابن حجر کی ہی تمہیدی عبارت جو اُنھون نے علامہ دمیاطی کی تعریف مین لکھی ہے پیش نظر رکھنی ہوگی۔ اور اسکو شبلی صاحب نے ان الفاظ مین زرقانی ج ۲ ص ۱۱ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

ودلّ هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السير وخالف الاحاديث الصحيحة وانّ ذلك كان قبل تضلّعه منها والخروج لنسخ كتابه المذكور ليتمكّن من تغييره۔

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یعنی دمیاطی قصد کر چکے تھے کہ جن موقعون پر انھون نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ سے مخالفت کی ہے ان سے رجوع کر لین گے اور پھر اُن سے عبارت نہ [illegible] لیکن چونکہ انکی کتاب کے نسخے تمام شائع ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے (سیرۃ النبی دیباچہ)

حافظ ابن حجر کی اس عبارت منقولہ کا حوالہ بھی شبلی صاحب کے لئے مفید مطلب نہ نکلا۔ کیونکہ۔ جیسا آپ نے نقل فرماتے ہین یہ تو ابن حجر کا مقولہ ہے کہ دمیاطی نے آخر مین ایسا کیا یا ایسا کرنے کا قصد کیا تھا۔ دمیاطی کا تو قول اعترافی نہین کہ ہم نے ایسا کیا یا ہم ایسا کرنے کا قصد رکھتے تھے" جبتک کہ ابن حجر یا شبلی صاحب دمیاطی کا اصل قول نہ پیش کرین۔ ثبوت کافی نہین ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت مین جب شبلی صاحب کو خود اقرار ہے کہ محدثین اور اہل سیرت دو برابر اور مقابل کے گروہ ہین۔ تو یہ ممکن نہین کہ ایک گروہ اپنے مخالف و مقابل گروہ پر ترجیح پانے کے لئے اسکی تضعیف کا کوشان نہ ہو۔ اسی بنا پر ممکن ہے کہ علامہ دمیاطی کی نسبت محدثین کی جس مین ابن حجر بھی شامل ہین۔ یہ خیال افواہ ہو یا حسن ظن۔

ہم نے بھی یہ عبارت زرقانی مین پوری پڑھی ہے۔ اس مین بھی حافظ ابن حجر کی زبانی علامہ دمیاطی کی نسبت لکھا ہے کہ آخر مین علامہ موصوف نے صحت حدیث کی طرف رجوع کیا تھا اور قصد کرتے تھے کہ اپنی تصنیفات مین ترمیم کر دین۔ مگر کتابین دور و دراز تک تمام بلاد اسلام مین شائع ہو چکی تھین اسلئے اس کام کو انجام نہ دے سکے۔" تحقیق حقیقت اسوقت تک کامل نہین ہوئی جبتک کہ دمیاطی کا اصل اقرار اُنکے خاص الفاظ مین نہ پیش کیا جاوے۔ جس سے ایک محقق اور حقیقت حال کے متجسس کو علامہ دمیاطی کے رجوع کرنے کی کافی وجہ معلوم کرنے مین پھر کوئی عذر و تامل باقی نہ رہے۔

ممکن ہے کہ گروہ محدثین کے مویدین تقلیداً ابن حجر کی نقل قول پر اعتبار کر لین مگر اہل سیرت اور اس کی ناظرین تو ثبوت مین علامہ دمیاطی کا اصل قول طلب کرین گے۔

ابن حجر کا ایک مضحکہ خیز فیصلہ

خوب یاد آیا۔ زرقانی مین ابن حجر کا اہل سیرت کی تردید اور اہل حدیث کی تائید مین ایک مضحکہ خیز فیصلہ لکھا ہے جو ناظرین کے لطف طبع کے لئے ذیل مین نقل کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب لکھتے ہین:—

اشار اليه البيهقي على ان اصحاب المغازي مع جزمهم بانها كانت قبل خيبر مختلفون في زمنها فعند ابن اسحق انها سنة اربع وعند ابن سعد وابن حبان سنة خمس ۔

بیہقی نے اشارہ کیا ہے کہ اصحاب مغازی میں اگرچہ یہ رائے قائم ہو چکی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع قبل خیبر واقع ہوا۔ مگر وہ اسکے زمانہ وقوع میں اختلاف کرتے ہیں۔ ابن اسحاق سنہ ۴ھ میں بتاتے ہیں اور ابن سعد و ابن حبان سنہ ۵ھ میں۔

ابن حجر کو بیہقی کا یہ قول دکھلائی دیا۔ دیوانہ را ہوئے بس است کا مضمون تیار ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ اس ذیل موہومہ پر حسب ذیل فیصلہ تیار ہو گیا۔

الدمياطي فادعى غلط الحديث الصحيح يعني حديث ابي موسى وان جميع اهل السير على خلافه وذلك انهم مختلفون في زمانها فالاولى الاعتماد على ما ثبت في الصحيح ۔ زرقانی ج ۲ ص ۱۱

دمیاطی نے حدیث صحیح یعنی حدیث ابو موسیٰ کی تغلیط کا دعوی کیا ہے اس بنا پر کہ جمیع اہل سیر نے اس حدیث کی صحت سے عدول کیا ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اہل سیر نے اسکے زمانہ وقوع میں اختلاف کیا ہے۔ اسلئے اعتماد اسی پر بہتر ہے جو کتب صحیح سے ثابت ہو۔

سبحان اللہ کیا فیصلہ ہے اور کیا اصول فیصلہ۔ صرف سنین کے اختلاف کی وجہ سے واقعہ کا واقعہ ہی غلط اور ساقط۔ اگر اسی اصول اختلاف فی السنین کی بنا پر واقعات کی صحت کا دارومدار ہے تو صحیحین میں ایک سو کیا سینکڑوں ایسا مضمون کے اختلاف کی ہر باب و فصل میں موجود پائی جائیں گی۔ تو پھر انکے متعلق کیا کہا جاویگا۔ ایسا فیصلہ کرنا تو حافظ صاحب کی گروہ محدثین کی کھلی کھلی جنبہ داری ہے۔ اور اسپر کوئی منصف توجہ نہیں کر سکتا

اصل حقیقت کا انکشاف

ان تمام طول و طویل بحث و تفصیل کا بھی آخر میں وہی نتیجہ نکلا جو ذی فہم کا اور لطف تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو پھر وہی تعدد بین الحدیثین کی سعی آخر پر عمل کرنا پڑا فتح الباری کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

قد جنح البخاري الى انها كانت بعد خيبر واستدل فقال وهي بعد خيبر لان ابا موسى جاء بعد خيبر وخيبر كانت في المحرم سنة سبع واستدل في ذلك بامور ومع ذلك فذكرها قبل خيبر عقب بني قريظة فلا ادري هل تعمد ذلك تسليما لاهل المغازي انها كانت قبلها او ان ذلك من الرواة عنه او اشارة الى احتمال ان تكون ذات الرقاع اسما لغزوتين مختلفتين واحدة بعد خيبر واخرى قبلها كما اشار اليه

بخاری نے تو بصراحت کہا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد واقع ہوا۔ اور یہ زمانہ وقوع اسکا اسلئے صحیح ہے کہ ابو موسیٰ (اصل راوی حدیث) خیبر کے بعد آئے اور خیبر محرم سنہ ۷ھ میں واقع ہوا۔ اور یہی ابو موسیٰ کے ثبوت استدلال میں لیکن اسکے ساتھ ذات الرقاع کا قبل خیبر وقوع ہونا بھی لکھا گیا ہے یعنی بعد غزوات بنی قریظہ۔ ابن حجر کہتے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصحاب مغازی سے کس طرح اس قول قبل خیبر کو تسلیم کیا ہے یا تو انکے رواۃ کے نزدیک ایسا ہی تھا۔ یا اس احتمال کی طرح ہو کہ ذات الرقاع نام دو غزوات کا ہو جو اسلئے

البیهقی علی ان اصحاب المغازی صرحوا بانها کانت قبل خیبر مختلفون فی زمنها فعند ابن اسحٰق انها سنة اربع وعند ابن سعد وابن حبان سنة خمس۔

حقیقتاً یہ دو مختلف غزوات ہوں۔ ایک قبل خیبر اور ایک بعد خیبر جیسا کہ بیہقی نے اشارہ کیا کہ اصحاب مغازی نے اپنی تشریح کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ قبل خیبر واقع ہوا مگر زمانہ وقوع میں اختلاف ہے۔ ابن اسحٰق سنہ ۴ھ میں بتلاتے ہیں اور ابن سعد و ابن حبان سنہ ۵ھ میں۔

افسوس کہ یہ تمام امور لکھ کر بھی۔ حافظ صاحب بصرف اہلحدیث کی جنبہ داری کے اصول پر مرقومہ بالا کا جز ذیلہ کریں اور شبلی صاحب اپنی خوش فہمی سے ترجیح حدیث علی السیرت کی بحث میں اپنا معیار استدلال بنا کر نقل فرمائیں ؎ وا ستمگر از پس امروز بود فردائے۔

شبلی صاحب کی دونوں امثلہ مغلطہ کی تحقیق و تنقید پوری تفصیل سے کردی گئی اور ارباب تحقیق کو آپ کی غلط امثالوں کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ وہ کون ہو گا جو عقل سلیم اور دماغ صحیح رکھ کر آپ کی ان غلط امثالوں سے سیرت پر ترجیح حدیث کے قیاسی استدلال کو صحیح مانے گا۔

سیرت اور حدیث کی اصول تفریق

ہماری مرقومہ بالا عبارت تنقیدی سے شبلی صاحب کی امثال قیاسی کی غلطی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت کہ حدیث و سیرت کا فرق مابہ الامتیاز بھی معلوم ہو گیا اور ان پر ثابت ہو گیا کہ کتب حدیث و سیرت کی تالیف و تصنیف کے اصول و سیاق بالکل جدا جدا ہیں اور دونوں اقسام فنون کے طریقۂ استخراج و استنباط اور تفصیل و بیان بھی جداگانہ ہیں۔

استخراج واقعات اور استنباط حالات میں اہل سیرت کی نظر خصوصیت کے ساتھ واقعیت اور اصلیت کی طرف مائل رہتی ہے۔ سب سے پہلے ان کا فرض اولین واقعات و حالات دریافت کرنا اور ان کو تعبیرات عقلی و نقلی تصدیق و توثیق کے درجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے معیار تحقیق کو ارباب سیر کے اور اقوال سے مقابل کر کے اپنے نتائج و تنقید کو معیار تواتر کامل اور تواتر تام ہوتا ہے۔ واقعات کے بعد تعیین زمانہ وغیرہ کی ضروریات پیش نظر رکھی جاتی ہیں۔ اور کامل تلاش اور کافی تحقیق کے بعد اقوال مختلفہ سے جس زمانہ اور جس وقت پر اتفاق دکھا جاتا ہے وہی نقل کیا جاتا ہے۔ ان لیے اقوال مختلفہ میں جنکے تنفرد بااعتبار صحت مساوی ہوتے ہیں۔ ان میں آئمہ حدیث کی طرح فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے اور وہ مسئلہ اختلافی قرار دیکر ان تمام اقوال مختلفہ کو مجبوراً لکھ دینا ہوتا ہے یہ قدیم سیرتوں کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ابھی ابھی شبلی صاحب نے ذات الرقاع کے ذکر میں ابن اسحٰق۔ ابن سعد اور ابن حبان کے اقوال مختلفہ کو نقل فرمایا ہے۔ مگر ابتدائی ارباب سیر اس قول اختلافی کی صرف نقل پر اکتفا نہیں کرتے اپنی تحقیق کے خاص معیار پر ایک زمانہ خاص کا تعین ضرور کر لیتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ ان اقوال مختلفہ میں کسی قول سے ماخوذ ہو یا ان سے مخالف ہو کر کوئی زمانہ خاص بتلاتا ہو۔ اپنے اس خاص مختار کے لیے وہ کافی ثبوت و شواہد

بھی نقل کر دیتے ہین

ائمہ سیرت کی تحقیق چونکہ واقعیت اور اصلیت پر تمام تر مبنی ہے اسلئے وہ اپنے دائرۂ تحقیق کو ایک خاص صنف علم و فن یا اہل علم و اطلاع کے کسی خاص طبقہ اور فرقہ کے ساتھ محدود نہین کرتے۔ بلکہ وہ اپنی تحقیق و تلاش کے ذرائع اور وسائل کو علوم و فنون کے ہر اصناف اور ارباب علوم و فنون کے ہر طبقات تک وسیع کرتے ہین اور اپنے انصاب تحقیق اور معیار توثیق کے مطابق جو واقعہ اصلیت اور حقیقت کے ساتھ جس معتبر ماخذ مین مل گیا۔ اس کو نقل و مستنبط کر لیتے ہین وہ اصول عقاید کے مشہور پر اپنا مختار نہین قائم کرتے۔ وہ اپنے شواہد مین صحابیت اور تابعیت کی خصوصیت کے پابند و محتاج نہین ہوتے۔ وہ ایک معتمد غیر صحابی اور ایک معتبر غیر تابعی کے قول کو بھی۔ بشرطیکہ وہ قول اُنکے نصاب تحقیق پر کامل اُترتا ہو۔ بلا ترجیح نقل کر دیتے ہین۔ اسلئے کہ اُنکے بیان کردہ حالات کی واقعیت۔ اُنکے معیار تحقیق کے مطابق ثابت ہو چکی ہے۔ ارباب سیرت ایک ہی قسم کے متواتر و متعاقب [illegible] تکرار کو۔ جو ندرت اور نوعیت سے خالی ہو اور اطلاع عام کے افادہ کیلئے [illegible] ضروری نہ ہو۔ اکثر قلم انداز کر دیتے ہین اور احتیاطاً صرف ابتدائی واقعہ کا۔ یا ان مین سے جو زیادہ اہمیت رکھتا ہو حسب ضرورت ذکر کر دیتے ہین۔ علم و تکرار واقعہ کو پسند نہین کرتے۔ اسلئے کہ تواردات کے سیاق تحریر مین سخت عیب ہے۔

حدیث کی اصولی تعریف ہم نے مندرجہ بالا تفصیل مین علم سیرت کی بقدر ضرورت اور مناسبت مقام مختصر سی تعریف اور علم حدیث سے اُسکی تفریق قلمبند کر دی ہے۔ اب اس طرح علم حدیث کی تعریف کی جاتی ہے

حدیث سیرت سے محض جداگانہ ایک علم خاص ہے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ عموماً ایک شخص خاص یا اصطلاحاً ایک نبی مرسل کے کلام۔ احکام۔ اقوال اور ارشاد کا مجموعہ ہے۔ جو بخلاف اہل سیرت اندراج حالات و واقعات کا ذمہ دار نہین۔ وہ اصولاً اپنے استخراج و استنباط کو اقوال و احکام کی نقل و تحریر تک محدود رکھتے ہین۔ نقل احکام و اقوال مین وہ زیادہ تر احکام مذہبی۔ و مسائل فقہی۔ و ارشاد و ہدایت وغیرہ کے ضرورۃً درج نقل و تحریر کرنے کے پابند ہین۔ مگر ضمنی حالات کے ساتھ وہ واقعات ملکی۔ قومی اور نظام سیاسی کا بھی جستہ جستہ ذکر کر دیا کرتے ہین۔ جیسا کہ شبلی صاحب بھی معترفاً اسکو ان الفاظ مین لکھتے ہین:-

> یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابون مین آنحضرت صلعم کے حالات واقعات و غزوات کے متعلق بہت کثرت سے واقعات مذکور ہین۔ جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین۔ [illegible] ایک تاریخی تصنیف تیار نہین کر سکتے۔
>
> اسکے علاوہ ان مین تاریخی ترتیب بھی نہین ہے۔ دیباچہ ص ۱

اس بنا پر کتب حدیث مین جو بلا ترتیب اور [illegible] حالات [illegible] آنحضرت صلعم سے متعلق ملینگے وہ [illegible] اختصار [illegible] سکینگے [illegible] [illegible]

الموضوع اُن سے سیرت و تاریخ کی کوئی خاص تالیف مرتب اور تیار ہو سکتی ہے - علم حدیث سیرت و تاریخ کی طرح اپنے بیان و تفصیل میں احکام و اقوال کو علٰحدہ ترتیب الموضوع جمع کرنے کا پابند نہیں وہ تجمیع میں نہ ترتیب کا ذمہ دار ہے نہ کسی تسلسل کا محتاج نقل حدیث کے معیار - سیرت کے مقررہ قواعد سے علی الاکثر جدا ہیں - آئمہ حدیث کو اکثر اوقات روایات احاد اور اقوال منفردہ پر بھی اعتبار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اہل سیرت روایات احاد و منفردہ کو قابل ذکر نہیں سمجھتے علم حدیث اصول عقاید کا منبع اور مؤید ہے - سیرت کو عقاید کے اتباع و امداد کی ضرورت نہیں - علم حدیث کے اطلاعی ذریعے صحابی - تابعین اور تبع تابعین کے طبقات ثلاثہ تک محدود ہیں - اہل سیرت اپنے ذریعہ اطلاعات کو کسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص کرتے - ہاں رواۃ کا معتبر ہونا ضروری ہے - مگر ان کا صحابی اور تابعین میں ہونا ضرور نہیں -

ہم علم حدیث کے بالاختصار بیان و تعریف اور سیرت سے اس کی تفریق - مرقومہ بالا عبارت میں دکھلا کر - اور اسی نظریۂ مختصرہ کو اپنے مدعا کے لئے کافی سمجھ کر مسئلہ زیر بحث کے دوسرے پہلو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں -

محدثین اور تکذیب سیرت میں انکے بے اصل قوال و استدلال

تفحص حالات میں چونکہ اہل سیرت کو اہل حدیث کی طرح کسی طبقہ خاص سے خصوصیت کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا - اس بنا پر محدثین اور انکے ہمخیال و مؤیدین نے غیر قوم و غیر مذہب والوں سے استخراج و استنباط کرنے کی وجہ سے اُن پر اعتراض وارد کئے ہیں - اور شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں اُن کو بڑی سرگرمی سے نقل فرمایا ہے اور تقلید اسلاف کا پورا نقشہ دکھلایا ہے دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۳ ۱۱ میں امام احمد ابن حنبل کا سیرت ابن اسحاق کی نسبت یہ قول نقل فرمایا گیا ہے -

واما مغازی فمن اشھرھا کتاب محمد ابن اسحاق وکان یاخذ من اہل کتاب .	باقی رہے صاحبان مغازی یا مغازی کی کتابیں تو اس میں ابن اسحاق کی کتاب اس فن میں مشہور کتاب ہے اور وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے روایت کرتے ہیں -

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے اعتراض کی نقل سے پہلے معترض کی شخصیت اور خصوصیت پر غور نکر لیا - آپ خود صفحہ ۵ دیباچہ کی حاشیہ کی عبارت زیرین میں لکھکر اقرار کر چکے ہیں کہ :-

"کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو گروہ مقابل سمجھے جاتے ہیں اور بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم و ائمہ حدیث ایک طرف"

تو مرقومہ بالا اقرار و تنقید خاص کے تناقض - ایک گروہ مقابل کی تضعیف و تکذیب دوسرے گروہ مقابل کے اقوال سے کرنا اصولاً اور خصوصاً آپ کے لئے - کیسے صحیح الاستدلال ہو سکتا ہے - اور جب استدلال صحیح نہیں تو وہ قابل تسلیم کیسے سمجھا جا سکے گا - امام حنبل علم حدیث کے امام اول ہیں اور گویا اس فن شریف کے موجد و بانی - بلکہ یہ موجد و مؤسس علم الحدیث کا قول سیرت اور اہل سیرت کی تنقید و تردید میں پیش کرنا شبلی صاحب کی تقلید یا اصلاح

اوپر نقل ہو چکی۔ اب ایک تحقیق کنندہ امام حنبل کے اِن اقوال ثلاثہ کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ لیگا کہ اونکا یہ فیصلہ عادلانہ ہے یا حکمانہ۔ یہ تو مسلم ہے کہ اُسوقت تک سوائے علم التفسیر علم المغازی اور علم السیرۃ۔ اسلام کی علمی دُنیا میں دیگر اصناف علوم و فنون کی بہت کم تدوین و ترویج ہوئی تھی۔ پھر جب امام صاحب کے فتوے کی رو سے یہ تینوں علوم بیکار ہو گئے۔ تو اسلام کی علمی دُنیا میں رہ کیا گیا۔ اس بنا پر ہمارا یہ دعویٰ صحیح ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا یہ فتویٰ صرف اپنی اور اپنے مسند کی گرم بازاری اور رجوع خلایق کیضرورت سے تھا۔ افسوس ہے کہ امام صاحب نے تفسیر پر بھی حملہ کر دیا۔ جو قرآن سے متعلق ہے۔ اور آپکی حدیث بالکل اُسی سے ماخوذ ہے ہمکو اس سے زیادہ بحث نہیں اب ہمکو مسئلہ زیر بحث کے متعلق اور امام صاحب کے اِن اقوال یا فتاویٰ کی نسبت یہ دکھانا ہے کہ انپر امت کا عمل بھی ہوا یا نہیں کیا اسکے بعد اسلامی مصنفین نے مغازی، سیرت، تفسیر پر کتابیں لکھنی چھوڑ دیں یحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کے اس فتوے پر اسوقت سے لیکر اسوقت تک ایک ساعت کیلئے بھی عمل نہیں کیا گیا۔ اور تو اور خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ حال میں تیار کی۔

اب ان حالتوں میں شبلی صاحب کا اِن اقوال سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح اور قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح امام حنبل صاحب کے اس غیر عادلانہ اور محض جانبدارانہ فتوے اور حکم پر اہل اسلام نے آجتک عمل نہیں کیا اوسیطرح شبلی صاحب کی اس تحریر پر بھی کوئی توجہ نہیں کیجائیگی۔

اصل اعتراض کا انکشاف اب رہا اصل اعتراض۔ وہ اہل سیرت کی نسبت اس بنا پر وارد کیا جاتا ہے کہ اونہوں نے اپنی کتابوں میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے اخذ واقعات کئے ہیں۔ چنانچہ شبلی صاحب اسکو کسی قدر زیادہ تفصیل سے دیباچہ ص ۱۷ میں اِن الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں۔

> ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد ابن اسحاق کی کتاب پر جو اعتراض تھا وہ یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور چونکہ یہ واقعات اونہوں نے یہودیوں ہی سے سنے ہونگے اسلئے اونپر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اونکو ثقہ سمجھتے تھے۔ سنہ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

اعتراض سے پہلے شبلی صاحب اور اونکے ہمخیال محدثین کو سمجھ لینا چاہتا تھا جیسا کہ تفریق حدیث و سیرت کی بحث میں بتلا دیا گیا ہے کہ علم حدیث کی تدوین بالکل اصول عقائد پر قائم کیگئی ہے۔ اور علم سیرت کی نہیں۔ انکا حدیث اپنے ہی قوم و مذہب والے رواۃ سے اخذ روایات کو کلیتاً محدود و مقید رکھتے ہیں اور ارباب سیرۃ غیر اقوام و مذہب کے لوگوں سے بھی اپنے معیار تحقیق و اعتبار کے مطابق اپنے ممدوح کے واقعات و حالات

کی اطلاعات حاصل کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ایک غیر قوم و غیر مذہب والا شخص۔ اپنے مخالف مذہب کے پیشوا کے
حالات و واقعات کو نہایت خوشی اور آزادی سے جمع کر سکتا ہے جس طرح کثیر التعداد عیسائی مولفین نے یورپین
ممالک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتیں لکھی ہیں جنمیں سے اکثر کا ذکر شبلی صاحب نے خود سیرۃ النبی
کے دیباچہ میں ایک مطوّل اور مفصل جدول کے اندر نام بنام تحریر فرمایا ہے۔ اسیطرح ہندو مولفین نے ہندوستان
میں بھی آپ کی سیرتیں لکھی ہیں۔ انمیں سب سے مشہور وہ ہے۔ جو شاردے پرکاش صاحب پنجابی کی ہے۔ اور
نولکشور پرنٹنگ ورکس لاہور سے سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور اس کتاب پر مولانا حالی۔ مرزا غلام احمد قادیانی
کی دستخطی تقریظیں۔ اور سید ممتاز علی صاحب بی۔ اے (علیگ) ایڈیٹر رسالہ تہذیب النسوان۔ اور ایڈیٹر صاحب
علیگڈھ انسٹیٹیوٹ اور ایڈیٹر صاحب۔ ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ریویوز اور تائیدی
تحریریں چھپی ہیں۔

مگر کتب سیرت کے خلاف کسی غیر مسلم شخص نے آجتک اسلامی حدیثوں کی تجمیع و تدوین نہیں کی
اسلیئے کہ حدیث اسلامی کی تالیف کے لیئے عقاید اسلامی کی پابندی ضروری اور لازمی تھی۔ اور بدون اون
کے ممکن نہیں تھی۔ جب سیرت کے معیار تالیف اور شعار تصنیف حدیث سے بالکل علیحدہ ثابت ہوتے
ہیں تو معترضین کا غیر اسلامی ذرائع سے اخذ واقعات پر اعتراض کرنا ہی فضول ہے۔

امام احمد ابن حنبل کا محمد ابن اسحاق پر اس وجہ سے خاص کر اعتراض کرنا اول تو مندرجہ دلیل سے
فضول و بیکار ہے اور دوسرے اس سبب سے بھی قابل التفات و اعتماد نہیں ہو سکتا کہ جو سبب اعتراض
بتلایا گیا ہے اور جو وجہ نقص روایت قائم کی گئی ہے۔ وہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ ابن
اسحاق نے یہود و نصاریٰ سے روایت کی اور یہی ایک وجہ انکار لکھی ہے۔ مگر ابن حبان نے اس اعتراض
کی پوری تشریح کر دی ہے۔ جیسا کہ شبلی صاحب کی عبارت سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ

ابن حبان کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف خیبر وغیرہ کے واقعات کے متعلق ابن اسحق نے یہود سے واقعات پوچھے ہیں۔

پھر ایسی حالت میں اونکی کل کتاب کی نسبت یہ حکم لگانا۔ امام حنبل کا تحکمانہ فیصلہ ہے۔ جو منصفانہ سے مختلف
پھر وہ ہی ابن حبان اسکی توضیح بھی کئے دیتے ہیں کہ خیبر وغیرہ کے حالات بھی اونہیں یہودیوں سے لئے گئے تھے
جو مسلمان ہو گئے تھے تو اب امام حنبل کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ وہ یہود۔ یہود۔ ہی نہیں تھے۔ بلکہ آنحضرت
صلعم کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اسلیئے اب وہ مسلمان ہی نہیں تھے بلکہ شرف صحابیت
پر بھی فائز ہو چکے تھے۔ باعتبار اسلام لانے کے انکا زمانہ قبول اسلام بھی وہی ثابت ہوتا ہے۔ جو حضرت
ابوہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری کے قبول اسلام کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے اس بنا پر شرف صحابیت

کے اعتبار سے۔ یہ مسلمان اور وہ دونوں صحابی مدارج اسلام میں ضرور برابر سکیے جائیں گے۔ اس حالت میں اب امام حنبل کے اس اعتراض کو کون شخص قابل تسلیم کہہ سکتا ہے۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ مہمل اضافہ۔

> کہ یہ واقعات ان مسلمان شدہ یہودیوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے۔ اسلئے اون پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔

تو یہ خالی توہمات کے تسلسل میں جن کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اور اسپر ذیل تعدد کا اطلاق ہوگا۔ اول تو اس اعتراض اضافی کی ابتدا ہی صورت احتمالی۔ "سُنے ہونگے" سے قایم کی گئی ہے۔ اور نتیجہ بھی مشتبہ فیہ نکالا گیا ہے۔ یعنی پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر سمجھا جاوے گا کہ یہ مرویات غلط نہیں ہیں۔ کم سے کم مشتبہ فیہ ہیں۔ مگر با اینہمہ اعتماد سے خالی نہیں۔ پھر بقول امام حنبل (نیس لہا اصول) بے اصل کیسے ہو سکے۔ امام احمد ابن حنبل کا اصل اعتراض اور ابن حبان کی شرح حقیقت تو ہم نے پوری تفصیل سے لکھ کر دکھلا دی۔ اب ہم ذیل میں شبلی صاحب کی دوسری سند معترضانہ کی حقیقت دکھلاتے ہیں۔ ابن حبان کے نقل و ترجمہ عبارت کے بعد تحریر ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا انکشاف حقیقت۔

> علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد ابن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے اور اونکو ثقہ سمجھتے تھے۔

شبلی صاحب کی نقل و تحریر کی عجب شان ہے۔ جب حصول مطلب کے متعلق آپکے تمام ذرائع مسدود ہو جاتے ہیں تو آپ اپنی نا دیدہ قابلیت سے ہر شخص کو خواہ مخواہ مرعوب کر لینا چاہتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آپ خود لکھتے ہیں کہ امام حنبل کے یہ تمام اعتراض آپ نے اون کی خاص کتاب سے نہیں لکھے بلکہ موضوعات ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں۔ پھر طرفہ تریہ کہ ملا علی قاری کی بھی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ اسی طرح ابن حبان اور اون کی کتاب الثقات کا صرف نام لکھ دیا ہے۔ اور نقل عبارت کی ہے ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے۔ تو ایسے مخدوش مشکوک نقول النقول اسناد و اشہاد پر کبھی کوئی اعتماد کر سکتا ہے؟

علامہ ذہبی کے شاید اس لکھ دینے نے کہ اون یہود و نصاریٰ کو ابن اسحاق ثقہ سمجھتے تھے شبلی صاحب کو اس شبہ پر یقین دلا دیا ہے۔ تو اس تعریف کی تردید ابن حبان کے قول صریح سے آپ خود نقل فرما چکے ہیں تو پھر ذہبی کے قول منفرد اور مسترد پر اعتبار کرنا آپ کے توہمات مسلسل کا طومار ہے اور کچھ بھی نہیں۔

ذات الرقاع میں ہم نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نمازِ خوف پڑھی۔ اس لئے علامہ عبد الباقی الزرقانی حدیث ابوموسی کی پوری عبارت تحریر فرما کر لکھتے ہیں :-

یزداد قوۃ بحدیث ابی ھریرۃ وحدیث ابن عمر فان ابوھریرۃ فی ذلک نظیر ابی موسیٰ لانہا جاءالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیبر فاسلم وقد ذکر فی حدیثہ انہ صلی معہ صلوٰۃ الخوف فی غزوۃ نجد وکذا ابن عمر ذکر انہ صلی مع النبی صلعم صلوٰۃ الخوف بنجد وقد تقدم ان اول مشاھدہ الخندق فتکون ذات الرقاع بعد الخندق وقد قیل الغزوۃ التی شھدھا ابوموسیٰ وسمیت ذات الرقاع غیر غزوۃ ذات الرقاع التی وقعت فیہا صلوٰۃ الخوف ان اباموسیٰ قال انھم کان ستۃ انفس والغزوۃ التی وقعت فیہا صلوٰۃ الخوف کان المسلمون فیہا اضعاف ذلک والجواب ذلک ان العدد الذی ذکرہ ابوموسیٰ محمولۃ علی کان مرافقاً لہ ولم یرد جمیع من کان مع النبی صلعم قالہ فی الفتح ثم قال فیہ بعد اوراق فی شرح جابر لا یحتمل قول البخاری وھی بعد خیبر لکنہ وھم لصنعہ ما نقلہ واما قول الغزالی انہا غزوۃ ذات الرقاع آخر الغزوات فھو غلط واضح وقد بالغ ابن الصلاح فی انکارہ علی الغزالی ذلک بقول وقال البعض من انتصر الغزالی لعلہ اراد آخر غزوۃ صلیت فیہا صلوٰۃ الخوف وھو انتصار مردود بما اخرجہ ابوداؤد والنسائی وصححہ ابن حبان من حدیث ابی بکرۃ انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی بہا واسلم ابوبکرۃ بعد غزوۃ الطائف بالاتفاق وذلک بعد غزوۃ ذات الرقاع قطعاً ھذا انتھٰی کلام الفتح ای فلعلہم من صلوٰۃ الخوف ذکرہ صلوٰۃ الخوف مع النبی صلعم الان لا یکون ذات الرقاع آخر صلوٰۃ الخوف ۔ زرقانی جلد اول صفحہ ۱۰۲

اس حدیث (ابوموسیٰ) کو ابوہریرہ اور ابن عمر کی حدیثوں سے تقویت ہوگئی کیونکہ ابوہریرہ کی مثال بالکل ابوموسیٰ کی واقع ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں اشخاص (ابوہریرہ و ابوموسیٰ) جناب رسالتمآب صلعم کی خدمت میں غزوہ خیبر میں حاضر ہوکر اسلام لائے اور ابوہریرہ نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ ہم نے آنحضرت صلعم کے ساتھ غزوہ نجد میں صلوۃ خوف پڑھی۔ ایسا ہی ابن عمر بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرتؐ کے ساتھ غزوہ نجد میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ اور یہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ ابن عمر نے سب سے پہلے غزوہ خندق میں شرکت کی۔ اور تب ذات الرقاع کیونکر خندق کے بعد واقع ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس غزوہ میں ابوموسیٰ نے شرکت کی اور اس کا نام ذات الرقاع رکھا۔ وہ حقیقتاً ذات الرقاع کی جگہ دوسرا غزوہ تھا جسمیں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔ کیونکہ ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ کل چھ آدمی تھے۔ بخلاف اسکے جس غزوہ میں صلوٰۃ خوف کا وقوع ہوا اسمیں مسلمانوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جتنی ابوموسیٰ نے بتلائی ہے۔ جواب اس اشکال کا یہ ہے کہ ابوموسیٰ کی مراد اس تعداد سے اسپر محمول ہے کہ انھوں نے صرف ایکبار ہی اسکے واقع ہونیکا ذکر کیا ہے مگر اسکا (بکرات واقع ہونا) صحابی ہمراہیانِ رسول صلعم میں کسی نے بھی نہیں لکھا ہے۔ مگر ابن حجر بخاری کے قول میں تو نہیں ہاں جابر کے قول کے نیچے لکھتے ہیں کہ ذات الرقاع بعد خیبر واقع ہوا۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ شارح (ابن حجر) کو اس مقام پر (ذکر کرات) میں وہم ہوگیا ہے اور اس قول پر کوئی نص نہیں لائے ہیں۔ اب رہا امام غزالی کا قول کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ آخر تھا۔ بالکل غلط ہے اور ابن صلاح اس حدیث کے انکار کرنے میں مبالغہ کیا ہے لیکن بعض لوگ جو مؤید غزالی کے ہیں کہتے ہیں کہ مراد قول غزالی سے یہ ہے کہ آخری صلوٰۃ خوف جس غزوہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ پڑھی گئی لیکن یہ قول تائید ی کا ہے

مردود ہے۔ اسلئے کہ ابوداؤد اور نسائی سے منقول ہے اور ابن حبان نے اسکی صحت کی ہے کہ ابابکرہ نے بالاتفاق غزوہ طائف میں اسلام قبول کیا اور آپکے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی اور یہ غزوہ حتماً غزوہ ذات الرقاع کے بعد واقع ہوا۔ اس بنا پر حدیث غزالی کا قطعاً استفادہ ثابت ہوتا ہے۔ اور قول ابوبکرہ اور شرکت صلوٰۃ خوف سے لازم آتا ہے کہ ذات الرقاع کی صلوٰۃ خوف ہرگز آخر صلوٰۃ خوف نہیں تھی

ہم وقوع ذات الرقاع اور نزول حکم صلوٰۃ خوف کی حقیقت تو حسب الوعدہ اپنے خاص مقام پر لکھیں گے۔ ہم نے یہاں۔ تو صرف اس ضرورت کے مطابق اس واقعہ خاص اور تعیین وقت صحیح صلوٰۃ خوف کے متعلق حضرات محدثین کے اختلافات کثیرہ سے آنکے چند اقوال مختلفہ یہاں نقل کر دیے ہیں۔ ابھی طومار کا طومار تو باقی ہے اور زرقانی جلد اول میں مفصل مرقوم ہے۔

اس اختلاف بین المحدثین کے دکھلانے سے میرا مقصود صرف اتنا ہی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کے تعیین اوقات کی نسبت اہل سیرت کے باہمانہ اختلاف کرنے سے انکا ضعف اعتبار ثابت کیا گیا ہے اور آنکے اقوال وآراکی قبولیت سے عموماً انکار کیا گیا ہے۔ اگر ساقط الاعتباری کی یہی وجہ باوجہ قائم کیجاوے تو اسی غزوہ ذات الرقاع کے اور صلوٰۃ خوف کے وقت نزول کی نسبت۔ حضرات محدثین کے اختلاف کی بھی تو یہی صورت نمایاں ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی بدنما اور نازیبا کیونکہ صاحب محدثین نے تو ارباب سیرت میں صرف ابن سعد و ابن حبان کے اختلاف اقوال دکھلا کر ان کے مختار اقوال سے انکار کیا ہے۔ یہاں تو امام بیہقی قبل خیبر بتلا رہے ہیں۔ ابن عقبہ۔ بلحاظ کمال نزد و قبل بدر الکبرٰی۔ وقت وقوع ٹھہرا رہے ہیں۔ امام احمد ابن حنبل اور آن کے تمام مویدین (ارباب سنن) ابی عیاش زرقی کے اسناد سے نزول حکم صلوٰۃ خوف کا باعث خالد ابن ولید کے کارنامہ حملات کو تصریحات فرما رہے ہیں مگر یہ نہیں فرماتے کہ کب اور کس وقت۔ امام غزالی ذات الرقاع آخر غزوہ و نزول حکم صلوٰۃ خوف کا اصل موقع دکھلا رہے ہیں۔ امام ابن الصلاح اونکی تردید میں صحیح نسائی اور ابوداؤد کھول کر توفیق و تصدیق ابن حبان کے ساتھ مبالغہ آمیز کلام شاقلہ فرما رہے ہیں۔

غرض ایک عجیب عالم رستخیز ہے اور اضطراب کشمکش تگ سیر۔ ابن عقبہ صاحب ذات الرقاع کو اتنا قدیم بتلاتے ہیں کہ بدر اکبر سے بھی قبل کھینچ لیجاتے ہیں بخلاف انکے امام غزالی صاحب اتنا نیا اور تازہ واقعہ ٹھہراتے ہیں کہ اسکو سرے سے کھینچ لاکر آخر غزوہ تک اونتار لاتے ہیں۔

نزول حکم صلوٰۃ خوف میں اختلاف

یہ تو ذات الرقاع کے خاص تعیین وقت کی حالت اختلاف دکھلائی گئی۔ جو حضرات محدثین کے اقوال مختلفہ کے باعث پہونچی ہوئی پائی گئی۔ اب حکم صلوٰۃ خوف کے نزول اور اس کے استقرار وقت اور موقع نزول کے حالات ملاحظہ ہوں۔

ابوموسیٰ صاحب تو غزوہ ذات الرقاع کو موقع نزول حکم صلوٰۃ خوف بتلا گئے۔ مگر ابوہریرہ صاحب جو

اسلام لانے کے اعتبار ایام سے ابو موسی کی نظر قرار دے گئے تھے ۔ اور عبد اللہ بن عمر صاحب اُنکے موید ٹھہرے گئے تھے ۔ اور ان دونون صاحبون کی منقولہ حدیثون سے ابو موسیٰ والی حدیث کی تقویت پہونچائی گئی ہے ان دونون صاحبون کی حدیثون مین ذات الرقاع کا نام نہین ہے بلکہ نجد بتصریح نہ تواتر نام آیا ہے ۔ اس سے ابو موسیٰ کے قول کی حقیقت بالکل کھل جاتی ہے اور معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کس علم و دانست کے صحابی تھے ۔ اور اسی مایہ و پایہ کے اعتبار پر صحیح بخاری کے سرمایہ ناز راوی قرار دے گئے ہین ۔

ابن حجر کو تنگ اقوال کے اشکال نظر آئے اور جب انکی کوئی صورت جواب نظر نہ آئی تو آخر کہنا ہوا ۔ (جیسا کہ مرقومہ بالا عبارت زرقانی سے ظاہر ہوا) کہ ابو موسی نے اس غزوہ کا یہ ہین نام غزوہ ذات الرقاع رکھدیا ہے (یعنی اصل یہ غزوہ نجد ہے جہان بنی محارب بستے تھے ۔ اور انکی بے ادبی پر اسلام کو تنبیہ کی ضرورت واقع ہوئی تھی) ذات الرقاع ابو موسی کا خاص نام نہادی اور ایجادی نام ہے ۔ اور نہ وہ اصلی ذات الرقاع تھا جس مین صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا تھا ۔ عجب تر تو یہ ہے کہ ابو موسی کی اتنی ہی تغلیط و تکذیب پر کفایت نہین کی گئی ہے بلکہ انھین فقیہین نے پھر اس صحابی کی تکذیب اس طرح کی ہے کہ ابو موسی نے جس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع بتلایا ہے اور اس کو حکم صلوٰۃ خوف کا مقام نزول ٹھہرایا ہے ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس غزوہ مین کل چھ آدمی شامل تھے ۔ حالانکہ وہ اصلی غزوہ ذات الرقاع (غزوہ بنی محارب) جس مین صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا اس مین اہل اسلام کی تعداد اس سے کہین زیادہ پائی جاتی ہے ۔ جتنی ابو موسی اپنی حدیث مین بتلا گئے ہین

ابن حجر کی جان عجیب ضیق مین پڑی ہے ۔ اور ہر ابو موسی کی دستار صحابیت کبھی سنبھالنی اور دیگر امام بخاری کا مرام انصرامیت کی ۔ حافظ صاحب نے بقدر امکان جواب تو دیا تسکین الکلام خود بنیاستہ پڑی کی اور ضعف استدلال کو خوب سمجھتے تھے ۔ بالآخر غزوہ ذی قرد کی طرح ذات الرقاع کے بھی متواتر و تکرار واقع ہونے کا احتمال ظاہر کرنا ہی پڑا ۔ عرب کرتے کیا ۔ لطیفہ ۔ اس ترکیب شارقین کے اس طوفان اقوال مختلفہ مین نہ کوئی تطبیق ممکن ہو سکتی تھی اور نہ تاویل ۔

روایات سیرت پر عمل کیا گیا مسئلہ زیر بحث کے خاتمہ پر فیصلہ بھی دکھلا دینا نہایت ضروری ہے ۔ اس بنا پر اب ہم اپنے موجودہ بیان مین یہ دکھلاتے ہین کہ ان اطوار و انبار بیکار کے بعد حدیث و سیرت کے ارباب صحاح کا عمل کس کے حکم پر ہوا ۔ آیا اہل سیرت نے اہل حدیث کے بیان کو تسلیم کرلیا اور ذات الرقاع کے وقت وقوع کو مطابق قول بخاری بعد خیبر مان لیا ۔ یا اہل حدیث نے اہل سیرت کے قول کو مانا کہ اوسکو قبل خیبر قرار دے لیا ۔

جب ہم اسکی تحقیق کرتے ہین تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنفین حدیث کی کتابون مین اپنے اپنے مقام پر انکی

محدثین اور حدیث و سیرت والے اپنے اپنے اقوال و مختار پر قائم رہے۔ اور کسی نے دوسرے کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ سیرت والے قبل خیبر اور حدیث والے بعد خیبر لکھتے رہے۔ مگر اس قبل و بعد کے قضیہ سے علیحدہ ہو کر علامہ قسطلانی۔ صاحب مواہب لدنیہ نے۔ جو خود بھی شارح بخاری ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے ارشد تلامذہ میں داخل ہیں۔ ایک بالکل نئی لیکن تعجب انگیز راہ نکالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ باوجود اسکے کہ محدثین کے طبقہ میں اعتبار و اعتماد کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں۔ مگر مواہب لدنیہ! اپنی جامع کتاب میں ذات الرقاع اور صلوٰۃ خوف کے نزول حکم کے تمام واقعات اور ان تمام اختلافات محدثین کو لکھکر صحیح بخاری کی روایت کو تمام مروایات پر ترجیح دیتے ہیں۔ مگر تاہم اپنی کتاب میں ذات الرقاع کو اپنے سلسلہ بیان میں قبل خیبر لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب لدنیہ کی فہرست مضامین مطبوعہ حیدرآباد جلد دوم ص ۱

عجیب طرح کی تاریخ ہے — حضرت قسطلانی نے مضامین کتاب میں امام بخاری اور ان کے ہم خیال محدثین کی تقلید کر کے ان کی حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا۔ مگر اپنی کتاب کی ترتیب و تالیف میں اہل حدیث کو قطعاً متروک فرما کر اہل سیرت کی تقلید فرمائی اور ذات الرقاع کو قبل خیبر بیان کیا۔

شبلی صاحب کے قلمی تخفاف کا انکشاف — قسطلانی صاحب سے زیادہ تو شبلی صاحب نعمانی نے اپنے مختار و اعتراف سے روگردانی کی ہے۔ ترجیح حدیث علی السیرۃ کے ثبوت میں واقعات ذات الرقاع کی اہل سیرت کو مثال بنا کر دکھلایا ہے اور تمام دلائل و براہین آخر میں محدثین کا فیصلہ پیش کیا ہے۔ فقد حقّق البخاری انها کانت بعد خیبر۔ قول بخاری سے یہ صحیح ثابت ہے کہ وہ (غزوہ ذات الرقاع) بعد خیبر واقع ہو۔ اور اسی قول کو تمام محدثین کا مسلمہ بتلایا ہے۔

باتفاق جمہور خیبر سنہ ۷ھ میں فتح ہوا خود آپ نے بھی وقوع خیبر کو سنہ ۷ھ میں لکھا ہے۔ تو اب اس بنا پر ذات الرقاع قطعاً سنہ ۷ھ میں خیبر کے بعد یا سنہ ۸ھ کے بعد سنہ ۹ھ وغیرہ میں واقع ہوا ہوگا۔ مگر آپ نے ان تمام داد و بار تحقیق و تنقید کے بعد۔ جو صرف مرعوبیت عامہ کے لحاظ سے لکھ کر دکھلائے گئے تھے۔ اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اوّل میں ذات الرقاع کو سنہ ۴ھ کا واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ ان هذا الشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

مگر یہ اندراج بھی کس حزم و احتیاط اور کس بیداری و ہوشیاری سے عمل میں لایا گیا ہے کہ آپ کے تدبر مولفانہ کی شان عظمت کو اس نے بھی دوبالا کر دیا ہے۔ یعنا عوام الناس کو معلوم اور آنکے پیش نظر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جدول فہرست مضامین میں جو دیباچہ سے پہلے کتاب پر لگائی گئی ہے۔ ذات الرقاع کا نام ہی نہیں۔ اصل کتاب کی تفصیل و بیان میں کسی سن و سال کے واقعات میں اسکا ذکر ہی نہیں۔ اس سے تو آپ کا یہ مضحکہ انگیز فیصلہ ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپ قطعاً اسکے وقوع کے قائل ہی نہیں۔ یا اہل سیرت و حدیث کے بیشمار و ناگوار اختلاف اقوال سے عاجز آکر آپ نے اسکے اخفاء و اسقاط ہی کو اپنا معیار تحقیق بنایا ہے۔

وجہ وثواست وغیرہ کے علاوہ - باقی تمام علوم وفنون کی صحت و اعتبار کی صحت کو ظنی کے درجوں تک یقین کیا ہے انھیں میں سیرت وحدیث دونوں داخل ہیں - اور اسی بنا پر بحر العلوم نے کتب حدیث کی عموماً اور صحیح بخاری کی اصح الکتاب اور صحیح و یقینی ہونے کو خصوصاً تمام طریقوں سے مجروح - مشکوک اور ممنوع ثابت کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا - پھر ایسی صحت سے شبلی صاحب کا مقصود ہے تو وہ مشکل سے حدیث و سیرت کے لئے ممکن ہو سکے گی - اسکے علاوہ حدیث ہو تاریخ ہو سیرت ہو یا مغازی - یہ تمام علوم تو منقولات میں داخل ہیں - پھر انپر دلائل معقولات کا جمع کرنا تو جمع فاسد علے الفاسد کا حکم رکھتا ہے -

بہرحال جب اتنا تحقیق ہو گیا کہ عموماً علم حدیث کی صحت بھی ظنی ہے - یقینی نہیں - تمام اس سے کہ کتب صحاح ہو سنن ہو - یا مسند - سب ایک ہی تعریف کے اندر آتی ہیں - اور حدیث کی طرح سیرت اور تاریخ کی بھی صحت کا یہی حال ہے - تو صحت کی میزان میں تو حدیث و سیرت کی مرویات - اگر اپنے اپنے معیار صحت کے مطابق صحیح و معتبر طریقوں سے تخریج کئے گئے ہیں تو وہ بھی کامل اعتبار اور قابل اعتبار ہوں گی - مگر اس صورت میں تو شبلی صاحب کو ترجیح حدیث علی السیرت کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا - ہم اس سے زیادہ مسئلہ صحت کے متعلق لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں دیکھتے -

شبلی صاحب کے قرارداد معیار صحت حدیث　ہم ذیل میں شبلی صاحب کے قرارداد معیار صحت حدیث کو ذیل میں نقل کر کے اُن کے بعض مقامات پر بالاختصار اپنی تنقیدی عبارت لکھ دیتے ہیں - پہلے ہم اُن معیار کو لکھتے ہیں جن کو آپ نے مرویات احادیث کا ایک معیار قرار دیا ہے - جس کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے موضوعات علامہ سبط ابن جوزی کے مقدمہ سے نقل کیا ہے تحریر ہوتا ہے -

حسب ذیل صورتوں میں روایت قابل اعتبار نہ ہوگی اور اسکی نسبت اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں

(۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو -

(۲) جو روایت اصول مسلّمہ کے خلاف ہو -

(۳) محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو -

(۴) قرآن مجید - احادیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی گنجایش نہ ہو -

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو -

(۶) معمولی کام میں بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو -

(۷) وہ روایت جو رکیک المعنی ہو [illegible] غیر فصیح کے منکر ہے -

(۸) جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو۔ باایں ہمہ کسی اور راوی نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

(۹) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے ملا ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتبار واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں راوی اس کو روایت کرتے باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

شبلی صاحب کے مندرجہ بالا اصول حدیث کی مختصر تنقید۔

بظاہر تو مندرجہ بالا اشرائط صحت حدیث کے معیار بنائے گئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نقاد ان فن نے صرف انکو اپنی کتابوں میں لکھ کر۔ اور صحت حدیث کے غلط اعتقاد کا عوام میں باعث شہرت بنا کر رکھ لیا۔ بلکہ صحاح سے لیکر سنن و مسانید تک کے حضرات محدثین میں ایک صاحب بھی ان پر عمل پیرا نہ ہوئے اور ہزاروں مراسیل و مقطوعات مسانید و سنن و صحاح کر دیا۔ خاص صحیح بخاری میں موجود ہیں جن میں لیلۃ القدر والی حدیث اور دیگر چند حدیثوں کی تنقید بخاری کی بحث میں اوپر دکھلائی گئی ہے انشا اللہ (؟) مفصلہ ذیل عبارت تنقیدی لکھی جاتی ہے۔

(۱) خلاف عقل روایتیں۔ اس شرط سے مراد ایسے خصوصاً ثبوت واجب الوجود کے متعلق مرویات جن سے ذات باری تعالیٰ کے صفات سلبیہ اور ثبوتیہ کا مثل ہونا بیان ہوا ہو ایسے یقینی اعتقادات اور نیز احکام تعبدی کی روایتوں کو مستثنیٰ کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ امکان عقل انسانی ان دقیق مطالب و معانی کے بار کا قبول آپ کے متحمل نہیں ہو سکتا۔

مثلاً۔ خدا کی آنکھ۔ کان وغیرہ نہیں۔ مگر اسکے اسمع السامعین اور ابصر الناظرین ہونے کا مثل مشاہدہ کے یقین کامل اور اسکا دوا ثق واجب ہے۔ جو بادی النظر میں انسانی عقل محدود کے حد عقل سے باہر ہونیکی وجہ سے بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح احکام تعبدی ہیں جو بغیر احتیاط۔ آیہ وافی ہدایہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ سونے اور حریر کے استعمال کو مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے حلال تاکیدی بتلاتے ہیں خصوصاً اوقات نماز میں مردوں کی تفریق اور عورتوں کی اس تخصیص کے لیے عقل کوئی وجہ معقول نہیں قائم کر سکتی اس زمانہ کی جدید اور روشن ترعقل والے تو فرومات سنتہ کے احکام دا ثبات صوم و صلوٰۃ کو بھی۔ اس لئے کہ انکی نزدیک انسان آزاد مادر زاد پیدا ہوا ہے۔ بہت کم قابل تعمیل سمجھتے ہیں۔

(۲) مرویات خلاف اصول مسلمہ۔ اصول مسلمہ کی تعریف ضرور ہونی چاہئے۔ کہ سمجھا جاوے کہ اصول مسلمہ خاص ہے یا مسلم عام۔ اگر مسلمہ خاص مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ دوسری قوم و فرقہ والے جن کو ادعائے اسلام ہوگا

وہ کیونکر اسکے لئے مجبور کئے جائینگے۔

اس کے علاوہ - یہ ایسی شرط ہے - جو شروع ہی سے شرط ہو کر کتابوں میں لکھی رہ گئی - اسپر عمل کچھ بھی نہیں ہوا - اجماع اصول مسلمات اور اولین معتقدات اہل سنت والجماعت سے ہے - وہ آجتک ثابت نہیں ہوا - بلکہ اوّل مسلمہ یعنی اجماع سقیفہ بنی ساعدہ کی صحت و صداقت جواز و غیر جواز میں - آپس ہی میں اختلاف ہے - تو دوسرے مسلمات سے بحث ہی بیکار ہے - باقی رہا صحت حدیث کے مسلمات - جو موجودہ بحث کا اصل مدعا ہے - وہ عموماً صحاح ستہ اور خصوصاً صحیح بخاری کی نسبت پیش کیا جاتا ہے - اس مسلمہ یا اجماع کی تنقید و تغلیط - امام ابن ہمام اور بحر العلوم کے اقوال دلائل بتفصیل اوپر قلمبند ہو چکی ہے - پھر کیسے کہا جاسکے کہ اصول مسلمہ کے خلاف آپ حضرات کا عملدرآمد نہیں ہے - اگر حقیقتاً جیسا کہ لکھا جاتا ہے شرط اصول مسلمہ کے مطابق کیا بھی جاتا - تو پھر ابن ہمام اور بحر العلوم سے - علماے کرام کو اجماع کے اصول مسلمہ سے انکار کی کیا ضرورت تھی - اس ثابت ہوتا ہے کہ یہ شرائط انصاب معیار صحت بہت پیچھے وضع کئے گئے اور اسکے خلاف عملدرآمد بہت قدیم ہے -

(۳) مرویات خلاف مشاہدات و محسوسات - محسوسات کی جگہ مدرکات کا لفظ زیادہ مناسب تھا اس لئے کہ محسوسات کا علی الاکثر محسوسات پر اطلاق ہوتا ہے - اور مدرکات تعقل کے معنوں میں داخل ہے جو اصل عبارت میں مراد ہے - یہ شرط حقیقتاً شرط اوّل کا ایک ضمیمہ ہے - اسلئے اسپر دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں -

(۴) مرویات جو قرآن مجید - احادیث متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہوا اور جسمیں تاویل کی کچھ گنجائش نہو بظاہر یہ شرط نہایت صحیح ہے اور محدثین کا اصلی اور حقیقی معیار صحت بھی ایک شرط ہے - جو جملہ شروط مذکورہ پر حاوی ہے - مگر افسوس سب سے ناگفتہ بہ اسکی نارسائی محقق ہوتی ہے - اور مشاہدات بتلا رہی ہیں کہ اسکے کسی شائبہ پر بھی عمل نہیں کیا گیا قرآن مجید کے خلاف تو محض معاشر الانبیا کی روایت موجود ہے - احادیث متواترہ من کنت مولاہ کے اجماع امت کے خلاف و نقیض (جسکے اعلان کیوقت بقول ابن اثیر ایک لاکھ مسلمانوں سے بھی زیادہ کی جمعیت موجود تھی) سقیفہ بنی ساعدہ میں خلاف سازی کے کارنامے محفوظ ہیں آجتک تمام اسلامی کتب اسپر شاہد ہیں اور یہ ایسے شواہد ہیں جنکی تصدیق و توثیق کے لئے دوسری تائید و تحقیق کی مطلق ضرورت نہیں پھر ان شواہد کے مقابل میں کون یقین والا کہسکتا ہے کہ اس شرط پر سواد اعظم میں کبھی صحیح طور پر عمل بھی کیا گیا -

(۵) معمولی بات پر بڑا عذاب - بظاہر تو صحیح ہے - مگر حقیقتاً یہ دستور العمل منشاء قرآنیہ کے مدعا سے دور ہے علاوہ اسکے ایسی ہزاروں حدیثیں ابھی تک کتب حدیث میں موجود ہیں - اگر اس شرط پر محکم کے ساتھ عمل بھی ثابت ہے تو پھر ایسی حدیثوں کی نقل و تحریر کا دروازہ ایکبارگی کیوں نہ مسدود کر دیا گیا -

(۶) ذراسی بات پر بڑے انعام کا وعدہ - اس کی بھی وہی مثال ہے جو جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کے نصاب
رحمت اور اختیار قدرت کے مخالف اور سبقت غضب رحمتہ کے اصل مدعا کے متناقض معلوم ہوتی ہو اگر اس شرط
پر عمل ثابت ہے - تو پھر آجتک ان حدیثون کا وجود کیون باقی ہے -

(۷) رکیک المعنی حدیثین - مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ - اعتراض و امتناع سے پہلے تو ان
رواۃ کی خوش فہمی پھر اُن محدثین کی جامعیت و قابلیت کی داد دینی چاہئے جنھون نے ایسے ایسے مہملات کو
قول رسول بتلا کر ذات رسالت پر اتہام کیا -

(۸) جس روایت کا راوی - راوی اصل سے ملا ہو - شرط صحیح ہے مگر عمل ذرا بھی ثابت نہین - تمام کتب حدیث
ایسی حدیثون سے مملو ہین - اور تو اور خاص صحیح بخاری مین - نزول لیلۃ القدر کے ذکر مین ہم تفصیل سے اسکی مثال
نقل کر چکے ہین - امام صاحب نے نکمہ بند کر کے عن ابن عیینہ سے عنعنہ حدیث شروع کر دیا - پوچھئے تو کہان آپ
کا وقت کہان ابن عیینہ کا زمانہ - پر لفظ عن کا فرمانا کیسا ؟

(۹) جس روایت مین ایسا قابل اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع مین آتا تو سینکڑون آدمی اسکی روایت
کرتے یہ شرط تو حقیقت مین ابتدا ہی سے نظر انداز کر دی گئی - اور قطعاً نا قابل عمل سمجھی گئی - حدیث نحن معاشر
الانبیاء کا بیان کرنے والا اکیلا راوی ثابت ہوتا ہے - اور اسی کی خبر احاد پر اتنا اعتماد کیا جاتا ہے کہ اجماع قطعی
کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی غرض و غایت سے - شبلی صاحب نے خبر احاد کے قابل الاستناد ہونے کی توثیق
ان الفاظ مین لکھی ہے کہ

> اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا - تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو - اور گو بظاہر عقل کے مطابق
> بھی نہ ہو - لیکن اسکی روایت قبول کر لی جائے گی - دیباچہ ص ۶۱

اتنے ہی الفاظ تائیدی پر اکتفا نہین کیا گئی ہے - بلکہ خبر احاد کے قابل الاستناد ہونے پر ایک
خاص بحث کی گئی ہے جس کو ہم عنقریب اپنے سلسلہ بیان مین نقل کرین گے -

(۱۰) جو روایت ایسی ہو - کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونیکی ضرورت ہو - بااین ہمہ ایک راوی کے
سوا کسی اور نے اسکی روایت نکی ہو -

اس شرط سے صحت کی مخالفت بھی - حدیث نحن معاشر الانبیاء کے اشاعت اور اسپر عملدرآمد آمنت
سے کما حقہ ثابت ہے "

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان احکام کے اجرا و اعلان سے کیا کام نکلا - جب انپر نفاذ عمل ہی ثابت نہین ہوتا
تب تو فسرو تلقین کیا جائے گا کہ یہ شرائط محدثین نے اپنی واقفکاری فن اور گرم بازاری علم کی غرض خاص سے

لکھدے تھے کہ عوام اہل اسلام انکی شدت احتیاط اور کمال نقد کے قائل ہوکر مرعوب ہوجائیں ۔ اور انہیں بزرگواران اسلاف کی تقلید مین شبلی صاحب نے بھی اسی مدعا ومنشا سے ان شرائط کو نقل فرمایا کہ زمانہ کے محدود علم وتحقیق رکھنے والے افراد قوم وملت عموماً اور جدید تعلیم مغربی کے ابجد خوان مسلمان طلبہ خصوصاً ان کی تحقیق وتنقید کی یہ طول وطویل تفصیل دیکھکر حلقہ بگوش عقیدت بنجائین ۔

ایک غرض خاص آپکی اور بھی اسکے ساتھ ملحق تھی کہ ان حدود وقیود کو دیکھکر حدیثون کی کتابون کی طرف رجوع عام ہوجاے گا ۔ اور چونکہ کتب حدیث کی بنا اصول تقلید پر ہے ۔ اور عقلاً بھی سے تعمیم ۔ اختلاف احادیث اور اسقاط وتعاملہ مخصوصہ کے اسناد ملین گے ۔ اسلئے ان کے بیان وتفصیل کو اپنے مفید مطلب پاکر اس شرح وبسط سے قلمبند کیا گیا ۔

ہم نہین کہتے کہ یہ ترکیب ۔ خاص شبلی صاحب کی ایجاد ہے یا انکی طبعزاد ۔ کیونکہ اسکی ایجاد بھی اغاز خلافت ہی سے معلوم ہوتی ہے ۔ پھر حکومت امویہ سے گذرتی ہوئی سلطنت عباسیہ تک برابر قائم وجاری رہی اور اتباک ہے اور سوقت سلطنت کی تائید سے شدت وکثرت سے جاری تھی ۔ اسوقت تصنیف وتصانیف سے برابر وہی قدیم لکیر پیٹی جاتی ہے ۔ ارباب صحاح نے عموماً اور بخاری صاحب نے خصوصاً موافقت زمانہ کی وجہ سے اپنے قلمکار رنگ آمیزیون کے مختلف رنگون مین انکو خوب خوب رنگا ۔ اپنی تجویز وقیاسی مدعا کے موافق حدیثون پر کہین اضافہ الفاظ وکلمات سے انکے اصلی رنگون کو کبھی شوخ اور تیز کردیا اور کبھی اضافہ ۔ اختصار اور استفادہ کی مصلحت ومناسبت اور ازالہ واسقاط وکلمات بلکہ علی الاکثر سقطہ وتعاملہ کلی سے ۔ حدیثون کے اصلی رنگ کو بالکل ہلکا اور پھیکا کردیا ہے ۔ بخاری کے اسقاط الفاظ وغیرہ کی مثال ہم بلا تذکرہ مین اسی کی تحریر سے اوپر ثابت کرآے ہین ۔

بااین ہمہ مسئلہ زیر بحث کی تحقیق مین جیسا کہ ہم اوپر بتلا آے ہین خاتمہ بحث پر پھر اسی کا اعادہ کئے بغیر نہین رہ سکتے کہ مقصود بالا دلائل وبراہین سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ حدود وشروط صحت حدیث کے نام نہادی قیود بنکر رہگئے ۔ اور اہل تحقیق کو مسلمانان دیگرہ وسلطانی در کتاب کی تصدیق کا موقع دے گئے ۔ چنانچہ شبلی صاحب نے بھی یہی رویہ اختیار کیا ہے ۔ دیباچہ مین تو دنیا بھر کے معیار ۔ شرائط اور اصول لکھدئے ۔ مگر اصل کتاب مین عمل ایک پر بھی نہین کیا گیا جیسا کہ ہم ایک خاص نمبر مین آپکے اسی انداز کو دکھلاتے ہین اور آپ کی کتاب کے اصل مقامات پر اسکی حقیقت کا پورا انکشاف کردیا گیا ہے ۔

حدیث کی ایسی تقریبات سیرت کی حقیقت بنا لینا

یہان تک تو موضوعات ابن جوزی کے مقدمہ سے صحت حدیث کے زرین اصول معیار تیار کئے گئے ۔ اب سیرت کی صحت کے لئے سیا خود ایجاد کئے گئے ہین

کیونکہ انکے استنباط کا حوالہ اوسطرح کہین نہین دیا گیا ہے۔ جیسا کہ صحت حدیث کے معیار کا حوالہ موضوعات ابن جوزی سے دیا گیا ہے۔ وہ معیار حسب ذیل قائم کیے گئے ہین۔

(۱) کتب سیرت قابل تنقیح ہین اور ان کے روایات و اسناد کی تنقید لازمی ہے۔

(۲) سیرت کی روایتین باعتبار پایۂ ثقاہت احادیث کی روایتون سے فروتر ہین۔ اس لئے بصورت اختلاف احادیث کی روایت کو ہمیشہ ترجیح دی جاے گی۔

(۳) سیرت کے واقعات مین سلسلہ علت و معلول کی تلاش ضروری ہے۔ دیباچہ ص ۴۱

سخت حیرت ہے کہ کیا سمجھا جاوے۔ آیا یہ نصاب صحت سیرت تسلیم کیا جاوے جیسا کہ دعویٰ اور وعدہ فرمایا گیا ہے۔ یا آپکا حکمانہ فیصلہ سمجھا جاوے۔ جیسا کہ انداز تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شروط صحت حدیث کے اوپر لکھے گئے ہین گو وہ بلحاظ اصلیت نئی بھی ہون اور ان پر عمل امت ہوا بھی ہو۔ مگر تاہم وہ اپنی تدوین آئین کے اعتبار سے شرو طہ حدود و بالشتی کی صورت ضرور رکھتے ہین۔ اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی عالم اور واقفکار فن کے قائم و مقرر کردہ ہین۔ اور یہ تنقیحات شبلی صاحب کی خاص طبعزاد ہین۔ انکا موضوع عالمانہ ہے۔ اور انکا مقصود عامیانہ ہے اور نیز خود غرضانہ چنانچہ ان کا انکشاف حقیقت سلسلہ وار حسب ذیل ہے۔

(۱) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین۔ یہ تو بالکل یکطرفہ فیصلہ ہے۔ کیا حدیث کی کتابین قابل تنقیح و تنقید نہین۔ کیا انھی موضوعات کی کتابین لکھین جانے کے بعد بھی شبلی صاحب اپنے اس اصرار پر قائم رہ سکین گے کہ کتب احادیث تنقیح و تنقید کی محتاج نہین۔ اگر ایسا نہین ہے تو اکیلی سیرت کی کتابون کو قابل تنقیح و تنقید ٹھہرانا اور حدیث کی کتابون کو مستثنیٰ کر دینا کیسی زبردستی ہے۔

جب صحیح بخاری کی ایسی اصح الکتاب کی اکثر روایتین کو سیرۃ النبی میں خود آپ قابل نظر اور مشکوک الصحت ٹھہرا چکے ہیں۔ تو اور کتب احادیث کے ناقابل تنقید ہونے کا کیا ذکر۔ حقیقت یہ ہے سیرت کی کتابیں اسی حد اور مقدار تک تنقید کے قابل ہیں جس حد و مقدار تک حدیث کی کتابیں مگر بات یہ ہے کہ دونوں اقسام کی کتابوں میں بعض کتابیں زیادہ تنقید کے قابل ہیں اور بعض کم

(۲) سیرت کی روایتین حدیثون سے اعتبار مین فروتر ہین۔ یہ تو گویا شبلی صاحب کا وظیفہ ہے اور اس وظیفہ سے جو مراد ہے۔ وہ ہم عنقریب اپنے سلسلہ بیان مین بتلا دیتے ہین۔

ہان اصول فقہا یہ با مسلمات مذہبی کا بیان اگر کسی سیرت و تاریخ کے مضمون مین آ گیا ہے اور وہ کتب حدیث کی روایات معتبرہ کے مخالف ہے تو ایسی حالت مین مرویات حدیث کو روایت سیرت پر ضرور ترجیح دیجا ئیگی۔ ورنہ واقعات و حالات کی عام تفصیل و بیان مین اگر سیرت و تاریخ کے مرویات اپنی شرو ط

صحت پر کامل اور تمہ چکی ہیں تو کوئی حدیث قابل التنقید اور مشکوک الصحت سے مخالف بھی ہو وہ قابل انکار نہیں۔

(۲۷) علت و معلول کی تلاش ۔ علت و معلول کی بحث کو پیش کرنا محض بے ضرورت ہے۔ اس بنا پر کہ تمام علوم کے اقسام مضامین و مباحث۔ دلائل و براہین میں یہانتک کہ دو سطرون کے معمولی خط بھی اسکی ضرورت سے خالی نہیں کون لا یعقل ہوگا جو کسی تحریر و مضمون کو پڑھے گا اور اسکی علت و معلول کو نہ سمجھیگا۔ کون ناقص العقل اور ناقص الدماغ ہوگا جو بغیر علت و معلول کے اپنا کوئی مضمون تیار کرے گا کیونکہ کوئی تحریر کوئی عبارت بغیر اسکے لکھی ہی نہیں جاسکتی افسوس ایسی عالمانہ اور محققانہ شان کی تصنیف و تالیف اور ایسی عامیانہ دلائل و براہین پیش کیے جاتے ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ تنہا سیرت کی کتابون میں علت و معلول کی تلاش کو کیون منحصر اور محدود کیا جاتا ہے۔ حدیث کی کتابون میں بھی اسکی جستجو کیون نہیں کیجاتی۔ جن میں علی الاکثر مثالیں ملتی ہیں۔ ہم امام بخاری کی صحیح سے اسقاط علت و معلول کی صرف ایک مثال ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ ہمارے مدعا کی تصدیق کے لیے کافی ہوگی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس خواب کو ایک طولانی حدیث میں بیان کیا گیا ہے جس میں آپنے ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ اور اسکے چند دنون کے بعد حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جو اسکی تعبیر خیال کی گئی۔ اس واقعہ خواب کی تفصیلی عبارت اس فقرہ پر تمام کی گئی ہے۔ رایت فیہا بقرا واللہ خیرا یعنی میں نے ایک گائے کو دیکھا۔ اللہ خیر ہے۔ کتنے اس عبارت سے واقعہ متعلقہ کی کہان تک تفسیر و توضیح ہوتی ہے۔ بخاری صاحب نے بقرا کے ساتھ خیرا کا قافیہ تو ضرور ملادیا مگر معنی ننگ کردئے۔ اب کون پوچھے کہ آپ کے تنہا رایت بقرا کے فقرہ ناقص کے لکھ دینے سے واقعہ کی پوری تفصیل اور شہادت حضرت حمزہؓ کیساتھ اسکی تطبیق کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔ اور پھر آپ کا واللہ خیرا۔ والا فقرہ مہمل اور بیجا اور مستزاد ہے۔

اب شبلی صاحب۔ اس فقرہ اور عبارت میں علت و معلول۔ مبتدا و خبر اور صلہ و موصول ٹٹول ٹٹول کر تلاش کریں اور بخاری صاحب کے اس خبط و بے ربط فقرہ اور انکی ضبط تحریر کی داد دیں اور انکی تنقید و تنقیح ہم سے سنیں جب شہادت حضرت حمزہؓ اسکی معلول ہوئی۔ تو اسکی علت۔ آپ کا وہی فقرہ رایت بقرا قرار پایا۔ اس سے اصل واقعہ کی اصلیت۔ جو علت کا عین معلول ہونا چاہئے۔ کہان معلوم ہوتی۔ اور جب نہیں معلوم ہوئی تو علت بے معلول کے بیکار ہوئی اور اسی کے ساتھ وہ عبارت بھی محض مہمل ثابت ہوئی۔ جس میں علت کو معلول کیساتھ کوئی مناسبت ہے اور نہ علت اپنے معلول کی حقیقت کو بتلاتی ہے۔

یہی کیفیت واللہ خیر والے فقرہ کی ہے جب واقعہ کی خبر یا معلول اپنی حقیقت کیساتھ معلوم ہو جاتے تب فقرہ واللہ خیراً کی تطبیق اور مناسبت کا تصفیہ کیا جا سکے۔ روایت بقراً - ایک گائے کو دیکھ کر حکیم رسالت کی زبان صدق ترجمان سے واللہ خیراً کا فقرہ نکلنا کسی طرح اعتبار و یقین نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ خواب میں نظر آنیوالی گائے کی کوئی خاص کیفیت باعث استعجاب یا استبشار نہیں دکھلائی جائیگی۔ اور علاوہ برایں باتفاق جمہور جس واقعہ کی طرف اس خواب کا روحانی تعلق بتلایا جاتا ہے اسکی صفائی و صراحت بھی اس فقرہ سے نہیں ہوتی۔ تو پھر واللہ خیراً کے فقرہ کی تطبیق کیسے کیجائے اور سوائے اسکے کہ عبارت کی عبارت اور بیکجا بخاری کے دونوں فقرے قطعاً نامربوط سمجھے جائیں۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بڑی کوشش کے بعد ابن حجر نے اس کلیہ مہملہ کو موضوع بنانا چاہا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی ناقص رہا ہے حافظ صاحب لکھتے ہیں۔ فی روایۃ ابن اسحاق وانی رایت واللہ خیراً بقراً - روایت ابن اسحاق میں یوں ہے کہ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے۔ خدا خیر کرے ایک گائے کو - اول تو اس سے معلوم ہوا کہ بخاری صاحب حدیث کے اصلی الفاظ کو ادھر کا ادھر کر دیا کرتے تھے۔ اور حدیثوں کو الٹ پلٹ کر جمع کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف تو حافظ صاحب کی اس عبارت منقولہ سے بھی نہیں ہوا۔ اور کلام و بیان میں ابہام ویسا کا ویسا ہی رہگیا۔ اور معلوم ہوا تو صرف اتنا کہ آداب خواب یہ ہے کہ جب آدمی خواب بیان کرے تو کہے۔ خدا خیر کرے۔ چنانچہ اوس ارشاد پر آج تک تمام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بلکہ خواب پر منحصر نہیں وہ اپنے ہر ارادہ قصد اور فعل کے اظہار کیوقت۔ اس کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور یہ کلمہ بسم اللہ ان شاء اللہ وغیرہ کا مترادف قرار پاگیا ہے۔ اور بعض لوگوں کی خصوصیات کلام میں داخل ہو کر سخن تکیہ اور تابع مہمل کا حکم رکھتا ہے۔

لیکن ابن حجر کے اس نظریہ سے بھی معلول کہیں نظر نہیں آتا جس کی تلاش شبلی صاحب کو مد نظر ہے حقیقت یہ ہے کہ بخاری نے ایسی خبط و بے ربط عبارت لکھ کر تمام حدیث کو بالکل غارت کر دیا ہے۔ بخلاف اسکے ان کے ہم چشم محدثین نے اس حدیث کو پوری حقیقت و معانی کیساتھ قلمبند فرمایا ہے عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

وعند احمد والنسائی وابن سعد من حدیث جابر بسند صحیح فی ہذا الحدیث ورایت بقرا منحرۃ۔ فتح الباری ص ۵۰

امام احمد۔ امام نسائی اور ابن سعد بسند صحیح جابر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صلعم نے دیکھا خواب میں گائے یا بیل کو ذبح کیا ہوا۔

مندرجہ بالا محدثین کی احادیث میں سب کچھ موجود ہے۔ شبلی صاحب کا مقصود علت و معلول بھی واقعہ کی حقیقت حال بھی اور خیراً کی واقعہ آیندہ کے ساتھ تطبیق اور کامل مناسبت اور مشابہت بھی۔

اب ہم ہماری موجودہ بحث سے ثابت ہوگیا کہ جناب بخاری کی ایسی حدیثیں کہ اصح الکتب۔ اپنی عبارت کی نقل میں علت و معلول کی شرط نہیں رکھتی اور ایسے عیب و نقص سے ہرگز خالی نہیں تو اوس سے پایہ اعتبار میں فروتر ہیں

کی کتابون مین یہ نقص و عیب کس حد اور مقدار تک پایا جائے گا۔

شبلی صاحب نے بڑی کاوش سے اہل سیرت کی صحت مرویات کے لئے یہ تین نصاب قائم کئے۔ جن کو دیکھ کر ہر شخص آسانی سے سمجھ لیگا کہ یہ شرائط نہ نصاب مین داخل کئے جانے کے قابل ہین اور نہ حقیقی شرائط نصاب کے معانی و مفہوم مین آسکتے ہین۔ یہ شبلی صاحب کی خاص ایجاد ہے۔ یہ تینون شرائط یا ہدایات اُسی طرح حدیثون مین بھی پیش نظر رکھے جا سکتے ہین جس طرح نقل روایات سیرت مین۔ پھر اس قدر مشترک کو ایک صنف خاص کے ساتھ شرط منفرد قرار دینا کیا معنی۔

شبلی صاحب کے انداز تحریر کی نئی نئی ترکیبین

اب ہم شبلی صاحب کی شان اور انداز تحریر کی ایک نئی ترکیب کا انکشاف کرتے ہین آپ نے صحت روایات سیرت کے متعلق جو نصاب مقرر فرمائے۔ اُن مین علت معلول کی شرط کو اپنی حیلۂ انتقامی کے ساتھ ایک معقولی بحث کے انداز مین لکھا ہے جس سے ایک معمولی عقل اور سطحی علم و اطلاع والے افراد قوم سیرت کے واقعات کو عقل کے خلاف سمجھین اور ایک اشکال منطقی کی صورت مین اسکے نقص فی المرویات کو تسلیم کرین۔

افسوس کتابون کی تالیف و تصنیف علما اور حکما کے خاص ملاحظہ کے لئے نہین کی جاتی بلکہ عوام کے مطالعہ اور استفادہ کی ضرورت پوری کرنے کے لئے۔ دیکھئے شبلی صاحب نے اسی نقص سیرت کو پہلے تو اس انداز سے اور تحریر فرمایا ہے جسے سوا علما کے دوسرے لوگ مشکل سے آپکے مدعا سے قریب تک پہونچ سکین پھر اُسی نقص کو ایک دوسرے مقام پر ایک نئی ترکیب اور نئے انداز سے ظاہر فرماتے ہین:۔ آپ کے ان دونون مختلف انداز تحریر کو پڑھکر تحقیق کے متلاشی پورے طور سے سمجھ جائینگے کہ پہلے مقام مین آپ نے تو اپنے مدعا کو اپنی قلمکاری اور ہوشیاری سے اشکال منطقی اور محال عقلی کا پردہ ڈالکر چھپایا۔ کیونکہ وہان آپ کو اس ترکیب سے طبقہ عام کی صرف مرعوبیت منظور تھی۔ اور یہان اپنے اسی مدعا کو اصلی حقیقت سے بیان کرنے کی آپکو اس وجہ سے مجبوری ہوئی ہے کہ یہان مخالفین اسلام کی لکھی ہوئی سیرتون سے اسلامی سیرتون کا موازنہ کرنا ہے۔

مگر افسوس کہ آپ کو اب بھی سیرتون کا درد نہ آیا۔ اور مخالفین کے اعتراضون کا باعث حدیثون کی جگہ سیرتین کو بتلایا ؎ کار م افتاد است از یارے کہ از عیارگی ٭ بر من بیچارہ می بندد گناہ خویش را ٭

اس ضرورت مجبوری سے آپ نے اپنے مرقومہ بالا اعتراض کے الفاظ مدعا کو مفصلہ ذیل عبارت مین ایک دوسری ترکیب اور نئے انداز سے بیان فرمایا:۔

دیباچہ سیرۃ النبی صفحہ ۴۳ نمبر ۵ مین مرقوم ہے ۔

ارباب سیر اسباب و علل سے کم اِس واقعات میں بحث نہیں کرتے - نہ اُن کی تحقیق و تلاش کی طرف متوجہ ہوتے ہیں - اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر مفید ہے اور ایک یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور از قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلومات پیدا کرتا ہے - اس میں بہت کچھ اسکی خود غرضی اور خاص مطمحِ نظر کو دخل ہوتا ہے اور اسی مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے - تمام واقعات اسی کے گرد و پیش گھوما کرتے رہتے ہیں - بخلاف اسکے اسلامی مورخ نہایت سچائی - انصاف اور خالص بے طرفداری سے واقعات کو ڈھونڈھتا ہے - اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی نثار کر دیتا ہے - لیکن اس میں (سیرت میں) حد سے زیادہ تفریط ہو گئی - اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات راستے سے مخلوط نہ ہونے پائیں وہ پاس پاس کے اسباب ظاہری پر نظر نہیں ڈالتا - اور واقعہ کو خشک، اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے - مثلاً اکثر یہ لوگ اس طرح شروع کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فلاں وقت میں فلاں قبیلہ پر فوجیں بھیجیں لیکن اس کے اسباب کا مطلق ذکر نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور اُن کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی وجہ اور سبب کی ضرورت نہیں - صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں - اس سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے - حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں بھیجی گئیں وہ پہلے سے آمادۂ جنگ تھیں اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکی تھیں -

اب خدا خدا کر کے آپ کی علت و معلول کا مسئلہ - جسکی تلاش کی بڑی تاکید فرمائی گئی تھی - روشنی میں آیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسا کی معترضین سے آپکی مرعوبیت اُسکی علت و غایت تھی - اسلام پاک صاف ہے محض مخویانہ اعتراض نے آپ کو حد سے زیادہ ڈرا دیا ہے - ہم آپ کو تسکین و یقین کامل دلاتے ہیں کہ وہ اپنی اس تعریض میں قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتے - اسلام نے اول تو بے وجہ و سبب کسی پر ہاتھ اُٹھایا ہی نہیں - اور اس کا کوئی حملہ کوئی جنگ کوئی غزوہ صورت مدافعانہ چھوڑ کر مخالفانہ طریقہ سے واقع ہوا ہی نہیں - اگر ہماری اتنی صفائی پر بھی ہمارے مخالفین کو اپنی مخویانہ ضد پر اصرار رہے گا تو پھر ہمکو کہنا پڑیگا کہ اسلام کے جہاد کو بھی وہی ضرورتیں پیش نظر تھیں اور اُن کے لئے بھی داعی اسلام اور مبلغ شریعت کے پاس وہی عذر تھے - جو موسی - داؤد اور سلیمان علے نبینا والہ وعلیھم السلام کو اپنے زمانہ کے جہادوں کے لئے اپنی ضرورت و تبلیغ کیلئے وقت واقع ہوئے تھے -

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اسلام بالصمصام کے جواب اعتراض کے متعلق آپ کو ابھی ابتدا سے تحفظ ما تقدم کے سامان فراہم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے۔ مگر خیریت ہے کہ آپ نے یہ چند الفاظ لکھ کر کہ اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات راست سے مخلوط ہو جائیں اور یہ کہ وہ (ارباب سیر و تاریخ) پاس پاس کے ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھتے۔ اہل سیرت کی طرف سے انکے اسباب وقوع نہ لکھنے کی وجہ و تفصیل بھی قلم بند کر دی ہے۔ اس لئے مجھ کو زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن میرے نزدیک شبلی صاحب کی اس تحریر میں اتنا اضافہ اور ضروری ہے کہ اہل سیرت جس قدر حالات و واقعات کی شرح و بیان کے ذمہ دار ہیں اس قدر اسباب و علل کے نہیں۔ اس بنا پر ان اقسام کی فروگذاشت اگر کسی واقعہ میں ان سے ہو جاے تو قابل اعتراض نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ ائمہ سیرت نے جہاں تک ان اقسام کی کتابوں پر میری نظر ہے سیرت کی کتابوں میں بہت کم ایسی فروگذاشتیں کی ہیں۔ مگر تاہم سیرت کی تمام کتابیں ایسے خالی نہیں بتلائی جا سکتیں۔ مگر اب یہ اتنی بھی نہیں اور ایسی بھی نہیں ہیں کہ ان کو عیسائیوں کے مفتریانہ اعتراض اسلام بالسیف کا اصلی باعث سمجھا جاوے۔ یہ شبلی صاحب کا محض بانہ خیال اور بیجا قیاس ہے۔ اہل سیرت سے زیادہ اہل حدیث اسکے جوابدہ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ غزوات کے حالات و واقعات میں اکثر عالمان ور اویان حدیث نے اغارہ کا لفظ استعمال کیا ہے جسکو سنکر معترضین کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ اعتراض کا حیلہ پا جاتے ہیں۔ زرقانی تذکرہ غزوہ ذی قرد میں ابن حجر کے یہ الفاظ مستعملہ ملاحظہ ہوں یحتمل فی طریق الجمع ان تکون اغارۃ عیینۃ علی اللقاح اور دوسرے مقام پر کان راس الذین اغاروا عیینۃ الرحمان ابن عیینہ۔ زرقانی ص ۱۷۱

حدیثوں کی کتابوں میں غارہ اور اغاروا کے الفاظ دیکھ کر عیسائی مورخین پر دیوانہ راہو ہے بس اس کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ اسکے اصلی اور ابتدائی معنوں تک پہونچتے نہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان الفاظ کے ماسوا حضرات محدثین کی غیر مقید مرویات کی نقل و تحریر نے بھی مخالفین اسلام کو مختلف قسم کے اعتراض کا پورا موقع دیدیا ہے اور انھیں حدیثوں کا اثر بعض بعض تاریخ و سیرت پر بھی پڑا ہے۔ مگر ہم ان کی تفصیل کو یہاں بیان کرنا مناسب نہیں سمجھتے وہ اسوۃ الرسولؐ میں اپنے اصلی مقامات پر بیان کی جائیں گی۔

حدیث و سیرت کے جداگانہ ماخذ ہیں

سیرت کی عدم صحت پر شبلی صاحب کے جیسے اعتراض ہیں جیسا کہ انکی حقیقت دکھلا دی گئی یہ سب آپکا طومار ہے۔ جو آپ نے اپنے مجدد اور محقق عصر مشہور کرنیکی غرض خاص سے لکھ کر آپنے دیباچہ اور عنوان کی زینت قرار دی ہے اور ان تمام خامہ فرسائی کا ماحصل یہ ہے جیسا کہ ہم اوپر

لکھ کر بتلائے ہین کہ صحت بیان حدیث و سیرت کی کیا تمام اقسام علوم و فنون کی جان ہے اور ہر علم و فن مین اس کا لحاظ و خیال لازم ہے۔ اگر صحت کا انتظام و التزام نہین ہے تو نہ حدیث ہی کی مرویات قابل استناد ہین اور نہ سیرت ہی کے واقعات لائق اعتماد۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چونکہ علم حدیث سے علم سیرت ایک جداگانہ علم خاص ہے۔ اس لئے دونون کے معیار صحت بھی جدا ہین۔ علم حدیث کی صحت کا تمام دار و مدار علم رجال پر ہے اور حقیقتاً اس علم کی ایجاد کا افتخار اہل عرب کا اپنا تنہا اور خاص استحقاق ہے جس مین تمام اقطاع عالم کے اقوام و قبائل۔ عام اس سے کہ قابلیت جامعیت مین اہل عرب سے پہلے ہون یا پیچھے۔ کوئی حصہ نہین پا سکتے۔ حقیقت مین سرزمین عرب ہی سے یہ کمال پیدا ہوا۔ وہین اس نے نشو و نما پائی۔ اور وہین اپنے تمام دنیا کو اپنے فیوض پہونچا کر مالامال کر دیا۔

اتنا لکھ کر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہین۔ یہان تک بیان ہو چکا ہے کہ حدیثون کی صحت رجال تک محدود ہے۔ اور رجال حدیث خاص طور پر صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے طبقات تک بالکل محدود ہے۔ اور باعتبار تعلقات باہمانہ کے یہ طریقہ صحت صحیح اور قریب الواقع ہے۔ اسلئے کہ کتب حدیث عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد۔ اقوال اور احکام کی مجموعہ ہین۔ اس بنا پر ان اقوال کے حصول و دستیابی کا ذریعہ پہلے وہی حضرات ہون گے جو آنحضرت صلعم کی ملازمت اور مجالست کا شرف حاصل کر چکے ہون گے۔ انکے بعد دوسرے نمبر پر وہ لوگ بھی لئے جائین گے جنہون نے اصحاب و انصار سے آنحضرتؐ کے احکام و اقوال سنے۔ یہی حضرات طبقات علم الرجال مین تابعین کے نام سے مشہور ہوئے تیسرے نمبر پر وہ لوگ آتے ہین جنہون نے تابعین سے حدیثون کو سن کر نقل کیا۔ یہ تبع تابعین کہلائے۔

یہی رجال حدیث ہین۔ اور حدیث کی صحت بالکل انھین حضرات کی صداقت و امانت ذاتی پر موقوف ہے۔ علم سیرت کے واقعات بھی اگرچہ کسی شخص خاص ہی کے حالات و واقعات ہوتے ہین۔ اسلئے یہ کہنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہوگا کہ سیرت کی صحت رجال کی صحت کی محتاج ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے رجال۔ حدیث کے رجال کے ایسے اصول عقاید کی بنا پر کسی خاص قوم خاص فرقہ اور خاص مذہب تک محدود نہین ہین۔ حدیث کے رجال۔ صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین کا آکر تمام ہو جاتے ہین۔ اور کیونکر نہ ہون؟ اسلئے کہ حدیث مین مذہبی احکام و ارشاد کے نصاب کی تفصیل و تشریح ہوا کرتی ہے اور اسی بنا پر ضرور ہے کہ اسکے رجال و رواۃ واقفین و ماہرین مذہب ہی ہو سکتے ہین۔ وہ سیرت کو تاریخ سکے [illegible] اگرچہ حدیثون میں بھی بعض نظام سیاسی اور معاملات ملکی و قومی کے احکام تعلیمات کبھی پائے جاتے ہین [illegible]

لیکن وہ سب مذہب کے ماتحتی اور ضمنی احکام مین۔ تاریخ و سیرت کے معیار تک نہین پہونچتین۔

علم سیرت اپنے رجال کو ان حضرات تک محدود نہین رکھتا۔ اور کیون رکھتا؟ وہ واقعات ملکی اور حالات قومی لکھتا ہے۔ احکام مذہب لکھنا اسکا کام نہین۔ پھر مذہبی حضرات کا وہ کیون محتاج ہونے لگا۔ واقعات ملکی ہون یا قومی۔ کسی پوری قوم کے حالات ہون۔ یا اس قوم کے کسی شخص واحد کے واقعات۔ وہ اس ملک و قوم کے ہر آدمی کو۔ عام اس سے کہ وہ مذہبی خیال و اطلاع کا آدمی ہو یا نہو ضرور معلوم ہون گے۔ ہان۔ مذہبی احکام آئین اور نصاب کو البتہ وہی شخص بتلا سکیگا جو مذہب سے واقفکار ہوگا۔ اسی بنا پر اہل سیرت و تاریخ نے اپنے رجال تحقیق کو مذہبی شخص و واقفکار ہونے کے حدود خاص سے محدود نہین کیا اور اپنے دائرہ تحقیقات اور حصول واقعات کو اتنا وسیع کیا کہ اپنے ملک و قوم کے حالات و واقعات بھی۔ اگر ان کو معتبر اور صحیح ذریعہ سے غیر ملک غیر قوم اور غیر مذہب والون سے بھی ملے تو بلا تامل انھون نے اپنی تالیفات و تصنیفات مین نقل کر دیے ہان نقل کرتے وقت ان کو احتیاط صحت پر ضرور نظر رکھنی ہوتی ہے اور یہ یقین کر لینا ہوتا ہے کہ وہ بیان کنندہ سچا ہے اور قابل اعتبار۔ اور اس کا بیان کردہ واقعہ صلاحیت مناسب اور فن سیرت و تاریخ کے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق ہوتا ہے۔

سیرت سے خاص سیرت اسلامی یا سیرۃ النبی صلعم سمجھنا غلطی ہے۔

اب ان تمام شبہات و مغالطات کا جو اصلی باعث ہے۔ اور جسکی وجہ سے اکثر لوگون کو بہت سے مقامات پر حدیث و سیرت کو جنس متحد اور قسم واحد ہونے کا مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض مقامات پر علم سیرت کو علم حدیث سے مستخرج و مستنبط ہونے کا دہوکا ہو جاتا ہی اور اکثر موقعون پر سیرت کو حدیث کا تبع یا روایات سیرت کو مرویات حدیث سے فروتر سمجھنے کی جو غلطی واقع ہوتی ہے ان سب کا اصلی باعث یہ غلط فہمی ہے کہ سیرت اسلامی یا سیرۃ النبی صلعم کی تدوین و تالیف تک علم سیرت کے وسیع دائرے کو محدود سمجھا جاتا ہے۔ اور اس صنف خاص کی ایجاد و وضع تدوین و تالیف کے زمانہ اور ایام کو علم اسماء الرجال کی طرح ظہور اسلام کے وقت سے قرار دیتے ہین۔ حالانکہ صریح غلطی ہے۔ جو محض نظر و تحقیق کی کمی کے باعث عارض ہوتی ہے۔

ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہین کہ علم سیرت من حیث العلم عام اس سے کہ اہل عرب مین اسکا رواج اس کا مذاق جب نہ پیدا ہوا ہو۔ نہایت قدیم ہے۔ دیگر ممالک و اقوام مین اسکا رواج اور مذاق تاریخ عرب سے بہت بیشتر پایا جاتا ہے اسکی ابتدا کا زمانہ تحقیق سے توریت و انجیل کے درمیان ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے قدیم کتاب سیرت کے موضوع پر یوسیفوس یہودی کی ہے جسنے ولادت حضرت عیسی سے تین سو برس پہلے لکھی ہے۔ اسی بنا پر قدما متقدمین سیرت کا مسلمانون کا ساختہ سمجھنا [illegible] کے خلاف اسکے بعد کے علوم و فنون کی [illegible]

تعلیم و تلقین دین۔ احکام، نصاب فقہیہ وغیرہ وغیرہ کے بیان و تفصیل میں کتاب حدیث سے تفحص و تجسس لازمی اور ضروری ہے کیونکہ ان مضامین کے استخراج و استنباط کے لئے ان سے بہتر اور معتبر ماخذ ہو نہیں سکتے نہ اسکی صلاحیت سیرت میں ہے نہ اسکی جامعیت تاریخ میں۔

باقی رہے غزوات۔ نظام ملکی و سیاسی۔ اصلاح و رفاہ قومی۔ انتظام فوجی و مالی مکارم اخلاق اور حسن معاشرت وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام حالات و واقعات کے معتبر ترین ماخذ سیرت کی کتابیں ہیں۔ اسلئے کہ یہی امور ان کے خاص موضوع ہیں اور انھیں کے خاص موضوع پر وہ مرتب کی گئی ہیں شبلی صاحب سیرت کی ان خصوصیات کو اپنے دیباچہ میں اس عبارت و الفاظ میں لکھ کر قبول فرما چکے ہیں۔

> حدیث کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے حالات۔ اور اخلاق و عادات کے متعلق کثرت سے واقعات پائے جاتے ہیں جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں تاہم اُن سے تنہا ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی۔ اسکے علاوہ اون میں تاریخی ترتیب بھی نہیں۔

مرویات سیرت و تاریخ اسی طرح حدیث میں داخل ہو گئیں جو زیادہ تر ان دونوں فنون کے باہمی تعلقات اور قربت پر مبنی ہیں اسی بنا پر فن سیرت نے عالم اسلام میں ایک نئی اور علیحدہ صورت اختیار کر لی ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ رجال سیرت بھی زیادہ تر وہی ہیں جو رجال حدیث ہیں۔ اسلئے ایک محدث نے کسی احکام شرعیہ اور نصاب فقہیہ کے بیان کرنے کے ساتھ۔ اسکے اسباب نزول۔ جائے نزول۔ وقت نزول اور ان تمام تعلقات و واقعات کو بھی جمع کر دیا ہے جو اس حکم شرعیہ کے متعلق ایک ایسے راوی نے اس سے بیان کیا تھا جو رجال حدیث و سیرت دونوں میں مشترک تھا۔

اسی طرح تاریخ و سیرت کی کتابوں میں بھی اگرچہ احادیث سے کم کسی واقعہ کی تفصیل و بیان میں بھی حدیثوں سے استخراج و استدلال کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ اسلئے تاریخ و سیرت بھی احادیث کے اقتباسات و استنباطات سے خالی نہیں رہی ہیں۔ اسکا بھی وہی سبب ہے۔ راوی حدیث و سیرت۔ دونوں کا رجال مشترک تھا۔ زیادہ تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ تصنیفات و تالیفات میں۔ رجال دائرہ پر منحصر نہیں دونوں اصناف فنون کے مصنفین علم سیرت کے بھی ویسے ہی ماہر تھے جیسے حدیث تفسیر اور فقہ کے عالم متبحر۔ اہل سیرت و تاریخ امام حدیث و تفسیر بھی اور امام حدیث و تفسیر صاحب سیرت و تاریخ ہوتے تھے چنانچہ شبلی صاحب بھی اس مسئلہ کو تسلیم کر کے اکثر مقامات پر لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض اعتراف انکے خاص الفاظ کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

> ابن سعد۔ نہایت ثقہ اور نامور مورخ و محدث تھے۔ دیباچہ ص ۱۷

سے قابل استخراج ہیں کتب حدیث سے لئے جاتے ہیں جو تفسیر سے قابل اندراج ہیں وہ کتب تفسیر سے۔ جنکا تعلق سیرت سے ہے وہ سیرت سے لئے جاتے ہیں اور جو تاریخ سے استنباط کی ضرورت رکھتے ہیں وہ کتب تاریخ سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔

پس شبلی صاحب کی خاص خود غرضانہ مختار راے ہے کہ آپ صرف حدیث کے استنباطات و اقتباسات کو دیگر کتب کے استخراجات و استنباطات کے مقابلہ میں کافی سمجھتے ہیں۔ اور یہی غرض مقصود خاص ہے کتب حدیث کو بلا دلیل و حجت تمام دوسری کتابوں پر ترجیح دیتے ہیں سب سے زیادہ اسکی تنقید و تضعیف کی نظر سے یہ ہے کہ جس کو ایک گروہ اکثر اسماء رجال کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ جا بجا مقام پر بلا قیاس (?) سیرت کو حدیث کے مقابلہ میں بے اعتبار اور ناقابل استناد ٹھراتے ہیں۔ اور بلا قید و شرط ہر راوی رجال میں اس کے بیان و اعتبار میں حدیث کو سے ترجیح قرار دیتے ہیں جسکی تنقید و تردید ہمارے مندرجہ بالا استدلال سے کماحقہ ہوگئی۔ اب آگے اس غلط عقیدہ کی صحیح توضیح بھی ملاحظہ ہو۔

ترجیح حدیث کی توجیہ اور شبلی صاحب کے مدعا کی تائید

ہم اس طولانی بحث و استدلال کو ترجیح حدیث اور اس سے شبلی صاحب کے غرض و مدعا کی توجیہ اور قابل توضیح کے بیان پر ختم کرتے ہیں۔ شبلی صاحب نے تمام دیباچہ میں انواع و اقسام کی فنکاریوں اور عجیب و غریب عبارت آرائیوں سے جس بحث کو لکھا ہے اور اپنی انتہائی زبان و شوکت سے عوام الناس کو مرعوب کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ ایک بات کا شخص کا حقیقی فرض یہی ہے کہ وہ آپ کی اس بلاغت کے اندرونی اور بیرونی اسباب و معاون پر مسلسل غور کرے اور پتہ لگائے کہ یا آخر آپ کی اتنی سعی و کوشش اور کد و کاوش کی کیا وجہ اور سبب ہے؟ محقق ہونا ہے تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اسماء الرجال اور سیرت و تاریخ کی کتابوں سے آپ کے خاطر خواہ مطلب نہیں نکلتے۔ اور ان کے [illegible] اور بیانات سے آپ کے ان مدعا سے آپ کی تائید نہیں ہوتی۔ جنکی بناپر اپنی سیرت موجودہ کا موضوع آپ نے قرار دیا ہے اور قائم کیا ہے بلکہ سیرت و تاریخ سے ایک ہیبت سے مدعا کی تردید و تکذیب لازم آتی ہے۔ بخلاف کتب سیرت و تاریخ و تفسیر کے کتب احادیث سے عموما اور صحیحین سے خصوصا قریب قریب آپ کے تمام مطالب و مقاصد تاویل و تعبیر سے حاصل ہوجاتے تھے۔ تمام سعی و کوشش اور کد و کاوش صرف اسی لئے تھی۔

اگرچہ اسوۃ الرسول کی عبارت نے سیرۃ النبی کے ہر ایک غلط واقعہ کی اپنے مقام پر پوری تحقیق سے تردید کردی ہے۔ جو ہمارے سلسلہ بیان سے بالترتیب اور بالتدریج معلوم ہوتی جاتی ہے۔ مگر ہم [illegible] یہاں چند مثالیں بطور اجمال کے دیباچہ کے متعدد مضمون کی تکمیل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

تنقیص و کسر شان رسالت۔ عام اہل مکہ کی اجرت پر بکریاں چرانا۔ خاصکر بخاری اور ابن ماجہ کے شیخ کی خاص مرویات ہیں۔ سیرت و تاریخ میں اسکی تفصیل نہیں۔ ابن سعد کے طبقات میں اسکی تنقیص روایت موجود ہے۔ احکام و مختار رسالت کا صحابہ کی رائے و مشورہ کا ہمیشہ تابع ہونا خصوصیات محدثین سے ہے۔ اسلامی مورخ اور اہل سیرت اسکا بہت کم ذکر کرتے ہیں اور اس پر استدلال نہیں کرتے۔ انکی کتابوں میں جہاں کہیں ان باتوں کا ضمنی ذکر بھی گیا ہے۔ وہ مورخ ہونے کے ساتھ اونکے محدث ہونے کا اثر ہے۔ بشرف صحابیت کے سنگ بنیاد رکھنے کی غرض خاص ہے۔ ائمہ حدیث نے صحابہ کی جو وہ خدمات اور انواع اقسام کے حالات لکھے ہیں۔ جو سیرت و تاریخ کے مندرجات میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہجرت کیوقت حضرت ابوبکر کا خدمت رسالت میں اونٹ نذر کرنا یا کم قیمت (بقول شبلی صاحب) پر دینا۔ یا حضرت ابوبکر کو گھر سے بلاکر اپنے ہمراہ لینا احادیث کے خاص تعداد میں محدثین کے زیر اثر آئی ہوئی سیرتیں اور تاریخیں اول ان واقعات کو استدلالاً لکھتی ہی نہیں۔ مگر لکھتی بھی ہیں تو ویسے ہی معتبر حدیثوں سے اسکی تنقیص اور خلاف روایتیں بھی قلمبند کردیتی ہیں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اہل سیرت کا نہ ایسی حدیثوں پر اعتبار ہے نہ ان کا مختار۔ حضرت عائشہ کی افضلیت اور محبوبیت حضرات محدثین کا تشیع شناس ہے۔ محقق شبلی صاحب کی بھی جلد دوم ایسے ایسے شرمناک واقعات سے بھری پڑی ہے جن سے معاشرت رسول پر بُرا الزام آتا ہے اور مخالفین اسلام کو جہالت اور کافرانہ تعریض کے پورے موقع ملتے ہیں۔ سیرتیں۔ تاریخیں عموماً انکا نہیں ذکر بھی نہیں کرتیں۔ رسحانہ کا واقعہ جس در پردہ دہنی سے بخاری نے کیا ہے کیا کسی سیرت اور تاریخ نے بھی اسکو لکھا ہے؟

نفس رسالت کے متعلق مثلاً ہم (تنقیص) انکشاف حقیقت کو کافی سمجھتے ہیں اب ہم ذیل میں بنی ہاشم اور اہلبیت علیہم السلام کے متعلق عموماً اور حضرت علی مرتضیٰ نفس رسول علیہ السلام کی بالخصوص۔ استخفاف۔ اخفاء۔ اسقاط و قعات کی مثالیں ذیل میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ تعمیر کی بناء تمہید آپ نے دیباچہ اور آغاز کتاب ہی سے خاصکر اسی لئے شروع کردی ہے کہ بنی ہاشم کے تمام موروثی عظمت و حرمت اور خاندانی سطوت و وجاہت مکہ اور عرب کے قبائل و اقوام کے ساتھ مخلوط ہوکر عام ہوجائے۔ اسی غرض و مدعا سے آپ نے ممتازین بنی ہاشم کے حالات و واقعات کو اتنا مختصر کرکے دو تین سطروں سے زیادہ میں نہ لکھا حالانکہ سیرت و تاریخ میں ان حضرت متقدمین بنی ہاشم کے ملکی اور قومی خدمات کے کارنامے نہایت شرح و بسط سے مرقوم ہیں۔ مگر آپ نے انکو قابل اندراج نہ سمجھا۔ صرف محدثین کے مختصرات سے کام لیا جو قدیم الایام سے آپ کے ہم خیال اور ہم مذاق تھے

ان ممتازین بنی ہاشم کے خدمات کے ساتھ ان کے خصوصیات اور فضائل و مناقب کے اظہار و اعلان

اسکو بھی قطعاً مرفوع القلم فرما دیا۔ اس بنا پر کہ ائمہ حدیث نے انکو بیان نہین کیا۔ مگر او بعض محدثین نے حدیثون کی تالیف کے بعد جب تاریخون کی تدوین کی تو قصی کے وقت سے ہاشم مرحوم کے عہد تک ہر بزرگ کے تمام خطبات اور مناقب ایک ایک کر کے نقل و قلمبند کئے ہین جن مین ان حضرات نے تمام قبائل و اقوام حجاز کے مجمع اور جلسہ مین اپنے حقیقی اور اصلی خطاب اہل بیت اور سید القریش سے مخاطب ہونے کے اظہار و اعلان فرمائے ہین۔

حضرت علی مرتضیٰ اور اہلبیت رسول علیہم السلام کے خصوصیات اور خدمات کے متعلق جسقدر اسقاط اور تخفیف سے امکان و مقدور تھا کتب سیرۃ النبیؐ کے دونون جلدون مین پورا کام لیا گیا ہے مثلاً سبقت اسلام کے مسئلہ کا تصفیہ محض محدثین صحاح کے جانبدارانہ اور غیر اجماعی فیصلہ سے کیا گیا ہے سیرت اور تاریخ کی تمام کتابین اسکے خلاف فیصلہ سناتی ہین۔ اختلاف تو یہ ہے کہ محدثین کی ایک کثیر جماعت بھی انکے ہم آواز ہے حضرت علی کے غزوات کی خدمات بدر۔ احد۔ خندق۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ اور طائف۔ اور اسی طرح آپکے تمام تبلیغی خدمات جو عرب کے مختلف اقوام و قبائل کے ہدایت پانے اور اسلام لانے کے متعلق کتب احادیث مین (ابتدا ہی سے) نہایت مختصر اور چند الفاظ مین مندرج کئے گئے۔ سیرت و تاریخ انکے تفصیلی تذکرے ہین۔ واقعہ غدیر خم کا صحاح مین ذکر نہین ہے۔ سیرت و تاریخ مین پورا واقعہ تمام حقیقت اور صلیت کیساتھ مفصل طور پر مرقوم ہے۔ حضرت علی کی شمشیر خواری (معاذ اللہ) کا واقعہ کسی سیرت اور تاریخ مین نہین پایا جاتا۔ مگر سنن ابوداؤد مین جو آپ کے صحاح سے مین شمار ہوتی ہے۔ اور آپ اسی کی سند منفرد اور روایت احاد سے اس اپنے تحقیق خیال کا اعلان کرتے ہین۔ مذکورہ مسطور ہے۔

ان قیاسون سے ثابت ہو گیا کہ ان واقعات و حالات کے اسقاط و تخفیف کے ماخذ وہی کتب احادیث تھین اور انھین سے شبلی صاحب کا مدعا حاصل ہوتا تھا بخلاف انکے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابین انکے مخازن نہین تھین۔ اسلئے سیرۃ النبیؐ مین ان واقعات کی تفصیل تمام تر حدیثون کی کتابون سے کی گئی۔ اور اسی غرض و ضرورت سے ہر مقام پر بہر ممکن و ناممکن طریقہ سے حدیث کی ترجیح تاریخ و سیرت پر ثابت کرنیکی کوشش کیگئی مرویات حدیث کی یہان تک تائید فرمائی گئی کہ انکی روایات احاد بھی بالکل صحیح طریقہ سے قابل الاستناد بتلائی گئی۔ چنانچہ دیباچہ سیرۃ النبیؐ ص ۱۸ مین مرقوم ہے۔

اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا۔ تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو۔ اور گو بنا بر عقل کے مطابق بھی نہ ہو۔ لیکن اسکی روایت قبول کر لیجائے گی (حدیث بخاری معاشرہ الانبیاء کی تمہید ہے)

دیباچہ ص ۱۸۔

...... روایت احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول

کرنا چاہیے۔ ص ۶۱

روایت احاد وہ ہے۔ جسکے سلسلہ اسناد میں کہیں ایک راوی پر مدار روایت ہو یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہ ہو۔ اس قسم کی تسلیم انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے معتزلہ روایات احاد کی تسلیم سے قطعی منکر ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ انکار روایت ہے ص ۵۹

شبلی صاحب کا محض غلط دعویٰ اور اسکی تردید و تنقید

(۴۴) اصحاب حدیث کی بدگمانی کے سلسلہ میں شبلی صاحب نے ایک ایسا غلط دعویٰ کیا ہے جسکو اصلیت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر آپ نے اپنے اس بے اصل دعوے کا وجود پایا ہوگا تو انہیں حدیث کی غیر مقید اور مصنوعات موضوعات سے۔ ورنہ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں۔ تو آپ کے اس دعوے کے بالکل مخالف اور معارض شاہد پائے جاتے ہیں۔ دیباچہ ص ۴۹ میں شبلی صاحب رقمطراز ہیں:-

فن تاریخ خود بہت سے خارجی اسباب سے اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ انہوں نے قلم کو تلوار سے نہیں دبایا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوئی جنہوں نے نوے برس تک۔ سندھ سے ایشیائے کوچک تک مساجد جامع میں آل فاطمہؓ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا (کہلوائی) سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانے میں (غلط ہے ایک صدی بعد) محدثین نے علانیہ منادی کرادی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ (مگر تاہم عقاید نسفی۔ مرقاۃ ملا علی قاری اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں خلفاء بنی امیہ۔ از معاویہ تا ولید سب کے سب ائمہ اثنا عشر کی فہرست اور رسول اللہ کے وصی برحق کے مقدس طبقہ میں داخل ہیں اور بنو امیہ بنی عباس (عباسیہ) جو نسل اسد اللہ، جانشین پیغمبر تھے۔ اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں انکو ہونا چاہیے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین۔ اگر تو آنحضرت صلعم کے انتقال کے وقت ہوتا تو خلافت کا جھگڑا اسرے سے نہ ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو بنی عباسیوں [illegible] اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا۔ اسکو کس نے پوچھا۔ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنا پڑی۔ دیباچہ ص ۴۹

ایک محق اصلی کا مسکت جواب افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو مامون الرشید کا یہ واقعہ تو یاد رہا مگر اوس کے باپ ہارون الرشید کے موقعہ پر اور خصوصاً ایام حج میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے سامنے ایک حقیقی محق خلافت اور حق گوئے حقیقت کا یہ مقولہ کہ انا امام القلوب و انت امام الجسوم (صواعق محرقہ) ہم قلوب کے امام ہیں اور تم جسوم کے امام ہو۔ (یعنی ہم اصلی امام ہیں اور تم جعلی) نہ یاد آیا۔ پورا واقعہ ابن حجر کی صواعق محرقہ میں ملاحظہ ہو۔

پھر دوسرے موقع پر جب مامون کے باپ نے مدینہ منورہ میں زیارت رسول صلعم پڑھتے وقت یوں خطاب کیا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم۔ سلام ہو تم پر اے رسول اے میرے ابن عم۔ تو رسول اللہ کے اوسی حقدار اصلی اور قرابت دار حقیقی نے فوراً زیارت رسول صلعم ان الفاظ میں پڑھی السلام علیک یا ابت۔ اے میرے پدر بزرگوار آپ پر میرا سلام ہو۔ ابن خلکان اس کے بعد کا یہ عالم دکھلاتے ہیں۔ فتغیر وجہ ھارون الرشید ہارون الرشید کے چہرہ کا رنگ فق ہوگیا۔ یہ حقیقت کا روحانی اثر ہے۔

مامون ہوں یا حضرت عباس۔ دونوں باعتبار استحقاق حقیقی کے بیکار تھے۔ پھر اوس شاعر دربار کے مبالغہ کا یا اوس کے معترض کی اوس غلط تعریض کا تردیدی جواب کیسے دے سکتے تھے کیونکہ حقیقت اس شاعر کے بیان میں تھی اور نہ اوس معترض کی تعریض میں۔ لیکن یہاں۔ مامون کے باپ ہارون کا اصلی محق سے سامنا تھا اور مقابلہ۔ اوس کی حق گوئی اور اظہار حقیقت نے ہارون کے موقعہ کا رنگ اوڑا دیا۔ وہ اصلی محق۔ فرزند جعفر صادق ع حضرت امام موسی الکاظم علیہ السلام تھے۔

مگر اب یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ مامون نے اوس معترض کی بے ادبانہ تعریض کی بقول شبلی صاحب تحسین و آفرین کی۔ مگر اوس کے باپ ہارون نے اوس صاف گوئی راست گوئی کا کیا صلہ دیا۔ ابن خلکان لکھتے ہیں فحملہ معہ الی البغداد فحبسہ بھا ہارون اوس کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور وہاں جاکر قید کردیا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ وفیات الاعیان ابن خلکان میں بذیل تذکرہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام پورا واقعہ ملاحظہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب نے بیکار میں تنقیح کا نمبر قائم کیا ہے۔ اور اس کے سلسلہ میں بے فائدہ ان مضامین کا ذکر کیا ہے۔ جو اون کے خواہش و مطالب کی توضیح و تنقیح کہاں تک کرینگے۔ اور الٹے انھیں کی تردید و تکذیب ثابت کرتے ہیں۔ شبلی صاحب نے چونکہ اس تنقیح میں مختلف مضامین سے اپنے

مدعا کی تائید کرنی چاہی ہے۔ اسلئے کہ ہم اون کے ہر بیان دعوے کی علیحدہ علیحدہ ذیل میں تنقید کرتے ہیں۔

(الف) پہلا دعویٰ یہ ہے کہ فن تاریخ و روایت میں جو خارجی اسباب اثر پیدا کرتے ہیں۔ اون میں سب سے بڑا اور قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس کا فخر حاصل رہے گا کہ اون کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اور قطعاً خلاف واقع مشاہدات و واقعات اس کے خلاف و نقیض بتلاتے ہیں۔ عنوان عبارت ہی سے شبلی صاحب نے اپنی قلمکاریوں کا فتح الباب فرمایا ہے۔ اور تنہا فن تاریخ و روایت ہی میں اسباب خارجی کے اثر کرنے کے متعلق سب سے بڑا قوی اثر حکومت کے اثر کو ٹھہرایا ہے۔ اور حدیث کا نام نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ عموماً حدیثیں اس کے اثر سے محفوظ سمجھی جائیں۔ اگر آپ کو اخفائے حقیقت شروع ہی سے مدنظر نہیں تھی تو آپ نے نوش نیتی اور پوری کشادہ دلی سے فن تاریخ و روایت کی جگہ صاف صاف لفظوں میں فن تاریخ و حدیث کیوں نہ لکھ دیا کہ آپ کا موجودہ دعویٰ واقعیت سے کسی قدر قریب ہو جاتا۔ گر ہر بحث میں آپ کا پہلا مدعا تو یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کی نادیدہ قابلیت سے خواہ مخواہ مرعوب ہو جائے اور آپ کے تمام بے اصل استدلال و اقوال کو آمنا صدقنا کہہ کر قبول کر لے۔ حالانکہ آگے چلکر آپ ہی اپنے دست و قلم سے۔ روایت کی جگہ صاف صاف حدیثوں کی خرابی کو لکھکر ان الفاظ میں دکھلانے لگے۔

حدیثوں کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ سے ہوئی۔ ...... سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں"۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلفاء کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

کیا اب بھی روایت کے حدیث اور حدیث کے روایت ہونے میں کوئی شبہ رہ گیا۔ پھر شروع ہی میں روایت لکھنا اور حدیث کو چھپانا کس کام کا ثابت ہوا اور کیا فائدہ پہنچا سکا۔ مسلمانوں کو ...... اون کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ اس کے متعلق خود آپ کے اعتراف اصل روئداد اور حقیقت حال کو بالکل مخالف اور معارض ثابت کر رہے ہیں۔ دیباچہ صفحہ ۱۲ میں ایک علیحدہ عنوان اس عبارت کے ساتھ قائم کیا گیا ہے کہ تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی۔ اس کے بعد ذیل عبارت حوالہ قلم فرمائی گئی ہے۔

صحابہ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی۔ بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا وہ زیادہ تر زبانی تھا۔ لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامراء
ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پر امراء نے ہم کو مجبور کیا

انھیں امام زہری کی نسبت دیباچہ ص ۱۵ میں تحریر کیا گیا ہے۔

امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے اور حدیث و فقہ میں انکا کوئی ہمسر نہیں۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔

آپ کے مندرجہ بالا دعوے کو آپکے ان خاص تحریری اقراروں کی عبارت سے ملایا جاوے تو صرف اسی موازنہ سے آپکی دعوی کی بے اصلی اور بے سروپائی ثابت ہوجاتی ہے۔ ان کھلے کھلے لفظوں میں آپ اقرار فرماتے ہیں کہ حدیث کی تدوین بنی امیہ کے زمانہ میں ہوئی۔ جنھوں نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ اور یہ وضعی حدیثوں کی مشین بنی امیہ کے زمانہ سے لیکر بنی عباسیوں کے وقت تک کام کرتی رہی۔ اور اس کارخانہ میں بڑے بڑے کاریگر مشہور و معروف صناع و وضاع شب و روز کام کیا کرتے تھے۔ امام زہری۔ حدیث و فقہ کے اعلم العلماء بخاری کے شیخ الشیوخ۔ موجد حدیث کا قول آپ خود نقل کر چکے ہیں۔ کہ ہم تو علوم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہمیں مجبور کیا۔ اور اسی قول زہری کے قبل آپ خود معترفانہ کہہ چکے ہیں کہ بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں کرائیں تو آپ اتنے متواتر اقرار و اعترافات کے بعد کیسے کوئی سمجھ سکتا ہے کہ صرف تاریخ ہی پر حکومت کا اثر پہونچا اور حدیثیں اس سے محفوظ رہیں۔ حالانکہ آپ کے اقرار اور امام زہری کے اعتراف سے ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلے احادیث ہی میں یہ مصنوعات و موضوعات داخل ہوئے۔

اگرچہ تحقیق سے ان مصنوعات و موضوعات کا زمانہ وفات رسول صلعم کے بعد ہی سے شروع ہو گیا۔ اور نحن معاشر الانبیاء، سیف من سیوف اللہ، ہذا امین الامۃ وغیرہ اشباہ کثیر التعداد احادیث دار الاشاعت خلافت سے تیار ہو گئیں مگر بمصداق آنکہ نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد آپ ان مصنوعات کا زمانہ حکومت بنی امیہ کو قرار دیتے ہیں اور انھیں کو ان موضوعات کا اصلی واضع بتلاتے ہیں۔ تو خیر ہم آپ ہی کے مختار کو تسلیم کئے لیتے ہیں۔ زمانہ بنی امیہ ہی میں علما نے حدیث کے اتباع

حکومت اور اطاعت سلطنت کی چند مثالیں آپ ہی کے اعترافات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

زہری اور تعلقات شاہی

امام زہری کی نسبت آپ لکھتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف (زہری) سلاطین کے دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے ہشام ابن عبد الملک نے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔

اس عبارت سے ثابت ہو گیا کہ امام زہری۔ اعلم العلما۔ حدیث و فقہ کے بے نظیر عالم امام بخاری کے شیخ الشیوخ۔ سلطنت کے درباری تھے۔ سلاطین کے مقرب خاص۔ سلطان وقت کے بچوں کی تعلیم دینے پر نوکر بھی تھے۔ کیا ان تعلقات بمصاحبت۔ مرافقت اور ملازمت کے ثبوت اعترافی کے بعد بھی کوئی صحیح العقل آدمی کہہ سکتا ہے کہ انکا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں بنا۔

دیگر علما اور تعلقات شاہی

امام زہری کی حالت تو معلوم ہوئی۔ اب آپ کی تحریر سے دیگر علما و محدثین کے حالات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔ بذیل ذکر حکومت عبد الملک ابن مروان مرقوم ہے۔

امیر معاویہ کے بعد عبد الملک ابن مروان ۶۵ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں سعید ابن جبیر (صحابی) جو اعلم العلما تھے۔ ان کو حکم بھیجا کہ قرآن کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی۔ جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطا ابن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے وہ انہیں کی تفسیر ہے۔ عطا کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آ گیا اور انھوں نے اپنے نام سے مشہور کیا۔ (دیکھو المیزان الاعتدال ذہبی)

حضرت عمر ابن عبد العزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی۔ تمام ممالک میں یہ حکم بھیجا کہ احادیث نبوی مدون و قلمبند کی جاویں۔ سعد ابن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی تھے۔ ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں عن سعد ابن ابراہیم قال امرنا عمر ابن عبد العزیز بجمع السنن فکتبنا ها دفترا دفترا فبعث الی کل ارض له علیها سلطان دفترا

سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہمکو عمر ابن عبد العزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم انصاری۔ جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور مدینہ کے قاضی تھے۔ اور امام زہری کے استاد۔ ان کو بھی خاص طور پر احادیث جمع کرنے کا حکم ہوا۔ (دیکھو الطبقات ابن سعد)

حدیث حضرت عائشہ کی مرویات میں ایک خاص حیثیت ہے یعنی اون سے اکثر وہ روائتیں مروی ہیں جو فقہ و عقائد کے مہات مسائل ہیں۔ اس لئے عمر ابن عبد العزیز نے اون کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا (اعتنا کی) عمرۃ بنت عبد الرحمن ایک خاتون تھیں۔ اونکو حضرت عائشہ نے اپنی آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں۔ تمام علما کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ کی مرویات کا ان سے بڑھکر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر ابن عبد العزیز نے ابو بکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل و روایات قلم بند کرکے بھیج دیا۔ (بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۲)

عاصم ابن عمر بن قتادۃ الانصاری۔ المتوفی ۱۲۱ھ کو حکم بھیجا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھکر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں (دیباچہ سیرۃ النبی از صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۵)

آپ کے خاص تحریر کردہ الفاظ صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ استنے اکابرین دین اسنے اولین علما و محدثین نے اونھیں سلاطین واضعین احادیث یعنی خلفاء بنی امیہ کے حکم و خواہش کے مطابق اس کثرت سے مرویات حدیث۔ سیرت اور مغازی کی تالیف و تدوین فرمائی جس سے حسب الاقرار سعد ابن ابراہیم۔ دفتر کے دفتر تیار ہوکر تمام ممالک اسلام میں ذائع و شائع کئے گئے اور بقول آپ کے۔ ولید ابن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات و تالیفات گھوڑے اور گدھوں پر لادکر لائی گئیں۔

(بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ دیباچہ ص ۱۱)

جب شبلی صاحب کو خود معلوم ہے کہ اتنی کثرت سے احادیث و مرویات۔ واضعین بنی امیہ کے خاص زمانہ میں اور اون کے خاص حکم سے بن چکی تھیں۔ تب آپ نے پھر کیسے لکھنے کی جرأت کی کہ علماء حدیث پر سلطنت کے خارجی اسباب کا اثر نہیں پڑا۔ یا اون کا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں دبا۔

اب یہ سوال تنقیح طلب ہے کہ جب شبلی صاحب کے مرقومہ بالا استنے ثبوت و شہود سے ثابت ہوگیا کہ اس کثرت سے حدیثیں بنائی گئیں اور پھر اس قدرت و کثرت کے ساتھ کہ (دورہ عباسیہ میں) ایک ایک خلیفہ کے نام بنام مشین گوئیاں تیار کرائی گئیں۔ تو وہ حدیث بنانے والے زیادہ تر قابل الزام ثابت ہوتے ہیں یا حدیث بنوانے والے" جواب بالکل آسان اور صاف ہے وہی حدیث بنانے والے۔ جنہوں نے احکام رسول کو رضائے سلاطین کے مقابلہ میں وقف و قربان کردیا۔

دوسرا سوال تصفیہ طلب یہ ہے کہ ان علماء محدثین نے یہ فعل قبیح کیوں کیا۔ جواب یہی ہے کہ محض سلطنت کے دباؤ اور لگاؤ سے۔ جن کی عمریں سلطنت کی ملازمت اور وظیفہ خواری میں کٹیں جس کو خود معترفانہ طریقے سے لکھا بھی جاتا ہے اور پھر بڑی دلیری سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انکا قلم سلطنت کی تلوار سے نہیں دبا۔ تو یہ کیسا غلط دعویٰ ثابت ہوا۔ تلوار سلطنت سے ان کے قلم کا نہ دبنا کہاں تک ثابت ہوگا۔ واقعات اور صورت حال تو بتلا رہی ہے کہ ان کے قلم تو ہمیشہ تلوار سلطنت سے دبتے رہے۔

اولین تابعین اور سلاطین کی غلامی کا اقرار

شبلی صاحب محدثین کے قلم کو کہہ رہے ہیں۔ انکا قلم کیا چیز ہے یہاں تو صحابہ اولین اور بڑے بڑے انصار و مہاجرین تابعین کا ایمان سلطنت کے شکنجے اور سلاطین امراء حکومت کے پنجے میں ایسا دبا گیا کہ آخر سب کو کتاب و سنت کے عمل کو ترک کر کے سلاطین کی صاف صاف غلامی کا اقرار کرنا پڑا۔ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

فسار مسلم في عشرة آلاف فارس من اهل الشام حتى نزل المدينة من جهة الحرة (الى ان قال) فقاتلوا فقتل الفضل بن عباس وقتل جماعة من الاشراف و اولادهم وقاتلهم حتى انهزم اهل المدينة واباح مسلم مدينة النبي ثلاثة ايام يقتلون فيها الناس ويأخذون ما فيها من الاموال ويفسقون بالنساء قال الزهري ان قتلى الحرة كانوا سبعمائة من وجوه الناس من القريش والمهاجرين والانصار وعشرة الاف من وجوه الموالي وممن لا يعرف ثم ان مسلما بايع من بقي من الناس على انهم خول وعبيد ليزيد ابن معاوية

مسلم نے (ابن عقبہ بحکم یزید) دس ہزار سواروں کی جماعت سے براہ حرہ مدینہ میں پہونچکر ہنگامہ قتال برپا کیا۔ اس جنگ میں فضل ابن عباس مارے گئے اور ایک بڑی جماعت اشراف و انصار مدینہ کی قتل ہوئی۔ بالآخر مدینہ والوں نے شکست پائی اور مسلم ابن عقبہ نے تین دن تک قتل عام کرکے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں کے ساتھ حرامکاری کو حلال کردیا۔ زہری کا قول ہے کہ سات سو مہاجرین انصار اور دس ہزار عوام الناس اہل مدینہ قتل ہوئے اور جو بچ گئے انھوں نے مجبور ہوکر یزید ابن معاویہ کی غلامی اختیار کرلی۔

غلامی یزید کے خاص الفاظ اقرار محدث دہلوی شاہ عبدالحق صاحب یہ بتلاتے ہیں۔

ومردم را امر بہ بیعت یزید بایں کار نمود کہ عبد وے باشند مجبور ساختند کہ اگر یزید خواہد بفروشد و اگر خواہد آزاد کند و خواہ بطاعت خدا خواند خواہ بمعصیت خدا

یعنی یزید پلید کی غلامی کی بیعت اس شرط سے لیگئی کہ یزید چاہے تو انکو بیچ ڈالے چاہے آزاد کردے۔ چاہے تو انسے خدا کی اطاعت کرائے چاہے نافرمانی کا حکم کرے۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب

اس فتوے کے مفتی حضرت عبداللہ ابن عمر صحابی ہیں۔

اب اس بیعت و غلامی یزید کے جواز بلکہ اس کے وجوب کے فتوی دینے والے کون مفتی صاحب ہیں اور اُن کی شان عظمت کیا ہے؟

تحقیق سے باتفاق جمہور ثابت ہوتا ہے کہ یہ نور دیدہ خلافت اور بہین پور سلطنت حضرت عبداللہ ابن عمر صحابی ہیں۔ جو صحابہ کبار ہونے کے علاوہ۔ اسلام کے اوّل محدث اور سب سے پہلے حدیث رسول صلعم کی من حیث الکتاب تدوین و تجمیع کرنے والے۔ آپ کی اس صحیح یادداشت کا نام صادقہ تھا۔ جس کا ذکر شبلی صاحب نے بھی دیباچہ ص ۵ میں فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے جس اہتمام اور حسن انتظام سے اپنے اس فتوی کا اعلان فرمایا ہے اسکی صورت اعلان صحیح بخاری کی مفصلہ ذیل الفاظ و عبارت سے ظاہر و ثابت ہے۔

عن نافع قال لما اخلع اھل المدینۃ یزید ابن معاویۃ جمع ابن عمر حشمہ و ولدہ فقال انی سمعت النبی صلعم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل (یزید) علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال وانی احدا منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر ان کانت الفیصل بینی و بینہ	نافع سے منقول ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی تو عبداللہ ابن عمر نے اپنی اولاد اور متوسلوں کو جمع کرکے یہ اسپیچ دی کہ ایّہا الناس میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنیوالے کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا اور جبکہ تمام لوگ یزید کی بیعت کرچکے ہیں۔ تو میری رائے میں اس سے بڑھ کر اور غداری کیا ہوسکتی ہے کہ بیعت کرنے کے بعد یزید سے لڑائی ٹھانیں۔ پس تم میں سے جو شخص میری اس رائے کے خلاف کریگا میں اس سے جدائی اختیار کرونگا۔

حدیث بخاری کے الفاظ سے روئداد حال جب یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر سا صحابی کبار اور محدث و فقیہہ ذی اعتبار سلطنت کے دباؤ یا لگاؤ سے خالی نہ چھوٹا تو عام محدثین و فقہا کا ذکر ہی کیا ہے۔ ابن عمر میں دونوں اوصاف جمع تھے۔ صحابیت کی عظمت بھی اور خلیفہ زادگی کے اعزاز بھی۔ مگر افسوس کہ ان بزرگ نے حکومت کے اقتدار کے سامنے نہ اپنے ذاتی اعزاز و وقار کی کوئی قدر کی نہ اون فدائیان قوم و ملت کے جانی اور مالی ایثار کی۔ اور محض بنی امیہ کی تلوار کے خوف سے ایسا مرعوبانہ فتوی شائع فرمایا جس کے مہلک اثر نے بالآخر باقیماندہ صحابہ۔ مہاجرین و انصار مدینہ کو یزید کا غلام بنا دیا۔

عبداللہ ابن عمر کا غلط اجتہاد

اب حضرت عبداللہ ابن عمر کی اس بیان کردہ حدیث رسول اور حقیقت خلافت

یزید کو اجماع مہاجر و انصار کی مختار کے ساتھ ملا کر غور کیا جاوے تو فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فی الواقع یہ قول رسول ﷺ تھا اور عبداللہ ابن عمر نے اسکو آنحضرت ﷺ سے سُنا تھا تو پھر اون باغیان مدینہ، سرکشان کوفہ اور غداران مصر کے سامنے اس حدیث کا کیوں اعلان نہ فرمایا جنہوں نے حضرت عثمان سے خالی خلع بیعت ہی نہیں کیا بلکہ اون کو قتل بھی کر ڈالا۔ ابن عمر اوسوقت مدینہ ہی میں تھے۔ اور باغیان عراق و مصر بھی مدینہ ہی میں پڑاؤ ڈالے تھے کئی روزوں تک ہفتوں تک حضرت عثمان اور جماعت باغیان میں خلع خلافت کے لئے سوال و جواب اور رد و کد پیش رہی مگر ابن عمر صاحب نے ایک دن بھی گھر سے باہر نکل کر باغیان کوفہ و مصر اور اہالیان مدینہ کو یہ حدیث سنا کر اور اون کی موجودہ حرکتوں کو بغاوت ٹھہرا کر متنبہ نہ فرمایا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے نزدیک حضرت عثمان کا خلافت پر اصرار بیجا تھا اور ناحق۔ اور فرقہا سے باغیان و غدار کا اصرار جائز اور حق تھا۔ اسی بنا پر اس حدیث کے اعلان و اشاعت اور باغیوں کی تنبیہ و موعظت نہیں فرمائی گئی۔

اس موقع پر آپ کا سکوت اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کے مجتہدانہ مختار میں خلافت عثمان اتنی واجب الاتباع للامۃ نہیں تھی جیسی یزید کی سلطنت۔ کیونکہ اگر خلافت حضرت عثمان میں بھی اتنی ہی اہمیت ہوتی۔ تو حضرت عبداللہ ابن عمر اس خلافت کے ساتھ غدر و بغاوت کرنے والوں کو بھی ویسے ہی باغی اور غدار ٹھہراتے۔ اور عقاب و عذاب الٰہی سے بھی اوسی طرح ڈراتے۔ جیسا اس وقت یزید کی خلافت سے خلع و بغاوت کرنیوالوں کو باغی اور غدار ٹھہرایا گیا ہے۔

ابن عمر کی اسوقت کی خموشی اور اسوقت کی پرجوشی بے معنی نہیں تھی۔

حضرت ابن عمر کی اوسوقت کی خموشی اور اسوقت کی پرجوشی بے وجہ اور بلا معنی نہیں تھی۔ آپ حمایت خلافت یزید کے معاویہ کیوقت ہی سے ذمہ دار ہو چکے تھے۔

تاریخ روضۃ الصفا جلد سوم کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

معاویہ بعبداللہ ابن عمر گفت کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را چوں گلہ گذارم کہ بے شبان باشد لہذا ایں زمرہ یزید را بولایت عہد برگزیدم و مردمان ہمہ امصار ولیعہدی اورا پذیرفتند الا چندتن از قریش

عبداللہ ابن عمر سے معویہ نے کہا کہ ہم امت محمدیہ کو مثل گلہ بے شبان (چرواہے) کے کیسے چھوڑتے اسوجہ سے میں نے یزید کی ولیعہدی کا قصد کر لیا اور تمام شہروں کے لوگوں نے تقریباً اوسکی ولیعہدی کو قبول کر لیا ہے سوا سے چند قریش کے لوگوں کے۔ اب تمہی اون کی (قریشیوں) مخالفت کے متعلق اپنی کیا رائے قائم کی ہے

کنون تو دریں مخالفت چہ اندیشہ ئی عبداللہ گفت ہیچ میخواہی کہ تقدیم امرے کنی کہ فتنہ انگیخته نشود و خون مردم ریختہ نگردد و بر تو عصیانے فرونیاید معاویہ گفت چہ انخواہم چنیں امرے را دوست دارم عبداللہ گفت سریر خود را نصب کن و بر فراز آں نشیں تا من نخستیں بیایم و با تو کنم بیعت بشرط آنکہ بعد از تو نصب امامت باجماع باشد سوگند با خدا کہ بعد از تو اگر امت پیغمبر انجمن شوند و غلام حبشی را با امامت برگزینند من داخل شوم در آنکہ امت داخل شدہ اند ایں بگفت و داخل سرائے خویش گشت و در را بر روئے خویش و بیگانہ فروبست و ہر کس از دوستان عزم زیارت وے میکرد رخصت نمی داد

عبداللہ نے جواب دیا کہ جو امر آپ کرنا چاہتے ہیں وہ صرف ایسا ہونا چاہیے کہ اوسکے باعث سے آدمیوں کی خونریزی نہ ہو اور ملک میں فتنہ و فساد نہ پھیلے جس کی وجہ سے آپ پر ارتکاب عصیاں کا اطلاق ہو۔ معاویہ نے کہا کہ میں ایسے امر کو خود پسند کرتا ہوں اور کیونکر اس کے پسند کرنے کی خواہش نکروں گا۔ عبداللہ ابن عمر بولے تو پھر آپ اپنی مسند امارت بچھایئے اور اوس پر جلوس فرمایئے۔ میں پہلا شخص ہونگا جو حاضر دربار ہو کر آپ کی بیعت کرونگا۔ مگر اس شرط پر کہ آپ کے بعد انعقاد امامت بقاعدۂ اجماع امت جاری ہو۔ خدا کی قسم اگر آپ کے بعد امت رسول اکٹھی کر کے ایک غلام حبشی کی امامت پر بھی اتفاق کر لے تو میں اسی امر میں داخل ہوں گا۔ جسپر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اتنا کہہ کر عبداللہ ابن عمر اپنے گھر میں رخصت ہو گئے۔ گھر کے دروازے بند کر لئے۔ اور تمام احبا و اعزہ سے ملنا جلنا موقوف کر دیا۔ اگر کوئی شخص آپ کی زیارت کو آتا بھی تھا تو اوسکو زیارت کی اجازت نہ دیتے تھے"

ہمکو یقیناً حضرت عبداللہ ابن عمر کے اس طرز عمل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ امر نہ ہمارا موضوع بحث ہے اور نہ مقصود استدلال۔ مگر ہم اتنا لکھکر ضرور بتلا دینے کے مستحق اور ذمہ دار ہیں کہ عبداللہ ابن عمر کے اس سکوت نے معاویہ کے حصول مقاصد میں بڑی قوت پہونچائی۔ اگر ان کے اس حسن خدمت کی زیادہ تحقیق کیجائے تو معلوم ہو جائیگا کہ عبداللہ نے اپنے ایسا طریقہ عمل میں اپنے پدر بزرگوار کی تقلید اختیار فرمائی ہے۔ جنہوں نے اپنے ایام حکومت میں بنی امیہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پھر ساحل مراد تک پہنچا دیا تھا۔ اب اون کے بعد اون کے خلف الرشید نے ولیعہدی یزید کے مسئلہ خاص میں اس سرگرمی سے تائید فرمائی کہ تمام ممالک اسلامیہ کی حکومت اگر ہمیشہ کیلئے نہیں تو کم از کم سو برس تک بنی معاویہ و بنی مروانیوں کے لئے مستقل ہو گئی۔

عبداللہ ابن عمر خلافت یزید کے لئے شرط اجماع لگاکر قطعاً پھر گئے

روضۃ الصفا (ابن اثیر و ابن قتیبہ کا خلاصہ ہے) کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ ابن عمر صاحب نے خلافت یزید کو اجماع امت پر مشروط فرمایا تھا۔ مگر جب وہ وقت آیا تو آپ نے بلا انتظار اجماع و اتفاق امت جس خلوص اور حسن عقیدت سے یزید کی بیعت فرمائی ہے اوس کی کیفیت تاریخ ابوالفدا کی مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہے۔

بویع یزید بالخلافۃ لما مات ابوہ فی رجب سنۃ ستین ولما استقر یزید فی الخلافۃ ارسل الی عاملہ بالمدینۃ بالزام الحسین وعبد اللہ ابن الزبیر و عبد اللہ ابن عمر بالبیعۃ فاما ابن عمر فقال ان اجتمع الناس علی بیعتہ نبایعہ واما الحسین وعبد اللہ ابن زبیر فلم یبایعا فقال لہما ابن عمر اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین

"معویہ کے بعد یزید کی (شام میں) بیعت کی گئی اور جب خلافت پر وہ مسلط ہوگیا تو اوس نے عامل مدینہ کو لکھا کہ حسین ؑ ۔ عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر سے میری بیعت ضرور لیجائے۔ چنانچہ ابن عمر نے تو اسی وقت بیعت کرلی اور کہا کہ اگر لوگوں نے یزید کی بیعت پر اجماع کیا ہے تو میں بھی اوس کی بیعت کئے لیتا ہوں لیکن امام حسین ؑ اور عبد اللہ ابن زبیر نے بیعت سے قطعی انکار کردیا۔ اور بیعت نہیں کی۔ جب امام حسین ؑ اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہ کی تو ابن عمر نے ان دونوں صاحبوں سے کہا کہ تم لوگ خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو"

عبداللہ ابن عمر کی اسوقت کی پرجوشی اور دوسرے وقت کی روپوشی

بیعت یزید کے وقت تو حضرت عبد اللہ ابن عمر کی خوش عقیدگی اور پرجوشی کا یہ منظر دکھلائی دیتا ہے اور بیعت علی ؑ کے وقت آپ کی ناتوجہی ۔ بے التفاتی اور کنارہ کشی کی خاص کیفیت ۔ مروج الذہب مسعودی ۔ اسد الغابہ جزری ۔ اور تاریخ کبیر طبری کی مفصلہ ذیل عبارتوں میں ملاحظہ کیجاسکے۔

قعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیۃ منہم سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ ابن عمر و بایعا یزید بعد ذالک

اون کی (حضرت علی) بیعت سے ایک جماعت عثمانیہ نے کنارہ کشی اختیار کی جن میں سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ ابن عمر بھی تھے۔ حالانکہ آگے چلکر ان دونوں صاحبوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرلی مگر حضرت علی کی بیعت نہیں کی۔

اسد الغابہ میں ہے:-

تخلف عن بیعۃ جماعۃ من الصحابۃ منہم ابن عمر

صحابہ کی ایک جماعت بیعت علی سے باز رہی اور اون میں ابن عمر بھی تھے۔

تاریخ طبری میں ہے:-

بایع الناس علیا بالمدینه وتربص سبعة نفر فلم یبایعوه منهم سعد بن ابی وقاص ومنهم ابن عمر (الی ان قال) ولم یتخلف احد من الانصار الا بایع فیما نعلم

مدینہ میں لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی لیکن سات آدمیوں نے تامل کیا اور بیعت نہیں کی انہیں سعد ابن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عمر بھی تھے اور جہاں تک تحقیق ہوا ہے انصار میں سے کسی ایک نے بھی حضرت علی کی بیعت سے تخلف نہیں کیا۔"

نہیں معلوم کہ عبداللہ ابن عمر صاحب کے دماغ میں خلافت علیؑ کے انعقاد کے وقت۔ اجماع امت کا ادب اوس کی حرمت اور قدر و منزلت۔ اوس شان و عصبیت کے بعد جیسی کہ خلافت و امارت یزید کے وقت ثابت ہوتی ہے۔ پیدا ہوئی تھی یا نہیں۔ اگر اسوقت بھی اجماع امت کی ایسی ہی اہمیت تھی تو پھر غدر و بغاوت کا فتویٰ عام جو خلافت یزید سے خلع و انکار کے متعلق تمام اہل اسلام کے لئے دیا گیا تھا اور جس کی بنا پر خاصکر امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر خدا کے عذاب سے ڈرائے گئے اور بیعت یزید کے لئے ذمہ دار اور جواب دہ بنائے گئے۔ وہی فتویٰ وہی حکم۔ اتباع اجماع کے متعلق۔ خلافت علیؑ سے انکار و خاموشی اختیار کرنے کے وقت اپنی ذات پر کیوں نہ لگایا گیا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

اور اگر یہ خیال اوسوقت تک اون کے ذہن نشین نہیں تھا اور عین خلافت یزید کے وقت پیدا ہوا تو سمجھا۔ علما۔ محدثین۔ مفسرین اور فقہا کے لئے بھی طرز عمل سلطنت کا حقیقی دباؤ اور اصلی لگاؤ ثابت ہوگا۔ اور شبلی صاحب کی اتنی بڑی مطول اور مفصل فہرست صحابہ محدثین میں۔ کم سے کم حضرت عبداللہ ابن عمر ہی پہلے صحابی اور محدث ثابت ہوتے ہیں۔ جنکا قلم سلطنت کی تلوار سے دبا ہی نہیں بلکہ حقیقتاً اوسی نوک شمشیر سے بنا یا گیا۔

مگر نہیں۔ تنہا عبداللہ ابن عمر ہی ایسے صاحب قلم نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے ایسے کثیر التعداد صاحبان علم و قلم ایسے ثابت ہوتے ہیں۔ جن کا علم ہمیشہ سطوت سلطنت سے دبتا رہا اور جن کا قلم کئی صدیوں تک شمشیر حکومت کی نوک سے برابر بنتا رہا۔ اس کی تفصیل علامہ مدائنی کی کتاب الاحداث کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

کتب معویة الی عماله فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعة علی واهلبیته شهادة وکتب الیهم ان انظروا من قبلکم من شیعة عثمان و محبیه

معویہ نے اپنے ممالک محروسہ کے تمام عمال کو یہ فرمان شاہی لکھ بھیجا کہ حضرت علی اور اونکے اہلبیت کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کی جائے اور یہ بھی تاکیداً لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے شیعہ اور اونکے اہلبیت کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے اقوال برابر

واهل بيته والذين يرون فضائله و
مناقبه فادنوا مجالسهم وقربوهم
واكرموهم واكتبوا الي بما يروي
كل رجل منهم واسمه واسم ابيه
وعشيرته ففعلوا ذلك حتى اكثروا
في فضائل عثمان ومناقبه لما كان
يبعثه اليهم معوية من الصلات
والكساء والحباء والقطائع ويفيضه
في العرب منهم والموالي فكثر ذلك
في كل مصر وتنافسوا في المنازل
والدنيا فليس يجيء احد من الناس
عاملا من عمال معوية ولايروي في عثمان
فضيلة او منقبة الا كتب اسمه وقربه
وشفعه فلبثوا بذلك حينا ثم كتب
الى عماله ان الحديث في عثمان
قد كثر وفشا في كل مصر وفي
كل وجه وناحية فاذا جاءكم
كتابي هذا فادعوا الناس الى
الرواية في فضائل الصحابة والخلفاء
الاولين ولا تتركوا خبرا يرويه احد من
المسلمين في ابي تراب الا واتوني بمناقض له في الصحابة
فان هذا احب الي واقر لعيني وادحض لحجة
ابي تراب وشيعته واشد عليهم من مناقب
عثمان وفضله فقرئت كتبه
على الناس فرويت اخبار

قبول کئے جائیں اور ایسے جو لوگ حضرت عثمان کے فضائل و
مناقب بیان کریں انکو اپنی جلوت و خلوت میں قربت خاص کا
مرتبہ دیا کرو اور انکے اکرام کیا کرو اور انہیں سے جو کوئی جو کچھ
(فضائل عثمان و بنی امیہ) بیان کرے۔ ان میں سے ہر ایک
کے نام مع ولدیت اور قومیت لکھ بھیجو۔ چنانچہ ماتحتی عمال ان
ممالک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ فضائل و مناقب حضرت
عثمان میں کثرت سے حدیثیں جمع ہو گئیں اور معویہ نے ان
تمام اشخاص کو انواع و اقسام کے صلہ جات۔ خلعات جبہ جات
اور اراضیات جاگیرات اور کنیز و غلامان دے دیکر تمام عرب
میں انکو مالا مال کر دیا۔ پھر ایسے لوگ تمام دیار و امصار میں
پھیل گئے اور کثرت سے ہو گئے۔ اور ان عمالان معاویہ میں
کوئی عامل ایسا نہیں ہوتا جس نے معاویہ کے اس فرمان شاہی
کے خلاف کسی ایسے شخص کو جس نے حضرت عثمان کے فضائل و
مناقب میں روایت کی ہو۔ اور عمالین معویہ نے اس کو درجہ
قربت نہ دیا ہو۔ یا اس کا نام لکھ کر دربار معاویہ میں اسکی سفارش
نہ کی ہو۔ یہی حالت برابر قایم رہی، تا اینکہ فضائل عثمان میں ضرورت
سے زاید حدیثیں تیار ہو گئیں۔ تو معاویہ نے اپنے عمال کو
دوسرا حکمنامہ اس مضمون کا لکھا کہ چونکہ فضائل عثمان میں حدیثیں
زیادہ ہو گئیں اور ہر بلاد و اطراف امصار میں کثرت سے پھیل
گئیں۔ اس لئے بطور رسید حکمنامہ ہذا تم لوگ ان لوگوں (راویان
احادیث) کو بلا کر حکم عام دو۔ کہ اب فضائل صحابہ۔ اور خلفائے
سابقین کے متعلق حدیثیں مرتب کریں۔ اور مجھ کو اس امر کی
فوراً خبر کرنے سے کسی وقت غافل نہ ہو کہ جب کوئی شخص
امت اسلام میں کوئی حدیث یا روایت ابو تراب (حضرت علیؑ)
کی شان میں بیان کرے تو اسی وقت اس کی مناقض حدیث

كثيرة وفي مناقب الصحابة والخلفاء الاوّلين مفتعلة لاحقيقة لها وجد الناس في رواية ما يجري هذا المجرى حتى اشادوا بذكر ذالك على المنابر والقي الى معلمي الكتاتيب فعلّموا صبيانهم وغلمانهم من ذالك الكثير الواسع حتى رووه وتعلّموا كما يتعلّمون القرآن حتى علّموا لبناتهم ونسائهم وخدمهم وحشمهم

صحابہ کی شان میں تیار کرلی جائے۔ کیونکہ یہ امر مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچتی ہے۔ اونکو بیان ابی تراب سے سخت منع کرو اور مناقب عثمان کے بیان کے لئے سخت تاکید کرو۔ الغرض یہ فرمان معاویہ پڑھکر سب کو سنایا گیا اور لوگوں نے کثرت سے فضائل صحابہ میں ایسی ایسی حدیثیں تیار کیں جن کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ انہیں حدیثوں کو ان لوگوں نے شارع عام پر اجرا و اقرار کیا۔ یہاں تک کہ مسجدوں کے منبروں پر یہ حدیثیں بیان کی گئیں اور معلمین نے انکو کتب درسیہ میں لکھکر لڑکوں اور جوانوں کو پڑھائیں اور ازبر کرائیں اور پھر تو ان کی تعلیم کو اتنی ترقی ہوئی کہ یہ قرآن مجید کی تعلیم کے برابر ہوگئی اور مسلمانوں کی تمام لڑکیوں۔ عورتوں اور گھر کے غلاموں اور کنیزوں تک کو پڑھائی اور یاد کرائی گئیں۔

ان شہود کثیرہ کے بعد بھی شبلی صاحب یا کوئی اور صاحب اونکے ہم خیال۔ ایسے دعوے کرنے پر جرأت کرسکتے ہیں کہ علما و محدثین کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دبا۔ دیکھا کیسا ان شواہد نے ثابت کردیا کہ اون کے قلم تلوار حکومت سے دبے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ شاہی تلوار کے پھلوں اور نوکوں سے بنتے اور درست ہوتے رہے۔

علامہ مدائنی کی عبارت بالا سے ان حضرات کی اجمالی کیفیت معلوم ہوتی۔ اسلئے ممکن ہے کہ کہا جائے کہ یہ واضعین حدیث محض معمولی۔ غربا۔ ذلت پرست اور شکم پرور طبقہ کے ادنی لوگ تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان میں سے چند ممتاز علما و فقہا کی مختصر کیفیت لکھکر حقیقت حال کا انکشاف کردیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر صاحب کے تعلقات شاہی اوپر مفصل بیان ہوچکے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کے ہمسر ہمو زن اور ہمپایہ صحابی و محدث حضرت ابی ہریرہ کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے۔

ابوہریرہ معمولی آدمی تھے

وكان من اصحاب الصفة فقيرا ذاق جوعا وفاقة ثم بعد

اصحاب صفہ سے تھے۔ مرد فقیر و مفلس تھے فاقوں اور بھوک کی شدتوں کا مزہ چکھے ہوئے تھے۔ بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی حالت اچھی ہوگئی اور انہوں نے

النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم صلح حالہ وکثر مالہ وکان کثیر التعبد والذکر وولی امرۃ المدینۃ وناب ایضا عن مروان فی امرتھا وکان یمر فی السوق ویحمل الحزمۃ وقال ابن عبد البر فی الاستیعاب فی حالہ راضیا بشبع بطنہ۔

مال کثیر جمع کرلیا۔ یہ بہت عابد تھے کثرت سے ذکر و وظائف کیا کرتے تھے۔ (زمانہ معاویہ میں) ایک بار والی مدینہ کے نائب مقرر ہوئے۔ بار دیگر اسی طرح مروان کے وقت میں نائب بنائے گئے جب بازار میں نکلتے تھے تو ان کے سر پر بوجھ ہوتا تھا۔ امام ابن عبد البر استیعاب میں ان کے حال میں لکھتے ہیں کہ یہ پیٹ بھر دینے سے راضی رہتے تھے۔

ابوہریرہ ذوجہت تھے اور مذبذب

سیرۃ حلبیہ میں علی ابن برہان الدین حلبی شافعی لکھتے ہیں:—

ولمّا وقع القتال بین علی ومعاویہ وکان ابوھریرۃ یصلی خلف علی کرم اللہ وجھہ ویحضر طعام معاویۃ وعند القتال یصعد علی التلّ۔

جب حضرت علیؑ اور معاویہ میں جنگ (صفین) واقع ہوئی تو ابوہریرہ کا طرز عمل یہ تھا کہ نماز حضرت علیؑ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور جب لڑائی ہوتی تھی تو ایک ٹیلے پر چڑھ جاتے تھے۔

توثیق امام مدائنی صاحب کتاب الاحداث۔ حافظ ابو سعد سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں

ابوالحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف المدائنی مولی عبد اللہ ابن سمرۃ القرشی وھو بصری سکن المدائن ثم انتقل عنھا الی بغداد فلم یزل بھا الی حین وفاتہ وھو صاحب الکتب المصنفۃ روی عنہ الزبیر ابن بکار واحمد ابن خیثمہ والحرث ابن ابی اسامہ قال یحیی ابن معین غیر مرّۃ اکتبوا عن المدائنی کتبہ وکان ابوالعباس یقول من اراد اخبار الاسلام فعلیہ بکتب المدائنی توفی بھا فی ذی القعدۃ سنۃ اربع وعشرین ومائتین وکان عالما بایّام الناس واخبار العرب وانسابھم عالما بالفتوح والمغازی ورِوایۃ الشعر صادقا فی ذلک ذکرہ غیرہ انہ مات فی سنۃ خمس وعشرین ومائتین ولہ ثلاث وتسعین ترجمہ ابوالحسن علی ابن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف المدائنی عبد اللہ بن سمرہ قرشی کے غلام تھے بصرے کے باشندہ تھے شہر مدائن جا کر رہ گئے تھے۔ پھر وہاں سے اٹھکر بغداد میں مقیم ہوئے اور پھر روز وفات تک یہیں رہے وہ صاحب تصنیفات کثیرہ ہیں۔ اُن سے زبیر ابن بکار، احمد ابن خیثمہ اور حرث ابن ابی اسامہ نے روایت کی ہے یحیی ابن معین نے ایکبار نہیں کئی بار لکھا ہے کہ کتابیں مدائنی سے روایتہً نقل کرو۔ اور ابوالعباس کہتے تھے جن لوگوں کا ارادہ ہو کہ اخبار اسلام لکھیں انکا فرض ہے کہ کتابیں مدائنی سے لکھیں۔ مدائنی نے ذیقعدہ ۲۲۴ھ میں انتقال کیا۔ وہ ایام عرب، اخبار عرب اور انساب عرب کے پکے عالم تھے۔ اور فتوح مغازی اور اشعار عرب کے بھی بڑے عالم تھے۔ اور ان علوم میں صدوق تھے۔ ابن ابی اسامہ کے علاوہ اور لوگوں نے انکا سن وفات ۲۲۵ھ بتلایا ہے اور عمر ترانوے برس کی لکھی ہے۔ المولف عفی عنہ

بیت المال میں خیانت کر چکے تھے۔ | عقد الفرید۔ معجم الادبا، اور معجم البلدان میں ہے۔

قال عمر لابی هریرہ یا عدو اللہ وعدو کتابہ سرقت مال اللہ۔

حضرت عمر نے ابوہریرہ کو مخاطب کر کے کہا اے دشمن خدا و دشمن کتاب خدا تو نے مال خدا میں چوری کی۔

جھوٹی حدیثیں بناتے تھے | صحیح بخاری کتاب النفقات باب وجوب صدقہ اہل وعیال سے انکا کذب صریح پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوہریرہ سے منقول ہے۔

قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الصدقۃ الی ان قال فقالوا یا اباهریرہ عن لفظ ابو القاسم رسول اللہ قال لا هذا من کیس ابوهریرۃ

ابوہریرہ نے کہا کہ فرمایا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ سلم نے کہ افضل صدقہ وہ ہے۔ (تا آخر حدیث) لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اے ابوہریرہ کیا رسول خدا صلعم نے ان ہی الفاظ سے کہا ہے۔ تو کہا کہ نہیں۔ یہ ابوہریرہ کی دانائی ہے۔

وضع حدیث کیلئے حضرت عمر نے انکی تادیب فرمائی۔ | زمانہ رسول اللہ صلعم ہی سے حدیث سازی کی علت میں یہ مبتلا تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر خاص عہد رسول میں حضرت عمر نے حدیث من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے اعلان کرنے پر ان کو مارا تھا۔ (صحاح وغیرہ)

حدیث سازی بعد عہد رسول صلعم | پھر حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسی حدیث سازی کے جرم میں ابوہریرہ کو بار دیگر مارا اور فرمایا کہ آئندہ ایسی حدیثیں بیان کروگے تو جلا وطن کر دئے جاؤگے۔

(رسالہ اثر ابن عباس از مولوی عبدالحی لکھنوی)

حضرت علی کی تنقیص شان میں جھوٹی حدیثیں معاویہ کے حکم سے بنائیں | شرح نہج البلاغت ابن ابی الحدید معتزلی سے ثابت ہے کہ ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب صحابی سرکار معاویہ میں خاص حدیث سازی پر مامور تھے۔ اور انہی زبانوں میں۔ ابوجہل کی بیٹی سے ارادہ نکاح پر حضرت علی سے پیغمبر خدا صلعم کی بیزاری والی حدیث بنائی گئی اور اسی طرح وہ حدیث بنائی گئی جو بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے نماز تہجد کے لئے فرمایا اور انہوں نے اُسکے ادا سے انکار کر دیا۔

حضرت عائشہ پر گستاخانہ تعریض | امام حاکم مستدرک میں ذیل کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

عن عائشہ دعت ابوهریرہ فقالت یا اباهریرہ ما هذہ الاحادیث التی بلغنا انک تحدث بها عن النبی هل سمعت الا ما سمعنا وهل رأیت

حضرت عائشہ رض سے منقول ہے کہ میں نے ابوہریرہ کو بلا کر پوچھا کہ اے ابوہریرہ یہ کیسی حدیثیں ہیں جو ہمکو پہونچی ہیں کہ تم رسول اللہ صلعم سے منسوب کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے وہی سنا جو ہم نے سنا اور تم نے وہی دیکھا جو ہم نے دیکھا۔ ابوہریرہ نے کہا کہ اے اماں جان

ما رأيتنا قال يا أماه إنه كان يشغلك عن رسول الله صلعم المرآة والمكحلة والتصنع لرسول الله صلعم وإنه والله ما كان عنه شيء وهذا حديث صحيح لم يخرجاه الشيخان۔

آپ کو آئینہ و سرمہ دانی اور بناؤ سنگھار (احادیث رسول سننے سے) باز رکھتا تھا۔ جو تم رسول اللہ صلعم کے لئے کیا کرتی تھیں۔ اور خدائے سبحانہ تعالیٰ کی قسم ہم کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ امام حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث یعنی واقعہ مکالمہ حضرت عائشہ و ابوہریرہ صحیح ہے۔ مگر اس کو شیخین (بخاری و مسلم نے) نے نہیں لکھا ہے۔

ابوہریرہ کی کثرت حدیث

ظاہر ہے کہ ابوہریرہ ۷ سنہ ہجری میں مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے کے بعد جناب رسول خدا صلعم کل تین برس تک زندہ رہے۔ پس اس اتنے قلیل عرصہ کی صحبت میں جتنی حدیثیں ابوہریرہ سے مروی ہیں اتنی نہ شیخین سے مروی ہیں نہ حضرت علیؑ سے۔ مقام غور ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسول خدا صلعم کے ساتھ تقریباً تیئیس سال رہے۔ ان سے کل ۵۱۰ احادیث مروی ہیں اور ابوہریرہ سے پانچہزار (۵۰۰۰) اور بعض نے ابوہریرہ کے صرف راویوں کی تعداد پانچہزار بتلائی ہے تو احادیث کا کیا شمار ہو سکتا ہے۔"

ابوہریرہ کی کثرت حدیث پر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا اظہار تعجب

کتاب قرۃ العینین میں شاہ ولی اللہ صاحب۔ ان کی کثرت حدیث پر ذیل کے کلمات تعجبانہ مندرج فرماتے ہیں۔

از عجائب آنست کہ مثل ابوہریرہ کہ صحبت او بہ آنحضرت قلیل و لقتہ بہ پایہ اے او بسیار فزوں تر است و در مذہب ما از دو پنجہزار حدیث روایت کردہ اند و ثقات آنرا از وی یاد گرفتہ۔ حضرت مرتضیٰ با وجود صحبت دائمہ و کمال فقاہت و تمام حفظ انضمام استماع از صدیق و فاروق و بسیارے از حدیث تا اسمہ با بقات خویش و ہمہ علم مانع از روایات است کہ عبارت از قلت نقل است بعد آنحضرت صلعم کہ در صدیق بودہ است باشتغال بہ امور ناس در تمام عمر چنانچہ در فاروق بودہ است با قلت اشتغال در مسائل منصوبہ چنانچہ در طلحہ و زبیر بود مدت دراز در مدینہ باشند

یہ عجیب بات ہے کہ بہت کم مدت تک ابوہریرہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے۔ اور علی مرتضیٰؑ سے علم میں بہت کم درجہ رکھتے تھے بایں ہمہ ارباب فضل و کمال نے اس سے پانچہزار احادیث نقل کیں اور علی مرتضیٰ کہ عالی درجہ کے عالم تھے اور صاحب علم علاوہ برآں ابوبکر و عمر کی صحبت میں مدت دراز رہ چکے تھے۔ اور مثل شیخین مہمات ملکی معاشرت رعایا و انتظام سلطنت کا بھی ان سے کوئی تعلق نہیں تھا اور مدینہ منورہ میں محض بلا تعلقات بیکار رہا کرتے تھے۔

باایں ہمہ آزادی و فارغ البالی ایک حدیث کا پتہ نہیں چلتا جو اہل حدیث نے حضرت علیؑ سے نقل کی ہو۔ البتہ جب آپ کوفہ میں آئے وہاں نقل حدیث میں مصروف ہوئے مگر بہت کم وہ

روایت نکنند و مرداں از وے حدیث یاد نگیرند تا او صحیح مسئلہ۔ بازور گونہ چوں روایت کند حدیث او تا پانصد نرسد و آں نیز مختل گردد و بشرط صحت نرسد الا قلیلے

کبھی پانچ سو حدیثوں تک۔ اس سے زیادہ پتا نہیں چلتا۔ پھر وہ بھی مختل اور غیر منظم و بے اعتبار محض جس سے کوئی اصول مسئلہ ماخوذ نہیں۔

قرۃ العینین ص ۲۰۹

افسوس۔ شاہ صاحب صرف تعجب ہی فرما کر رہ گئے اور ابوہریرہ کی وضع حدیث کی کوئی تنبیہ و سزا تجویز نہ فرما گئے۔ مشکل تھا۔ صحابیت کا قدم درمیان تھا۔ کلہم عدول کا غلط اصول پیش نظر تھا۔ ابوہریرہ سے کثیر التعداد حدیثیں ایسی بھی تو تھیں۔ جن پر خلافت اور صحابیت کے ارکان عقائد قائم تھے۔ اسلئے ان کے قطعی انکار سے تو نظام عقائد متزلزل ہو جاتے۔ اس بنا پر شاہ ولی صاحب نے صرف اظہار تعجب فرما کر طریقہ کف اللسان اختیار فرما لیا اور خاموش ہو رہے۔ مگر خدا جانے کیا وجہ ہوئی کہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کو ابوہریرہ کی ان حرکات پر کیوں اتنا غصہ آگیا کہ اونھوں نے بلا رعایت صحابیت و بغیر لحاظ اصول کلہم عدول۔ ان کے قطعی متروک الحدیث اور ناقابل روایت ہونے پر عام فتوی دیدیا چنانچہ اعلام الاخیار کفوی کی مندرجہ ذیل عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

قال ابوحنیفہ لاصحابہ اترکوا قولی بقول الصحابہ الا بقول الثلاثۃ منہم ابوہریرہ وانس ابن مالک وسمرۃ ابن جندب

ابوحنیفہ نے اپنے اصحاب سے کہا کہ قول صحابہ کے مقابلہ میں میرے قول کو تم لوگ ترک کر دو۔ سوائے تین صحابی کے اقوال کے مقابلہ میں پہلے ابوہریرہ۔ پھر انس ابن مالک اور سمرہ ابن جندب۔

وضع حدیث کا آخر نتیجہ

حضرت ابوہریرہ کو حدیث سازی کے صلہ میں دربار امیر معاویہ سے جو کچھ او جتنا کچھ ملا ہو۔ وہ معاویہ صاحب جانیں یا خود ابوہریرہ صاحب۔ مگر عام اہل اسلام اور علمائے کرام نے ان کو جو انعام و خطاب دیا وہ امام ذہبی کی میزان الاعتدال ص ۱۷۲ میں ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔

عن عثمان مقسم ان ابوھریرۃ کاذب || علامہ عثمان مقسم دمیری کہتے ہیں کہ ابوہریرہ کاذب ہے۔

نہ سلاطنت کے ساتھ پیچ ہو جاتے نہ اس نوبت کو پہنچتے۔ حضرت ابوحنیفہ کے فتوے کے مطابق ابوہریرہ کے ساتھ۔ دو اور صحابیوں کی مجہولیت بھی ثابت ہو گئی۔ ایک صاحب تو سمرہ بن جندب ہیں اور دوسرے صاحب انس ابن مالک۔

ہم اس سے زیادہ حضرات صحابہ کی حقیقت کا انکشاف کرنا پسند نہیں کرتے۔ سلسلہ بیان میں طوالت ہوتی جاتی ہے۔ رسالہ الآل والاصحاب دفتر اصلاح۔ کھجوہ۔ ضلع سارن سے منگا کر ملک و قوم کے ہر طبقہ کو

گوشہ میں شائع ہو چکا ہے۔ جن حضرات کو تحقیق حالات صحابہ کرام منظور ہو۔ اور وہ کسی وجہ سے عربی کتب رجال و سیرت کے تفحص و تجسس سے مجبور ہوں۔ وہ اس رسالہ سے بہت کچھ مستفیض ہو سکتے ہیں۔

بحث مجہولیت کے خاتمہ پر ہم علامہ ابن الحدید معتزلی شارح نہج البلاغت کی عبارت ذیل میں نقل کر دیتے ہیں۔ جس میں علامہ موصوف نے چند صحابہ اور تابعین وضاعین حدیث کے نام بتلائے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔

ان معویۃ وضع قوما من الصحابۃ وقوما من التابعین علی روایۃ اخبار قبیحۃ فی علی یقتضی الطعن فیہ والبراءۃ منہ وجعل لھم علی ذلک جعلا یرغب فی مثلہ واختلفوا ما ارضاہ منھم ابو ھریرۃ وعمرو ابن عاص والمغیرۃ بن شعبۃ ومن التابعین عروۃ بن الزبیر۔

معاویہ نے صحابہ میں سے ایک قوم کو اور تابعین میں سے ایک قوم کو حضرت علی کی شان میں روایات قبیحہ بنانے کیلئے مقرر کیا۔ جن روایتوں سے آپ کی شان کی تنقیص ہو اور جن سے آپ کے ساتھ برائت ظاہر ہوتی ہو۔ اوس کی خواہش کے مطابق بہت سے ایسے جعل بنائے گئے۔ جو لوگ اس کام پر خاص طور پر مامور تھے۔ وہ صحابہ میں سے ابوہریرہ۔ عمرو عاص اور مغیرہ ابن شعبہ اور تابعین میں عروہ ابن زبیر تھے۔

تابعین میں واضعین حدیث مرقومہ بالا شواہد سے ہم نے صحابہ کرام کے طبقہ میں چند بزرگوں کے حالات بالاختصار لکھ دیئے جن پر وضع حدیث کا الزام قطعاً ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم تابعین کے حلقہ سے چند بزرگوں کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

امام زہری ان بزرگ کے تعلقات سلطنت کی نسبت ہم شبلی صاحب کی اعترافات سے کافی طور پر اوپر لکھ آئے ہیں۔ جس سے زائد تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کی وہ تحریر جو شاہ صاحب نے شرح مشکوٰۃ شریف کے رجال کی نسبت قلمبند فرمائی ہے اوس میں امام زہری کے متعلق مفصلہ ذیل الفاظ و عبارت درج ہیں۔

یقال انہ ای الزھری مبتلی بالصحبۃ الامراء اعانات الدنیا نیۃ لضرورات المعیشۃ لاعطاء والزھاد یاخذون علیہ وینکرون ذلک منہ وکان یقول انا شریک فی خیرھم دون شرھم فیقولون الا تری ما ھم فیہ وتسکت

زہری بوجہ قلت دیانت ضروریات امراء (خلفائے بنی امیہ) کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اونکے ہمعصر علماء و زہاد نے اون سے ترک تعلق کیا اور معترض ہوئے کہ تم سلاطین و امراء غیر محتاط سے معاشرت رکھتے ہو تو جواب دیا کہ میں اونکے امور خیر میں شریک ہوں اور معاملات شر سے بچا ہوں اسپر علماء نے کہا کہ اون کی صحبت میں بارہا گراموں کروہات کا دیکھنا اور اسپر سکوت اختیار کرنا۔ یہ جرم کیا کم ہے۔

انھیں کے ہم خیال اور ہمکلام - زبیر ابن عروہ - اسحق ابن راہویہ - شیث ابن ربعی - عمران ابن خطان وغیرہم ایک کثیر التعداد جماعت - وضعی حدیثوں کی صناعت میں شب و روز مشغول و مصروف تھی - ان کی وضعی حدیثوں کی ایک مختصر سی فہرست ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں جس سے حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے -

پہلا راوی حدیث	دوسرا راوی حدیث	مضمون اصل حدیث	ترجمہ حدیث
عروہ ابن زبیر	زہری	روی الزہری عن عروۃ ابن زبیر قال حدثنی عائشہ قالت کنت عند رسول اللہ صلعم اذ اقبل العباس و علیؑ فقال یا عائشہ ان ہذین یموتان علی غیر ملتی او قال دینی	زہری عروہ ابن زبیر سے بیان کرتے ہیں کہ عروہ کا بیان ہے کہ ہم سے عائشہؓ نے کہا کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلعم کے پاس تھی کہ سامنے سے عباسؓ اور علیؑ آتے ہوئے دکھلائی دئے تو آنحضرت صلعم نے مجھ سے کہا کہ اے عائشہ یہ دونوں میری ملت کے سوا دوسری ملت پر مرینگے بعض کا قول ہے کہ ملت کی جگہ دین فرمایا گیا تھا۔
زہری	عبدالرزاق	روی عبدالرزاق عن معمر قال کان یقول عند الزہری حدیثان عن عروۃ عن عائشہ فی علی فسألتہ عنہما یوما فقال ما تصنع بہما و بحدیثہما اللہ اعلم بہما انی لاتہمہما فی بنی ہاشم قال فاما الحدیث الاول فقد ذکرناہ واما الحدیث الثانی فہو ان عروۃ تزعم ان عائشہ قالت کنت عند النبی اذ اقبل العباس و علی فقال یا عائشہ ان سرک ان تنظری الی الرجلین من اہل النار فانظری الی ہذین قد طلعا فنظرت فاذا العباس و	عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے کہ زہری کے پاس عروہ کی زبانی عائشہ سے حضرت علی کی نسبت دو حدیثیں ہیں - میں نے ایک دن زہری سے ان دونوں حدیثوں کو پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اونکو نہ لکھنا اور نہ بیان کرنا - اونکا حال خدا کو معلوم ہے - کیونکہ ان دونوں میں بنی ہاشم پر اتہام ہے - ایک تو وہی حدیث ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور دوسری یہ ہے جیسا کہ عروہ کا زعم ہے کہ عائشہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک دن رسولخدا صلعم کے پاس تھی کہ آپ نے مجھ سے بطور راز فرمایا کہ اگر تم اہل دوزخ کو دیکھنا

		علی ابن ابیطالب	چاہو تو ان دونوں کو دیکھ لو اس کے بعد فوراً ہی دو آدمی آتے ہوئے معلوم ہوئے وہ عباس اور علی ابن ابی طالب تھے۔
عمر ابن عاص	بخاری و مسلم	اما عمر عاص فروی عنه الحدیث الذی اخرجه البخاری و مسلم فی صحیحهما مسندًا و متصلًا بعمر ابن عاص قال سمعت رسول الله ان آل ابی طالب لیسوا لی اولیاء انما ولی الله و صالح المؤمنین	بخاری و مسلم نے بسند متصل عمر عاص سے اپنی اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ عمر عاص کا بیان ہے کہ میں نے جناب رسولخدا صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابی طالب کی اولاد میرے دوست نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ولی اللہ ہیں اور مومنین صالحین۔
ابوہریرہ ایضاً زہری	زہری مسور ابن مخرمہ	واما ابو هریرة فروی الحدیث الذی معناه ان علیًا خطب ابنة ابی جهل فی حیوة رسول الله فاسخطه فخطب علی المنبر فقال لاهل الله لا یجتمع ابنة ولی الله و ابنة عدو الله ان فاطمة بضعة منی یوذینی ما یوذیها فان کان علی یرید ابنة ابی جهل فلیفارق ابنتی و لیفعل ما یرید او کلامًا هذا معناه و الحدیث مشهور من روایة الکرابیسی قلت هذا الحدیث ایضًا مخرج فی صحیحی البخاری و مسلم عن المسور بن مخرمة عن الزهری و ذکره المرتضی فی کتابه المسمی بتنزیه الانبیاء	ابوہریرہ سے وہ روایت مروی ہے جسکے معنی ہیں کہ حضرت علیؑ نے دختر ابی جہل کی خواستگاری کی۔ زمانہ حیات رسول صلعم میں۔ آنحضرت صلعم کو یہ امر بہت ناگوار گذرا اور آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ میں ارشاد کیا کہ خداوند عالم کبھی اس امر کو پسند نہیں کرتا کہ ایک دوست خدا اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں باہم مجتمع ہوں۔ فاطمہ میری بضعۂ عصمت ہے جس نے اسکو ایذا دی اوس نے مجھکو ایذا دی اور اگر تمہارا ارادہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ہو چکا ہے تو میری لڑکی سے مفارقت اختیار کرو۔ پھر جو چاہو کرو۔ ابن ابی الحدید معتزلی اتنا لکھکر بتلاتے ہیں کہ یہ روایت بالمعنی کرابیسی سے مروی ہے اور شیخین بخاری و مسلم نے اسکو مسور بن مخرمہ سے بطریق زہری نقل کیا ہے۔

ابوہریرہ	بخاری	ان النبی صلعم امر علیا بالتہجد فقد ابی الخ (ماحصل)	جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو نماز تہجد پڑھنے کا حکم دیا اونہوں نے قطعی انکار کر دیا۔
حریز ابن عثمان سفیانی	اسمٰعیل ابن عیاش (رقاوحاً)	عن اسمٰعیل ابن عیاش سمعت حریز ابن عثمان تقول هذه الذی یرویه الناس عن النبیؐ صلعم انه قال لعلیؓ انت بمنزله هارون من موسیٰ حق ولکن اخطاء السامع قلت ما هو فقال انما هو انت منی بمنزلة قارون من موسیٰ قلت عمن ترویه قال سمعت الولید ابن عبد الملک وهو علی منبر	اسماعیل ابن عیاش کہتے ہیں کہ حریز ابن عثمان کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث صحیح جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہاری منزلت میرے آگے ویسی ہی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے آگے حضرت صلعم نے اسے یوں فرمایا تھا کہ (نعوذ باللہ) تمہاری منزلت میرے آگے ویسی ہی ہے جیسی قارون کی موسیٰ کے آگے۔ اسمٰعیل کہتے ہیں میں نے حریز سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی تو اوسنے کہا ولید ابن عبد الملک سے اور ایسی حالت میں کہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا۔
ایضاً	ازدی (رقاوحاً)	حکی الازدی فی الضعفاء ان النبیؐ صلعم اراد ان یرکب بغلته جاء علیؓ فحل حزامه البغلة لیقع النبیؐ صلعم۔	ازدی اپنی کتاب الضعفاء میں بیان کرتے ہیں کہ حریز نے بیان کیا کہ ایک بار جناب رسول خدا صلعم نے اپنے خچر پر سوار ہونا چاہا تو علی نے آکے خچر کی لگام کھول دی کہ حضرت گر پڑیں۔
خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص	ہارون ابن عبد الملک ابن الماجشون	قال السید ابوالحسین یحیی فی کتابه اخبار المدینه حدثنا هارون ابن عبد الملک بن الماجشون قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص وهو ابن مطیرہ علی منبر رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم جمعة شتم النبی صلعم	علامہ سید ابوالحسین یحیی اپنی کتاب اخبار مدینہ میں لکھتے ہیں کہ ہارون ابن عبد الملک ابن ماجشون کا بیان ہے کہ جب خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص آیا تو اوس نے منبر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھ کر جناب رسول خدا اور حضرت علی سلام اللہ علیہما کی شان میں کلمات ناشائستہ کہے اور از انجملہ یہ بھی بیان کیا کہ

		وشتم علیاً وقال استعمل محمدٌ علیاً وھو یعلم ان علیاً خائن ولکن شفعت لہ ابنتہ (کذا فی ینابیع المودۃ فی القربیٰ)	آنحضرت صلعم نے علی کو اکثر مقامات کا عامل مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ علی خائن ہے۔ لیکن اس امر میں اون کی صاحبزادی برابر سفارش کیا کرتی تھیں۔ (ماحصل از ینابیع المودۃ فی القربیٰ)

یہ وضعی حدیثوں کی صورت حال کا نہایت مختصر سا نقشہ تھا۔ جو اوپر لکھ کر دکھلا دیا۔ ہر شخص اسی سے وضع حدیث کی کثرت۔ واضعین حدیث کی شخصی حیثیت۔ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ عام منافرت اور اون نفوس مقدسہ کی ذاتی عظمت اور مدارج و مراتب کی ذلت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ہم مزید اطمینان کے لئے مفصلہ ذیل صرف دو مثالیں اور نقل کرکے یہ دکھلا دیتے ہیں کہ ان کی عظمت یا ان کی اقتدا و متابعت کا شرف و افتخار کہاں تک اوس زمانہ کے اہل اسلام حاصل کرتے۔ وہ انکا نام لینا تو چاہتے ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان کے نام اور ان کے ذکر تو امرا و خلفا کی صحبتوں اور مجلسوں میں بطور استہزا اور لطافت طبع پیش کئے جاتے تھے۔ اور اس وسیلہ سے امرا و خلفائے اسلام سے بڑے بڑے تحائف اور انعام حاصل کئے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو ذیل کا واقعہ

امام الحرمین سید علی المدنی اپنی کتاب طبقات الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان انسانا وقف للحجاج وقال لہ جدّ للاصمعی عبد الملک ابن قریب نصلکم بہ ایھا الامیران اھلی عقونی فسمّونی علیا و انی فقیر بائس وانا الی صلۃ الامیر محتاج فتضاحک لہ الحجاج وقال للطف ما توسلت بہ قد ولّیناک موضع کذا	ایک شخص حجاج کے پاس آیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ (امام) اصمعی کا دادا عبد الملک ابن قریب نامی تھا۔ یہ شخص زار زار گریہ کرتا ہوا اور فریاد کرتا ہوا آیا کہ امیر کی دہائی ہے۔ میرے گھر والوں نے مجھے عاق کر دیا اور میرا علی نام رکھدیا اور میں بالکل مرد فقیر ہوں کہ اب سوائے امیر کے صلہ و بخشش کے دوسرا کوئی سہارا نہیں رکھتا۔ حجاج اوسکے یہ کلام سنکر بے ساختہ ہنس پڑا اور خاص لطف و کرم سے اوسکو پاس بلاکر کہنے لگا کہ میں نے تیری امید توسل کے مطابق تجھکو فلاں مقام کا والی مقرر کیا۔

کیا اس سے بھی زیادہ کسی ممتاز قوم شخص کی توہین ہوسکتی ہے۔ اس سے بخوبی نتیجہ نکال لیا جا سکتا ہے کہ اہل اسلام اوسوقت اپنے واجب الاتباع خلیفہ چہارم کی اتنی اور ایسی وقعت و احترام کرتے تھے۔

تہذیب الکمال مزی میں مرقوم ہے :۔

فی تہذیب الکمال المزی وحاشیہ تذہیب التہذیب الکمال لصفی الدین الخزرجی قال قال یونس بن عبید سألت الحسن وقلت یا ابا سعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذلک لم تدرکہ وقال یا ابن اخی لقد سألتنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک ان فی زمان کما تری (وکان فی عمل الحجاج) کل شیء سمعتنی اقول رسول اللہ صلعم ہو عن علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا

تہذیب الکمال مزی اور اوسکے حاشیہ تذہیب التہذیب مولفہ صفی الدین خزرجی میں یونس ابن عبید سے منقول ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ تم رسول اللہ صلعم سے بلا واسطہ حدیثیں روایت کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے آنحضرت صلعم کا زمانہ نہیں دیکھا ہے۔ حسن بصری نے جواب دیا کہ تمنے اسوقت ایک ایسا سوال کیا ہے جو اس سے قبل کسی نے مجھ سے ایسا سوال نہیں کیا تھا اور اگر تم میرے معتمدین سے نہ ہوتے۔ تو میں تم کو کبھی نہ بتاتا سنو !
میں جسقدر حدیثیں اس طریق پر بیان کرتا ہوں کہ فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے حقیقتاً سب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مرویات سے ہیں۔ مگر جیسا کہ زمانہ ہے وہ تم دیکھتے ہو۔ (یہ زمانہ حجاج کی امارت و حکومت کا تھا) او اس زمانہ میں میں علی کا ذکر بھی نہیں کرسکتا۔

حسن بصری سکے ایسا صاحب اثر اور مقتدر بزرگوار۔ جو منصب شریعت اور مسند ولایت دونوں کا دعویدار تھا۔ صرف سلطنت کے خوف سے اتنا مجبور تھا کہ علی کا نام لینے یا ذکر کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا تھا۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔

قال ابوعبد الرحمان مقری کانت بنو امیہ اذا سمعوا بمولود اسمہ علی قتلوہ

ابوعبد الرحمن مقری کہتے ہیں کہ بنی اُمیہ جب سنتے تھے کہ کسی لڑکے کا نام علی رکھا گیا ہے تو اوسکو قتل کروا لیتے تھے۔

اس سے بڑھکر اس نفس قدسی برکت کی اور کیا ذلت و توہین ہوسکتی ہے کہ اوسکا نام لینا اوسکے نام پر نام رکھا جانا۔ قابل قتل جرم قرار دیا گیا تھا۔ اور پھر بھی اسلام۔ اسلام تھا اور اہل اسلام اہل اسلام ہونے کا دعوی رکھتے تھے اور تمام صحابہ و تابعین کرام اور علمائے علام انہیں کی تائید و تاکید میں اپنے فتاوے و احکام نافذ فرماتے تھے۔

دورۂ عباسیہ میں محدثین اور احادیث پر سلطنت کا اثر

دورۂ امویہ میں جو محدثین اسلامی اور احادیث نبوی کی خرابی ہوئی اوسکی مختصر سی کیفیت اوپر دکھلائی گئی۔ اب مفصلہ ذیل مضامین عہد عباسیہ کے علماء

اور احادیث کا مرقع ملاحظہ فرمایا جاوے۔

قاضی ابو یوسف

قاضی ابو یوسف صاحب، جو امام ابو حنیفہ کے بعد سواد اعظم حنفیہ کے امام اول ہیں۔ اون کی علمیت و افضلیت یا معرفت کیلئے ابن خلکان کی مفصلہ ذیل عبارت کافی ہے۔

ماکان فی اصحاب ابی حنیفه مثل ابویوسف لولا ابویوسف ما ذکر ابی حنیفه

ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی ابو یوسف کا مثل نہیں تھا اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو کوئی ابو حنیفہ کا نام بھی نہ لیتا۔

ایسی عالم متبحر کی سلطنت پرستی تاریخ الخلفاء سیوطی کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

ہارون الرشید کے دربار میں قاضی ابو یوسف کا مسئلہ

عن ابن المبارك قال لما افضت الخلافة الى الرشيد وقعت فی نفسه جارية من جواری المهدی فراودها على نفسها فقالت لا اصلح لك ان اباك قد طاف بی فشغف بها فارسل بها الى ابی یوسف العندك فی هذا شئ فقال یا امیر المؤمنین اوكلما ادعت امة شيئا ينبغی ان تصدق لا تصدقها فانها ليست بمامونة قال ابن المبارك فلم ادر ممن اعجب من هذا الذی قد وضع يده فی دماء المسلمين واموالهم يتحرج عن حرمة ابيه او من هذه الامة التی رغبت بنفسها عن امير المؤمنين او من هذا الفقيه الارض وقاضيها قال اهتك حرمة ابيك واقض شهوتك

ابن مبارک سے منقول ہے کہ جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اپنے باپ کی ایک لونڈی پر فریفتہ ہوگیا۔ اور اوس سے مقاربت کی خواہش ظاہر کی لونڈی نے کہا کہ میں تمہارے لئے حلال نہیں ہوسکتی کیونکہ تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں مگر ہارون الرشید کا شوق ایسا شدید تھا کہ اوس نے اوسی وقت قاضی ابو یوسف کو بلا کر کہا کہ اس لونڈی کے حلال ہونے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ لونڈی جو کچھ کہے اوس کو سچ باور کر لینا چاہیئے؟ ہرگز نہیں۔ آپ اس کی بات کو نہ مانئے کیونکہ وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کس پر تعجب کروں۔ آیا اوس بادشاہ پر جس نے اپنے باپ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا یا اوس لونڈی پر جس نے بادشاہ کی خواہش سے انکار کیا یا قاضی صاحب فقیہ زمانہ پر جنہوں نے ہارون الرشید کو اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کرے اور اپنی خواہش نفسانی کو پورا کرے

سلطنت پرستی کی دوسری مثال

قاضی ابو یوسف کی سلطنت پرستی کی ایک اور مثال اوسی تاریخ الخلفاء سیوطی میں حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

قال عبد الله ابن یوسف قال الرشید لابی

عبد اللہ ابن یوسف سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے

یوسف انی اشتریت جاریۃ و اریدان اطاءھا الآن قبل استبرا فھل عندک حیلۃ قال نعم تھبھا بیعض ولدک ثم تزوّجھا

ایک لونڈی خرید کی ابو یوسف سے کہا کہ میں بلا انتظار استبراء اس اسی وقت مقاربت کرنا چاہتا ہوں، تمہارے پاس اسکے جواز کا کوئی حیلہ ہے۔ ابو یوسف نے کہا ہاں۔ آپ وہ لونڈی اپنے کسی صاحبزادہ کو ہبہ کردیں اور پھر اوس سے عقد فرمالیں۔

کیا یہ واقعات فقہاء و علماء کی زبان و قلم کو شمشیر ہائے سلطنت سے بالکل دبا ہوا ثابت نہیں کرتے؟ کیا شریعت اسلامی کی توہین و ذلت اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے کہ اوس کے جواز محارم کے لئے احکام شرعیہ کی جگہ حیلے تلاش کئے جاتے ہیں اور علماء سے علام اجرائے فتاوی کی جگہ حیلہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ کیا شبلی صاحب اگر یہی حقیقت ہیں تو سواد اعظم احناف میں قاضی ابو یوسف سے بڑھکر کسی دوسرے فقیہ و عالم کی اعلمیت و جامعیت کی مثال دکھلا سکتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف صاحب اور سلطنت کے ساتھ لگاؤ۔

یہاں تک تو سلطنت کے دباؤ کی مثالیں پیش کی گئیں اب حکومت سے لگاؤ کی مثالیں بھی ذیل میں ملاحظہ کی جائیں۔ اوسی تاریخ الخلفاء میں اسحاق ابن راہویہ معتبر ترین رواۃ صحیح بخاری کے اسناد سے مرقوم ہے۔

عن اسحٰق ابن راھویہ قال دعا الرشید ابویوسف لیلاً فافتاہ فامرلہ بمائۃ الف درھم فقال ابویوسف ان رای امیرالمومنین بتعجیلھا قبل الصبح فقال عجلوھا فقال بعض ان الخازن فی بیتہ والابواب مغلقۃ فقال ابویوسف فقد کانت الابواب مغلقۃ حین دعانی ففتحت۔

اسحاق ابن راہویہ سے مروی ہے کہ ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف کو رات کے وقت بلایا اور اوس سے فتوی پوچھا اور اون کو ایک ہزار درم دئے جانے کا حکم دیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ امیرالمومنین یہ رقم مجھے اسی وقت مل جانی چاہیئے۔ کسی شخص نے کہا کہ خزانچی اپنے گھر ہے اور تمام شہر کے دروازہ بند ہوچکے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب میں بلایا گیا تھا تو اسوقت بھی تمام دروازے بند ہی تھے جسطرح پہلے کھولے گئے تھے اسیطرح اسوقت بھی کھل جائنگے۔

قاضی صاحب داخل دربار کیسے ہوئے اور دارالخلافہ بغداد کے قاضی القضاۃ کیونکر بنے

قاضی صاحب دربار شاہی میں داخل کیسے ہوئے اور بغداد کے قاضی القضاۃ کیونکر بنے۔ اوس کی دلچسپ اور رنگین کیفیت ذیل میں ملاحظہ ہو جس کو ہم مولانا نعمت اللہ جزائری کی کتاب زہرۃ الربیع کے فارسی ترجمہ سے اردو میں خلاصہ کرکے لکھتے ہیں۔

قاضی ابو یوسف ابتدائے ایام میں نہایت تنگی اور عسرت سے بسر کرتے تھے۔ اور ہمیشہ محتاج و پریشان حال رہا کرتے تھے۔ اون کے مکان کے پاس ایک یہودی کا مکان تھا۔ اوس سے چاہا کہ اپنی

عمارت موجودہ میں کچھہ اضافہ کرے - ابو یوسف نے اوسے منع کیا - اوس نے بطور استہزا و تمسخر کہا کہ جب تمکو وہ دن نصیب ہوگا کہ تم بھی امرائے شاہی کی طرح اپنے تخت رواں پر سوار ہوکر اس طرف نکلوگے اور میری عمارت کے موجودہ اضافہ کی وجہ سے تمہاری سواری کے لئے راستہ تنگ ہوجائیگا تو میں اوسوقت اپنے اس اضافہ کو ہٹالونگا - ابو یوسف اپنی کمزوری اور مجبوری کے باعث اوس یہودی کے اس طعن آمیز مکالمہ کا کوئی جواب نہ دیسکے - خاموش ہو رہے - تھوڑے دنوں کے بعد ابو یوسف کا ستارہ ظلمت زوال سے نکلکر شرف اقبال پر آگیا - اوس کی حقیقت یوں ہے کہ ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا - زبیدہ کی کنیزوں میں سے کسی ایک کنیز پر ہارون کی طبیعت آگئی - اوس نے اُسے بلایا - اوس کنیز نے پہلے زبیدہ کی ملکیت خاص کا عذر معقول دکھلاکر انکار کیا - مگر پھر ہارون کے شاہی اقتدار سے مرعوب ہوکر اوس کے قریب آگئی - مگر خدا جانے ہارون کو کیسی صلاحیت آگئی کہ وہ اُس کے ساتھ اپنے ارادہ وقصد سے باز رہا - مگر ؎

حسن وہ ہے جو ہے سیکڑوں پردوں میں نہاں عشق وہ ہے جو کسی حال میں پنہاں نہ رہے

زبیدہ کو ہارون کی اس دزدیدہ نگاہی کی خبر لگ ہی گئی - نہایت برہم ہوئی - اور ہارون کو بلا کر کہنے لگی اے جہنمی - یہ کیا حرکت تھی - میرے پاس سے چلا جا - میں تیری صورت کو دیکھنا نہیں چاہتی ہارون کو بھی اپنے اقتدار شاہی کا تاؤ آہی تو گیا - اور اپنے بیحد غصہ کی حالت میں کہنے لگا کہ جا میں نے تجھے آج سے طلاق دے دی -

غصہ کی بے لطفانہ حالتوں میں جانبین سے تو خطاب وعتاب ہو گئے - مگر پھر تھے تو زبیدہ اور ہارون ہی ؎ زجانان تا بہ کے باشد کشیدن - تھوڑی ہی دیر کے بعد رنجشوں کے پردے طرفین سے اٹھ گئے - تو دونوں میں سے پھر کوئی بھی ایک ساعت کی مفارقت کو گوارہ نہ کرسکا - اور فوراً پچھتی اور باہم یکجائی کی کوشش کرنے لگے - ہارون کو اتنی احتیاط شرعی کی کہاں پروا - مگر ہاں زبیدہ کو البتہ ہارون کی قسم شرعیہ اور مسئلہ طلاق کے اجرا کا خیال دل سے لگا تھا - اور اس بنا پر وہ تا وقت رجوع ہارون سے یکجائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوئی -

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر - بالآخر ہارون نے ضرورت سے مجبور ہوکر یا زبیدہ کے خاص اصرار سے مامور ہوکر علمار کی مجلس شوریٰ مجتمع کی اور اوس میں یہ مسئلہ پیش کیا اور سارا قصہ بیان کردیا اس جلسہ میں ابو یوسف بھی تھے " تمام علمار خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دے سکے نہیں معلوم وہ علمار کیسے تھے اور اون کی جامعیت کیسی تھی - جو ہارون کے اس مسئلہ معمولی کا بھی جواب

نہ دے سکے حالانکہ صورت مسئلہ اطلاق طلاق رجعی تک کیا اجراے حکم ظہار کے نصاب مقررہ تک بھی نہیں پہونچی تھی۔ علماے اعلام کی خاموشی اور سکوت کی وجہ وہی سلطنت کا دباؤ اور سلطان کی رضا جوئی تھی اور وہ حضرات اسی بناء پر اس مسئلہ شرعی میں حکم خدا اور رسول صلعم کے اجرا سے پہلے بادشاہ کی استمزاج و استرضا کا انتظار فرماتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ اس امر خاص میں بادشاہ کی طبیعت کا میلان جیسا پایا جاوے ویسا حکم لگایا جاوے۔

وہ ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ ابو یوسف کو وقت پر سوجھ گئی اور خوب ہی سوجھی۔ فوراً اپنے مقام سے اوٹھے اور کہنے لگے یا ایہا الامیر آپ کے اس مسئلہ کا جواب میرے پاس ہے آپ پہلے یہ فرما دیجیے کہ آپ کی نیت اوس کنیز کی طرف بد ہوئی تھی یا نہیں۔ ہارون نے کہا البتہ۔ ابو یوسف نے کہا کہ تو پھر آپ جہنمی کیسے ہو سکتے ہیں؟

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى	جو شخص خدا کے عتاب کی وجہ سے اپنے نفس کو برائی سے بچاوے گا بہشت بریں اوسکی منزل ہوگی۔

اس پر تو نص قرآنی صادق ہے۔ اس حکم سے تو آپ جہنمی ہونے کے عوض بہشتی ثابت ہو سکے۔ اس بنا پر جب آپ کی نسبت جہنمی ہونے کا غضب آمیز خطاب عائد ہوا تو پھر آپ کی طرف سے اجراے طلاق کا عتابانہ جواب کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ یہ طلاق شرعاً کوئی چیز نہیں اور اس حالت میں زبیدہ کے ساتھ رجوع کی تکلیف ضروری نہیں۔ ہارون یہ جواب خاطر خواہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اوسی وقت ابو یوسف کو خزانہ شاہی سے اسی ہزار دینار انعام دلوائے اور دار الخلافت بغداد کا قاضی مقرر کیا اور حکم دیا کہ شاہی تخت رواں پر سوار کر کے ملازمین شاہی قاضی صاحب کو دربار سے اون کے گھر تک پہونچا دیں حکم کی دیر تھی۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ شاہی توشک خانہ سے ایک شاندار اور پر تکلف تخت رواں لایا گیا۔ قاضی صاحب اوس پر سوار ہوئے ملازمان شاہی نے نہایت عزت و احترام سے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قاضی صاحب کو گھر پہونچا دیا۔ جب قاضی صاحب کا تخت رواں اوس یہودی کے مکان تک پہونچا تو اتفاق وقت سے وہ یہودی کھڑا تھا۔ قاضی صاحب نے اوسے دیکھکر فرمایا کہ بھائی۔ اب تو حسب وعدہ اپنی تعمیر کے اضافہ کو ہٹا لو۔ یہودی انکا یہ عالم دیکھ کر سناٹے میں آگیا۔ مگر تمہارا زبان کا پکا وعدے کا سچا۔ اوس نے اسی وقت اپنے مکان کا وہ حصہ توڑ ڈالا۔ جسے اوس نے قبل میں بڑھا لیا تھا۔

زہرۃ الربیع مطبوعہ بمبئی جلد اول ص ٣٤٣

مرقومہ بالا واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ قاضی ابو یوسف صاحب کس حد اور مقدار تک سلطنت کے زیر اثر

اور دست نگر تھے سلطنت کو ان سے اور ان کو سلطنت کے ساتھ کیسے تعلق تھے اور کیسے لگاؤ۔ یہ بھی مسلم ہے کہ جب ان بزرگ کے ایسے اعلم العلماء اور اعظم الفقہا و محدثین کی اتباع و منقاد حکومت کی یہ کیفیت ہو تو عموماً علما و محدثین کی متابعت و مطابقت کی کیا حالت ہو گی۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

قاضی ابو یوسف کی طرح ابھی اور حضرات کے حالات و واقعات بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔ معتصم اور متوکل عباسی کے زمانہ حکومت میں قاضی یحییٰ ابن اکثم کے حالات و تعلقات سلطنت بھی اسی کی مثال ہیں۔ مگر ہم اون کی تفصیل کو زائد از ضرورت سمجھ کر قلم انداز کرتے ہیں حقیقتاً ہمکو ان امور کے انکشاف حقیقت کی چنداں ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ شبلی صاحب تو خود اصل مدعائے بحث کا اعتراف فرما چکے ہیں۔ امام زہری کی نسبت وہ خود لکھ کر اقرار کرتے ہیں کہ امام صاحب سنہ ۸۰ ہجری میں عبد الملک ابن مروان کے دربار میں گئے۔ اوس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر ابن عبد العزیز کی ہدایت کے مطابق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے ہشام ابن عبد الملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ دیباچہ ص ۱۵

پھر دیباچہ ص ۱۶ میں بذکر محمد ابن اسحاق صاحب السیرت مرقوم ہے۔

امام زہری کے دروازے پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آنے پاوے۔ لیکن محمد ابن اسحاق کو اجازت تھی جب چاہیں چلے آئیں۔" محدث۔ فقیہ۔ اور محقق کا دار العلوم اور رجوع عامہ سے امتناع سخت تعجب ہے۔ مگر حقیقت حال بتلاتی ہے کہ وہ محدث و فقیہ نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اپنے سلطان وقت کے مقرب اور اطفال شاہی کے معلم تھے۔ اور اس شان کے اظہار و اعلان کے لئے دربان۔ پاسبان اور میر سامان۔ غرض تمام ساز و سامان کی ضرورت تھی۔

امام زہری کے علاوہ۔ ان کے استاد ابو بکر محمد بن عمر بن حزم انصاری۔ مدینہ منورہ کے قاضی سعد ابن ابراہیم مدینہ کے قاضی اور بڑے محدث۔ عاصم ابن عمر ابن قتادہ وغیرہ امثالہم شبلی صاحب کے اقرار کے مطابق۔ یہ تمام حضرات اتباع سلطنت کے ایک ہی رشتہ سے وابستہ تھے۔

مگر شبلی صاحب نے احادیث اور علمائے احادیث کی بدعنوانیوں کا آغاز بنی امیہ کے وقت سے قائم کیا ہے۔ اور معاویہ سے لیکر تمام خلفائے بنی امیہ کو ان مفسدات کا باعث بتلایا ہے اور انھیں کو ملزم و مجرم ٹھہرایا ہے اور پھر اس بدعنوانی کے سلسلہ کو خلفائے عباسیہ تک ظاہر فرمایا ہے۔ مگر ہم نے اس کی تنقید و تحقیق میں ان بدعنوانیوں کا باعث اس سے بھی قدیم پایا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ

حضرت عمرو ابن عاص۔ حضرت انس ابن مالک اور سمرہ ابن جندب وغیرہم۔ بڑے بڑے صحابہ کبار اور تابعین ذی مقدار کو واضعین حدیث ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ ہماری عبارت سے پہلے ظاہر ہو چکا ہے۔

یہاں تک تو ہمنے شبلی صاحب کے اس دعوے کی تردید میں کہ "مسلمانوں کا قلم شمشیر سلطنت سے نہیں دبا" مرقوم بالا ثبوت و شواہد پیش کردئے۔ جو ضرورت سے زیادہ کافی ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ بیان کے ایک دوسرے اور مفید پہلو کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

علما و محدثین کے ان اطوار نے قرآن و حدیث کو کس درجہ تک پہونچایا۔

اب ہم اپنے موجودہ بیان و تفصیل میں یہ دکھلاتے ہیں کہ ان علماے کرام اور فضلاے عظام نے سلطنت کے زیر اثر اور دست نگر ہو کر قرآن و حدیث کی کیا صورت قائم کی جن کے وہ اصل ترجمان تھے اور ذمہ دار شرح و بیان۔ ان بزرگوں کی طرف سے معانی قرآن اور مطالب احادیث میں جو غیر محدود خلط کی گئی اور اسکو صرف قیاس و ضرورت کی بنا پر تاویلات۔ تطبیقات اور تخصیصات وغیرہا کے مختلف اقسام کے اسامی و مصطلحات سے موسوم فرمایا گیا۔ اون سب کا بیان کرنا اور تحقیق و تنقید کے بعد اون کی اصل حقیقت کا انکشاف کرنا۔ اول تو ہمارے موضوع تالیف سے زاید ہے۔ دوم یہ کہ انہیں سے بعض بعض امور ضروری کی اصلیت ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے معلوم ہوجائیگی۔ اس بنا پر ہم اونکے انکشافات سے قطع نظر کرکے۔ اپنی موجودہ تفصیل بیان میں قرآن و احادیث کی بے حرمتی اور ناقدری کی وہ کیفیت دکھلاتے ہیں۔ جو ان بزرگوں کی اتباع و خوشامد سلطنت کی وجہ سے نہایت بدنما اور بیہودہ بازاری صورتمیں ظاہر ہوئی ہے۔ اور اسکی خاص وجہ سوائے اسکے دوسری ثابت نہیں ہوتی کہ ان حضرات نے آغاز ہی سے۔ خلفاء و امراء وقت کی خوشامد و خوشنودی کی ضرورت میں اگر ان علوم مقدسہ کو ایسا عام اور بازاری کرڈالا کہ ہر کس و ناکس اون کے احکام و ارشاد کی تفسیر و تطبیق کو اون کے خاص مقامات کے علاوہ۔ اپنی تمام ضروری اور غیر ضروری۔ قابل اور ناقابل جائز اور ناجائز۔ ضرورتوں کے وقت۔ بلا تامل استعمال کرنے لگا۔ حقیقتاً یہ علما و فقہا اگر قرآن و احادیث تعلیم و تلقین کو اپنے مقام خاص تک مشروط و محدود فرما دیتے۔ اور اون کی تخصیص کو تعمیم کے درجہ تک نہ پہونچاتے۔ تو امیر معاویہ صاحب اتنی کثیر التعداد جعلی حدیثوں کے بنوانے پر قادر نہ ہوتے۔ اون کے صاحبزادے یزید ابن معاویہ قرآن و احادیث کے احکام و ارشاد کو پس پشت رکھ کر محرمات شرعیہ کے حلال ہونے کا اس دلیری سے تمام ممالک اسلامیہ میں حکم نہ فرماتے۔ ولید صاحب قرآن پر تیر باراں نہ کرتے۔ اپنی دختر ناکتخدا کی ازالہ بکارت نہ فرماتے۔ اپنی معشوقہ حبابہ یا نورا لصباح کے مردہ جسم کے ساتھ مقاربت نہ کرتے۔ حالت جنب میں جامع مسجد میں اپنی کنیز خاص سے امامت

نہ کرواتے سقفِ کعبہ پر بیٹھکر مے نوشی کے جلسے جمانے کا قصد و جرأت نہ فرماتے۔

یہ انھیں علما و فقہا کی چشم پوشی تھی اور خلفا کے ان کیفر کرداریوں کی طرف سے گراں گوشی ان کی چشم پوشی اور پنبہ بگوشی کا خاص سبب وہی سلطنت کے زیر اثر اور اوسکا قطعاً دست نگر ہونا تھا۔ اور زیر اثری اور دست نگری کا باعث اون کی شکم پروری تھی۔

دورۂ بنی امیہ تک ان ناگفتہ واقعات کی نسبت اگر یہ عذر کیا جاوے کہ قوم حضیض جہالت سے نکلکر اوج علم و تہذیب تک نہیں پہونچی تھی تو یہ عذر بدتر از گناہ سمجھا جاویگا۔ اور حدیث خیر القرون کی موضوعیت کو صاف صاف ثابت کردیگا۔ صرف اتنا ہی اشارہ کرکے ہم علمائے عہد بنی امیہ کے اطوار و کردار سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اب ہم اسلام کے خاص علمی زمانہ میں۔ جب خاص علوم اسلامیہ کے علاوہ ہر اقسام کے علوم و فنون۔ دیگر ممالک و اقوام کی زبانوں سے ترجمہ ہوکر ملک و قوم میں نہایت سرعت و وسعت سے پھیل رہے تھے۔ جب ملک عرب کا علمی آفتاب تمام دنیا کے ممالک پر ضو افگن تھا۔ جب اوسکے تمدن۔ تہذیب۔ ادب۔ غرضکہ تمام کمال و فضل کی شہرت اور ندرت تمام اقطاع عالم میں اپنی روشنی پھیلا رہی تھی۔ اوسوقت اور عین اوس عالم میں قرآن و حدیث کی خاص عظمت و حرمت کی کیا صورت قایم تھی۔ ہم صرف دو مفصلہ ذیل واقعات سے اسکا منظر پیش کرتے ہیں۔

ہارون الرشید اور قرآن کی عظمت ہارون الرشید کا دربار گرم ہے۔ خلیفہ کی خدمت میں دو کنیزیں لائی گئیں ایک بیوہ ہے ایک کنواری۔ مگر اپنے حسن و جمال کے اعتبار سے اون میں کوئی فرق یا تمیز نہیں کیجا سکتی تھی اور وہ بیوہ (ثیبہ) بھی اوس دوشیزہ سے اپنے حسن و جمال اور صورت بیمثال میں ہرگز کم نہیں تھی۔ خلیفہ عصر نے دربار اوٹھا یا۔ خلوت کرلی۔ دونوں شاہدان پری پیکر کو پہلو میں بٹھا لیا۔ چشم زدن میں بقدر یکشتک دونوں پر فریفتہ ہوگیا۔ مگر دونوں کی دلربائی و رعنائی کی یکتائی کی وجہ سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی سبیل اوس کو نہ مل سکتا تھا۔ دیر تک دونوں حسینان ماہوش کو بٹھلائے رکھکر خیال بخیال اور مو بمو دونوں کے حسن و زیبائی کے مرقع کو دیکھتا رہا۔ حسن و عشق کے امتحان لیتا رہا۔ مگر کوئی فرق اور کوئی نتیجہ نہ پا سکا۔ وہ شاہدان آئینہ رخسار بھی خلیفہ عہد کی منظور نظر ہونے کے شوق و تمنا میں فیصلہ شاہی کا نتیجہ سے انتظار کررہی تھیں اور خلیفہ عصر کے ششش و پنج کی وجہ کو بھی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

جب بادشاہ کے غور و تامل کو حد سے زیادہ عرصہ گذر گیا تو اون میں سے ایک پریرو نے

ہارون رشید کو مخاطب کرکے کہا کہ یا ایہا الامیر۔ اتنے طول وطویل غور وفکر فرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ میں ایک زن شلیطہ ہوں اور میری بہن باکرہ ہیں۔ مجھ میں اور ہارون میں تو صرف ایک ہی شب کا پردہ حائل ہے۔ صبح ہوئی۔ اور وہ پردہ اُٹھ گیا۔ پھر تو یہی ہماری کا ہی اسی ہوگئیں۔

یہ سن کر اوس دوشیزہ مہوش نے جواب دیا۔ یا ایہا الامیر۔ میری بہن نے جو کچھ کہا وہ بالکل سچ ہے۔ مگر اس سچ کہنے سے پہلے اون کو سمجھ لینا چاہتا تھا کہ گو وہ ایک ہی رات سہی۔ مگر کیسی ہے۔ ایسی ہی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے خیر من الف شھر قدر وقیمت میں ہزار مہینوں سے بہتر (نعوذ باللہ) ہارون رشید بمصداق اینکہ ؎ بساکیں لطف از گفتار خیزد۔ اسکایہ مدلل معقول اور برجستہ جواب سنکر ہزار جان سے اوس کا فرادا پر فریفتہ ہوگیا اور فوراً اوس کو اپنے محل شاہی میں داخل کرلیا۔

یہ صحبت عیش سلطانی اور استعمال وتطبیق آیات قرآنی۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت

ہارون الرشید اور عظمت قرآن کی دوسری مثال

اسکی دوسری مثال باعتبار رکاکت اور شُستگی کے لطیف تر ہے۔

ہارون الرشید ایک بار ہیجان شہوت کی حالت میں سوتے سے جاگ پڑا۔ اتفاق سے کوئی کنیز اوسوقت اوسکے پہلو میں موجود نہ تھی۔ بےچین ہوکر خلوت سے باہر نکل آیا۔ اور محل شاہی کے گوشوں میں اپنے شاہد مدعا کو تلاش کرنے لگا۔ اس تجسس وتلاش میں اوس نے ایک کنیز کو ریشمی چادر اوڑھے مشغول خواب پایا۔ ہارون کے آتے ہی وہ بیدار ہوگئی تو امیر المومنین کو سر تا کھڑا پایا۔ ہارون نے اظہار مدعا کیا۔ اوس نے عذر نسائیہ کی معقول اور وجہہ خاص دکھلاکر اپنی مجبوری بیان کی۔ مگر ہارون کی آتش نفسانی ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح اوس پر ضبط وصبر کا پانی نہ ڈال سکا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس نے اوس کے ساتھ خلاف وضع فطری مرتکب ہونا چاہا اور مجامعت کو اغلام سے متبدل کرنے کی تجویز ٹھہرائی۔ اوس کنیز نے امیر المومنین عہدہ کو اس حرکت بہیمیہ سے باز رکھنے کے لئے کہا کہ یا ایہا الامیر اتوھن من حیث امرکم اللہ "عورتوں سے وہی فعل کرنا چاہیئے جس کا خدا نے حکم دیا ہے" یہ سُن کر ہارون نے کہا کہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تم جس طرح چاہو اون میں کھیتیاں کرسکتے ہو۔ کنیز بولی۔ سچا ارشاد ہوتا ہے۔ مگر یہ آیہ منسوخ ہوچکا ہے۔ اور اسکا ناسخ واتوا البیوت من ابوابھا۔ گھروں میں دروازے سے آیا کرو موجود ہے۔

زہرۃ الربیع نعمت اللہ جزائری ص ۲۴۳

کس کس کی تعریف کی جائے۔ امیر المومنین کی نظر فی القرآن کی یا اوس کنیز کے تبحر فی الکلام کی مگر ہم تو تعریف کریں گے علمائے کرام کی۔ جن کی فیاضانہ تعلیم نے اصول تعمیم کی بدولت قرآن مجید

کے اقتباسات کی یہ ہُبکی اور توہین کرائی۔

ہم نے صرف تعلیم قرآن کی تعمیم سے جو خراب نتیجہ پیدا ہوا تھا۔ دو مثالیں بیان کر دی ہیں جن الفاظ وبیان کو ہم نے اور دوسری مثالوں سے کسی قدر مستدل۔ قریب التہذیب اور قابل نقل وتحریر سمجھا ہے۔ اور باقی حقیقتاً دوسری مثالیں حیوانیت اور نفسانیت کے مفصل دفتر میں اور جو کسی طرح ذکر کے قابل نہیں ہیں اون کو قطعاً مرفوع القلم کر دیا ہے۔

اہانت قرآن کے بعد۔ احادیث کے ساتھ جو استہزاء اور تمسخر کیا گیا ہے۔ اور واقدی۔ عروہ ابن زبیر۔ زبیر ابن بکار۔ عکرمہ۔ جاحظ عثمانی۔ اغانی۔ اور ابو النواس ملک الشعراء عباسی نے جن بدعنوانیوں اور بے ادبیوں سے اون کا استعمال کیا ہے۔ اونھیں کے تئے ادب اور گستاخ قلموں کے سوا نہ کسی دوسرے کے قلم کو اون کی نقل وتحریر کی قوت ہے اور نہ کسی کی زبان کو اونکی تفصیل و بیان کی قدرت۔ اون سے بالکل قطع نظر کی گئی ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ جب قرآن مجید کے ساتھ ان کے ایسے آزادانہ اور بے ادبانہ عمل ثابت ہوئی ہیں تو حادثیں تو قرآن ہی کی تفسیر ہوئی ہیں یا اور علی الاکثر۔ اونھیں سے ماخوذ ومستخرج ہوتی ہیں۔ دوسری یہ کہ ان میں سے چند بدعنوانیوں کو ہم عنقریب ایک جداگانہ عنوان سے بیان کرنیوالے ہیں۔ انشاء اللہ

اتنا لکھکر اور صرف قرآن مجید کے ساتھ اہل قرآن مجید کے ان عامیانہ اور گستاخانہ طرز عمل کو دکھلاکر اصل حقیقت کا انکشاف کلی کر دیتے ہیں کہ تحقیق اور تنقید مرقومہ بالا سے ان تمام معائب اور مناقص اور فضائح کا الزام حضرات عاملین فی القران والحدیث پر آکر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن و حدیث کے مطالب ومعانی کے بتلانے والے تنہا یہی بزرگوار ثابت ہوتے ہیں۔

صحابہ محتاطین | افسوس کہ ان حضرات نے ان کی تعلیم وتلقین میں اوس حزم واحتیاط کو ذرا بھی قائم نہ رکھا۔ جن کی نسبت انھوں نے اکثر صحابہ کبار اور محتاطین ذی اعتبار سے۔ جو اون کے ان علوم میں معلم واوستاد تھے۔ ہدایت خاص پائی تھی۔ اور جو عموماً تمام اسلامی کتب واخبار میں مرقوم و مذکور ہے۔ وہ تمام تر انھیں حفظ ما تقدم پر مبنی تھیں۔ جن میں سے ایک کو خود شبلی صاحب بھی صحیح مسلم کے اسناد سے ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

(قال النبی صلعم) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القران فلیمحہ	(فرمایا رسول خدا صلعم نے) مجھ سے جو سنو اسکو قلمبند نہ کرو بجز قرآن کے۔ اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اُسے مٹا ڈالو۔

یہ حکم کیوں دیا گیا تھا؟ فوراً سمجھ لیا جاتا ہے کہ عوام الناس کی افراط۔ تفریط۔ بے ادبی اور

بے ترکیبی کے آئیندہ خطرے اور اندیشے سے۔ زبان رسالت سے اس حکم امتناعی کو سن کر ایک مدت خاص تک اکثر صحابہ محتاطین نقل حدیث وغیرہ سے احتیاط کرتے تھے۔ شبلی صاحب۔ صحیح بخاری کے اسناد سے سائب ابن یزید کی مفصلہ ذیل روایت نقل فرماتے ہیں۔

صحبت عبد الرحمان ابن عوف. طلحۃ ابن عبد اللہ والمقداد وسعدا فما سمعت احدا منهم یحدث عن النبی صلعم الا انی سمعت طلحۃ یحدث عن یوم احد

میں عبد الرحمن ابن عوف۔ طلحہ ابن عبد اللہ۔ مقداد اور سعد (ابن ابی وقاص) کی صحبت میں رہا۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی حدیث رسول صلعم بیان کرتے نہیں سنا بجز اسکے کہ طلحہ غزوۂ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ دیباچہ ص ۱۲

مگر یہ صحابہ بھی تمام تر محتاط نہ تھے۔ اکثر حضرات نے انہیں سے آگے چلکر نقل حدیث کا کام شروع کر دیا تھا چنانچہ اس حکم امتناعی کے متعلق شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے۔ کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہ آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے صحیح بخاری باب العلم میں حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ حدیثیں کسی کو محفوظ نہیں تھیں۔ البتہ عبد اللہ ابن عمر مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت صلعم کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور میں لکھتا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی عادت تھی کہ آنحضرت صلعم سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت صلعم کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی میں اور تم سب لکھ لیا کرتے ہو۔ عبد اللہ ابن عمر نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو۔ اس سے جو نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اوس بیاض کا نام جس میں عبد اللہ ابن عمر نے آنحضرت صلعم کی حدیثیں قلمبند کیا کرتے تھے۔ صادقہ تھا۔ دیباچہ ص ۱۰

شبلی صاحب کی مرقومہ بالا عبارت سے اتنا معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلعم کی حدیثوں کی نقل کا آغاز آپ ہی کے زمانہ سے ہو گیا تھا۔ مگر اکثر صحابہ اسوقت بھی احتیاط و تامل سے کام لیتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری کے اسناد سے اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ نقل حدیث میں اس احتیاط کا اثر آنحضرت صلعم کے بعد بھی اکثر صحابہ میں باقی اور قائم رہا۔ چنانچہ شبلی صاحب بھی دیباچہ ص ۵۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جو صحابہ بہت محتاط تھے۔ حدیث کی روایت کرتے وقت اون کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔ سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں عمر ابن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ ابن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا تھا میں نے کبھی اون کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا۔ ایک دن اتفاق سے اون کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعتاً سر جھکا لیا۔ پھر میری نظر اون پر پڑی تو دیکھا کھڑے ہیں قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ گلے کی رگیں پھول گئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے یوں کہا۔ یا یوں کہا۔ یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں سال بھر رہا۔ لیکن میں نے اونکو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں سنا۔[عہ]

سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے سعد ابن مالک کے ساتھ مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا اس تمام راہ میں انھوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت صلعم سے روایت نہیں کی۔ حالانکہ وہ صحابی تھے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے والد ماجد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو اور صحابہ کی طرح روایت کرتے نہیں دیکھا اونھوں نے کہا میں جب سے اسلام لایا میں نے کبھی آنحضرت صلعم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ لیکن میں نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیئے کہ اپنا گھر آگ میں بنا لے۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے منبر پر ارشاد فرمایا ایاکم کثرۃ الحدیث عنی۔ خبردار۔ مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ بیان کرو"

دیباچہ ص ۷۵ میں تو بیان حدیث میں خود مخبر صادق علیہ السلام کے قول سے یہ حزم و احتیاط نقل فرمائی گئی ہے۔ اور پھر برخلاف اس حکم امتناعی تنبیہ عن الکثرت اور حزم و احتیاط بیان الحادیث اونھیں مرویات احادیث کی دیباچہ ص ۱۱ میں ان عبارت و الفاظ کے ساتھ یہ صورت قائم کی گئی ہے کہ:-

---

عہ شعبی صاحب کا عبداللہ ابن عمر کی نسبت عدم نقل حدیث کا بیان اور شبلی صاحب کا اوسپر اعتبار اور سند اوس کا اظہار ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اگر ابن عمر کا بھی طرز سکوت مانا جاوے تو پھر اتنی انکی مرویات کہاں سے ثابت کی جائینگی۔ شاید بیعت یزید کے قبل انکا یہ طرز عمل ہو۔ المولف عفی عنہ

آنحضرت صلعم کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ بنو العباس سے پہلے ولید ابن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایات کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ذہبی۔ سیر صفحہ ۱۴ میں مرقوم ہے۔

سعد ابن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ اون سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے۔ علامہ ابن عبد البر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔

عن سعد ابن ابراھیم امرنا عمر ابن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا

سعد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز نے ہمکو احادیث کے جمع کرنیکا حکم دیا۔ ہمنے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے۔ عمر نے جہاں جہاں انکی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔

بالکل ایسے ہی۔ ان سے قبل کے خلفاء و امراء نے تحریر و اجرائے احادیث میں، گو وہ تمام تر موضوعات ہی کیوں نہوں اپنی سطوت سلطانی کے اثر سے جیسی کوشش و تاکید کی وہ ہم امام مدائنی کے الفاظ و عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ تو اب زمانہ ابتدائے اسلام کی امتناع و احتیاط نقل حدیث کو جسے شبلی صاحب خود لکھ چکے ہیں۔ اس زمانہ کی کثرت حدیث اوس کا عامیانہ اور بیجا اور بیباکانہ استعمال سے جو شبلی صاحب کی اور نیز دیگر محققین کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔ ملایا جاوے تو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اصحاب مانعین نقل حدیث کا مدعا۔ حرمت قول رسول صلعم کا استحفاظ تھا۔ (جیسا کچھ اور جتنا کچھ بھی نہو) برخلاف ان کے ارباب مجوزین نقل حدیث کو۔ نقل و بیان حدیث کے اکثار سے بادشاہوں کے دربار میں اپنا اقتدار اور اسلامی امصار و دیار میں اپنے محدث ہونے کا اعتبار بڑہانا تھا جس کی اصل حقیقت کو شبلی صاحب نے تمام تر چھپایا ہے۔ امام زہری کے حالات میں صرف ان کے تعلق دربار اور ہشام کے معلم الاطفال کا اشارہ فرما دیا ہے۔ مگر آپ سے زیادہ۔ شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ شریف کے مقدمہ میں ان کے حالات کا انکشاف فرمایا ہے جس کا خلاصہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

واقدی کے حالات میں تو شبلی صاحب لکھ چکے ہیں کہ گویا وہ سلطنت کے ہاتھ بکا ہوا تھا۔ مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ واقدی ہی پر موقوف نہیں۔ باستثنائے معدودے چند۔ قریب قریب تمام معاصرا سلطنت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور کیونکر نہ ہوتے۔ زمانہ بدل گیا تھا۔ اور اوسی کے ساتھ

معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق اور مذاق سب کچھ متغیر ہو گیا تھا۔ احکام رسالت کے ساتھ عوض۔ فرامین
سلطنت اور نصاب شریعت کی جگہ قواعد سیاست واجب الاتباع تھے اور انھیں کے اتباع
پر گذران اوقات اور ضروریات حیات منحصر تھے۔ ضرورت خودداری اور دیانتداری کو قائم نہیں
رہنے دیتی تھی سطوت حکومت۔ خوف سلطنت ہر دم و ہر لحظہ گلوگیر تھا۔ راست گوئی کے جوہر کو
قتل و ہلاکت کا خوف زائل کر چکا تھا۔ حق جوئی اور انصاف امرا پرستی کے نذر ہو چکے تھے۔ اس بنا پر ان
حضرات سے کمال تدین و اعتبار کی امید و یقین محض بیکار ہے۔ یہ وظیفہ خواران سلطنت کہاں تک
احتفاظ دیانت کر سکتے تھے۔

خلافت راشدہ کے زمانہ ہی سے وظیفہ خواری کا عمل آغاز تھا۔ جو حضرت عمر کی خاص ایجاد تھی
اور ان تمام آیندہ مواد و فساد کی مورث۔ ایک وظیفہ خوار خلافت عبد الرحمان بن عوف نے مرنے کے
بعد اپنی اتنی دولت چھوڑی تھی کہ ان کی ایک زن مطلقہ کو جس کی حیثیت شانزدہ انہ مالیت میں
بنصاب شریعت آٹھویں حصہ سے بھی کم تھی۔ اسی ہزار دینار ملے تھے۔ بانا دکنز العمال مُلّا علی متقی تا:
موضوعات وقس علیٰ ھذا۔ توکل۔ قناعت۔ خودداری اور احتیاط کو قطعاً فراموش کر دیا جس کی
تعلیم وہ زمانہ رسول صلعم میں ایک مدت تک پا چکے تھے۔ اب وہ خلفائے عصر کی ان ماہانہ داد و
دہش اور نامشروع جہادوں کی غنیمت سے مالا مال اور فارغ البال ہونے کے عادی اور خوگر ہو چکے
تھے۔

رسول اللہ صلعم کے بعد جہاد و اجتہاد دونوں تباہ و برباد کر دیے گئے۔

اگر حقیقت بینی اور انصاف سے کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ اصول
تعمیم کی تقلید نے اسلام میں حکم جہاد و اجتہاد۔ دونوں کو تباہ و برباد کر دیا۔
اور ان دونوں عملیات اسلامی کی وہ ناگفتہ بہ حالت ہے کہ آج کل مخالفین و معاندین دین کے
جتنے حملات و اعتراضات اسلام پر وارد ہوتے ہیں۔ وہ انہیں دونوں امور کی بدعنوانی اور بے ترکیبیوں
کے باعث۔ اگر زمانہ رسالت کے عمل بالجہاد اور اوس کی تعمیل و اجرا میں حزم و احتیاط۔ اوس کے قواعد
نصاب پر نظر کی جاوے اور اون کو زمانہ خلافت کے جہاد کی عملی صورتوں سے ملایا جاوے۔ تو ثابت ہو جاتا
ہے کہ عہد رسالت کا جہاد بہ غایت مجبوریوں کے وقت اپنی حفظ خود اختیاری کی ضرورت سے دشمنوں
کے قاتلانہ حملات کا مدافعانہ جواب تھا۔ بخلاف اسکے زمانہ خلافت کا جہاد۔ توسیع ملک۔ ترقی اقتدار
حصول دولت۔ وصول غنیمت۔ اجرائے مدعا سے خودغرضی و نفسانیت کی بنا پر مبنی تھا۔ وہ ان صورتوں
میں جہاد شرعی کا حکم نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ ملک گیری کے عام معارک جنگ میں شمار ہوتے تھے۔

جہاد حصول دولت کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا

زمانہ خلافت میں - حصول دولت - وحصول غنیمت کا پورا ذریعہ بناکر اور مذاق زمانہ کے بالکل مطابق پاکر - فرائض اسلام میں سے ایک فرض جہاد کو بڑی اہمیت کے ساتھ واجب بالتفصیل سمجھ لیا گیا تھا اور امت اسلام کے ہر خاص وعام کا اسی پر جلد ر آمد قائم تھا - عرب کے تمام قدیم مشاغل بیکار و بار متروک کر دیئے گئے - یہاں تک کہ تجارت جو اونکا معیار قومیت تھی - قطعاً بند کر دی گئی - حقیقتاً اسلام میں دولت کیا آئی قیامت آئی - قناعت - توکل اور صبر رخصت ہو گئے - تلاش معاش - تمناے تمول اور فکر تعیش دامنگیر ہو گئی - جہاد حکم خداوندی تھا - اور ایک خاص حالت و صورت تک مشروط و محدود تھا - اوس کے اصل مقصد و مدعا کو بگاڑ کر - ملکی حملات اور جنگی تاخت و تاراج اور عام قتل و غارات کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا جس کی نظیر میں - عہد رسالت میں بنی خزیمہ پر خالد ابن ولید کا خود غرضانہ اور ظالمانہ حملہ - اوس پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت عتاب - اور درگاہ رب العزت میں (انی ابرأ الیک مما صنع خالد) فرمانا - جو کچھ خالد نے کیا میں اوس سے بالکل بری ہوں) کے ایسا معذرتانہ خطاب - ایک طرف رکھا جاوے - اسی کے مقابلہ میں انھیں خالد ابن ولید کا زمانہ خلافت میں مالک ابن نویرہ سے جہاد - اوس کے مال و آبرو کی ظالمانہ غارت - ان کے طرز عمل پر حضرت عمر کی خاص گرفت - دوسری طرف رکھی جاوے - تو جہاد شرعی و غیر شرعی اور اصلی و غیر اصلی کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ نصاب جہاد کی زیادتی اور شائبہ شدت کے موقع پر اوس حقیقی داعی کلمۃ اللہ اور اصلی مجاہد فی سبیل اللہ م روحی له الفداه کی تشویش - تردد - اور اضطراب کا کیا عالم ہو جاتا تھا - وہ اوسکے معذرتانہ قول اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد کے بار بار فرمانے سے ثابت ہے - اور پھر اوس کے مابعد کے طرز عمل سے بھی کما حقہ ہویدا و آشکار ہے - جو بنی خزیمہ کے خون ناحق کی دیت میں اوس نے اپنی جگہ پر اپنے خاص نفس نفیس - اپنی ذات خاص کے مماثل اور راہ خدا کے مجاہد کامل کو بھیجکر اپنی مالیت خاص سے اونکے جانوروں تک کی دیت و قیمت کوڑی کوڑی کر کے ادا فرمائی - رسالت کے جہاد اور اوس میں کسی بدعنوانی اور فروگذاشت پیدا ہو جانے پر ادا دیت اور مظلومین کی دلجوئی اور تسکین میں ایسا احتیاط و التفات سے کام لیا جاتا تھا -

زمانہ خلافت کے جہاد اور اوس میں بدعنوانیوں اور بے ترکیبیوں کی یہ حالت تحقیق سے ثابت ہوتی ہے کہ شکایت پر شکایت ہو رہی ہے - استغاثہ پر استغاثہ پیش کیا جا رہا ہے - مگر نہ کوئی شنوا ہوتا ہے اور نہ کوئی اعتنا و توجہ کرنے والا اسی ایک مثال کو پیش نظر رکھکر جس میں حضرت عمر کے اپنے

ولیعہد اور منتظر الخلافت بزرگ کی بھی کچھ نہ چلی اور بالآخر مالک ابن نویرہ کا خون بہا۔ آجتک خلافت کے ذمہ رہا۔ جہاد رسالت اور جہاد خلافت کا فرق مابہ الامتیاز ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

یہ جہاد حقیقتاً جہاد نہیں باقی رہے تھے۔ بلکہ ملکی فرمانرواؤں اور اون کی رعایا کے ایک کار و بار تھے جس نے اتفاق سے بڑا فروغ پایا۔ یہاں تک کہ ملک و قوم کا عام مذاق۔ عام مشغلہ اور گذران اوقات کا ایک یہی ذریعہ و وسیلہ قرار پا گیا۔ اوسوقت بلا امتیاز و اختصاص صحابہ کبار کے طبقہ میں تمام مہاجرو انصار مجاہد ہی مجاہد نظر آتے تھے۔ بہت کم ایسے بزرگوار تھے جو علمی مذاق رکھتے تھے۔ اور قوم و ملت کی قلمی خدمت کرتے تھے۔ اور جو لوگ شاذ و نادر ان مشاغل میں مصروف تھے۔ علی الاکثر وہی افراد قوم تھے۔ جو پیری کے ضعف و نقاہت کی وجہ سے جنگی کاموں سے بیکار ہو گئے تھے۔ یا وہ حضرات تھے جو ان جہادوں کی حقیقت کو سمجھکر ان کی شرکت سے اعراض فرماتے تھے۔ اور متوکل بخدا ہو کر گھر بیٹھے تھے۔

کیا عہد رسول صلعم میں صحابہ کبار مجاہد نہیں تھے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا عہد رسول صلعم میں تمام صحابہ کبار مجاہد نہیں تھے۔ اور خدمات جہاد انجام نہیں فرماتے تھے۔ جواب یہ ہے۔ ہاں سب جہاد کرتے تھے۔ مگر مجاہدین میں ہمیشہ انتخاب بھی ہوا کرتا تھا۔ اور یہ انتخاب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص تجویز پر منحصر و موقوف ہوتا تھا۔ اور طریقہ انتخاب بالکل نصاب جہاد کے اصول منصوصہ پر مبنی ہوتا تھا۔ نصاب و واجبات کے اعتبار سے جو شخص ان میں تکالیف جہاد کے لئے مکلف سمجھا جاتا تھا۔ وہ مجاہدین کی فہرست میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور خدمات جہاد کی انجام دہی کے لئے مجوز ہوتا تھا۔ ورنہ غیر مکلف کو کبھی تکلیف جہاد نہیں دیجاتی تھی۔

اسکے علاوہ جناب رسولخدا صلعم کے عہد میں جہاد ادائے واجب کی خالص نیت اور کامل ارادے سے کیا جاتا تھا اور جہاد بعد رسول اللہ صلعم توسیع ملک اور حصول دولت کے اغراض و اتیات کے قصد سے۔

خالص جہاد کی عملی مثال

مثال کے لئے جنگ احد میں حضرت علی اور ایک کافر کا مقابل ہونا حضرت علیؑ کا اوس پر غالب آنا۔ کافر کا زخمی ہو کر گرنا حضرت علی کا سر کاٹنے کی نیت سے اوس کے سینہ پر چڑھنا۔ کافر کا روئے مبارک پر تھوک دینا۔ آپ کا فوراً اوس کو دیسا ہی چھوڑ کر اپنی صف میں اپنے مقام پر واپس چلا آنا۔ صحابہ کا باعث عفو پوچھنا۔ حضرت علیؑ کا جواب میں ارشاد فرمانا کہ اسوقت تک میرا جہاد ادائے واجب کی خالص نیت کے ساتھ تھا۔ اب جب اوس نے میرے

مونھہ پر تھوک دیا تو ایسی حالت میں اوس کے سر کاٹ لینے سے میرے خلوص جہاد میں شرکت نفس
واقع ہو جاتی۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے۔ مولوی روم نے اپنی مثنوی میں بڑی شرح و بسط سے پورے
واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا شعر اول یہ ہے ؎

او خیو انداخت برروے علیؑ افتخار ہر وصی و ہر ولی کاتی ہی:

اگر تحقیق و غور سے کام لیا جائے تو ایسے خالص مجاہدین عہد رسول صلعم میں اکثر نظر آئینگے۔
مگر افسوس کہ رسول صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی۔ یہ صورتیں تو باقی رہتی ہیں مگر ان کے عمل جاتے رہتے
ہیں۔ حضرت عمر کی خلافت میں۔ محاصرہ روم کے موقع پر جب قیصر کی کثرت فوج کی خبر نے مدینہ
کے تمام اہل اسلام کو گھبرا دیا۔ اور حضرت عمر نے مجلس مشورت جمع کی۔ اور اوس میں بالخصوص حضرت
علیؑ سے مستفسر ہوئے۔ تو اونھوں نے مقابلہ و مقاتلہ کی مفید و ضروری تدبیریں بتلا کر یہ فقرات بھی
آخر میں اون سے ارشاد فرمائے کہ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ عہد رسول صلعم میں ہم لوگ تعداد
فوج کے اعتبار پر نہیں لڑتے تھے۔ بلکہ معارک جنگ میں۔ اداے واجب اور خلوص نیت
ہمارا نصب العین ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ابن اثیر جلد ۳ و تاریخ اعثم کوفی جلد ۲ نسخہ قلمی

زمانہ خلافت میں ایسے خالص جہاد کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں اور ایسے کامل مجاہدین کی شاذ و
نادر صورتیں دکھلائی دیتی ہیں۔ اسی بنا پر مخالفین اسلام کے اون تمام بیجا اور بے سرو پا تعریفات
کا جو غزوات النبی صلعم اور عقاید جہاد کے متعلق وارد کرتے ہیں۔ نہایت آسانی سے شافی اور کافی
جواب دے دیا جاتا ہے۔ لیکن جب بعد رسول صلعم۔ خلفاء و امراء کے جنگی مظالم اور ملکی مفاسد
کے کشف حالات کرتے ہیں۔ تو سواے اسکے کہ اون کے معارک جنگ کو احکام جہاد سے بالکل
بے تعلق بتلا کر۔ بادشاہوں کی معمولی ملکی لڑائی بتلائی جاوے۔ اور کوئی جواب معقول کسی سے بن
نہیں پڑتا۔ نہیں معلوم کہ شبلی صاحب کا اس مسئلہ خاص میں کیا مختار تھا۔ مگر سید زمانہ خلافت کے
تمام جنگی حالات کو جہاد کے معنیوں میں لینے سے قطعی انکار کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تہذیب الاخلاق
مضمون جہاد۔

جہاد کے ایسا اجتہاد بھی غارت ہوا۔

عہد رسول صلعم کے بعد۔ جیسا جہاد غارت ہوا ویسا ہی اجتہاد مسائل
جماعت (یعنی دومۃ الجندل کے بے ایمان فیصلہ کے بعد) سے تو جہاد کی اور ناگفتہ حالت ہو گئی جس کا
نمونہ عہد معاویہ میں حرمین شریفین پر بسر ابن ارطاۃ صحابی کا حملہ۔ طائف میں پسران عبداللہ ابن عباس
بحالت صغر سنی قتل کیا جانا۔ پھر عہد یزید ابن معاویہ میں۔ واقعہ کربلا۔ واقعہ حرہ۔ غارت مدینہ منورہ و حرم

کعبۂ معظمہ موجود ہے۔

جب بنی ہاشم کی طرف سے بنی امیہ کو خاطر خواہ اطمینان ہو گیا۔ اور حجاز، عراق، جزائر، مصر و افریقہ تک خلافت کا تسلط ہو گیا۔ تو اختیار و اقتدار کے بعد استقرار حکومت اور استمرار سلطنت کی تدبیر پیش نظر ہوئی۔ چونکہ ابتدا ہی سے مذہب حصول دنیا کا ایک تیار آلہ قرار دے لیا گیا تھا۔ اس لئے اس تدبیر میں بھی اوسی سے کام لیا گیا۔ صرف صورت بدل دی گئی۔ اور چونکہ تسلط ہو جانے کے بعد جہاد اور مجاہدین کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے اون کی جگہ پر اجتہاد اور مجتہدین حدیث و فقہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی بنا پر علمائے محدثین اور فقہائے دین طلب ہوئے۔ اور ان حضرات سے پہلے پہلے فضائل بنی امیہ میں تصنیع و ترصیع احادیث کی فرمائش ہوئی جب ایسی حدیثیں حد و انحصار سے باہر اور ضرورت سے زاید ہو کر تمام ممالک اسلامیہ میں ذائع و شائع ہو گئیں تو فضائل و مناقب خلفائے راشدین کی تجمیع و ترتیب کی ہدایت ہوئی۔ جیسا کہ علامہ ابن مدائنی کی کتاب الاحداث سے اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

یہ واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ خلفائے اولین کے عہد میں جس طرح جہاد و مجاہدین کی کثرت تھی اوسی طرح خلفائے متاخرین بنی امیہ و عباسیہ کے زمانہ میں اجتہاد و مجتہدین سے شاہی دربار اور تمام امصار و دیار بھر گیا۔ پانچ سات برس پہلے جیسے جہاد ملکی پیشہ اور قومی کاروبار بنا لیا گیا تھا بالکل اوسی طرح اسوقت اجتہاد بھی ذریعہ معاش اور بسر اوقات کا وسیلہ قرار دے لیا گیا۔ اور بقول امام مدائنی۔ وضعی حدیثیں بنانے کے لئے۔ خلافت کی طرف سے بڑے بڑے انعامات۔ جاگیریں اور خلعت ملا کرتے تھے۔ ہر عالم، فقیہہ، محدث، قاضی اور خطیب مال و دولت اور ثروت و مکنت میں والیان ملکی سے کم نہیں تھا۔ ملک و قوم کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت، حرمت و عظمت امراء و سلاطین سے فروتر نہیں تھی۔ اور یہ حضرات بھی اپنے اقتدار و اعتبار کے خیالوں میں اپنے آگے ملک و قوم کے معمولی طبقات کی کوئی ہستی نہیں سمجھتے تھے معمولی عالم کی صحبت بڑے بڑے امرائے ملکی کی مجلس سے شان و شوکت میں کم نہیں تھی کسی محدث اور فقیہہ کی مجلس کی زیب و زیبائش قصر شاہی کی آرائش سے ہلکی نہیں تھی۔

مشہورین علما و محدثین کی خودداریوں کا کیا ذکر۔ مرویات احادیث کے معمولی رواۃ کی خودنمائی، نا ہمواری، رعونت اور خودنمائی دیکھنے کے قابل ہے۔ یہاں ہم ایک خودنما اور رعونت پسند راوی کی۔ جو صحیح بخاری اور مسند امام احمد ابن حنبل کے۔ ... مستند و معتبر کتب صحاح کا مشترک راوی ہے میزان الاعتدال ذہبی

کی اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عن ابن معین قال قدمنا علی غندر فقال لا احدثکم حتی تمشوا خلفی فیراکم اهل السوق فیکرمونی۔

ابن معین کہتے ہیں کہ ہم غندر سے حدیث سننے کے لئے گئے جب انکے پاس پہونچے تو اوس نے کہا کہ جب تک تم لوگ ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں نہ چلوگے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں تب تک ہم تمکو حدیثیں نہ سنائیں گے۔

اب اس سے بڑھکر اس راوی حدیث کی دنیا داری کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اس غرض سے کہ لوگ اوسکی قدر و منزلت کریں۔ شاگردوں سے اس کی خواہش و فرمایش کرتا ہے کہ وہ اسکے پیچھے پیچھے بازاروں میں اور گلی کوچوں میں پھریں اس سے بڑھکر کم ظرفی اور دناءت طبعی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

محدث صاحب کا حد تعقل | اس کے بعد اس معلم حدیث اور محدث کی حد تعقل بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ فراست تو اتنی اور عقل و دانش اتنی۔ اوسی میزان الاعتدال میں ہے۔ یحیی ابن معین کہتے ہیں کہ غندر ایک روز بازار سے مچھلی لائے۔ گھر والوں کو دی کہ اہتمام سے پکائی جائے۔ خود سو گئے۔ گھر والوں نے مچھلی پکا کر کھا ڈالی اور ان کو سوتا کا سوتا چھوڑ دیا۔ لیکن مزاج کے قصد سے ان کے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا۔ گھڑی بھر بعد جب ان کی آنکھ کھلی تو فوراً مچھلی یاد آئی۔ کہنے لگے مچھلی لاؤ۔ مچھلی لاؤ۔ گھر والوں نے کہا۔ سبحان اللہ۔ ساری مچھلی ہضم کر گئے پھر کہتے ہیں۔ مچھلی لاؤ مچھلی لاؤ۔ ذرا ہاتھ تو سونگھو غندر نے اطمینان کرنے کے لئے ہاتھ سونگھا تو واقعی مچھلی کے شوربہ کی بو آئی تھی تو خاموش ہو رہے۔

جب ان کے عالم عقل کی یہ مقدار و کیفیت تھی تو انکی قوت سامعہ اور استحفاظ کا کس عقل والے کو اعتبار ہوسکتا ہے۔

غندر کی وجہ تسمیہ | عقل کا اندازہ ہوچکا۔ اوسی میزان الاعتدال کی عبارت سے ان کے مزاج کا بھی موازنہ کرلیا جاوے۔ ان کے ملقب بہ غندر کی توجیہہ میں مرقوم ہے۔ ابن ابی جریج نے انکا یہ نام رکھا ہے۔ اس لئے کہ بات بات پر یہ سب لڑتے اور جھگڑتے رہتے تھے۔ اہل حجاز ایسے مزاج والے آدمی کو غندر کہتے ہیں۔ اسی رعایت و مناسبت سے یہ بھی غندر ہوگئے۔

مندرجہ بالا واقعات سے کامل طور پر سمجھ لیا جاوے گا کہ محدثین اور علما و فقہا اسلام کی ان ایام میں کیا شان ہوگئی تھی۔ اور اون کے آداب و معاشرت۔ اعمال و اشتغال اور اخلاق و مذاق میں سلطنت کے کیسے اثر پیدا ہوگئے تھے۔ وہ تیور احتیاط اور زہد و عفاف کی جگہہ علایق دنیا اور کسب معاش اور فکر تعیش باقی نہ رہا۔ ... حدیثوں کا بیان و اعلان اون کا پیشہ تھا۔ وہ اس کی تعلیم ملقنین کو

خالصۃً للہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی گذران اوقات اور سامان معیشت کا ذریعہ سمجھکر عمل میں لاتے تھے حکومت کی تجویز کی تائید میں ہزاروں حدیثیں دن رات بنتی رہتی تھیں اور ایک زبان سے ہوکر ہزاروں زبانوں پر چڑھکر متواتر ہونے کے خلعت پہنا کرتی تھیں زمانہ کی ظلمت اور اہل زمانہ کی نکبت سے عالم اسلام میں غفلت کی وہ تاریکی پھیلا رکھی تھی کہ کسی کے دل میں نہ خدا کا خوف باقی رہا تھا۔ اور نہ رسول کا درد۔ جس نفس قدسی برکت پر رات دن اتنے اتہام باندھے جاتے تھے اور کسی کو اسکا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ یہ تھا شمشیر سلطنت کا اثر۔ اور یہ تھا تدبیر حکومت کا دست مقتدر جس سے شبلی صاحب اغماض فرماتے ہیں۔

احادیث موضوعات پر علماکی ندامت لیکن ان مصنوعات کے انبار احصار و شمار سے بھی زیادہ ہوگئے۔ اور اتنے کہ حق و باطل کی تمیز بالکل دشوار ہوگئی۔ تو ان محدثین متقدمین کو اپنے نقل حدیث پر سخت ندامت دامنگیر ہوئی۔ اور معترفاً اقرار کرنا ہوا۔ کہ نقل و بیان حدیث کی نہ اتنی کثرت کی جاتی اور نہ اقوال و ارشاد کی یہ اہانت دیکھی جاتی۔ ان حضرات میں سے چند بزرگواروں کے اعترافات اور معذرتانہ کلمات ذیل میں اون کے خاص الفاظ کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں:—

كره الصالحون الاولون الاكثار من الحديث ولو استقبلت من امري ما استدبرت ما حدثت الا بما اجمع عليه اهل الحديث

پہلے صحابہ زیادہ روایت بیان کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور واقعی روایت میں جو نقصان ہیں اگر وہ پہلے سے مجھے معلوم ہوتے تو میں ہرگز روایت نہ بیان کرتا جن حدیثوں پر سب کا اجماع ہوتا صرف اونھیں کو بیان کرتا۔

امام عبداللہ ابن عبدالرحمٰن دارمی نے لکھا ہے۔

قال عاصم سألت الشعبي عن حديث فحدثنيه فقلت انه يرفع الى النبي صلعم فقال لا على من دون النبي صلعم احب الينا فان كان دون النبي صلعم۔

عاصم کا بیان ہے کہ میں نے شعبی سے ایک حدیث پوچھی اونھوں نے بیان کردی۔ میں نے پوچھا کیا آپ اسے جناب رسول خدا صلعم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہا نہیں۔ اسلئے کہ اگر حدیث کے لفظوں میں کمی و بیشی ہو اور غیر رسول صلعم کی طرف منسوب کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ایضاً مسند دارمی میں مرقوم ہے:—

قال ابراهيم النخعي نهى النبي صلى الله عليه وآله وسلم عن المحاقلة والمزابنة فقيل له اما تحفظ

ابراہیم نخعی نے ایک روز محاقلہ اور مزابنہ کی نہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت بیان کی۔ اسپر لوگوں نے

عن رسول اللہ صلعم حدیثا غیر ہذا قال بلی ولکن اقول قال عبد اللہ قال علقمۃ احب الی

کہا کہ تمہیں کیا ایک ہی حدیث آنحضرت صلعم سے یاد ہے۔ کیونکہ آجتک کوئی اور حدیث تم سے سننے میں نہیں آئی۔ ابراہیم نے جواب دیا مجھے بہت سی حدیثیں یاد ہیں۔ مگر میں روایتیں محض عبد اللہ ابن مسعود اور علقمہ تک پہونچا دیتا ہوں اور مجھکو یہی طریقہ پسند ہے۔

تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے کہ امام شعبہ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور ان کو انس ابن مالک صحابی کی صحبت کا بھی شرف حاصل ہے اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چار سو تابعین سے تقریباً دس ہزار حدیثوں کی روایت بھی کی ہے کہ جس کے سبب سے ان کو فن رجال کا سنگ بنیاد رکھنے کا فخر حاصل ہے اور نیز آپ کے شاگردی پر امام سفیان ثوری محدث کو ناز ہے پس آپکو جس وقت حدیث کے نقصان پر اطلاع ہوئی تو نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا۔

وددت انی وقاد الحمام ولم اعرف الحدیث || مجھے پسند تھا کہ میں حمام میں ایندھن بنکر جلتا اور کاش کہ حدیث نہ جانتا۔

سفیان ثوری جن کا مقدس خطاب سید الحفاظ ہے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیس اور تیس ہزار کے درمیان انہوں نے روایت کی ہے جن کے فضل وکمال کا پایہ مالک اور یحیی ابن سعید القطان سے بھی زیادہ بلند تھا۔ جب ان پر حدیثوں کے نقصان وخرابی کا حال کھلا تو نہایت خوف وہراس اور افسوس یاس سے فرمایا کہ یہی غنیمت ہے کہ قیامت میں مجھ سے میرے علم کے لئے کوئی مواخذہ نہو اور مجھے اپنے تمام اعمال میں حدیث کی روایت سے زیادہ کسی اور عمل سے اندیشہ نہیں ہے۔

تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ اسحاق ابن اسمعیل الطالقانی جنکی کنیت ابو ایوب ہے۔ روایت حدیث سے ایسے بیزار ہوئے کہ مرنے سے پانچ برس پہلے قسم کھائی کہ آج سے روایت نہ کروں گا۔

ایضاً تہذیب التہذیب میں ہے۔

ہشام دستوائی جن کا لقب الحافظ الحجۃ ہے جب انکو احادیث کی خرابیاں معلوم ہوئیں تو اسقدر روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اور بار بار یہی فرماتے تھے۔ کہ وہ اگر حدیث کی بازپرس سے چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے

بکی ہشام الدستوائی حتی فسدت عیناہ و یقول لیتنا ننجو من ہذا الحدیث۔ || دستوائی کی روتے روتے آنکھیں جاتی رہیں کہتے تھے کہ اگر احادیث کی بازپرس سے چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔

اور اسی تہذیب التہذیب میں ہے کہ حبان ابن ہلال باہلی نے روایات احادیث سے تنگ آکر ابھی سے

کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ مسعر ابن کدام۔ جو کہ اعلام محدثین میں ہیں۔ ابن قطان جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے فن حدیث میں کسی کو انکا ہمسر نہیں پایا۔ جب اون کو واقعات روایات کے نساوات کا علم ہوا تو ایسے پریشان ہوئے کہ گھبرا کر فرمانے لگے۔

وددت ان الکتابت قوارير حملت على راسى فسقطت فتكسرت۔	مجھے یہ پسند تھا کہ حدیثیں میرے سر پر سے آبگینہ بنکر گرتیں اور ٹوٹ جاتیں۔

حدیثوں کی کثرت اور کثرت کی بدولت ان کی ذلت و حقارت کا نتیجہ نکلا کہ طبقہ کرام محدثین محتاطین میں اکثر حضرات نے آخر کار نقل و بیان احادیث پر اپنی طرف سے ندامت کا اظہار فرمایا۔ ندامت و حجاب ہی پر اکتفا نہ فرمائی بلکہ اکثر بزرگوں نے مطلقاً اس کام ہی کو چھوڑ دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کتب موضوعات کی تالیف کا زمانہ

اس کے بعد جب معاون سلطنت کے اقتدار میں کمی آئی۔ یا یوں سمجھا جاوے کہ اب سلطنت کو ان کی استمداد و اعانت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اور قوم و ملک کے اہل علم و خبر اور صاحبان نظر و اثر کو اتباع سلطنت اور خوف حکومت سے بھی کسی قدر آزادی اور فراغت حاصل ہوئی۔ تو احادیث رسول صلعم کے ان مفاسد و معائب کی طرف ان کو غور و خوض کرنے کا پورا موقع ملا۔ بڑی فکر و تلاش اور سعی و کوشش کے بعد جعلی اور مصنوعی احادیث کا پتہ لگایا گیا اور احادیث صحیحہ کو چھانٹ چھانٹ کر موضوعات کے انبار سے علیحدہ کیا گیا۔ اور علم اسماء الرجال کی امداد سے اس موضوع خاص پر موضوعات فی الحدیث کے دفتر کے دفتر تیار و مرتب کئے گئے۔ موضوعات ابن جوزی۔ موضوعات شوکانی اور موضوعات ملا علی قاری وغیر امثالہم۔ اس علت کے معلول اور اس صنف خاص کے موضوع ثابت ہوتے ہیں۔

عام کتب احادیث کے علاوہ کتب صحاح کی صحت پر بھی نظر ڈالی گئی۔ اور باعتبار صحت بخاری مسلم ترمذی علی الترتیب نمبر قائم کئے گئے۔ صحیحین بخاری و مسلم کی مساوات فی الصحت کا مسئلہ پیش ہوا۔ اور ان میں سے رطب و یابس کی تمیز و تنقیح کے بعد امام حمیدی اندلسی نے جمع بین الصحیحین تیار کی۔ مگر با این ہمہ سعی و کوشش اور کد و کاوش کے کسی حدیث کی کتاب کی نسبت یہ قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں اور اس کتاب میں کوئی غلط مشتبہ اور مخدوش روایت نہیں ہے۔ سوائے شبلی صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا کہ صحیحین بخاری و مسلم میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ شبلی صاحب اس قیاس و رائے میں بالکل منفرد ہیں۔ مگر افسوس۔ اسی دیباچہ میں آگے چلکر صحیح بخاری کی روایات کو خود مخدوش مشکوک اور اوس کے رواۃ کو ضعیف اور مشتبہ

ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کتب موضوعات میں اونھیں احادیث سے انکار کیا گیا ہے جو مؤید عقاید اور مبین واقعات خلافت ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ باقی وہ تمام موضوعات و مصنوعات جن سے عقائد اور خلافت کے مقاصد کی تائید و تاسیس ہوتی تہی۔ ویسی ہی کی ویسی رہنے دیگئیں۔

دیالمہ اور تائید علماء۔

یہ امر بھی قابل گذارش ہے کہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ موضوعات کی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا زمانہ دولت عباسیہ کے زوال اور دولت دیالمہ اور حکومت ابویہ کے اقبال سے آغاز ہوتا ہے۔ جن کا ہر ہر فرد تمام علوم و فنون کا مؤید کامل تھا۔ اور تمام علما و حکما سے انقطاع عالم کا مرکز تھا۔

یہ زمانہ بھی اثر سلطنت سے خالی نہیں تھا۔

گر باوجود اس کے تاریخیں ثابت کر رہی ہیں کہ اسلامی تحقیق کا یہ روشن زمانہ بھی تعصب کی تاریکیوں سے خالی نہیں تہا۔ اور سلطنت و حکومت کی تدبیر اسوقت بھی اگرچہ اظہار حقیقت سے کتنی ہی دور رہنے پر نظر رہتی تہی۔ انہیں تحقیقات اور حقیقت واقعات کی بناپر خلیفہ معتضد باللہ نے ۲۸۳ھ میں اہل اسلام کے دلوں سے حضرات خلفاء بنی امیہ کے خیال عظمت و حرمت کے ہٹانے اور مٹانے کے لئے۔ جو انہیں موضوعی اور وضعی حدیثوں کی وجہ سے اون کے ذہن نشین ہو رہے تھے قصد کیا تھا کہ ایک عام اعلان سلطانی کے ذریعہ سے ان اقسام کے عقائد باطلہ کی امتناع و استیصال کر دیا جاوے۔ مگر پہر وہی حضرات (علما و فقہاے کرام) جو ان موضوعات احادیث کے مستاصل کرنے والے تھے۔ ایک دوسرے رنگ میں اسکے مانع ہوسکے۔ یہ پورا واقعہ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

وفي سنة ثلاث وثمانين ومائتين امر المعتضد بالله بكتابة الطعن في معوية وابنه وابيه واباحة لعنهم وكان من جملة ما كتب في ذلك بعد الحمد لله والصلوة على النبي ﷺ انه لما بعثه الله رسولا كان اشد الناس في مخالفته بنو امية واعظمهم في ذلك ابو سفيان وامر ان يقال ذلك في البلاد ويلعن معاوية على المنابر فقيل له ان في ذلك

۲۸۳ھ میں معتضد باللہ نے حکم دیا کہ معاویہ، یزید اور ابوسفیان کے مطاعن میں اور نیز اس باب میں کہ ان پر لعن مباح ہے۔ ایک کتبہ (اعلان شاہی) تیار کیا جاوے۔ چنانچہ جو مطاعن اوس کتبہ میں درج کئے گئے منجملہ اون کے ایک یہ بھی ہے کہ۔ بعد حمد خدا و نعت مصطفی صلعم واضح ہو کہ جب اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مبعوث برسالت فرمایا تو سب سے زیادہ بنی امیہ نے آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کمر باندھی اور اس مخالفت

استطالة العلويين وهم في كل وقت يخرجون على السلطان فيحصل به الفتن بين الناس فامسك عن ذلك

تاریخ کبیر طبری

میں ابوسفیان کا نمبر اول تھا نیز معتضد نے حکم دیا کہ کتبہ کا مضمون تمام بلاد میں شائع کیا جائے اور معاویہ کی نسبت کلمات لعن استعمال کئے جاویں معتضد کے یہ ارادہ دیکھکر ارکان دولت نے سمجھایا کہ ایسا کرنے سے علویوں کو دلیری ہو جائیگی اور بادشاہ وقت پر خروج کریں گے اور رعایا میں فساد برپا ہو جائیگا۔ یہ سنکر خلیفہ معتضد باللہ چپ ہو رہا اور اس قصد سے باز رہا۔

استحفاظ سلطنت اور استمرار و استقرار حکومت کی اس تدبیر نے تو حق و باطل کی تمیز اور حقیقت کا انکشاف ہونے نہ دیا۔ اسی طمع و حرص کی تاریکیوں نے حقیقت کے انوار اور اصلیت کے اسرار کو ہمیشہ مخفی کر رکھا اور ان کی جلوہ نمائیوں کو انواع اقسام کی ترکیبوں اور تدبیروں سے چھپایا۔ اس سے ہر شخص حقیقت حال کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان حضرات کو اصلیت اور واقعیت سے پوری اطلاع تھی۔ حق ناحق۔ صحیح غلط۔ اصلی اور مصنوعی۔ غیر مصنوعی کی کامل شناخت اور کافی اطلاع تھی۔ مگر سلطنت کا اقتدار۔ اپنا اعتبار اور حصول دنیا کے کاروبار قایم و برقرار رکھنے کے سبب خاص سے۔ حق کو حق۔ صحیح کو صحیح۔ اور اصلی کو اصلی کہنے یا بتلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اور قصور معاف۔ اپنی اس ضرورت پوری کرنے اور مطلب نکالنے کے آگے نہ ایمان کوئی شئے تھی اور نہ مذہب کوئی چیز اب اس سے بڑھکر سلطنت کا دباؤ یا سلطنت کا لگاؤ کیا کوئی اور ہو سکتا ہے۔

آل فاطمہؑ کی توہین | احادیث کی بربادی اور بدعنوانی کے انکشاف حقیقت کے متعلق ہم اتنی ہی نقل و بیان کو کافی سمجھکر مسئلہ زیر بحث کو تمام کرتے ہیں۔ اور آیندہ سلسلہ بیان میں شبلی صاحب کے دوسری نمائشی اور محض زبانی تنقیح کی چہرہ کشائی کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے بیکار بے سود اور بے ضرورت ان ناگفتہ بہ اور ناپرسان امور کا ذکر نکالا۔ کہ آل فاطمہؑ کی توہین کرائی اور جمعہ میں برسر منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا (لعن کہلوائی) سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کی نام بنام پیشینگوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔

ان امور ناپرسان کی طرف تو آپ کی توجہ اس ضرورت خاص سے منعطف ہوئی ہے کہ آپ اپنی مجلسوں اور مؤلفین موضوعات کی (یا مصنفین دارمی) اور خبر جاننے والوں کی نسبت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ

ان واقعات سے اور ان موضوعات کے انکشافات سے نہ ہم ان علما کی دیانت داری تسلیم کر سکتے ہیں اور نہ اون کی حقیقت نگاری مان سکتے ہیں۔ جن کی حقیقت ہم اوپر پوری تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ بلکہ اس تھوڑی بہت حقیقت نویسی کو ہم زمانہ کے تغیر خیالات اور اون صاحبان حقانیت کے پاک روحانیت کا خیر مرئی اثر یقین کرتے ہیں۔ جن کے فضائل و مناقب روحانی کے چھپانے۔ گھٹانے اور مٹانے کی خاص غرض ہے۔ ان موضوعات و مصنوعات کا انبار بھی لگا یا گیا۔ اور یہ دفتر کے دفتر طومار کے طومار بھی تیار کئے گئے۔ پھر یہ بھی خدا کی شان ہے اور اون نفوس مقدسہ کی حقیقت کا اعلان کہ جس طبقہ اور فرقہ کے ہاتھوں سے یہ طومار تیار کئے گئے انھیں ہاتھوں سے مٹائے بھی گئے۔

بنی فاطمہؑ کو آل فاطمہؑ لکھنا بھی توہین آمیز غلطی ہے۔

یہاں تک تو ہماری تمہیدی عبارت تھی۔ اب شبلی صاحب کی تحریر کی مفصلہ ذیل توضیح و تنقیح قلمبند کی جاتی ہے۔

تعجب ہے کہ شمس العلما شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق اور کامل ادیب اور آل فاطمہؑ کی ایسی غلط ترکیب خلاف قاعدہ و اصطلاح عرب قلمبند فرمائے۔ کیا قرآن مجید میں۔ آلِ ابراہیم آل موسیٰ و آل ہارون کی جگہہ اسکا استعمال مثناۃ کے ساتھ۔ مثل آلِ سارہ۔ آل صفرہ۔ یا آل فرعون کی جگہہ آل آسیہ وغیرہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر جمع مثناۃ خلاف فصاحت اور منافی قواعد نہ بھی ہوتا ہم مخالف استعمال اور معارض اصطلاح عام تو ضرور ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے علاوہ آپ اپنی کتب و حدیث و سیرت و تاریخ میں بھی بنی فاطمہؑ کی جگہہ آل فاطمہؑ لکھا ہوا نہیں دکھلا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں سے آپ کو اتنی اجنبیت اور مغائرت حاصل ہے کہ آپ ان کے اصلی نام اور القاب کو بھی صحت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔ ہم تو بنی فاطمہؑ کی جگہہ آل فاطمہؑ لکھنے والے کو بھی بمصداق دفعتکم عن مقامکم وازلتکم عن مراتبکم التی رتبکم اللہ فیہا۔ تم کو تمہارے اصل مقام سے ہٹا دیا اور اون رتبوں سے گھٹا یا جو خدا نے تم کو دئے تھے۔ بے ادبی اور جواب دہی سے خالی نہ سمجھیں گے جس نے ایک مشہور و معروف اور مخصوص خطاب و القاب کی جگہہ غیر معروف لفظ کو مستعمل کر کے ان حضرات کی ایک گونہ توہین کر دی ہے۔

شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ وہ توہین بنی فاطمہؑ کی کوئی تفصیل کریں تفصیل و تصریح کیسی یہی غنیمت ہے کہ آپ نے توہین کا اقرار کر دیا۔ وہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ خلوص و عقیدت کے تقاضہ سے نہیں۔ بلکہ اپنے علما کی اظہار و دیانت کی ضرورت سے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ کہ آپ نے ان واقعات ناگفتہ بہ اوران حالات ناشنوا کا یکبارہ ذکر نکالا۔ یا اپنے سلسلہ بیان میں اسکا

اشارہ فرمایا۔ جن کے اظہار و اعلان سے آپ کے مسلّمات عقائد میں مفاسد اور بڑے بڑے اکابر و عمائدین کے معائب ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی حزم و احتیاط کو مدِّنظر رکھ کر صرف توہینِ آلِ فاطمہؑ کا اشارہ کر کے قطعاً سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔

مگر آپ کی طرح ہم حقیقت کو چھپا نہیں سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ واقعات بہت کم اہلِ اسلام کے قلب میں جاگزیں اور ان کے ذہن نشین ہیں۔ مگر با ایں ہمہ اسقاط و اخذ افسنا و استخفاف۔ ان کی کثیر التعداد مثالیں شبلی صاحب ہی کی کتب احادیث و تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے ذیل میں چند مثالیں نمونے کے طور پر نقل کی جاتی ہیں۔ جن سے ثابت ہو جائیگا کہ ان حضرات مقدسین کی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت۔ اور ان کے ذاتی فضائل و مناقب۔ ظلمہ حکومت اور ائمہ امت کے ہاتھوں کیسے غارت کئے گئے تھے اور ان کی اہانت۔ ہتکِ حرمت اور بے آبروئی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

اہانت کی پہلی مثال تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے اہل شام کو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ شخص ابوترابؑ جن پر تم لوگ لعنت کرتے ہو۔ وہ یمن کے ایک قبیلہ کا بہت بڑا چور ہے۔" ابن اثیر جلد پنجم

دوسری مثال ایامِ حج میں ایک مردِ کہن سال باشندۂ شام سے چند لوگ خانہ کعبہ میں ملے۔ جو حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس کے سمجھانے کی غرض سے ایک صاحب اس کے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ تم علیؑ کو جانتے ہو۔ اس نے کہا کون علیؑ۔ وہی نہ جو حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت ...... کے باپ تھے۔ وہ تو کسی جنگ میں مارے گئے۔ ابن اثیر جلد پنجم

تیسری مثال بنی فاطمہ کی انتہائی توہین طبقات ابن سعد میں ہے۔

عن عمير ابن اسحاق قال كان مروان اميرا علينا وكان يسب عليا كل جمعة على المنبر والحسن عليه السلام يسمع فلا يرد شيئا ثم ارسل اليه رجلا يقول له بعلي. بعلي بعلي وبك و بك وبك. مثلك الا مثل البغلة يقال لها ابوك فيقول امي الفرس

عمیر ابن اسحاق سے مروی ہے کہ مروان ہم پر امیر تھا اور وہ ہر جمعہ کو منبر پر چڑھ کر حضرت علیؑ پر لعنت کیا کرتا تھا اور جناب امام حسن علیہ السلام سنا کرتے تھے اور جواب نہ دیتے تھے۔ (اے فلک آں ابتدا ایں انتہائے اہلبیت) اس نے ایک دن ایک آدمی خاص طور پر امام حسنؑ کے پاس بھیج کر یہ کہلا بھیجا کہ علیؑ پر، علیؑ پر، تم پر، تم پر اور تم پر لعنت۔ تمہاری مثال بالکل خچر کی ہے جب اس سے پوچھو کہ تمہارا باپ کون ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میری ماں گھوڑی ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بہی اس واقعہ کو لکہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر صاحب نے تو اسکی نظیر میں ایک دوسرا واقعہ بہی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں قلمبند فرمایا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

قال السید ابو الحسین یحیی فی کتابہ اخبار المدینہ حدثنا ھارون ابن عبد الملک بن الماجشون قال لما قدم خالد بن الحارث بن الحکم بن العاص و ھو ابن المطیرہ علی منبر رسول اللہ صلعم یوم جمعۃ فشتم النبی صلعم و شتم علیاً و قال ان استعمل علیاً و ھو یعلم ان علیاً خائن و لکن شفعت لہ ابنتہ (الآخر الحدیث)

علامہ سید ابو الحسین یحیی اپنی کتاب اخبار المدینہ میں لکہتے ہیں کہ ہارون ابن عبد الملک ابن ماجشون کا بیان ہے کہ خالد ابن حارث ابن حکم ابن عاص ملقاب بابن مطیرہ یوم جمعہ کو منبر رسول صلعم پر بیٹہا اور جناب رسولخدا صلعم اور حضرت علی پر سب و شتم کرنے لگا اور کہنے لگا کہ نبی صلعم نے علی کو بلاد اسلامیہ کا عامل مقرر کیا حالانکہ آپ جانتے تہے کہ وہ خائن ہیں مگر اونکے بارہ میں اون کی لڑکی (جناب سیدہ ع) سفارش کیا کرتی تہیں۔

پانچویں مثال۔ زیارت اہلبیت کی نوہین | محدث دہلوی شاہ عبد الحق صاحب اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں رقمطراز ہیں۔

چوں ولید ابن عبد الملک بحج آمد و لعد از اتمام مناسک حج قدم بمدینہ منورہ آورد۔ روزے بر منبر مسجد خطبہ میخواند در اثنائے آں نظرش بر جمال حسن ابن حسن رضی اللہ عنہما افتاد کہ در خانہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نشستہ بود و آئینہ در دست داشت کہ در شے جمال جہاں آرائے خود مشاہدہ مے نمود چوں ولید از منبر فرود آمد عمر ابن عبد العزیز را طلبید و زجر نمود کہ چرا ایشاں را درانجا ہنوز گذاشتی و بیروں نہ نمودی نمی خواہم کہ ایشاں را بعد ازیں اینجا بہ بینم۔ خانہ ایشاں را بخر و داخل مسجد کن۔ فاطمہ بنت حسین ع و حسن ابن حسن ع و اولاد ایشاں سلام اللہ علیہم اجمعین درون خانہ بودند و از آمدن ابا نمودند حکم کرد کہ اگر بیروں نیایند خانہ را بر ایشاں بشکنند از پس اسباب خانہ را بے رضائے ایشاں بدر فگندند۔

جب ولید ابن عبد الملک مناسکات حج تمام کرکے مدینہ منورہ میں آیا ایک دن منبر رسول ص پر خطبہ پڑہتے ہوئے اوسکی نظر حسن بن حسن رض پر پڑی جو خانہ جناب سیدہ ع میں بیٹہے ہوئے آئینہ میں اپنا موکہ دیکہہ رہے تہے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ولید نے عمر ابن عبد العزیز سے کہا کہ حسن ابن حسن رض وغیرہ کیوں اب تک اس مکان میں سکونت پذیر ہیں۔ اسوقت ان کو یہاں سے نکالدو اور مکان کو خرید کرکے داخل مسجد کرلو۔ میں نہیں چاہتا کہ آیندہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکہوں۔ حسن رض اور اون کی اولاد نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ مکان کو ان پر گرا دو۔ جب مکان مسمار ہونا شروع ہوا۔ اور اسباب مکان سے باہر کردیا گیا مجبوراً ان حضرات نے مخدرات کو اوسی روز روشن میں گہر سے نکالکر بیرون مدینہ سکونت اختیار کی کچہہ دنوں بعد اسی طرح کا قضیہ حضرت

وخانہ را ویران میکردند پس بحکم ضرورت برآمدند و در روز روشن مخدرات اہل بیت بیرون مدینہ رفتند و موضعے برائے سکونت اختیار کردند و ہم چنین در بیت حفصہ رضی اللہ عنہا کہ در دست اولاد عمر ابن الخطاب بود نزاع شد۔ چوں اینہا گفتند کہ ہرگز نخواہیم برآید و عوض خانہ ہم نخواہیم ستاند۔ حجاج ابن یوسف دراں وقت در مدینہ بود حکم کرد تا خانہ را ہم بر ایشاں بیندازند۔ ولیکن چوں قضیہ بولید رسید بعمر ابن عبد العزیز نوشت کہ در استرضائے خاطر عمر ابن الخطاب تقصیر راضی مشو۔ ثمن خانہ را بدہ و اگر نہ ستانند۔ ایشاں را اکرام کن و بقعہ از خانہ ایشاں بگذار و ایشاں را درے بجانب مسجد نیز بگذار۔

حفصہ رضہ کے مکان کے متعلق پیش آیا جو اولاد حضرت عمر ابن خطاب کے قبضہ میں تہا۔ جب اون سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو وہ اسپر راضی نہ ہوئے اور قیمت بہی لینی منظور نہ کی۔ حجاج ابن یوسف ثقفی اوس وقت مدینہ میں تھا اوس نے چاہا کہ مکان کو اون لوگوں پر گرا دیا جاوے لیکن جب اس بات کی خبر ولید ابن عبد الملک کو ہوئی تو اوس نے عمر ابن عبد العزیز عامل مدینہ کو لکھ بہیجا کہ اولاد عمر ابن خطاب کی رضا جوئی میں قصور نہ کرو اون کا اکرام ملحوظ رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں، تو اون کے مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور اون کی آمد و رفت کے لئے مسجد میں ایک دروازہ کردو۔

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے امرائے دولت خلافت کی عدالت اور اون کے بےلوث غیر جانبدارانہ اور عادلانہ فیصلہ و تجویز کی پوری حقیقت ثابت ہوگئی۔

امور مذہبی اور دینیات میں حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام کی بے اعتباری

یہ تو خاص امور دنیاوی ہیں۔ ان بزرگوں کے ساتھ یہ محاسن سلوک کئے جاتے تھے۔ اب دینیات اور امور دین و مذہب میں ان حضرات مقدسین کی کیا مقدار و وقعت سمجھی گئی۔ وہ ہماری مفصلہ ذیل عبارت سے ثابت ہوگی۔

(۱) جناب علی مرتضی علیہ السلام۔ ابو الائمۃ الطاہرین امیر المومنین عم کی نسبت۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ قرۃ العینین میں تحریر فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ بعد از قرآن و احادیث مدار اسلام بر فقہ است و عمدہ ات فقہیہ مسائل اجماعیہ فاروق است۔ اگر در اکثر اسلام نظر کنی۔ حنفیان و مالکیان و شافعیان اند۔ اما مذہب مالک پس منتہائے او بر موطائے امام مالک است کہ جزء ...

قرآن و احادیث کے بعد اسلام کا مدار فقہ پر ہے اور فقہ کے تمام اہم ترین مسائل حضرت عمر کے اقوال سے ماخوذ ہیں۔ اگر تمام دنیائے اسلام کے طرز عمل پر نظر کیجاوے تو کثرت سواد اسلام کا اطلاق فرقہائے حنفیان۔ مالکیان اور شافعیان پر ہوتا ہے۔ مذہب مالک۔ وہ کتاب موطائے امام

اثر از مرتضیٰ در وے منقول نیست و ہمچنیں در مسند ابوحنیفہ و آثار محمدیہ کہ فقہ حنیفہ است از روایت مرتضیٰ بجز چند حدیث موضوع و چند اثر شمردہ زیادہ انچہ در موطا است۔ بقلیلے منقول نیست و ہمچنیں در مسند شافعی کہ منتہاے مذہب شافعیہ است از روایت مرتضیٰ بجز چند حدیث موضوع و چند اثر موقوف کہ نسبت مرویہ دیگراں۔ بسیار قلیل است منقول نیست۔

مالک پر موقوف ہے اور کتاب موطا میں سوائے چند حدیث اور مرویات مرتضیٰ سے کچھ اور منقول نہیں ہے۔ اسی طرح مسند ابی حنیفہ میں اور آثار امام محمد میں جن پر فقہ حنفی کا دار و مدار ہے مرتضیٰ کی چند روایت وہ بھی بطریق موضوع اور چند آثار چیدہ باسناد موقوف۔ موطا سے بھی کم۔ اور کچھ اون سے ماخوذ و منقول نہیں۔ اب رہا مذہب شافعی۔ اوس کی انتہا بھی مسند شافعی پر تمام ہے۔ اون کی سند میں بھی مرتضیٰ سے بجز چند حدیث موضوع اور اقوال موقوف کے کچھ منقول نہیں ہے۔

قرۃ العینین

باب العلم رسالت کی حقیقت فی علم الدین جو مذاہب ثلثہ حنفیہ۔ مالکیہ و شافعیہ کے علما و محدثین کے نزدیک سمجھی تہی۔ وہ عبارت مرقومہ بالا سے ظاہر ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر امام ابن تیمیہ صاحب اپنی کتاب دُرر کامنہ میں لکھتے ہیں۔

وقال فی حق علی خطاء فی سبعة عشرة شیئا ثم خلف فیها نص الکتاب

حضرت علیؓ نے سترہ مسائل شرعیہ میں خطا کی اور وہ سب خطائیں نص قرآن کے خلاف تھیں۔

(۲) حضرت حسنین علیہما السلام و حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں :-

از حضرات حسنین و امام زین العابدینؑ روایت بسیار کم آمدہ اند

حضرات حسنین و امام زین العابدین علیہم السلام سے بہت کم روایت آئی ہے۔

مولوی محمد حسن صاحب بھوپالی کتاب اعلام الناس ص ۶ میں نہایت جسارت سے اپنا اور اضافہ فرماتے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام بت پرستوں کی طرح باتیں کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت دراسات اللبیب میں بمقام ذکر تقسیم اموال خمس لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ کاذب اور مفتری تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق میزان الاعتدال ذہبی جلد اول ص ۵ ۹ میں مرقوم ہے۔ آپ سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی یحییٰ ابن سعید قطان استاد بخاری کا قول ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے کھٹکتا ہوں۔ امام مالک نے کوئی روایت آپ سے نہیں لی۔ اور اگر کچھ لے

سے کوئی روایت آپ سے نقل بھی کی تو اس میں دوسرے کو ملا لیا۔ تنہا آپ کی روایت پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ ذہبی کی عبارت یہ ہے۔

قال مصعب بن عبداللہ عن الزبیر وردی قال لم یروِ مالک عن جعفر حتی ظہر امر بنی العباس کان یروی عن جعفر حتی یضمہ الی آخر	مصعب بن عبداللہ زراوردی کی اسناد سے نقل کرتے ہیں کہ مالک نے امام جعفر صادق سے کوئی روایت نہیں لی خلافت بنی عباس قائم ہونے کے بعد روایت لی بھی تو ایسی حالت میں کہ ایک دوسرے کو آپ کے ساتھ ملا لیا۔

پھر وہی امام ذہبی میزان الاعتدال جلد دوم ص ۵ میں لکھتے ہیں:۔

عقیلی کا اعتقاد تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیثیں غیر محفوظ ہیں یعنی قابل اعتبار نہیں غالباً اسی لحاظ سے بخاری و مسلم اور موطا میں کوئی روایت آپ سے نہیں لی گئی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسبت لکھا ہے۔ "لا شئی" وہ کوئی شے نہیں۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے متعلق میزان الاعتدال میں مروی ہے۔ تروی عن ابیہ عجائب و یغلطی۔ وہ اپنے والد بزرگوار سے عجائبات نقل کرتے تھے اور انہیں میں وہم و خطا کرتے تھے۔

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام ایسے بے اعتبار سمجھے گئے کہ راویان صحاح سے ان کا نام ہی ساقط کر دیا گیا۔

امام دہم و امام یازدہم الملقب بعسکریین (حضرت امام علی النقی و حضرت امام حسن عسکری علیہما السلام) کی نسبت امام تیمیہ منہاج السنۃ میں جلد اول صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں۔

دمزا ابن لیلی طبری و ابراہیم حربی دارمی حضرت امام علی نقیؑ و حضرت امام حسن عسکریؑ سے زیادہ دین نبویہ کے ماہر اور جاننے والے تھے۔ ان دونوں ائمہ پر واجب تھا کہ ان دونوں علما میں سے کسی ایک کو اپنا استاد بناتے تاکہ انکو قواعد اسلام معلوم ہو جاتے۔

ہم ان علما و محدثین معترضین ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ان اکاذیب و افترایات کی کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ ان لغویات کی نقل سے ہمارا مدعا صرف یہ تھا کہ شبلی صاحب کے قول کے مطابق۔ صرف بنی امیہ نے ان حضرات ائمہ طاہرین (بنی فاطمہ) کی توہین نہیں کی اور ان کو دین و دنیا دونوں کے لئے بیکار نہیں سمجھا بلکہ بخلاف آپ کے مرقومہ بالا شواہد ثابت کرتے ہیں کہ بنی امیہ کے بعد ان کے ساتھ آپ کے مسالک اور طرز عمل بھی تو بنی امیہ کی کھلی کھلی اور صاف صاف تقلید ثابت ہوتے ہیں تو اس بنا پر شبلی صاحب کو اکیلے بنی امیہ کے ان معائب پر اعتراض کرنے کا کیا حق

حاصل ہے۔ مگر آپ تو توہین بنی فاطمہؑ کو صرف بنی امیہ پر عاید کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مظالم کو صریحاً چھپاتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ اپنے علمائے سلف کے استنے اقوال و اقرار پر نیستی کا قلم کیسے پھیر دے سکتے ہیں؟"

بنی فاطمہؑ۔ ائمہ طاہرین اور اون کی ذریات و متبعین کے تفصیلی مصائب

یہاں تک تو ہم نے آل رسول صلعم یعنی فاطمہؑ ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان کی ذریات اور متبعین کی مصیبتوں کی صرف اجماعی اور اجمالی کیفیت لکھی ہے۔ اب اوس کی کامل تفصیل ہم مناقب خوارزمی کے اسناد سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

سواد اعظم میں ابو المؤید اخطب خوارزمی کے نام نامی سے کون واقف نہیں ہے۔ اس محدث اعلم۔ اور محقق اکمل کے معارف و مناقب سے رجال و احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مناقب خوارزمی کیا ہے حقیقتاً یہ شیعیان نیشاپور کے ایک استفتا کا جواب ہے۔ جو شیعوں نے اپنے مخالف مذہب حاکم کے مظالم کے متعلق۔ امام خوارزمی کی خدمت میں منقول حکم و جواب کی ضرورت سے بھیجا تھا۔ یہ جواب ایک رسالہ کی صورت میں مصر کے مطبع بولاق مصر سے ۱۲۶۷ ہجری میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے۔ جیسا کہ عبارت خاتمہ رسالہ سے ظاہر ہوگا۔ ہم ذیل میں اوسکے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

انتم ونحن اصلحنا الله وایاکم عصابة لم یرض الله لنا الدنیا فذخر لنا الدار الآخرة ورغب بنا عن ثواب العاجل فاعد لنا ثواب الآجل وقسمنا قسمین قسما مات شهیدا وقسما عاش شریدا فالحی یحسد المیت علی ما صار الیه ولا یرغب بنفسه عما جری علیه قال امیر المومنین ویعسوب الدین علیه السلام المحن الی شیعتنا اسرع الی المحدور وهذه مقالة اسست علی المحن وولد اهلها فی طالع الهزاهز والفتن فحیاة اهلها نغص وقلوبهم حشوها غصص والایام علیهم متحاملة والدنیا عنهم مائلة فاذا کنا شیعة ائمتنا فی الفرائض والسنن و

(اے شیعیان نیشاپور) تم لوگوں اور ہم لوگوں کو خدا تعالیٰ صلاح خیر دے اور توفیق نیک۔ ہم وہ قوم مصیبت زدگان ہیں۔ جن کے لئے خدا نے دولت دنیا کو نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ دار آخرت میں ہمارے لئے ذخیرہ فرمایا ہے اور جلدی ثواب عطا کرنے کی جگہ۔ ایک وقت خاص پر اون کے ثوابوں کے عطا فرمائے جانے کا اون سے وعدہ کیا ہے۔ ہم لوگ دو قسم کے کئے گئے ہیں۔ ہماری ایک قسم تو شہید ہو کر فائز بشہادت ہو چکی اور ایک قسم سخت مصیبت و عسرت میں اپنی زندگی بسر کر گئی۔ جو ہم میں سے زندہ ہیں وہ مرجانے والوں پر اون کے مصائب گذشتہ کے باعث رشک کرتے ہیں۔ اور اپنے نفوس میں اون کے مصائب کی وجہ سے ذرا بھی روگردانی کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت امیر المومنین

ملبعی آثارهم فی ترك كل قبیح وفعل حسن فینبغی ان تتبع آثارهم فی المحن غصبت سیدتنا فاطمه صلوٰة الله علیها وعلی ابیها میراث ابیها صلوٰة الله علیه وآله یوم السقیفه وأخّر امیر المومنین عن الخلافه وسُمّ الحسن علیه السلام سرًّا وقتل اخوه علیه السلام جهرا وصلب زید بن علی بالکناسه وقطع راس زید بن علی فی المعرکة وقتل ابناه محمد وابراهیم علی ید عیسی بن موسی العباسی ومات موسی ابن جعفرؑ فی حبس هارون وسم علی بن موسیؑ بید المامون وهزم ادریس بفخ حتی وقع الی الاندلس فریدا ومات عیسی ابن زید طریدا شریدا وقتل یحیی بن عبدالله بعد الامان والایمان وبعد تاکید العهود والضمان هذا غیر ما فعل یعقوب بن اللیث بعلویة طبرستان وغیر قتل محمد بن زید والحسن بن القاسم الداعی علی ایدی ال ساسان وغیر ما صنعه ابو الساج فی العلویة المدینه وحملهم بلا غطاء ولا وطاء من الحجاز الی سامره وهذا بعد قتل قتیبه بن مسلم الباهلی لابن عمر بن علی حین اخذه بابویه وقد ستر نفسه ووارى شخصه یصانع حیاته ویدافع وفاته ولا کما فعله الحسین بن اسمعیل المصعبی بیحیی بن عمر الزیدی خاصة وما فعله مزاحم بن خاقان

اور یعسوب الدین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رنج وغم ہمارے شیعوں پر اُس سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے جتنی تیزی سے آدمی کے جسم پر ضرب کے بعد آماس آجاتا ہے۔ آپ کے اس کلام ہدایت التیام کی بنا اس پر ہے کہ آپ کی اولاد و ذریات کی خلقت وپیدائش اوس عام پراشوبی۔ زوال اور فتنہ وفساد کے طالع میں واقع ہوئی کہ آپ کی اولاد واعقاب کر زمانہ حیات تکلیف وشدت میں کٹے۔ اور اون کے قلوب مختلف فکر و مکروہات میں مبتلا رہے۔ زمانہ اون پر حملات متواتر کرتا رہا۔ دُنیا اپنی طرف مائل کرتی رہی گویا اون کے پیچھے پڑی رہی لیکن باانیہمہ ہمارے اماموں کے شیعہ ہمیشہ اور ہر حال میں فرائض وسنن کی انجام دہی میں مصروف رہے اور اپنے ائمہ دین کے اخبار وآثار کی پوری اتباع وانقیاد میں تمام امور قبیحہ کو متروک فرماتے رہے۔ اون کے اتباع آثار ائمہ کے حالات آلام ومحن سے مفصلاً ظاہر ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا وعلی ابیہا کی میراث آبائی اون کے اور اون کی اولاد کے مقابلہ میں۔ انعقاد سقیفہ کے دن غصب کر لی گئی۔ اور امیر المومنینؑ کو سب سے آخر میں خلافت دی گئی۔ حضرت امام حسنؑ کو مخفی طور پر زہر دے کر شہید کر دیا اور اون کے بھائی کو علانیہ طور پر قتل کر ڈالا۔ زید ابن علی کے مردہ کو کناسہ میں سولی دی اور معرکہ جنگ میں اون کا سر کاٹا۔ اور اونکے دونوں بیٹوں محمدؐ وابراہیم نامی کو عیسیٰ ابن موسیٰ العباسی کے ہاتھوں قتل کرایا۔ اور حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام نے ہارون کے قید خانہ میں انتقال فرمایا اور حضرت علی رضا علیہ السلام کو مامون نے زہر دلوایا۔ ادریس ابن محمد مقام

بعلوية الكوفة كافة وحسبكم انه ليست
في بيضة الاسلام بلدة الا وفيها لقتيل
طالبي تربة تشارك في قتله الاموي والعباسي
واطبق عليهم العدناني والقحطاني فليس
حي من الاحياء نعرفهم من ذي يمن ولا بكر و
لا مضر الا وهم شركاء في دمائهم
كما تشاركت الايسار على جزر قادتهم الحمية
الى المنية وكرهوا عيش الذلة فماتوا
موت العزة ووثقوا بما لهم في الدار الباقية
فسخت نفوسهم عن هذه الفانية ثم لم يشربوا
كاسا من الموت الا شربها شيعتهم واولياؤهم
ولا قاسوا لونا من الشدائد الا قاساه انصار
هم واتباعهم داس عثمان بن عفان بطن
عمار بن ياسر بالمدينة ونفى ابا ذر الغفاري الى
ربذة واشخص عامر بن عبد قيس التميمي
وغرب الاشتر النخعي وعدي ابن حاتم الطائي
وسير عمر ابن زرارة الى الشام ونفى كميل ابن
زياد الى العراق وجفا ابي ابن كعب واقصاه
وعادى محمد ابن حذيفة وناواه وعمل في
دم محمد ابن سالم ما عمل وفعل مع كعب ذي
الحبطة ما فعل واتبعه في سيرته بنو امية
يقتلون من حاربهم ويغدرون بمن سالمهم
لا يحفلون المهاجري ولا يصونون الانصاري
ولا يخافون الله ولا يحتشمون الناس قد اتخذوا
عباد الله خولا ومال الله دولا لا يهدمون

فتح سے ہزیمت پاکر اور یکہ و تنہا ہوکر ملک اندلس میں بے نام و
نشاں ہو گئے۔ اور عیسیٰ ابن زید (موتم الاشبال) (یعنی) یکہ و
تنہا ہوکر پریشان حال پھرتے رہے اور یحییٰ ابن عبد اللہ
ابن زید کو امان دی جاتی۔ حلف شرعی اوٹھائے اور عہد
وپیمان جائز اور ضمانت جان کی جانے کے بعد بھی قتل کر ڈالا
یہ صرف وہ لوگ ہیں جو حجاز و عراق میں شہید کئے گئے۔ ان
غریبوں اور اجل نصیبوں کے علاوہ یہ وہ لوگ تھے۔ جنکو
یعقوب ابن اللیث نے محض سادات علوی ہونے کے
جرم میں علاقہ طبرستان میں قتل کرایا۔ اور اسی طرح محمد
ابن زید اور حسن ابن القاسم الملقب بداعی کو قبیلہ آل
سامان کے ذریعہ سے قتل کرایا۔ ان کے علاوہ ابو الساج
تمام سادات علویہ کو مع اون کی اولاد و ذریات کے بلا پردہ و
سامان راحلہ حجاز سے سامرہ لے گیا اور یہ امر اسوقت
واقع ہوا جب قتیبہ ابن مسلم باہلی عمر ابن علی کو قتل کرچکا
واقعہ یہ ہے کہ قتیبہ نے ایک دن ایک شخص کو دیکھ
لیا تھا کہ وہ عمر ابن علی کی حفاظت جان اور مصیبت مرگ
سے اون کی امان کی ترکیب کررہا ہے۔ قتیبہ نے عین
اسی حالت میں مع اون کے باپ کے پکڑ بلایا اور
قید کردیا ایسے ہی حسین ابن اسماعیل المصعبی نے خاص
طور پر یحییٰ ابن عمر زیدی کے ساتھ ظلم و شقاوت برتی۔ اور
ایسے ہی ظالم و شدید عزاحم ابن خاقان نے کوفہ کے
سادات علویہ کے ساتھ کئے یہ بھی تم بخوبی شمار کرکے سمجھ لو
کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی شہر ایسا نہیں چھوٹا جس میں آل
ابیطالب نہ قتل کئے گئے ہوں اور اون کے قتل و خون
میں اموی اور عباسیوں نے شرکت نہ کی ہو۔ اور اونکے

الکعبة ویستعبدون الصلحاء به
ویعطلون الصلوات الموقوتة ویحطون
اعناق الاحرار ویسیرون فی حرم الرسول
سیرتهم فی حرم الکفار واذا فسق
الاموی فلم یأت بالضلالة عن کلالة
قتل معویة حجر ابن عدی الکندی وعمر
ابن الحمق الخزاعی بعد الایمان المؤکدة
والمواثیق المغلظة وقتل زیاد ابن سمیة
الالوف من شیعة الکوفة وشیعة
البصرة صبرا وسعهم حبسا واسرا
حتی قبض الله معاویة علی اسوأ اعماله
ومضی عمرہ بشرا سواله فاتبعه ابنه
یجیز جرها ویقتل ابناه قتلاه الی ان
قتل هانی ابن عروة المرادی ومسلم ابن
عقیل الهاشمی اولا وعقب بالحر بن
زیاد الریاحی وبابی موسی عمرو ابن قرظة
الانصاری وحبیب ابن مظاهر الاسدی
وسعید بن عبد الله الحنفی ونافع ابن هلال
البجلی وحنظلة بن سعد الشامی وعابس ابن
ابی شبیب الشاکری فی نیف وسبعین من
جماعة شیعة الحسین علیه السلام
یوم کربلاء ثانیا ثم سلط علیهم الدعی ابن
الدعی عبید الله ابن زیاد یصلبهم علی جذوع
النخل ویقتلهم الوان القتل حتی اجتث الله
دابرہ ثقیل الظهر بدماء تهمر التی سفك

اس فعل میں کسی عدنانی یا قحطانی نے مطابقت کی ہو۔
کوئی شخص قبائل ذی یمان۔ بنی بکر اور بنی مضر کے زندہ
لوگوں میں ایسا نہیں چھوٹا جو ان مظلوموں کے خون میں
شریک ہوا۔ اون جماعتوں کی طرح جو اونٹوں کی ذبح
پر تیار ہوتی ہیں۔ ان مظلوموں کی حیا و غیرت نے موت کو
پسند کیا اور ذلت سے جینے کو ناپسند فرمایا۔ اور عزت
کی موت مر گئے۔ اور اون تمام نجات پر فائز ہوئے جو
دار آخرت میں ان کے لئے ذخیرہ تھیں اپنی پاک روحوں
کو دنیائے فانی کے علائق سے رہا کیا اور ان حضرات
میں سے کسی نے کاسۂ مرگ ایسا نہیں پیا جس کا ذائقہ
اونکے بعد اون کے شیعوں نے اور اون کے دوستوں
نے نہ چکھا ہو اور کوئی مظالم و شدائد نہ باقی رہے جو
اونہوں نے خیال کئے ہوں اور اون کے بعد اون کے
انصار و متبعین پر نہ گذرے ہوں حضرت عثمان ابن عفان
نے حضرت عمار ابن یاسر کے شکم پر لات ماری اور حضرت
ابا ذر غفاری کو مدینہ سے ربذہ میں نکالدیا۔ اسی طرح عامر
بن قیس التمیمی کو جلا وطنی پر مجبور کیا اور اشتر نخعی
اور عدی ابن حاتم الطائی کو اون کے گھر سے نکال دیا
اور عمر ابن زرارہ کو بھی شام کی طرف بھیجدیا اور کمیل ابن
زیاد نخعی کو عراق میں داخل ہونے کی ممانعت کردی
اور ابی ابن کعب پر ایسی ہی ستم کئے اور اون کو خاتمہ
تک پہونچا دیا۔ محمد ابن حذیفہ پر ظلم کئے۔ محمد ابن سالم
اور کعب ابن ذی حبطہ کے خون میں جو ترکیبیں کیں اور
جو طرز عمل کئے وہ اپنے مقام پر ہیں یہ اون کے بعد بنی
امیہ نے اونہیں کی تقلید اختیار کی۔ جو لوگ اون سے

عظیم النقمۃ بجرمہم الذی انتہک فانتبہت لنصرۃ اہل البیت طائفۃ اراد اللہ ان یخرجہم من عہدۃ ما صنعوا ویغسل عنہم وضرما اجترحوا فصمد وا صمد الفئۃ الباغیۃ وطلبوا دم الشہید من ابن الزانیۃ لا یزیدہم قلۃ عددہم وکثرۃ سواد اہل الکوفۃ بازائہم الا اقداما علی القتل والقتال وسخاء بالنفوس والاموال حتی قتل سلیمان ابن صرد الخزاعی والمسیب بن نجبۃ الفزاری وعبد اللہ بن واصل التمیمی فی رجال من خیار المومنین وعلیۃ التابعین ومصابیح الانام وفرسان الاسلام ثم تسلط ابن الزبیر علی الحجاز والعراق فقتل المختار شفی الاوتار وادرک الثار وافنی الاشرار وطلب بدم المظلوم الغریب فقتل قاتلہ ونفی خاذلہ واتبعوا عمر ابن کیسان واحمر ابن شمیط ورفاعۃ ابن یزید والسائب بن مالک وعبد اللہ ابن کامل وتلقطوا بقایا الشیعۃ یمثلون لہم بکل مثلۃ ویقتلونہم شر قتلۃ حتی طہر اللہ من عبد اللہ ابن الزبیر البلاد واراح من اخیہ مصعب العباد فقتلہما عبد الملک ابن مروان کذلک تولی بعض الظلمین بعضا بما کانوا یکسبون بعد ما حبس ابن الزبیر

لڑے تھے (طرفداران علیؑ جمل وصفین میں) اون کو تو قتل کرڈالا۔ جو بچ گئے تھے اون کے ساتھ غدر وفساد کیا۔ نہ انکو مہاجرین نے پناہ دی اور نہ انصار نے اون کی اعانت کی۔ اور نہ دنیا والوں نے اون کی قدرو منزلت کی۔ ان لوگوں نے بندگان خدا کو اپنی ملکیت اور مال اللہ کو اپنی خاص دولت سمجھ رکھی تھی۔ کعبہ کو منہدم کردیا تھا۔ صحابہ کی پرستش کرتے تھے۔ نماز موقوتہ کو ترک کر بیٹھے تھے۔ آزاد اور نکوکاروں کو قتل کرتے تھے۔ اور حرم رسول صلعم کی ان لوگوں نے وہ خرابی کی اور اس طرح اوس میں داخل ہوئے۔ جیسے حرم کفار میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنی امیہ میں سے جب کوئی کسی ضلالت کا مرتکب ہوتا تھا تو اس کے بدلے میں اوسکو کوئی سزا و تکلیف نہیں دیجاتی تھی۔ معویہ نے عمر بن حمق خزاعی اور حجر ابن عدی الکندی کو بخلاف قسمہائے شرعیہ اور وعدہ ہائے صحیحہ قتل کرایا۔ اور زیاد بن سمیہ نے ہزاروں شیعان کوفہ وبصرہ کو قتل کیا اور ان کی کثیر تعداد کو مدتہائے دراز تک قید رکھا۔ یہاں تک کہ معویہ اپنی بداعمالی کی سزا پانے کے لئے خدا کے دربار میں بلا لیا گیا اور اوس کی عمر اوسکے بدترین اعمال کے ساتھ بالکل تمام ہوگئی۔ معویہ کی متابعت اوسکے بیٹے نے اختیار کی۔ جو کچھ اوسکے باپ نے چھپا چھپا کر کیا تھا۔ یزید نے اوسے علانیہ دکھلا دکھلا کر کیا۔ ہانی ابن عروۃ المرادی اور مسلم ابن عقیل الہاشمی کو پہلے علانیہ طور پر قتل کرایا۔ اور اوس کے بعد حر ابن زیاد الریاحی۔ ابو موسی بن قرطۃ الانصاری۔ حبیب ابن مظاہر الاسدی

محمد ابن حنفیہ واراد احراقہ ونفی عبداللہ
ابن عباس واکثر ارہاقہ فلما خلت البلاد
لآل مروان وکان سلطوا لحجاز بن ثم
علی العراقین فتلعب بالہاشمیین و
اخاف الفاطمیین وقتل شیعۃ علی و
محا آثار اہلبیت النبی وجری ما جری
علی کمیل ابن زیاد النخعی واتصل البلاء
مدۃ ملک المروانیۃ الی الایام العباسیۃ
حتی اذا اراد اللہ ان یختم مدتہم باکثر
آثامہم ویجعل اعظم ذنوبہم فی اخر ایامہم
بعث علی بقیۃ الحق المہمل والدین معطل
زید بن علی فخذلوہ منافقو اہل العراق
وقتلہ احزاب اہل الشام وقتل معہ
من شیعتہ نصر بن خزیمہ الاسدی
ومعویۃ بن اسحاق الانصاری
وجماعۃ من شیعہ وتابعیہ وحتی
من زوجتہ واذاہ وحتی من کلمہ
واتاہ فلما انتہکوا ذلک الحریم واقترفوا
ذلک الاثم العظیم غضب اللہ علیہم
وانتزع الملک منہم فبعث علیہم ابا
مجرم لا ابا مسلم فنظر لا نظر اللہ الیہ الی
صلابۃ العلویہ والی لین العباسیۃ
فترک تقاہ واتبع ہواہ وباع اخرتہ
بدنیاہ وافتتح عملہ بقتل عبداللہ بن
معویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب

ابوسعید ابن عبداللہ الحنفی۔ نافع ابن ہلال البجلی حنظلہ
ابن سعد الشامی۔ عابس ابن شبیب الشاکری۔ شیعان
حسین علیہ السلام بہتر[۷۲] نفوس کو معرکہ کربلا میں قتل کرایا۔ پھر
بار دیگر اس واقعہ عظیمہ کے بعد ولد الحرام ابن ولد الحرام
عبداللہ ابن زیاد نے شیعان قرب وجوار کو درختوں کی
شاخوں پر سولیاں دلوائیں اور انواع واقسام کے ساتھ
اون کو قتل کرایا۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے اوس کی
پشت پر ان بیگناہوں کے خون ناحق اور ہتک حرمت کی
بیشمار معصیت کا بار کرایا۔ اور اس درمیان میں ایک
جماعت مخلصین کو نصرت اہل بیت عم کی توفیق ہوئی اور
خداوند عالم نے ان لوگوں کے ذریعہ سے ان ظلمہ وقت کی
سزادہی کا ارادہ فرمایا۔ اور اوس جماعت نے ان شہیدان
مظلوم کے خون ناحق کا معاوضہ اس ولد الحرام سے لینا
چاہا۔ مگر اون کی قلت اعداد آخر میں زیادہ نہ ہوسکی اور
اور اون کو کمک نہ پہونچنے کی امید منقطع ہوگئی۔ اشرار کوفہ
کی جماعت کثیر اون کے مقابلہ ومقاتلہ پر تیار ہوگئی۔ اور
اپنے جان ومال سے مستعد ہوگئی۔ یہاں تک کہ سلیمان
ابن صرد خزاعی۔ مسیب بن نجبۃ الفزاری۔ عبداللہ
ابن واصل التمیمی جو اخیار مومنین اور نیکوکار تابعین
شمار ہوتے تھے۔ اور شہسواران اسلام اور انوار
ہدایت انام کہلاتے تھے قتل کیے گئے۔ اسکے بعد حجاز
وعراق پر ابن زبیر کا تسلط ہوگیا اور مختار نے مظلوم غریب
اور شہید مصیبت نصیب کا طالب خون کیا اور اون کے
تمام قاتلوں کو قتل کیا اور اون کے دشمنوں کو ویسے
ہی ذلیل وخوار کیا۔ اور ابو عمر بن کیسان۔ احمر ابن شمیط

وسلطوا طواغيت خراسان وخوارج
سجستان واكراد اصفهان على آل ابي طالب
يقتلونهم تحت كل حجر ومدر ويطلبونهم
في كل سهل وجبل حتى سلط عليه
احب الناس اليه فقتله كما قتل الناس
في طاعته واخذه بما اخذ الناس
في بيعته ولم ينفعه ان اسخط الله
برضاه وان ركب ما لا يهواه وحلت
من الدوانيق الدنيا فخبط فيها عسفا
وتقدى فيها جورا وحيفا الى ان
مات وقد امتلات سجونه باهل بيت
الرسالة ومعدن الطيب والطهارة
قد تتبع غائبهم وتلقط حاضرهم حتى
قتل عبد الله بن محمد بن عبد الله
الحسني بالسند على يد عمر بن هشام
بن عمر التغلبي فما ظنك بمن قرب
تناوله عليه ولان مسه على يديه
وهذا قليل في جنب ما قتله هارون
منهم وفعله موسى قبله بهم فقد عرفتم
ما توجه على الحسن بن علي بفخ من موسى
وما اتفق على علي بن الافطس الحسيني
من هارون وما جرى على احمد بن
علي الزيدي وعلى القسم بن علي الحسني
من حبسه وعلى علي بن غسان الخزاعي
حين اخذ من قبله والجملة ان هارون

رفاعہ ابن یزید، سائب ابن مالک اور عبداللہ ابن کامل
اور تمام جماعت شیعہ نے انکا ساتھ دیا۔ اور قاتلان حسینؑ
کو اوسی طرح قتل کیا جس طرح اونہوں نے شیعان
حسینؑ کو قتل کیا تہا۔ یہاں تک کہ خدا نے عبداللہ ابن
زبیر کے وجود سے تمام امصار و بلاد کو ظاہر کیا اور اوسکے
بھائی مصعب کی طرف سے بھی تمام دنیا کو آرام و اطمینان
ہوگیا اور ان دونوں کو عبدالملک ابن مروان نے قتل
کیا۔ اوسی طرح ایک ظالم کے بعد دوسرا ظالم قائم ہوتا
گیا اور ان سے انواع و اقسام کے مظالم عمل میں آتے
گئے۔ اس سے قبل ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ کو قید کیا
اور اون کو جلاکر مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ ابن
عباس کے تمام فضائل و مناقب کا انکار کیا اور اکثر
اوقات اون پر سخت ظلم بھی کئے۔ اور جب تمام ملک
آل مروان کے لئے خالی ہوگیا تو حجاج پہلے تمام حجاز پر
پھر بعد ازاں تمام عراق کا والی مقرر ہوا۔ وہ بنی ہاشم
کے ساتھ طرح طرح کے کھیل کھیلا اور بنی فاطمہ کو تمام
ڈرایا اور دھمکایا۔ شیعیان علیؑ کو بلا تامل قتل کیا۔ اور
اہلبیت رسولؐ کی بنیادیں کھود ڈالیں۔ کمیل ابن زیاد
نخعی پر جو مصائب گذرے وہ گذرے۔ یہ تمام مصیبتیں
اور مظالم بنی امیہ کے وقت سے لیکر بنی عباس کے زمانہ
تک جاری اور قائم رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے اون کی
مدت حکومت کو ختم کیا اور اون کے گناہوں کو دنیا کے
تمام لوگوں کے گناہوں سے عظیم ترین قرار دیا۔ اور اونکے
مظالم کی پاداش میں اون کے ایام حکومت کو تمام کر دیا۔
آخر ایام بنی امیہ میں جب حق معطل اور دنیا مستطیل ہو چکا

مات وقد قصر شجرة النبوة واقتلع غرس
الامامة وانتم اصلحكم الله لستم اعظم
نصيبا في الدين من الاعمش فقد شانوه
ومن علي ابن يقطين فقد اتهموه فاما
في صدر الاول فقد قتل زيد ابن صوحان
العبدي وعوقب عثمان ابن حنيف
الانصاري واقصي حارثة بن قدامة
السعدي وجندب بن زهير الازدي
وشريح بن هاني المرادي ومالك ابن
كعب الارحبي ومعقل ابن قيس الرياحي
والحرث الاعور الهمداني وابو الطفيل
الكناني وما فيهم الا من خر على وجهه
قتيلا او عاش في بيته ذليلا يسمع شتمة
الوصي فلا ينكر ويرى قتلة الاوصياء
واولادهم فلا يغير ولا يخفى عليكم حرج
عامتهم وحيرتهم كجابر الجعفي ورشيد
الهجري وكزرارة ابن اعين لبس
الا انهم رحمهم الله يتولون اولياء
الله ويتبرون من اعداء الله وكفى
به جرما عظيما عندهم وعيبا كبيرا
بينهم وقل في بني العباس فانك ستجد
بحمد الله تعالى مقالا وجل في عجائبهم فانك
ترى ما شئت مجالا يجبي فيهم فتفرق
على الديلمي والتركي ويحمل المغربي
والفرغاني ويموت امام من ائمة الهدى

تھا تو زید ابن علی نے احقاق حق کے لئے سعی بلیغ کی اہل
عراق نے اون کے ساتھ نفاق کیا اور اون کو چھوڑ دیا۔
اہل شام نے آخرکار اون کو قتل کیا۔ اور اون کے ساتھ
شیعوں کو۔ مثل نصر ابن خزیمہ اسدی معویہ ابن اسحٰق
انصاری اور اون کے متبعین کی جماعت کثیر کو قتل کیا
یہاں تک کہ اون لوگوں کو بھی مار ڈالا۔ جو ان لوگوں سے
قرابت اور عزیز داری رکھتے تھے۔ یا وہ لوگ جو ان کی مدح
ثنا کرتے تھے جب ان ظلمہ وقت نے یہاں تک ان
صاحبان حرمت کی ہتک اور توہین کی اور اون کے گناہ و
معصیت اس شدت و عصبیت تک پہونچ گیا تو خدا نے
ان پر اپنا غضب نازل فرمایا۔ اور ان سے انتزاع ملک
کرلیا۔ اون پر ابو مجرم (ابو مسلم نہیں) کو مسلط کیا۔ پھر بنظر
ندرت علویوں کے ساتھ ابو مسلم کی سختی اور عباسیوں کے
ساتھ اس کی نرمی کو برابر دیکھتی رہی اوس نے اپنے اس
کردار و رفتار میں خوف خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی خود غرضی کی
متابعت اختیار کرلی۔ اپنی آخرت کو دنیا کے لئے بیچ ڈالا۔
اوس کے یہ طرز عمل ایں ظاہر ہوئے کہ اوس نے عبد اللہ
ابن معویہ ابن عبد اللہ ابن جعفر ابن ابیطالب کو قتل کیا۔
اور کافران خراسان۔ خوارج سجستان اور اکراد اصفہان کو
آل ابیطالب کے قتل و غارت پر متعین کیا اور ان ستمگاروں
نے آل ابیطالبؑ کو پہاڑوں۔ میدانوں۔ دریاؤں اور
ریگستانوں میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا یہاں تک کہ
اوسپر (ابو مسلم پر) ایک ایسے شخص کو مسلط کیا جو اوسکے
(ابو مسلم کے) نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (السفاح)
اور اس کو اوس نے ویسے ہی قتل کیا جیسے اس نے کثیر

ويسيّد من السّادات بيت المصطفىٰ
فلا يتّبع جنازة ولا تحصص مقبرته
ويموت ضرّاط لهم ولاعب او مسخرة
او ضارب فتحضر جنازته العدول و
القضاة ويعمر مسجدا للتعزية عند القواد
والولاة ويسلم فيهم من يعرفونه
دهريا او سوفسطائيا ولا يتعرضون
لمن يدرس كتابا فلسفيا ومانويا ويقتلون
من عرفوه شيعيا ويسفكون دم من
سمي ابنه عليا ولو لم يقتل من شيعة
اهل البيت غير المعلى ابن خنيس
قتيل داؤد بن علي ولو لم يحبس فيهم
غير ابو تراب المروزي لكان ذلك
جرحا لا يبرأ ونائرة لا تطفأ وصدعا
لا يلتئم وجرحا لا يلتحم وكفاهم ان
شعراء قريش قالوا في جاهلية اشعارا
يهجون بها امير المومنين عليه السلام
ودوّنت اخبارهم ورواها الرواة
مثل الواقدي ووهب بن منبه التميمي
ومثل الكلبي والشرقي بن القطامي والهيثم
ابن عدي ودأب بن الكناني وان بعض
الشعراء الشيعة يتكلم في ذكر مناقب
الوصي بل في ذكر معجزات النبي صلى الله عليه
واله وسلم فيقطع لسانه ويمزق ديوانه
كما فعل بعبد الله بن عمار البرقي وكما اريد

بندگان خدا کو قتل کیا تھا اور اس سے بھی اوس نے دنیا
ہی مواخذہ کیا جیسے اس نے اپنی سیرت کے لئے مواخذہ
کیا تھا۔ اور اس شخص کو اسکا یہ جوڑ عمل بھی کوئی فائدہ
نہ پہونچا سکا کیونکہ اوس کی سوء تدبیری غضب خدا کا
باعث ہوئی۔ اور حصول مدعا کے بعد وہ اپنی ہوا و حرص
کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دُنیا کو اوس نے اپنے لئے حلال
کر لیا۔ دُنیا میں اوسکے اعمال حبط ہو گئے اور تمام دنیا کو
اوس نے جور و ظلم سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا اور
تمام ملک کے قید خانے اہلبیت رسالت اور معدن طیب
طہارت سے بھر گئے اوسکے بعد اوسکے ورثا اور خلفاء نے
بھی اوسی کی متابعت کی۔ عبد اللہ ابن محمد بن عبد اللہ
الحسنی کو علاقہ سندھ (ہندوستان) میں عمر ابن ہشام
بن عمر تغلبی کے ذریعہ سے قتل کرایا اوس کی وجہ صرف
خلاف سلطنت کے شک و شبہ کے سوا اور کچھ معلوم نہیں
ہوتی اور یہ واقعات تو اون مظالم کے مقابلہ میں جو ہارون
الرشید نے اہلبیت کے ساتھ کئے یا موسی عباسی کر گیا
بہت ہی قلیل اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ حضرات شیعان
خراسان (سالاران قوم کی) خود واقف ہیں جو موسی عباسی
کے ہاتھوں حسن بن علی (الملقب بہ نفس زکیہ) پر مقام فخ
(قریب مدینہ) میں گذرا اور علی ابن افطس حسینی پر ہارون
کے ہاتھوں سے جو مظالم گذرے اور محمد بن زید بن علی
اور قاسم ابن علی الحسنی پر قید دوام و علی ابن غسان
الخزاعی پر گرفتاری اور روپکاری کے مصائب ہارون
کے ہاتھوں سے جو گذرے وہ مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ
ہارون مر گیا۔ ایسی حالت میں کہ وہ شجرۂ رسالت کو قطع

بالكميت بن زيد الاسدي وكما نبش قبر
منصور بن الزبرقان النمري وكما دس على
دعبل بن علي الخزاعي مع رفقته من مروان
بن ابي حفصة اليمامي ومن علي بن الجهم
الشامي ليس الا لشغفهما في النصب واستيهابهما
مقتنى الريب حتى ان هارون بن الخيزران
وجعفر المتوكل على الشيطان لا على الرحمان
كانا لا يعطيان مالا ولا يبذلان نوالا الا
لمن شتم آل ابي طالب ونصر مذهب
النواصب مثل عبد الله بن مصعب
الزبيري ووهب بن وهب البختري و
من الشعراء مثل مروان بن ابي حفصة
الاموي ومن الادباء مثل عبد الملك
ابن قريب الاصمعي واما في ايام جعفر فمثل
بكار بن عبد الله الزبيري وابي السمط بن
ابي الجنوب الاموي وابن ابي الشوارب العبشمي
ونحن ارشدكم الله قد تمسكنا بالعروة
الوثقى وآثرنا الدين على الدنيا وليس يزيدنا بصيرة
زيادة من زاد فيها ولا يحل لنا عقيدة انتقاص
من نقص منها فان الاسلام بدء غريبا و
سيعود كما بدء كلمة من الله ووصية من
رسول الله صلعم يورثها من يشاء من
عباده والعاقبة للمتقين وعمر لديهم
غد وبعد لمستبشيم الاسد فقال عمار بن
ياسر رضي الله عنه يوم صفين ان ضربونا

اور نخل امامت کو مستاصل کر چکا تھا۔ اور اے شیعیان نیشاپور
خداوند عالم تمہارے امور میں صلاح و خیر دے۔ تم لوگ نعمت
دین میں اعمش سے زیادہ حصہ نہیں رکھتے۔ جن کو طرح طرح
کی عقوبت سے خوف زدہ کیا گیا اور علی بن یقطین پر اتہام
لگایا گیا۔ اور انہیں بزرگوں کی طرح زمانہ سابق میں زید ابن صوحان
العبدی کو پہلے پہر بعد اون کے عثمان ابن حنیف انصاری
اور آخر میں مالک ابن کعب ارحبی۔ معقل ابن قیس ریاحی
اور حرث بن الاعور ہمدانی اور ابو طفیل الکنانی کو بھی ایسے
ہی مصیبتیں پیش آئیں۔ اور حارثہ ابن قدامۃ السعدی۔ اور
جندب بن زہیر الاسدی اور شریح ابن ہانی المرادی۔ اور
ان میں سے کوئی متنفس ایسا نہیں بچا جو قتل نہ کیا گیا ہو یا
جو بچ گیا ہو اوس نے گھر بیٹھ کر حقیرانہ اور فقیرانہ زندگی نہ
بسر کی ہو اور بار بار جناب علی مرتضیٰ ع پر سب و شتم نہ سنتا ہو۔
اور اون کی تردید و تکذیب کی مجال رکھتا ہو۔ یا اونکا اوصیاء
و ذریات کو قتل ہوتے ہوئے نہ دیکھتا ہو۔ لیکن با اینہمہ ان
کے عقاید میں کوئی تغیر نہ آیا اور یہ مظالم و مفاسد اون کو
کوئی حرج نہ پہونچا سکے۔ جیسا کہ جابر جعفی۔ رشید ہجری
اور زرارہ ابن اعین کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ یہ
سب بزرگوار اولیاء اللہ (یعنی ائمہ اطہار ع) کے دوستدار
تھے اور اون کے دشمنوں سے بیزار تھے۔ اور ظالم وقت
کے نزدیک اونکا یہی جرم عظیم اور عیب کبیر تھا۔ اب
بنی عباس کے کردار کا ذکر کرو۔ ان کے ذکر میں بھی ہمکو
بہت سے اقوال ملیں گے اور اون کے اقوال میں عجائب
و غرائب مشاہدات پیش آئیں گے بیت المال کی تقسیم
کو گویا ان لوگوں نے قبائل دیلم۔ اقوام ترک۔ اندلس اور

حتی تبلغ سعفات هجر لعلمنا انا علی الحق و
انهم علی الباطل ولقد هزم جیش رسول الله
صلوٰة الله علیه ثم هزم ولقد تاخر ام
الاسلام ثم تقدم الم احسب الناس
ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون
ولولا محنة المومنین وقلتهم ودولة
وکثرتهم لما امتلأت جهنم حتی تقول
هل من مزید وکما قال الله تعالی ولکن
اکثرهم لا یعلمون ولما تبین الجزوع من
الصبور ولا عرف الشکور من الکفور
ولما استحق المطیع الاجر ولا احتقب العاصی
الوزر فان اصابتنا نکبة فذلک ما قد
تعودناه وان رجعت لنا دولة فذلک
ما قد انتظرناه وعندنا بحمد الله تعالی
لکل حالة آلة ولکل مقامة مقالة
فعند المحن الصبر وعند النعم الشکر و
لقد شتم امیر المومنین علیه السلام
علی المنابر الف شهر فما شککنا فی وصیته
وکذب محمد صلی الله علیه وآله وسلم
بضع عشرة سنة فما اتهمناه فی نبوته
وعاش ابلیس مدة تزید علی المدد فلم
نرتب فی لعنته وابتلینا بفترة الحق و
امتحن مسلمون بدولة دفعنا الی قتل الامام
بعد الامام والرضا بعد الرضا ولا مریة عندنا فی
صحة امامته وکان الله مفعولا وکان

فرغانہ کے لئے خاصکر وقف کردیا تھا۔ اور جب ائمہ ہدیٰ
کے طبقہ میں کوئی امام مرجاتا تھا۔ یا اہل بیت مصطفیٰ میں
کوئی سید القوم انتقال فرماتا تھا تو کوئی فرد واحد اون کے
جنازہ میں شریک مشایعت نہیں ہوتا تھا۔ اور اوسکا کوئی
مقبرہ نہیں بناتا تھا۔ بخلاف ان کے جب کوئی مسخرہ
قوال۔ گانے والا۔ یا شاہی سجانے والا مرجاتا تھا تو تمام علماء
قضاۃ اوسکے جنازہ کی مشایعت کرتے تھے۔ اور بزرگان و
رئیسان کے مقبرہ و مسجد میں اوس کی قبر بناتے تھے۔ بنی
عباس اون لوگوں سے جو مذہباً دہریہ۔ سوفسطائیہ ہوتے
اون سے محاسن سلوک پیش آتے اور یہ لوگ اگر ملک و قوم
کو کتب فلسفی اور مانی کی تعلیم دیتے تھے تو اون سے مطلق
اعراض نہ کرتے تھے۔ لیکن جب کسی شیعہ کو پہچان لیتے تھے
تو اوس کو قتل ہی کرڈالتے تھے۔ اور جس شخص کا نام علی ہوتا
تھا۔ اوس کی گردن مارتے تھے۔ معلی ابن خنیس کو علی ابن
داؤد نے قتل کیا۔ اور ابوتراب مروزی کو حبس دوام کی
سزا دی۔ ان لوگوں نے اپنے ذمہ وہ مظالم لئے ہیں جن
سے وہ کبھی بری نہیں ہوسکتے۔ اور وہ آتش مفسدہ برپا کی
ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی اور وہ صدمات و زخمہائے کاری
پہونچائے ہیں جو کبھی التیام نہیں پاسکتے ان لوگوں نے
اون جہلا شعرائے قریش کی تو معاونت کی جنہوں نے اپنے
اشعار میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ہجو کی۔
لیکن اون شعرائے اسلام کی تعریض و تنبیہ کی
جنہوں نے اپنے اشعار و قصائد میں حضرت علی مرتضیٰ
کی مدح و ثنا کی تھی۔ بنی عباس نے خاصکر اونکے اشعار
(ہجویہ) کو غائب کیا اور اونکے تمام اخبار و مرویات کو اپنے

امر اللہ مقدورا کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ولتعلمن نباہ بعد حین اعلموا رحمکم اللہ ان بنی امیۃ الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن و اتباع الطاغوت والشیطان جهدوا فی دفن محاسن الوصی واستاجروا من کذب فی الاحادیث علی النبی صلے اللہ علیہ والہ وسلم وحولوا الجوار الی بیت المقدس عن المدینۃ والخلافۃ زعموا الی الدمشق من الکوفۃ وبذلوا فی طمس ھذا الامر الاموال وقلدوا علیہ العمال واصطنعوا فیہ الرجال فما قدروا علی دفن احادیث رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ولا علی تحریف آیۃ من کتاب اللہ تعالی ولا علی دوس احد من اعداء اللہ فی اولیاء اللہ ولقد کان ینادی علی رؤسھم بفضائل العترۃ ویبکت بعضھم بعضا بالدلیل والحجۃ لا تنفع فی ذلک ھیبۃ ولا یمنع منہ رغبۃ ولا رھبۃ والحق عزیز وان استذل اھلہ وکثیر وان قل حزبہ والباطل وان رصع بالشبہ قبیح وذلیل وان غطی وجھہ بکل ملیح وکیف لا ینقصون فی ما یقتلون بنی عمھم جوعا وسغبا ویلثون دیار الترک والدیلم فضۃ وذھبا یستنصرون المغربی والفرغانی ویجفون المھاجری والانصاری ویولون بانباط السواد

اہتمام سے خاص طور پر ذائع و شائع کیا۔ اور انھیں اخبار و آثار سے۔ واقدی، وہب بن منبہ التیمی، کلبی، شرقی بن القطامی، ہیثم بن عدی اور داب بن الکنانی نے دفتر کے دفتر مرتب کئے۔ بعض شعرائے شیعہ نے علیحدہ نہیں بلکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر معجزات کے ساتھ جناب علی مرتضیٰؑ کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا اوس غریب کی زبان کٹوا لی گئی۔ اور اوسکا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ اسی طرح عبد اللہ ابن عمار البرقی کے ساتھ ظالمانہ سلوک کئے گئے۔ اور کمیت ابن زید اسدی کے ساتھ بھی یہی برتاو کئے گئے۔ منصور بن الزبرقان النمری کی تو قبر تک اس جرم میں کھود ڈالی گئی۔ اور ایسے ہی مصائب و نوائب دعبل خزاعی اور اون کے رفقا پر مروان ابن ابی حفصہ الیمامی اور علی ابن جہم الشامی کے ہاتھوں اونکی انتہائے ناصبیت کی وجہ سے گذر گئے۔ یہاں تک کہ ہارون اور جعفر متوکل (جو متوکل بہ شیطان تھا نہ متوکل علی الرحمان) یہ دونوں ایسے ظلم و قت ثابت ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دولت دشمنان آل ابیطالبؑ کے ایثار و عطایا کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان لوگوں نے تمام فرقہ نواصب کی بڑی بڑی مدد کی جیسا کہ علماء دشمنان آل ابیطالب میں عبد اللہ ابن مصعب ابن الزبیر و وہب ابن وہب البختری کے ساتھ اور شعرا میں مروان ابن ابی حفصۃ الاموی کے ساتھ اور ادبا میں عبد الملک ابن قریب الاصمعی کے ساتھ بڑے بڑے گرانمایہ سلوک کئے۔ نیز اسی طرح جعفر کے زمانہ میں بکار ابن عبد اللہ زبیری اور ابی السمط ابن ابی الجون الاموی و ابن ابی شبور اسد الہیثمی کے ساتھ عطایا اسے افز

وبزارتهم وقلف البجم والطماطم قيادتهم ويمنعون
ال ابی طالب میراث امهم وفی جدهم تشتمی
العلوی الا كلة فی حرمها ويفترح على الايام
المشهوة فلا يطعمها وخراج مصر والاهواز
وصدقات الحرمين والحجاز تصرف الى ابن
ابی مريم المدينی والى ابراهيم الموصلی و
ابن جامع السهمی والى زلزل الضارب و
برصوما الزامر واقطاع بختيشوع النصرانی
قوت اهل بلد وجاری بغا التركی والافشين
الاشروسنی كفاية امة ذات عدد والمتوكل
زعموا يتسری باثنی عشر الف سرية والسيد
من سادات اهل البيت يتعفف بزنجية او
سندية وصفوة مال الخراج مقصور على
ارزاق الصفاعنة وعلى موائد المخانثة و
على طعمة الكلابين ورسوم القرادين و
على المخارق وعلوية المغنی وعلى زرزر و
عمر بن بانة الملهی ويخلون على الفاطمی
باكلة او شربة ويصارفونه على دانق وحبة
ويشترون العوادة بالبدر ويجرون لها
ما لبقی يرزق عسكر والقوم الذين احل
لهم الخمس وحرمت عليهم الصدقة و
فرضت لهم الكرامة والمحبة يتكففون
ضرا ويهلكون فقرا ويرهن احدهم سيفه
ويبيع ثوبه وينظر الى فئة بعين مريضة ويتشدد
على دهره بنفس ضعيفة ليس له ذنب الا ان

گئے۔ اور اے حضرات مخاطبان شیعان نیشاپور) خداوند عالم
تمکو رشد و ہدایت عطا فرماسئے۔ ہم لوگ عروۃ الوثقی کے
ساتھ متمسک ہیں۔ اور ہماری دُنیا کی بنا بھی ہمارے اساس
دینی پر مبنی ہے۔ ہمکو جتنی بصیرت دین حاصل ہو چکی ہے۔
اوس سے گھٹنے والی نہیں۔ ہمارے عقاید محکم ہیں اون منکران
اسلام کے نقصان فی العقاید سے کوئی نقص واقع نہیں
ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے دین میں عجیب و غریب بدعتیں
پیدا کی ہیں اور کلمۃ اللہ و حکم رسول اللہ سے بالکل
منحرف ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم یوں تو جس کو چاہتا
ہے زمین کا وارث بناتا ہے۔ مگر دار عاقبت نیکوکاروں
کے لئے ہے۔ ہر آج کے بعد کل آنے والا ہے۔ اور
ہر یوم السبت کے بعد یوم الاحد کا ہونا ضروری ہے
جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے روز
فرماتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہمکو مارتے مارتے تباہی و جدائی
کے اوس سرے تک بھی پہونچا دیں۔ تاہم ہم یہی یقین
کرتے رہیں گے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ ضرور باطل پر ہیں
یہ بھی غور کے قابل ہے کہ پہلے جناب رسالتمآب صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم کے لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ اور پھر آپ کے لشکر
نے مخالفین کو شکست پر شکست پہونچائی۔ اسیطرح پہلے
تبلیغ و توسیع میں تاخیر واقع ہوئی اور بعد ازاں تقدیم۔
پھر اسی کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے "کیا لوگ
یہ سمجھے ہیں کہ وہ صرف اس کہہ دینے سے کہ ہم ایمان
لائے ہیں۔ چھوڑ دئے جائیں گے اور کیا وہ لوگ فتنہ و
فساد نہیں کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں اگر مومن کی تعداد
کم اور اون کے مددگار زیادہ نہ ہوتے تو پھر دوزخ پر

جدّته النبی وابوه الوصّی وامّه فاطمة و جدّته خدیجة ومذهبه الایمان و امامه القرآن۔

اور ملو ہو کر کیسے کہتی کہ مجھے ابھی اور زیادہ دیا جاوے۔ اور اگر خدا نے نہ فرما دیا ہوتا کہ اکثر لوگ جاننے والے نہیں ہیں۔ تو پھر صبر کرنے والوں کو بے صبروں سے۔ اہل شکر

کو، صاحبان کفور سے۔ اور اہالیان جزا کو مجرمان سزا سے کیونکر پہچانا جاتا۔ ہم لوگوں کے مصائب ایسے ہیں۔ جنکے لئے ہم سے اجر و توفیق کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور تحقیق کہ رغبت دولت و نعمت کے انتظار کرنے کا ہمکو حکم ہو چکا ہے اور ہم اوسکا انتظار کر رہے ہیں۔ اور بحمد للہ ہمارے پاس ہماری تمام حالتوں کے لئے ایک دلیل اور وسیلہ ہے اور ہر مقام کے لئے ہمارے پاس ایک حجت ہے۔ مصیبت کے وقت ہمارے پاس صبر ہے اور نعمت و دولت کے وقت شکر ہے۔ اگرچہ ایک ہزار مہینوں تک جناب امیر المومنین علیہ السلام پر برسر منبر لعنت کی گئی۔ مگر ہم لوگوں کو آپ کے وصی برحق ہونے میں ذرا بھی اشکال واقع نہیں ہوا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پندرہ برس تک تکذیب ہوتی رہی اور ابلیس ملعون ان امور قبیحہ میں اپنی طرف سے رد پہونچانے میں ہمیشہ زیادتی ہی کرتا رہا۔ مگر ہم اوس پر (ابلیس پر) برابر لعنت ہی کرتے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے مصائب اور ہماری آزمائش فطرت حقہ کے مطابق ہے اور ہم اوس کے تمام آخر پر پورا یقین رکھنے والے ہیں۔ ہم برابر ایک امام کے قتل کے بعد دوسرے امام کے قتل پر مدافعت کرتے رہے۔ اور ایک رضائے الہی کے بعد دوسری پر راضی برضا رہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اون کے یہ مصائب اون کی صحت امامت کے لئے دلیل واضح اور حجت قاطع تھی اور یہ امور بمصداق آیہ وانی یدایہ وکان وعداللہ مفعولا (خدا کا وعدہ ہو کر رہیگا۔) مقدر ہو چکے تھے اور ضرور ہونے والے تھے۔ مخالفین کو معلوم ہو جاوے۔ اور پھر تاکید اً کہا جاتا ہے اون کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کئے ہیں وہ معلوم کرلینگے کہ اون کی کیسی بازگشت ہونے والی ہے اور اون کو اس وقت کے بعد اس کی خبر ہوگی۔ اور اے حضرات تاطلبان شیعان خراسان۔ آپ لوگ یقین کرلیں کہ بنی امیہ وہی ہیں جن کے لئے قرآن میں شجرۂ ملعونہ کہا گیا ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو طاغوت و شیطان کے مطیع و فرمانبردار مشہور ہیں۔ جنہوں نے حضرت علیؑ کے محاسن کو مخفی کرایا۔ اور جنہوں نے اجرت دیدے کر حدیثوں میں جناب رسول خدا صلعم پر جھوٹ بنوایا۔ اور ان تمام موضوعات کو تمام دیار و امصار بیت المقدس سے لیکر مدینہ تک پر اور مملو کر آئے۔ خلافت کو فہ سے اوٹھا کر دمشق میں لے گئے اور ان امور قبیحہ کی تعمیل و ترتیب میں دولت کثیر صرف کردی۔ اور ان کی تعمیل و نفاذ پر اپنے عمال کو مقرر کیا۔ وہ استخفاف احادیث رسول۔ اسقاط اخبار فضائل اہلبیت پیغمبر۔ تحریف فی القرآن اور رفع مظالم معاندین عن رؤس ائمہ طاہرینؑ کا کوئی تدارک نہ کرسکے۔ اگر کوئی شخص فضائل عترت طاہرین بیان کرتا تھا تو اون میں سے بعض بعض لوگ اون کے دلائل و حجت کو سن سن کر رونے لگتے تھے۔ مگر باینہمہ یہ اثر دہمیت نہ اونھیں کوئی فائدہ پہونچاتی

تھی اور نہ وہ اپنے غلط طریقہ سے باز آتے تھے۔ حق ہمیشہ عزیز ہی رہتا ہے اگرچہ صاحبان حق کتنے ہی ذلیل نہ کئے
جائیں۔ اور اگرچہ اون کے متبعین کیسے ہی قلیل اور معدودے چند ہوں اور باطل کو گو ظاہری صورت میں کتنا ہی
آراستہ و پیراستہ نہ کیا جاوے مگر وہ ہمیشہ بدنما اور ذلیل ہی دکھلائی دیگا۔ بنی امیہ کے بعد پھر ایسے لوگوں کو کیوں
ملزم نہ کہا جاوے جنہوں نے اپنے بنی اعمام کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا۔ اور بخلاف ان کے دیار ترک
و دیلم کے باشندوں کو سونے اور چاندی سے بھر دیا۔ جنہوں نے اقوام مغربی اور فرغانی کی پوری استمداد
و استعانت کی اور قبائل مہاجر و انصار پر مظالم کئے۔ اقوام انباط سیاہ کو اپنا وزیر بنایا اور اقوام ناتخوتن عجم و طمطم
کو ارکین و امراء سلطنت مقرر کیا اور آل ابی طالب کو نہ اون کی ماں کی وراثت دی اور نہ اون کے جد بزرگوار
کے خاص حقوق فئے اور خمس سے اون کو کچھ حصہ دیا اور جب کسی علوی نے اپنی قوت لا یموت کے لئے
سعی و خواہش کی تو اوس کی سخت ممانعت کی۔ یہاں تک کہ حالت گرسنگی میں اکل میتہ اون پر حلال
ہوگیا۔ انہیں تکالیف میں اون کی عمریں تمام ہوگئیں۔ مگر کبھی اونھوں نے سیر ہوکر روٹی نہ کھائی۔ بخلاف
ان کے خراج مصر و اہواز۔ صدقات حرمین و حجاز۔ ابن مریم المدینی (حکیم نصرانی) ابن جامع السہمی
رقاص و مغنیان سلطان اور بختیشوع نصرانی طبیب شاہی کی جاگیرات دیئے۔ اور اہل بلد کے وظیفہ
پہونچائے۔ اور لغات ترکی اور افشین رومی کے غلام و کنیز کے مصارف میں اوٹھایا جاتا تھا۔ اور مزید
براں محلات شاہی کے مصارف یومیہ میں آتا تھا۔ جن میں سے صرف متوکل کی لونڈیوں کی تعداد
بارہ ہزار بتلائی گئی ہے۔ مگر سادات اہلبیت میں ایک سید غریب ایک حبشی اور سندھی عورت کے ساتھ
اپنی عمر کاٹ دیتا ہے۔ تمام اموال خراج۔ صدقات۔ و زکوۃ۔ جلادوں۔ خواجہ سراؤں۔ کتوں اور بھالو
بندروں کی خوراک۔ تماشا کرنے والوں۔ باجہ بجانے والوں۔ مثل زرزد۔ اور عمر بانہ الملاہی کے مصارف میں
صرف کیا جاتا تھا۔ مگر ان میں سے بنی فاطمہ کو کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ بلکہ سخت بخل کیا جاتا تھا۔ اور یہ تمام اموال و
دولت مصارف عیش اور خرید آلات غنا وغیرہ میں اوٹھائی جاتی تھی۔ اور جو بچتی تھی وہ فوج و لشکر کے مصرف میں
آتی تھی۔ اور اوس قوم و فرقہ کی جنکے لئے خمس حلال اور صدقہ حرام کیا گیا تھا۔ اور جن کی عظمت۔ تکریم و تعظیم محبت و
مودت لازم و واجب کیگئی ہے۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت تھی کہ وہ نہایت تنگی اور شدید عسرت میں بسر کرتے تھے۔
انمیں سے کوئی اپنی تلواریں رہن رکھتا تھا کوئی کپڑے بیچکر گذران کرتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے گھر میں مریض پڑا ہوا دیکھتا
تھا جو شدت ضعف سے سسکتا تھا۔ مگر اوسکے علاج و تدارک پر قادر نہیں تھا۔ اور یہ تمام مصائب و نوائب صرف
اسی جرم کی وجہ سے تھے کہ اون کا جد بزرگوار نبی تھا۔ پدر نامدار وصی تھا۔ اون کی ماں فاطمہ تھیں۔ اور دادی خدیجہ
مذہب اونکا ایمان تھا۔ ہادی اونکا قرآن۔

مکاتیب خوارزمی بہت کمیاب ہے۔ ایک بار مصر کے مطبع بولاق مصر سے ۱۲۷۹ھ ہجری میں چھپکر شائع ہوا تھا۔ ہم نے کتاب عبقات الانوار جلد سوم سے اُس کے مرقومہ بالا اقتباسات کو نقل کیا ہے۔ اور کتاب مذکورہ میں اس کے صفحات ۱۲۵ میں عبارت ہذا مرقوم ہے۔ یہ پوری کتاب کتب خانہ فردوسیہ شمس العلما صدر المحققین مولانا السید ناصر حسین صاحب مدظلہ میں موجود ہے۔ فمن شاء یرجع الیہ۔

واضح ہو کہ اصل کتاب مکاتیب خوارزمی کے خاتمہ طبع میں یہ عبارت مصحح مطبع کی طرف سے مندرج کی گئی جس سے اس کی اہمیت اور مصنف کی اعلمیت ثابت ہوتی ہے۔ وقد تناهى طبع هذه الرسائل التى لم يبلغ شاؤها فى الفصاحة سحبان وائل بل هو عندها ادنى من باقل ولو ظهرت فى ايامه لمدّ اليها كف مستمد سائل ولو كانت فى عصر قس بن ساعدة الايادى لكان لها عليه جميل الايادى فلعمرى انها نسخت ما تركت الاوائل كلمة لقائل واحكمت كم ترك الاول للآخر والماضى للغابر فليكن لا ريب لها نعم الاخذ وليعض عليها بالنواجذ فانه يبلغ بها فى صناعة انشاءه وتكون له فى الانشاء او فرعدة وكان طبعها على هذا الوجه الحسن وتمثيلها فى هذا القالب المستحسن بدار الطباعة المصرية الكائنة ببولاق مصر المغربية تعلق المستعين بمولاه فيما يعيد و يبدى عبد الرحمن بيك رشدى على ذمة حضرت محمد على بيك جراح باشى بالديار المصرية وحضرت حسن افندى مترجم الكتب العسكرية لا زالوا ملحوظين بعين العناية الربانية وكان تصحيحها حسب الامكان معرفته الفقير الى رحمة الرحيم الرحمان المتوسل الى ربه بالجاه النبوى محمد قطة العدوى باشى مصحح المطبعة المذكورة يسّر الله له فى الدارين امره وقد وافق انتهاء طبعها وتمام تمثيلها ووضعها اوائل ذى الحجة الذى هو فى هذا العام مشهور ۱۲۷۹ تسع وسبعين ومائتين الف من الهجرة ختام فالحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات والشكر له على مدى الاوقات وصلى الله وسلم على سيد الكائنات وعلى اله واصحابه ذوى الكرامات ما لاح بدر تمام وفاح مسك ختام

ترجمہ عبارت خاتمہ۔ مکاتیب خوارزمی۔ رسالہ ہذا کا انطباع تمام ہوا۔ جس کی فصاحت کو سحبان وائل نہیں پہونچا اور اس کی انشاء پردازی کے مقابلہ میں سحبان ابن وائل باقل سے بھی زیادہ احمق ثابت ہوگا۔ اگر مصنف کے زمانہ میں ہوتا تو اوسکی قابلیت کے آگے اپنے ہاتھ پھیلاتا۔ اور اگر قس ابن ساعدہ ہوتا تو بلاغت و استعداد میں مصنف کا

متبعین اہلبیت طاہرین کی خاص مصیبتیں | یہ تو اہلبیت علیہم السلام اور اون کی اولاد و ذریات کے مصائب تھے جو امام ابو المؤید اخطب خوارزمی کے مکاتیب کی اصل عبارت سے اوپر نقل کئے گئے۔ اون کے پیروان و معتقدین اور شیعان مخلصین پر جو مصیبتیں ابتدا سے لیکر انتہا تک گذریں اون کی کیفیت امام مدائنی کی مفصلۂ عبارت میں ملاحظہ ہو۔

كتب معوية نسخة واحدة الى عماله بعد عام الجماعة ان برئت الذمة ممن روى شيئا من فضل ابو تراب واهل بيته وكان اشد الناس بلاء حينئذ اهل الكوفة لكثرة من بها من شيعة علي فاستعمل عليه ابن زياد بن سمية وضم اليه بصرة وكان يتتبع الشيعة وهو بهم عارف لانه كان منهم ايام علي فقتلهم تحت كل حجر ومدر واخافهم وقطع الايدي والارجل وسمل العيون وصلبهم على جذوع النخل وطردهم وشردهم عن العراق فلم يبق لها

معاویہ نے سال جماعت کے بعد ایک فرمان عام اپنے تمام عمالان ملکی کے نام اس مضمون کا لکھا کہ جو شخص فضائل علیؑ و اہلبیتؑ کے متعلق کوئی روایت بیان کرے ہم اوس سے بری ہیں۔ یہ بلا و مصیبت اہل کوفہ پر جن میں زیادہ تر شیعان علیؑ تھے۔ اوس وقت سے اور زیادہ ہوگئی جب سے معویہ نے زیاد بن سمیہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور بصرہ بھی اسی کے متعلق کر دیا اور وہ ان دونوں مقاموں کے شیعوں سے خوب واقف تھا اس لئے کہ حضرت علیؑ کے وقت میں یہاں کا عامل رہ چکا تھا۔ بدبخت ابن زیاد نے شیعان علیؑ کو تمام آبادی ویرانوں۔ پہاڑوں اور میدانوں میں جہاں پایا قتل کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰ - دست نہیں بنتا۔ میں نے حقیقتاً اس کے متعلق اور کچھ نہیں کیا سوا اس کے کہ اساتذہ اوّلین نے جو کلمات مفیدہ یادگار چھوڑے تھے اونھیں جمع کر دیا اور متقدمین نے جو کچھ متاخرین کے لئے اور حاضرین نے غائبین کے لئے سرمایہ چھوڑا تھا اوسے مستقل اور مستحکم کر دیا۔ جس کی عبارت کو دیکھ کر ادیب متعجب بنکر دانت پیسنے لگتے ہیں کیونکہ اس کی تحریر میں انتہا درجہ کی فصاحت و بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ اس بنا پر اس رسالہ سنیہ کا چھاپا جانا ہر طریق و قرینہ سے مناسب تھا۔ لہذا مطبع بولاق واقع مصر مغربی میں حسب الایماء مالک مطبع عبد الرحمن بیگ راشدی زیر اہتمام محمد علی بیگ جراح باشی۔ و ملا حسن افندی مترجم کتاب العسکریہ (خدا دونوں پر نگاہ توجہ رکھے) اس کی طبع کا کام آغاز کیا گیا۔ اور حتی الامکان اس کی تصحیح۔ فقیر امیدوار رحمت رحیم الرحمان۔ محمد قطۃ العدوی ہاشمی مصحح مطبع مذکورہ نے انجام دی اور اوائل ماہ ذی الحجہ ۱۲۷۹ ہجری میں اس کی نقل و صحت و طبع تمام کاموں سے فراغت ہوئی۔

معروف۔

ثم کتب معویہ الی عمّاله نسخة واحدة الی جمیع البلدان انظروا من قامت علیه البیّنة انّه یحب علیا واهل بیته فامحوه من الدیوان واسقطوا عطاءه ورزقه وشفع ذلك بنسخة اخری من اتّهمتموه بموالاة هؤلاء القوم فنكّلوا به واهدموا داره فلم یكن البلاء اشدّ ولا اكثر منه بالعراق ولا سیّما بالكوفة حتی انّ الرّجل من شیعة علیؑ لیاتیه من یّثق به فیدخل بیته فیلقی الیه سرّه ویخاف من خادمه ومملوكه ولا یحدّثه حتی یاخذ علیه الایمان الغلیظة لیكتمن علیه فظهر حدیث كثیر موضوع وبهتان منتشر ومضی ذالك الفقهاء والقضاة والولاة وكان اعظم الناس فی ذلك بلیّة القرّاء المراؤن والمستضعفون الذّین یظهرون بالخشوع والنسك فیفتعلون الاحادیث لیحظوا بذلك عند ولاتهم ویقرّبوا مجالسهم ویصیبوا به الاموال والضیاع والمنازل حتی انتقلت تلك الاخبار والاحادیث الی ایدی الدّیانین الذّین لا یستحلون الكذب فقبلوها ورووها وهم یظنّون انها حقّ ولو علموا انها باطلة لما رووها ولا تدیّنوا بها فلم یزل الامر كذلك حتی مات الحسن ابن علیؑ فازداد

اون کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اون کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ درختوں کی شاخوں پر سولیاں دلوائیں۔ گھروں سے نکال دیا۔ پھر ملک عراق سے خارج البلد کر دیا یہاں تک کہ ارض عراق پر معروفین شیعہ میں سے ایک متنفس بھی نہ بچا۔

بار دیگر اس کے بعد معاویہ نے ایک اعلان شاہی تمام عمالان ملکی کے نام جاری کیا باین مضمون کہ جس وقت تم کو کسی شخص کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شیعہ علی و محب اہلبیت ہے تو تم اوسی وقت اوس کا نام اپنے دیوان سے کاٹ دو۔ اوس کا روزینہ بند کر دو۔ اور اس قوم کے ساتھ موالات و موافقات قائم رکھنے کی وجہ سے اُن کو مجرم قرار دو۔ اس کا مکان گرا دو۔ اس حکم شاہی کی تعمیل کی وجہ سے بلاء مصیبت ترقی کر کے حدود انتہائی تک پہونچ گئیں۔ اور تمام ممالک عراق سخت بلا میں مبتلا ہوا خاصکر اہالیان کوفہ پر توان بلاؤں کا یہاں تک اثر پہونچا۔ کہ اگر کوئی شیعہ اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے اُس کے گھر جاتا تھا تو خاصکر اوس سے خلوت میں ملاقات کرتا تھا اور اوس کے ملازمین و مملوکین سے بھی خوف کرتا تھا یہاں تک کہ ان خادمین سے حلف و قسم شرعی لیتا تھا اس لئے کہ وہ کسی غیر پر اس کا شیعہ ہونا ظاہر نہ کرے۔ اسی زمانہ ظلمت میں کثیر التعداد احادیث موضوع و بہتان صریح تمام بلاد اسلامی میں ذائع و شائع ہوئے اور انھیں احادیث پر علما و فقہا اور عمالان ملکی عمل پیرا ہوئے ان بلاد مصیبت میں سب سے زیادہ بلائے عظیم قاریان و راویان اور اون ضعفائے محدثین کی ہے جنہوں نے

البلاء والفتنة فلم يبق احد من هذا القبيل الا
خائف على دمه او طريدا في الارض ثم تفاقم
الامر بعد قتل الحسينؑ وولي عبد الملك بن
مروان فاشتد على الشيعة وولي عليهم الحجاج
بن يوسف فتقرب اليه اهل النسك والصلاح
والدين ببغض عليؑ وموالات اعدائه وموالاة
من يدعي من الناس انهم ايضا اعداؤه فاكثروا في الرواية
في فضلهم وسوابقهم ومناقبهم واكثروا من الغض من
عليؑ وعيبه والطعن فيه والشنان له وقد روى
ابن عرفة المعروف بنفطويه وهو من اكابر المحدثين

اپنی ظاہری خشوع وغیرہ کو دکھلا کر اور ناصبیت کو شامل دیگر
حدیث سازی شروع کی اور نقل و بیان حدیث کو اس لئے
اپنا پیشہ بنا رکھا تھا کہ اس کے ذریعہ سے اونکو والیان
ملک اور امراے دولت کا تقرب حاصل ہو۔ اون کے
دربار میں رسائی ملے۔ اور اس طریقہ سے وہ مال و دولت
زراعت اور عمدہ و نفیس عمارت پر قادر ہوں یہاں تک
کہ یہی اخبار و احادیث اون مولفین و مصنفین اسلامی
تک پہونچے۔ جو ان اکاذیب و افترایات کی حقیقت تک
نہ پہونچ سکے اور اسوجہ سے اونہوں نے انکو قبول کر لیا
اور اپنی تالیفات میں اونکو نقل کر دیا۔ اور یہ گمان کیا کہ

توثیق ابن عرفہ المعروف بامام نفطویہ۔ ابراهيم بن محمد بن عرفة بن سليمان بن المغيرة بن حبيب
بن مهلب بن ابي صفرة العتكي الازدي الواسطي ابو عبدالله الملقب نفطويه لشبهه بالنفط و
جعل على مثال سيبويه لانتسابه في النحو۔ قال ياقوت كان نفطويه عالما بالعربية واللغة والحديث
اخذ عن ثعلب والمبرد وكان ظاهر الاخلاق حسن المجالسة صادقا فيما يرويه حافظا القرآن فقيها
على مذهب داود الظاهري راسا فيه مسندا في الحديث حافظا للسير وايام الناس والتواريخ
والوفيات ذا مروة وظرف جلس للاقراء اكثر من خمسين سنة وكان يبتدي في مجلسه بالقرآن
على رواية عاصم مات يوم الاربعاء ثاني عشر ربيع الاول سنة ثلث وعشرين وثلثمائة۔ ابراہیم ابن محمد
ابن عرفہ ابن سلیمان ابن مغیرہ بن حبیب بن مہلب بن ابی صفرہ العتکی الازدی الواسطی نام تھا۔ ابو عبد اللہ
کنیت تھی اور نفطویہ لقب تھا لفظ نفط (ضیاء) کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ علم نحو میں سیبویہ
کے برابر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ نفطویہ علم عربی۔ لغت اور حدیث کے عالم تھے۔ علم
حدیث اونہوں نے ثعلب اور مبرد سے حاصل کیا تھا۔ بہت بڑے خوش اخلاق تھے۔ مرویات میں صدوق
قرآن کے حافظ۔ طریقہ ظاہریہ داودی کے فقیہہ۔ نقل احادیث کے مستند۔ سیرت۔ ایام عرب اور تاریخ کے ماہر
کامل صاحب مروت و مکارم تھے۔ علم قرآن کو پچاس برس میں کمال تک پہونچایا تھا۔ اور ابتدا میں مرویات
قرآن طریقہ عاصم پر بیان کرتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ وفیات الاعیان
المولف عفی عنہ

واعلامهم فی تاریخه ما نیا سب هذا الخبر
وقال ان اکثر الاحادیث الموضوعة
فی فضائل الصحابة افتعلت فی ایام
بنی امیه تقربا الیهم بما یظنون انهم
ترغمون انف بنی هاشم قال المؤلف
غفر الله صاحب (کتاب الدرجات
الرفیعه فی طبقات الشیعه الامامیه
العلامه السید علی المدنی) ولم یزل
الامر علی ذلك سائر خلافة بنی امیه
لعنهم الله حتی جاءت الخلافة العباسیة
فکانت ادهی وامر اخرها وافرها اما لتبه
اهل البیت علیهم السلام وسعتهم فی
دولتهم اعظم مما مضوا فی الخلافة
الامویة کما قیل ؎

والله ما فعلت امیة فیهم
معشار ما فعلت بنو العباس

ثم شب الزمان هرم والشان مضطرب
والشان مضطرم والدهر لایزداد الا
عبوسا ولا ایام لاتبدی الا بوسا ولا
معقل الشیعه من هذه الخطیرة الشنیعة
فی اکثر الاعصار ومعظم الامصار الانزواء
فی زوایات التقیه والانطواء علی الصبر
دلهذه البلیة انتهی ما فی الدرجات العلیه

یہ مرویات صحیح اور فی الواقع میں۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ
کہ یہ سب جھوٹی حدیثیں ہیں تو وہ کبھی ان کو نقل نہ کرتے۔
اور نہ ان کی تدوین فرماتے۔ ان بدنصیبوں کی یہی حالت
رہی یہاں تک کہ حضرت امام حسنؑ سے وفات فرمائی۔
تو یہ بلا و فتنہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے۔ کوئی شخص شیعانِ
علی میں سے ایسا نہیں تھا جس کو ہر دم اپنے قتل کیے جانے
یا خارج البلد کیے جانے کے خوف نہ لگا تھا اور شہادت
امام حسینؑ کے بعد تو اس بلا و مصیبت میں اور شدت
ہو گئی عبدالملک کے زمانہ خلافت میں شیعانِ علی پر اور
سختی ہوئی۔ اونپر حجاج ابن یوسف کے ایسا ظالم عامل
مقرر ہوا اور اوس کے دربار میں صاحبانِ علم اور اہل ایمان
صلاح و دین صرف علیؑ کے ساتھ بغض رکھنے اور اون
کے دشمنوں کے ساتھ محبت رکھنے اور موافقت اختیار
کرنے کے باعث مقرب بنائے گئے۔ اسلئے دشمنانِ
علی کے فضائل و مناقب اور سوابقات کے متعلق کثیر التعداد
روایتیں بنائی گئیں اور اسی طرح کثیر التعداد روایتیں
مناقص و معائب حضرت علیؑ میں تیار کی گئیں۔ جیسا کہ

علامہ ابن عرفہ الملقب بنفطویہ۔ جو علم تاریخ کے
بہت بڑے عالم اور علم حدیث کے عظیم الشان محدث تھے
اپنی تاریخ میں اس خبر کو نقل کرتے ہیں کہ احادیث موضوع
نہایت کثرت کے ساتھ بنی امیہ کے زمانہ میں اونکے
تقرب حاصل کرنے کی غرض سے فضائل صحابہ وغیرہ
میں بنائی گئیں۔ اور اس سے اونکی خاص مراد بنی ہاشم
کی توہین تھی۔ صاحب درجات الشیعہ فلا مدہ فی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اجراء و نقل احادیث موضوعہ کا وسط
بنی امیہ تک اسی طرح قائم رہا اور پھر زمانہ سلطنت بنی عباسیہ میں بھی اسی طرح جاری رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ

خراب اور ابتر اور باعث ضرر و فساد ثابت ہوا اور ان کے زمانہ حکومت میں اہلبیت علیہم السلام اور اون کے تمام متبعین و مخلصین نے وہ آلام و مصائب دیکھے جو اونھوں نے عہد بنی امیہ میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے "قسم خدا کی بنی امیہ نے اون کے حق میں وہ نہیں کیا جو بنی عباس نے اون لوگوں کے زمانہ زندگی میں مظالم کئے" زمانہ گذرتا گیا۔ اور ان کی پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ شعلہاے مظالم بڑھتے گئے۔ زمانہ اون کے ساتھ بجز سرد مہری اور بے اتفاقی کے اور کچھ نہ کر سکا۔ اور روزگار ناہنجار اہل حق اور دیندار کے ساتھ سوا سختی و عذاب کے اور کوئی سلوک نہ کر سکا۔ بالآخر ان ہی شدائد و مصائب کی وجہ سے کثیر التعداد شیعہ بڑے بڑے شہر اور مقامات میں بشرط تقیہ اختیار کر کے زاویہ نشین ہو گئے۔ اور ان تمام بلا و مصیبت پر صبر اختیار کر کے حصول درجات رفیعہ آخرت کے لئے مستحق ہو گئے۔

شبلی صاحب نے حضرت علی اور آل نبی) فاطمہؑ کی توہین۔ اور احادیث موضوعہ کی کثرت تدوین کے متعلق اپنی عبارت دیباچہ میں جو اشارہ فرمایا تھا اور حقیقتاً ان امور کو چھپایا تھا۔ ہم نے اوس کی تفصیل و تشریح کر دی۔ اور جن ممکن طریقوں سے امرا و خلفاء اسلامی نے بسبب نفسانیت کے اصول پر اپنے علما و محدثین شریعت اور اراکین و معاونین سلطنت نے مختلف ذریعوں سے۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا استیصال اون کے متبعین اور شیعان مخلصین کی تباہی و بربادی۔ اون کے حقوق واجبہ کی امتناع اور اون کے فضائل و مناقب کا استخفاف جاری اور قایم رکھا۔ اونکی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس نقل و تفصیل میں شیعہ ماخذ یا اون کے اخبار و آثار سے کچھ بھی کام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ سواد اعظم اہل سنت کے علماے متبحرین اور محدثین و محققین مثل۔ امام سیف الدین امدی امام ابو المؤید اخطب خوارزمی۔ علامہ سید علی المدنی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کے اقوال و ارشادات سے اقتباسات و استنباطات قلمبند کئے گئے ہیں۔

یوروپین تصنیفات پر بیکار تبصرہ

اس طول و طویل اور پر تفصیل کو تمام کر کے اب ہم شبلی صاحب کے اوس مضمون دیباچہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو یوروپین تصنیفات (سوانح آنحضرت صلعم) کے متعلق تبصرہ کی صورت میں لکھا گیا ہے۔

اگرچہ ہم آپ کے اس مضمون میں تبصرہ کی کوئی مناسبت نہیں پاتے۔ لیکن اس لئے کہ آپ اس کو تبصرہ سے موسوم کرتے ہیں ہم بھی آپ کے ہم آواز ہو کر اسکو تبصرہ ہی لکھتے ہیں۔ شبلی صاحب نے یوروپین تصانیف میں۔ جو نقائص اون کے تجسس و تلاش میں اور جو معائب اون کی تحقیق و تنقید

ہیں بتلائے اور دکھلائے ہیں۔ وہ اون کی عدم معرفت۔ کمی اطلاع حقیقت سے ناواقفیت تعصب و نفسانیت کے عذر تک تو نہایت معقول ہیں۔ مگر قدیم مختار کے مطابق جب ان نقائص کو اسلامی سیرتوں کے غیر مستند اور غیر مقید اقتباسات اور منقولات و مرویات کا نتیجہ بتلایا جاتا ہے اور سیرت کے مطالعہ کے بعد پھر رجوع فی الحدیث کی اون کو ہدایت کی جاتی ہے۔ تو آپ کے استدلال میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث و سیرت کی فاضل و مفضول کی بحث میں پوری تفصیل سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے کہ باعتبار حقیقت و اصلیت کے سیرت سے حدیث کی زیادہ حالت خراب ہے۔ کثرت موضوعات کی بنا پر شبلی صاحب یوروپین محققین کو سیرت سے جدا ہو کر احادیث کی نقل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ مگر ؎ این راہ کہ میروی بترکستان است۔ یہ راستہ اون کے اختیار کردہ رستہ سے بھی زیادہ مضر ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ موضوعات سیرت سے زیادہ حدیثوں کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ جن کے مشاہدات ان غیر اسلامی مولفین کو اسلام پر انواع اقسام کے اعتراض کرنے کے لئے پوری قوت پہونچائیں گے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انکا (یوروپین مصنفین) سرمایہ استناد صرف سیر و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ مثلاً مغازی واقدی۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت محمد ابن اسحق۔ تاریخ طبری وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت صلعم کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو قیاس یہی رہبری کرے گا کہ تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں ایک بھی ایسی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو۔ چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی مصنفین سیرت سے قطع نظر کر کے روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں۔ مثلاً سیف شری۔ ابن سلمہ۔ اور ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس لئے عام اور معمولی واقعات میں اون کی شہادت کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ اون کے لئے یہ سرمایہ بیکار ہے۔ آنحضرت صلعم کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایات صحیح منقول ہیں۔ یوروپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں۔ (اچھا ہے جو ہمیشہ بے خبر رہیں۔ مولف عفی عنہ) اور ایک آدھ کوئی ہے۔ (مثلاً مارگولیوس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر بھی نہیں۔ اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لئے کافی ہے۔ دیباچہ ص ۶۰

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ غیر اسلامی مورخین کو آنحضرت صلعم کی سوانح عمری مرتب کرنے کے وقت یقینی واقعات صرف حدیث ہی کی کتابوں سے مل گئے۔ حالانکہ آپ خود لکھ کر اوپر اعتراف فرما چکے ہیں کہ سیرت و تاریخ کی تدوین میں سلسلہ اور ترتیب واقعات کی بڑی ضرورت ہے۔ اور روایات احادیث میں کوئی سلسلہ یا ترتیب واقعات کی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ دیباچہ ص ۸ عبارت زیر حاشیہ میں آپ کی مفصلہ ذیل تحریر موجود ہے:-

"یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف نہیں تیار ہو سکتی ان کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب بھی نہیں ہے"

شبلی صاحب تو صرف غیر اسلامی مولفین کو اپنے اس اصول رجوع فی الحدیث کی ہدایت فرماتے ہیں ہم عرض کرتے ہیں کہ غیر مسلمین کے علاوہ اگر خاص مصنفین مسلمین بھی آنحضرت صلعم کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہیں اور آپ کی ہدایت کی موافق مرویات حدیث ہی کو واقعات یقینی قرار دیکر مستنبط کریں تو بالآخر وہ اپنی تصنیفات و تالیفات میں واقعات کا سلسلہ اور ترتیب قائم رکھنے کے متعلق کہاں تک کامیاب ہوں گے۔ اور تنہا ان ماخذوں سے جب کتاب تیار ہوگی۔ اور یقینی آپ کے وہ سلسلہ و ترتیب سے بالکل خالی رہے گی تو وہ سیرت سیرت رہیگی یا کیا؟ اسکا جواب شبلی صاحب ہی دے سکتے ہیں۔

جب صرف احادیث کے اقتباسات سے مستنبط شدہ سیرت میں نہ ترتیب سیرت قائم رہی اور نہ سلسلہ تاریخ پایا گیا۔ تو آپ کے اصول نو ایجاد کے مطابق۔ صرف حدیثوں سے کام لیا جاتا۔ ان مولفین کے لئے محض تضیع اوقات اور سعی بیکار ثابت ہوئی یا نہیں۔ پھر ایسے غلط اصول قائم کرنے سے فائدہ۔

تنہا نقل احادیث کی ہدایت مغالطہ دہی ہے۔

شبلی صاحب نے بلا غور و تامل احادیث کی مرویات پر یقینیات کا حکم عام لگا کر یورپین مصنفین کو اقتباسات و منقولات احادیث کی طرف دعوت دی ہے۔ مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ احادیث کی نقل و تحریر اون کے حق میں نقل و سیرت و تاریخ سے زیادہ آپ ہی کو ضرر پہنچانے والی ثابت ہوتی ہے۔

یہ شبلی صاحب کی کھلی مغالطہ دہی ہے۔ جو یا کہ آپ لکھتے ہیں کہ یورپین تصنیفات کا ماخذ صرف

اسلام کی سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں۔ اور انھیں غیر مستند و غیر منقید مرویات کی بنا پر اون کو اسلام پر اتنے حملات و اعتراضات کی جرأت ہوئی۔ آپ کی یہ تحریر بالکل خلاف واقع ہے۔ اس لئے کہ آپ ہی نے آگے چلکر اپنی اصل کتاب میں آنحضرت صلعم کے متعلق عیسائیوں کے جتنے اعتراضات قایم کئے ہیں۔ وہ سب کتب احادیث کے اقتباسات ہیں اور آئمہ احادیث خصوصاً اصحاب صحاح کی مرویات ہیں۔ سیرت یا تاریخ کے حوالے تو کوئی بھی نہیں۔

ذیل میں اون کی چند مثالیں نمونہ کے طور پر لکھی جاتی ہیں۔

یورپین تحریفات کے ماخذ کتب صحاح و سنن ہیں

(۱) سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص ۱۲۷ کے زیرین حاشیہ متعلق (۲) یہ عبارت مرقوم ہے

عبد المطلب کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلّم واقعہ ہے لیکن مارگیولس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں۔ کہ یتیم لڑکے کی حالت اچھی نہیں تھی۔ آخر زندگی میں۔ ان کے چچا حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا (لائف آف محمدؐ مارگیولس ص ۴۵ - ۴۹)

حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے۔ مارگیولس خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نشہ کی حالت تھی۔ اوس کی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے۔ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے باربرداری کے لئے اونٹ خریدے اوس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؓ شراب میں مخمور ادھر سے گذرے (غیریت ہوئی کہ علیؓ نے اوس وقت حمزہؓ کے ساتھ ملکر شراب نہیں پی لی۔ بخاری صاحب کا شکریہ) اور ایک اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل و جگر کا کباب لگایا۔ آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ حمزہؓ کے پاس گئے اور اون کو ملامت کی۔ حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے۔ ایسی حالت میں وہ الفاظ اون کی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے"

کسی حالت میں یہ الفاظ کہے گئے ہوں۔ اس سے بحث نہیں۔ بحث تو واقعہ کی صداقت سے ہے اور وہ خود امام بخاریؒ کی خاص روایت سے ثابت ہے کسی تاریخ و سیرت سے کبھی مستنبط نہیں۔ اس کے شبلی صاحب کے مقرر کردہ اصول کے مطابق وہ واقعات یقینی میں داخل ہے۔ اس بنا پر اگر مارگیولس نے حضرت حمزہؓ کی سخت کلامی کا ذکر کیا تو کیا بیجا کیا۔ اوس کے دل کی گڑھی بات تو ہے نہیں۔ اوس نے تو صحیح بخاری کی ایسی اصح الکتب کے حوالے سے لکھی ہے اور اسی بنا پر اپنا استدلال قایم کیا ہے۔

ہاں گیونس حضرت حمزہ کی شراب خواری اور خصوصاً اسلام لانے کی بعد بھی مبتلا ئے میخواری رہنے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جس مذہب وطریقہ کا پابند ہے اوس میں حرمت خمر کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی اسلام میں۔ وہ تو حضرت حمزہ کی اس بدزبانی کی مثال دکھلا کر آنحضرت صلعم کے ساتھ اونکی نامہربانی ثابت کر رہا ہے۔ یہ تو بخاری کی ذمہ داری ہے کہ حضرت حمزہ کو شروع سے اسلام لانے تک شراب خوار ثابت کرتے ہیں اور پھر اس میخواری کی مجبورانہ ومخمورانہ کیفیت کو اون کی اس خست کلامی کا باعث دکھلا کر معذرت بھی کر دیتے ہیں۔ مگر یہ عذر بدتر از گناہ بھی واقعہ کی اہمیت پر پردہ نہ ڈال سکا۔

افسوس بخاری صاحب کو ان لغویات کی تجمیع وتدوین فرماتے وقت نہ اسلام کا پاس آیا نہ ایمان کا لحاظ۔ افسوس پر افسوس تو یہ ہے کہ تائید بخاری کی خاص اپرجوشیوں میں شبلی صاحب کے ایسے محقق و نقاد نے بھی دیدہ و دانستہ اس پر کچھ خیال نہ فرمایا خاندان رسالت اور دودمان نبوت۔ ان حضرات کی تحقیق میں حقیقتاً ایسا ہی ذلیل و خوار تھا کہ ابتدا ہی سے اون میں تمام مخرب اخلاق عادات واطوار موجود تھے اور باوجود اسلام لانے اور دولت ایمان پانے کے بھی اون کے ذمائم عادات میں سرمو فرق نہ آیا۔

تعجب پر تعجب تو یہ ہے کہ احادیث متواترہ سے یہی حضرات ائمہ سنت کا نہ احادیث لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبدالمطلب اون نیکوکاران اور پرہیزگاران قریش میں سے تھے جنہوں نے شرب خمر کو اپنے لیے حرام کر لیا تھا۔ مگر اونہیں کے گھر میں۔ اونہیں کے صاحبزادے حضرت حمزہ شراب پیا کرتے تھے۔ اور عبدالمطلب دیکھا کرتے تھے۔ اور کچھ نہ کہا کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب درد فرزندی کے تقاضہ سے اگر صاحبزادے پر کوئی شدت نہ کر سکتے تھے۔ تو صرف اپنا مشغول دکھلا کر بہت کچھ اون پر اثر پہونچا سکتے تھے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (نعوذ باللہ) تغافل تو اور بھی زیادہ تامل کا باعث ہے۔ مانا کہ حرمت خمر کا اوس وقت تک حکم ظاہر ہی نہیں تھا۔ مگر شراب خواری کی حقیقی بدکاری تو آپ پر بخوبی ظاہر تھی۔ اور چونکہ اسلام تمام ادیان سابقہ کی تصدیق وتائید کے ساتھ اون کے مخترعات و بدعات کی تصحیح وترمیم کا بھی مدعی ہے۔ اس بناپر جس طرح تمام داعیان امم سابقہ اس کی حرمت کو جانتے تھے۔ اوسی طرح یہ ضرور تھا کہ بانی اسلام علیہ السلام بھی اس کی حرمت سے بخوبی واقف ہوں۔ باوجود علم حرمت کے یہ ممکن نہیں تھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے سابقین مسلمین کو عموماً اور اپنے اعزہ واقارب قریب ترین کو خصوصاً اسکی حرمت سے آگاہ نہ فرمایا ہو اور اس بدعادت کے ترک کر دینے کی تاکید شدید نہ کی ہو۔

جیسا کہ قرآن بتلا رہے ہیں۔ اس قصہ کا زمانہ وقوع حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ہے۔ تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا حضرت حمزہؓ کے مزاج ایسی فطرت صالحہ کے ایسے جو صرف بھی نہیں تھے۔ جو رسول صلعم کی ہدایت و موعظت کے بعد بھی بری اور بھلی باتوں کی تمیز کر سکتے۔ قرآن مجید میں فطرت صالحہ کی بنا پر جہاں تمام انبیائے سابقین کا کامل رشد و ہدایت پانا بنام بنام مذکور ہے۔ وہاں ان کے اون کے تمام اعزہ و اقارب کا فائز بفطرت صالحہ و بہدایت راشدہ ہونا پوری تفصیل سے مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ انعام جزو ۷ کی مرقومہ ذیل آیۂ مبارکہ۔

ووهبنا له اسحق ويعقوب كلا هدينا و
نوحا هدينا من قبل ومن ذريته داود
وسليمان وايوب ويوسف وموسى و
هارون وكذلك نجزي المحسنين وزكريا
ويحيى وعيسى والياس كل من الصالحين
واسمعيل واليسع ويونس ولوطا وكلا
فضلنا على العالمين ومن اباءهم و
ذرياتهم واخوانهم واجتبيناهم و
هديناهم الى صراط مستقيم۔

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا۔
دو فرزند) عطا فرمائے اون سب کو ہم نے راہ راست
دکھلائی۔ ان سے پہلے ہم نے نوح کو بھی راہ راست
دکھلائی اور اون ہی کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان
اور ایوب اور موسیٰ اور ہارون (سب) کو (ہم نے راہ راست
دکھلائی) اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو
ہم ایسے ہی صلہ عطا فرمایا کرتے ہیں اور (علیٰ ہذا القیاس)
زکریا یحییٰ اور الیسع اور یونس اور لوط (ان سب کو)
ہم نے راہ راست دکھلائی اور ان سب کو دنیا جہان
کے لوگوں پر برتری دی اور نہ صرف ان ہی کو بلکہ) ان کے بڑوں کو اور ان کی اولاد سے اور ان کے بھائیوں سے بھی منتخب کیا اور اونکو دین کی سیدھی راہ دکھلائی۔

اس آیت سے انبیائے سابقین کے اسلاف و اخلاف اور اعزہ و اقارب کا فطرۃ صالحہ پر اور ہدایت راشدہ پر فائز ہو کر برتری عالمیان ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر اشرف المرسلین اور ختم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاف و اعقاب ان مفاخر و مشارف سے کیوں محروم سمجھے جائیں گے۔ عقاید اسلام کے علاوہ شرائط انصاف تو اسی کے مقتضی ہیں کہ یہ حضرات ان محامد و محاسن پر بدرجہ اولیٰ متصف یقین کئے جائیں چہ جائیکہ سید المرسلینؐ کے عم محترم اور ابن عم۔ اسلام لانے اور ایمان پانے کے بعد بھی ایک مدت مدید تک شراب خواری کی ایسی بدکاری میں گرفتار بتلائے جائیں۔ ان هذا بهتان عظيم۔

یہ اوسی اصول تعمیم کا نتیجہ ہے۔ جس کو خواہ نخواہ محض اغیار کی تائید کی غرض سے مذہبی عقاید میں داخل کر کے شان رسالت اور خاندان رسالت کی صاف صاف تنقیص و توہین کی جاتی ہے حضرت حمزہؓ

کی شراب خواری کا واقعہ حضرت علی مرتضیٰ کی میخواری کا سنگ بنیاد ہے جس کو بخاری نے رکھا اور ابو داؤد نے جھوٹ کا پل باندھا۔

یہ وہی شرمناک لغویات ہیں جن کو یوروپین مصنفین کتب صحاح سے نقل کر کے اسلام کی معاشرت اور عادات و اخلاق پر اعتراض کا پورا موقع پاتے ہیں۔ اور انبیاء و رسا لیقین کے حواری صحابی اور اعزہ و اقارب میں ایسی ناہنجار عادات و اطوار اور جواز کی مثال انھیں اخبار و آثار اسلامی سے دکھلاتے ہیں۔ جو حقیقتاً عقل و نقل دونوں ذریعوں سے سراپا لغو اور تمام و کمال افترا ہے۔ ہم اس مضمون کو حضرت علیؑ (نعوذ باللہ) کی شرابخواری والی بحث میں پوری تفصیل سے لکھیں گے۔

(۴) صفحہ ۱۲۸ میں مرقوم ہے:-

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ فرانس کے ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب۔ چونکہ محمد کو ذلیل سمجھتے تھے۔ اس لئے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے۔

اسکی تحقیق و تنقید میں ص ۱۲۹ کے زیرین حاشیہ یہ عبارت مرقوم ہے۔

بخاری نے کتاب الاجارۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا“ قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید ابن سعید کی رائے ہے کہ قراریط جمع قیراط کی ہے اور قیراط درہم و دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اس بنا پر اون کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ میں نقل کیا ہے۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے۔

آپ کے اس بیان سے اوس مؤرخ فرانسیسی کی تکذیب کیا ہوئی۔ بلکہ ابراہیم حربی۔ ابن جوزی اور علامہ نووی۔ سب نے ملکر بخاری۔ ابن ماجہ اور اون کے شیخ سوید ابن سعید کو جھوٹا بنایا۔ بخاری کو نقل سے پہلے تحقیق حقیقت کر لینی ضرور تھی آخر اونھیں کے شارحین نے اون کی غلطی تصحیح و ترمیم کی۔ لیکن معترضین کو ان تصحیحات و ترمیمات کی خبر ہو یا نہ ہو۔

وہ تو صحیح الکتب کے حوالہ پر بھی تعریض قایم کرتے ہیں۔

ہم نے اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ اس کے خاص مقام پر بیان کیا ہے۔ اسلئے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۹ اسکے پائیں حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

صحیح بخاری باب مناقب ذکر زید ابن نفیل۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔ مسند امام احمد ابن حنبل جلد اول ۱۸۹ میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلعم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا۔ لیکن اس روایت کے راوی کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔"

بخاری کی روایت قراریط اوپر ابھی لکھی گئی ہے۔ جب وہ مخدوش روایتیں خود لکھتے ہیں تو اونسے دوسروں کی تصحیح کی کیا امید ہے۔ اول تو بخاری نے اس روایت کو ایک ہی الفاظ کے ساتھ تمام ابواب میں کیوں نہ لکھا۔ مگر جب خیال آیا تو ایک دوسرے باب میں حقیقت کا انکشاف فرمایا۔ اور لطف یہ کہ سابق والی روایتوں کے تمام الفاظ ویسے کے ویسے ہی چھوڑ دیئے۔ اب اگر معترض انھیں ابواب سے مستنبط کر کے آنحضرت صلعم کی قبل بعثت (نعوذ باللہ) بے احتیاطی ثابت کرتے ہیں تو اوس کے اسناد غیر صحیح کیسے کہے جا سکتے ہیں۔ شبلی صاحب تو اپنی سیرۃ النبی میں مرویات بخاری کے الفاظ میں اجمال باقی رہ جانے کا یقین دلا رہے ہیں۔ ایسا ہے جو اعتراض ہو چکے ہیں اون کی تردید کیسے ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ امام بخاری کے شیخ الشیوخ حضرت امام احمد ابن حنبل کے الفاظ حدیث میں تو کوئی اجمال نہیں۔ وہ تو صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ قریش کا لایا ہوا کھانا نہیں تھا۔ مگر رسول صلعم کے گھر کا پکا ہوا کھانا تھا۔ جو مخصوص زید کی ضیافت کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ معترضین کو بخاری اور امام احمد ابن حنبل کے فرق مابہ الامتیاز کی کیا خبر وہ زیادہ سے زیادہ یہ جانتے ہیں کہ امام حنبل سے امام بخاری نے علی الاکثر حدیثیں لی ہیں اور اون کو اپنا شیخ تسلیم کیا ہے۔ پھر وہ امام حنبل پر ترجیح بخاری کا خیال کیسے قابل تسلیم کہا جا سکتا ہے۔؟ اس الزام کی روایت کے ذمہ دار بھی کم و بیش وہ اکابر و عمائد محدثین ثابت ہوتے ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو بھی اس کے مقام پر پوری تفصیل سے لکھیں گے۔

(۴) نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے معتقدات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبد العزیٰ رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اونھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح وہ سلسلہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ کا راوی اول اسمٰعیل ہے جس کا پورا نام اسمٰعیل ابن اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:-

معاویہ ابن صالح	اسماعیل اور اسکا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
یحییٰ ابن مخلط	جھوٹ بولتا ہے اور نہایت ہیچ ہے۔
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔
نصر بن سلمہ مزوری	وہ کذاب ہے۔
دارقطنی	میں اسکو صحیح روایت کیلئے پسند نہیں کرتا۔
سیف بن محمد	جھوٹی حدیثیں بناتا ہے۔
سلمہ ابن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں کوئی اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو ایسے غلط دعویٰ کی جرأت آپ کے امام بخاری نے دلائی تھی۔ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں مگر آخر میں اون کی یہ ذلت ہو رہی ہے کہ آپ خود اپنے دست و قلم سے اون کی مرویات کی لغویات ظاہر فرما رہے ہیں۔

(۵) صفحہ ۱۴۰ کے زیرین حاشیہ پر یہ عبارت مرقوم ہے:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بکری ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا ہے بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارگیولیوس کی کتاب ص ۶۸-۷۰) معجم البلدان ایک جغرافیہ

کی کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن (اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے۔ جو مشہور دروغگو ہے"

لیجئے اس متعصب عیسائی کی تعریض کی سند بھی ایک اسلامی عالم کے مختار سے مستنبط ہے۔ یاقوت حموی کی عالمانہ اور محققانہ آب وتاب سے کون مسلمان واقف نہیں ہے شبلی صاحب نے خود علی الاکثر اسکے حوالہ اور سند سے کام لیا ہے۔ آپ اسوقت موقع کی ضرورت سے مجبور ہوکر اس عربی محقق کی تکذیب کردیں وہ دوسری بات ہے۔ لیکن مارگیولس کی تعریض کو آپ بے سند نہیں کہہ سکتے اور نہ اوس کے نقل پر اعتراض کرسکتے۔ وہاں تک آپ کا عذر صحیح تھا کہ اس نے دلہوسن کے قول کو سند نہیں دیا تھا۔ لیکن جب آپ نے ایک اسلامی عالم کی سند پالی۔ تو مارگیولیس سے الزام جاتا رہا۔ آگیا انھیں یاقوت حموی اور کلبی کے سر۔ جو دونوں اسلام کے مقتدر اور معتبر عالم ہیں۔

ان تمام تعریضات کے باعث۔ عام اس سے کہ یہ اعتراض فی نفسہ کیسے ہی ضعیف اور محض بے دلیل ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ہی کی کتب احادیث اور آپ ہی کے علما و محدثین کی مرویات ثابت ہوتے ہیں۔ اگر کتب احادیث میں ان لغویات کا شروع ہی سے انبار نہ لگا یا ہوتا۔ تو آج مخالفین کو تعریض کا کوئی موقع نہ ملتا۔ اگر تدوین احادیث کے وقت ہی محدثین و مدونین احادیث نے اصول تعمیم تائید عقاید۔ تقلید اسلاف اور حمایت سلطنت کے غلط طریقے نہ اختیار کئے ہوتے تو ان تمام آلائشوں سے اون کا دامن بھی پاک وصاف ہوتا۔ اور اون کی تالیف وتصنیف بھی۔ مگر یہ امر بہت مشکل تھا۔ اور اون کے امکان سے باہر ان کے تمام اسباب وعلل ہم پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بتا آئے ہیں۔ بارہ دیگر اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ حضرات ان لغویات وحشویات کے نقل واندراج کے لئے سلطنت کی طرف سے اگر مامور تھے تو اپنے عقائد کے اصول موضوعہ کے اعتبار سے مجبور۔ مثلاً شراب خواری کی خراب عادت جسمیں باستثناء بنی ہاشم تمام قبائل قریش اور عموماً تمام اقوام عرب گرفتار تھی بنی ہاشم کو بھی ان عادات ذمیمہ کا مرتکب نہ دکھلایا جاوے اور تعمیم کا اصول نہ جاری کیا جاوے۔ بہت سے مسلمین قریش جن میں سابقین مہاجرین وغیرہ علی الاکثر مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اس الزام سے بچ نہیں سکتے۔ اور کلہم عادول کی عدالت مسلمہ قایم نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ضرور تھا کہ اسلاف رسول سے لیکر۔ جو حقیقتاً اشراف قریش تھے ظہور پیغمبر اسلام تک۔ اس خاندان کے لوگوں کو بھی اس عادت ذمیمہ کا عادی اور مرتکب بتلایا جاوے۔

اس غلط اصول کے وضع کرنے کے وقت۔ نہ رسول صلعم کی ذاتی عصمت وعظمت کے مسئلہ کا خیال

پاس رکھا گیا۔ نہ اون کے پہلے اون کے آبائے متقدمین کی فطرت صالحہ پر مخلوق فرمائے جانے کا لحاظ کیا گیا۔ نہ رسول صلعم کی موجودگی میں اور نہ اون کی وفات کے بعد۔ اون کی ذریات و اقربا کی مودت یا عزت و حرمت کی رعایت کی گئی۔ بلکہ وہ تمام بزرگوار عام طریقہ سے عوام الناس کی طرح تمام اخلاقی اور معاشرتی ضروریات میں ادنیٰ گندہ عادات و خصائل اور رزائل مشاغل کے مرتکب و عامل بتلائے گئے۔ اسلاف رسول ص ہیں تو قصیٰ کے وقت سے لیکر عبدالمطلب تک سب کے سب کفار و مشرکین (نعوذ باللہ) اعمام اور بنی اعمام رسول ص ہیں تو حمزہ ع سے لیکر علی تک سب کے سب شمرالخوار۔ حضرت حمزہ کو آنحضرت صلعم کے عم محترم ہونے کے علاوہ آپ کے ساتھ اخوت بالرضاعت کا بھی شرف حاصل ہے۔ گویا حقیقی اور ظاہری دونوں طریقوں سے آپ کے ساتھ خون ملا ہوا ہے۔ مزید براں اسلام لا چکے ہیں۔ شرف ایمان پا چکے ہیں۔ مگر اس پر بھی عادات و اطوار کی دنائت اور رزالت سے توبہ نہیں کرتے۔

حمزہ ع سے تو خراب حالت علی کی ہے۔ وہ بنی عم ہونے کے علاوہ۔ بالکل صغر سنی کے زمانہ سے لیکر ۲۵ برس کی عمر تک دامن رسول ص میں پرورش پا چکے ہیں۔ ہر دم و ہر لحظہ صحبت نبوت میں حاضر رہکر ہر قسم کی تعلیم و تربیت میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ مگر اون کو بھی شمر الخواری کی (نعوذ باللہ) ایسی بڑی عادت پڑی ہے کہ موںھ سے چھٹتی ہی نہیں اور مے نوشی کی اسی مدہوشی میں نہ اپنی اوقات کا خیال ہے اور نہ اپنے عملیات پر نظر۔ نشہ چڑھا ہوا ہے اور نماز کا وقت آگیا۔ اوسی طرح نماز کو کھڑے ہو گئے۔ اور تلاوت سورہ قرآنی کے وقت کئی آیت زیادہ پڑھا گئے۔

رسول صلعم کے ایسے مقربین اور سابقین صحابہ کبار اور ایسے خراب اور نفرت انگیز عادات و اطوار جن کو دیکھکر اہل اسلام پر کیا منحصر ہے۔ اقوام عالم کے تمام مہذب طبقہ میں انسے نفرت اور عام ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے گا۔ اور اس بنا پر ہر شخص (نعوذ باللہ) تعلیم رسول ص میں اخلاق کی پاکیزگی اور عادات کی صفائی کی کمی بتلائے گا جس کا سبب یا تو معلم کی تعلیم کا فی نفسہ نقص سمجھا جائیگا۔ یا انکی جہالت اور تعلیم و ہدایت کی طرف سے ان بزرگواروں کی غایت درجہ کی عدم توجہی اور غفلت کا اقرار کرنا پڑیگا۔ اور ان دونوں صورتوں میں نفس اسلام الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ تمام الزام صریح اتہام ہیں اور بالکل بہتان۔ اسلام کا دامن ان تمام آلائشوں سے بالکل پاک و صاف ہے۔ نہ اوس معلم اسلام کی تعلیم میں کہیں نقص و عیب کا نام ہے۔ جو تمام تعلیمات قدیمہ کا متمم ہے اور متمم۔ اور مخصوص تہذیب و اخلاق کے متعلق۔ مصدر قدرت سے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی سند خاص لیکر مخلوق و مبعوث

فرمایا گیا ہے - اور نہ اون صحابہ کرام مذکور الصدر کی تعلیم. خلوص متابعت بطرز عمل. نیکوکاری اور پرہیزگاری میں کوئی کمی ہے - یہ سب حضرات علما و محدثین کی کرامات ہیں. جنہوں نے طبقہ صحابہ میں مساوات بالمدارج اور اصول تعمیم کلہم عدول. قایم کرنے کی غرض خاص سے - ان لغویات و حشویات کا انبار لگایا ہے - ورنہ خیر یہ امور کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتے کہ اوس خاندان اعلیٰ اور دودمان والا کے سرمایۂ ناز اخلاف و اعقاب ایسے مخرب اخلاق اور منافی تہذیب عادات، و اطوار کے خوگر اور عادی بتلائے جاویں جو (خاندان) شریعت اسلام کے اجرا سے صدیوں پہلے شرب و خمر وغیرہ کی بری عادتوں کا تارک ہو چکا ہو

اس بنا پر ہم مذکور الصدر صحابہ اور اعزہ رسول صلعم کے تقدس و اتقا - زہد و ورع - خضوع و خشوع الی اللہ - اور تمام صفات حسنہ کے بدیہات و یقینیات کے مقابلہ میں کبھی اون کو ان عادات قبیحہ اور اعمال ذمیمہ کا مرتکب نہیں تسلیم کر سکتے. جن کے اسوہ حسنہ - چودہ سو برس کے بعد بھی. تہذیب - اخلاق. حسن معاشرت اور تمام دینی و دنیاوی رفاہ و صلاح کی ضرورت میں. ہماری ہدایت کے لئے رہبر کامل ثابت ہوتے ہیں - اور جن کی تصدیق و توثیق سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا -

مگر کیا کہا جاوے ان علما و محدثین کی قلمکاریوں کو جو اپنی ایک قلم صنعت رقم سے ان بزرگواروں کی دو رخی تصویریں کھینچتے ہیں ایک رخ سے تو ان کے زہد و اتقا کے پاک و صاف مرقع دکھلا کر اون کے طرز عمل اختیار کرنے کی تاکید کی جاتی ہے. دوسری طرف سے اون کے عادات ذمیمہ کا ایسا ناپاک نقشہ کھینچا جاتا ہے. جس کو دیکھکر عام طبایع اون سے خود بخود نفرت اور پرہیز اختیار کریں - ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان حضرات کے یہ اختیار کردہ تصحیح متقدمین کے اصول کہاں تک قابل قبول ثابت ہونگے.

متعصبین یورپ کو انہیں لغویات احادیث سے مستفیض اور متمتع ہونے کا پورا موقع ملجاتا ہے - اور عیسائی معترضین اپنے حواریوں کی بداحتیاطی اور قابل اعتراض رفتار و کردار کو صحابہ کبار اور مہاجرین و انصار میں موجود و حاضر پاکر اہل اسلام کی اون تعریضوں کی پوری تردید کر دیتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی بداحتیاطیاں اور بدعنوانیاں ثابت کیجاتی ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ اہل اسلام اپنے اخبار و آثار سے حواریوں کے عادات و اطوار پر کوئی اعتراض نہیں کرتے - یہ عیسائی ہیں اور انہیں کی مرویات جن سے حواریوں کی بدعنوانیاں ظاہر ہوتی ہیں - وہی موقع اور وہی نظیر صحابہ کبار کے متعلق بھی ان لغویات کی بدولت عیسائیوں کے ہاتھ آجاتی ہے - اور وہ بھی اہل اسلام ہی کی ان مرویات سے صحابہ کبار کی ان بداحتیاطیوں کو دکھلاتے ہیں تو اہل اسلام کے لئے جواب مشکل ہو جاتا ہے - اس بنا پر صاف صاف کہنا پڑتا ہے کہ کتب احادیث میں یہ منقولات

خصوصاً ان حضرات کے متعلق جو خدمت رسالت سے خصوصیات کا شرف رکھتے تھے سراپا لغو ہیں اور ان خود غلط متعصبین محدثین کی مصنوعات ہیں جو اپنے عقاید کی غلط تائید اور صرف صحابہ کے نام کی تقلید میں اپنے برے کی تمیز نہیں کرتے ہیں اور اصول تعمیم کے مطابق صحابہ کے طبقہ میں عام مساوات قایم کرتے ہیں اور بعضاً بعضہم علیٰ بعض کے ایسے کثیر التعداد نصوص پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کے ان لغویات نے مقربین رسالت پر ارتکاب محارم کے غلط الزام تو لگائے ہی تھے انہیں کے ساتھ شان نبوت اور فیضان رسالت کو بھی بدنام کر دیا۔ اگرچہ اون کے خیال میں اون کے ان موضوعات نے طبقہ صحابہ میں مساوات فی المدارج کی صورت بھی قایم کر دی۔ مگر پھر آگے چلکر وہ بھی قایم نہیں رہتی کیونکہ امام احمد ابن حنبل نے مسئلہ افضلیت کو عقاید اہل سنت کا جزو اعظم اور اصول مسلم قرار دیدیا۔ اور اگر بفرض محال مسئلہ افضلیت اجماعی مانا بھی نہ جائے۔ حالانکہ اوس کے اجماعی ہونے پر علی الاکثر اتفاق ہو چکا ہے۔ تاہم مسئلہ اختلافی تو ضرور کہا جائے گا۔ تو باوجود اس کے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہو یا مختلف فیہ اس سے جو نتیجہ مترتب ہوا وہ یہی ہے کہ جس طرح صحابہ کے اطوار میں ذمایم ثابت ہوئے ویسے ہی تعلیم رسالت میں مناقص۔ پھر نہیں معلوم کہ اطوار صحابہ میں ذمایم اور تعلیم رسولؐ میں مناقص ثابت ہونے کے بعد بھی اصول عقاید قایم رہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

ان موضوعات کا ایک دوسرا شرمناک رخ

ان لغویات نے تعلیم و صحبت رسولؐ پر جو بدنما الزام لگایا وہ اسقدر افسوسناک نہیں ہے جتنا ان موضوعات کا وہ حصہ ناپاک اور شرمناک ہے جو حضرت عائشہ کی سائر ازواج پر فضیلت۔ آنحضرت صلعم کی ان کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت ثابت کرنے کی سعی و اہتمام میں بڑی کد و کاوش سے جمع کیا گیا ہے۔ احادیث کے اس حصہ موضوعات و مصنوعات کی وہ ناقابل الذکر حالت ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عوام الناس سے کہیں زیادہ یہ ناگفتہ بہ واقعات و حالات کو دیکھکر متعصبین عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک و مقدس سیرت اور صاف و منزہ معاشرت پر ایسے ایسے گندہ اعتراضات وارد کرتے ہیں اور اپنی شرارت تعصب میں اس دریدہ دہنی اور بدزبانی سے کام لیتے ہیں کہ اہل اسلام پر کیا موقوف ہے کسی قوم و فرقہ کا کوئی باغیرت اور حیادار آدمی اون کے سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ انہیں سے چند مثالیں نمونہ کے طور پر ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

مواہب لدنیہ عسقلانی اور روضۃ الاحباب محدث شیرازی میں مرقوم ہے۔

از عائشہ منقول است کہ گفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ	عائشہ سے منقول ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا صلعم

وسلم پر نعلین خود وصلہ مے زد و من چرخ می رشتم دررو ئے آں سرور نظر کردم دیدم کہ عرق از جبین وے ریزاں وازاں عرق انوار تاباں است۔ در جمال وے حیراں گشتم حضرت بجانب من نگاہ کرد وگفت چہ بودہ است۔ ترا کہ حیراں شدہ آئی۔ گفتم یا رسول اللہ صلعم در بشرۂ نورانی وعرق پیشانی تو دیدم فریفتہ جمالِ تو گشتم۔ آنسرور نعلین از دست بنہاد و برخاست نزدم آمد و میان ہر دو چشم مرا بوسید۔
روضۃ الاحباب جلد اول۔ مطبوعہ لکھنو ص ۵۷۹

اپنی نعلین میں پیوند لگا رہے تھے۔ اور میں بیٹھی ہوئی چرخہ کات رہی تھی۔ اسی اثنا میں میری نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑی۔ جبین مبارک پر قطرات عرق کی آب وتاب کچھ ایسی خوشنما معلوم ہوئی کہ میں آپ کے چہرۂ نورانی کی زیبائی پر بے ساختہ فریفتہ ہوگئی۔ میری موجودہ دل باختگی کے عالم کو آنحضرت ؐ نے بھی دیکھ لیا۔ مجھ سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا حالت ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے جمال نورانی نے مجھے اسوقت اپنا شیفتہ و فریفتہ بنا رکھا ہے۔ یہ سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ نعلین ہاتھ سے رکھ دی۔ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ اور میرے نزدیک آگئے۔ اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا۔

بحکم اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم آنحضرت صلعم بشر ضرور تھے۔ اس بنا پر اگر درمیان زن وشو۔ اس قسم کے معاملات پیش آئے تو مستبعد نہیں۔ مگر ان نازک واقعات کو نقل ونشر کرکے سنگین وگرانبار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا یقین ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ ہر شخص کو ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ مگر نہ وہ شخص خود ان کے نقل و بیان پر جرأت کرتا ہے اور نہ اوس کے حالات و واقعات قلمبند کرنے والوں کی حیا اس کی مقتضی ہوسکتی ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ حضرات محدثین ہی اس کے اکیلے ناقلین پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ مدعائے حدیث کو ان اقسام کے واقعات کی نقل سے بظاہر کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ ارباب سیر ان اقسام کے واقعات کو نہیں لکھتے۔ خلاف تہذیب ہونے کے علاوہ منافی شان رسالت جانتے ہیں۔ ائمہ محدثین اس کو حضرت عائشہ کے ثبوت فضیلت اور آنحضرت صلعم کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت ... کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور اصول عقاید کی ضرورت سے اسکے نقل و بیان کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدعا بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اور ازواج مطہرات کے ساتھ بھی ایسے معاملات پیش آتے ہوں۔ جس کی خبر حضرت عائشہ اور اونکے متعلقین کو نہ ملی ہو۔ تو پھر فضیلت کیسی اور ترجیح کیونکر ثابت ہوگی ؟

توسیع تالیف و تصنیف کے موجودہ زمانہ میں۔ باستثنائے کتب حدیث و فقہ بیشمار کتابیں اسلامی تاریخ و

سیر کی روزانہ مشاہدے اور مطالعے میں آتی ہیں۔ مگر کسی ایک میں بھی کسی شخص خاص کے ناموس کی خلوت کے حالات و واقعات اس طرح منظر عام میں نہ لائے جاتے ہیں اور نہ یوں علانیہ طشت از بام کئے جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ رسول ؐ اور اوسکا ناموس۔ فاعتبروا۔ اہل اسلام تو ان شرمناک واقعات کو دیکھکر دیدۂ عبرت سے جتنے آنسو نہ بہائیں وہ کم ہے۔ مگر متعصبین مخالفین اسلام کو آنحضرت صلعم کی معاشرت کے متعلق۔ عورتوں کی صحبتوں میں آپ کی محویت۔ اور اُن کے ساتھ آپ کا ایک شغف خاص وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ) مختلف اقسام کے غلط الزام کا موقع ملتا ہے۔

(۴) ریاض النضرہ میں مرقوم ہے۔

عن عائشۃ انہا قالت اتیت رسول بحریرۃ طبختہا لہ فقلت لسودۃ والنبی صلعم بینی و بینہا کلی فابت فوضعت یدی فی الحریرۃ ولطخت بہا وجہہا فضحک النبی صلعم فوضع فخذہ فقال لسودۃ الطخی وجہہا فلطخت وجہی فضحک النبی صلعم فجاء عمر فنادی یا عبداللہ یا عبداللہ فظن رسول اللہ انہ سیدخل فقال قوما فاغسلا وجوہکما فقالت عائشۃ فما زالت رہاب عمر لہیبۃ رسول اللہ صلعم ایاہ ص ۲۰۹

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلعم کے لئے حریرہ پکایا اور اُسکو لیکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی۔ اور ایک طرف بیٹھ گئی ایک طرف سودہ تھیں اور ایک طرف میں۔ بیچ میں آنحضرت صلعم تھے میں نے سودہ سے کہا تم بھی کھاؤ۔ اونہوں نے انکار کیا پھر میں نے کہا۔ کھاؤ نہیں تو تمہارے مونھ میں یہی حریرہ مل دونگی۔ سودہ نے اسپر بھی انکار ہی کیا تو میں نے اپنے ہاتھ میں وہ حریرہ لیکر سودہ کے مونھ پر مل دیا۔ یہ دیکھکر رسول خدا صلعم ایسا ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور سودہ سے فرمایا کہ تم بھی ان کے مونھ پر مل دو چنانچہ اونہوں نے بھی وہ حریرہ میرے چہرہ پر مل دیا۔

یہ دیکھکر رسول خدا صلعم بیساختہ ہنسنے لگے۔ اتنے میں حضرت عمر نے دروازے پر آکر یا عبداللہ یا عبداللہ کہکر پکارا۔ آنحضرت صلعم سمجھے کہ اندر آنا چاہتے ہیں ہم لوگوں سے فرمایا کہ اب تم دونوں اٹھو اور اپنے ہاتھ مونھ دہو ڈالو۔ (ایسا نہو کہ عمر تمکو ایسی حالت میں دیکھ لیں) عائشہ کہتی ہیں کہ اوس دن سے میں ہمیشہ عمر سے ڈرتی رہی کیونکہ آنحضرت صلعم کو ان سے ڈرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مطایبات کسی قوم و ملک میں مانع تہذیب نہیں۔ مگر خاص مشکوۃ رسالت میں اس قسم کی اوچھل کود قابل اعتراض ضرور ہے۔ جس طرح حضرت سودہ کی تمام ازواج مطہرات میں کبر السنی مسلمات سے ہے اوسیطرح ام المومنین عائشہ کی صغیر السنی بھی یقینیات سے ہے۔ اس بنا پر باوجودیکہ دونوں خواتین میں زوجیت رسول کے شرف مشترک نے کتنی ہی مساوات نہ پیدا کر دی ہو۔ تاہم حضرت عائشہ کا یہ

بے تکلفانہ مذاق - باعتبار مساوات سن کے نہایت بدنما اور نازیبا ثابت ہوتا ہے خصوصاً ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق اور ابواب تہذیب کے سخت خلاف واقع ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان مطایبات عامیانہ سے قطع نظر فرمانا اور مزید براں ان معمولی خوش فعلیوں پر مخدرات سراپردۂ نبوت کو اشتعال دینا اور بھی شرمناک صورت پیدا کرتا ہے۔ گویا آنحضرت صلعم ان اقسام کے مزاح و مذاق کو تہذیب و نسوان اور خصوصاً ازواج مطہرات کے حدود تہذیب و آداب کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔

آخر حصہ حدیث نے بالآخر ان لغویات کی حقیقت اور اسباب موضوعیت کا انکشاف کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ حضرت عمر کے کمال سطوت و ہیبت اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ کی انتہا درجہ کی شوخی اور بے تکلفی کے اظہار، ان تمام لغویات کے مدعا تھے مگر ان مدعا کے اظہار کی پرجوشیوں میں اوس درجہ کی موضوعیت اور لغویت سے کام لیا گیا کہ نتیجہ یہ ہوا کہ داب رسالت اور آداب نبوت کو ایک طرف تو حضرت عائشہ کی محبت نے داب لیا۔ دوسری طرف حضرت عمر کی سطوت و ہیبت نے۔ پھر رسول صلعم کی مقدار کیسی اور کتنی باقی رہی - وانظر فتدبر۔

(۴۲) اسی کی دوسری مثال ملاحظہ ہو، تفسیر درمنثور میں مسطور ہے:-

عن عائشۃ قالت استاذن ابوبکر علی النبی صلعم وانا معہ فی مرط واحد فاذن لہ تقضی حاجتہ وھو علی تلک الحال فی المرط ثم استاذن علیہ عثمان فاصلح ثیابہ وجلس فاذن لہ فقضی الیہ حاجتہ ثم خرج قالت عائشۃ قلت یا رسول اللہ استاذن علیک ابوبکر فقضی لہ حاجتہ وانت علی حالک ثم استاذن علیک عمر فقضی الیک حاجتہ وانت علی تلک الحال ثم استاذن علیک عثمان فاصلحت ثیابک واحتفظت فقال یا عائشۃ ان عثمان رجل حیی ولو اذنت علی تلک الحال خشیت ان لا تقضی حاجتہ

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے نبی صلعم کے پاس آنے کی اجازت مانگی، اوسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ میں ایک ہی چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ نے اسی حالت میں اون کو اجازت دیدی اور وہ آئے اپنا کام کیا اور چلے گئے پھر عثمان نے اذن طلب کیا۔ تو آپ (چادر پھینک کر) اوٹھ بیٹھے اور اپنے کپڑے درست کر لئے اور اون کو آنے کی اجازت دی پس وہ بھی آئے اور اپنا کام پورا کر کے چلے گئے۔ تب میں نے کہا یا رسول اللہ صلعم ابوبکر آئے اور اپنی حاجت پوری کر کے چلے گئے مگر آپ اپنی حالت پر باقی رہے، پھر عمر آئے اور اپنا کام کر کے چلے گئے۔ مگر آپ کی حالت میں فرق نہ آیا لیکن جب عثمان نے اذن طلب کیا تو آپ نے کپڑے درست کر لئے اور ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے آخر اسکا سبب کیا تھا) تو آپ نے

فرمایا کہ اے عائشہ عثمان ایک مرد باحیا ہیں۔ اگر میں اون کو اسی حالت میں بلا لیتا تو مجھے خوف تھا کہ وہ بغیر حاجت پوری کئے واپس جاتے“

اس روایت کے متعلق زیادہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ اس واقعہ کے بیان میں تہذیب و شائستگی کہاں تک محفوظ رکھی گئی ہے۔ صرف دو تین باتیں اس کے متعلق عرض کر دینی ہیں۔ اول یہ کہ اگر وہ حالت جس کو خود ام المومنین نے بیان کیا ہے قابل شرم تھی اور قول و فعل رسول کے مطابق ایک مرد باحیا و غیرت مند کے سامنے اوس حالت میں رہنا مناسب نہ تھا۔ تو پہلے آنے والے کی آمد پر بھی وہی کرنا مناسب تھا۔ جو حضرت عثمان کی تشریف آوری پر کیا گیا۔ بلکہ حضرت ابوبکر کی آمد پر اولیٰ اور انسب تھا۔ دوسری یہ کہ دو آدمیوں کے مقابلہ میں کسی تیسرے شخص کو یہ کہنا کہ ان میں یہی باحیا اور غیرت مند ہے جس امر کا مستلزم ہے۔ اوس کو میں اپنے زبان و قلم سے ادا نہیں کر سکتا کیونکہ وہ باقیماندہ بزرگواروں کی سخت توہین کا باعث ہوگا۔ ایسا سوء ادب اون علمائے کرام ہی کو مبارک ہو جنہوں نے یہ روایت درج کتاب کی ہے۔ یا اون کے رواۃ ثقاۃ کو جنہیں بیان فضیلت و وضع روایت کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ ایک بزرگ کی تو فضیلت بیان کی اور دو بزرگواروں کے فضائل پر پانی پھیر دیا۔

ان موضوعات و مصنوعات کی حقیقت یہی ہے کہ ان کے نقل و بیان میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جس قدر تحقیر و توہین محض خلفائے کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ کے فضائل دکھلانے کے لئے کی گئی ہے اور جو نقشہ آپ کی معاشرت کا دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔

(۴) کنز العمال جلد چہارم ص ۳۲۷ میں مرقوم ہے۔

عن عائشة قالت فقدت النبي صلعم ذات ليلة فظننت انه قام الى جاريته مارية فقمت التمس الجدر فوجدته قائما يصلي فادخلت يدي في شعره لانظر هل اغتسل ام لا فقال اخذك شيطانك قلت ولي شيطان يا رسول الله فقال نعم قلت وبجميع بني آدم قال نعم قلت ولك قال نعم ولكن الله اعانني عليه فاسلم

عائشہ کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول خدا صلعم کو اپنے فرش خواب پر نہ پایا۔ خیال گذرا کہ آپ اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کے پاس اوٹھ کر چلے گئے۔ پس میں اندھیرے میں ٹٹولتی چلی کھڑی ہوئی تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ تو میں نے اپنا ہاتھ اون کے بالوں پر رکھا تاکہ دیکھوں کہ غسل فرمایا ہے یا نہیں۔ پس آپ نے (میری یہ حرکت دیکھکر) فرمایا کہ تم کو اس وقت تمہارے شیطان نے گرفتار کر رکھا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان بھی ہے۔ فرمایا۔

ہاں۔ میں نے کہا اور بنی آدم کے ساتھ ؟ فرمایا۔ ہاں میں نے کہا اور آپ کے ساتھ ؟ فرمایا ہاں۔ مگر خدا نے اوسکے مقابلہ میں میری مدد کی جس سے اوس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی مضمون کو اوسی کتاب میں اس عبارت کے ساتھ بار دیگر نقل کیا ہے۔

عن عائشه قال طلبت رسول الله صلعم ليلة فلم اجده فظننت انه اتى بعض جواريه او نسائه فرايته وهو ساجد وهو يقول اللهم اغفرلي ما اعلنت وما اسررت۔

عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک رات رسولخدا صلعم کو تلاش کیا۔ لیکن کہیں نہ پایا خیال کیا کہ آپ کسی کنیز یا بیوی کے پاس گئے ہوں گے مگر یہ غلط ہوا آپ سجدہ میں سر رکھے فرما رہے ہیں کہ اے پروردگار بخش دے۔ جو کچھ مجھسے بطور ظاہر یا مخفی سرزد ہوا ہے۔

افسوس ہے کہ ازواج مطہرات اور غلبہ نفس کے یہ حالات و واقعات۔ گویا ان مخدرات پر تعلیم رسول صلعم کا کوئی اثر اور صحبت نبوی کا کوئی فیض ہی نہ پہونچا تھا۔ پھر یہ مناقص شان رسالت اور مخالف آداب نبوت طومار کیوں تیار کئے گئے۔ صرف اس لئے کہ حضرت عائشہ کی فضیلت ثابت ہو۔ مگر فضیلت کی جگہ تو اون کی تناقص طبیعت ثابت ہوتا ہے

(۵) اسی کا دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اصابہ جلد ۴ ص ۲۳۲ مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے:۔

والجونيه مراة من الكندة احضرها ابو اسيد الساعدي فتولت عائشه و حفصه امرها فقالت احداهما ان يعجبه اذا دخلت عليه امراة ان تقول اعوذ بالله منك واخرج ابن سعد عن هشام بن محمد وهو ابن الكلبي عن ابن غسيل الذي اخرجه البخاري وزاد فيه فقالت حفصه لعائشه او عائشه لحفصه خضبيها وانا امشطها ففعلتها ثم قالت لها احداهما انه يعجبه من المرأة اذا دخلت عليه ان تقول اعوذ بالله منك فلما دخلت عليه واغلق الباب وارخى الستر ومد يده اليها فقالت

جونیہ قبیلہ کندہ کی ایک عورت تھی جس کو ابو اسید ساعدی نے خدمت رسول صلعم میں حاضر کیا تھا۔ عائشہ اور حفصہ نے اوسکا امر یعنی آرائش اپنے ذمہ لی اور اثنائے مشاطگی میں اون میں سے ایک نے اوس سے یہ کہہ دیا کہ جب کوئی عورت آنحضرت صلعم کے پاس لائی جاتی ہے تو آپ یہ بات بہت پسند کرتے ہیں کہ وہ اعوذ باللہ منک کہے (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) اور ابن سعد نے ہشام بن محمد کلبی سے اور اوس نے ابن غسیل سے وہ روایت کی ہے۔ جو بخاری نے بھی لکھی ہے اور اس روایت بخاری میں اتنی زیادتی ہے کہ حفصہ نے عائشہ سے یا عائشہ نے حفصہ سے کہا کہ تم مہندی لگاؤ میں بالوں میں کنگھی کرتی ہوں۔ غرض مشاطگی میں مصروف

اعوذ باللہ منک فقام بکمہ علی وجھہ وقال
عذت بمعاذ ثلاث مرات ثم خرج فقال یا
ابا اسید الحقہا باھلھا ومتعھا برازقتین
یعنی کرباسین فکانت تقول ادعونی الشقیہ

ہوئیں۔ پھر دونوں میں سے کسی ایک نے اوس عورت سے
کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس جب کوئی عورت داخل
کیجاتی ہے تو آپ کو اوسکا یہ کہنا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے
کہ اعوذ باللہ منک (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں)

اس کے بعد وہ حجلۂ عروسی میں لائی گئی۔ دروازے بند کردئے گئے۔ پردے گرا دئے گئے۔ آنحضرت صلعم نے اوس کی طرف ہاتھ بڑہائے تو وہ کہنے لگی اعوذ باللہ منک (میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) یہ سنتے ہی آپ آستین روئے مبارک پر رکھکر اوٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تو نے اوس کی طرف پناہ مانگی ہے جس کی طرف پناہ مانگی جاتی ہے یہی کلمہ تین بار ارشاد فرمایا اور باہر چلے آئے۔ ابو اسید سے فرمایا کہ اس عورت کو اس کے گھر والوں کے پاس پہونچا دو۔ اور کرباس کے دو کپڑے اس کو دیدو۔ پس وہ عورت سب سے کہا کرتی تھی کہ تم لوگ مجھے بدنصیب کہکر پکارا کرو۔

اس روایت میں کس کس کی تعریف کی جائے۔ ازواج مطہرات کے آداب و اخلاق کے نشان کی یا ان علما و محدثین کے طرز بیان کی جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت کے راز کو یوں طشت از بام اور زبان زد خاص و عام کردیتے ہیں نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ رسول سے شرم کرتے ہیں رسول کی یوں توہین کی اور اوس کے ناموس کی یوں پردہ دری۔ زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ اس کی نقل سے اصل مدعا بھی تو حاصل نہیں ہوا حضرت عائشہ اور اور حضرت حفصہ کی فضیلت ظاہر ہونے کی جگہہ اون کی پوری حیلہ سازی اور صریح فتنہ پردازی ثابت ہوگئی۔

(۶) تفسیر در منثور میں۔ سورۂ تحریم کی تفسیر کے متعلق مرقوم ہے۔

اخرج ابن جریر والمنذر عن ابن عباس
قال قلت لعمر ابن خطاب عن المرءتان
اللتان تظاھرنا قال عائشہ وحفصہ و
کان بدء الحدیث فی شان ام ابراھیم اصابھا
النبی صلعم فی بیت حفصۃ فی یومھا
فوجدت حفصہ فقالت یا نبی اللہ اقد جئت
الی شیئا ما جئتہ الی احد من ازواجک
فی یومی وفی داری وعلی فراشی فقال
الا ترضین ان حرمھا فلا اقربھا قالت بلی

ابن جریر ابن المنذر نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن عمر ابن خطاب سے پوچھا کہ
وہ کون دو عورتیں ہیں کہ جنہوں نے رسول صلعم کے برخلاف
ایک دوسرے کی مدد کی تو کہا کہ وہ عائشہ ہیں اور حفصہ
اور یہ واقعہ مادر ابراہیم کی نسبت گذرا تھا اور وہ یوں
تھا کہ ایک دن رسول خدا صلعم نے ان سے حفصہ
کے گھر میں مقاربت کی جس سے حفصہ غضبناک ہوگئیں
اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ آپ نے مجھپر تو ایسا ظلم کیا
ہے جو اپنی بیبیوں میں سے کسی ایک پر بھی نہ کیا تھا

فحرّمها وقال لا تذکری ذلک لاحد فذکرته لعائشة فاظهره الله علیه فانزل الله یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لک الآیات کلها۔

کہ میری ہی باری کے دن۔ میرے ہی گھر میں اور میرے ہی بستر پر؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہ ہوگی کہ میں ماریہ سے کنارہ کشی کر لوں اور اب کبھی اوس کے قریب نہ جاؤں۔ حفصہ نے کہا ہاں۔ آپ نے ماریہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا قصد کر لیا اور حفصہ سے کہا کہ دیکھنا اس بات کو کسی سے بھی نہ کہنا۔ مگر اونھوں نے عائشہ سے کہہ دیا تو خدا نے اپنے رسول صلعم کو اس پر مطلع کیا اور آیہ یا ایہا النبی الخ کو نازل فرمایا۔

واقعی کس قدر افسوسناک ہے کہ یہ اوس کی ازواج مطہرات کے اطوار و عادات ہیں جو حقیقی غیرت و حیا کی مجسم شان ہے اور الحیاء شعبۃ الایمان جس نخیر تمند کا خاص فرمان ہے۔ حالانکہ بفرض محال۔ اگر ان خواتین کے ایسے اطوار و کردار صحیح بھی ہوں تاہم وہ رسالت کے خاص وقار میں کوئی کمی نہیں پیدا کر سکتے۔ مگر ظاہری طور پر ان واقعات کو پڑھ کر ہر شخص اتنا کہنے کا ضرور مجاز ہوگا۔ کہ ان خواتین نے ایک عرصہ تک شرفیاب خدمت رہ کر آداب و اخلاق رسالت سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کیا۔ اور اپنے اون مخصوص وقار و اقتدار کی کوئی قدر و منزلت نہیں کی جن کی بنا پر اون کو عام طبقہ نسوانی میں امہات مومنین اور ناموس جناب سید المرسلین صلعم ہونے کا شرف عنایت فرمایا گیا تھا۔ ان خواتین کے ذیل میں سب سے زیادہ قابل اعتراض حضرت عائشہ کے واقعات ہیں۔ حالانکہ تمام علما و محدثین جو ان کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت۔ جامعیت قوت اجتہاد۔ محامد تہذیب و آداب مکارم اخلاق اور محاسن معاشرت وغیرہ وغیرہ غرض ان کے تمام کمالات کو ایک ایک کر کے لکھتے ہیں وہی حضرات ان کی نسبت ان تمام مکروہات کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اقرار بھی۔ وہ اپنی غایت غلط فہمی سے ان لغویات کے نقل و بیان سے حضرت عائشہ کی فضیلت اور آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی مفرط درجہ کی محبت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اون کی امید کے خلاف نتیجہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ کی تعظیم و تکریم کی بجائے ان واقعات سے تحقیر و توہین ثابت ہوتی ہے۔

سب تو سب شبلی صاحب۔ باوجود اپنی تحقیقات جدید کے بھی اس مسئلہ میں اوسی قدیم غلط فہمی پر قائم ہیں چنانچہ سیرۃ النبی۔ جلد دوم ص ۴۲۵ میں مرقوم ہے۔

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ۔ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن و صورت میں حضرت صفیہ ان سے بڑھکر تھیں۔ اور دوشیزہ بھی تھیں۔ اور دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج

ان سے کم نہیں تھیں۔ لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت۔ ذہانت۔ قوت اجتہاد۔ دقت نظر و وسعت
معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

پھر ص ۳۴۷ میں بھی مضمون یوں لکھا گیا ہے۔

حضرت عائشہ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں۔ اسلئے قرب صحبت سے اسقدر فائدہ اٹھا سکیں
کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف
بالائے اطاعت اسقدر ہے اکثر مسائل میں اون کی فہم و دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے"

خاص حضرت عائشہ کے متعلق چند واقعات ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور چند امور ابھی اور نمونہ کے
طور پر آئندہ دکھلائے جائیں گے۔ اون کی حقیقت حال ان تمام دعووں کے خلاف ثابت ہوتی ہے
جو ہر قسم کے حالات خاص امام بخاری کی مرویات ہیں جن کی صحت و صداقت میں کسی کو عذر و کلام کی
مجال نہیں۔ اس بد قسمت عورت کے حالات میں حضرت عائشہ کے طرز عمل۔ قوت اجتہاد اور انصاف
بالائے اطاعت دونوں اصول کے مخالف و منافی ثابت ہوتے ہیں۔

پھر اسی طرح جناب رسول خدا صلعم کو فرش خواب پر نہ پاکر اپنے دل میں آپ کیطرف سے
خلاف عدالت و مروت گمان پیدا کرنا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ ام المومنین کی نسبت ان تمام اوصاف
و محامد کا ادعا صرف جوش عقیدت کے قیاسات ہیں اور ان قیاسات خارجی کو جذبات داخلی سے کوئی
تعلق نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت ام المومنین دوسروں کے معاملات میں اپنی قوت اجتہاد۔ انصاف بالائے
اطاعت۔ قابلیت اور جامعیت سب کچھ کام میں لاتی ہوں۔ مگر اپنی خاص احتیاج و ضرورت کے وقت
آپ کا طرز عمل اظہار ذاتیات کے اعتبار سے۔ ایک محض معمولی اور پست خیال عورت سے زیادہ
نہیں ثابت ہوتا۔ چنانچہ سیرۃ النبی کے مفصلہ ذیل اقتباسات ان بیانات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں:۔

(۱) حضرت صفیہ نہایت عمدہ کھانا پکاتی تھیں۔ ایک دن اونہوں نے کھانا پکاکر آنحضرت
صلعم کے پاس بھیجا۔ آپ اسوقت حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے حضرت
عائشہ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا۔ آنحضرت صلعم نے پیالہ کے ٹکڑے
چن چن کر یکجا کئے۔ اون کو جوڑا۔ پھر دوسرا پیالہ منگا کر واپس کیا۔

اس واقعہ میں۔ افسوس نہ ام المومنین نے قوت اجتہاد سے کام لیا۔ نہ اصول عدالت بالائے
اطاعت پر عمل پیرا ہوئیں۔ بلکہ عام نسوانی رشک و حسد انکو دماغ کے طریقہ سے کارفرما ہوئیں۔ اگر قوت اجتہاد
پر قادر ہوتیں تو سمجھ لیتیں کہ ایک خاتون نے جو اون کی ہمسر اور ہم چشم ہے۔ اوس بزرگ کی دعوت کی

ہے اور اوس کی خدمت میں تحفہ بھیجا ہے جس کی خدمت آپ پر اور اوس بھیجنے والی خاتون پر بقدر مشترک اور بدرجہ مساوی واجب ہے۔ پھر فیصلہ مجتہدانہ کے خلاف۔ اوس کے تحفہ بھیجنے پر آپ کی آزردگی خاطر کیسی۔ یہ ناراضی اور اتنی ناراضی اور جھنجھلاہٹ کہ پیالہ کا پٹک دینا اور جنس غذا کو ضائع کر دینا تو ام المومنین کی ذاتیات اور دوش طبعی کا ثبوت ہے۔ اور پھر ایسی صورت میں کہ رسول خدا صلعم پاس بیٹھے ہیں۔ اونھیں کے لئے خاص تحفہ آیا ہے۔ آپ ہی کی برابر والی اون کی ایک بی بی نے بھیجا ہے۔ اگر آپ کو کچھ ملال خاطر بھی ہوا تھا۔ تو آپ کو آنحضرت صلعم کی رعایت سے تحمل کرنا ضروری تھا۔ اور انصاف بالائے اطاعت سے کام لینا تھا۔ اگر اوس پیالہ کو خود لینا یا چھونا گوارا نہ تھا تو خود آنحضرت صلعم کو لے لینے دیا ہوتا۔ اور آپ خاموش رہ جاتیں۔ نہ توڑا ہوتا نہ پٹکا ہوتا۔ تو آنحضرت صلعم کو اوس پیالہ کے ریزہ ریزہ چننے کی نہ تکلیف ہوتی۔ اور نہ اوس کے معاوضہ دینے کی زیر باری ام المومنین کے صرف ایک ذاتی خیال نے آپ کے تمام قیاسی محاسن کا خاتمہ کر دیا جب ذرا ذرا سے امور خانگی میں آپ اپنی برہمی مزاج کو ضبط نہیں کر سکتی تھیں تو عدالت بالا سے اطاعت کے اصول یا قوت اجتہاد کے انصاف پر آپ کا قائم رہنا مشکل سے تسلیم کیا جائیگا۔

(۲) ایک دفعہ آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہ بآواز بلند باتیں کر رہی تھیں (لڑنے کی سخت لفظوں میں دھیمی کی گئی ہے) اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے۔ حضرت عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ صلعم سے [illegible] بولتی ہے۔ آنحضرت صلعم بیچ میں آگئے اور حضرت عائشہ کے آڑے آگئے۔ حضرت ابوبکر غصہ میں بھرے باہر چلے گئے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کہا کیوں۔ میں نے تم کو کس طرح بچا لیا۔ چند روز کے بعد آنحضرت صلعم کی خدمت میں حضرت ابوبکر آئے تو وہ حالت بدلی ہوئی تھی۔ بولے مجھکو صلح میں بھی شریک کر لیجئے جیسا کہ اوس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

صفحہ ۲۴۸ بحوالہ ابوداؤد باب ماجاء فی المزاح

شبلی صاحب نے ابوداؤد کی اصل عبارت نہیں لکھی۔ ترجمہ کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ بحث و تکرار کا پہلے استخفاف کیا گیا ہے۔ مگر آخر میں حقیقت نہ چھپ سکی۔ لکھہ دینا پڑا کہ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت عائشہ کی خانہ جنگی کے متعلق ہے۔ جس کو شبلی صاحب نے ابتدا میں یوں لکھا کہ آنحضرت صلعم سے برہم ہو کر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ آپ سے بڑھکر ابوداؤد صاحب عبارت ہیں جو اس خانہ جنگی کو مزاح کے باب میں بتلاتے ہیں۔

بہر حال صورت واقعہ دونوں صاحبوں کے مختار کے خلاف ہے۔ اس روایت کے متعلق امور ذیل قابل نظر ہیں۔

(الف) جناب رسالتمآب صلعم کے ایسے واجب الاتباع شوہر سے لڑنا اور کاشانہ نبوت میں اتنا چلا چلا کر تقریر کرنا کہ باہر سننے والے سنیں اور سن کر دوڑے چلے آئیں جیسا کہ حضرت ابو بکر نے کیا۔ عام اور معمولی شرفا کے گھروں میں مستورات کے لئے جائز نہیں چہ جائیکہ ازواج مطہرات اور وارا الرسالت کے مخدرات سے یہ اطوار ثابت ہوتے ہیں۔ پھر حضرت عائشہ کی یہ کیفیت اور اون کا یہ عالم ایسا ہی ناقابل عفو اور غیر متحمل تھا کہ حضرت ابو بکر نے تھپڑ مار کر اون کی تنبیہ کا قصد و ارادہ کر لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی رائے میں تمام قصور اور زیادتی حضرت عائشہ کی طرف سے تھی۔ رسولؐ معصوم تھے اور محض بے گناہ۔ فطرت عامہ اور خاصہ کا امتیاز یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اخلاق نبی صلعم نے ہرگز گوارا نفرمایا۔ کہ حضرت عائشہ عامیانہ طور پر اپنی شوخی اور گستاخی کی سزا پائیں۔ آپ اون کے بیچ میں آ گئے اور ما معذّبھم وانت فیھم (ہم اون پر عذاب نہیں کرینگے جن کے بیچ میں تو ہوگا) کی پوری شان دکھلا کر اون کو حضرت ابو بکر کی سزا دہی سے بال بال بچا لیا۔

(ب) لطیفہ تر تو آخر حصہ حدیث ہے۔ حضرت ابو بکر کا بعد ہر دو واقعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں اس کی یاد دہانی کرنا اور آپ سے ان الفاظ میں درخواست کرنا کہ مجھکو بھی صلح میں شریک کر لیجئے جس طرح کہ اوس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ ایسا کلمہ ہے۔ جو آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت ابو بکر کے علاقہ نسبی رکھنے کے اعتبار سے کوئی غیر تمند اور مہذب شخص اپنے منہ سے نکالنا کیسا کانون سے سننا گوارا نہیں کر سکتا۔

(۳) صفحہ ۲۲۷ جلد دوم میں تحریر ہے :۔

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھیں۔ اس لئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری بی بی نے مجھے مشورہ دیا۔ میں نے کہا تمہیں ان باتوں میں کیا دخل ہے بولیں کہ تم میری مداخلت پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلعم کو برابر کا جواب دیتی ہے میں اوٹھا اور حفصہ کے پاس آیا میں نے کہا بیٹی تم رسول اللہ صلعم کو جواب دیتی ہو۔ یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ بولیں ہاں ہم تو ایسا کرتے ہیں۔ میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی

سے ڈرتا ہوں، تم اون کے گھمنڈ میں نہ آجانا جن کے حسن نے رسول اللہ صلعم کو فریفتہ کرلیا ہے۔ (یعنی عائشہ) بحوالہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۷

خدمت رسول صلعم میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کی بیباکانہ درشت مزاجی اسقدر عام ہوگئی تھی کہ ہر کس وناکس کو اس کی پوری اطلاع تھی۔ جیسا کہ حفصہ کی نسبت خود اون کی ماں نے اقرار کیا۔ اور عائشہ کے متعلق خود حضرت عمر نے اظہار فرمایا اور خاصکر صاحبزادی کو تنبیہ فرمائی کہ تم کبھی عائشہ کی طرح نہ ہوجانا۔ جن کے حسن نے (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلعم کو فریفتہ کرلیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم کے مزاج پر وہ اسقدر حاوی ہوگئی ہیں کہ رسول اللہ صلعم اونکے حسن پر اپنی غایت فریفتگی سے اون کی کسی جا و بیجا خواہشوں کو ذرا بھی روک نہیں سکتے۔

حقیقتاً یہ سب اونھیں لغویات کے انبار اور اونھیں وضعی احادیث کے طومار ہیں جو فضائل صحابہ اور خلفا کے اظہار و اشتہار عام کی غرض سے مرتب اور تیار کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان لغویات کی کوئی اصل ہے اور نہ ان حشویات کی کوئی حقیقت۔ خدا کی شان۔ وہ سراپا پیکر تقدس۔ جو تمام ملکوتی اور روحانی عادات وخصائل۔ اخلاق وشمائل سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اخلاق الٰہیہ کا نمونہ بنایا گیا ہو۔ وہ جمال قدرت کے علاوہ کسی فانی ہستی کی زیب وآرائش اور حسن و زیبائش پر فریفتہ وشیفتہ ہوسکتا ہے۔ اور پھر اپنا اور ایسا کہ رسالت کا وقار اور نبوت کا اقتدار بھی قائم رکھ سکے۔

یہ وہی لغویات ہیں جو عیسائی متعصبین اور یوروپین معترضین کے تمام کافرانہ اور مغویانہ اعتراضات کے اصلی ماخذ ہیں۔ وہ نقل کے ذمہ دار ہیں۔ اون کو ان کی موضوعیت کی حقیقت کی کیا خبر۔ اون کو کیا علم ہے کہ یہ لغویات کس وقت میں کس ضرورت سے مرتب کئے گئے۔ یہ ظاہر ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ریاض النضرہ کے حوالہ سے اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت عمر کی فضیلت میں ایک ایسی خاص حدیث بیان فرمائی ہے جس سے آنحضرت صلعم بھی اون کی سطوت وہیبت کے زیر اثر ثابت ہوتے ہیں۔ اس بنا پر حضرت عمر کے اخلاق کے لئے بھی ادائے احسان کی ضرورت سے ضروری تھا کہ وہ بھی حضرت عائشہ کی فضیلت میں ایسی حدیث بیان فرمائیں جس سے آنحضرت صلعم کا (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ کے حسن وجمال کے زیر جذبات ہونا ثابت ہوتا ہو۔ حضرت عمر کا شمار مردوں میں تھا۔ اسلئے ہیبت وسطوت میں ان کا کمال دکھلایا گیا۔ حضرت عائشہ طبقہ نسواں میں شامل تھیں۔ اور عورتوں کے لئے سوائے حسن وجمال کی تسخیر وتاثیر کے کوئی دوسرا ذریعہ بہتر اور زیادہ موثر نہیں بتلایا جاسکتا لیکن شبلی صاحب حضرت عمر کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ اور ام المومنین کے حسن وجمال کو بے مثال نہیں سمجھتے۔ چنانچہ

لکھتے ہیں کہ اگر چہ وہ (حضرت عائشہ) حسن و جمال میں حضرت صفیہ سے زیادہ نہیں تھیں۔ شبلی صاحب کے بخلاف حضرت عمرؓ نے ام المومنین کے حسن و صورت کی بے مثالی ثابت تھی اس لئے آپ نے اوس کو رسول صلعم کی شیفتگی اور فریفتگی کا باعث قرار دیا۔ مگر افسوس خود حضرت عمرؓ بھی حقیقت کو نہ چھپا سکے۔ اگر حقیقتاً حضرت عمر حضرت عائشہ کے جذبات حسن و جمال کو صحیح اور مستحسن سمجھتے تو پھر صاحبزادی کو اس طرز عمل اختیار کرنے سے کیوں روکتے؟

وقت پر خوب یاد آگیا شبلی صاحب نے حضرت عائشہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی مفرط محبت رکھنے کی توجیہہ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب ترین تھیں۔ لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر حضرت عمر کی رائے اور ارشاد سے تو سوائے حسن کے اور کوئی دوسری وجہ محبوبیت کی پائی نہیں جاتی۔ شبلی صاحب جانیں اور حضرت عمرؓ

(۴) صفحہ ۴۸۳ جلد دوم میں تحریر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں۔ انہیں کیونکر۔ ارشاد ہوا کہ جب تو مجھ سے خوش رہا کرتی ہے تو یوں قسم کھاتی ہے۔ محمدؐ کے خدا کی قسم۔ اور جب ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے۔ ابراہیمؑ کے خدا کی قسم حضرت عائشہ نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ صلعم میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں

بحوالہ صحیح مسلم

ممکن ہے کہ یہ مکالمہ صحیح ہو کیونکہ حضرت عائشہ کی تلخ مزاجی بسا اوقات فیما بین ایسی شکر رنجی کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ مگر تاہم الحمد للہ اس سے آنحضرت صلعم کی ذات اقدس و اطہر پر عدم اخلاق و آداب معاشرت کا کوئی الزام نہیں آتا۔ اس سے حضرت عائشہ ہی کی سوء ادبی اور تلخ مزاجی کا پورا انکشاف ہوتا ہے کہ موصوفہ ذرا ذرا سی بات پر برہم ہو کر اپنے مفترض الطاعۃ اور واجب الاطاعۃ شوہر سے ایسا بیزار ہو جاتی تھیں کہ قسم کھانے میں بھی اوس کا نام لینا گوارا نہ فرماتی تھیں۔ لطف تو یہ ہے کہ اوس عالم خاص گذر جانے کے بعد بھی عند الاستفسار نہایت بیباکی سے اپنی اس درشتی کا خود اقرار فرماتی ہیں۔

(۵) سیرۃ النبی کے اوسی صفحہ میں مرقوم ہے۔

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پٹا ہلاتے ہیں۔ حبشی بھی ایسے ہی

کھیلتے ہیں۔ ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھلا رہے تھے حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ دوش مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں۔ بولیں نہیں۔ آپ چپ ہو رہے۔ یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔ بحوالہ ابو داؤد

شبلی صاحب نے ان روایتوں کی نقل میں صرف ترجمہ سے کیوں کام لیا۔ صرف اس لئے کہ واقعات کی شدتِ لغویت کو چھپائیں یا کم کر دیں چنانچہ اس واقعہ کے متعلق حدیث کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔ فنظر الی لعب الحبشۃ حتی الہم فی المسجد رواہ الترمذی وغیرہ۔ شبلی صاحب نے تماشا گاہ کو جو الفاظ حدیث سے مسجد رسول صلعم ثابت ہوتی ہے۔ توہین مسجد ہونے کے باعث خاص کر ترجمہ سے نکال دیا اور لعب (کھیل تماشہ) کی لغو یانہ صورت کو اپنے ملک کے اکھاڑے اور پھکیتی کے دنگل وغیرہ کی مثال بتلا کر ایک معتدلانہ اور مجوزانہ حیثیت میں تبدیل کر دیا۔

اسی سے اس واقعہ کی لغویت اور موضوعیت کی ترکیبوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ خود ناقل حدیث شبلی صاحب اس فعل کا مسجد رسول کی ایسی جائے مقدس میں واقع ہونا قابل ذکر نہیں سمجھتے۔ اس لئے ذکر مسجد کو ترک کر کے صرف حضرت عائشہ کی غایت محبت کے مدعائے ثبوت کو نقل فرما دیتے ہیں۔ مگر افسوس خانۂ خدا کی توہین کا تو خیال کیا گیا مگر خانہ رسول صلعم کی تضحیک اور بے حرمتی کا کوئی لحاظ نہ فرمایا گیا اور ناموس رسول صلعم کو عورتوں کا بھی نہیں۔ مردوں کا برسر عام تماشا دکھلایا گیا۔ وہ مرد بھی کون؟ غیر قوم۔ غیر جنس اور غیر ملک کے رہنے والے۔ وہ آڑ ہی سے سہی اور وہ آڑ بھی شوہر ہی کی آڑ سہی۔ اعتراض تو اصل عمل سے ہے۔ صورت عمل سے نہیں۔ جب اصل عمل ہی عام شرفا کی حیا و غیرت اور اخلاق آداب معاشرت کے خلاف ہے تو نعوذ باللہ اس کے ارتکاب کی نسبت اوس ذات قدسی صفات کیطرف کیسے دیجا سکتی ہے۔ جو بحکم اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ اخلاق الٰہیہ کا خاص نمونہ بنا کر دنیا کی تعلیم ہدایت کے لئے نازل فرمایا گیا تھا۔

ایسے مانع تہذیب و آداب افعال کو (نعوذ باللہ) عمل رسول سے نسبت دیجاتی ہے اور مسجد رسول تماشہ گاہ بنائی جاتی ہے۔ مگر نہیں معلوم آگے چلکر اس عمل رسول پر عمل امت کیوں نہ قائم ہوا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بعد اوس وقت سے لیکر اس وقت تک۔ پھر مسجد میں ایسے تماشے دکھائے جانے کا کہیں ذکر و مذکور نہیں ہے۔ اسی سے سمجھ لیا جائیگا کہ ان بے سر و پا اور محض کذب و افترا کی حقیقت

کیا ہے۔ حضرت عائشہ کی فضیلت کے ایک اظہار بدعا نے کتنے مضرات کے اس کا خون کر دیا۔ اور اون موصوفہ محترمہ کی فضیلت ثابت ہونے کی جگہ معاشرت رسول پر منافی اخلاق و آداب الزام لگانے کا مخالفین اسلام کو موقع ملگیا۔

شبلی صاحب کی ادب شناسی تاہم غنیمت تھی۔ کہ اونھوں نے نقل و حدیث میں اگر رسولؐ کی نہیں تو مسجد رسول صلعم کی حرمت کا خیال کرکے ذکر مسجد سے چشم پوشی اختیار فرمائی۔ مگر صد آفریں ہے ابو داؤد صاحب اور ترمذی صاحب کی جرأت و دلیری پر کہ ان صاحبوں نے بلا لحاظ و پاس مسجد رسولؐ کو ان لہویات کی تماشہ گاہ بنایا۔ لطف پر لطف تو یہ ہے کہ ان کے لہو و لعب ہونے کا اقرار اور اون کی عملی ترکیبوں کا اظہار بھی درج کتاب فرما دیا۔ ان لغویات سے اتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں جو ہرگز قابل ذکر نہیں۔ امّ المومنین کی بہا ہے کتنی فضیلت نہ ثابت کی جائے مگر اون کا معصوم ہونا کسی طرح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اگر اونھوں نے دزدیدہ نگاہی سے ان مردانہ کھیل تماشوں کو دیکھ بھی لیا تو اتنا قابل اعتراض نہیں۔ مگر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان عصمت عدالت و مروت کے ہرگز شایاں نہیں ہے کہ بالنفس النفیس خصوصاً مسجد میں ان لہویات کو خود بھی بشاہدہ فرمائیں اور پردگیان عصمت کو بھی اسکی سیر کرائیں نعوذ باللہ من ہذہ الهفوات۔

(۶) صفحہ ۳۴۹ میں مرقوم ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آپ نے کہا کہ آؤ۔ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہ اوس وقت دُبلی پتلی تھیں۔ آگے نکل گئیں۔ جب سن زیادہ ہوا اور پر اندام ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی۔ اب کی بار وہ پیچھے رہ گئیں۔ آپ نے فرمایا یہ اوس دن کا جواب ہے۔ بحوالہ ابو داؤد۔

کون پوچھے۔ اس سے حضرت عائشہ کی کیا فضیلت ثابت ہوئی۔ اگر پہلی بار جیت بھی گئی تھیں تو پچھلی بار ہار گئیں۔ افسوس ایک حضرت عائشہ کے اظہار فضیلت نے کاشانہ نبوت میں ہلچل ڈالدی اور مشکوے رسالت کی خاک اوڑادی۔ حضرت عائشہ کو ازواج مطہرات کے طبقہ میں ان خوش فعلیوں کے مقابلہ اور ان زندہ دلیوں کے موازنے کے لئے کوئی خاتون محترمہ ایسی نہیں ملتی تھیں جن کے ساتھ وہ تیز رفتاری کا امتحان دیتیں۔ اور نہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو اپنے مہاجر و انصار میں کوئی شخص ایسا نظر آتا تھا جس سے تیز رفتاری میں مقابلہ کیا جاتا۔ کس قدر شرمناک ہے کہ ایک مرد اپنے صنف ضعیف اور جنس نازک کے ساتھ تیز رفتاری کا مقابلہ کرتا ہے اور ایکبار ناکامیاب مگر دوسری بار

کامیاب ہوکر اون سے اپنی تیز رفتاری پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ کس قدر عبرتناک ہے کہ عصمت سرائے نبوت کی خلوت و جلوت کی صحبتیں۔ اور اون کے عزیز اوقات ان اقسام کے لہویات۔ دوڑ دھوپ اور اچھل کود میں ضائع کئے جائیں۔ استغفر اللہ ربی۔ یہی لغویات عیسائیوں کی تعریضات کے اصلی ماخذ ہیں اور یہی حشویات اون کے تمام مغویانہ مفاسد کے حقیقی باعث۔ حالانکہ نہ ان کی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ صرف کذب و افترا کا طومار ہے اور موضوعات و مصنوعات کا انبار۔

دفتر احادیث میں فضیلت حضرت عائشہ کی داستان اتنی طول طویل ہے۔ جس کی شرح و بیان خارج از امکان ہے اس بنا پر ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں پسند کرتے۔ ام المومنین کی فضیلت اور محبت رسول صلعم کے متعلق ابتدا اور انتہا کی ایک ایک روایت کو اور لکھکر ہم اس مضمون کو تمام کر دیتے ہیں۔

محبت رسول ؐ کی ابتدا صحیح ترمذی کی مفصلہ ذیل حدیث سے قایم کی جاتی ہے۔

(۷) قال رسول اللہ صلعم ان جبریل جاء بصورتہا فی خرقۃ حریر خضراء و قال ہذا زوجتک فی الدنیا والاخرۃ	فرمایا جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ حضرت جبریل ؑ حریر سبز کے ایک پارچہ پر حضرت عائشہ کی ایک تصویر کھچی ہوئی لے آئے اور مجھ سے ارشاد کیا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہے۔

اس حدیث کی موضوعیت اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے ظاہر ہے۔ اس لئے اس کے متعلق کسی تنقید کی ضرورت نہیں۔ ہاں استعجاباً اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ یہ وہ شرف ہے جس سے جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا بھی محروم ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہ نے ان محترمہ کی سائر ازواج مطہرات پر فضیلت رکھنے کے مسئلہ کو خود خدمت رسول صلعم سے رُو در رُو مقابلہ کرکے طے کرلیا تھا۔ (مشکوٰۃ باب مناقب ازواج) اور ادن کی افضلیت کے اوصاف و اسباب کو خود مخبر صادق ؐ کی زبانی سن لیا تھا۔ مگر باایں ہمہ خدا نے شرف زوجیت کا اظہار انھیں کی رونمائی سے آغاز فرمایا اور علیہ مکرمہ حضرت خدیجہ ؑ کے فضائل و مناقب کو زیر نقاب رکھا۔ حالانکہ اون محترمہ کے زمانہ زوجیت رسول ؐ میں حضرت عائشہ کی تصویر (بھی) ان کی زوجیت کا تصور بھی قایم نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح آپ کی تصدیق رسالت فرمانے اور ایمان لانے کا وہ وقت تھا کہ سوائے جناب خدیجہ ؑ کے کوئی نفس واحد اوسوقت تک نہ خدا کو خدا جانتا تھا اور نہ رسول ؐ کو رسول۔ تعجب ہے کہ معطیان قدرت نے اس شرف خاص کی عطا کئے جانے کے وقت حضرت خدیجہ ؑ کے ساتھ اتنی ناتوجہی اور غفلت شعاری دکھلائی اور حضرت عائشہ کے ساتھ اتنی

گرم اپنی ہی اور جانبداری سے کام لیا۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ

صرف اسی رونمائی پر اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ خداوند عالم نے آپ کا خطبہ نکاح بھی پڑھ دیا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر سے اوسی صحیح ترمذی میں یہ روایت مرقوم ہے۔

عن ابن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال جبریل ان اللہ قد زوجتک بابنۃ ابی بکر و معہ صورتھا۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جبریل نے کہا کہ خدا نے آپ کو حضرت ابی بکر کی صاحبزادی سے بیاہ دیا اور اوسکی تصویر بھی اونکے ہمراہ تھی۔

اب نہیں معلوم کہ یہ نکاح حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد واقع ہوا یا قبل اگر قبل واقع ہوا تو یہ حدیث متفقہ جمہور کہ آپ نے حضرت خدیجہ سے قبل کسی کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا۔ غلط ہو گئی۔ اور اگر بعد اون کے واقع ہوا تو دوسری حدیث مسلمہ جس سے جناب خدیجہ کی تقدیم و تفضیل تمام امہات مومنین پر ثابت ہوتی ہے۔ جھوٹی ہو گئی۔ فانظروا و تدبروا

ابتدائے فضیلت تو یوں ہوئی انتہا بھی ملاحظہ فرمالی جاوے۔ زرقانی جلد دوم صفحہ ۲۶۲ میں مرقوم ہے۔

روی ابو الحسن الخلعی عنہا رفعتہ یا عائشۃ انہ لیھون علی الموت انی قد رأیتک زوجتی فی الجنۃ و رواہ ابن عساکر بلفظ ما ابالی بالموت مذ علمت انک زوجتی فی الجنۃ والسلفی بلفظ ھوّن علی الموت انی رأیت عائشۃ فی الجنۃ و روی احمد عنہا رفعتہ ولقد رأیت عائشۃ فی الجنۃ کانی انظر الی بیاض کفیھا لیھون بذلک عند موتی

ابو الحسن الخلعی نے بطریق مرفوع حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ کو بہشت میں اپنی زوجہ دیکھکر مجھے اپنی موت پر رغبت ہوئی اور اس مضمون کو ابن عساکر نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ مجھکو اوس وقت تک اپنی موت گوارا نہ ہوئی جبتک کہ مجھ کو اس امر کا علم نہ ہو لیا کہ تو بہشت میں میری زوجہ ہو گی اور امام احمد ابن حنبل نے بطریق مرفوع روایت کی ہے کہ میں نے بہشت میں عائشہ کو دیکھا۔ اور صرف اونکی ہتھیلی کی سفیدی ہی مجھے دکھلائی گئی۔ اور یہی میری رغبت الی الموت کی باعث ہوئی۔

آخر ان لغویات کی کوئی حد بھی ہے۔ آخر وقت تک جب خدا سے لو لگی ہوئی ہے رسول اللہ صلعم کا محبت عائشہ میں یہ عالم ہے کہ نہ آپ کو رجوع الی اللہ کی نسبت کسی فرحت و اطمینان کا خیال ہے اور نہ الرفیق الاعلیٰ کے ساتھ شرف وصال حاصل ہونے پر کوئی روحانی سرور لاحق ہے۔ نعوذ باللہ

خدا کی قربت اور اوس کے وصال سے محض مفارقت عائشہ کے حزن و ملال کی وجہ سے اوس وقت تک کراہیت کی جاتی ہے۔ جب تک یہ علم و یقین کامل طور سے نہیں ہو لیتا ہے کہ وصال الٰہی کے ساتھ وصال حضرت عائشہ بھی حاصل ہوگا۔ یا احمد ابن حنبل کے الفاظ میں اوسوقت تک اپنی موت گوارا نہیں کی جاتی جبتک کہ حضرت عائشہ کی صورت اگرچہ بقدر کف دست ہی کیوں نہو بہشت میں نہیں دیکھ لیجاتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان لغویات احادیث نے نہ خدا کو خدا رکھا اور نہ رسول کو رسول۔ خدا اپنے رسول کو اپنی قربت کی طرف بلاتا ہے اور محبت عائشہ ہے کہ وہ اپنی سمیت کھینچے لئے جاتی ہے۔

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

آفرین ہے ان علما کی قلمکاریوں پر اور محدثین کی ان کارگذاریوں پر جنہوں نے حضرت عائشہ کے فضائل و مناقب کی تدوین و تزئین میں خدا کی منزہ ذات و صفات اور اوسکے معصوم اور سچے رسول صلعم کے اخلاق و عادات پر اتہام پر اتہام باندھے اور مخالفین اسلام کو انواع اقسام کے الزام لگانے کا پورا موقع دے دیا۔ ایک حضرت عائشہ کی افضلیت و محبت ثابت کرنیکی کوششوں میں آسمان زمین کے قلابے ایک کر دئے ؎ تو کار زمین را نکو ساختی / کہ بر آسمان نیز پرداختی۔

فقہی مرویات میں ان لغویات کی ناپاک صورتیں

ان لغویات کی درفوشہ بالا مثالیں تو وہ تھیں جو احادیث و تفاسیر کی کتابوں سے لیکر لکھی گئیں۔ ان شرمناک واقعات نے عصمت و حرمت رسالت اور حیا و عزت نبوت کی جو حالت پہونچائی ہے۔ وہ عبرت للناظرین بنکر دنیا کے پیش نگاہ ہے۔ ان سے زیادہ ان لغویات کی ناپاک صورتیں تو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن کے ذکر و بیان نے نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کی پاک و پاکیزہ معاشرت کو تعیش دنیاوی اور جذبات نفسانی کا مرقع بنا رکھا ہے۔ اور ان لغویات کی نسبت حضرت عائشہ کی تنہا ذات سے کیجاتی ہے۔

(۱) مبطلات صوم کے ذکر میں۔ زرقانی شرح موطاے امام مالک میں لکھتے ہیں:۔

للبيهقي عنها (عن عائشة) انه صلى الله عليه وآله وسلم كان يقبّلها وهو صائم ويمصّ لسانها وفيه جواز الاخبار عن مثل هذا مما يجري بين الزوجين على الجملة للضرورة واما في حال غير الضرورة فمنهي عنه۔ زرقانی شرح موطا [illegible]

امام بیہقی حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صوم میں میرا بوسہ لیتے تھے۔ اور میری زبان چوستے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی باتیں جو میاں بی بی میں ہوتی ہیں انکا ظاہر کرنا ضرورت کیلئے جائز ہے۔ حالانکہ بلا ضرورت بیان منہی عنہ ہے یعنی نہ بیان کرنا چاہیئے۔

اب اسپر حضرت عائشہ کی ترقی دیکھئے :-

ان عائشة بنت طلحة بن عبد الله احد العشرة القرشية التيمية ام عمران كانت فائقة الجمال ثقة روى لها الستة اخبرته انها كانت عند عائشة زوج النبي فدخل عليها زوجها هنالك وهو عبد الله ابن عبد الرحمان ابن ابي بكر الصديق التيمي تابعي روى له الشيخان وغيرهما وهو صائم فقالت عمته عائشة ما يمنعك ان تدنو تقرب من اهلك زوجك فتقبلها وتلاعبها بمس البشرة دون جماع ر ملها فصدت افادته الحكم ولا فعلوا انه لا يقبلها بحضور عمته عائشة ام المومنين وقال ابو عبد الملك تزيد ما يمنعك اذا دخلتا ويحتمل انها شكت لعائشة قلة حاجة الى النساء وسالتها ان تكلمه فاقته بذلك اوضم عند ها لكه نفسه فقال اقبلها وانا صائم شرح موطا ص ۹۴

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ عائشہ بنت طلحہ حضرت عائشہ کی بھانجی تھیں اونکا نکاح عبد اللہ ابن عبد الرحمن ابن ابی بکر صدیق کے ساتھ ہوا تھا وہ ثقہ تھیں اور مشہور صاحب جمال اون سے چہ احادیث مروی ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ایک دن حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے تھے کہ میرا شوہر آیا۔ اور وہ روزہ رکھے تھا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ بیٹا تم اپنی بی بی سے حالت صوم میں بوس و کنار کیوں نہیں کرتے۔ لائق بھتیجا جواب دیتا ہے کہ ہاں ہوتا تو ہے "۔

لفظی ترجمہ بوجہ عدم تہذیب کے ترک کیا گیا۔ صرف مفہوم اور مراد روایت کے بیان سے کام کیا گیا ہے۔

اب حضرت عائشہ نے اس حدیث کو جس انداز بیان سے ادا فرمایا ہے۔ وہ بھی اسی محدث کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں۔

عن عائشة ام المومنين انها قالت ان كان رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ليقبل بعض ازواجه وهو صائم فضحكت اما في كان يقبلني وهو صائم او ام سلمة كما في البخاري

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت صوم میں اپنے بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ہنسیں اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا بوسہ لیا اور وہ

سے ام المومنین حضرت ام سلمہ۔ حضرت ام سلمہ کے ذکر مرقومہ بالا میں۔ بخلاف مسلم وغیرہ کے۔ امام بخاری صاحب بالکل منفرد ثابت ہوتے ہیں۔ حالانکہ امام مسلم نے ایک روایت میں عائشہ سے اور ایک میں حفصہ

او حفصة کما فی مسلم ایضا لکن الظاہر ان کلاً منهن انما اخبرت عن فعله معها۔ زرقانی ص۹۳	روزہ سے تھے یا اُم سلمہ کا اور مسلم کی دوسری حدیث میں ہے کہ حفصہ کا۔ حاصل یہ ہے کہ بطور ظاہر سب کا بیان ہے کہ ہمارا بوسہ لیتے تھے۔

ناموس رسول کی بے حرمتی اوس کی پاک معاشرۃ کی غارتی یہیں تک پہونچا کر اگر ختم کر دی جاتی۔ تاہم غنیمت تھی۔ مگر یہاں تو لفظ لفظ کی تفصیل اور حرف حرف کی تصریح سے حضرت عائشہ کی فضیلت کے نکتوں پر نکتے نکالے لیتے ہیں لیکن ان تمام طومار بیکار سے سوا سے توہین انگیز اور مضحکہ خیز نتیجوں کے کوئی فائدہ نہیں نکلتا۔ اب زرقانی صاحب عبارت حدیث میں لفظ "فضحکت" یعنی حضرت عائشہ کے ہنس دینے کی توجیہات ان الفاظ میں قلمبند فرماتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵ سے اس عمل کو لکھتا ہے۔ مگر بخاری صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ ام سلمہ کو شامل کر لیں۔ اس غرض سے کہ ازواج مطہرات میں بقول جمہور حضرت ام سلمہ حضرت عائشہ کی مخالف پارٹی میں شامل تھیں زرقانی نے صرف بخاری کی نقل عبارت حدیث پر اکتفا کی ہے اور سلسلہ رواۃ وغیرہ کے نقل کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے ہم اسکے رجال کی تحقیق سے بالکل مجبور ہیں۔ مگر اتنا ضرور لکھکر بتلا دیں گے کہ جناب ام سلمہ کے طرز عمل سے یہ حدیث بخاری بالکل جھوٹی اور وضعی ثابت ہوتی ہے۔ اسوجہ سے کہ آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں یہ زنِ غیور ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواستگاری نکاح کے وقت ہی اپنے غیور ہونیکا اظہار فرما دیا تھا اور اپنے غیرت داری کے تقاضہ کو آیندہ قصد مناکحت کا مانع ٹھہرایا تھا۔ اور جو شرائط نکاح کئے تھے اون میں سب سے پہلے اپنے غیور ہونے کا اظہار تھا۔ ہم اس مقدسہ کے حالات مولوی شبلی صاحب کے خاص الفاظ میں حسب ذیل دکھلاتے ہیں۔

ان کے شوہر ابوسلمہ بڑے شہسوار تھے۔ مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں چند زخم کھائے اور اون کے صدمات سے جانبر نہ ہو سکے جمادی سنہ ۴ھ میں وفات پائی اون کے جنازہ کی نماز بڑے اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت صلعم نے ۹ تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہیں ہوا۔ فرمایا ہزاروں تکبیروں کے مستحق ہیں۔ ابوسلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھیں وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو انہوں نے (مفصلہ ذیل) چند عذر پیش کئے۔ (۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔ (۲) صاحب عیال ہوں۔ (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ (واللہ یہ کس قدر متانت۔ صفائی اور عدالت ہے) آنحضرت صلعم نے ان تمام زحمتوں کو گوارا فرما لیا۔ ازواج مطہرات میں حضرات عائشہ کے بعد فضل وکمال میں انہیں کا درجہ ہے (محض خود غرضانہ فیصلہ اور ترجیح بلا دلیل ہے) ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے (ہم اوس کی تنقید و تصحیح کریں گے)

توجیہ اول نبینہا علی انہا صاحب القصۃ۔	یعنی ام المومنین حضرت عائشہ اسلئے بتاتیں کہ معلوم ہو جائے جسکا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت صلعم جس کا

بوسہ لیتے تھے وہ میں ہی ہوں"

مگر افسوس۔ اس کی کوئی وجہ نہیں دکھلائی جاتی کہ اس محدث کو رسول صلعم کے اس افشاے راز کی نسبت حضرت عائشہ ہی کا اقرار کیوں ملا۔ اور حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ کی نسبت وہ اس کے اظہار کو نہ پاسکے۔ صرف اس لئے کہ مراد ہے صرف حضرت عائشہ کی افضلیت سے۔ اسلئے صرف انہیں کی نسبت اس فضیلت و افضلیت کی تفصیل کی گئی۔ مگر بفرض محال۔ اگر نعوذ باللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶۔ روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ کے سوا تمام بیبیوں پر انکو فضیلت حاصل ہے (حضرت عائشہ کے موضوعات مشہور ہیں اور ان کی ایک حدیث بھی موضوع نہیں۔ یہی فرق مابہ الامتیاز کافی ہے) صلح حدیبیہ میں جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی سے تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی۔ اور یہ اون کی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بتفصیل تمام درج ہے۔ سیرۃ النبی جلد دوم ص ۴۰۳

ایسی صاحب جامعیت و قابلیت، اور ایسی صاحب حیا و غیرت خاتون۔ عام فطرت نسوانی کے خلاف۔ نامحرم مردوں کے مجمع میں تبلیغ کی ضرورت ہی سے کیوں نہو۔ اپنے راز خلوت کی یوں چہرہ کشائی کرے۔ اور اس صفائی سے اپنے شوہر کے اختلاط کی باتوں کو دھڑا دھڑ بیان کرے۔ کبھی کوئی آدمی خیال کرسکتا ہے کہ یہ خاتون باعصمت و عفت وہی ہے۔ جو اپنے غیور ہونے کی نسبت اس متانت اور استقامت سے دعوے پیش کرتی تھی۔ لا واللہ۔

یہ بخاری صاحب کی صریح کا زبانہ قلمکاری ہے۔ اور کچھہ بھی نہیں۔ جو صحابہ کی طرح طبقہ ازواج مطہرات میں مساوی فی المدارج کا اصول تعمیم قایم کرنا چاہتے ہیں۔

ہم اس خاتون معظمہ و محترمہ کی غیرت و حیا داری کی ایک اور مثال ذیل میں لکھکر اس بحث کو تمام کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم ص ۱۴۳ میں مرقوم ہے کہ سلیم انصاری نے خدمت رسول میں آنے کی اجازت مانگی۔ آپ اسوقت ام المومنین حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے اجازت ملی۔ اندر آئے۔ رسول صلعم سے سلیم نے دریافت کیا کہ کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ جناب ام سلمہ نے سلیم کو ڈانٹ کر کہا کہ تم مسئلہ پوچھتے ہو یا عورتوں کو فضیحت کرتے ہو"۔ ایسی غیرتمند اور حیادار عفیفہ جو مسئلہ شرعیہ کے استفسار میں بھی۔ عام جنس نسوانی کے متعلق اتنے انکشاف کو بھی نہ سُننا چاہتی ہو اور ایسا کل مسئلہ کو لغو اگر دانکی ایسی بے شرم حرکت پر تنبیہ فرماتی ہو۔ وہ نعوذ باللہ اس بیحیائی سے اپنا بیان آپ کرسکتی ہو! ان ھذا الا بہتان عظیم

مولف عفی عنہ

بوس وکنار ہی پر فضیلت و اقتدار ازواج مطہرات کا دارومدار ہے تو تاہم. باسناد صحیحین حفصہ اور اُمّ سلمہ دونوں اس فضیلت میں شامل ہیں. پھر حضرت عائشہ کی فضیلت کیسی. نعوذ باللہ من ذالک.

اب دوسری اور تیسری توجیہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

(۲) او تعجبت من نفسہا اذ احدثت بمثل ہذا مما یستحی النساء من ذکرہ للرجال الجاتہا ضرورۃ تبلیغ العلم الی ذکر ذالک.

حضرت عائشہ کو اسوجہ سے ہنسی آئی کہ انہوں نے وہ بات بیان کی جس کے تذکرہ سے مردوں کے سامنے فطرتاً عورتیں شرماتی ہیں مگر صرف تبلیغ علم کی ضرورت نے اونکو مجبور کیا کہ اس واقعہ کو بیان کیا۔

(۳) او سرورًا بتذکر مکانہا من النبی و حالہا معہ وملاطفتہ لہا وصحبتہ و للبیہقی عنہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبلہا وھو صائم ویمص لسانہا ص ۹۲

تیسری وجہ یہ تھی کہ اس بیان سے اون کو سرور ہوتا تھا اور یاد آتی تھی حضرت کی وہ محبت اور لطف و مدارات۔ جو اون کے ساتھ تھی۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث ہے عائشہ سے کہ آنحضرت صلعم حالت صوم میں ہمارا بوسہ لیتے تھے اور زبان چوستے تھے۔"

یہ فاضل شارح ان واقعات کی رکاکت کا خود ناقل بھی ہے اور قائل بھی۔ خود کہتا ہے۔ مما یستحی النساء من ذکرہ للرجال۔ فطرتاً عورتیں ان اقسام کے تذکرے مردوں کے سامنے کرتے ہوئے شرماتی ہیں۔ مگر بار بار یہی ذکر کئے جاتا ہے اور رسول صلعم سے ذرا بھی نہیں شرماتا کہ اوس کے خاص ناموس کو اتنا بے غیرت سمجھ کر اوس کے مونھ سے خلاف عادات نسواں مردوں کے مجمع میں اپنے آپ بیان کراتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ پھر خلاف عادت نسوانی تیسری وجہ ہنسی کی غایت محبت رسول بتلاتا ہے۔ حالانکہ عورتوں کا خاص قاعدہ ہے کہ اگر بسبیل تذکرہ وہ اپنے شوہر متوفی کا ذکر کرتی ہیں۔ یا اوس کے لطف و مدارات کو یاد کرتی ہیں تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لاتی ہیں۔ اور اوس کی یاد میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہیں۔ مگر یہ فاضل شارح حرم رسول صلعم کے متعلق تمام خلاف فطرت امور جائز رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ سے ذرا بھی نہیں ڈرتا۔ استغفر اللہ۔

ان لغویات کے نشر و اجرا کا نتیجہ ہوا کہ حالت صوم میں بوس وکنار سنت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ حقیقت صرف جواز سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر حضرت عائشہ کے طومار روایات جو انکی فضیلت اور رسول اللہ کے ساتھ مفرط محبت رکھنے کے ثبوت میں جمع کئے گئے۔ ان قابل اعتراض حرکات کو حکم شریعت قرار دے لیا گیا۔ چنانچہ زرقانی لکھتے ہیں۔

واخذ الظاہریۃ لظاہر الحدیث فجعلوا القبلۃ

(ز ذ ظاہریہ (جو اہل حدیث کا اوستاد فرقہ ہے) اسکا قائل

للصائم سنۃ و قربۃ من القرب اقتداء لفعلہ

ہے کہ روزہ دار کو بوسہ لینا سنت ہے اور موجب قربت ہے کیونکہ آنحضرت صلعم یہ کام کرتے تھے۔

اس مسئلہ خاص میں تمام علما و محدثین سے زیادہ قیامت کی ہے تو امام بخاری نے کہ بوسہ بازی کو حالت صوم میں صرف سنت رسول صلعم ہی قرار دینے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اوس پر اور اضافہ یہ فرمایا کہ اپنی صحیح میں ایک خاص باب اس امر کا باندھا کہ روزہ دار اپنی زوجہ کے ساتھ مباشرت کرے۔

چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے۔

کان النبی صلعم یقبل و یباشر وھو صائم و کان املکم لاربہ

آنحضرت صلعم حالت صوم میں بوسہ لیتے تھے اور مباشرت کرتے تھے اور تھے حضرت بڑے مالک اپنے عضو خاص کے۔

محدثین سے زیادہ تو اون کے شارحین حدیث زیادہ بے شرم ثابت ہوتے ہیں:—

زرقانی صاحب شرح موطا اپنی شرح میں اسی حدیث بخاری سے استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:—

ذکرت انواع الشھوات مرتقیہ والمعانقۃ واردت ان تعبر عن الجامعۃ فکنت عنھا بالارب و ای عبارۃ احسن منھا لفظاً و ظاہراً بظاہر ھذا الحدیث جعلوا القبلۃ للصائم سنۃ و قربۃ من القرب اقتداء بفعلہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ورد بانہ کان یملک نفسہ و لیس کغیرہ و کیف ما کان لا یفطر الا بانزال المنی ولو مذی وجب القضاء عند مالک و لا شیئ عند ابی حنیفہ والشافعی و شذ قوم فقالوا انہ یحرم القبلۃ یبطل الصوم

حضرت عائشہ نے اس حدیث میں کل انواع شہوات کو درجہ بدرجہ بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ پہلے بوسہ کا ذکر کیا۔ پھر مباشرت کا جس کے معنی معانقہ۔ دست بازی وغیرہ کے ہیں۔ پھر مجامعت کو کنایہ سے بیان کیا لفظ ارب سے۔ اب اس سے بڑھکر کیا فصاحت ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے فرقہ ظاہریہ نے بوسہ بازی کو داخل سنت کر لیا ہے کہ اس سے امید ثواب ہے۔ اور اسکا رد یوں کیا گیا ہے کہ حضرت اپنے عضو خاص کے بڑے روکنے والے تھے۔ کہ دوسرا آپ کے ایسا ممکن نہیں تھا۔ غرض صورت مسئلہ یہ ٹھہری کہ تنہا بوسہ لینے یا مباشرت کرنے تا وقتیکہ انزال منی نہو۔ روزہ باطل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مذی (رطوبت قبل منی) نکلے تو امام مالک کے نزدیک روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک کچھ نہیں۔ مگر باینہمہ ایک قوم (طبقہ علما) کہتی ہے کہ محض بوسہ لینے ہی سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ہم ان لغویات کی تنقید و تحقیق میں اپنا عزیز وقت زیادہ صرف کرنا نہیں چاہتے حقیقتاً ہم جتنا لکھ چکے وہی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر آخر میں ہمارے لئے یہ لکھ کر بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ صوم سے مراد الٰہی کیا ہے؟ یہی نہ کہ انسان کی تمام خواہشات روزہ رکھنے سے کم ہوں۔ انسان صبر و تحمل سے اپنی تمام خواہشات نفسانی پر قابو پا سکے۔ انسان میں۔ انکسار و تواضع۔ صبر و تحمل اور قناعت و استقامت کے جوہر پیدا ہوں۔ آدمی خدا کی یاد میں محو ہو۔ اور حالت صوم میں وہ مشاغل اختیار کرے جن سے صفات مذکورہ بالا کی مشق و تعلیم حاصل ہو۔

بخلاف ان امور کے واقعات مذکورہ بالا سے۔ جو خاص طور پر فقہا اسلامیہ کے احکام ثابت ہوتے ہیں ان مشاغل کے مخالف طرز عمل اختیار کرنے کی تنبیہ و تاکید معلوم ہوتی ہے۔ صرف کھانا پینا بند تو ہے۔ مگر اور سب جائز ہے۔ نعوذ باللہ۔ ہاتھ مساس کے لئے۔ منہ بوسوں کے لئے۔ تو اس بنا پر ہر شخص نہایت آسانی سے خود تصفیہ کر لے گا کہ یہ احکام صیام مدعائے الٰہی کے بالکل مخالف ہیں۔

حقیقت مدعا پر اگر تحقیق کی نظر ڈالی جائے تو اس طوائف کی مقدار فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی صائم سے محض اتفاقاً یہ فعل صادر ہو گیا تو مبطل صوم نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عمر کے خاص واقع سے اس مسئلہ کی ابتدا ظاہر ہوتی ہے اور وہ صحیح نسائی اور ابو داؤد میں حسب ذیل مرقوم ہے۔

عن عمر ابن الخطاب هششت فقبلت و انا صائم فقلت یا رسول اللہ صلعم صنعت الیوم امراً عظیماً قبّلت و انا صائم قال ارایت مضمضت من الماء و انت صائم قلت لا باس به قال فمه

عمر ابن خطاب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم نے بوسہ لیا اور خدمت رسول اللہ صلعم میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آج مجھ سے ایک عظیم امر سرزد ہو گیا ہے پوچھا کیا کہا کہ ہم نے حالت صوم میں بوسہ لے لیا ہے ارشاد فرمایا کہ اگر صوم میں پانی سے کلی کر لو تو کیا ہو۔ عرض کی کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ یہ بھی ویسا ہی ہے۔"

بات تو اتنی تھی۔ مگر شہرت پسندوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت و محبت۔ حضرت عمر کی روایت اور نیز اس حکم لطف انگیز کو شہرت دینے کی ضرورت سے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ کر دیا۔ نہ خدا کو چھوڑا نہ رسول صلعم کو حضرت عائشہ پر جو جو اتہام لگائے۔ وہ ایک ایک کرکے اوپر لکھ دئے گئے۔ اب اس حکم سے حضرت عمر کے خاص ناموس کی جتنی اور جیسی پردہ دری کی گئی ہے۔ وہ زرقانی کی شرح موطا کی مندرجہ ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

ان عاتکہ ابنۃ زید بن عمرو بن نفیل امرأة عمر ابن ...

عاتکہ بنت زید۔ زوجہ حضرت عمر ابن الخطاب۔ حضرت عمر ...

و بفتح العین ابن نُقیل بضم النون و فتح القاف و سکون التحتانیہ و لام. القرشیۃ العدویۃ صحابیۃ من المہاجرات وہی اُخت سعید بن زید احد العشرۃ امراۃ عمر بن الخطاب ابن عمہا کانت تقبّل راس عمر ابن خطاب وہو صائم بتجبیلہ بلا لذّۃ فلا ینہاہا وکانت حسناء جمیلۃ

کے سر کا حالت صوم میں بوسہ لیتی تھیں اور حضرت عمر اون کو اون کے اس فعل سے منع نہ فرماتے تھے۔ اور وہ نہایت صاحب حسن و جمال تھیں (ملخصاً ترجمہ کیا گیا)

کس قدر شرمناک ہے کسی شریف گھر کی عورت کے لئے یہ کہنا اور لکھنا کہ وہ اپنے شوہر کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھی گئی۔ اور اس سے زیادہ عبرتناک ہے۔ اوس عورت کا خود اور لوگوں سے اپنے اس فعل کا اقرار کرنا۔ اور اپنی خلوت کے پردوں کو خود اپنے ہاتھوں سے چاک کرنا۔ اگرچہ واقعہ کی حیثیت سے یہ واقعہ کتنا ہی صحیح اور اصلی ہو۔ مگر اخلاق انسانی اور حیاے نسوانی کے لحاظ سے اسکا ذکر و مذکور بالکل معیوب و مذموم معلوم ہوتا ہے۔

(۲) احکام صیام کی حرمت جو ان لغویات کی بدولت ہوئی وہ ہمارے مندرجہ بالا بیانات سے کماحقہ ظاہر ہوگئی۔ اور وہ ہماری پہلی مثال تھی۔ اب ہم مرویات فقہیہ کے لغویات کی دوسری مثال پیش کرتے ہیں۔

دوران حیض میں جواز مباشرت کی نسبت امام بخاری لکھتے ہیں۔

حدثنا اسمعیل ابن خلیل قال اخبرنا علی بن مسہر قال ابو اسحق وہو الشیبانی عن عبد الرحمن ابن الاسود عن ابیہ عن عائشہ قالت کانت احدانا اذا کانت حائضا فاراد رسول اللہ ان یباشرہا امرہا ان تتزر فی فور حیضتہا ثم یباشرہا۔ جلد اول ص ۴۰

(اسکا ترجمہ ہم نہیں کر سکتے سخت بے ادبی ہے اور معصیت ہے) مولف عفی عنہ

خدا کی پناہ! یہ کیسا رسول ہے۔ جو ایسے موقعوں پر ہم کو ولا تقربوا ھن حتی یطہرن و اللہ یحب المتطہرین۔ (دوران حیض میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ تاوقتیکہ وہ اپنے ایام گذار کر پاک نہ ہولیں خدا پاک آدمیوں سے محبت رکھتا ہے۔)

خدا کا حکم پہونچا کر۔ ان حالت خاص میں ہمکو مقاربت نسوانی سے منع کرتا ہے اور نعوذ باللہ

خلاف عادت فطری اور برعکس حکم خداوندی خود ان افعال ذمیمہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اعوذ باللہ مما یستعاذ منہ عبادہ المخلصون۔

اسی کی ایسی ایک دوسری مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ اب منی کی حقیقت کے ذکر میں امام زیلعی لکھتے ہیں۔

قال الشافعی لیس بنجس لما روی عن عائشۃ انہا قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلعم ثم یصلی فیہ ولا یغسلہ وفی حدیث اٰخر قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی والو کان نجسا لما افتتح الصلوٰۃ معہ ولا اکتفی بالفرک فیہ کسائر النجاسات۔ زیلعی ص ۱۷

شافعی نے کہا ہے کہ منی نجس نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ میں منی کو رسول اللہ صلعم کے کپڑوں سے گھسا کرتی تھی اور حضرت اوسی لباس میں نماز پڑھتے تھے اور اوس کو دھوتے نہیں تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ میں منی کو آپ کے کپڑوں سے چھڑایا کرتی تھی اور آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس اگر منی نجس ہوتی تو اوس کے لگے رہتے پر آپ کبھی نماز شروع نہ فرماتے اور نہ صرف اوس کے گھس دئے جانے یا چھڑا دئے جانے پر اکتفا فرماتے جیسا کہ سائر نجاسات کا حال ہے۔ زیلعی ص ۱۷

ان تمام لغویات میں سب سے زیادہ شرمناک تو یہ ہے کہ ان مدعیان اسلام نے اس خدمت کو بھی بہزار مشاخرت حضرت ام المومنین عائشہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ نعوذ باللہ وہ معظمہ حضرت کے جامہ اطہر سے منی چھڑایا کرتی تھیں۔ ناخنوں سے رگڑا کرتی تھیں۔ جس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ آخر ان کو یہ خدمت کیوں دی گئی۔ کیا ان محترمہ کے لئے گھر میں دوسرا کام نہیں تھا۔ اگر کوئی غیر مذہب کا شخص ان روایات کو دیکھے گا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہاں تک وہ اسلام کی طرف رغبت کرے گا۔ غرض اسلام کی بدقسمتی سے اوس کے دینی اور مذہبی اخبار و آثار میں یہ لغویات اقوال عام احادیث اور احکام فقہیہ وغیرہ کی مختلف صورتیں اس کثرت سے اختیار کر چکے ہیں کہ اونکے لکھنے۔ پڑھنے اور سننے سے غیرتمندان اسلام کا ایمان لرزتا ہے اور حیا داران ایمان مارے غیرت کے ڈوبے جاتے ہیں۔ خدا رحم کرے اسلامی علماء اور فقہاء پر۔ جو انواع و اقسام کے انداز و ادا کے ساتھ ان لغویات کی شرح و بیان پر مرے جاتے ہیں اور اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے کہ ان روایات کی بدولت اصل اسلام کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہ مضامین ایسے نہیں ہیں جن پر ہمارے غیروں کو اطلاع نہ ہو اور وہ اپنی قوم میں ان باتوں کو شاخ در شاخ بڑھا کر نہ بیان کرتے

ہوں اور دیگر اقوام کو اسلام سے نفرت نہ دلاتے ہوں۔

امام ذیلعی ہوں یا امام شافعی۔ امام بخاری ہوں یا امام مالک۔ ان حضرات سے کون پوچھے کہ اگر نجاست منی میں آپ کو بخلاف اور مجتہدین اسلام کے تامل تھا۔ تو آپ کو اپنے مختار پر اتنے اصرار کی کیا ضرورت تھی۔ زیادہ سے زیادہ آپ کی رائے خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی۔ تاہم آپ حضرات مثاب تھے۔ آپ نے اس مسئلہ اختلافی کو اتنی اہمیت دی اور اسکے شہود و ثبوت کی فراہمی میں اتنی کوشش کی کہ اس کی عدم نجاست کو نعوذ باللہ خود مخبر صادقؐ کی استرضا اور حضرت صدیقہ کے طرز عمل سے ثابت فرمایا۔ مگر افسوس کہ ان شہود و ثبوت کی شرح و بیان میں آپ کو نہ رسولؐ کی ہتک حرمت اور نہ ناموس رسول صلعم کی اہانت کا کوئی خیال آیا۔ ہم کہتے ہیں آپ کا کہنا صحیح ہے۔ اس کی عدم نجاست ویسی ہی ہے جیسی آپ کو تحقیق ہو چکی ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس کی کیا ضرورت ہے کہ شریف گھر کی بہو بیٹیوں کے طرز عمل سے اسکے ثبوت پہونچائے جائیں۔

آپ پر کیا موقوف ہے دنیا جانتی ہے کہ خلوت میں عورت اپنے مرد کی تمام خدمتیں کرتی ہے۔ لیکن خدا شاہد ہے اپنی ان خدمتوں کا روزنامچہ دنیا کے سامنے نہیں پیش کرتی۔ فطرت نے باہمی راز و نیاز کی باتوں کو زن و شو کے فیما بین محفوظ کر رکھا ہے اور جانبین کی شرم و حیا نے اُن کے لئے زبان پر سکوت و خاموشی کے قفل لگا دئے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جو روز مرہ کی عام اطلاع و علم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ خلاف فطرت انسانی اور برعکس غیرت و حیائے نسوانی حضرت ام المومنینؓ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت خاص کے ان رازوں کو یوں فاش کر دیا ہوگا۔ لا واللہ

قیامت تو یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے جو عدم نجاست کی حدیث آئی ہے۔ وہ امام ذیلعی خود لکھتے ہیں جس میں عقلی اور نقلی دونوں طریقوں سے ثبوت موجود ہیں۔ وہ پیش نظر ہے۔

عن ابن عباس انہ قال سئل النبیؐ عن المنی یصیب الثوب فقال انما ھو بمنزلۃ البصاق والمخاط وانما یکفیک ان تمسحہ بخرقۃ او باذخرۃ ولانہ مبتدء خلق البشر فصار کالطین	ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرتؐ سے پوچھا گیا کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں۔ فرمایا وہ تو مثل بلغم کے ہے جو منہ سے یا ناک سے آتا ہے اسی قدر کافی ہے کہ کسی کپڑے یا تنکے سے پونچھ دے اور نیز چونکہ اسی سے خلقت بشر کی ابتدا ہے لہذا وہ بھی مثل مٹی کے ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت موجودہ کی موجودگی ہیں۔ ایک محترمہ کی زبانی جو ایک شریف خاتون ہونے کے علاوہ حرم رسول اللہ صلعم ہونے کے اعزاز پر بھی ممتاز ہیں۔ ان ناقابل الذکر امور کے بیان کرانے میں ان علما و محدثین کے کون سے راز پوشیدہ تھے۔ اور ان حضرات نے کون سی مصلحت اس میں دیکھی تھی ؎

متر مستان منطق الطیر است جامی لب بہ بند
خضر سلیمانی نشاید فہم ایں گفتار را

حضرت عبداللہ ابن عباس شرف صحابیت کے اعتبار سے معتبر اور مستند صحابہ کبار میں داخل تھے۔ اور علمیت و جامعیت کے لحاظ سے محیط العلم بین الصحابہ کے خاص القاب سے مشہور و معروف اس بنا پر ان کی مرویات ازواج مطہرات کے بیانات سے کم پایہ نہیں۔ اس بنا پر امام بخاری، شافعی مالک اور ذیلعی کو اپنے مختار کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کی نقل کافی تھی۔ مگر اون کے بیجا اصرار نے الرجال قوامون علی النساء کے حکم محکم اور اصول مسلم کو پس پشت رکھکر ازواج مطہرات کے اون اقوال و طرز عمل سے استدلال کیا۔ جو کسی طریقہ اور قرینہ سے مخدرات رسالت کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ان کی نقل و بیان سے اون کی تعظیم و تکریم کی جگہہ اون خواتین محترمات کی توہین و تحقیر ثابت ہوتی ہے۔ جس سے مخالفین اسلام اور متعصبین غیر اقوام کو معاشرت رسول پر سخت الزام و اتہام کا موقع ملتا ہے۔

ایسی احادیث چاہے تعداد میں کتنی ہی متعدد نہ ہوں۔ کیسی ہی متواتر اور متوارد نہ ہوں۔ جب مخالف اخلاق الٰہی اور منافی شان رسالت پناہی ثابت ہوں گی۔ ذکر و نقل کے قابل نہیں ہوسکتیں ہاں ازواج مطہرات کے طبقہ میں جن خواتین کے واقعات کا ذکر و حوالہ قرآن مجید سے ملتا ہے وہ البتہ مسلّم ہیں۔ یا ان مخدرات کے حالات مرویات احادیث سے ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو ازواج رسولؐ ہونے کی شان و منزلت سے۔ اداب و تہذیب سے عادات و اطوار سے مخالف و منافی نہیں۔ یا جنکے اظہار و ارتکاب سے اقتدار رسالت کی توہین تضحیک نہیں ہوتی البتہ قابل تسلیم یقین کئے جا سکتے ہیں۔

لیکن حاشا وکلا۔ ایسے شرمناک واقعات جن کے نمونہ اوپر دکھلائے گئے۔ جو اپنی عملی صورتوں میں لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً منافی شان رسالت اور مناقض عادات ازواج آنحضرت صلعم ثابت ہوتے ہیں۔ اور ایسے خفیف رکیک اور باعث تضحیک ہیں کہ نعوذ باللہ ازواج مطہرات تو درکنار عام پاک دامن بیبیوں اور شریف گھر والیوں کی نسبت بھی ایسی خلاف فطرت نسوانی اور مناقض تہذیب

انسان کا ذکر کرنا کوئی بھلا آدمی گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ تمام واقعات وحالات بالکل بے سروپا ہیں اور محض کذب وافترا۔ زیادہ تر اون سادہ لوح علما ومحدثین کی خوش فہمیوں کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت صلعم اور ازواج مطہرات کے فیمابین ان خوش فعلیوں کے نقل وبیان کو آداب واخلاق رسالت سمجھتے ہیں اور ازواج مطہرات کے آداب ومعاشرت۔ ان علما نے ان حالات کے نقل وبیان میں تحصیل حقیقت کی جگہہ تعمیل عقیدت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور جن خودغرضانہ مدعا ومطالب اور عقیدتمندانہ اغراض ومقاصد سے یہ واقعات جمع کئے گئے ہیں اونکے اسباب وعلل اوپر بیان ہوچکے ہیں۔

افراد مخصوصہ میں خصائص الٰہیہ کی اصل حقیقت کو اصول معقول کے طریق پر سمجھنا یا سمجھانا تعقل انسانی کا قصور ہے۔ ان لغویات کی نادوین کرنے والوں نے قدرت کے مکاشفات تخصیصی کو معاملات تعمیم سمجھا اور رسالت کے متعلق اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کی تعمیم پر ظاہری نظر ڈال۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور مَا یَنْطِقُ اِلَّا مَا یُوْحٰی کے مشارف تخصیصی کے صریح چشم پوشی کی۔ حالانکہ اصول اصطفا کو مسلمہ نبوت اور لازمہ رسالت یقین کرتے ہوئے۔ یہی علما ومحدثین۔ انبیا ومرسلین کے ہر ہر فرد واحد کو بالنفس النفیس سائر امت اور عوام الناس کے افراد سے تمام قوائے جسمانی اور کمال روحانی میں افضل واکمل ثابت کرتے ہیں (دیکھو معراج القدس منقذ من الضلال اور احیاء العلوم غزالی)

پھر اسی ترتیب وتدریج سے اون کے اعزہ واقارب۔ رفقا ومصاحب اور دیگر متعلقین ومتوسلین کے آداب وتہذیب اور اخلاق وعادات کو۔ انبیاء ومرسلین کی شرف قربت وصحبت کا نتیجہ مترتبہ بتلاکر۔ عام طبقات امت کے خصائل وشمائل سے بہتر اور بالاتر یقین کرتے ہیں۔ مگر بخلاف ان مسلمات کے۔ مذکورہ بالا واقعات میں خاص رسول صلعم کے متعلقین اور اون کے ہمراز وہمنشین مخدرات کی نسبت۔ جو اشرف الخواتین ہونے کے علاوہ امہات المومنین کے لقب سے برابر یاد کی جاتی ہیں۔ ایسے مخالف عادات وآداب عوام خصوصاً رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اور اوسکی آنکھوں کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں جن کو دیکھہ کر سوائے اسکے کہ اہل اسلام حیران اور انگشت بدندان ہوکر رہ جائیں اور کیا کرسکتے ہیں۔

اس بنا پر ہر تحقیق کنندہ اوران لغویات کی اصل حقیقت اور ضرورت موضوعیت کا جاننے والا صاف صاف کہہ دیگا کہ یہ واقعات سراپا اتہام ہیں۔ یہ حالات بالکل جھوٹے الزام ہیں۔ رسول کائنات کی عبائے رسالت اور اون کی ازواج کی ردائے حیا وغیرت ان تمام آلائشوں سے جو منافی آداب تہذیب رسالت اور خلاف فطرت پردگیان عصمت ثابت ہوتی ہوں بالکل پاک

منزہ تھی۔ اون کی پاک و مقدس معاشرت اعلیٰ ترین شرفا کے گھروں کے محاسن معاشرات سے بھی بدرجہا بہتر اور اعلیٰ تر تھی۔

لیکن جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ رسول بالنفس النفیس معصوم تھا۔ عام ازواج یا سائر اصحاب معصوم نہیں رہتے۔ اور نہ رسول اللہ صلعم ہی اون کے معصوم کر دئے جانے کی قدرت ودیعت کی گئی تھی۔ اس لئے اون کی ازواج کے طبقہ میں اور اصحاب کے دائرے میں۔ اون کی دو ایک خواتین یا صحابی سے مخالف فطرت عامہ اور منافی اداب و تہذیب رسالت امور قابل اعتراض ظاہر ہو گئے۔ تو اون سے نہ رسول کی تعلیم و ہدایت پر کوئی الزام آسکتا ہے اور نہ اوس کی نفس نفیس پر کوئی اعتراض قایم کیا جا سکتا ہے۔

ایسے اعتراض کرنے والوں کی خدمت میں ہم عرض کریں گے کہ حقیقتاً ازواج مطہرات ہوں یا اصحاب کبار باستثنا اون نفوس کے جن کا معصوم ہونا نصوص الٰہیہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ سب کے سب جائز الخطا ہیں۔ اور مصلحت خداوندی کے انتظام بھی ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ یہی انتظام تو ہمکو خاص و عام کی تفریق و تمیز بتلاتے ہیں اور معصوم و غیر معصوم کے عادات و آداب کا فرق ثابت کرتے ہیں اور اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ قطع نظر اس کے کہ کوئی شخص کسی شخص کا کتنا ہی قریب، ردیف عزیز، ہمراز اور دمساز نہ ہو مگر تاوقتیکہ وہ خلقت و فطرت کے اعتبار سے برابر اور مساوی نہ خلق کئے گئے ہوں۔ عادات و اطوار میں ایک نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان واقعات میں ازواج آنحضرت کی نسبت اون مرویات کو جن کا ذکر و حوالہ قرآن مجید میں موجود ہو۔ یا احادیث صحیحہ میں اون کا ذکر و بیان اس انداز و طریقہ سے آیا ہو جو مناقض شان رسالت اور مخالف اداب و عادات ازواج مطہرات نہ پایا جاتا ہو۔ تو البتہ صحیح کہا جا سکتا ہے۔ اور اون کو ازواج مطہرات کی فطرت عامہ کی لغزشوں کا باعث بتلایا جا سکتا ہے جن کی طرف اون کے ارتکاب کی نسبت کی جاتی ہے۔ ان کے سوا جتنے قصص و حکایات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب لغویات ہیں جنکے باعث وہی ضعف عقاید۔ خود غرضی اور نفسانیت کے مفاسد و مقاصد ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

متعصب عیسائیوں کو انھیں خرافات سے متمتع ہونے کا پورا موقع مل گیا ہے۔ اور انھیں خس و خاشاک کو اون کی کور قلبی نے اسلام کے جواہر پارے سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ مبصرین حقیقت اور ناظرین اصلیت کی نگاہوں میں نہ اون کا وزن ہے نہ مقدار۔ نہ اون کی قیمت ہے نہ شمار۔ ہم عیسائیت کے کوتاہ بین متعصبین کو علی رؤس الاشہاد باور کراتے ہیں اور پورا یقین دلاتے ہیں

کہ اسلام اور اوس کی بانی علیہ السلام کا پاک وصاف دامن ان تمام لغزشوں اور آلائشوں سے بالکل منزّہ ہے۔ اوس کی خلوت وجلوت کی تمام صحبتیں ان مخالف آداب واخلاق حالات وواقعات سے بالکل مبرا اور مُعرّا تھیں۔ اوس کی مقدس معاشرت کے تمام تعلقات دُنیا اور اہل دُنیا کے لئے اسوہ حسنہ کے اصلی اور سچّے نمونے تھے۔ اور اون سے انھیں امور کے اظہار ہوتے تھے۔ جو وقار رسالت اور اقتدار نبوت کے حدود کے اندر تھے۔ اوس کی پاک وپاکیزہ زندگی میں تعلقات دُنیاوی اور معاملات خانہ داری کی اُتنی ہی ضرورت تھی جتنی ایک عیالدار بزرگ کے لئے جائز اور ضروری ہوتی ہے اور وہ نفس قدسی برکت امور دُنیاوی اور ضرورت عیالداری میں اوتنا ہی منہمک رہتا تھا۔ جتنا اہلیّت اور رہبانیت کے امتیاز فیمابین قایم کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اس سے زاید جو کچھ اسلامی کتابوں میں مرویات ہیں وہ سب علما کی غلط فہمیوں کے اضافات سمجھیں جائینگے۔

ہمارے لئے نہایت ضروری اور مناسب ہے کہ ان لغویات کے مقابل میں جو ازواج مطہرات کے متعلق غلط فہم علما کے حوالہ سے اوپر لکھے گئے۔ ہم اونھیں کی زبانی اور اونھیں ازواج مطہرات کی مرویات سے آنحضرت صلعم کے وہ احکام وارشاد اور پند ونصائح جو ازواج مطہرات کو اون کی سادی زندگی بسر کرنے۔ علائق دُنیاوی اور حسن وزینت ظاہری سے باز رہنے کی نسبت پہونچائے گئے ہیں ذیل میں لکھ دیں۔ جس سے ثابت ہوجائیگا۔ کہ ان احکام وارشاد کا جاری کرنے والا اور تعلقات دُنیاوی سے ازحد متنفر ہوکر۔ بالکل الگ رہنے والا۔ کبھی ان امور تعیش اور لہو ولعب کا عامل یا مجوّز نہیں ہوسکتا۔ یہ محالات سے ہے جو زہد وورع اور تقویٰ وطہارت کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ دوسرے وقت اپنے متعلقین کو کھیل کود تماشہ اور دیگر اسباب تعیش ومسرت میں مصروف رہنے کی اجازت دیتا ہو۔ یا اون کو ایسے مخرب اخلاق وآداب امور میں منہمک پاکر چشم پوشی فرماتا ہو۔ مواہب لدنیہ قسطلانی کے اسناد سے محدث شیرازی۔ روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔

عائشہ گفت یا پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم گفتم دعا کنی تا خداوند تعالیٰ مرا در بہشت از ازواج تو گرداند۔ فرمود اگر ایں مرتبہ بخواہی از برائے فردا ہیچ طعام را ذخیرہ مساز ہیچ جامہ را پیند از تا براو وصلہ نزنی وباید کہ زاد تو از دنیا بمقدار زاد راہ نے بود ص ۵۰۱ لکھنو

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ خداوند عالم مجھکو بہشت میں بھی آپ کی زوجہ قرار دے آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتی ہو کہ اس مرتبہ پر فائز ہو تو آج سے کل کے لئے سامان قوت میں کچھ نہ بچاؤ اور اپنے کسی کپڑے کو بغیر پیوند لگائے نہ چھوڑو اور مال دُنیا سے۔ زاد سفر سے زیادہ نہ لیجاؤ۔

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی زبانی مرقوم ہے۔

ما کان لاحدنا الا ثوب واحد جزاول ص ۴۵ | ہم تمام بی بیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا رہتا تھا۔

ہم صرف انھیں دو مذکورہ بالا مثالوں کو لکھ کر اتنا پوچھتے ہیں کہ ایسی سادہ اور سخت ترین زہد و اتقا کے ساتھ معاشرت کی تعلیم دینے والے بزرگ کے حالات میں ان اقسام کے لہو و لعب اور تعیشات کو اوس کے طرز عمل اور مشاغل بتلانا کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہے جس نفس قدسی نے اپنی ازواج مطہرات کو اس صبر و قناعت سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی ہو معمولی کھانا کھانے اور کپڑوں میں پیوند لگانے کی خاص تاکید فرمائی ہو ممکن ہے کہ وہ ان مخدرات کو ان لغویات میں کسی وقت اور کسی طریقہ سے منہمک رہنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ان ازواج مطہرات سے بمقتضائے بشریت پا یا جاتا ہے تمام فطرت اگر چند امور زاید از ضرورت صادر بھی ہوگئے تو اون کی ذمہ داری اونھیں کی خاص ذات تک محدود رہے گی۔ اون کی وجہ سے رسول صلعم کی ذات و صفات پر نہ کوئی الزام آیا ہے اور نہ آسکتا ہے۔

صفات رسالت کے اسوۂ حسنہ صرف اہلبیت رسول تھے۔

اب ضرورت کلام اور مناسبت اس انکشاف حقیقت کی متقاضی ہے کہ خانوادہ رسالت اور دودمان نبوت کے اخلاق و عادات نورانی۔ تہذیب و آداب روحانی اور حیا و عفت نسوانی کی سچی اور اصلی مثالیں۔ اوس نور چشم نبوت۔ شمع فانوس حیا و عفت۔ بضعۃ خیر المرسلین۔ سیدۃ نساء العلمین۔ حور آسیۃ الانسیہ۔ صدیقۃ الکبریٰ۔ بتول العذرا حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علی ابیہا و علیہا کے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ علیہ سے ذیل میں لکھ کر بتلا دیا جاوے کہ خدا اور رسول نے جس مخدومۂ دوراں اور سیدۂ نسواں کو ناموس رسول اور اہلبیت پیغمبر صلعم کے حقیقی معنوں میں قرار دیا ہے اور جس کو سید رفیض سے نساءنا کا مخصوص القاب اور یطہرکم تطہیرا کا خاص خطاب عنایت فرمایا گیا ہے۔ وہ اہل اسلام اور اہل ایمان کے طبقۂ نسواں میں۔ سوائے اس دختر یتیم پیغمبر صلعم کے کوئی دوسری خاتون۔ عام اس سے کہ ازواج رسول صلعم ہو یا ام المومنین ثابت نہیں ہوتی۔ تمام افراد و مستورات میں یہی ایک مخدومۂ کائنات ایسی ثابت ہوتی ہے جس کی عصمت و طہارت نص قرانی سے ثابت ہے اس معصومۂ مقدسہ اور اس مخدومۂ مطہرہ کے محاسن عادات اشبہ ناموس الٰہی کے اخلاق و آداب کے نمونے اور صفات رسالت پناہی کے اسوۂ حسنہ تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔ اور یہی حالات و واقعات دنیا کی تعلیم معاشرت کے لیے رہنمائی کا پورا کام دے سکتے

ہیں۔ طبقہ نسواں میں حسن عصمت و عفت۔ حیا، شرم و غیرت سے ارشاد الٰہی کا خاص مقصد ہے وہ اس مخدومۂ عالم و عالمیان کے مفصلہ ذیل ارشاد و اقوال اور حالات و واقعات سے کما حقہ ثابت ہے۔

(۱) ایک بار جناب سرور کائنات نے حضرت فاطمہ ع سے دریافت فرمایا کہ عورت کی سب سے اچھی صفت کون سی ہے۔ سیدہ نے جواب میں عرض کی۔ کہ عورت کی بہترین صفت یہ ہے کہ نہ کسی نامحرم کو وہ دیکھے اور نہ کوئی نامحرم اوسے دیکھنے پائے۔ سلہ سیرۃ فاطمہ

اسی کے متعلق آپ کا یہ ارشاد آجتک اسلام کی تمام مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے۔

(۲) کوئی عورت بلا اشد ضرورت دوسری عورت کو بھی ننگی نہ دیکھے۔ نہ کبھی دو عورتیں ننگے بدن ایک چادر میں لپیٹیں۔ سلہ۲ اور اگر کوئی عورت اتفاقی ضرورت سے کسی دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھ لے تو اوسکے اعضا اوس کی بدن کی بناوٹ (ساخت) کی نسبت اپنے شوہر سے کچھ اظہار نہ کرے۔

اسی حیا کا تقاضہ تھا کہ آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اوٹھایا جاوے اور رات کے وقت بھی جنازہ پر پردہ (تابوت) بنا لیا جائے اور سوائے اسماء بنت عمیس کے کوئی عورت میری میت کو غسل نہ دے۔ سیرۃ فاطمہ

یہ متبرک اقوال صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ناموس الٰہی اور اہلبیت پیغمبر کے اخلاق و آداب کی پرشان ہوتی ہے اور جب مخدومہ دوراں پر حیا و عفت کا خاتمہ بتایا گیا ہے۔ اوسکی شرم و غیرت اور حیا و عصمت کی یہ تصویر ہے۔

(۳) ایکبار عبداللہ ابن ابی مکتوم نابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کر رہے تھے۔ رسول کریم سیدہ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ بھی آگئے اور بی بی فاطمہ ع

سلہ حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے اس ارشاد کو اوس حدیث کے مضمون سے ملایا جاوے جس میں آنحضرت نے حضرت عائشہ کو حبشیوں کا تماشا دکھلانا مندرج ہے۔ تو بیانیوں کے حیا و غیرت اور شرم و عفت کے فرق ما بہ الامتیاز کا حقہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

سلہ۲ اس مضمون ارشاد کو صحیح مسلم کی اوس عبارت روایت سے ملایا جاوے جس میں حضرت عائشہ اور آنحضرت صلعم کا ایک ظرف آب میں ایک ساتھ برہنہ کے ساتھ غسل فرمانا مرقوم ہے تو حقیقتہً زمین آسمان کا فرق بتلا دے گی۔

اون کو دیکھہ کر دوڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں جب وہ کام سے فارغ ہوکر واپس ہوئے تو سیدہ باہر تشریف لائیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا بیٹی ام مکتوم تو نابینا ہیں تم نے کیوں تکلیف کی۔ آپ فرمانے لگیں۔ آبا جان وہ اندھے تھے۔ میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی[۵] سیرۃ فاطمہؑ

آپ کی شرم و حیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے۔

(۴) ایک دفعہ حضرت نبی کریمؐ نے ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نور چشم حضرت فاطمہؑ کو ہبہ فرما دیا تھا، تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ ایسا چھوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اوس سے سر ڈھانکتیں تو پھر ننگا ہو جاتا اور اگر پھر چھپاتیں تو سر کھلا رہتا۔ ایک نہایت اضطراب کی حالت میں تھیں اور اوس کپڑے سے سراپا کے چھپانے کی کوشش فرماتی تھیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ۔ کچھ حرج نہیں ہے جس سے تم شرماتی ہو وہ تو صرف تمہارا باپ اور تمہارا نابالغ غلام ہے۔ یہ حدیث ابو داؤد نے بھی روایت کی ہے۔ سیرت فاطمہ ۱۵۷-۱۵۸

معاشرت اور ادائے حقوق شوہر کی نسبت مندرجہ ذیل واقعات کی شہادت کافی ہے۔

(۵) جناب سیدہ کی وفات کے بعد حضرت علی مرتضیٰؑ سے دریافت فرمایا گیا کہ حضرت فاطمہؑ کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا تھا۔ ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ وہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں جس کے مرجھانے پر بھی اون کی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر رہتا ہے۔

(۶) حسن بصری۔ جناب علی مرتضیٰؑ سے نقل کرتے ہیں کہ حالانکہ دن رات کثرت سے عبادت کرتی تھیں اس پر بھی گھر کے کام دھندوں سے مجھے کبھی اون سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔

(۷) حضرت شیر خداؑ کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ اکثر مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔ ایک دن کہیں آپ کو مزدوری نہیں ملی۔ دونو میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ شام کے وقت ایک تاجر کے اونٹ آئے۔ جسے اپنا اسباب اوتروانے کی ضرورت سے ایک مزدور کی تلاش تھی۔ حضرت علیؑ نے پہر رات گئے تک اوسکے اونٹوں کا اسباب اوتارا۔ سوداگر نے ایک درم اجرت دی جسے آپ نے خوشی سے لے لیا اکثر دکانیں بند ہو چکی تھیں مگر ایک جگہ جَو کا غلہ ملگیا۔ ایک درم کے جَو خرید کر کے گھر لے آئے۔ حضرت بتول نے

---

[۵] یہ واقعہ بھی واقعہ نمبر (۱) کے منافی ہے۔ یہاں ایک نابینا سے اتنی احتیاط کی گئی۔ وہاں مجمع مبصرین میں تماشے دیکھے گئے۔ المؤلف عفی عنہ

بہنسی خوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ اور آپ کی بھول سے وہ جَو لیکر اوسی وقت اونکو پیسا۔ روٹی پکائی اور آپ کے سامنے رکھی جب حضرت علی سیر ہوکر کھا چکے تو خود کھانے لگیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اوسوقت حضرت سرور کائنات صلعم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے جس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ سیرت فاطمہ ص ۱۱۲

(۸) حضرت علی سے منقول ہے کہ ایکبار جناب سیدہ علیل ہوئیں۔ شب بھر بستر علالت پر بے چینی سے کاٹی۔ صبح ہوئی۔ مجھ سے پہلے فاطمہؑ اوٹھیں۔ وضو کرنے لگیں تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اگر اس وقت وضو نہ کرتیں اور صرف تیمم پر اکتفا کر لیتیں تو اون کے لئے بہتر تھا۔ اسی اثنا میں اذان کی آواز آئی اور میں مسجد میں نماز کے لئے چلا گیا اور فاطمہ اوٹھ کر اپنے مصلّے پر نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ میں جب مسجد سے گھر واپس آیا تو سیدہ کو معمول روزانہ کے مطابق چکی پیسنے میں مصروف پایا۔ مگر علالت کی وجہ سے ضعف وزحمت کا روز سے زیادہ اثر نمایاں تھا۔ یہ حالت دیکھکر میں نے سیدہ سے کہا کہ تم اپنی جان پر رحم کرو۔ تم علیل ہو۔ رات بھر بے چین رہ چکی ہو۔ صبح کو تم نے پانی سے وضو کر لیا۔ اور اپنی علالت کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ پھر چکی بھی پیسنے لگیں۔ اس سے تو مرض میں اور قوت، وطوالت ہوگی جناب سیدہ نے فرمایا یہ تو میری عین خواہش دل ہے کہ میری موت خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت میں آجاوے۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ یہ ہیں وہ صفات و عادات۔ یہ ہیں وہ اخلاق و آداب جو مبدء فیض سے اون ذوات مقدسات کو خاص طور پر عنایت فرمائے جاتے ہیں جو طبقہ انسانی میں ذکور و اناث کی تفریق سے مستثنیٰ ہو کر معارف روحانی کے درجات علیہ پر فائز ہو جاتے ہیں اور دائرہ بشریت میں تمام جنسیت اور حیثیت کی تعمیم سے علیحدہ ہو کر مدارج تخصیص پر مشرف کئے جاتے ہیں۔

اسی بنا پر خاندان رسالت اور دودمان نبوت کے اخلاق۔ آداب اور حسن معاشرت کی حقیقت اور اصلیت اون مقدس بزرگواروں کے حالات وواقعات میں تلاش کرنی چاہئے۔ جو خدا کی طرف سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوی القربیٰ۔ آپ کے اہلبیت۔ آپ کی عترت اور ذریت قرار پا چکے ہیں۔ اور جن کی تصریح آیات۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ اور ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم میں بالتفصیل درج ہے۔ صاحبان تعمیم۔ بزرگواران تخصیص کے ساتھ اوصاف میں برابر نہیں ہو سکتے اور نہ

تعلقات نسبی کا مقابلہ واسطہ نسبتی کرسکتے ہیں ع رشتہ دیگر رگ جگر دگر است۔

عیسائی متعصبین یا اور اسلام کے مخالف فرقے۔ اسلام کی کتابوں میں ان موضوعات مذکورہ بالا کو جنہیں وہ اپنی تعریضات کا ماخذ اصلی سمجھے ہوئے ہیں۔ دیکھ کر نہ مغرور ہوں اور نہ مسرور۔ ہم اونکو یقین دلاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے ان مغویانہ اور گمراہانہ عالم فریبیوں پر اصرار کریں گے اور آنحضرت صلعم کی پاک و مقدس سیرت اور معاشرت پر اونھیں موضوعات مرویات کے اسناد سے الزام لگائیں گے تو ہم اون کے عہد نامہ قدیم و جدید کے مستند اور متواتر مثالوں سے انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی معاشرت کے حالات میں اس سے کہیں زیادہ ناپاک اور قابل اعتراض واقعات ثابت کریں گے اور دکھلائیں گے کہ اونھیں کی مقدس کتابوں سے اونھیں کی مرویات کے مطابق اور اونھیں کے عقاید کی ذمہ داریوں پر۔ انبیائے سابقین کی پاک معاشرت میں ایسے شرمناک اور ناپاک واقعات لکھے گئے ہیں۔ جن کی نقل و ذکر سے کبھی کوئی شخص یقین کیسا گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ واقعات اور حالات اوس مقدس اور مبارک طبقہ کے ہیں۔ جو خدا کی جانب سے تمام دنیا کو تہذیب اور شائستگی۔ پرہیزگاری اور نیکوکاری اور تقوی و طہارت کی تعلیم و تلقین کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز تو یہ امر ہے کہ متعصبین عیسائی جو دو چار ادہر اُدھر کے غیر مقید اور غیر مستند واقعات کے حوالے سے اپنے مغویانہ اعتراض وارد کرتے ہیں وہ اول سے لیکر آخر تک اون احادیث سے مستخرج اور مستنبط ہیں۔ جن کی موضوعیت اور مجہولیت کی اصلی کیفیت ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اسلئے یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اون کے ماخذ بھی بالکل حدیث ہی کی کتابیں ہیں۔ مگر حدیث کی تمام کتابیں یا اون کی تمام روایتیں مسلمانوں کے لئے نصوص الہیہ اور شہود الہامیہ کی طرح واجب التسلیم نہیں۔ عام اس سے کہ وہ صحاح کی مرویات ہوں۔ یا مسانید و سنن کے اقتباسات ان کی شہادت قرآن مجید کی عبارت کی ایسی نہ قابل تصدیق ہو سکتی ہے نہ لائق توثیق۔ بلکہ اصول عقاید کے اعتبار سے۔ جو امور ان کتابوں میں مخالف اور منافی نصوص قرآنیہ پائے جاتے ہیں۔ وہ کسی مرد مسلمان کے آگے قابل قبول و وثوق نہیں ہوتے۔ اسلام کا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر اتفاق جمہور ہے۔

بخلاف مسلمانوں کے۔ عیسائیوں کی تو خاص کتب الہامیہ میں یہ تمام خرافات منقول و مذکور ہیں۔ جن کی صحت و صداقت سے کسی عیسائی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کی طرح یہ

کسی عالم۔ محدث اور فقیہ کے اقوال نہیں بتلائے جاتے۔ بلکہ اون کے عقاید میں تو یہ خاص التخاص
وحی کے الفاظ اور کلام ہیں۔ جو بقول اون کے خدا کی طرف سے۔ امت کی اطلاع و علم کے لئے انبیائے
کرام کی سرگذشت یا اون کے قصص و حالات کی تفصیل و بیان میں نازل فرمائے گئے ہیں۔ اس بنا پر
یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔ کہ اہل اسلام عیسائیوں کی ان معترضانہ تعریضات کے جواب میں۔ اور
منافی قرآن اور مخالف احادیث صحیح ہونے کا۔ پورا تشفی بخش اور اطمینان دہ جواب دینے کے لئے
تیار ہیں۔ اور منافی قرآن اور مخالف شان رسول صلعم نہ ہم کتب صحاح کی احادیث کی تصدیق و توثیق
کے لئے مجبور کئے گئے ہیں اور نہ مسانید و سنن کی مرویات کے ایجاب و تسلیم کے لئے معذور بخلاف
ہمارے۔ عیسائیوں کے لئے تو انکار کا کوئی موقع اور پہلو ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ذرا سے انکار کے
بعد اونکا ایمان ہی بیکار ہوا جاتا ہے۔

تمہیداً اتنا عرض کر کے۔ عہد قدیم (مجموعہ توریت) کی مختلف کتب انبیا علیہم السلام سے
چند مثالیں نمونے کے طور پر حسب ذیل پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے ہمارے بیان کی پوری تصدیق
ہو جاتی ہے۔ مگر ان کے نقل و بیان سے پہلے ہمکو اتنا لکھ کر بتا دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ ہم
بمصداق۔ نقل کفر کفر نباشد۔ صرف ان لغویات و حشویات کی نقل ہی سے کام لیتے ہیں۔
ورنہ ان لغویات کو انبیائے موصوفین سلام اللہ علی نبینا و علیہم اجمعین کے متعلق نہ ہم صحیح اور واقعی
سمجھتے ہیں اور نہ ہم ان مفتریات کو (نعوذ باللہ) الفاظ وحی یا کلام الہام جانتے ہیں ہم کیا جمہور اسلام
کے عقاید میں یہ سب علمائے یہود و نصاریٰ کے افترایات و اتہامات ہیں جو اون مقدس اور
مطہر بزرگواروں کی ذات بابرکات پر لگائے گئے ہیں۔ کیونکہ صرف عہد نامہ قدیم کی تدوین۔ جو
نزول توریت سے تین سو برس بعد واقع ہوئی۔ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ امتداد زمانہ۔ اختلاف
بیانات۔ تصرفات رسم و رواج قومی و ملکی۔ اور دیگر اسباب خارجی نے خدا کے اس مجموعہ کلام
کو کہاں تک وحی و الہام کے اصلی اور حقیقی مقام تک باقی چھوڑا ہے۔ یہ تو تحریفات و تدلیسات
کتب قدیمہ کے ایسے ثبوت ہیں جو بدیہات و یقینیات کے درجہ تک پہونچے ہوئے ہیں۔ اسکے
علاوہ انقطاع۔ اختلاف اور ضعف سلسلہ اسناد وغیرہ کے بیشمار شہود و ثبوت تو ابھی باقی ہیں۔ جو
کتب قدیمہ کو اون کی موجودہ صورت میں کسی طرح صحیح و اصلی نہیں ٹھہرا سکتے ہم ان امور کو تنزیل
قرآن مجید اور اوس کی صحت و صداقت کی بحث میں انشاء اللہ بالتفصیل بیان کریں گے۔

حضرت لوط کی صاحبزادیوں پر (نعوذ باللہ) زنا کاری کا الزام۔

نزول عذاب کے بعد۔ لوط اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ شہر صغر میں آ گئے اور ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو عام جہان کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آ گے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں۔ اور اوس سے (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوں تا کہ اپنے باپ کی نسل باقی رکھیں۔ سو اونھوں نے اوس رات کو اپنے باپ کو مے پلائی۔ اور پہلوٹھی اندر گئی۔ اور اپنے باپ سے (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوئی۔ پر اوس نے (لوط علیہ نے) لیٹتے وقت اور اوٹھتے وقت اوسے (لڑکی کو) نہ پہچانا۔ اور دوسرے روز ایسا ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ تو آج رات کو بھی اوسے مے پلائیں اور تو بھی جا کر اوس سے ہم بستر ہو کہ اپنے باپ کی نسل قایم رکھیں۔ سو اوس رات کو بھی اونھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور اور چھوٹی اوٹھ کر (نعوذ باللہ) ہم بستر ہوئی اور اوس نے (لوط علیہ نے) اوسے لیٹتے اور اوٹھتے وقت نہ پہچانا۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے (نعوذ باللہ) حاملہ ہوئیں۔ بڑی ایک بیٹا جنی اور اوسکا نام مواب رکھا گیا وہ موابیوں کا۔ جو اب تک ہیں۔ باپ ہوا۔ اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اور اوس کا نام بنی عمی رکھا گیا۔ وہ بنی عموں کا جو اب تک ہیں۔ باپ ہوا۔ (تکوین باب ۱۹ درس ۳۰۔ ۳۸)

یہ ایک پیغمبر برحق ہے۔ اوس کی ازواج بھی نہیں۔ خاص بنات ہیں۔ اور ذریات انکے اخلاق و آداب ایسے ناپاک اون کے اعمال و افعال ایسے تاریک و سیاہ کہ نہ باپ کو بیٹی کی تمیز ہے اور نہ بیٹی کو باپ کی پہچان۔ العیاذ باللہ اگر یہی انسانیت ہے تو پھر حیوانیت کیا ہے؟ یہ وہی پاک و مقدس رسول ہے جو خدا کی طرف سے بندگان الہی کو دینی تعلقات اور دنیاوی ضروریات میں تہذیب و شائستگی کی تعلیم و ہدایت فرمانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور جسکا فرض اولین ہے کہ ان تمام طبقات میں حلال و حرام کے نصاب و امتیاز قایم کر کے دنیا کو محرمات کے ارتکاب سے بچا سکے۔ اور محللات کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائے۔ چہ جائیکہ خود اسکے ایسے گندہ اور ناپاک اطوار ثابت ہوں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر عیسائیوں کا یہ عذر ہے کہ حضرت لوط علی نبینا و علیہ السلام کے زمانہ تک دنیا کی آبادی بہت کم تھی اسلئے انسانی معاشرت اور ملکی تمدن کا دائرہ بہت محدود تھا۔ اسی بنا پر افراد

نسل انسانی اور آبادی عالم کی ضرورت اسکی مجوز تھی۔ بالکل غلط اور خلاف واقع ہے۔ ہبوط آدم اور بنائے عالم کو دو ہزار برس سے زیادہ ہوچکے تھے۔ دنیا میں معاشرت۔ تمدن۔ اخلاق۔ تہذیب اور ہر قسم کے ابتدائی علوم و فنون جاری ہوچکے تھے۔ مختلف اقوام و قبائل اور متفرق فرقے اور طریقے قایم ہوچکے تھے۔ تمام اقطاع عالم میں انسانی آبادی قایم ہوچکی تھی اور حضرت نوح ؑ کی اولاد نے کرۂ ارض کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا تھا جہاں سکونت نہ اختیار کی ہو۔ اس بنا پر قلت نسل آدم ؑ اور ضرورت آبادی عالم کا عذر بدتر از گناہ ہے۔

اگر زمانہ آدم کے بھائی بہنوں کے ازدواج کی مثال پیش کی جائے گی۔ تو اول تو ہم اسکو بھی صحیح نہیں کہیں گے دوسرے اگر صحیح مان بھی لیں۔ تاہم وہ بھائی بہن کا واسطہ تھا۔ اور اوس زمانہ کی غایت اور لابدی ضرورت بھی تھی۔ جب حقیقتاً مردوں کے لئے عورتوں کا۔ عورتوں کے لئے مردوں کا ملنا ناممکن تھا۔ مگر بخلاف اوسوقت کے اس وقت تو باپ بیٹی کا تعلق بتلایا جاتا ہے۔ جو بھائی بہن کے تعلقات سے کہیں زیادہ شرمناک ہے۔ اور پھر اوس وقت جب دنیا میں ایسی کثرت سے عورت مرد موجود ہیں کہ بھائی کو بہن کی ضرورت نہیں ہے تو پھر باپ کو بیٹی کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔

کوتہ بین عیسائی معترضین آنکھیں کھولکر اپنی کتاب مقدس میں ان ناپاک اور حد سے زیادہ شرمناک واقعات کو ملاحظہ کریں۔ اور خود تصفیہ کرلیں کہ آیا اون کے عقاید میں ایک خدا کے بھیجے ہوئے خدا کے سچے رسول صلعم کے ایسے ہی اخلاق ہوتے ہیں اور اون کی اولاد و اعقاب کے ایسے ہی آداب ؟

اب رہا مسلمانوں کے نزدیک جناب لوط ؑ کی بھی تنزیہ و تقدیس ویسے ہی ثابت ہے جیسے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی۔ اون کے تمام طرز عمل ویسے ہی پاک و صاف اور اون کی ذات ویسی ہی مقدس و مطہر ہے جیسی ایک نبی ؑ اور رسول برحق کی ہونی چاہئیے۔ یہ تمام واقعات نہ ارشاد الہامی مانے جا سکتے ہیں اور نہ الفاظ وحی تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام لغویات یہود و نصاریٰ کی مولفین و مدونین کتب قدیمہ کے مفتریات و موضوعات ہیں جنھوں نے اپنے افعال رذیلہ اور مراسم ذمیمہ کی قدامت جواز کیضرورت سے ان کے ارتکاب کو انبیائے سابقین کے نفوس مطہرہ کے ساتھ منسوب کیا ہے اس سراپا لغو و افترا کی حقیقت اتنی ہی ہے جتنی قرآن مجید میں ظاہر ہے اور باقی تمام مفتریات ہیں اور موضوعات۔ ڈاکٹر سر سید احمد خاں نے جو ان لغویات کی صحیح تحقیق فرمائی ہے وہ عیسائی معترضین توریت

کی غلط فہمی کا پورا انکشاف کرتی ہے۔ ذیل میں اون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

حضرت لوط اور اون کی دونوں بیٹیوں کی نسبت جو اس مقام پر لکھا ہے۔ عیسائی اون سب کو قبول کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ حضرت لوط نے اپنی صلبی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی مگر ایسا یقین کرنا درحقیقت تضحیک کے قابل ہے۔ اگر ایسا ہوا تو کیا یہ ایک مقدس شخص کی تہذیب اور متانت کے منافی نہیں ہے۔ اور کیا حضرت لوط جیسے پاک شخص کے خلاف شان نہیں ہے مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور قرآن مجید میں اگرچہ حضرت لوط کا قصہ مذکور ہے۔ مگر اوس میں یہ بات کہ اونھوں نے اپنی بیٹیوں سے مقاربت کی تھی۔ مذکور نہیں ہے۔ توریت مقدس میں جو کچھ بیان ہے اوس کی نسبت ہم خیال کرتے ہیں کہ جو معنی عیسائی مصنفین نے لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آٹھویں درس میں حضرت لوط کا یہ قول لکھا ہے کہ مرا دو دخترے است کہ مردے را ندانستہ اند۔ تمنا اینکہ ایشاں را بشما بیروں آرم و با ایشاں آنچہ در نظر شما پسند آید بکنید۔

قرآن مجید میں اس جگہ تثنیہ کا لفظ (صیغہ) نہیں ہے۔ بلکہ جمع کا ہے۔ جیسا کہ سورہ ہود میں ہے۔ هٰؤلاء بناتی هن اطهر لکم اور سورۂ حجر میں ہے۔ قال هٰؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین۔ مسلمان عالموں کا قول مختار یہ ہے کہ لفظ بنات سے حضرت لوط کی صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی عورتیں مراد ہیں اور یہ بات حضرت لوط نے اس مراد سے کہی تھی۔ جیسی کہ وہ ہمیشہ اون کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ تم اپنی خراب عادت۔ فعل خلاف فطرت انسانی چھوڑ دو اور عورتوں سے نکاح کرو اور اون کے ساتھ رہو کہ وہ تمہارے لئے پاکیزہ زندگی ہے۔ توریت مقدس میں اس مقام پر لفظ بنوث آیا ہے جو بمعنی بنت کے ہے مگر جس طرح عربی زبان میں لفظ بیت کا استعمال سوائے صلبی بیٹیوں اور عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح عبری زبان میں بھی عام عورتوں پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ولیم اسمتھ صاحب کی عبرانی ڈکشنری میں لفظ بیث اور بنوث کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عام عورتوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ کتاب امثال سلیمان باب ۳۱ درس ۲۹ میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس مقام میں بھی اس لفظ سے اصلی بیٹیاں مراد نہیں ہیں۔ عام عورتیں مراد ہیں۔ بلکہ غالباً لونڈیاں۔ کیونکہ حضرت لوط کی جو بیٹیاں تھیں۔ جیسا کہ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۱۲ میں لکھا ہے۔

اون کی شادیاں ہو چکی تھیں اور اون کے شوہر موجود تھے۔ اور جب حضرت لوط شہر سدوم سے فرار ہوئے تو اون کے داماد اور اون کی بیٹیاں اون کے ساتھ نہیں گئیں۔ صرف حضرت لوط کی بیوی اور وہی دو عورتیں جنکا ذکر اوپر ہوا اور جن کو بیٹیاں کر کے تعبیر کیا ہے اور جو غالباً لونڈیاں تھیں۔ ساتھ گئیں رستے میں اون کی بیوی زندہ نہ رہیں۔ صرف دو چھوکریاں اون کے ساتھ تھیں۔ قرآن مجید میں اگرچہ اس مقاربت کا جو مغائر کوہ میں ان دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کے ساتھ کی کچھ ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جاوے تو بھی ان دونوں چھوکریوں کا حضرت لوط کی اصلی بیٹیاں ہونا۔ ان وجوہات سے جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ قابل یقین نہیں ہے۔ اور جب وہ لونڈیاں تھیں تو اون کے ساتھ مقاربت گو کہ وہ نہ ہو کے ہی سے ہو۔ بموجب اوس زمانہ کی شریعت کے ناجائز نہ تھی۔ سفر تکوین باب ۱۹ درس ۳۲ و ۳۴ میں لکھا ہے کہ ان دونوں چھوکریوں نے حضرت لوط کو باپ کہکر تعبیر کیا ہے۔ اس کہنے سے بھی اون چھوکریوں کا اصلی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کا لفظ بہت زیادہ عام ہے۔ اور اس کا اطلاق۔ مالک۔ بزرگ شخص پر بھی ہو سکتا ہے۔ خطبات احمدیہ صفحہ ۴۴۸ مطبوعہ ۱۸۷۰ء

(۲) جناب داؤد اور (نعوذ باللہ) زنائے محصن۔ سموئیل نبی کی کتاب میں حضرت داؤد علی نبینا و علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:—

ایک دن شام کو ایسا ہوا کہ داؤد اپنے بچھونے پر سے اوٹھا اور بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا۔ اور وہاں سے اوس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے اوس عورت کا حال دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔ اونہوں نے کہا وہ الیعام کی بیٹی بنت سبع حتّی ہے اور اوریا کی جورو نہیں۔ اور داؤد نے آدمی بھیجکر اوس عورت کو بلا لیا۔ چنانچہ وہ داؤد کے پاس آئی اور وہ اوس سے ہم بستر ہوا۔

کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اوس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ تب داؤد نے یوآب کو لکھ بھیجا کہ اوریاہ اور حتّی کو میرے پاس بھیجدے۔ سو یوآب نے اوریاہ کو داؤد پاس بھیجدیا۔ اور جب اوریاہ آیا تو داؤد نے اوس سے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگ کیسا

حال کیا ہے اور جنگ کے کام کیسے انجام ہوتے ہیں پھر داؤد نے اوریاہ کو کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو۔ اوریاہ جو بادشاہ کے محل سے نکلا تو بادشاہ کی طرف سے اوس کے پیچھے پیچھے ایک خوان بھیجا گیا اور اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ پر اپنے خداوند کے سب خادموں کے ساتھ سو رہا۔ اور اپنے گھر نہ گیا اور جب داؤد نے اوریاہ کو کہا کہ کیا تو سفر سے گھر نہیں آیا پس تو اپنے گھر کیوں نہ گیا تب اوریاہ نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ خیموں میں رہتے ہیں اور میرا خداوند یوآب اور میرے خداوند کے خادم کھلے میدان میں پڑے ہوئے ہیں پس میں کیونکر اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی جورو کے ساتھ سو رہوں۔ تیری حیات اور تیری جان کی قسم کہ میں یہ کبھی نہ کروں گا۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اوریاہ کے ہاتھ میں دے کے اوسے بھیجا۔ اوس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو سخت لڑائی کے وقت اگاڑی کیجیو اور اوس کے پاس سے پھر آئیو کہ وہ مارا جاوے اور جان بحق ہو اور ایسا ہوا۔ یوآب جو اوس شہر کے گرداگرد کی حالت دیکھنے گیا تو اوس نے اوریاہ کو ایسے مقام پر جہاں اوس نے چاہا کہ جنگی لوگ وہاں نہیں پہنچیں گے مقرر کیا۔ اوس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتّی۔ اور اوریاہ مارے گئے۔ اور اوریاہ کی جورو اپنے شوہر اوریاہ کا مرنا سنکر سوگ میں بیٹھی۔ اور جب سوگ کے دن گذر گئے تو داؤد نے اوسے اپنے گھر میں بلوا لیا۔ اور وہ اوس کی جورو بنی اور اوس کے لئے بیٹا جنی۔ پر وہ کام جو داؤد نے کیا تھا۔ خداوند کی نظر میں برا معلوم ہوا۔ سموئیل کی کتاب دوم ۲-۲۷ ص ۲۷۳ مطبوعہ لاہور

تورات مقدس کی مرقومہ بالا عبارت سے۔ اس مقدس پیغمبر کی نسبت (نعوذ باللہ) بدکرداری بداخلاقی اور بدافعالی سب کچھ تو لکھ کر بتلا دیا گیا [illegible] اٹھا رکھا۔ معاذ اللہ زن محصنہ پر متصرف ہونا۔ اور اوس کے حاملہ ہو جانے کے بعد اوس کے اخفائے حمل اور اپنے اخفائے جرم کے لئے اوسکے شوہر کو میدان جنگ سے۔ صرف اس غرض کے لئے طلب کر لینا کہ وہ حمل اسکے ساتھ متعلق ہو جائے اور پھر شوہر (اوریاہ) کو مکرر گھر جانے اور سونے کی تاکید کرنا۔ بد قسمت اوریاہ کا اپنی عقیدت و خلوص کے اعتبار سے داؤد کے آستانہ نبوت کی حاضری کو اہل و عیال کے ساتھ رہ کر آرام پانے اور عیش اوڑھانے پر ترجیح دینا۔ اس بنا پر گھر جا کر آرام کرنے سے انکار کرنا۔ داؤد کا مجبور ہو کر اسکو

پھر معرکہ جنگ پر واپس دینا اور اپنے افسر جنگ کو اوس کے قتل کر دینے کے لئے خاص شقہ شاہی لکھنا۔ اور اس عمل و ترکیب سے اوس غریب اور اجل نصیب اوریاہ کی جان لینا۔ وہ ناپاک اور گندے واقعات ہیں۔ جو عام انسانوں کے عادات و اطوار کے مخالف ثابت ہو رہے ہیں چہ جائیکہ انبیائے کرام کے افعال و کردار ثابت ہوں۔ کبھی ممکن ہے کہ خدا پرستی کی تعلیم دینے والا ہوا پرستی کی ناپاکیوں میں مبتلا ہو یہ تمام مفتریات ہیں اور بالکل لغویات قرآن مجید ان مزخرفات کا نہ ذکر کرتا ہے اور نہ اسکی تصدیق۔ حقیقت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ اوریاہ کے مرجانے کے بعد اوس کی بیوہ سے بعد انقضائے ایام عدت۔ حکم شریعت کے مطابق نکاح کر لیا گیا اور اوسکو شکوے نبوت میں داخل ہونے کا اعزاز خاص بخشا گیا۔

(۳) داؤد کے صاحبزادے امنون اور بہن سے زنا بالجبر

اوسی کتاب سموئیل ثانی میں۔ حضرت داؤد کے صاحبزادے امنون کے یہ حرکات لکھے ہیں:—

داؤد کے بیٹے ابی سلوم کی ایک خوبصورت بہن تھی جس کا نام تمر تھا۔ اوس پر داؤد کا بیٹا امنون عاشق ہوا۔ امنون ایسا بے چین ہوا کہ اپنی بہن تمر کے لئے بیمار پڑا کیونکہ وہ کنواری تھی۔ سو امنون نے اوس سے کچھ کرنا اپنے لئے دشوار جانا۔ اور داؤد کا بھائی سمعہ کا بیٹا یونادب امنون کا دوست تھا۔ یہ یونادب بڑا عاقل شخص تھا۔ سو اوس نے کہا کہ تو بادشاہ کا بیٹا ہو کے کیوں دن بدن دبلا ہوتا جاتا ہے۔ تب امنون نے اُس سے کہا کہ میں اپنے بھائی ابی سلوم کی بہن تمر پر عاشق ہوں۔ سو یونادب نے اُس سے کہا کہ تو بستر پر پڑا رہ۔ اور اپنے تئیں بیمار بنا اور جب تیرا باپ تجھے دیکھنے آئے تو تو اوس سے کہیو میری بہن تمر کو پروانگی دیجئے کہ آئے اور مجھے کھلائے اور میرے سامنے کھانا پکائے تاکہ میں دیکھوں اور اوس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ تب امنون پڑا رہا۔ اور اپنے تئیں بیمار بنایا اور جب بادشاہ اوسے دیکھنے آیا تو امنون نے بادشاہ سے کہا کہ میری بہن تمر کو آنے دیجئے کہ وہ میرے سامنے دو ایک پھلکے پکائے تاکہ میں اوس کے ہاتھ سے کھاؤں۔ سو داؤد نے تمر کے گھر کہلا بھیجا کہ تو ابھی اپنے بھائی امنون کے گھر جا اور اوس کے لئے کھانا پکا۔ سو تمر اپنے بھائی امنون کے گھر گئی۔ اور وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اوس نے آٹا لیا۔ گوندہا اور اُسکے سامنے پھلکے پکائے اور اونکو لیکے ایک تابے میں دہرا۔ اور اُس کے سامنے رکھ دیا۔ پر اوس نے کہانے سے انکار کیا۔ تب امنون نے کہا سب مرد میرے

پاس سے باہر نکل جاویں۔ سو ہر ایک شخص اوس کے پاس سے اوٹھ گیا۔ تب امنون نے تمر کو کہا کہ کھانا کوٹھری کے اندر لاؤ کہ میں تیرے ہاتھ سے کھاؤں گا۔ تب تمر نے وہ پھلکے جو اپنے ہاتھ سے پکائے تھے۔ لئے اور کوٹھری میں اپنے بھائی امنون کے پاس آئی اور جب وہ کھانا اوس کے سامنے لائی کہ اوسے کھلائے تو اوس نے اوسے پکڑا اور اوس سے کہا کہ اے میری بوا آ مجھ سے ہمبستر ہو۔ وہ بولی۔ نہیں بھیا۔ مجھے رسوا نہ کر کہ اسرائیل میں ایسا کام کرنا اچھا نہیں ہے۔ سو تو ایسی احمقی مت کر۔ اور میں کیا کروں گی کہ میری رسوائی دفع ہو۔ اور تو اسرائیل کے احمقوں میں سے ایک کے مانند ہوگا۔ پس آپ بادشاہ سے کہیئے کہ۔ وہ مجھے تم سے منع نہ کرے گا۔ لیکن اوس نے اوس کی بات نہ مانی کہ وہ اوس سے زورآور تھا۔ سو اوس سے زبردستی کی اور اوس سے ہمبستر ہوا۔ سموئیل نبی کی کتاب نمبر (۲) باب ۱۳ درس ۱۰۔۸ اص ۳۲۸ مطبوعہ لاہور

آل داؤد کے متعلق یہ ایک طول وطویل داستان ہے جو حقیقتاً باعتبار اخلاق وتہذیب کے نہ قابل ذکر ہے نہ لایق بیان۔ نعوذ باللہ۔ پیغمبرؐ کے ناقابل ذکر کردار تو خیر ایک شخص کی عورت کی خرابی تک محدود رہ کر ختم ہو گئے۔ مگر پیغمبر زادے کے حرکات نے تو ماں بہن کی تمیز بھی باقی نہ رکھی اسی سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ منصب نبوت کیا اور درجہ رسالت کہاں یہ حضرات تو عام اخلاق تہذیب انسانی کی معمولی منزلت پر بھی فائز نہیں تھے۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ مسلمانوں کے عقاید میں یہ سب یہود ونصاریٰ کے افترایات وموضوعات ہیں اور کچھ بھی نہیں۔

(۴) حضرت سلیمان کا اظہار تعشق حضرت داؤد کے بعد جناب سلیمان کے متعلق مفصلہ ذیل لغویات کی نسبت کی جاتی ہے۔ حضرت سلیمان ؑ کی غزل الغزلات میں ہے۔ اپنی زوجہ کی تعریف حسن۔ اور اسکے ساتھ اظہار شوق میں فرمایا جاتا ہے۔

اے میری جانی تو شکیل، دیکھ تو خوبصورت ہے۔ تیرے رخسار تیری چادر کے پیچھے آدھے انار کے مانند ہیں تیری چھاتیاں آہو کے دو بچوں کے مانند ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ اے میری بوا میری زوجہ۔ تو نے میرا دل غارت کیا۔ اے میری بہن، میری زوجہ۔ تیرا عشق کیا خوب ہے۔ تیری محبت مے سے کتنی زیادہ لذیذ ہے۔ اے میری زوجہ، شہد وشیر تیری زبان کے تلے ہیں۔ اے میری بوا اے میری زوجہ۔ تو ایک مقفل باغچہ اور بند کیا ہوا ایک پانی کا سوتا ہے۔۔

(ب) اے میری جانی۔ تو ترضہ کے مانند خوبصورت ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ میرے ساتھ بیگمیں اور اسّی حرمیں (لونڈیاں) اور بیشمار کنواریاں ہیں۔ پر میری پاک پاکیزہ کبوتری بینظیر ہے۔

(ت) معشوق کا سراپا بیان ہوتا ہے۔

اے میری شاہزادی۔ تیرے گرگابیاں پہنے ہوئے پاؤں کیا خوب معلوم ہوتے ہیں۔ تیرے کولھوں کی گلائی جواہر کی لڑی کے مانند ہے۔ تیری ناف گول پیالہ ہے۔ تیرا پیٹ گیہوں کی ڈھیری کے مانند ہے۔ تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بچوں کے مانند ہیں۔ تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔ تیری ناک لبنان کی برج کی مثال ہے۔ اے محبوبہ تو کیسی جمیلہ ہے۔ عیش کے لئے تو کیسی جانفزا ہے۔ تیری قامت تاڑ کی مثال ہے۔ تیری چھاتیاں انگوروں کے گچھوں کے مانند ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس تاڑ پر چڑھوں گا اور اوس کی شاخوں کو تھام رکھوں گا۔ فی الحال تیری دونوں چھاتیاں انگوروں کے گچھوں کے مانند ہوں اور تیرے نتھنوں کا رائحہ سیب کے ایسا ہو اور تیرا تالو اوس مے کے مانند ہو۔ جو بہتر سے بہتر ہو۔ غزل الغزلات سلیمان باب درس - ۹ باب درس ۱-۹

نعوذ باللہ من ذلک۔ ایک مقدس پیغمبر کی زبان سے ایسے نفرت انگیز کلام جس کے لفظ لفظ سے دنیاوی تعیش اور شہوت پرستی کی خبیث عادتوں کی محویت اور انہماک ثابت ہوتا ہے۔ خدا کا جاننے والا۔ اور رسول کا پہچاننے والا شخص کبھی کہہ سکتا ہے کہ یہ خدا کے بھیجے ہوئے رہبر اور ہادی عالم کا ارشاد ہے۔ یا کسی متوالے کی بڑ۔

(۵) خدا کی دو خولہ عورتیں اور اون کی زناکاریاں۔

خرقیل نبی کی کتاب باب ۲۳ میں یہ ناشنوا داستان مذکور ہے۔ نقل کفر کفر نباشد۔ جناب خرقیل فرماتے ہیں۔

خداوند کا کلام مجھے پہونچا۔ اوس نے کہا کہ اے آدم زاد۔ دو عورتیں تھیں۔ جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اونہوں نے مصر میں زناکاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں۔ وہاں اون کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں اون کے بکر کے پستان چھوئے گئے۔ ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اوس کی بہن کا نام اہولیبہ تھا۔ اور وہ میری جورواں ہوئیں۔ (نعوذ باللہ) اور بیٹے بیٹیاں جنیں۔ اون کے نام اہولہ سمرون اور اہولیبہ یروشلم ہوئے۔

اہولہ جن دنوں میری تھی۔ چھنالا کرنے لگی۔ اور اپنے یاروں پر یعنی اسوریوں پر جو ہمسایہ تھے عاشق ہوگئی۔ کہ وہ سردار لشکر اور حاکمان ملک تھے۔ اور سب کے سب دل پسند اور جوانمرد سوار تھے۔ جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ارغوانی پوشاک پہنے ہوئے تھے اس طرح اوس نے اون سب کے ساتھ۔ جو اسور کے برگزیدہ مرد تھے چھنالا کیا اور وہ اون سب کے ساتھ جن سے وہ عشقبازی کرتی تھی۔ اور اون کے سارے بتوں سے ناپاک ہوئی۔ اوس نے پر اوس زناکاری کو جو اوس نے مصر میں کی تھی۔ نہ چھوڑا۔ کیونکہ اونھوں نے اوس کی جوانی میں اوس کے ساتھ خلوت کی تھی اونھوں نے اوس کے بکر کے پستانوں کو ملا تھا۔ اور اپنی زنا اوس پر اونڈیلی تھی۔ اس لئے میں نے اوسکو اوسکے یاروں کے ہاتھ میں۔ ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تھی۔ کر دیا۔ اونھوں نے اوسکو بے ستر کیا۔ اوس کے بیٹے اور بیٹیوں کو چھین لیا اور اوسے تلوار سے مار ڈالا۔ سو وہ عورتوں کے درمیان رسوا ہوئی۔ کیونکہ اونھوں نے اوسے عدالت سے سزا دی۔

اوس کی بہن اہولیبہ نے یہ سب کچھہ دیکھا۔ پر وہ شہوت پرستی میں اوس سے بدتر ہوئی اور اوس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی۔ وہ بہی اسور یعنی اون سردار لشکروں اور حاکموں پر جو اون کے ہمسایہ تھے۔ جو بہڑکیلی پوشاک پہنتے تھے۔ اور گھوڑوں پر چڑھتے تھے اور سب کے سب دلپسند جوانمرد تھے عاشق ہوئی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بہی ناپاک ہوئی۔ اون دونوں کی ایک ہی رسم و راہ تھی۔ بلکہ اوس نے زناکاری زیادہ کی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بابل کے بیٹے اوس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور انھوں نے اوس سے زنا کرکے اوسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی۔ تو اوسکا جی اونسے پھر گیا۔ تب اوس کی زناکاری علانیہ ہوئی اور اوس کی برہنگی بے ستر ہوئی۔ تب جیسا میرا جی اوس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا ہی میرا دل اوس سے بہی ہٹ گیا۔ تب بہی اوس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے۔ جب وہ مصر میں چھنالا کرتی تھی۔ زناکاری پر زناکاری کی سو وہ پہر اپنے یاروں پر مرنے لگی۔ جن کا بدن گدہوں کا سا بدن اور جنکا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔ باب ۲۳ درس ۱ - ۲۰

کیا ایسے فحش اور ناپاک مضامین کی نسبت بھی کسی تصریح و تشریح کی کوئی ضرورت باقی ہے۔ مجھہ کو ان فضیحت خیز اسناد کی نقل سے خود غیرت آتی ہے اور مجھکو خود اسکا اقرار ہے کہ میں نے اپنے تبصرہ کے

خاتمہ کو تہذیب قلمی اور آداب تحریری سے نہایت فروتر کر دیا ہے۔ لیکن المامور معذور۔ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ استدلال کی ضرورت اور صورت حال کی مناسبت نے مجھکو قطعاً مجبور کر دیا ہے۔ ورنہ کہاں میرا تبصرہ اور کہاں دنیا کا مضحکہ۔

کیا کوئی شخص سر میں دماغ اور دماغ میں فہم سلیم اور عقل مستقیم رکھکر ان فواحشات کو الہامات سمجھ سکتا ہے۔ یا کبھی دہو سکے سے بھی کسی نبی مرسل کے بیانات تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائی ان معتقدانہ مکاشفات اور محققانہ تحقیقات کے جواب میں ان شرح و بیانات کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ واقعات نہیں ہیں بلکہ قوم بنی اسرائیل اور ساکنین بیت المقدس کی بداعمالیوں کی مختلف صورتیں یا تلمیحات خطابیہ کے پیرایہ میں بغرض عبرت پذیری دکھلائی گئی ہیں۔

ہم اس کو تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیتے ہیں۔ لیکن عرض کرتے ہیں کہ کیا جناب باری عز اسمہ یا اوس کے فرستادہ برحق حضرت حزقیل کو ہدایت قوم کے لئے خدمات تبلیغ کی ادکاری کے موقع پر تمثیل و تلمیح کی ضرورت سے کوئی اور صورت و عنوان بیان نہیں ملتا تھا۔ جو ایسے ناپاک اور نفرت انگیز فحش الفاظ میں اس کی حقیقت تمثیلی اور عبارت تفصیلی قایم کی گئی۔ اگر ان دونوں فاحشہ عورتوں کی تمام داستان عنوان تمثیلی کا حکم رکھتی ہے۔ تو نعوذ باللہ۔ جناب لوط۔ حضرت داؤد۔ اور اون کے صاحبزادے عموں کی بدکرداریوں کے متعلق۔ جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں کیا جواب پیش کیا جاتا ہے

ھاتوا برھانکم ان کنتم لا تعلمون۔

عیسائی معترضین سے استفسار ہے کہ جب آپ کی کتب مقدسہ سے انبیائے کرام کے اخلاق اون کی تہذیب اون کے آداب اور اون کی معاشرت کے حالات سے ایسے نفرت انگیز اور ناپاک اطوار و عادات ثابت ہوتے ہیں۔ تو آپ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی ایسی مقدس اور پاک و پاکیزہ معاشرت۔ اخلاق و آداب پر ادہر ادہر کے محض موضوعات اور غیر معتبر و غیر مستند مرویات پر منہ آنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ جن کی حقیقت اور اصلیت اوپر بالتفصیل و تحقیق ثابت کر دیگئی ہے۔

عیسائیوں کی آثار اسلامی سے بالکل ناواقفکاری

حقیقتاً عیسائی مولفین یا کسی مخالف فرقہ کے مصنفین سے حقیقت نویسی کی امید ایک خیال موہوم ہے۔ اول تو اون کے لئے مخالفت آغاز ہی سے سد راہ ہوتی ہے۔ دوم اون کی عدم واقفیت اور کمی اطلاع بھی اکثر اون کو حقیقت سے دور ڈال دیتی ہے۔ گاڈفری ہینگس (GODFREY HINGS) مارگیولوس (MARGOLIOUTH) کارلائل (CARALAYAL) اور گبن (GIBBON.) وغیرہم یورپ کے مشہور

معروف فاضل اور محقق کامل ہیں۔ مگر اون کی تصانیف و تالیف بھی ان فروگذاشتوں سے خالی نہیں گاڈفری ہینگنس نے اپنی دانست میں اپالوجی لکھی ہے جو ۱۸۲۹ء میں جبکہ لندن سے شائع ہوئی ہے۔ اوس کتاب میں گویا اسلام کے متعلق تمام اعتراضات کی معقول معذرت دکھلائی ہے۔ مگر حقیقت میں آپ حضرات خوب جانتے ہیں کہ وہ ایک طرف تو اسلام کی جانب سے معذرت کرتے ہیں اور دوسری طرف سے اسلام پر خود حملے کرتے ہیں۔ یہی حالت مارگیولوس کی ہے۔ پڑھنے کو تو یہ انگریزی فاضل مسند امام حنبل کی چھ ضخیم جلدیں پڑھ گیا۔ مگر نتیجہ کیا نکلا معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔ جب اپنی کتاب لکھنے بیٹھے تو اوس میں اسلام کی بدخواہی، بدنمائی اور رسوائی کا کوئی پہلو اوٹھا نہ رکھا۔

یہ تو مخالفت، تعصب اور خاص نفسانیت کی وجہ سے عیسائی مصنفین کو اسلامی تصانیف کے وقت دقتیں پیش آتی ہیں اس کے بعد حقیقت اور اصلیت سے ناواقفیت ایک دوسری آفت ہے جو اون کے سر آتی ہے۔ یورپ کے موجودہ تحقیقات کے کمال اور ترقی اور اونکے علم و فضل کی روشنی کو کون نہیں جانتا۔ خاص اسلام کے متعلق اون کی ایک سے لیکر ہزار تک تصنیفات و تالیفات تیار ہیں۔ مگر ایک حقیقت کا ماہر اون کے ان لاتعداد دفاتر اور بے شمار ذخائر کو بھی اسلام کی معرفت اور اوس کی نفس حقیقت معلوم کرنے کے لئے کبھی کامل نہیں کہہ سکتا۔ عیسائی مصنفین کی ناواقفیت اور کم علمی۔ اسلام کے اہم مسائل پر اپنی تحقیق کی کہاں تک روشنی ڈالے گی۔ تحقیق سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے محض معمولی اور عام امور سے بھی واقف نہیں ہیں۔ مثال کے لئے ہم مسٹر سیل (MR Sale) کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ کی مفصلہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔

> اگرچہ علمائے یورپ کا یہ خیال کہ جناب رسول خدا صلعم مکہ میں مدفون ہوئے ہیں مسترد ہو چکا ہے لیکن ابھی تک اکثر مصنفین اپنی ناواقفکاری یا غفلت شعاری کے باعث سو جیبر میں صحیح حکم نہیں لگا سکتا۔ اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ میں اس مقام پر صرف دو مصنفین کی نظیریں پیش کرونگا پہلے تو ڈاکٹر اسمتھ صاحب (Doctor Smith) ہیں جو ایک زمانہ تک خود ترکی میں رہ چکے ہیں۔ اس لئے اون سے ایسی فروگزاشت نہ قابل معافی ہو سکتی ہے نہ لائق درگذاشت۔ یہ فاضل اپنی کتاب کے تین متواتر مقامات پر لکھتا ہے کہ مسلمان مکہ میں اپنے پیغمبر کی زیارت کو جاتے ہیں۔ پھر اوسی کتاب میں دوسرے مقامات پر لکھتے

ہیں کہ پیغمبر اسلام مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر اسمتھ کی کتاب اپیسل (Epicicle)
جلد اول ص ۲۲۰ و جلد دوم ص ۴۲۳ و ۴۴۶ مطبوعہ لندن۔

ان سے بڑھ کر۔ سر جی۔ مینڈ یول (Sir J. Mandevolie) کے سفرنامہ
کے مدیر صاحب ہیں۔ جنہوں نے اصل کتاب کے اس صحیح مضمون کو کہ پیغمبر اسلام کی قبر
مدینہ میں ہے (اصل کتاب ص ۵۰) غلط جان کر۔ مابین صفحہ خطوط ہلال کے اندر مکہ بنا دیا
ہے۔

انھیں کے ایسے اباٹ۔ دی ورٹاٹ (Abbot de Vertolit) صاحب کی
حرکات ہیں۔ مقدمہ ترجمۃ القرآن مسٹر سیل صفحہ ۴ مطبوعہ لندن۔

| ہماری کتاب اسوۃ الرسول | ہم اپنے تبصرہ کے موجودہ مضامین ومباحث کو اس مقام پر بالتمام ختم کر دیتے
ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مرقومہ بالا تبصرہ میں معمول سے زیادہ طول ہوگیا ہے۔ لیکن ہماری
ضرورت ہماری مجبوری افادۂ عام کی بنا پر اسی کی متقاضی تھی کہ سیرۃ النبی کے ابہامات۔ ضعفات
احذافات۔ اسقاط اور استخفاف واقعات کے کامل مکاشفات کر دئے جائیں۔ اور شبلی صاحب
کے اون اصول اور موضوع تالیف کی حقیقت اور اصلیت بتلا دی جاوے۔ جن کو سیرت نگاری
اور تاریخ نویسی سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ تو شبلی صاحب کے خاص معتقدات ہیں۔ جو نہ جمہور
کے متفقات کہے جاسکتے ہیں اور نہ مسلمات۔

نیز شبلی صاحب کے اصول تعمیم کا طریقہ ظاہر کر دینا ضروری تھا۔ جو حقیقتاً اون کے اصول
عقاید کا ایک خاص ضمیمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس اصول کو شبلی صاحب نے جس حفظ ماتقدم اور
حزم واحتیاط سے اپنی تالیف میں از اول تا آخر۔ مدنظر رکھ کر تمام واقعات کو اسی کے مطابق
قلمبند فرمایا ہے۔ اوسکی حقیقت اور ماہیت ہر موقع اور ہر مقام پر کھولدی گئی ہے اور اصلیت کھلا دی گئی ہے۔ اسی
کے ساتھ آپ کی عالم فریب انشاپردازی کی لااصلی اور بے وجودی بھی ثابت کر دی گئی ہے۔ جو
اپنے اپنے خاص موقع پر مذکور ہیں۔

تبصرہ میں ہر مبہم واقعہ کی صحیح تنقیح۔ ہر غلط واقعہ کی کامل تنقید وتحقیق اور ہر مشکوک قصہ کی
تصحیح وترمیم بطور تمثیل قلمبند کر دی گئی ہے۔ اور تفصیل اصل کتاب میں اپنے مقام پر مندرج ہے
تبصرہ میں زیادہ تر اون واقعات کی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ جن کو شبلی صاحب نے کسی
مصلحت سے مرفوع القلم فرما دیا تھا یا گھٹا بڑھا دیا تھا۔ یا تاریخ وسیرت کی ہئیت وصورت

سے نکال کر عقاید کے قالب میں اوتارا تھا اور اس حیلۂ قلمی سے اپنے مسلمات عقائد کو تاریخ و سیر کے واقعات و مشاہدات بتلا کر عوام سے تسلیم کرانا چاہا تھا۔

اس میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ہم کو اون کے عقاید کی تنقید کی نہ کوئی ضرورت لاحق تھی اور نہ اون کی تردید کا کوئی حق حاصل تھا۔ اس لئے میری تنقید بیکار سمجھی جائے گی۔ لیکن اتنی عرض کردینی ضروری ہے کہ عقاید اسلام کے متعلق۔ وہ واقعات مندرجہ سیرۃ النبی صلعم جو منافی شان رسالت ظاہر ہوتے ہیں یا وہ مرویات جو مخالف قرآن اور معارض احادیث متفق علیہ ثابت ہوئے ہیں۔ اُنکو بغیر تنقید کیسے چھوڑا جاسکتا تھا۔

جس طرح ہر ایسے واقعہ کے متعلق تنقید و تحقیق سے کام لیا گیا ہے اوسی طرح شبلی صاحب کی عبارت و مضمون میں جن جن مقامات پر ضرورت خاص سے تلمیحات اور استعارات۔ صرف استخفاف واقعات کے لئے کام میں لائے گئے ہیں یا انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قلمکاریوں سے سطحی الذہن اور محدود الاطلاع افراد قوم و ملت کو صرف مرعوب کرنے کے لئے۔ کہیں منطق کے اسباب و علل۔ معانی و مطول۔ کہیں فلسفہ اور کلام کے رموز و غوامض۔ دلائل و مباحث پیش کردئے گئے ہیں۔ اون کی اصلی تصریح و تشریح بھی کردی گئی ہے۔

عبارت کتاب کے اکثر مقامات میں۔ اغراق۔ انفکاک اور خلاف سیاق اور دیگر اقسام کے اغلاط و اسقام کی عام حرف گیریوں سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے۔ اور اونکی حقیقت شناسی اور اصل فہمی کو ناظرین کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

یہی ناگزیر ضرورتیں تھیں، جنہوں نے سیرۃ النبی صلعم کے بعد اسوۃ الرسول ص کی تالیف و اشاعت کو خاص اہمیت دے رکھی تھی۔ مولف نے ابتدا سے لیکر انتہا تک تالیف تک انھیں امور ضروری کو کامل شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ مذہبی اور دینی واقعات کے حالات کو پہلے قرآن مجید کے ارشادات سے۔ پھر احادیث صحیحہ کی مرویات سے مقابلہ کرکے قلمبند کیا ہے۔

ملکی اور قومی وقائع اور سوانح کو تاریخ و سیر کے معتبر اور مستند ماخذوں سے مستند کیا ہے استناد و استخراج کے طریقوں میں ہر واقعہ کی صحت اسناد میں وہ تمام اصول تحقیق قائم رکھے گئے ہیں جو ایک روایت کی تصدیق و توثیق کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

تمدنی اور اخلاقی حالات و مرویات میں اونھیں واقعات کے اندراج پر اکتفا کی گئی ہے۔ جو اخلاق الٰہیہ آداب نبویہ اور نیز ملک و قوم کی مروجہ تہذیب و شائستگی کے مطابق ثابت ہوتے ہیں۔

تالیفات و تصنیفات کے ان اصول مسلّمات کی تفصیل و تعمیل میں شبلی صاحب کی طرح خود غرضانہ اور جانب دارانہ فیصلہ جات اور اقتباسات و استخراجات کا غلط طریقہ نہیں اختیار کیا گیا ہے اور بلا وجہ و ضرورت صرف حصول مدعا کی ضرورت سے۔ ایک فن کو دوسرے فن سے فروتر اور کمپایہ نہیں قرار دیا گیا۔ یا ایک فن خاص کی مرویات و مندرجات میں دوسرے فن کے مرقومات و مذکورات ملا کر خلط مبحث کا معجون مرکب تیار نہیں کیا گیا ہے۔

سیرت نگاری کے موجودہ سباق تحریر میں حدود تنقید و تحقیق ضرور قائم رکھے گئے ہیں اور اس ضرورت میں استدلال کلامیہ سے بھی کام لینا ہوا ہے لیکن واقعات کی تنقید و تحقیق میں نہ اتنی جدت دکھلائی گئی ہے۔ اور نہ اپنی اصابت رائے کی قائم رکھنے کی بنا پر اتنی شدت اختیار کی گئی ہے کہ تاریخ و سیرت کے مضامین کلام و مناظرے کے میگزین بن جائیں۔ یا اپنی جدید تحقیق اور مجدد بننے کے شوق دکھانا میں سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کے عام فہم اور سلیس طریقہ تحریر کو۔ جو آغاز فن سے لیکر اس وقت تک تمام علمائے متقدمین و متاخرین کا مختار قرار پا چکا ہے فلسفہ تاریخ کی جدید اور یوروپین طریقہ تالیف کی تقلید کی موجودہ صورت و ہئیت میں بدل دیا گیا ہے اور نہ علم قدامت کے انکشافات جدیدہ کے ممکن و ناممکن قیاسات کی بنا پر واقعات تاریخی کی اتنی چھان بین اور اون کی ایسی بندی کی چندی کی گئی ہے کہ ثبوت استدلال کے طومار و انبار میں اصل مطلب مفقود اور لا وجود ہو جاوے حقیقت واقعہ اور اصلی صورت حال تو غائب ہو جائے۔ مصنف کا صرف خارجی اور سطحی استدلال باقی رہ جاوے۔

اس مسلک اور اس طریقہ تالیف کے خلاف اسوۃ الرسول صلعم میں ہر مسئلہ۔ ہر واقعہ کی اصل حقیقت کے انکشاف کر دئے جانے کو فرض اول قرار دیا گیا ہے۔ اور اون کی تفصیل و بیان میں اسی قدر وسعت دی گئی ہے جس قدر سہولیت اور عام قبولیت کے لحاظ و اعتبار سے ضروری تھی۔ مختلف فیہ مسائل میں کثرت رائے کو ترجیح دی گئی ہے اور وہی واقعات درج کئے گئے ہیں جو مقبولیت اور معقولیت دونوں حیثیت رکھتے ہیں۔ نقل روایات میں ضعاف و احاد سے کہیں بھی کام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ شبلی صاحب نے ایسے قابل الاستناد ہونیکا بھی تمام فتوی دیدیا ہے

دیباچہ سیرۃ النبی ص ۱۶ و ۱۷

واقعات کی ترتیب باعتبار سنین کی گئی ہے اور ہر سال کے سلسلہ واقعات میں تقدیم و تاخیر وقوع کی ترتیب قائم رکھی گئی ہے۔ ایسے واقعات جن کے ایام وقوع کی تعیین میں اختلاف ہے۔ کثرت اقوال پر اعتبار کیا گیا ہے۔ ایسے واقعات جنکی تفصیل ضروری نہیں سال وقوع کے آخر میں تذکرۃً لکھہ دئے گئے ہیں۔

مرقومۂ بالا ترتیب و تدوین کے مطابق اسوۃ الرسولؐ۔ پانچ جداگانہ حصوں میں مرتب اور مدون ہوئی ہے۔

پہلے حصہ میں۔ ملک عرب کی قدامت۔ قدیم قبائل وعشائر کے تفصیلی حالات۔ عرب کے تمام جغرافی اور تاریخی خصوصیات۔ عرب کے تمام قدیم انبیاء و مرسلین۔ اونکی تبلیغ رسالت اون کی قوم وامت کے واقعات۔ عرب کے تمام قدیم سلاطین۔ اون کا طرز حکومت نظام عربیت عرب میں جناب ابراہیم کا ورود۔ بنائے کعبہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی والدہ مقدسہ۔ حضرت اسمٰعیل اور اون کی اولاد واعقاب۔ تولیت کعبہ۔ امارت مکہ کے مسلسل اور مفصل حالات۔ ابتدا ابن اسمٰعیل کے زمانہ سے لیکر حضرت عبدالمطلب کے ایام تولیت و امارت تک مندرج ہیں۔

دوسرے حصہ میں آنحضرتؐ کی ولادت۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات۔ حضرت ابیطالب کی تولیت و امارت کا زمانہ۔ آنحضرت صلعم کی بعثت۔ مکہ میں تبلیغ رسالت۔ مدینہ میں ہجرت فرمانے کے وقت سے لیکر غزوۂ خیبر سنہ ۶ ہجری تک کے تمام حالات و واقعات مرقوم ہیں۔

تیسرے حصہ میں سنہ ۶ ہجری سے لیکر سنہ ۱۱ ہجری سال وفات تک کے تمام احوال قلمبند ہیں۔

چوتھے حصہ میں آنحضرت صلعم کی اولاد و ذریات۔ ازواج مطہرات اور متروکات وغیرہ کی تفصیل درج ہے اور اسی تفصیل کے ساتھہ آپ کے مکارم اخلاق۔ محاسن عادات۔ اقوال وارشادات قلمبند کئے گئے ہیں۔

پانچویں حصہ میں۔ آنحضرت صلعم کی خاص رسالت اور قرآن مجید کی ہدایت سے بحث ہے رسالت کے متعلق تعلیم عقاید۔ اوامر ومناہی۔ اصلاح حال واعمال۔ درستی اخلاق ومعاشرت۔

تمام ضروریات دینی اور دنیاوی کی کامل تفصیل درج کی گئی ہے۔ اور اسی کے ضمن میں شریعت اسلامی کی تعلیمی فوائد و منافع۔ محاسن و مصالح اون کا دیگر شریعتوں کے احکام و نصاب مروجہ سے از روے مقابلہ و موازنہ مکمل متمم اور مرجح ہونا کامل شرح و بسط سے بتلایا اور دکھلایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی نسبت۔ اوس کی بے نظیر اور لاجواب فصاحت و بلاغت کے اظہار و ثبوت کے علاوہ اس کا سراپا اعجاز اور حقائق معرفت کا وہ خزانہ ہونا قوی اور مستحکم دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ خاتمہ بحث میں مخالفین اسلام کی اون تمام تعریضات کی تردید و تنقید قلمبند کی گئی ہے۔ جو اسلام اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام پر محض غلط فہمی کوتہ بینی اور تعصب دینی کی وجہ سے وارد کیے جاتے ہیں۔

صنعت تالیف اور شغف تصنیف میں تحقیق و ترتیب کے بعد بہت بڑا اہم اور ضروری امر تسلسل اسناد ہے ہر واقعہ کے شہود و ثبوت میں اسناد کی اصلی عبارت کو بلفظہ لکھ دیا گیا ہے۔ متقدمین صرف مصنف اور تصنیف کے نام کے حوالہ کو کافی سمجھتے تھے لیکن زمانہ حال کے محققین نے اس طریقہ اختصار کو اطمینان و اعتبار کے لئے کافی نہ سمجھا مزید اطمینان اور خاطر خواہ تشفی کے لئے۔ اسناد کی پوری عبارت۔ تصنیف۔ صاحب تصنیف کا نام شمار جلد۔ نشان صفحہ و سطر تک کے اندراج کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ طریقہ چونکہ نہایت مستحسن اور مستحکم تھا اس بنا پر فی زماننا عالم تصنیفات و تالیفات میں یہی دستور قایم ہو گیا۔ اسوۃ الرسول میں بھی نقل اسناد کے یہی اصول قایم رکھے گئے ہیں۔ نہایت احتیاط سے اسناد کی اصلی عبارتیں۔ کتابوں اور اون کے صفحات۔ سطور اور مجلدات وغیرہ کے صحیح حوالے قلمبند کئے گئے ہیں۔ عربی اور فارسی ماخذوں کی اصلی عبارت ایک طرف۔ اون کا ترجمہ دوسری جانب درج کر دیا گیا ہے۔ انگریزی حوالہ جات میں چونکہ لٹیر ٹائپ کے اصلی عبارت کی نقل دشوار تھی۔ اس لئے اون کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی گئی۔ لیکن اصل کتاب کے تمام حوالے درج کر دیئے گئے ہیں فمن شاء فلیرجع الیہ۔ حوالجات بعد ختم واقعات فوراً لکھ دئے گئے ہیں اور عبارت زیریں حاشیہ وغیرہ کے ملاحظہ کی دوبارہ زحمت نہیں دی گئی ہے۔

کواتھ ضلع آرہ
شریف العمارت
عید الفطر سنہ ۱۳۴۲ھ

رب زدنی علما واھدنی الی صراط مستقیم سبحانک لا علم لنا الا
ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم وصلی اللہ علی رسولہ وآلہ الکریم
تمت بالخیر

المؤلف الاحقر
خان بہادر
سید اولاد حیدر بلگرامی
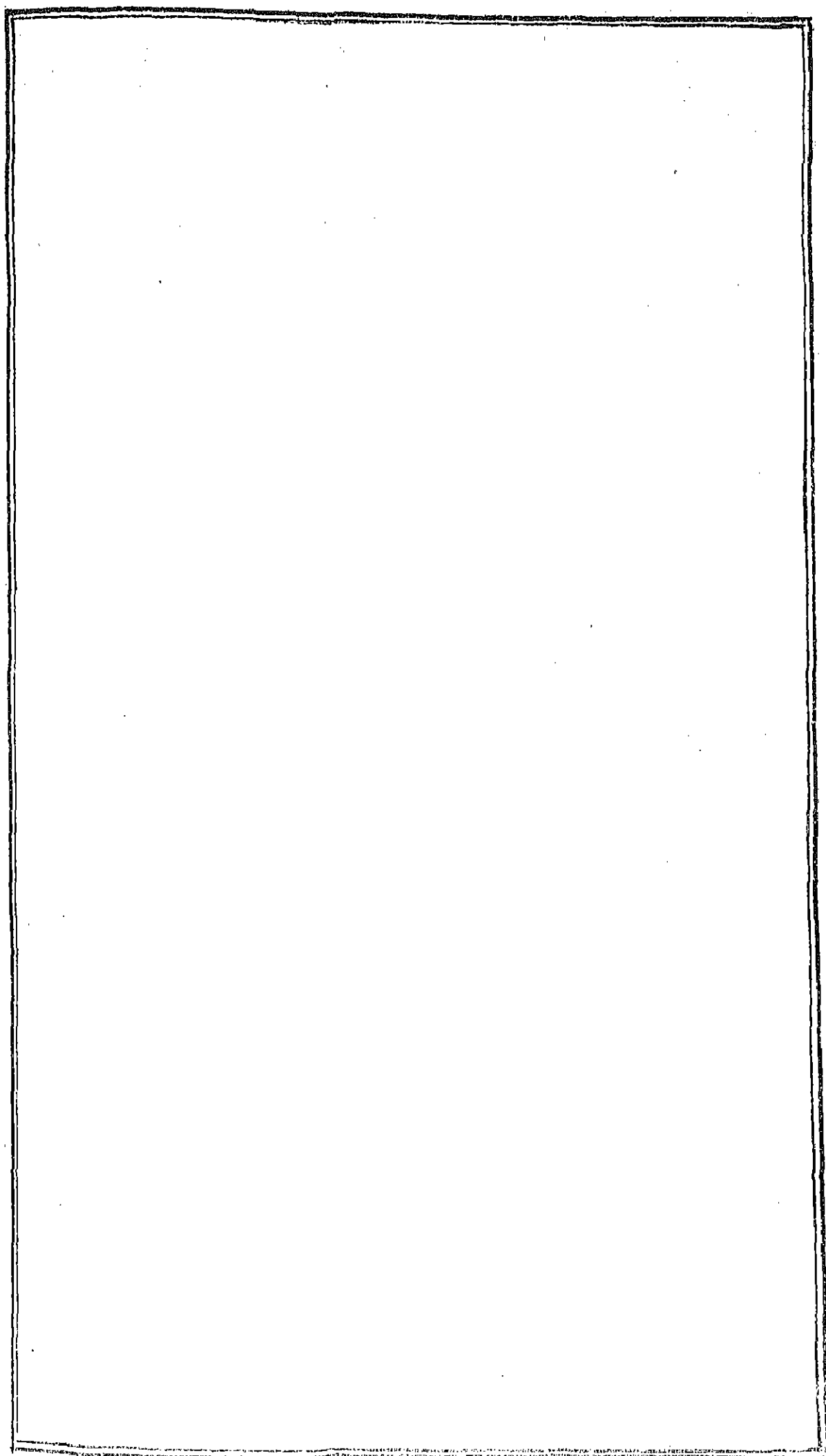
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین

تحمید الٰہی فطرت انسانی کا مقتضا ہے اور نعت حضرت رسالت پناہی عقیدت ایمانی اور آداب روحانی کا مدعا صلوا علیہ وآلہ واوصیائہ المعصومین۔

اس سے پہلے کہ موجودہ تالیف کے تمہیدی مضامین آغاز کئے جاویں ہم ضرورت تالیفی اور تناسب مقامی دونوں اعتباروں سے ملک عرب کے جغرافی اور تاریخی حالات کو جن سے ہماری کتاب کے تمام مضامین کو ابتدا سے لیکر انتہا تک پورا تعلق ہے کامل اور کافی تفصیل سے لکھ دینا اور بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔

فصحتان عرب

ملک عرب اگرچہ تقریباً تمام تر ریگستان ہے۔ مگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے اور تاریخی مشاہدہ سے ملایا جاوے تو انقطاع عالم میں یہ ہزاروں کوس کا چٹیل اور غیر آباد۔ بے آب وگیاہ میدان۔ قدیم الایام سے تقدیس کا مرکز۔ روحانیت کا معدن۔ معرفت کا مخزن۔ رسالت ونبوت کا گلزار۔ اور فصاحت وبلاغت کا باغ پربہار ثابت ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ۔ عرب کی وجہ تسمیہ میں عموماً دو قول مشہور ہیں۔ قول اول یہ ہے کہ عرب اور "اعراب" کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے دنیا کی تمام زبانوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ اسلئے اونہوں نے اپنے آپ کو عرب (فصیح اللسان) اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ زبان) کہہ کر پکارا۔

قول دوم جو جغرافیین کا مختار اور مورخین کا معیار تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ عرب کا قدیم اور اول نام عَرَبَۃ اور عَرْبَۃ تھا۔ جو کثرت استعمال سے مخفف ہوکر عموماً عرب بولا جانے لگا۔ اور اسکے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پاگیا۔ عربۃ کی جمع عربات ہے۔ اور لغوی معنی۔ صحرائے ناقابل زراعت۔ عرب کے اشعار قدیم عرب کے اصلی معنی یہی بتلاتے ہیں۔ ذیل کے اشعار عرب سے اسکی پوری تصدیق ہوتی ہے

اسد ابن جاصل کہتا ہے ؎ وعربۃ ارض جدّ فی الشر اہلہا ٭ کما جدّ فی شرب النقاخ ظماء

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جو اپنے باشندوں کی شرارت کیلئے ویسا ہی مشہور ہے جیسا اوسکے باشندوں کو پیاسوں کو پیاس میں ٹھنڈا پانی پلانے کیلئے شہرت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت ابی طالب کے مشہور قصیدہ کا ایک شعر ہے ؎ وعربۃ دار لا یحل حرامہا من الناس الا اللوذعی الحلاحل۔

ملک عرب وہ قطعہ زمین ہے جس کی حرام (ممنوعات) چیزوں کو سوائے دانشمندان اور بزرگان قوم کے کوئی دوسرا شخص حلال (جائز) نہیں کر سکتا۔

ابوسفیان کلبی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ کی مدح میں کہتا ہے۔ ابونا رسول اللہ وابن خلیلہ بعربۃ بوانا فنعم المرکب۔

خدا کا رسول اور اوسکے خلیل کا فرزند ہمارا باپ ہے۔ تمام عرب کو اوسپر فخر ہے۔ کیا اچھا سردار قوم ہے۔

وجہ تسمیہ کے متعلق قول اول اگر صحیح بھی ہو لیکن تاہم اہل عرب کی خصوصیت اور ذاتی مفاخرت تک محدود سمجھا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ انکی نکتہ آفرینی اور وقت رسی کا نتیجہ یا ادعا کہلائے گا۔ عام مقبولیت اور واقعیت کے درجوں تک نہیں پہونچتا۔ کیونکہ ہر قوم اپنی زبان کی اوسی طرح جوہری ہے جسطرح عرب۔

جغرافی تعلقات سے عرب کی وجہ تسمیہ کی تحقیق۔ اس قطعہ زمین کا نام عربۃ کیوں رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عربۃ اصل میں سامی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں۔ عبرانی میں عربا آیا ہے۔ عربہ کی ذرا سی بدلی ہوئی شکل ہے معنی وہی ہیں۔ بیابان اور میدان۔ ابھی تک عربی میں بھی اسکی قدیم یادداشتیں معنیوں میں باقی ہے۔ عرابۃ بدویت کے لئے اور اعراب۔ بادیہ اور صحرانشینوں کے لئے آجتک زبان زد خاص و عام ہے۔ چونکہ ملک عرب تمام تر صحرا ہے بے آب و گیاہ ہے اور ریگستان کا لق و دق میدان۔ علی الخصوص وہ ملکی حصہ جو علاقہ حجاز کے نام سے مشہور ہے۔ اور ہماری موجودہ تالیف کی تصریحات و تفصیلات کا اصلی مقصود یہ علاقہ بادیہ عرب شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی باعث سے اسکا نام عربا قرار پایا۔ پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو بھی عرب کہنے لگے۔

تاریخی شاہدوں سے وجہ تسمیہ عرب کی تحقیق۔ لفظ عرب سب سے پہلے ۱۰۰۰ ق م (قبل مسیح) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں مسموع ہوتا ہے (کتاب الاستثنا۔ آیت ۱۔ ۷۔ ۲۲) اور پھر اسکے بعد عام طور سے اسکا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔ اسیریا (شام) کے کتبات میخی میں ۸۰۰ ق م میں عرب کا نام تحریری لکھا ہے۔ قبل اسلام یہ لفظ پورے ملک کو جو یمن سے شام تک وسیع ہے۔ محیط تھا۔

کتب مقدسہ سے تحقیق۔ توریت میں لفظ عربا ایک خاص قطعہ زمین عرب کے معنی میں بتعدد بار آیا ہے لیکن یقیناً اوس وسعت کے ساتھ اطلاق نہیں ہوا ہے جس وسعت کے ساتھ اب یہ کہا جاتا ہے۔ لفظ عربا سے صرف وہ قطعہ زمین مراد لیا گیا ہے جو حجاز و شام سے سینا تک وسیع ہے۔ عام ملک عرب کے لئے زیادہ تر مشرق اور مشرق کی زمین کا استعمال ہوا ہے اور کبھی جنوب کا۔ کیونکہ عرب فلسطین کے مشرق و جنوب دونوں گوشوں میں ہے۔

قرآن مجید میں لفظ عرب۔ ملک عرب کیلئے کہیں نہیں آیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ یعنی ناقابل زراعت اسکو کہا گیا ہے۔ جو تحقیق وجہ تسمیہ میں۔ جغرافیہ۔ تاریخ اور توریت مقدس سے اوپر لکھی گئی ہے وہ قرآن مجید کی تصریح سے جب مقابل کیجاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے انہیں الفاظ السنہ قدیمہ کا بعینہ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ چونکہ اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا۔ اسلئے خود لفظ "غیر آباد ملک" (عرب) اس کا نام پڑ گیا۔ توریت سے اس سے اسکی تصدیق و تطبیق اسطرح ثابت ہوتی ہے کہ توریت میں بھی اسمٰعیل کا مسکن مدبار بتلایا گیا ہے جس کے معنی بیابان اور غیر آباد قطعہ زمین کے ہیں اور جو بالکل عرب کا ترجمہ اور وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کا مرادف ہے۔

ملک عرب کا جغرافیہ

عرب کے حدود اربعہ۔ ملک کا نام قایم ہوگیا۔ اب جغرافی حالات یہ ہیں۔ ان حالات میں اصول جغرافیہ کے مطابق سب سے پہلے حدود اربعہ کا بیان ضروری ہے اور وہ یہ ہیں۔

شمال میں۔ ایشیائی ترکستان۔

جنوب میں۔ بحر ہند اور خلیج عدن۔

مغرب میں۔ بحر قلزم جسے بحر احمر (ریڈ سی) بھی کہتے ہیں۔

مشرق میں۔ بحر عمان اور خلیج فارس۔

اہل جغرافیہ لکھتے ہیں کہ عرب کے شمالی حدود۔ ایک مختلف فیہ ہیں۔ فی الحال یورپ کے محققین جغرافیہ نے عرب کے شمالی حدود کی جو تحقیقات کی ہے وہ تمام اقطاع عالم میں مسلم ہوچکی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نقشہ عرب میں ۳۴ درجہ ارض البلد سے ایک خط شہر سویز سے خلیج فارس تک کھینچا جائے تو یہی خط ملک عرب کی شمالی حد مانا جائیگا۔

ارض القرآن ج ۱۔ ۷۵۔ ۹۰ و ہیٹن یونیورسل ڈکشنری آف جوگرفی اینڈ ہسٹری مطبوعہ لندن۔ ص ۴۴۳۔ ۴۴۴ لفظ عرب۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب کی شمالی حد اکثر اوقات مختلف فیہ رہی ہے بعضوں نے علاقہ حلب سے لیکر دریائے فرات تک کے قطعہ زمین کو بھی عرب میں داخل بتلایا ہے۔ اون کے اس قول کی بنا فتوحات اسلامی پر قایم ہے۔ کیونکہ اونھوں نے اپنے فتوحاتی وسعت کے ساتھ اپنے ملکی حدود کو بھی بڑھا ہوا خیال کر لیا ہے۔ اسی طرح قدیم تاریخوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے سینا کو بھی اکثر عربی اور یورپین مورخین ملک عرب میں شامل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا مختار یونانی اور رومانی کتابوں پر مبنی ہے۔ جنہوں نے عرب کی تقسیم ملکی میں برالطور سینا (جزیرہ نمائے طور سینا) کو بھی عرب کے حصوں میں قرار دیا ہے اور نمبر اول شمار کیا ہے ممکن ہے کہ اون کا یہ قول بھی قول اول کیطرح اوسوقت کے عرب کی موجودہ حکومت کے رقبہ کے اعتبار پر قایم کیا گیا ہو۔ اور شیوع اسلام سے پہلے شاہان عرب نے اپنے حدود حکومت کو جزیرہ نمائے سینا تک بڑھا دیا ہو۔ مگر بخلاف ان سب قیاسی اضافات کے اصل تحقیقات وہی ہے جس پر تمام علما ئے جغرافیہ کا اتفاق ہو چکا ہے۔ وہ وہی خط ہے۔ جو شہر سویز سے کھینچکر خلیج فارس کے سرے تک پہونچتا ہے اور یہی عرب کی شمالی حد مسلّمہ ہے عربی جغرافیین کا یہ دعوی کہ اون کا ملک معمورۂ عالم کے وسط میں واقع ہے۔ گو ایک مدت تک قیاس غلط اور مفاخرت خاص سمجھا گیا۔ مگر زمانہ موجودہ کی تحقیق جدید سے ثابت ہو گیا کہ ملک عرب درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔

مغرب کی جانب یہ ملک خاکنائے سویز کے ذریعہ سے ملک مصر سے ملا ہوا تھا۔ مگر سنہ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کے کھد جانے سے جدا ہو گیا۔ یہ نہر ۸۷ میل لمبی اور ۵۰ سے لیکر سو گز تک چوڑی ہے۔ اور ممالک مصر، فرانس اور برطانیہ کی متفقہ تجویزوں اور کوششوں سے بنی ہے۔

سواحل اور مشہور بندرگاہیں۔ ملک عرب کی جو شمالی حد اوپر لکھی گئی ہے اوس کے اعتبار سے یہ جزیرہ نما تقریباً طول میں ۱۳۰۰ میل ہے۔ اور شمالی خط ارض البلد کے ۳۴ درجہ پر۔ جہاں یہ سب سے زیادہ عریض پایا گیا ہے۔ اسکا عرض ۱۵۰۰ میل ہے۔ شمالی حد کے پاس جہاں سب جگہ سے کم اسکا عرض پایا جاتا ہے۔ وہاں اس کی چوڑائی کل ۹۰۰ میل ہے۔ اسکا مغربی ساحل جو بحر احمر سے ملا ہوا ہے سنگین اجزا سے ملی ہوئی زمین ہے اور بالکل بنجر یعنی ناقابل زراعت۔ اسکے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہے جنمیں کوئی دو ہزار فیٹ سے اونچا نہیں ہے۔ اس ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں، مگر ہاں، چھوٹے چھوٹے جزائر البتہ ہیں۔ جن میں آتش فشاں مادہ رکھنے والے پہاڑ واقع ہیں۔ آبنائے باب المندب کے ابتدائی حصہ میں جزیرہ پیرم واقع ہے۔ جو فوج کا ایک قابل الذکر مرکزی مقام ہے۔ جنوبی مشرقی ساحل کی بھی زمین کے اعتبار سے یہی حالت ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس ساحل پر عدن، مطرقا، اور شاشوم کی ایسی مشہور و معروف

بندرگاہیں واقع ہیں۔ شرقی ساحل جو بحر ہند سے لیکر بحر عمان تک تمام ہوتا ہے۔ بہت ہی آباد ہے۔

رقبہ ملک - جزیرہ نمائے عرب طول میں کم سے کم ۱۲۰۰ میل اور زیادہ سے زیادہ ۱۸۰۰ میل بتلایا جاتا ہے اور عرض میں ۶۰۰ سو میل مربع۔ کل رقبہ بارہ لاکھ تیس ہزار میل مربع ہے۔ باعتبار رقبہ کے ملک عرب جرمن اور فرانس سے چار گونہ بڑا اور ہندوستان سے ایک ثلث کم وسیع ہے۔

آبادی - آبادی ایک کرڑ دس لاکھ ہے۔ جس میں پانچواں حصہ بدو قوموں کا ہے۔ بدو۔ بادیہ سے ماخوذ ہے باقی اور قومیں شہر۔ قصبات اور دیہات میں رہتی ہیں اور عرب الحضر کہلاتی ہیں۔ بدو قومیں یعنی عرب البادیہ ہمیشہ خانہ بدوش رہتے ہیں۔ یہ اونٹوں۔ بھیڑوں اور عموماً مویشیوں کو پالتے ہیں۔ ہمیشہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خیموں میں رہتے ہیں اور برابر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوا کرتے ہیں۔ جب ایک مقام پر ان کی مویشیوں کا چارہ۔ اور پانی پینے کا چشمہ خشک ہو جاتا ہے۔ تب ان کو دوسرے مقام پر جہاں ان کی ضرورت کی یہ دونوں چیزیں دستیاب ہوتی ہیں چلے جانے کی مجبوری ہوتی ہے۔ یہ لوگ صحرا نوردی اور دشت پیمائی کی آزاد اور سادہ زندگی کو شہر اور قصبات کی مقامی سکونت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اون کی اس ترجیح کا دعویٰ کچھ آج سے نہیں ہے۔ بلکہ ہزارہا برس قبل سے وہ ہمیشہ سے اپنی قدامت کے دلدادہ ہیں۔ اور ایسے شیدائی کہ اونھوں نے اپنے وطن کی اصلیت اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ملک و قوم کو موسوم کیا۔ جیسا کہ وجہ تسمیہ عرب میں ابھی ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔ قدامت اور اصلیت کے ایسے عاشق کامل کہ باوجود لاتعداد امتداد ایام کے بھی نہ اونکے ملکی رسم و رواج میں ابھی تک کوئی فرق آیا ہے اور نہ قومی وضع و لباس میں جنگ و جدال۔ خون و قتال گویا اون کی فطرت کے خاص عناصر تھے۔ مگر جب سے اسلام کی مبارک تعلیم نے ان میں تہذیب اور شائستگی پھیلائی۔ تو قساوت شجاعت اور بسالت کی صورت میں آگئی۔ لوٹ مار اور ایذا رسانی۔ مہمان نوازی اور آرام رسانی کی اخلاقی خوبیوں میں ظاہر ہوئی۔ شدہ شدہ وہ سلطنت اسلامی کی نگرانی میں تعلیم پاکر قوم و وطن کے بہت بڑے بہادر اور شجاع سپاہی اور اپنی مملکت کے فیاض اور بڑے مہمان نواز ثابت ہوئے۔ اون کی ہمسایہ اور ہم وطن قوموں کے علاوہ تمام دنیا کی غیر قوموں نے بھی اون کی ہمت۔ شجاعت۔ فیاضی اور مسافر نوازی کو تسلیم کرکے بیحد تعریف کی ہے۔ تمدن عرب کا فرانسیسی محقق لکھتا ہے۔

لہ تمدن عرب۔ تاریخ الاسلام۔ ارض القرآن۔ ہینس یونیورسل ڈکشنری

خلفائے راشدین کے وقت میں اسلامی فوج کا بہت بڑا حصہ یہی بدوی تھے۔ بدوی فہم و ادراک میں حقیقتاً تمام دنیا کی گلہ چرانے والی قوموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے بارہا گفتگو کی ہے۔ کسب معیشت کے متعلق ان کے خیالات بہتر ہے یوروپین تعلیمیافتہ لوگوں سے بہتر ہیں۔ رسوم و عادات میں نیم وحشی ہیں۔ مگر خیالات میں وحشی نہیں۔ یہ لوگ اگر وحشی کہے بھی جائیں تاہم فہمیدہ او ذہین ضرور ہیں۔

علاقہ شام کے سرحدی بدوی

یہ قوم چار مختلف قبائل پر منقسم ہے۔ (۱) دروز۔ عام بدیوں سے نطرتاً اور عادتاً بہت قریب ہیں۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں کا ایک معزز اور خود مختار فرقہ ہے۔ یہ لوگ بڑے جری ہیں۔ ان میں اور لبنان کے موارنہ میں سخت عداوت ہے (۲) موارنہ۔ یہ نصرانیوں کا ایک معزز اور لافانی فرقہ ہے جس سے اصل موقع پر بہادری کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ (۳) متاولہ۔ کوہستان عرب میں آباد ہے۔ ان کا مذہب امامیہ ہے سخت متعصب ہیں کبھی کسی اجنبی کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ بالکل علیحدہ رہتے ہیں۔ (۴) نصیریہ یہ ایک بالکل جداگانہ پہاڑی قوم ہے۔ ان کا مذہب (بظاہر) اسلام کی ایک شاخ ہے۔ مگر نہایت مختلف۔ تناسخ کے بھی قائل ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

عرب مستوطن۔ مستوطن عرب بدؤں کی طرح نیم وحشی نہیں کہے جا سکتے وہ اپنے کمالات صفات اور معلومات کے اعتبار سے دنیا کی اور شائستہ قوموں سے پیچھے نہیں ہیں۔ یورپین مشہور سیاح مسٹر پالگریو کے اعترافات سے اہل عرب کے ان اوصاف پر ثبوت کی کافی روشنی پڑتی ہے۔ عرب ساکنان عمان کی نسبت یہ مشہور و معروف سیاح رقمطراز ہے کہ علاقہ نجد میں ایسے اشخاص کثرت سے پائے جاتے ہیں جو انگریزوں کی طرح کلیں (مشینیں) بنا سکتے ہیں اور آسانی سے ریلوے کی پٹریاں بچھا سکتے ہیں علاقہ یمن میں دو دارالعلوم کام کر رہے ہیں۔ ایک شہر زبید میں اور ایک شہر ظفار میں۔ اگرچہ یہ دارالعلوم جامع الازہر کی طرح مشہور تو نہیں ہیں۔ لیکن ملک کے تعلیم دوست اور روشن خیال طبقات میں اشاعت علمی کا بہت بڑا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

کچھ آگے چل کر یہی یورپین فاضل لکھتا ہے کہ میں نے بہت سفر کیا ہے۔ اور مختلف اقوام کے ساتھ میرے روابط وابستہ رہے ہیں جن میں افریقی۔ ایشیائی اور اہل یورپ سب شامل ہیں۔ لیکن ان میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسے وسط عرب کے عربوں پر ترجیح دی جا سکے۔ ان مستوطنین عرب (عرب الحضرا) کی ابھی وہی زبان (تقریباً) ہے جو بدوی عرب کی ہے اور ان کی رگوں میں بھی وہی خون

---

۵ تمدن عرب۔ تاریخ اسلام۔ ج ۱

دوڑتا ہے جو ادن کی شریانوں میں۔ لیکن تاہم شتان بینہما دونوں میں فرق عظیم ہے۔

پھر کچھ آگے چلکر یہی قابل مصنف علاقہ نجد کے وہابی فرقہ عرب کے متعلق لکھتا ہے کہ وہابی عرب بمقابل دوسرے عربوں کے بخیل اور مشکل مہموں میں شریک ہونے پر کم آمادہ ہوتے ہیں۔ نہ وہ شمل اور عربوں کے رنگیلے ہیں۔ نہ صاف دل ہیں۔ نہ کشادہ پیشانی۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ زیادہ ثابت قدم اور زیادہ عقلمند ہیں۔ ادن کی باتوں سے ادن کا دلی مدعا بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے ارادوں میں نہایت مضبوط ہیں۔ دشمنی میں سخت اور دوستی میں اُن لوگوں کے ساتھ جو ادن کے ہمقوم نہیں ہیں۔ نہایت مشتبہ۔ اِن کی خاموشی خشن بلکہ عبوس صورتیں شمالی عربوں کے نیک اور خندہ رو کی گویا د دلاتی ہیں۔ وہ ہرگز فوری پرجوشیوں پر کام نہیں کر بیٹھتے۔ بلکہ قبل سے سوچے ہوئے اور سمجھے ہوئے خیال پر عمل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ادن کے فہم و ادراک خود غرضی سے آلودہ ہیں۔ لیکن ادن کے عزم قوی ہیں۔ اور اُن کی ثابت قدمی نے ان کو اس لایق بنا دیا ہے کہ وہ اپنی تمدنی حالت کو نہایت مضبوط کرلیں۔ اور اپنے ہمسایوں پر ظالمانہ حکومت کرسکیں۔ شدید اتحاد باہمی کی وجہ سے۔ اِن کی کامیابی بمقابل ایسے دشمن کے یقینی ہے۔ جسے آپس کی پھوٹ نے کمزور کر رکھا ہو۔ وہابیوں کے یہ خصائص اُنکے روزمرہ کے حرکات و سکنات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان سے گفتگو کرتے وقت انسان کو ضرور ہے کہ اپنے الفاظ و اشارات کا ویسا ہی خیال رکھے۔ جیسا کہ کسی دشمن سے گفتگو کرتے وقت رکھا جاتا ہے۔

سطح زمین عرب۔ سطح زمین کے اعتبار سے جزیرہ نماے عرب تقریباً مرتفع میدانوں کا تختہ ہے جو خاصکر پورب اور دکن کی طرف بہ نسبت اور جوانب کے زیادہ اونچا ہے جن میں بعض بعض نشیب کے مقامات سبز و شاداب وادیوں سے بھرے ہیں۔ عموماً سطح زمین کی اونچائی ایکہزار سے لیکر تین ہزار فیٹ تک ہے۔ جزیرہ نماے سینا اس فاضل مغربی کے نزدیک سینا داخل عرب ہے۔ مثلث نما ہے۔ جس کے پچھم خلیج سوئیز اور پورب خلیج عقبہ واقع ہے۔ اس کی زمین بالکل سنگلاخ ہے۔ اور اس کے وسط میں کوہ سینا واقع ہے۔ کوہ سینا کا سلسلہ مشرقی ساحل سے شروع ہوکر خلیج فارس کے کنارے کنارے ہوتا ہوا جزیرہ نماے ستدان میں داخل ہوتا ہے۔ اِن کی اونچائی دو ہزار سے لیکر تین ہزار فیٹ تک ہے۔ خلیج فارس کے دہانے پر جزیرہ کویت واقع ہے۔ اور وہ فی الحال بہت اچھی بندرگاہ ہے۔ اس کے جنوبی مشرقی حد وہ پتلا زمین کا حصہ ہے جس میں سب سے آگے راس مسندم واقع ہے۔ یہ قطعہ زمین شمال و مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہاں سے فاصلہ پر بحر عمان واقع ہے اور وہ بحر ہند سے جاکر مل جاتا ہے۔ خلیج عمان کے جنوبی مغربی کنارے پر مسقط کی خوشنما بندرگاہ واقع ہے۔

عرب کے پہاڑ۔ پہاڑوں کے دو سلسلے شمال و مشرق اور جنوب و مغرب کی طرف جبل اجا اور جبل سلمیٰ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ جن کی سب سے اونچی چوٹی سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فیٹ اونچی ہے۔ جبل الطویق جو ملک عرب کی ریڑھ (استخوان پشت) کہلاتا ہے ٹھیک اوتر سے دکن کی طرف جاتا ہے۔ اس سے اور خلیج فارس سے کہیں سو میل کہیں دو سو میل کا فاصلہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ علاقہ عقبہ میں جبل الاخضر کی چوٹیاں چھ ہزار فیٹ اونچی ہیں۔

عرب کے دریا۔ اس ملک میں کوئی دریا کشتی چلانے کے قابل نہیں ہے۔ جو بھی چند چشمے ہیں وہ گرمی کے دنوں میں تمام تر خشک ہو جاتے ہیں۔ ملک کے اکثر علاقوں میں کئی کئی مہینوں تک پانی کی ایک بوند نہیں برستی۔ لیکن عجیب قدرت خداوندی یہ ہے کہ یہاں کے پہاڑوں سے ہمیشہ چشمے جاری رہتے ہیں۔ جن سے دامن کوہ اور وادیاں عموماً سرسبز و شاداب رہتی ہیں۔ کبھی کبھی یہی چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک سیفوی دریا بن جاتے ہیں۔ پھر وہ ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندر میں مل جاتے ہیں۔ ملوک عرب نے انہیں چشموں کے روکنے کیلئے بند بنائے تھے۔ کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ چشمے ابل کر بصورت سیلاب پر خطر ہو جاتے ہیں۔ بند ارم۔ بند مآرب انہیں کی یادگاریں ہیں۔

عرب کا صحرائے عظیم۔ اہل عرب اس صحرائے عظیم کو ارض الدہان کہتے ہیں۔ یہ صحرا ملک کے جنوب میں واقع ہے۔ ارض الدہان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبان عرب میں دہان کے معنی سرخ کے ہیں۔ چونکہ اس صحرا کی ریگ سرخ رنگ کی ہے اس لئے اس کا نام ارض الدہان قرار پایا۔ یہ لق و دق صحرا رقبہ میں تقریباً پچاس ہزار میل مربع ہے اور تمام رقبہ ملک کا پانچواں حصہ ہے اس صحرا کی وسیع زمین میں سوا ریت کے بڑے بڑے تودوں اور انباروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ملک کے باشندے بھی اور گرد و نواح کے متوطن قبائل و قوافل بھی اس صحرائے عظیم کو بہت کم طے کرتے ہیں۔

عرب کی آب و ہوا۔ ملک عرب بھی افریقہ کی طرح تمام اقطاع عالم میں خشک ترین قطعہ زمین ہے۔ جغرافی مناسبت اور قربت کے اعتبار سے تمام ممالک ایشیا میں جزیرہ نمائے عرب کو شمالی افریقہ سے پوری مماثلت ہے۔ کوہستانی مقامات میں آب و ہوا اعتدال کے درجہ پر رہتی ہے۔ مگر غیر محفوظ اور غیر سایہ دار علاقہ جات میں ناقابل برداشت گرمی پڑتی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ مہلک باد سموم۔ جسے باد خمسین بھی کہتے ہیں۔ چلا کرتی ہے۔ یورپین مشہور و معروف سیاح اور مورخ مسٹر ڈوزی عرب کی باد سموم کی نسبت لکھتا ہے۔

باد خمسین۔ باد خمسین یا باد سموم کے آثار قافلوں پر آناً فاناً ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پہلے افق کی طرف سے آسمان پر ایک ہلکی سی سرخی نظر آتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ سرخی سیاہی سے بدل جاتی ہے۔ پھر دفعتاً وہ

سیاہی زردی سے تبدیل ہوجاتی ہے۔ آفتاب سے کرنیں مفقود ہوجاتی ہیں۔ اور وہ گویا خون کا ایک قرص ہوکر رہ جاتا ہے۔ زمین اور آسمان کا جوف مہین مہین ریت کے ذروں سے بھر جاتا ہے۔ اور ہوا کی حرکت سے وہ ذرے تمام زمین کی سطح پر اس طرح پھیل جاتے ہیں۔ جیسے طوفان آنے کے وقت سمندر کا پھین اوڑ اوڑ کر ساحل کی سطح پر پھیل جاتا ہے۔ یہی علامات بتلا دیتے ہیں کہ میدان سے فوراً کسی طرف بھاگ جانے کا وقت آگیا۔ کیونکہ چشم زدن میں بادسمین کے مار ڈالنے والے جھونکے پہونچتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر میں صحرا کی بے انتہا اور اندازہ سے باہر ریت کی مقدار اُڑ اُڑ کر سمندر کی لہروں کا عالم دکھلاتی ہیں۔ غریب اور بدنصیب مسافر کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ آنکھیں بالکل سرخ ہوجاتی ہیں۔ ہونٹھ خشک ہوکر آگ کی طرح جلنے لگتے ہیں۔ سواری کے اونٹوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ کبھی تو وہ اس آفت سے گھبرا گھبرا کر میدان میں دوڑنے لگتے ہیں۔ کبھی تھک کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنی لمبی لمبی گردنیں ریت کے تودوں میں چھپا دیتے ہیں۔ اور جیوں جیوں ہوا کا طوفان بڑھتا جاتا ہے اپنی تھوتھنیوں کو زمین پر دہڑا دہڑ پٹکتے جاتے ہیں۔ اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر طوفان کے گرد و باد میں قافلہ نے راہ گم نہیں کی تو وہ کسی پتھر کے نیچے یا کسی غار کے اندر چھپ رہنے کی کوئی محفوظ جگہ ڈھونڈھ لیتے ہیں اور طوفان کے گذر جانے تک کا انتظار کرتے ہیں لیکن اگر بدقسمتی سے اس بادیہ لاانتہائی میں قافلہ نے راہ بھلادی اور چھپ رہنے کی کوئی محفوظ جگہ بھی نہیں ملی تو پھر انسان اور بے منہ کے حیوان کے حواس گم ہوجاتے ہیں۔ جان بچانے کی عقل جو فطرت کی طرف سے ہر ذی روح میں ودیعت ہوئی ہے۔ بالکل سلب ہوجاتی ہے۔ اعضا و جوارح ایک ایک کرکے جواب دیجاتے ہیں۔ تمام جسمانی طاقتیں زائل ہوجاتی ہیں۔ بالآخر گرمی کی شدت سے انسان بالکل خستہ اور پریشان ہوکر دردسر کے شدید دوران میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ عضو عضو کی طاقت جواب دیدیتی ہے۔ قافلہ کا قافلہ ریت کی سربفلک موجوں میں بیٹھ جاتا ہے اور ذرا سی دیر میں مسلسل ریت کا انبار اون کو بڑے بڑے تودوں کے نیچے ایسا دبا دیتا ہے کہ اون کا نام و نشان ہی نہیں رہتا ہے۔ تا اینکہ مدت مدید کے بعد۔ نظام قدرت نے اگر پھر وہاں کہیں ایسا ہی سامان پیدا کردیا اور ایسا ہی طوفان آیا اور اُن کی موجوں نے ریت کے انبار کو اڑا دیا تو انسانوں اور حیوانوں کی سفید سفید ہڈیوں سے نمودار ہوکر اُن کی داستانیں ہمارے سامنے کھولکر رکھدیں اور بتلادیا کہ ان کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھو لوکہ یہ بادسمین کے کارنامے ہیں۔

عرب کے اندرونی حصوں میں عموماً زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ صحراؤں میں دن کے وقت آدمیٔنیا سر[illegible]

۱۰۹½ اور رات کے وقت ۱۰۰ درجہ سے کم نہیں ہوتا۔ یمن میں آخر جولائی تک کبھی پارہ ۸۴ درجہ سے متجاوز نہیں ہوتا۔ صنعا علاقہ یمن میں تو جاڑوں میں برف پڑتی ہے جس شدید گرمی اور خشکی کا ذکر ہوا ہے وہ عرب کے ہر حصہ میں نہیں پائی جاتی۔ بعض حصے جو رقبہ میں یورپ کے بڑے اور مشہور ممالک سے کم نہیں۔ ایسے موجود ہیں جن کی زمین بہت اچھا محاصل دیتی ہے۔ جیسے علاقہ یمن اور نجد۔ جہاں نہایت اعلیٰ پیداوار ہوتی ہے۔ بالکریو یمن کی آب وہوا کو تمام دنیا کی آب وہوا پر ترجیح دیتا ہے۔ یہاں کے گھوڑے تو ساری دنیا میں لاجواب مانے گئے ہیں۔ علاقہ عقبہ میں جابجا چشمے اور ندیاں (وادی) پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہیں کھجوریں اور چارہ پیدا ہوتا ہے۔ اون صحراؤں میں بدوی تو میں اپنی مویشیوں کے ساتھ رہا کرتی ہیں۔

عرب کے اشجار۔ سواحل کے قریب سبزہ و شاداب علاقوں میں۔ انار۔ خوبانی۔ شفتالو۔ سیب۔ بیر۔ انجیر بادام۔ پستہ۔ انگور۔ لیموں۔ خربزہ۔ سیم۔ تمباکو۔ تیج۔ سیاہ مرچ۔ خوشبو۔ مہندی۔ ادرک۔ جھاؤ گلاب۔ نرگس۔ بنفشہ۔ نیل وغیرہ بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں کے کاشتکاروں کو مینہ کا پانی۔ کنوؤں اور تالابوں میں جمع رکھنا پڑتا ہے۔ بعض حصے ملک کے ایسے بھی ہیں جہاں گھانس تک نہیں اگتی۔

عرب کے حیوانات۔ اونٹ۔ گھوڑے۔ خچر۔ گدھے۔ بیل۔ بھینس۔ نیل گائے۔ بھیڑ۔ دنبے ہرن۔ شیر۔ چیتے۔ تیندوے۔ بیرغ۔ بھیڑئے۔ لومڑی۔ اور گیدڑ وغیرہ درندے بھی ہوتے ہیں۔ ٹڈیاں (ملخ) اگرچہ نقصان عظیم پہونچاتی ہیں۔ مگر اکثر اوقات صحراؤں میں مسافروں اور اُن کی سواری کے جانوروں کی غذا میں کام آتی ہیں۔ تمام جانوروں میں گھوڑے اور اونٹ نہایت اعلیٰ درجہ کے اور مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اونٹ تو خاص الخاص عرب کا جانور تمام عالم میں مشہور ہے۔ عرب اپنے گھوڑوں کو مثل اپنے فرزندوں کے پالتے اور عزیز رکھتے ہیں۔ اور اون کی نسل کو ہرگز ہرگز بگڑنے نہیں دیتے آدمیوں کی طرح اون کے نسب نامے تیار رکھتے ہیں۔ پرندوں میں۔ مرغ۔ شتر مرغ۔ بٹیر۔ باز۔ شکرا۔ کبوتر۔ فاختہ۔ گیدہ۔ کوا۔ چیل۔ ہدہد۔ اور آبی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عرب کے غلے اور دیگر پیداوار۔ جوار۔ جو۔ باجرا۔ گیہوں۔ مٹر۔ ملک کے شاداب حصوں میں پیدا ہوتا ہے۔ بن اور کھجور عرب کی خاص پیداوار ہے۔ یہ دونوں چیزیں یہاں سے بہتر دنیا بھر میں کہیں نہیں ہوتیں۔ کھجور (رطب) ملک کی خاص خوراک ہے۔ ناریل۔ لوبان۔ تیزپات۔ بنانے کی مختلف

۵ بینس یونیورسل ڈکشنری ۱۴۴۳۔ جغرافیہ عرب۔ اسپرٹ آف اسلام۔ تاریخ الاسلام۔

اقسام کے گوند۔ عود۔ مُر۔ اور بلسان بھی اس ملک کے ساتھ مخصوص ہیں۔

معدنیات۔ تانبے اور لوہے کی کانیں تو جا بجا اکثر پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی زمین چاندی اور سونا بھی پیدا کرتی ہے۔ علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب صفۃ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نشان بتلایا ہے۔ اور انگریزی سیاح مسٹر برٹن نے تو مدین کی طلائی معادن پر ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام گولڈ مائنس آف مدین ہے۔ ملک کا دامن اور جواہروں سے بھی بھرا پڑا نظر آتا ہے یمن میں لال ہوتا ہے اور بیش بہا عقیق۔ اکثر مقامات میں فیروزہ اور جزع یمانی کے معادن بھی پائے جاتے ہیں۔ بحرین کی زمین تو گویا موتی پیدا کرتی ہے اور گویا تمام دُنیا کے دامن سوال موتیوں سے بھر دیتی ہے۔

عرب کی ملکی تجارت۔ عرب قدیم الایام سے تجارت پیشہ ملک ہے۔ توریت باب القضاۃ ۲۴-۲۶ میں اس کے سونے۔ چاندی اور بخورات کا کثرت سے ذکر مرقوم ہے۔ قدیم مورخ یونان ہیروڈوٹس کی تاریخ میں عرب کی قدیم تجارت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں اس کی تجارت روم۔ افریقہ۔ ایران۔ ہندوستان اور یورپ کے ساتھ جاری ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں صرف موتیوں کی تجارت کی لاگت ۱۲ لاکھ پونڈ کے قریب اندازہ کیگئی ہے (ارض القرآن)۔ عرب کی تجارت زیادہ تر قافلوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ عرب میں سڑکیں نہیں ہیں۔ کاروانوں کے راستے اکثر وادیوں سے ہو کر نکلتے ہیں۔ مگر کثرت آمد و رفت سے یہ راستے ہمارے ہاں کی سڑکوں سے زیادہ ہموار اور استوار ہو جاتے ہیں اور جادے کہلاتے ہیں۔ عرب میں ابھی تک قافلوں کے وہی راستے ہیں جو قدیم الایام سے چلے آتے ہیں۔ یہ اون کی قدامت پسندی کی خاص دلیل ہے۔ ان میں زیادہ معروف وہ راستے ہیں۔ جو دمشق سے بغداد۔ ریاض سے مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اور مسقط سے بغداد اور دمشق کو جاتے ہیں۔ اور اب تو حلب سے لیکر مدینہ منورہ تک ریلوے جاری ہے جو حجاز ریلوے کے نام سے مشہور ہے۔ اور برابر اطراف و جوانب میں ریلوے اور موٹر گاڑیوں کے انتظام خصوصاً عراق و شام کے علاقوں میں ہوتے جاتے ہیں۔

ملک عرب کی تقسیم قدیم

یونان و روم کے قدیم جغرافیہ دان۔ ایراستھنیس۔ استرابو اور بطلیمی نے عرب کو دو قدرتی حصوں پر

۞ ارض القرآن۔ ہسٹورینز یونیورسل ڈکشنری۔ تاریخ الاسلام

تقسیم کیا ہے۔ شمالی اور جنوبی۔ لیکن اس سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس کی تقسیم ہوئی اور اب تک یورپین جغرافیہ نویس اور سیاح اسی تقسیم کی تقلید کرتے ہیں۔

بطلیموس نے تمام ملک کو تین طبعی حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عرب آباد ان (العرب المیمونۃ) ARABIA FLEX اور عرب ریگستان (العرب الرمال) ARABIA DESERTA اور عرب سنگستان (العرب الحجر) ARABIA PETRECA

عرب آباد ان۔ یا عرب المیمونہ۔ بقیہ تمام جزیرہ نمائے عرب کو جو مغرب میں بحر احمر مشرق میں خلیج فارس۔ جنوب میں بحر ہند اور شمال میں عرب سنگستان اور عرب ریگستان سے محاط ہے۔ کہتے ہیں جس میں بحر احمر کے ساحل پر حجاز سواحل بحر احمر و ہند پر یمن۔ حضر موت اور سواحل خلیج فارس پر عمان و بحرین اور وسط عرب میں۔ یمامہ اور نجد داخل ہیں۔

عرب سنگستان یا عرب الحجر مغرب میں مصر کی سرحد سے جزیرہ نمائے سینا سے گذر کر مغرب میں بصرہ پر ختم ہوتا ہے۔ جو عرب کا ایک قدیم شہر ہے۔ شمال و مغرب میں ادھر تک اس کا گوشہ جاتا ہے۔ اور اس کی پشت پر شمالی و مغربی یہودیہ اور فلسطین کا نام پڑتا ہے۔ جنوب میں عرب ریگستان اور عرب آباد ان ہے۔ عرب ریگستان کی مشرقی و شمالی حد نہر فرات و الجزائر سے شروع ہو کر مغربی و شمالی حد میں عرب سنگستان یا عرب الحجر کی مغربی و شمالی پر ختم ہوتی ہے۔ جنوب میں عرب آباد ان یا عرب المیمونہ واقع ہے۔

یونانی اور رومانی فاتحین نے عرب پیریا (عرب سنگستان) اور عرب ڈزرٹا (عرب ریگستان) کو فتح کر لیا تھا۔ اس لئے وہ اسکے حالات سے واقف تھے۔ عرب آباد ان کے صرف سواحل سے ان کو آگاہی تھی اور ایک آدھ غلط سلط اندرونی قبائل و اقطاع کے نام بھی انھوں نے سن لئے تھے۔

حسب تحقیق ڈاکٹر اسپرنگر۔ بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب آباد ان کے ۵۴ قبائل۔ ۱۶۴ مقامات ۵۰ کوہستانی سلسلے اور ۴ دریاؤں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اسطفینوس STEPHEN اور پلینی PLENY نے بھی بعض نام گنائے ہیں۔ لیکن اسباب خواہ جو کچھ ہوں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دس پانچ ناموں کے سوا۔ اب وہ سب غیر معروف ہیں۔

تحقیق مد بطلیموسی پر تنقیدی نظر۔ غیر محققین بطلیموس کا تو یہ کہتے ہیں کہ ان ناموں کا وجود مصداق بطلیموس کے دماغ کے سوا کہیں خارج میں نہیں پایا۔ عرب کے خالی از معلومات اوراق کو پُر کرنے کے لئے نام اپنی طرف

سے گڑھ لئے ہیں۔ ایک مصنف اسکی ایک معقول وجہ بتاتا ہے۔

اکثر ان اقطاع عرب میں آبادی کا کبھی کوئی باقاعدہ و مقرر اصول نہیں رہا ہے۔ جس کا بطلیموس نے نشان دیا ہے۔ اگر بطلیموس کے ناموں میں کوئی حقیقت ہے، تو وہ کنوئیں ہوں گے، یا نخلستان۔ جہاں کاروان اور قافلے اپنے خیمے ڈیرے کھڑے کر دیتے ہوں گے۔ بطلیموس کے نہ صرف جغرافیہ عرب بلکہ جغرافیہ عالم کے متعلق علما کو یہی شکایت ہے اور اس کے وجوہ بھی بتاتے ہیں۔ سب سے چوتھی صدی ہجری میں مسعودی کہتا ہے۔

الا ان اسماءھا فی ھذا الکتاب بالیونانیۃ متعذر فھمھا۔ جغرافیہ بطلیموس میں یونانی ناموں کو سمجھنا مشکل ہے۔ مروج الذہب ج اول ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر و حاشیہ نفح الطیب۔

ساتویں صدی ہجری میں یاقوت کی مقدمہ معجم میں شہادت ہے۔

جھلت اکثر الاماکن التی ذکرت فیھا و ابھم علینا امرھا و عفت بطاول الزمان فلا تعرف میں جغرافیہ بطلیموس کے بیان کردہ مقامات سے ناواقف ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتے کہ مرور زمانہ سے وہ سب مٹ گئے اور اب مجہول ہیں۔

سب سے آخر میں دسویں صدی ہجری میں لفظ جغرافیہ کے تحت میں کاتب چلپی کا بیان ہے۔

لکن بلدانہ بسبب کثیر ما ذکرہ و تغیرات اسماءھم فانسد باب الانتفاع منہ بطلیموس کے بیان کردہ مقامات بہت کچھ بدل گئے اور ان کے اطلاعی منافع سے فائدہ اوٹھانے کے ابواب مسدود ہو گئے۔

لیکن معتقدین بطلیموس، اس الزام سے برہم ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یونانی اللہجہ ناموں کی عرب جغرافیہ نویسوں کے بلکہ حال کے سیاحین یوروپ کے بیان سے تطبیق دی جائے۔ ریورنڈ فارسٹر نے ۱۸۴۴ء میں جغرافیہ عرب کے دوسرے حصہ میں ۱۰۹ سے ۲۹۴ تک ۱۸۶ صفحے ان ناموں کی تحقیق و تصدیق و تطبیق میں صرف کئے ہیں اور ہر جگہ اپنی عالمانہ جہالت کی عجیب و غریب مثال پیش کی ہے۔ غریب فارسٹر کو نہیں معلوم کہ یہ قبائل کب پیدا ہوئے، ان مقامات میں کب آباد ہوئے اور عربی میں ان کا صحیح نام کیا ہے۔ وہ بطلیموس کے لکھے ہوئے قبائل کے ناموں کو حروف کے ہیر پھیر سے موجودہ قبائل کے ساتھ تطبیق دیتا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ اب قدیم قبائل کا علی الاکثر نشان بھی نہیں۔ وہ فاتحانہ شان کے ساتھ عہد اسلام میں کہاں سے کہاں نکل کر آباد ہو گئے۔ موجودہ قبائل کے نام بالکل نئے ہیں۔ قبائل کے مساکن کی تعیین اگر ہو سکتی ہے تو صرف جغرافیین عرب کے بیانات سے۔

فارسٹر کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۷۹ء میں جغرافیہ عرب قدیم ANCIENT GEOG OF ARAB کے نام سے چھپوائی ہے۔ اس میں اسی قسم کی کوشش کی ہے۔ مجھے اون کی کامیابی کا حال نہیں معلوم ہو۔

اون کے مرتبہ نقشہ عرب قدیم کے سوا۔ اصل کتاب مجھے نہیں ملی ارض القرآن جلد اول ۱۷۰۰۷ص ارض القرآن کے فاضل معاصر کو یورپین محققین کے ان قیاسات واہیات پر تعجب نکرنا چاہیئے۔ اونکو اپنی تحقیق عالم میں کمال مطلق دکھانے کے ساتھ ساتھ تمام دنیا کی زبانوں پر اکیلے علم واطلاع رکھنے ہی کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ اون زبانوں میں زباندان ہونے کا بھی پورا پورا فخر حاصل ہے۔ مجھ کو چند عیسائی احباب سے ان امور میں ذاتی تجربہ حاصل ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ۔ ایک کتاب میں "تنبیٰ" (نبی مبعوث کیا گیا) کے معنی تنبی کرنے کی بنا ڈالی گئی، ترجمہ فرماتے تھے۔ اور مجھے اپنے غلط فہمی کے اصرار پر گھنٹوں اولجھے رہتے۔ میں نے اس کتاب میں ریورنڈ فارسٹر صاحب کے ان قیاسات و خیالات کے مسلسل اور مکمل انکشافات مندرج کئے ہیں۔ جن کی علمی تحقیقات نکتہ رسی اور صحیح سخن فہمی کی خوبیوں میں چار کیا آٹھ چاند لگ جاتے ہیں۔ یہی حالت ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی تحقیق و تطبیق کی بھی ہے۔ اون کی کتاب مدت سے میرے پیش نظر ہے۔ اون کے قیاسات وانطباقات بھی فارسٹر صاحب کی طرح "سوال از آسمان و جواب از ریسمان" کا حکم رکھتے ہیں۔ جن کو دیکھکر اور پڑھکر سنجیدہ اور فہمیدہ ناظرین کتاب مہذبانہ انداز سے تبسم زیر لب فرماکر رہ جائینگے۔ اور بس۔ مگر ہاں۔ اتنا لکھ دینا اور بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ ریورنڈ فارسٹر صاحب کی عالمانہ جہالت سے اسپرنگر صاحب کی غلط فہمی کا درجہ کم ہے۔ میں نے ان صاحب کے غلط معنی اور غلط ترجموں کو اس کتاب میں اپنے اپنے مقامات پر لکھکر بتلا دیا ہے اور اکثر مقامات پر اونکی تصحیح بھی کردی ہے۔"

المولف

سید اولاد حیدر عفی عنہ۔

بہر حال۔ عرب کے جن مقامات کے نام یونانیوں اور رومانیوں کی کتابوں میں آتے ہیں۔ ہم اُن سب کا عربی صحت کے ساتھ ایک نقشہ مرتب کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں

نمبر	یونانی تلفظ	تلفظ بخط اردو	صحیح عربی نام	کیفیت
۱	MACARABA	مکارَبا	مکہ ربّہ	ربّہ کے معنی اعظم کے ہیں
۲	IATHREPPA	اتھرپا	یثرب	زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ کا نام
۳	IAMBIA	انبیا	ینبوع	حجاز کا ایک ساحلی نام
۴	DUMATHA	دُومیتھا	دُومۃ	دومۃ الجندل شمالی عرب کا ایک شہر
۵	EGRA	اجرا	حجر	ثمود کا دار الحکومت حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر
۶	THAMIA	تھمیا	تیمار	انتہائے حجاز میں بجانب شام ایک شہر
۷	MADAUNA	مداونا	مدین	حجاز کے قریب ساحل بحر احمر پر حضرت شعیب کا شہر
۸	SUPPHOR	سفار	ظفار	یمن میں ایک قدیم شہر
۹	ADANA	عدانا	عدن	ساحل بحر سند پر یمن کا ایک بندر
۱۰	MINAI	مینائی	مُعین	یمن میں ایک قدیم آبادی
۱۱	MARIABA	ماربا	مآرب	یمن کا قدیم دار الحکومت
۱۲	NEGRANA	نجرانا	نجران	یمن میں ایک نصرانی آبادی
۱۳	CHTRAMOTI	کٹراچیرموتی	حَضَرمَوت	ساحل بحر جنوبی عرب میں ایک شہر یمن کے پاس
۱۴	MACCALA	مکالا	مکلا	جنوب میں ساحل بحر عرب پر
۱۵	GERRHAI	گرہائی	قریہ	یمامہ میں ایک شہر
۱۶	CATABAI	قتابائی	قتاب	قدیم یمن میں ایک شہر
۱۷	KARNAI	قرنائی	قرن	حضرت اویس قرنی اسی کی طرف منسوب ہیں
۱۸	SALAEE	سبائی	سبا	" "
۱۹	OMANUM	عمانوم	عمان	ساحل خلیج فارس پر مشرقی عرب میں ایک صوبہ
۲۰	AMITHOSCUTA	امیتھوسکوٹا	مسقط	عمان کا دار الحکومت

۵ ارض القرآن ج ۱ ص ۱۰۴ - ۱۰۷

عرب سنگستان و ریگستان سے یونانیوں اور رومانیوں کو واقفیت تھی۔ کہ ان پر انکا قبضہ تھا۔ لیکن یہاں دوسری دقت ہے عربی آبادیوں (کے ناموں کو) مثلاً کر یونانی نام سے یونانی اور رومانی شہر قایم کر لئے تھے۔ تاہم جن ناموں کے اتحاد و اشتراک کا حال معلوم ہوا ہے حسب ذیل ہیں۔

تدمر۔ سب سے مشہور تر مقام ان اطراف میں یہی تھا۔ یہ انتہائے شمال میں فلسطین کے پاس عرب کا آخری شہر ہے۔ اسفار یہودیہ میں ہے کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنوایا تھا (ملوک اول ۹ - ۱۹) بہرحال۔ یہ ایک عرب ریاست کا دار الامارت تھا۔ رومیوں نے جب سنہ ۱۳۰ء میں فتح کیا تو اسکا نام پالمائر رکھدیا۔ جوزوفس جلد اول ص ۴۲۸ -

ریاست مواب - یہ شہر بحر میت کے قریب عرب سنگستان میں۔ موابی عربوں کا دار الحکومت تھا۔ رومیوں نے اس کا نام اریوپولس رکھا تھا ۱۵ سنہ ۳۱۵ء میں زلزلہ سے تباہ ہوگیا۔ بوان۔ ص ۲۰۲

بصریٰ۔ جس کو رومیوں نے بگاڑ کر بوسٹرہ بنایا ہے۔ وہ ابھی اسی شہر (بصرہ) کے قریب تھا۔ اور اب بھی اسکا نشان ہے یہ ادومی عربوں کا خاص مقام تھا۔ بوان۔ ص ۲۰۲

الرقیم۔ اس کو عبرانی۔ سلاع اور یونانی۔ پٹرا کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب میں پہلے ادومی حکومت کے ماتحت ایک دار الامارت تھا۔ پھر نبطی عربوں کا دار الحکومت ہوا۔ رومیوں کے عہد میں بھی اسکو خاص اہمیت تھی۔ (بوان ۲۰۲)

ریاست عمون - عمونی عربوں کا عرب ریگستان کے شمالی و مشرقی حصہ میں دار الحکومت تھا۔ اس کو یونانیوں نے فلاڈلفیا کا نام بخشا ہے۔ کہ تیسری صدی ق م میں اسکو شاہ بطلیموس فلاڈلفوس نے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔ (جوزوفس جلد ۱ صہ ۱۹۲

ان لوگوں کو بعض جزائر اور سواحل عرب سے بھی واقفیت تھی۔ تم نے مکلا کا نام اوپر پڑھا ہوگا۔ اسکا ذکر بطلیموس نے بھی کیا ہے۔ اور اوسکی جگہ ۱۳ - ۴۵ درجہ پر مقرر کی ہے۔ لیکن صحیح مقام ۱۴ - ۳۰ درجہ ہے۔ (فاسٹر ج ۲ صہ ۱۹۲)

بطلیموس سے سو برس پیشتر ایک یونانی مصری نے جس کا نام مجہول (غیر معلوم ہے) سے جہازرانوں کے لئے ایک بحری جغرافیہ (چارٹ) ترتیب دیا تھا جس میں اس نے بحر عرب کے جزائر پر جو قریب ہند و اسکندریہ کے سر راہ واقع ہیں۔ روشنی ڈالی ہے۔ وہ پہلے بحر عرب میں عرب کے ایک جنوبی ساحل یودیموں EUDAEMON کا ذکر کرتا ہے جس کو عدن سمجھنا چاہیئے۔ اس کی نسبت اوس کا بیان ہے کہ مصر و ہند کے درمیان یہ ایک تجارتی منڈی ہے جیسی کہ اب بھی ہے

عرب کی تقسیم قدیم۔ جزیرہ نمائے عرب۔ پہلے آٹھ علاقوں میں منقسم ہے۔

(۱) علاقہ سینا۔ ملکی جغرافیہ میں علاقہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقہ میں وادی تیہہ بھی شامل ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے درمیان خدیو مصر کے ماتحت ہے۔ اسی علاقہ میں وہ جبل مقدس ہے جو تمام آسمانی کتابوں میں کوہ طور کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی کوہ مقدس پر جناب موسیٰ کو کرشمہ قدرت نظر آیا اور احکام توریت نازل فرمائے گئے۔ ڈاکٹر بک DABECK کا بیان ہے کہ اصل جبل سینا (کوہ طور) وہ ہے جو خلیج عقبہ کے عین سرے پر واقع ہے۔ اس کوہستانی سلسلہ کو جبل موسیٰ کہتے ہیں۔ اسکی سب سے اونچی چوٹی کوہ حریب ہے۔

(۲) علاقہ حجاز۔ بحر احمر کے کنارے۔ علاقہ سینا سے شروع ہوکر ساحل یمن تک تمام ہوتا ہے۔ اس علاقہ کا ایک پورا حصہ قابل زراعت ہے۔ اسی علاقہ میں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (زادہما اللہ شرفہا) واقع ہیں جہاں کی خوش نصیب زمین آسلام [illegible] ابتدا کی [illegible] بنا پائی

(۳) تہامہ۔ بحر قلزم کے ساحل سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس کوہستانی سلسلہ اور ساحل بحر قلزم کے درمیان [illegible] کو جو مکہ معظمہ سے لیکر یمن کے شہر مخا تک چلا گیا ہے تہامہ کہتے ہیں۔ اسکو اکثر قدیم جغرافیہ نویسوں نے الغور کے نام سے بھی لکھا ہے۔ اسی علاقہ میں شہر حدیدہ۔ لُحیہ اور مخا واقع ہیں۔ اور مخا تو کافی کیلئے ساری دنیا میں مشہور ہے۔

(۴) یمن کے شمال میں حجاز۔ جنوب میں خلیج عدن۔ مغرب میں بحر قلزم۔ اور مشرق میں حضرموت واقع ہے۔ عرب کے تمام علاقوں میں یہ علاقہ سب سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ قدیم زمانہ میں علاقہ حضرموت مع اپنے توابعات۔ مہرہ۔ شحر اور عمان کے سب اسی میں شامل تھے۔ لیکن اب نہیں۔ شہر صنعا اس علاقہ کا دار الحکومت ہے اور بہت بڑا خوبصورت شہر ہے۔ یمن کے بلند مقامات جنکو جبل الیمن کہتے ہیں۔ اونمیں بہت سی وسیع اور زرخیز آبادیاں ہیں جہاں قہوہ۔ وسمہ۔ نیل۔ کھجور۔ سب قسم کی ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ آب و ہوا یہاں کی معتدل ہے۔ خزاں اور بہار میں دو دفعہ پانی برستا ہے۔ قدیم سے یمن کی تجارت مصر۔ ہندوستان۔ شام اور ایران وغیرہ کے ساتھ جاری ہے۔ یہاں کے اکثر باشندے زیدیہ مذہب کے ہیں جنمیں کچھ تو تجارت پیشہ ہیں اور کچھ کاشتکار۔

(۵) حضرموت۔ بہت وسیع علاقہ ہے جو جنوب مشرق کے سواحل سے ہوتا ہوا دور تک ملک کے اندرونی حصہ میں داخل ہوگیا ہے۔ اس علاقہ میں کثیر التعداد حکومتیں واقع ہیں جنپر جداگانہ امیر قبائل حکومت کرتے ہیں۔ سمیں کوئی قابل الذکر مقام نہیں

(۶) علاقہ عمان۔ اسکے شمال اور مشرق میں خلیج فارس محیط ہے۔ مغرب میں حضرموت اور جنوب میں بحر ہند واقع ہے۔ یہاں ایک خارجی فرقہ کا حاکم حکمراں ہے۔ جو نوعی حکومت برطانیہ کا زیر فرمان ہے۔ شہر مسقط اس کا دار الحکومت ہے۔ مسقط مشہور بندرگاہ ہے اور تجارتگاہ۔ مکہ جانیوالے راستہ میں حاجی ضرورت کے اشیا یہیں سے فراہم کرتے ہیں۔

(۷) علاقہ بحرین۔ یہ علاقہ پہلے یمامہ کو ملاکر العروض کے نام سے مشہور تھا۔ اسکا قدیم دار الحکومت شہر یمامہ تھا جسے پہلے جو کہتے تھے۔ یاقوت حموی معجم البلدان میں عروض سے صرف یمامہ ہی کو مراد لیتا ہے۔ آخر میں یہ علاقہ جزیرہ بحرینا کے شامل ہو جانے سے۔ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

(۸) علاقہ نجد۔ اس علاقہ کے شمال میں صحرائے شام جنوب میں الربع الخالی مغرب میں حجاز اور مشرق میں عراق عرب واقع ہے۔
یہ علاقہ ایک وہابی حاکم کے زیر حکومت ہے۔
اسکے شمالی حصہ میں جبل الشمر کے نام سے ایک ریاست مشہور و معروف تھی، جو پہلے حکومت عثمانیہ کے زیر فرمان تھی اب نجد کا تابع ہے۔
(۹) الربع الخالی۔ حضرموت کے شمال میں ایک وسیع صحرا ہے جو ربع الخالی کے نام سے مشہور ہے یہ بالکل غیر آباد اور ناقابل زراعت قطعہ ہے۔
(۱۰) دیار ثمود (الحجر) وہ قطعہ زمین ہے جو حجاز اور شام کے درمیان ایک ریگستانی (چٹیل میدان) کی صورت میں واقع ہے
حجاز کے شمالی حصہ میں جو کوہستانی سلسلہ ہے وہ قدیم زمانہ میں بنی ادہم اور بنی مدین کے عربی قبائل کا مسکن تھا۔

ملک عرب کے وہ مقامات جو کتب قدیمہ میں مذکور ہیں

فاران۔ قدیم جغرافیہ تورات کے اقتباسات اور بڑے بڑے محققین کی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ مکہ کے پہاڑوں کا نام فاران ہے کیدیدہ جو حضرت اسمعیل کے آٹھویں بیٹے حدد کی طرف منسوب ہے۔ اور تورات میں حداد کے نام سے مذکور ہے۔ بکہ زبور باب آیت میں ہے میں قربانگاہ بکہ میں قربانی کرنے کی تمنا کیا کرتی ہے۔ وہ یہی بکہ اور اسکا معبد ہے جو الفاظ قرآنی میں اسطرح بتلایا گیا ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا سب سے پہلا خدا کا گھر جو آدمیوں (کی پرستش) کیلئے بنایا گیا۔ وہ (شہر) مقدس بکہ میں ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ فی الحال مکہ معظمہ ہے۔
اسی دعا میں حضرت داؤد نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مورہ کو برکتوں سے ڈھانک لیتے ہیں سلسلہ واقعات اور مناسب مقامات پر غور کیا جاتا ہے۔ اور بکہ سے متعلقاً مگر ثابت ہوتا ہے۔ تو مورہ سے مروہ کے تسلیم کئے جانے میں کسکو کلام ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر مروہ وہی ہے جو زبور میں مورہ کے نام سے مذکور ہے۔ مدیان یا مدین زمین کا نام ہے جو یمن کے شمال تک اس علاقہ مدین کہلاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو قطورا کے بطن سے ہیں (خمسہ بائبل ص ۱۱۴) کتاب حزقیل کی ۲۷-۱۹-۲۳ آیتوں میں قانہ اور حاران وغیرہ کا۔ عدن کے ساتھ نام آیا ہے اوفر نام ایک دوسرا بندر تھا حضرت سلیمان کے جہاز عیلات سے چلکر یہیں اوفر آتے تھے (ملوک اول ۹-۲۸) اوفر کا تورات میں متعدد بار نام آیا ہے یہ ایک تجارتی منڈی تھی۔ سونا اکثر یہاں آتا تھا۔ عدن جو اب تک موجود ہے اسکی تجارت کی اسوقت بھی دھوم تھی (حزقیل ۲۷-۲۲)
یمن کے شہروں میں سے سبا کا نام بھی تورات میں آیا ہے۔ یہاں کی ملکہ حضرت سلیمان کے دربار میں آئی تھی (ملوک دوم ۱۰-۱-۱۲) سبا کے ساتھ یمن کے دوسرے تجارتی شہروں مثلاً اوزال کا نام بھی دولتمندی کی خصوصیت کیساتھ لیا گیا ہے (کتاب حزقیل ۲۷-۱۹) اوزال وہی آباد تھا جہاں صنعا آباد ہے۔ شمال عرب میں حجاز کے کسی قطعہ میں حویلا واقع تھا۔ جہاں بنی اسمعیل کی آبادی تھی (تکوین ۲۵-۱۸) عربوں کے ایک اور مسکن کا نام جور بعل بتلایا گیا ہے (تواریخ ثانی ۲۶-۷) معلوم نہیں کہاں واقع تھا لیکن فلسطین کے ساتھ اسکا ذکر ہے شاید شمالی عرب میں ہوگا۔

ملک عرب کی تقسیم جدید

اقطاع عرب۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے ملک کو اسکے حدود طبعی کی بنا پر تقسیم کیا ہے۔ عرب عراق و عرب شام کو چھوڑ کر حسب ذیل پانچ صوبوں میں

تقسیم ہے تہامہ۔ حجاز۔ نجد۔ یمن اور عروض۔ اس تقسیم کا اصل معیار جبل السراۃ قرار دیا گیا ہے جو عرب کا سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ ہے۔ یہ سلسلہ انتہائے شمال یعنی بر الشام سے شروع ہو کر انتہائے عرب یعنی یمن میں منتہی ہوتا ہے۔ اس سلسلہ نے عرب کو شرقی و غربی دو طبعی حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ مغربی حصہ مشرقی حصہ سے چھوٹا ہے۔ وہ عرضاً دامن کوہ سے سواحل بحر احمر تک اور طولاً حدود عرب شام سے حدود یمن تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس حصہ کا نام حجاز ہے۔ حجاز کا جنوبی حصہ یعنی طرف یمن جو نشیب و پست ہے۔ تہامہ اور غور بھی کہلاتا ہے جس کے معنی پستی کے ہیں۔ مشرقی حصہ عموماً بلند اور فراز ہے اور وہ کوہ سروات سے اوتر کر وسط ملک کو طے کرتا ہوا عراق تک چلا گیا ہے۔ اس حصہ مشرقی کا نام نجد ہے جس کے معنی فراز و بلندی کے ہیں۔ تہامہ اور نجد کے درمیانی اور کوہستانی حصہ کو بھی حجاز اسلئے کہتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان ایک حاجز (حاجب) اور پردہ ہے۔ عراق اور جنوبی حدود نجد سے خلیج فارس تک یمامہ۔ عمان اور بحرین وغیرہ جو قطعہ ملک ہے اوسکو عروض (ترچھا) کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ترچھا اور کم واقع ہوا ہے۔ حجاز۔ نجد اور عروض کے بعد جنوبی حصہ میں سواحل بحر احمر سے سواحل بحر عمان تک سواحل بحر عرب پر جو قطعہ ملک ہے۔ جو اپنے یمن و برکت اور زرخیزی کی بنا پر یمن کے نام سے مشہور ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن کو یمن کی وجہ تسمیہ میں سہو ہوا ہے۔ یمن کا یمن سے ماخوذ ہونا ظنی ہے اور قیاسی۔ اصلاً یمن یمیان سے ماخوذ و مستخرج ہے جس کے معنی سیدھے طرف کے ہیں۔ چونکہ خانہ کعبہ سے اور علاقہ حجاز سے ملک یمن سیدھے ہاتھ کی طرف واقع ہے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ ارض القرآن متعلقہ ص ۱۲) اسی لئے اسے یمان پھر کثرت استعمال سے یمن کہنے لگے۔ خانہ کعبہ میں رکن یمانی اوس رکن مخصوص کا نام ہے جس کو حجاج سیدھے کاندھے سے ملا کر طواف کے شوط بجا لاتے ہیں اور اسکا ٹھیک دست یمین سے مقابل اور برابر رکھنا ارکان ضروریہ میں ہے۔ المولف

اب بہت سے اہل جغرافیہ کے نزدیک تہامہ کوئی مستقل صوبہ نہیں بلکہ حجاز کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسلئے عرب کے حسب ذیل صرف چار صوبے قرار دئے جا سکتے ہیں عروض۔ نجد۔ یمن اور حجاز ان چاروں صوبوں میں سے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر منقسم ہے۔

قدیم اخبار و آثار سے بھی تہامہ اور حجاز کے ایک علاقہ ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور سب سے واضح اور قوی ثبوت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موطن و مسکن مکہ کے القاب و خطابات مشرفہ۔ کتب سیر و حدیث میں جابجا الا بطحی التہامی اور بعض مقامات میں المکی التہامی مرقوم ہیں جو ان دونوں مقامات

ارض القرآن ج ۱۔ ۸۷ - ۸۸

کے اتصال واتحاد کو قطعاً ثابت کرتے ہیں۔ المولف۔

علاقہ عروض

عروض جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے۔ وہ قطعہ ملک ہے۔ جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ۔ بحرین اور عمان تین اقطاع ہیں۔ بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں۔ اور یمامہ بحرین اور عمان کے بارہ نجد حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

(۱) یمامہ۔ یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں عمان اور بحرین۔ مغرب میں حجاز اور بعض حصہ یمن۔ مغرب میں احقاف یا الربع الخالی۔ شمال میں نجد۔ یمامہ کا وہ حصہ جو نجد سے متصل ہے۔ آباد اور سرسبز ہے۔

یمامہ کی قدیم تاریخ یہ ہے کہ وہ قبائل طسم وجدیس کا مسکن تھا۔ (ابوالفدا ص ۹۹) حجر یا قریہ اور جعدۃ ان قبائل کے عہد میں یمامہ کے مشہور شہر تھے۔ یمامہ میں طسم اور جدیس کی بعض عمارات اور قلعوں کے آثار زمانہ اسلام تک باقی تھے۔ جن میں سب سے بڑی عمارتیں قصر شموس قصر مغنق تھیں۔ (معجم البلدان) شہر حجر جس کا نام القریہ ہے ان قبائل کی حکومتوں کا صدر مقام تھا۔ زرقاء جس عورت مشہورہ کی نسبت آج تک مذکور ہوتا ہے کہ وہ بہت تیز نگاہ تھی۔ دشمن کی فوج کو تین روز کی مسافت سے دیکھتی تھی۔ اسی یمامہ کی رہنے والی تھی۔ مشہور قبیلہ ربیعہ کی بعض شاخیں عہد قدیم سے یہاں آباد تھیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو عجل کی آبادی بھی یہیں تھی۔

قریب زمانہ اسلام اس سرزمین میں عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو حنیفہ بستا تھا جو بکر ابن وائل کی ایک شاخ تھا۔ بنو حنیفہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر سنہ ہجری میں عقیدت کیشی کا اظہار کیا۔ اسی ملک وقبیلہ کا فرزند مسیلمہ (الکذاب) تھا جس نے آخر عہد نبوی میں ادعائے نبوت کیا۔ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک جنگ عظیم کے بعد وحشی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بنو اسد کا ایک مشہور قبیلہ اسلام سے تقریباً ایک صدی پیشتر یہاں آباد تھا۔ جو حکومت کے لحاظ سے آل کندہ کا ماتحت تھا۔

(۲) بحرین۔ جس کا دوسرا نام الاحسا ہے۔ ایک ساحلی مقام ہے۔ اوس کے اوپر عراق۔ اوسکے نیچے عمان اوسکے مغربی پہلو پر یمامہ اور مشرقی جانب خلیج فارس واقع ہے۔ بحرین موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس کے جزائر اور سواحل موتیوں کی کان ہیں۔ جہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں اور

ہزاروں غواص موتیوں کے نکالنے میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن اون کی محنت کا ثمرہ موتیوں کے عرب تاجر کم اور یورپ کی کمپنیاں زیادہ تر حاصل کرتی ہیں۔

قبیلہ جدیس جو طسم کو مٹا کر یمامہ کا مالک ہو گیا تھا۔ حسان شاہ یمن کے حملوں سے گھبرا کر یہیں پناہ گزیں ہوا تھا۔ بعد کو عدنانی قبائل میں سے قبیلہ عبد القیس کا یہ مسکن ہوا۔ بعض قبائل ربیعہ بھی یہاں آباد تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بحرین اہل فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور ایک طرف سے مناذرہ (آل منذر) جو عراق (حیرہ) اور اوس کے آس پاس والے ملک میں ایرانیوں کے نائب تھے۔ بحرین کے حاکم تھے۔ (یعقوبی ج ۱ ص ۲۴۰ لنڈن) طرفہ جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ آل منذر کے اشارے سے یہیں قتل ہوا۔ سنہ ہجری میں یہاں کا حاکم منذر بن عادی تھا جو پیغام اسلام پہونچنے پر اپنی تمام عرب رعایا کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اور یہاں سے بنو عبد القیس کا ایک وفد حاضر خدمت نبوی ہوا۔

بعد اسلام اس ملک میں سب سے بڑا واقعہ یہ ظاہر ہوا کہ قرامطہ جو نیم مسلمان مجوسی تھے اونکی طاقت کا مرکز، فارس کے قربت کی بنا پر یہی ملک تھا۔

۳ عمان۔ بحرین کے بعد خلیج فارس سے ہٹ کر بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ مشرقی جانب بحر عمان۔ مغرب کی طرف الربع الخالی۔ جانب جنوب بحرین۔ جانب شمال شہر یمن۔ ساحلی مقامات نہایت آباد اور سرسبز ہیں۔ جبل اخضر یہاں کا سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ جس کی بلندی ۰۰۰ ۳ ہیٹر ہے۔ ملک عمان کے پہاڑ معدنیات سے اور اوس کے دریا موتیوں سے اور اوس کی وادیاں غلہ، فواکہ اور خوشبودار لکڑیوں سے مالا مال ہیں۔ عمان کے گھوڑے، گائیں اور بکریاں بھی مشہور ہیں۔

مورخین عرب کا بیان ہے کہ عمان، عمان بن قحطان کی طرف منسوب ہے۔ لیکن بروایت توریت یہ عمان ابن لوطا ؑ کی طرف منسوب ہونا چاہیئے۔ قبیلہ ازد جس کو بنی اسد بھی کہتے ہیں۔ قبل اسلام اس کی ایک شاخ یہاں آباد تھی۔ آجکل یہ ملک ایک مستقل ریاست ہے۔ جس کا پایہ تخت مسقط ہے۔ اہل ملک زیادہ تر اباضی طریقہ کے خارجی ہیں ملک کا رقبہ کم از کم ۸۰ ہزار میل مربع اندازہ کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر

علاقہ نجد

نجد وسط عرب میں، ایک سرسبز، شاداب اور بلند و فراز قطعہ ملک ہے۔ سطح آب سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے اور تین طرف سے ریگ آب صحراؤں سے محیط ہے۔ اور اسی لئے وہ اجنبی نفوذ اور بیرونی آمد و رفت سے محفوظ رہا ہے۔ اس کے شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے دہنا (الربع الخالی) اور جنوب میں یمامہ ہے۔

نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر ابن وائل کا مسکن تھا۔ کلیب، جس سے بڑھ کر عرب جاہلیت کے نزدیک کوئی معزز نہیں ہوا، بکر بن وائل کا سردار تھا۔ جس کے قتل کے بعد انتقام کے لئے بکر و تغلب میں چالیس برس تک آتش جنگ مشتعل رہی۔ یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی عربی حکومت قائم ہوئی۔ جو مناذرہ اور کسریٰ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ قباد، پدر نوشیرواں نے جب مزدک کا مذہب اختیار کیا۔ تو مناذرہ کے مقابلہ میں شہنشاہ فارس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ شاہان کندہ نے بھی۔ اس مذہب کو اختیار کر لیا تھا اور آخر یہی امر ان کی تباہی کا باعث ہوا۔

عربی زبان کو نجد کی آب و ہوا سے عجیب و غریب مناسبت ہے۔ مُہلہل۔ جو عربی شاعری کا آدم کہلاتا ہے۔ اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا۔ اور کلیب مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ امرؤ القیس جو عرب کا ملک الشعراء تھا۔ اسی نجد کی حکومت کندہ کا آخری شہزادہ تھا۔ اور آج بھی جبکہ امتداد زمانہ اور اختلاط اقوام کے سبب سے فصیح عربی زبان کا نام جزیرۃ العرب میں کہیں موجود نہیں۔ یہاں کے پہاڑوں میں قدیم فصیح عربی زبان بلا اختلاط موجود اور محفوظ ہے۔

نجد عہد قدیم سے قبائل عدنانیہ کا مسکن رہا ہے۔ آخر عہد میں کہلانی قبیلہ کی مشہور و معروف شاخ طے اجا و سلمیٰ کی پہاڑیوں میں آباد ہو گئی تھی۔ جن کو شعرا طے نے ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد کیا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ نجد میں غطفان کا قبیلہ بستا تھا۔ جن کی ادب کے لئے خود آنحضرت صلعم سنہ ۴ ہجری میں نجد تشریف لائے تھے۔ اس مہم کا نام اہل سیرت (والمغازی) کے ہاں غزوہ ذات الرقاع ہے۔ قبیلہ ہوازن، اور سلیم نجد کے مغربی حصہ پر قابض تھا قبیلہ حنظلیم کی بھی ایک شاخ نجد میں تھی۔

آجکل نجد، شمر، قصیم اور عارض تین حصوں پر منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے۔ شمالی حصہ جو صحرائے شام و عراق و حجاز کے متصل ہے۔ شمر کہلاتا ہے اور کبھی اپنے دارالامارۃ حائل کے نام سے حائل پکارا جاتا ہے۔ جبل الشمر اور جبل سلمیٰ اور کچھ وادیاں اسی تقسیم میں داخل ہیں۔ شمر کی حکومت آجکل آل رشید کے قبضہ میں ہے۔ آبادی کا تخمینہ تین لاکھ ہے۔ شمر میں قبیلہ طے کی ایک شاخ شمر نامی آباد تھی۔ جسکے نام سے یہ ملک موسوم ہو گیا۔

عارض، جو یمن کے صوبہ احقاف کے متصل ہے نجد الیمن کہلاتا ہے۔ اور آجکل نجد سے عموماً یہی سرزمین مراد لی جاتی ہے۔ امیر نجد آل سعود ہے۔ جس کے دارالامارۃ کا نام مدینۃ الریاض ہے۔ قصیم کا جنوبی حصہ اسی حکومت کے تابع ہے۔ نجد کا یہ حصہ شمر سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے اثر سے عارض کے باشندے زیادہ تر اہل حدیث ہیں اور انکی مردم شماری بیش و کم ۵ لاکھ ہے۔

نجد کے کھجور، گھوڑے اور اونٹ مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

علاقہ یمن

یمن عرب کا سب سے زیادہ سرسبز، سب سے زیادہ آباد اور سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ متمدن ملک ہے۔ (اسی مناسبت سے اکثر عروس الممالک لکھا گیا ہے) اور جو قبل اسلام اور بعد اسلام مرکز علم رہا ہے۔ اسکی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اس لئے اکثر مجہول ہے۔ عمارات اور قلعوں کے آثار یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو قدیم شاندار تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ قرب و جوار کی سلطنتوں نے مثل روم و فارس اور حبشہ کے اسپر متواتر حملے کئے ہیں اور کبھی فتح بھی کیا ہے۔ یونانی اور رومی مورخین کے پاس یمن کے متعلق بعض اہم معلومات ہیں۔ اور کچھ معلومات آثار قدیمہ کی مدد سے یورپین علماء آثار (آرکیالوجسٹ) نے حاصل کئے ہیں۔

صوبہ یمن کے حدود طبعی یہ ہیں۔ گو اس کے حدود حکومت مختلف زمانہ میں حکومتوں میں مختلف رہے ہیں۔ جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بحر احمر، شمال میں حجاز، نجد اور حضرموت اور مشرق میں عمان و بحرین ہیں۔ اس ملک کی ابتدائی تاریخ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے قدامت کی تاریکی میں مخفی ہے۔ جہاں تک معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس سرزمین کے مختلف اقطاع میں وقتاً فوقتاً عمالیق

اہل معین۔ عاد۔ سبا۔ اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں یہاں قائم ہوئی ہیں (ان بیانات کی تفصیل قبائل عرب میں آئے گی) جنہوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ جن کی عظمت کے آثار ابتک باقی ہیں۔ ترقی زراعت کے لئے وادیوں میں بڑے بڑے بند آب ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سد مارب ہے۔ جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہوا ہے۔ ہندوستان۔ فارس۔ حبش مصر اور عراق کی تجارتیں اونھیں کی وساطت سے قائم تھیں۔ پہاڑوں سے معدنیات اور جواہر نکالتے تھے۔ سامان عطریات وبخورات انھیں کے ملک سے تمام مہذب ممالک میں پہونچتا تھا۔ آخر عہد میں تقریباً ستر برس کے لئے اہل حبش یمن پر قابض ہو گئے تھے۔ جن کو آخر کار اہل فارس نے یمن سے نکال دیا۔ اور خود قابض ہو گئے۔ ظہور اسلام کے وقت اہل فارس کیطرف سے باذان یہاں کا گورنر تھا۔ جو ۷ھ ہجری میں مسلمان ہو گیا۔ بقیہ اہل یمن جو یہودی تھے ۱۰ھ میں داعی اسلام حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ تمام قبیلہ صرف ایک دن میں شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ یہ موعظت مرتضوی کے کمال صداقت کے اعجاز نما فیوض تھے۔

یمن کے مشہور مقامات کے نام یہ ہیں۔ معین۔ مارب۔ ظفار۔ شبام۔ اوزال۔ براقش۔ نشق خولان۔ قرن۔ شبوہ۔ عمران اور صنعاء وغیرہ۔ ان میں اکثر مقامات ویران یا دریا سے ریگ میں غرق ہیں۔ بعض موجود ہیں۔ لیکن اون کے قدیم نام متروک ہیں۔ ملک کی کثرت آبادی و سرسبزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ملک کی تقسیم پہلے جن صوبوں پر تھی اور جن کو اہل عرب مخلاف کہتے ہیں۔ مورخ یعقوبی نے اون کی تعداد ۸۴ بتائی ہے۔ یمن کی بڑی بڑی قسمیں یہ ہیں (یعقوبی صفحہ ۲۲۰ لیڈن)

حضرموت۔ احقاف۔ صنعاء۔ نجران۔ عسیر۔ جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر ہند و بحر احمر پر واقع ہیں۔

احضرموت۔ ساحل بحر ہند پر واقع ہے۔ شمال میں بحر ہند۔ جنوب میں الربع الخالی اور الاحقاف اور مغرب میں صنعاء یمن یہ ایک نہایت قدیم آبادی ہے۔ قحطان یا یقطان جو یمن کا پدر اول تھا۔ اوس کے بارہ بیٹوں میں سے توریت[۱] نے ایک کا نام حضرماوت بتایا ہے۔ اسی بنا پر اہل تاریخ یقین کرتے ہیں۔ کہ یہ قطعہ زمین اپنے باشندۂ اول حضرماوت بن قحطان ہی کے نام

---

[۱] ج ا ص ۱۰۔

سے منسوب ہے۔ اہل حضر موت نے ایک مستقل حکومت بھی قائم کرلی تھی جس کی مختصر تاریخ مورخ ابن خلدون[۵۱] نے بیان کی ہے۔ عاد و ثمود کے قبائل کا اصلی مسکن بھی یہی تھا۔ عاد کا قبیلہ یہاں سے ہٹ کر احقاف میں بس گیا اور ثمود کا قبیلہ حجاز کے پاس جاکر آباد ہوا۔ اور بالفعل حضر موت ایک مستقل قطعہ ملک کی حیثیت سے ایک مستقل امام کے متعلق ہے۔ شادابی اور سرسبزی میں صنعاے یمن سے کم نہیں ہے۔ اور عود وقافلی وغیرہ یہاں کے نباتات مشہور ہیں۔ سال بسال حضر موت میں سوق الرابیہ کے نام سے ایک بازار لگا کرتا تھا اور اسی کے متصل شہر مہرہ میں دوسرا بازار لگتا تھا۔[۵۲]

۲۔ بلاد الاحقاف

یمامہ۔ عمان۔ بحرین۔ حضر موت۔ اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحراے عظیم الدہنا یا ربع خالی کے نام سے واقع ہے۔ گو وہ قابل آبادی نہیں لیکن اوس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق زمین ہے۔ خصوصاً اوس حصہ میں جو حضر موت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں۔ تاہم عہد قدیم میں اسی قطعہ مابین حضر موت نجران میں عاد ارم کا مشہور قبیلہ آباد تھا جسکو خدا نے اسکی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کردیا۔

۳۔ صنعاے یمن۔

ملک یمن کا قلب اور یمن کے قدیم تمدن کی تماشہ گاہ درحقیقت یہی ٹکڑا ہے۔ جو بحر ہند اور بحر احمر کے سواحل پر عرب کے شمالی و مغربی گوشہ میں واقع ہے یعنی۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں اسی قطعہ زمین میں قائم ہوئی تھیں۔ سد مارب یا سد عرم اسی کی وادیوں میں تعمیر ہوا تھا۔ ظفار۔ مارب اور اوزال یہیں کے پایہ تخت تھے۔ ملکہ سبا اسی سرزمین کی شہزادی تھی۔ قصر غمدان۔ قصر ناعط۔ قصر ریدہ۔ قصر صرواح اور قصر بیدہ اسی قطعہ ملک میں تعمیر ہوئے تھے۔ جن کے آثار چوتھی صدی ہجری میں ہمدانی نے برای العین مشاہدہ کئے تھے۔

صنعا جو یمن کا اب پایہ تخت ہے۔ قدیم شہر ازول کے پاس۔ اسلام سے ایک مدت پہلے آباد ہوا تھا۔ سنہ ہجری میں۔ جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے یہ ملک مشرف باسلام ہوا۔ اب یہاں زیادہ تر زیدی طریقہ کے مسلمان آباد ہیں۔ جو عقاید میں معتزلہ کی ایک شاخ اور شیعہ اور اہل سنت کے وسط میں ہے۔ یہاں کا امام بھی زیدی سادات کے خاندان سے ہے۔ یمن کے نباتات مخصوصاً یمن کا قہوہ (کافی) مشہور ہے۔ بعد اسلام شہر زبید یمن کا ایک مشہور شہر تھا۔ جہاں سے متعدد علما کے اسلام پیدا ہوئے۔

---

[۵۱] یعقوبی ج ۱ ص ۳۱۴ - [۵۲] توراۃ - تکوین ۱۰ - ۲۶

۴۔ نجران بلاد احقاف اور عسیر کے درمیان ایک مختصر سی آبادی تھی۔ عہد قدیم میں یہاں بنو اسماعیل میں سے قبیلہ ابن نزار آباد ہوا تھا۔ (یعقوبی ج۔۱ ص ۲۵۵) عہد اسلام سے کچھ پہلے سے روم و حبش کی کوشش سے یہاں عیسائیت پھیل گئی تھی۔ یمن کی یہودی حکومت نے ان عیسائیوں کو جبر یہودی بنانا چاہا۔ لیکن روم و حبش جو مسیحی ہمسایہ سلطنتیں تھیں وہ برابر ان کی حمایت کرتی تھیں۔ نجران میں ایک بہت شاندار کلیسا بھی تعمیر ہوا تھا۔ جو عربوں میں کعبہ نجران کے نام سے مشہور تھا۔ سنہ ۹ھ میں اہل نجران کا وفد آنحضرت صلعم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا تھا۔

۵۔ عسیر بحر احمر کے ساحل پر حجاز اور صنعاء یمن کے مابین واقع ہے۔ یہاں کے باشندے عموماً اہل حدیث ہیں۔ امام عسیر ادریسی خاندان کا ہے۔

ان ملکی تقسیمات کے علاوہ یمن میں بہت سے ساحلی مقامات اور جزائر ہیں۔ مثلاً شحر، مہرہ، مکلّہ لحج، جزائر کوریا موریا، جزیرہ بریم وغیرہ۔ ان کی حکومت مختلف شیوخ کے ماتحت ہے۔ اور وہ زیادہ تر برٹش گورنمنٹ کے زیر اقتدار رہتے ہیں۔

زمانہ ظہور اسلام میں یمن حکومت فارس کے ماتحت تھا۔ سنہ ۹ ہجری میں یہاں کا آخری ایرانی گورنر مسلمان ہو گیا اور ملک بلا جنگ و جدال علم اسلام کے زیر سایہ آگیا۔

علاقۂ حجاز

حجاز بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل حصہ ہے جس کا نام توریت میں فاران بتایا گیا ہے اور جہاں سے تجلی ربانی کے ظاہر ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ اس کے مشرقی جانب نجد، مغربی جانب بحر احمر، شمال میں عرب شام یا عرب الحجر، جنوب میں عسیر اور شمالاً جنوباً کوہ سروات کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ جس کی بلند ترین چوٹی ۸ ہزار فیٹ ہے۔ سلسلہ کوہ میں بہت سے چشمے جاری ہیں۔ جہاں گاؤں آباد ہیں۔ باغ لگے ہیں۔ کھیتیاں ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں جنگل ہیں۔ دامن کوہ سر سبز ہے اور وہاں بھی آبادی ہے لیکن زیادہ آباد اور سر سبز حصہ وہ ہے جو بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ ان مقامات کے علاوہ تمام حصہ ریگستان ہے۔ جہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی۔ حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا ساحلی مقام ینبع ہے۔ جو مدینہ کی بندرگاہ ہے۔ اندرون ملک کے بڑے شہر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

۱۔ مکہ یا بکہ جس کا تیسرا نام ام القریٰ ہے۔ حجاز کا دار الحکومت ہے۔ یہ شہر ایک بڑے پیغمبر

(ابراہیم علیہ السلام) کی بنا، ایک نوجوان پیغمبرؑ (اسماعیل علیہ السلام) کی قربانگاہ اور ایک یتیم پیغمبرؐ (محمد صلی اللہ علیہ والہ) کا مولد ہے۔

یہ شہر ارض البلد ۲۱ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد ۴۰ درجہ ۹ دقیقہ پر واقع ہے۔ سطح آب سے تقریباً ۳۳۰ میٹر بلند ہے اس کے چاروں طرف قدرت نے پہاڑوں کی دیواریں کھینچ دی ہیں۔ بالفعل شرقاً غرباً تقریباً ۳ کلومیٹر اور جنوباً شمالاً تقریباً ½ ۱ کلومیٹر چوڑا ہے۔ شرقی سلسلہ جبل خلیج (فلق) جبل قیقعان، جبل ہندی، جبل لعلع، اور جبل کداء سے مرکب ہیں۔ آخر الذکر جبل وہی ہے جس کی راہ سے رسول اللہ صلعم بروز فتح مکہ میں داخل ہوئے۔ جنوبی سلسلہ جبل ابو حدیدہ، جبل کدی اور جبل ابو قبیس کے بعض سلسلہ سے مرکب ہے۔ مشرق میں جبل ابی قبیس اور اوسکے پیچھے جبل خندمہ واقع ہے مغرب میں جبل عمر واقع ہے

حجاز حضرت مسیح سے ڈھائی ہزار برس پہلے کاروان تجارت کی ایک منزل گاہ تھا۔ تقریباً دو ہزار قبل مسیح میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو یہاں آباد کیا۔ باپ بیٹے نے خدا کے نام پر یہاں ایک قربانگاہ بنائی جس کا نام کعبہ قرار پایا۔ فرزندان اسماعیل کی اولاد ایک مدت تک یہاں دیگر قبائل پر بالادست رہی۔ اس کے بعد قحطانی قبائل (بروایت عام) آگئے۔ اور انھوں نے اپنا استیلا ظاہر کیا۔ بنو اسمٰعیل میں سے قصی نے آخر یہاں کی ریاست حاصل کی قصی قریش کے جد اعلیٰ تھے۔ عہد اسلام میں قریش یہاں کے مالک تھے۔ امور مملکت وغیرہا سے حکومت ایک ایک شیخ خاندان کے زیر نگرانی تھے شہر کے علاوہ اسماعیلی قبائل شہر کے آس پاس بھی آباد تھے۔ مکہ کے جنوب میں جو پہاڑیاں ہیں وہ مشہور قبیلہ ہذیل کا مسکن تھیں۔ جنوب کی طرف وادی القریٰ ہے۔ جو قدیم قبائل کا مسکن تھا۔ اس کے اطراف میں قبائل کنانہ رہتے تھے۔ مکہ کے پاس جبل حبشی کے دامن میں قبائل احابیش رہتے تھے۔

مدینہ منورہ۔ قبل ہجرت نبوی اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی صلعم یعنی رسول اللہ صلعم کا شہر ہوا۔ کثرت استعمال سے اول قائم مقام مضاف الیہ ہو کر المدینہ ہو گیا۔ یہ شہر سمندر کی سطح سے ۶۱۹ میٹر بلند اور طول بلد ۳۹ درجہ ۵۵ دقیقہ اور عرض ۲۴ درجہ ۱۵ دقیقہ شمال خط استوا پر واقع ہے۔ گرمی میں یہاں حرارت کا درجہ ۴۸ درجہ تک بڑھا رہتا ہے اور جاڑوں میں دن کو صفر سے دس درجہ اوپر اور رات کو صفر سے ۵ درجہ نیچے ہوتا ہے اس لئے جاڑوں میں اکثر صبح کو پانی یہاں یخ ہو جاتا ہے۔ پہلے یہاں عمالیق رہتے تھے۔ لیکن زمانہ آمد اسلام میں یہاں کے علاوہ

اور قبائل اوس و خزرج آباد تھے محققین حال کا بیان ہے کہ یثرب مصری لفظ ہے اور اتھریبس کی تعریب ہے ہمارے یہاں کے مورخین (اسلامی محققین) کا بیان ہے کہ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے تھے اور اب[۵۱] یہ ثابت ہوگیا ہے کہ عمالیق سنہ ۲۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے۔ اور سنہ ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اس بنا پر تعمیر شہر کا زمانہ سنہ ۱۶۰۰ ق م اور سنہ ۲۲۰۰ قبل مسیح کے درمیان ہے۔ عمالیق کے بعد سب سے اول یہود آکر آباد ہوئے اون کے بعد قبیلہ ازد[۵۲] کی دو شاخیں اوس اور خزرج یہاں آکر آباد ہوئیں۔ یہ اوس اور خزرج وہی قبائل ہیں۔ جن کا لقب اسلام میں انصار ہوا۔ اور جنہوں نے اسلام کی دعوت اولین قبول کی اور مسافرین اسلام کو اپنے گھروں میں اُتارا جس کی مکافات میں خدائے اسلام نے انصار کے نام سے اون کو زندگی جاوید بخشی۔ اور اون کے شہر کو پینتیس ۳۵ کروڑ نفوس کا مرکز قرار دیا۔

بنو لام جو طے کی ایک شاخ ہے مدینہ کے کوہستانی مقام میں آباد تھی۔ ہمدانی نے لکھا ہے کہ بعد اسلام یہ شاخ دیار ربیعہ کو منتقل ہوگئی۔ بنو ظفر بھی حسب بیان ہمدانی مدینہ کے مقابل ہی سکونت پذیر تھے۔ بنو کلاب جو مشہور قبیلہ تھا وہ مدینہ کے اطراف میں رہتا۔ فدک اور عوالی میں آباد تھا۔ بعد اسلام حسب روایات ہمدانی شام کو منتقل ہوگیا۔ جہاں اس نے اپنی ایک ریاست بھی قایم کرلی۔

۳۔ طائف۔
حجاز کی جنت ہے۔ بے انتہا سرسبز و شاداب ہے۔ امرائے حجاز عموماً گرمی وہیں بسر کرتے ہیں۔ ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد کو وہ مشہور قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں

---

۵۱ بہرحال محققین جدید اور قدیم دونوں کے اتفاق سے یہ امر محقق ہوگیا کہ یثرب کا وجود عمالیق کی آبادی کے وقت سے قایم ہوا۔ فاضل معاصر اگر زیادہ غور سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ شاہان عمالیق میں سے ایک کا نام یثرب تھا جس نے اس شہر کی بناڈالی اور اسے آباد کیا۔ اسی لئے اوس کے نام سے یہ موسوم ہوا۔ ملاحظہ ہو اسپرٹ آف اسلام مولفہ رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی۔ ص ۱۳۲۔ مگر رائٹ آنریبل صاحب نے بھی کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے علامہ سمہودی کے اخبار الوفا۔ باب اول اور فصل اول اور شرح زرقانی۔ جلد اول ذکر مدینہ۔ ملاحظہ فرمائی جاوے۔

۵۲ قبیلہ اوس اور خزرج اصلاً بنی جرہم میں جو عرب العاربہ یا قحطانی النسل ہیں۔ اور بنی جرہم کی قدیم سے بنو اسماعیل کے ساتھ قرابت اور ہم پیلئی تاریخ کا مسلہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابو الفدا اور معارف ابن قتیبہ۔ اور خطبات احمدیہ سرسید مرحوم مطبوعہ لاہور ص ۹۵۔

آیا۔ قبل ہجرت آنحضرت صلعم دعوت اسلام کے لئے تشریف لائے۔ لیکن جس طرح جلیل کے ایک شہر نے مسیح علیہ السلام کو قبول نہیں کیا۔ طائف نے بھی آپ کو قبول نہ کیا۔ سنہ ۸ ہجری میں آنحضرت صلعم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ سنہ ۹ ہجری میں سردار ثقیف عروہ ابن مسعود نے اسلام قبول کیا۔ اور خود اپنی قوم کے ہاتھ سے اسلام کی راہ میں مارا گیا لیکن اوس کی منادی بے اثر نہ رہی۔ اسی سال وفد ثقیف خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عقیدت کیش ہوا۔

۴۔ جوف ثمود۔ تبوک۔ خیبر۔ اور مدین۔

ان شہروں کے علاوہ بعض مقامات بھی قابل ذکر ہیں۔ مدینہ سے کچھ آگے بجانب شمال وہ میدان واقع ہے۔ جہاں ثمود کا قبیلہ آباد تھا۔ جو جوف اور وادی القریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پایہ تخت کا نام حجر تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔ یہ شہر زیادہ تر اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کے نام سے مدائن الصالح کہلاتا ہے۔ سنہ ۹ ہجری میں تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت صلعم کا اس شہر سے گذر ہوا تھا۔ اسی سے متصل دوسری آبادی تیما ہے۔ حجر اب ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ حجر کے بعد ایک اسٹیشن المعظم چھوڑ کر دوسرا اسٹیشن تبوک ہے۔ جہاں آنحضرت صلعم نے رومیوں کی مدافعت کے لئے اقامت فرمائی تھی (اور اسی منزل کے اندر حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں حدیث منزلت ارشاد فرمائی تھی) مدینہ کی جانب مغرب خیبر ہے جو یہودی کی جنگی قوت کا مرکز تھا۔ اور جہاں یہودیوں کے بڑے بڑے قلعے تھے۔ سنہ ۷ ہجری میں آنحضرت صلعم یہاں تشریف لائے اوس کی تسخیر فرمائی۔ (یہی قطعہ زمین جناب علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب کی معرکہ آرائی اور قلعہ کشائی کی جلوہ گاہ ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حدیث مدینۃ العلم انا و علی بابہا اور حدیث نبوی کا عطیہ الرایۃ اور ... منقول فرمائی گئی) حجر کے مقابل جانب مغرب بحر احمر کے ساحل پر شہر مدین آباد ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دار الہجرۃ اور اون کے خسر (یثرو یا حوباب یا شعیب علیہ السلام) کا وطن اور مدیانیوں کا پایہ تخت تھا۔ عہد ظہور اسلام میں۔ یہ تمام شہر یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ اور یہاں اون کے بڑے بڑے قبیلے تھے۔ جن کو اسلام نے عہد نبوت میں یکے بعد دیگرے فتح کیا۔

عرب شام

یعنی وہ قطعہ عرب۔ جس کو یونانی عرب سنگستانی کہتے ہیں اور جو مابین شام۔ مصر۔ بادیہ شام۔ حجاز اور نجد واقع ہے۔ یہ آبادی عرب کا بہت قدیم حصہ ہے بلکہ اولین حصہ ہے اکتشافات جدیدہ سے بھی ... اس ملک کی

اسلامی مولفین کے تماما سے عقیدت کے ترشحات ہیں۔ اور مشہور نہیں ہیں۔ کہ مکہ معظمہ کی طرح یہ شہر بھی اہل
اسلام کے نزدیک واجب الاحترام ہے اور تقدیس و تقدیم کے جوہروں سے پُر اور مملو۔ جن کا بیان اپنے
اپنے مقام پر معلوم ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں۔ یہ شہر علاقہ حجاز کیا تمام جزیرہ نمائے عرب کا رونق اور آبادی کے
اعتبار سے سرمایۂ ناز ہے۔ تمام شہر کے چاروں طرف ۴۰ فیٹ اونچی شہر پناہ ہے جس میں اونچے
اونچے پھاٹک لگے ہیں۔ شہر پناہ کے جنوبی دروازے کو باب المصر کہتے ہیں۔ آب و ہوا لطیف اور
خوشگوار ہے۔ یہاں کا پانی مکہ کے پانی سے زیادہ شیریں اور خوش ذائقہ ہے۔ اہل شہر نیک طینت
خوش مزاج اور مہمان دوست ہیں۔ تمام شہر میں پٹی ہوئی نہر کے ذریعہ سے آب رسانی کا کافی انتظام
ہے۔ سڑکوں اور راستوں میں جا بجا پانی کی کلیں لگی ہیں جب چاہے پانی لیلو۔

مدینہ کا بندرگاہ ینبع ہے۔ جو ایک شب و روز کی مسافت پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ اس
مقام کو جار بھی کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک رات کی مسافت پر چشمہ بدر واقع ہے۔ جو غزوات
اسلامی کی پہلی رزمگاہ ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت علی مرتضیٰ نے ولید۔ عتبہ اور دیگر صنادید
قریش کو قتل کر کے اسلام کی فتحیابی کا علم نصرت بلند کیا تھا۔

بدر کے جنوب و مشرق میں حجفہ واقع ہے۔ جو مکہ سے ۴۔ مدینہ سے ۶۔ اور جار سے ۳ منزل
ہے۔ اور قوافل کے اترنے کا مشہور و معروف مقام ہے۔ حجفہ سے تقریباً ۳ منزل پر غدیر خم
واقع ہے۔ جہاں حجۃ الوداع سے مراجعت فرماتے وقت ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری میں جناب رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تکمیل و مقبولیت کے متعلق آیہ وافی ہدایہ الیوم اکملت لکم دینکم و
رضیت لکم الاسلام دینا اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تاکید ولایت و وصایت کی نسبت
نزول آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل علیک الخ۔ کے مطابق۔ حدیث من کنت مولاہ فعلی
مولاہ کی بشارت۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے سامنے (ابن اثیر) پہونچائی تھی۔ تفصیلی ذکر
اپنے مقام پر مرقوم ہوگا۔

ینبع مشہور بندرگاہ ہے۔ جو مدینہ طیبہ سے مغرب میں بحر قلزم کے کنارے سو میل کے
فاصلہ سے واقع ہے حنین مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے فتح مکہ کے بعد ثقیف اور ہوازن کے
قبائل یہیں اسلام سے لڑنے اور پسپا ہوئے۔ یلملم چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مکہ سے دو رات کی مسافت
پر قنفذہ۔ بندرگاہ جدہ سے جنوب کی طرف حجاز کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے جدہ حجاز کی مشہور بندرگاہ
ہے۔ اسکی آبادی تیس ہزار ہے۔ پہلے سلطان روم کا اور اب سلطان حجاز کا ایک ماتحتی افسر او حکومت

برطانیہ کا کونسل رہتا ہے۔ طائف سے ایک رات اور مکہ سے تین راتوں کی مسافت پر عکاظ واقع ہے جو قدیم زمانہ میں بہت بڑے سالانہ میلہ کا مقام تھا۔ صنعاء جو قدیم میں اوزال کہا جاتا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مزید یہ ہے۔ تمام عرب میں باعتبار خوبی اور انتظام صفائی وغیرہ کے یہ شہر عمدہ اور نفیس مشہور ہے۔ اس کی آبادی پچاس ہزار بتلائی جاتی ہے۔ شہر عدن سے ۲۴۲ میل کے فاصلہ پر ایک سبز و شاداب وادی میں واقع ہے۔ تمام عرب میں تمدن ملکی اور سیاسی یہیں سے پھیلا۔ اس کے شمال و مغرب میں ۱۲۵ میل کے فاصلہ پر صعدہ ہے۔ جہاں کا کمایا ہوا چمڑا بہت مشہور ہے اور دور دور ملکوں میں جاتا ہے۔ زبید ہ سے دو منزل پر بیت الفقیہ ہے۔ جہاں کثرت سے قہوہ کی تجارت ہوتی ہے۔ مخا باب المندب پر واقع ہے کافی یہاں کی مشہور ہے۔ جنند صنعا سے ۵۸ فرسخ پر اور ذمار دو منزل جنوب کی طرف واقع ہے حصن المواہب صنعا سے ۲۴ فرسخ پر شمال کی جانب واقع ہے۔

عدن۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ بہت بڑی تجارت گاہ ہے چھیالیس ہزار آبادی ہے۔ اس سے ملے ہوئے علاقہ حضرموت پر حکومت برطانیہ کا قبضہ ہے اور ۱۸۳۹ء سے گورنر بمبئی کے ماتحت ہے۔ یمن کی اور آبادیاں رداعہ، حمیر، خیوان، لحجہ، تونس، قرحی۔ اور توران بھی قابل الذکر ہیں۔ منامہ علاقہ بحرین کا مشہور شہر ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت ہے۔ اس مقام کے موتی۔ تمام اوصاف و اصناف کے اعتبار سے بے نظیر ہوتے ہیں اور اقطاع عالم میں مشہور ہیں۔ قطیف بھی یہاں کے مشہور بندرگاہوں میں ہے۔ دیگر مقامات قویت، منفرلس، ہجر اور جوف بھی قابل الذکر ہیں۔

مسقط (اوپر ذکر ہو چکا ہے) سلطان مسقط کے زیر حکومت ہے۔ جو ۵۷ جہاز تجارتی کا مالک ہے موتی، مچھلی۔ اور میووں کی بہت بڑی تجارت گاہ اور عربوں کے کمال صنعت و حرفت کا مرکز ہے۔ بحر عمان اور عربی سواحل پر جتنے عمدہ اور خوبصورت جہاز اور کشتیاں دکھی جاتی ہیں وہ سب قریب قریب مسقط ہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ برکہ۔ رستاق۔ سوہار اور مرباط یہاں کے دوسرے قابل الذکر مقامات ہیں۔

علاقہ نجد میں جبل الشمر ایک جداگانہ عربی حکومت ہے۔ دارالحکومت شہر حائل ہے جس کو بطن الرملہ بھی کہتے ہیں۔ اسی کے قریب جبل السیار ہے اور یہاں حاتم طائی کی قبر ہے۔ اسی کے قریب وادی سا جوف ہے۔ یہ چھوٹی سی حکومت۔ ریاست جبل الشمر کے ماتحت ہے۔ پایہ تخت اس کا شہر جوف ہے۔ جوف کے اوپر طرف دومۃ الجندل واقع ہے۔ جو ۳۷ھ ہجری میں۔ ابوموسی الاشعری کے احمقانہ اور عمرو عاص کے مفسدانہ محاکمہ کی فیصلہ گاہ بن چکا ہے۔ حجر کے شمال میں تیماء ہے۔ جو بہت مشہور مقام شمار ہوتا ہے۔ تیماء کے شمال میں تطبیہ ہے اور تطبیہ کے مشرقی و شمالی جانب فید ہے

جو مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ حضرموت کے علاقہ میں سقوط۔ طریم۔ ساوہ اور نافع وغیرہ مشہور مقامات ہیں۔

اہل عرب کی جسمانی ساخت اور تمدنی حالات

عرب کے باشندے۔ قد وقامت میں معتدل جسمی ساخت میں مضبوط اور رنگت میں عموماً گندم گوں ہوتے ہیں۔ سواحل اور خصوصاً مصر سے ملے ہوئے علاقوں کے رہنے والے عربوں کے رنگ سیاہ ہوتے ہیں۔ وہ قوم وقبیلے جو وسط ملک میں رہتے ہیں۔ ان سے زیادہ صاف اور چہرے ہوتے ہیں۔ بادیہ نشین قبائل اپنے مویشیوں کے گلے لیکر ایک مقام سے دوسرے مقام پر برابر نقل و حرکت کیا کرتے ہیں۔ ان کے مویشی ان کے گلے ان کے گذران اوقات کے اصلی ذرائع ہیں۔ ان کے علاوہ اور قوم وقبائل کے اعراب۔ تجارت۔ زراعت۔ فلاحت اور تحصیل علوم وفنون کے مشاغل میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی خاص غذا روٹی اور گوشت ہے۔ گیہوں اور جو کی روٹیاں زیادہ کھاتے ہیں۔ ویسے ہی دنبوں اور اونٹ کا گوشت۔ ان میں قبائل بندی کے دستور اسوقت تک قائم ہیں ہر قبیلہ کا ایک شیخ ہوتا ہے۔ جو اونکا مستلزم الاطاعت حکمراں ہے۔

عرب کے قدیم اقوام وقبائل اور اون کے مساکن

عرب کی قدیم تاریخ میں اسلامی مولفین نے کوئی مکمل مفصل اور مسلسل کتاب مرتب نہیں کی۔ مگر حتی المقدور وہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئے۔ جتنا کچھ ذخیرہ وہ جمع کر گئے ہیں اور جیسا کچھ سرمایہ بھی وہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ متلاشین حقیقت کے سر آنکھوں پر رکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کے ان واجب التعظیم اور قابل قدر تالیفات وتصنیفات کی ایک فہرست اپنے مقام پر بہت جلد لکھی جائے گی۔ اول تو زمانہا سے دراز کی گذشتہ واقعات کا زبانی یاد رکھنا اہل عرب کی فطرت کے اصلی جوہر تھے۔ اس فطرتی خصوصیت کے ساتھ حب وطن۔ نسبی اور حسبی مفاخرت اور قومی عظمت کے عناصر بھی داخل تھے۔ پھر سلاطین ملکی فرمانروایان قومی اور سردار وشیوخ قبائل کے اثر واقتدار نے بھی بہت کچھ حوصلہ افزائی کی۔ ان ذخائر کے لئے سلاطین حیرہ کا کتب خانہ بہت مشہور ومعروف تھا۔ ابن ہشام کو خوش قسمتی سے اس خزانہ کے چند جواہر پارے ہاتھ لگ گئے۔ اور اونھوں نے اس ذخیرہ کو اپنی کتاب التیجان میں جمع کر دیا۔ اس کے علاوہ عرب کے اشعار جاہلیت۔ ان دونوں ذریعوں سے انکشاف

حالات اور حصول اطلاعات کے لیے زیادہ حامی اور مددگار ثابت ہوئے۔ ابن ہشام نے ازمنۂ قدیمہ کے نقل حالات میں زیادہ تر انہیں اشعار سے کام لیا ہے۔ ان اشعار میں شاعری کے کمالات و نکات اور رعایت کے علاوہ۔ قدیم سلاطین عرب۔ اقوام۔ قبایل۔ عمارات۔ تمدن۔ اخلاق اور معاشرت کے متعلق ہر قسم کے اخبار و آثار پائے جاتے ہیں۔

قریب قریب تمام اسلامی مورخین و مولفین نے۔ اپنی اپنی تالیفات میں قدیم حالات و واقعات کے سلسلہ ملانے کی غرض سے انھیں اشعار کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ ابن ہشام۔ ابن قتیبہ طبری۔ ابوالفدا۔ ابن خلدون۔ یعقوبی۔ یاقوت۔ مسعودی۔ وغیرہم۔ انھیں حدائق شعرا کے گلچیں ہیں اور اب اسلامی تالیفات اور عربی تاریخوں میں عرب کے ازمنۂ سابقہ کی تاریخ کے متعلق جو کچھ جستہ جستہ اور غیر مسلسل حالات منقول ہیں وہ یا تو انھیں اشعار قدیمہ سے مستنبط کیے گئے ہیں یا قدیم عرب کے اون بچے کھچے تالیفات سے ماخوذ ہیں جو ابن ہشام اور کلبی وغیرہ کو ہاتھ آئے ہیں۔ مگر جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہ سرمایہ نہ مکمل کہا جا سکتا ہے نہ مسلسل۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اتنی بے شمار مدت کے بعد اون کے تفصیلی حالات معلوم ہونا نہایت دشوار ہے۔ اور اسی باعث سے شمس العلما شبلی صاحب نے اس وادی میں ہمت کا قدم نہ بڑھایا۔ اور اون کے حالات کو قطعاً مرفوع القلم فرمایا۔ اس کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو وہی تحقیق کی دقت۔ مواد کی قلت اور دوسری سیرۃ النبی صلعم کے متعلق آپ نے ان حالات کو زاید از ضرورت اور باعث طوالت سمجھا۔ ممکن ہے کہ کسی حد تک آپ کا یہ گمان و قیاس صحیح ہو۔ مگر میرے نزدیک رسول عربی پیغمبر مدنی اور خصوصاً المکی الابطحی التہامی (روحی لہ الفدا) کے سیرت نگار کو ان خصوصیات و تعلقات پر نگاہ رکھنا ضرور تھا۔ کہ جس مقدس زمین سے قدرت نے رسول ہاشمی صلعم کو مخلوق و مبعوث فرمایا۔ وہ آپ سے پہلے۔ انبیا و مرسلین علیہم السلام کی جائے ولادت مقبلائے عبادت اور مقام زیارت بن چکی ہے۔ اور ان تمام نفوس قدسیہ کو عرب کے انھیں اقوام سابقہ اور قبایل قدیم سے پورا تعلق ہے۔ جن کو آپ نے اپنے تحریری جریدہ سے نظری کر دیا ہے۔ میں نے انھیں خصوصیات کے بنا پر ان کے قدیم حالات کو کسی قدر زیادہ تحقیق و تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اور اپنے سلسلہ بیان کو امم قدیمہ اور عرب کے اقوام سابقہ کے حالات و واقعات سے مرتب کر کے بالکل مکمل کر دیا ہے۔

عرب کے اشعار جاہلیت گویا تنہا عربی مولفین و مصنفین کے تالیفات و تصنیفات کو ان معلومات کا

کا فی ذریعہ سمجھنا بھی ناکافی ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ کتب مقدسہ قدیمہ۔ اور دیگر مذاہب و اقوام کے اون جدید تالیفات و تصنیفات اور تازہ انکشافات کا مطالعہ اور موازنہ بھی ضروری ہے۔ جو عرب میں قبل و بعد ظہور اسلام مدون اور مرتب ہوئی ہیں۔ میں نے اس ترتیب اور سلسلہ کے خیال سے چار اقسام مختلفہ کے ماخذوں سے خوشہ چینی کی ہے۔ اور اون کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں چُن دیا ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو عرب کے قبایل و اقوام قدیمہ کی تفصیل میں آگے بڑھائیں۔ ہم کو اپنے مرقومہ بالا ماخذوں کی حقیقت کا انکشاف بھی نہایت ضروری ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ادبیات اسلامیہ (۲) ادبیات اسرائیلیہ

(۳) ادبیات یونانیہ رومانیہ (۴) انکشافات اثریہ

ادبیات اسلامیہ میں قرآن مجید۔ اشعار عرب قبل اسلام۔ اسلامی کتب جغرافیہ۔ تاریخ و انساب شامل ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں عرب کے مختلف قوم و قبائل کے حالات مختصرہ مذکور ہیں۔ اون سے صرف عبرت اور بصیرت فی الاحوال مقصود و منظور رہے۔ اس لئے یہ بالکل صحیح ہے اور یہ واقع ہے کہ قرآن مجید میں جغرافی۔ تاریخی اور سیاسی حالات ملک کی تلاش و جستجو بالکل بیکار ہے۔ عہد نبوت میں زیادہ تر خیالات تمام تحصیل دینیات اسلام کی طرف متوجہ تھے۔ اور نیز اس وجہ خاص سے کہ علوم دینیات کو ان تعلقات ملکی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور صحابہ بھی خود اپنے ملک کے سیاسی اور تاریخی حالات جانتے تھے۔ وہ ان کے نزدیک بالکل کافی تھے۔ اسلئے عہد نبوت سے لیکر چاروں خلافتوں کے زمانہ تک ان اقسام کے تدوین و ترتیب کی کوئی فکر نہیں کی گئی۔

خلافت رابعہ ہی کے عہد سے استنباط علوم اور اسلامی تالیفات کی تدوین کی ابتدا ہوئی۔ اور سب سے پہلے ابو الاسود دؤلی نے علم النحو کے ابتدائی اصول باب مدینۃ العلم کی خدمت سے حاصل کر کے مستنبط کئے۔ گویا عربی نحو اور ادبیات کی اسی وقت سے بنیاد قائم ہوئی۔ امارت معاویہ کے زمانہ میں سب سے پہلے عبید بن شریہ نے علم تاریخ کی تدوین کی اور کتاب اخبار الملوک الماضین لکھی اس کے بعد اسی زمانہ میں ہشام کلبی اور قاضی ابو البختری نے انساب میں اور ابن ہشام نے مغازی سیرت اور تاریخ کو ترتیب دیا۔

ہر شخص اس امر کو تعجب سے دیکھے گا کہ اسلام میں حدیث و تفسیر کی کتابوں سے پہلے۔ کتب

تاریخ و انساب کی تالیف و تصنیف شروع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخ و علم الانساب کے موضوع کیلئے عرب کی طبیعت اور فطرت قدرت کی طرف سے خاص کر موزوں پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے اصول فطرت کے مطابق سب سے پہلے اون کی طبیعت کا رجحان و میلان اوسی شے کی طرف ہوا جس سے اون کو خاص دلچسپی تھی۔

اسلامی عالم تالیفات و تصنیفات - عبید ابن شریہ امیر معویہ کا معاصر تھا۔ اس کی اصل کتاب اخبار الملوک الماضین (گذشتہ بادشاہوں کے حالات) تو بالکل معدوم ہے۔ مگر اس کے اقتباسات مسعودی میں جابجا موجود ہیں۔ اس کتاب کے بعد دوسری اور تیسری صدی میں ذیل کی کتابیں لکھی گئیں۔

کتاب مفاخرات قیس والیمن۔ (۲) کتاب خبر عبد القیس (۳) کتاب مناقب باہلہ (۴) کتاب بکر والکرم (۵) کتاب بیوتات العرب (۶) کتاب ماثر العرب۔ (۷) کتاب ماثر غطفان (۸) کتاب قصۃ الکعبہ (۹) کتاب الخمس من قریش (ارباب حدیث نے اس تمام واقعہ کی تغلیط کی ہے۔ مؤلف) (۱۰) کتاب الاوس والخزرج (۱۱) کتاب ایام بنی یشکر (۱۲) کتاب المبرد (۱۳) کتاب ایام بنی مازن (۱۴) کتاب قحطان و عدنان۔ یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ یہ تمام کتاب ایک تنہا اسلامی مولف ابو عبیدہ کی ہیں۔ کیا یہ اوس کے کمال کا معیار نہیں ہو سکتا۔ اسی زمانہ کے دوسرے مولف ہشام کلبی کے تالیفات یہ ہیں:-

(۱) کتاب من نقل من عاد و ثمود و العمالیق و جرہم و بنی اسرائیل من العرب (۲) کتاب ملوک کندہ (۳) کتاب طسم و جدیس (۴) کتاب عاد الاولی والثانیہ (۵) کتاب تفرق عاد (۶) کتاب اصحاب الکہف (۷) کتاب الحیرۃ۔ قاضی ابو البختری کی کتاب طسم و جدیس ابن ہشام کی تالیف سیرۃ النبی ہے۔ جس کے مقدمہ میں عرب قدیم کی تاریخ ہے۔ پھر اسی ذکر کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کیا اور اوس کا نام کتاب التیجان رکھا۔ ہمدانی کی تصنیفات صفۃ الجزیرۃ العربیہ لیڈن (یورپ) میں چھپ گئی ہے۔ اوس کی دوسری کتاب اکلیل کامل ابھی تک نہیں ملی۔ اوس کا ایک ٹکڑا پروفیسر ڈی۔ اچ۔ مولر D. H. Mueller کی سعی و اہتمام سے شائع ہوا۔ جو ذیل کے دس بابوں پر منقسم ہے:- باب اول در بیان ابتداے خلقت و تقسیم انساب۔ و اقوام عرب و عجم و حمیر۔ باب دوم در بیان نسب فرزندان الہمیسع ابن حمیر۔ باب سوم در بیان فضائل قحطان۔ باب چہارم در بیان تاریخ یعرب ابن قحطان تا عہد تبع ابوکرب۔ باب پنجم در بیان تاریخ عہد اوسط از تبع ابوکرب تا عہد ذو نواس۔ باب ششم در بیان تاریخ عہد آخر از ذو نواس تا عہد اسلام۔ باب ہفتم در بیان قصص کاذبہ و اخبار مستحیلہ۔ باب ہشتم در بیان عمارات حمیر و شاہان حمیر و مشکرہا ے حمیر و مقابر و مزارات حمیر و اشعار حمیر و نقوش و کتابات حمیر۔ باب نہم ضرب الامثال زبان حمیری و خط حمیری۔ باب دہم حالات قبیلہ ہمدان حمیر۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ ہندوستان۔ ایران

دوسری اور تیسری صدی میں تو متعدد کتابیں۔ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ اور انساب میں لکھی گئیں جن کی کامل فہرست حاشیہ پائین صفحہ میں مختصر ذکر کے ساتھ قلم بند کی گئی ہے۔ چوتھی صدی سے علم جغرافیہ کی ابتدا ہوئی اور سب سے پہلے ابن اسحاق ہمدانی نے عرب کے جغرافیہ میں دو کتابیں صفۃ جزیرۃ العرب اور اکلیل لکھیں۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ جزیرہ عرب کا خاص جغرافیہ ہے۔ اکلیل یمن کی خاص تاریخ ہے۔ دونوں بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ اور مولف دونوں کتابوں سے استنباط واستخراج مستفید ہو چکا ہے (انکے باقی حالات حاشیہ زیریں میں ملاحظہ ہوں)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ افغانستان اور غالباً خاص عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں کہیں بھی اس کتاب کے کسی جزو یا کل کا موجود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مگر برٹش میوزیم۔ لندن (عجائب کدہ لندن) اور رائل لائبریری برلن (شاہی کتب خانہ۔ برلن) میں موجود ہے۔ مستشرقین یوروپ اس کتاب کی بڑی قدر کرتے ہیں اور عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق اس سے زیادہ مستند کوئی اور حوالہ نہیں سمجھتے۔ ہمدانی چونکہ۔ خود حمیری سلسلہ سے تھا اور زبان حمیری سے واقف بھی تھا۔ اس لئے آثار وکتبات کو وہ پڑھ سکتا تھا۔ اب ہم ان مولفین عرب اور ان کی تالیفات کی ایک فہرست ذیل میں لکھ دیتے ہیں جنہوں نے اقوام وقبائل عرب قدیم کا ذکر کیا ہے

نام مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	مقام طبع
ابن ہشام	سنہ ۲۱۸ھ	کتاب السیرۃ	مطبوعہ یورپ ومصر
ابو الولید ازرقی	سنہ ۲۲۳ھ	اخبار مکہ	" "
ابن قتیبہ	سنہ ۲۷۶ھ	کتاب المعارف	" "
ابن واضح یعقوبی	سنہ ۲۷۸ھ	تاریخ یعقوبی	" "
ابو جعفر طبری	سنہ ۳۱۰ھ	تاریخ الرسل والملوک	" "
حمزہ اصفہانی	سنہ ۳۶۰ھ	تاریخ سنی ملوک الارض	کلکتہ
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مصر
ابو الفدا	سنہ ۷۳۲ھ	المختصر فی احوال البشر	یورپ ومصر
ابن خلدون	سنہ ھ	العبر ودیوان المبتدا والخبر	" "

۱۔ اشعار عرب قبل اسلام کے متعلق علقمہ ابن علکم ایک شاعر نے قصیدۂ نونیہ میں حمیر قوم تبع کے حالات اور عام عمارات کے ناموں کو نظم کیا ہے۔ سنہ ۵۷۳ھ میں نشوان ابن سعید الحمیری نے قصیدۂ حمیریہ کے نام سے۔ خاندان حمیر کی تاریخ نظم کی جس میں سلاطین حمیر کے کثرت سے نام گنائے گئے ہیں۔ سیرت کا سلسلہ جیسا ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ دوسری صدی سے آغاز ہوا۔ عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ یا سیرت نگار ابن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۱ھ جو اس وقت ابن ہشام المتوفی سنہ ۲۱۸ھ کی روایت سے موجود اور اوس کی تصنیف کتاب السیرۃ کا جزو اعظم ہے۔ اس کے بعد کے مورخین اسلام نے بھی عموماً اپنی تاریخ کی تمہید میں تاریخ عرب و بنی اسرائیل کے ضمن میں اشخاص و اقوام عرب کے حالات لکھے ہیں۔ (ان مولفین اور اون کی تالیفات کی فہرست بھی حاشیہ میں ملاحظہ ہو)

بقیہ حاشیہ صفحہ اولیٰ۔ عربی جغرافیہ نویس اور اونکی کتابوں کے نام:-

مصنف	سنہ وفات	نام تصنیف	کیفیت
ابو زیاد کلابی	اواخر سنہ ۲۰۰ھ	کتاب النوادر	کتاب کے چند ٹکڑے ہیں۔ ایک عرب کے جغرافی حالات میں ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں جغرافیہ کی سب سے پہلی کتاب ہے
نضر بن شمیل	سنہ ۲۰۳ھ	کتاب الصفات	کتاب کا دوسرا ٹکڑا عرب کے خیمہ گاہوں، گھروں، پہاڑوں اور گھاٹیوں کے بیان میں ہے
ہشام بن محمد کلبی	سنہ ۲۰۶ھ	کتاب البلدان کتاب الاقالیم	دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں۔ حاضرات قصبات عرب دوسرے میں جغرافیہ عالم
ابو سعید الاصمعی	سنہ ۲۱۶ھ	کتاب جزیرۃ العرب والمیاہ العرب	پہلی کتاب میں عام جغرافیہ عرب ہے۔ دوسری میں عرب کے تالابوں، چشموں اور دیگر وادیوں کے بیان میں۔
سعدان بن مبارک	اوائل سنہ ۳۰۰ھ	کتاب الارضین والمیاہ والجبال	عرب کی زمین۔ پہاڑ اور تالابوں کے بیان میں۔
ابو سعید حسن السکری	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	کتاب المناہل والقری والابیات	عرب کی گھاٹیوں، آبادیوں اور گھروں کے بیان میں۔
عمر ابن رستہ	اواخر سنہ ۳۰۰ھ	الاعلاق النفیسہ	اس کتاب کی ساتویں فصل جغرافیہ عرب ہے۔ اصل کل کتاب نے صدنا یاب ہے۔ ایک ٹکڑا متعلق صنعا (یمن) سیکٹ اسٹاتی ٹیوب نمبر ۸ میں ہے جسکو ڈکونوکا ایمل نے چھاپا ہے۔
ابن حائک ہمدانی	سنہ ۳۳۴ھ	صفۃ الجزیرۃ العرب	جغرافیہ عرب میں محقق ترین کتاب ہے۔ عرب کی اقلاع و اقوام قبائل چشمے، آثار، راستہ۔ پہاڑ تالاب۔ چراگاہ وادی معدنیات۔ آثار قدیمہ۔ مقامات، تفاصیل۔ بعد مسافت وغیرہ کے بیان میں۔
ابو زید بلخی	سنہ ۳۴۰ھ	کتاب البدء والتاریخ الاخبار	فصل تیسری عرب کے جغرافیہ اور اسکے مساجد۔ راہ اور اسکے عجائب آثار کے بیان میں فرانسیسی مستشرق کلمان ہوار نے اوس کو شائع کیا ہے۔
ابو سعید حسن السیرافی	سنہ ۳۶۸ھ	کتاب جزیرۃ العرب	عرب کا عام و تمام جغرافیہ
حسن بن محمد المعروف ابن الحائک	سنہ ۳۸۰ھ	کتاب الاودیۃ والجبال	عرب کے پہاڑوں اور وادیوں کے بیان میں
محمود بن عمر زمخشری	سنہ ۵۳۸ھ	کتاب الامکنۃ والمیاہ والجبال	عرب کے مقامات، تالاب اور پہاڑوں کے بیان میں
البکری	سنہ ھ	معجم ما استعجم	مقامات عرب کے بیان میں، گوتنجن (یورپ) میں چھپی ہے۔
جلال الدین سیوطی	سنہ ۹۱۱ھ	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنہ والبقاع	چھ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ عرب کے تمام مقامات کا استقصا ہے ملخص از معجم یاقوت چھپ گئی ہے۔

جغرافیہ نگاران عرب کی نسبت یہ بد اعتقادی پھیلی ہوئی ہے کہ گویا وہ اس صنف علم سے بالکل کورے تھے۔ اونہوں نے بذات خود اپنے ملک یا غیر ممالک کا کوئی جغرافیہ نہیں لکھا۔ بلکہ بطور مستعار دوسروں کے تحقیقی معیار اپنی تالیفات و تصنیفات میں نقل کئے اس غلط خیال کے پھیلانے والے زیادہ تر یوروپین مولفین اور زمانہ موجودہ کے خام محققین ہیں جو اونھیں کے خوشہ چیں ہیں اور اس عالم فریبی میں اون کے شریک ہیں۔

یوروپین مولفین اور ان کے معتقدین کو اگر تحقیق مسائل کا مذاق سلیم حاصل ہے تو اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اہل اسلام یعنی مسلمانان عرب میں جغرافیہ نویسی کی ابتدا خود عرب سے ہوئی اور اون میں اس شائستہ علم کا سلیقہ اوس وقت سے پیدا ہوگیا تھا کہ جب عرب میں کوئی متنفس یونانی لفظ "جغرافیہ" کے معنی کیا نام سے بھی واقف نہ تھا۔ یوروپین محققین نے اپنی غلط فہمی اور کوتہ عقلی سے یہ سمجھا ہے کہ عربوں نے یونانی اور رومانی جغرافیہ عرب کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ اول

مصنف	سن وفات	نام تصنیف	کیفیت
ابن خردازبہ	سنہ ۲۵۰ھ	کتاب المسالک والممالک	مطبوعہ یوروپ۔ اس کتاب میں یمن کے نام سے عرب کا ذکر کیا ہے۔
ابن فقیہ ہمدانی	سنہ ۲۹۰ھ	کتاب البلدان	مطبوعہ یوروپ۔ باب یمن۔ ذکر مکہ۔ طائف۔ مدینہ۔ یمامہ اور یمن (میرے پاس موجود ہے)
ابن واضح یعقوبی	او سنہ ۲[illegible]ھ	کتاب البلدان	مطبوعہ یوروپ۔ (میرے پیش نظر ہے)
اصطخری	سنہ ۳۴۰ھ	کتاب المسالک والممالک	مطبوعہ یوروپ۔ باب اول ذکر جغرافیہ عرب۔
مسعودی	سنہ ۳۴۶ھ	مروج الذہب	مطبوعہ مصر (موجود)
ابن مردویہ	سنہ ۳۵۲ھ	معجم البلدان	قلمی موجودہ کتبخانہ حیدرآباد۔ و بانکی پور۔ بترتیب حروف ہجا عرب کے حسب ذیل شہروں کے حالات ہیں ام القری۔ بحرین۔ عمان۔ عرب۔ جعان۔ مدینہ
ابن حوقل	سنہ ۳۶۲ھ	کتاب المسالک والممالک	مطبوعہ یوروپ۔ باب اول میں عرب کے پہاڑ۔ ریگستان۔ اور راستوں کو بیان کیا ہے۔
ابوالبشار بشاری مقدسی	سنہ ۳۷۵ھ	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مطبوعہ یوروپ۔ عرب کے صوبے قصبے گاؤں۔ عمارات۔ معدنیات اور کھنڈروں کو بیان کیا ہے
ادریسی	سنہ ۵۴۸ھ	نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق	صرف ایک حصہ چھپا ہے۔
یاقوت حموی	سنہ ۶۲۶ھ	معجم البلدان	مطبوعہ مصر دس جلدوں میں بترتیب حروف عرب کے تمام مقامات۔ پہاڑ۔ تالاب۔ دریا وادیوں کا ذکر ہے اور انکا طول و عرض بلد بھی لکھا ہے
ذکریا قزوینی	سنہ ۶۸۲ھ	آثار البلاد	مطبوعہ یوروپ۔ مختصر کتاب ہے بترتیب اقالیم۔
شمس الدین دمشقی	سنہ —	نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر	مطبوعہ یوروپ۔ باب ۹ فصل ۱۰ میں عرب کا تمام جغرافیہ۔ حدود صوبے شہر اور قلعوں کو بیان کیا ہے
ابو الفدا	سنہ ۷۳۲ھ	تقویم البلدان	مطبوعہ یوروپ۔ فصل اول میں عرب کے ۴۲ آبادیوں کا ذکر اور انکا طول و عرض بلد بھی لکھا

خیال قطعی غلط ہے ۔ یونانی اور رومانی اور دیگر اقوام وممالک کی کتابیں تو تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے زبان عربی میں ترجمہ ہونی شروع ہوئی ہیں اور عرب کا قدیم جغرافیہ دان سنہ ۲۰۰ھ کے اواخر میں اپنی جغرافیہ کی کتاب "کتاب النوادر" کے نام سے مرتب کر چکا تھا۔

عرب قدیم سے جغرافیہ نویس تھے ۔ اون کے متقدمین اور متاخرین مولفین نے کثیر التعداد جغرافیہ کی کتابیں لکھی ہیں جو اس علم خاص میں اون کے کمال وجامعیت کی کامل ثبوت ہیں۔ (سلسلہ عبارت حاشیہ میں ان کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے) جغرافیہ کے متعلق اونہوں نے دو قسم کی کتابیں تیار کیں ۔ ایک تو وہ جس میں خاص عرب کا جغرافیہ ہے ۔ دوم وہ جس میں دیگر اقالیم عالم کے ساتھ عرب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ادبیات اسلامیہ کے سلسلہ تفصیل میں ۔ قرآن مجید ۔ اشعار ایام قدیم ، تاریخ اور جغرافیہ کے معلومات اور اون کے ماخذوں کا ذکر ہو چکا اب کتب تفسیر کی حقیقت یہ ہے ۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ تاریخ وانساب کے بعد عرب میں اس کی تدوین ہوئی ۔ اور سب سے پہلے مجاہد ابن جبیر صحابی نے عہد بنی امیہ میں اپنی تفسیر تیار کی ۔ مجاہد کا سال وفات سنہ ۱۰۴ھ ہے ۔ اس لئے یہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے کہ عرب کی پہلی کتاب تاریخ اخبار الملوک ماضیہ سے ۵۹ برس بعد یہ تفسیر مرتب کی گئی ۔ مفسرین اور اون کی تفاسیر بھی حاشیہ کے سلسلہ عبارت میں مرقوم ہیں۔

عرب کا علم حفظ الانساب ۔ ادبیات اسلامیہ کے ذیل میں کتب الانساب بھی ضروری عناصر میں داخل ہیں ۔ مخصوصاً موجودہ تفصیل اقوام وقبایل قدیمہ کے لئے ان کی بڑی ضرورت ہے ۔ یہ صنف تالیفی تو عرب کی مسلمہ جولانگاہ ہے ۔ اور قدیم سے اس فن شریف میں اون کو دستگاہ کامل حاصل ہے اس لئے اس کی نسبت ہم کو زیادہ تحقیق وتفتیش کی ضرورت نہیں ۔ تاہم ظہور اسلام

بقیہ مضمون حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ مفسرین اور اونکی تفاسیر کے نام یہ ہیں۔

مفسر اور انکی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور اسکی تفسیر کا نام	سن وفات	مفسر اور اسکی تفسیر کا نام	سن وفات
تفسیر مجاہد ابن جبیر	سنہ ۱۰۴ھ	تفسیر مقاتل ابن سلیمان	سنہ ۱۵۰ھ	تفسیر ابراہیم بن معقل النسفی	سنہ ۲۹۵ھ
تفسیر دیلمی	سنہ ۳۱۰ھ	تفسیر ابن جریر طبری	سنہ ۳۲۰ھ	تفسیر ابن ابی حاتم	سنہ ۳۵۴ھ
تفسیر ابن حبان	سنہ ۴۱۰ھ	تفسیر ابن مردویہ	سنہ ۵۱۶ھ	تفسیر بغوی (اسکے علاوہ بہت سی تفسیریں اور ہیں طول سمجھکر نہیں لکھی گئیں)	سنہ

سے ان مولفین کے سلسلہ کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موضوع پر اہل اسلام میں سب سے پہلے دغفل بکری نے اپنی کتاب لسان الحمرہ تیار کی۔ پھر عبید بن شریہ نے قرن اول میں۔ ابن کوا، ارقی۔ عوانہ بن حکم ابو الیقظان، ہشام کلبی، محمد ابن سائب کلبی۔ مدائنی۔ فاکہانی۔ مصعب بن عبد اللہ زبیری۔ زبیر ابن بکار مصنف انساب قریش۔ اصمعی۔ ابو عبیدہ۔ ابن ہشام مصنف انساب حمیر و ملوک حمیر المبرد اور ازرقی۔ اور اخیراً بلاذری۔ سمعانی۔ ابن حزم اور قلقشندی وغیرہم محققین انساب پیدا ہوئے اور تفصیل و تشریح انساب میں انکے تالیفات جیسے قابل قدر ہیں۔ وہ دنیا جانتی ہے۔

انساب عرب کی خصوصیت کے متعلق ہم کو ایک جملہ معترضہ کی تنقیح ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مستشرقین جدید عرب کے ان انساب کی کتب قدیم کو غلط اور بے اصل سمجھتے ہیں۔ اس کی قطعی صحت کا کثیر التعداد امتداد ایام کی بنا پر ہم دعویٰ نہیں کرتے مگر دعوے کے ساتھ اتنا ضرور کہیں گے کہ مسٹر رابرٹسن اسمتھ Mr. Robertson Smith اور مسٹر نولدیکی Mr. Noldeke نے اپنی غلط فہمیوں سے جتنا سمجھا ہے۔ اوس سے کہیں زیادہ صحیح اور قوی الاصل ہیں۔ نولدیکی ان الفاظ میں عربی انساب کی کتابوں پر موئخذ آتا ہے۔

اب علماء کے لئے موقع آگیا ہے کہ ان غلط خیالات کو پس پشت ڈالدیں جو چاہتے ہیں کہ عربوں کی کتب انساب کو جن کو محمد کلبی اور اسکے بیٹے ہشام کلبی نے گڑھا ہے۔ مان لیں۔ تاکہ قبائل عرب قدیمہ و جدیدہ کے تعلقات تحقیق و یقین کے ساتھ ظاہر ہوں کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ تمام قبائل بنی قیس جو وسط ملک عرب میں آباد ہیں وہ صرف ایک شخص کی نسل سے ہوں۔ بنی قیس جو مسیح سے کچھ پہلے تھا۔ اس لئے ہماری تحقیق یہ ہے کہ کوئی قبیلہ درحقیقت اپنے اوس پدر اول سے واقف نہیں جس کی طرف وہ منسوب ہے۔

رابرٹسن اسمتھ کہتا ہے۔

یہ محقق ہو چکا ہے کہ چند قبائل زمانہ ماضی غیر قدیم میں کسی شخص کیطرف منسوب نہ تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں سب سے سہل اور مسکت جواب تو یہ ہے کہ جب نئی اور پرانی۔ دونوں دنیا کی آبادی۔ ایک آدم (علیہ السلام) کی اولاد ماننے پر آجتک عقلاً اور نقلاً کوئی استعجاب و استبعاد نہیں پیش کیا گیا۔ تو بنی قیس کی کثرت و وسعت پر نولدیکی کا استعجاب و استبعاد محققین کے نزدیک بالکل قابل مضحکہ سمجھا جائیگا۔

پھر انساب کے لاتعداد زمانہ تک استحفاظ کو بعید از عقل سمجھ کر اس میں تعریض کو پیش کرنا بھی معترضین کی غلط فہمی ہے حقیقتاً وہ عرب کے قومی تمدن سے بالکل ناواقف ہیں۔ زمانہ لامعلوم التعداد سے عرب کا ایک ایک قبیلہ کیا ہر ہر فرد واحد کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے دوستوں کی مدح اور دشمنوں کی ہجو کے لئے انساب محفوظ رکھے۔ عرب کا ہر وہ قبیلہ جو غیر پدر کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ تمام طور سے عرب میں ذلیل وحقیر سمجھا جاتا ہے۔ اور بطور نشان ملامت کے اوس کا نام لیا جاتا ہے۔ شعرائے عرب کیا قریب قریب عرب کے تمام قبائل وعشائر ان ضرورتوں کے لحاظ سے حفظ انساب کے لئے مجبور تھے۔ پھر اونکی انساب کی تفصیل کیسے غیر صحیح یا ناقابل اعتبار سمجھی جا سکتی ہے اور غیر قوم۔ غیر ملک والوں کو ایک لاتعداد امتداد ایام کے بعد اون کی تردید وتنقید کا کیا حق حاصل ہے۔ بنو قیس کی کثرت ووسعت پر یہ اعتراض بھی چلنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ بنو قیس کی طرح چھ سو برسوں کی مدت میں ایک شخص کی اولاد سے چند بطون وقبائل کا پیدا ہو جانا نہ محال عادی ہو سکتا ہے نہ محال فطری۔

مستشرقین یورپ کو کتب انساب عرب کے غلط ہونے کا گمان کیونکر پیدا ہوا؟ اسکی حقیقت سن لیجئے۔ نئی روشنی کے زمانہ میں اوہام پرستی کی بنا پر۔ جہاں سینکڑوں کیا ہزاروں "ازم" پیدا ہو گئے۔ اور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ وہاں توتزم (طوطمیت جس کی تعریب ہے) بھی ایجاد ہوا۔ اسی ذہنی مجسمہ یا قیاسی مسئلہ کی خاص تسمیہ سے وہ ازمنہ قدیمہ مقصود ہیں۔ جن میں انسان کا تمدن اور اوس کی تہذیب بالکل طفل مہد تھی۔ اس لئے ہر بڑی اور قوی چیز اوس کی ضعیف نگاہوں میں عظیم ترین معلوم ہوتی تھی۔ اسی بنا پر اوس زمانہ کے لوگ۔ دیوتوں۔ ستاروں۔ حیوانوں اور درختوں کیطرف اپنے حسب ونسب کو تعظیماً منسوب کرتے تھے۔ اسی کو طوطمیت اور اسی زمانہ کو طوطمیت کا دور خاص کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں کثرت سے اس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ جیسے سورج بنسی۔ چندر بنسی اور ناگ بنسی وغیرہ۔ یہ قبائل اپنے آپ کو آفتاب وماہتاب کی نسل خاص سے سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ محالات بدیہی ہے۔ اب ہر شخص سمجھنے لگا ہے کہ حقیقتاً یہ اون کے مورث اعلی کا نام نہیں۔ بلکہ اون کے قبیلہ کی دیوی کا نام ہے۔ جس کی طرف وہ تعظیماً منسوب کئے گئے ہیں۔

قبیلہ عرب میں بنو شمس وغیرہ اسی قسم کے نام ہیں۔ اور حیوانات کے نام بھی ہیں۔ مثلاً بنو اسد۔ بنو کلب۔ بنو ثعلب وغیرہ وغیرہ ان کی طرف نسبت کی وجہ وہی سمجھنی چاہیئے۔ جو

اوپر لکھی گئی۔ جانوروں کی وجہ تسمیہ میں تواضع اور انکسار کا خیال و رعایت بھی شامل ہے۔

افسوس ہے حقیقت ناشناس مستشرقین یورپ نے عرب کے ناموں میں جانوروں کی نسبت و رعایت کو بھی ہندوؤں کے اصول پر سمجھ لیا۔ حالانکہ اون کا یہ خیال تاریخ عرب سے اون کی قطعی ناواقفیت ثابت کرتا ہے۔ یہ اون کی کھلی وہم پرستی ہے۔ عرب میں کبھی اس قسم کا خیال پیدا ہی نہیں ہوا۔ تاریخ عالم سے مذاق سلیم رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس خیال کا وجود ہندوستان۔ مصر اور یونان کے حدود سے آگے نہیں بڑھا۔ تعجب ہے کہ یورپ کے محققین عرب کی میتھالوجی (علم الاصنام) کو ہندوستان و یونان کے اصول میتھالوجی سے ملاتے ہیں۔

اول تو اس قسم کے نام عرب میں صرف چند ہیں۔ اور جو ہیں بھی۔ اون میں کلب (کتا) نمل (چیونٹی) ثعلب (لومڑی) کون سی گرامی قدر ہستیاں ہیں جن کے انتساب سے خاندان کی بنیاد قائم ہو۔ اگر اسی کو یورپین محققین کتب انساب کی غلطی کا باعث سمجھتے ہیں تو وہ سمجھ لیں کہ اس روشن خیالی کے زمانہ میں اون کا خاص طبقہ روشن بھی اس قسم کی رعایت و نسبت سے خالی نہیں پایا جاتا۔ یورپ کے اقطاع متفرقہ اور بلاد مختلفہ میں سیکڑوں اور ہزاروں ذی اثر اور مقتدر بزرگوں کے نام۔ فاکس (Fox) (لومڑی) بل (Bull) (بیل) ثابت ہوتے ہیں۔ کیا ان پر حلوطیت کا الزام نہیں لگایا جائیگا؟

مندرجہ بالا جملہ معترضہ معرض بیان میں خواہ مخواہ حائل ہوگیا۔ اس کی تنقید و تصحیح کر دی گئی سلسلہ بیان ادبیات اسلامیہ میں جو ازمنہ قدیمہ اور امم سابقہ کے اطلاعات کے ذریعہ قائم کئے گئے ہیں۔ کتب انساب کے بعد عرب کی زبانی اور خاندانی مرویات کا نمبر ہے۔ جو نسلاً بعد نسلاً عربوں میں محفوظ رہ کر اسلامی کتب میں مدون ہو گئے۔ مسلمانوں کے اصول روایت کی رو سے گو یہ ذریعہ علم زیادہ محفوظ نہیں۔ لیکن جو خاندانی روایتیں متفقاً اور بلا انکار و بغیر اشتباہ و شک عرب میں عام طور سے مشہور تھیں اور جن کا فخر ہر موقع پر ظاہر کیا گیا اور کسی نے بھی اوس کے انکار و نفی کی وجہ نہ پائی تو یہ گویا درحقیقت تواتر کی حیثیت رکھتی ہیں جنکی تردید اصول تاریخ کی رو سے مستحیل ہے۔

ادبیات اسلامیہ انہیں عناصر سے مرکب اور ہمارا موضوع تالیف انہیں ذخائر سے مرتب ہے۔

ادبیاتِ اسرائیلیہ

ہماری موجودہ تالیفات میں۔ ادبیات اسرائیلیہ قسم دوم کا ماخذ ہیں۔ اس ماخذ میں توریت کی کتب خمسہ کتبیم نبیم۔ ترگوم۔ مدراش اور تالمود۔ داخل ہیں۔ اور انھیں کے مجموعہ کا نام ادبیات اسرائیلیہ قرار پایا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراۃ۔ اصل میں لفظ عبری ہے جس کے معنی قانون اور شریعت کے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی کتب خمسہ کے مجموعہ کا نام توراۃ ہے۔ گویا کلیم اللہ علیہ السلام کے نظم رسالت کی کلیات یہی ہے۔ اس خمسہ کلیمیہ کی پہلی کتاب کا نام سفر تکوین ہے جس میں ذکر بدء (کائنات) آدمؑ و حوا۔ نوحؑ و ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ و یعقوبؑ و یوسفؑ قلمبند ہیں۔ دوسری کتاب کا نام سفر خروج ہے۔ جس میں ذکر حضرت موسیٰؑ و فرعون۔ بنی اسرائیل و بعض احکام و قانون شامل ہیں۔ تیسری کتاب کا نام سفر الاحبار ہے۔ جس میں ذکر شریعت و قوانین شریعت اور حرام و حلال اشیاء کی تفصیل مندرج ہے۔ چوتھی کتاب کا نام سفر العدد ہے۔ جس میں ذکر تعداد بنی اسرائیل وقت خروج از مصر و غزوات حضرت موسیٰؑ و بعض احکام شریعت مندرج ہیں۔ پانچویں کتاب کا نام سفر الاستثنا ہے۔ جس میں قوانین اور احکام شریعت داخل ہیں۔

نبیم۔ بنی کی جمع بقاعدہ عبرانی ہے۔ اور میم سے ہوتی ہے۔ عربی قاعدہ سے نبیین کہنا چاہیے مثلاً خاتم النبیین صلعم۔ یہ دفتر اسرائیلیہ انبیائے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ و مراثی کا مجموعہ ہے۔ اور خصوصاً سفر حضرت یوشعؑ۔ سفر القضاۃ۔ سفر سموال۔ سفر الایام۔ اور سفر الملوک کہ ان میں صرف تاریخی حالات و واقعات ہیں۔ اکثر توراۃ کا اطلاق توراۃ و نبیم دونوں پر ہوتا ہے۔ نبیم کے بعض حصہ کو کتبیم بھی کہتے ہیں جو اقوال انبیائے بنی اسرائیل کے نقول و کتابت سے مراد ہے۔

ترگوم یا ترجوم یعنی ترجمہ و بیان۔ ترگوم ارامی زبان میں۔ توراۃ و نبیم کی تفسیر و توضیح کا نام ہے۔ جو ربیون (ائمہ یہود) نے انبیا کی زبانی یادداشت و روایت کی بنا پر کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ ۶۰۰ ق م سے ۱۰۰ء تک ہے۔

مدراش کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث کا ہے۔ لفظ مدراش اور عربی درس ایک چیز ہے۔

تلموذ یا تالمود۔ فقہ اسرائیلی ہے۔ جس کی بنا کتب سابقہ پر ہے۔ اور جس کی ترتیب بترتیب ابواب و فصول مسائل قائم کی گئی ہے۔ لفظ تلمود۔ عربی تلمیذ ہے۔ جس کے معنی تعلیم و تعلم کے ہیں۔

یہ بتلا دینا بھی ضرورت سے زیادہ ہوگا کہ یہود کے نزدیک تو یہ تمام کتابیں مستند ہیں۔ نصاریٰ

صرف توراۃ، یشعیم اور کتبیم کو تسلیم کرتے ہیں اور انھیں کے مجموعہ کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اسلام میں ان کے اعتبار کی کیا حقیقت ہے؟

اسلام میں وہی اصول عامہ ان کی صداقت و صحت کا بھی معیار قرار دیئے گئے ہیں یعنی انکی مرویات بھی جو معارض قرآن و حدیث صحیحہ ہیں، وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ مصطلحات فقہیہ اور الفاظ شرعیہ میں اسکو سقوط کہتے ہیں یعنی وہ حالات و واقعات جو توراۃ میں ہیں اور قرآن میں نہیں۔ وہ سقوط کی خاص اصطلاحی نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ جزو نہ وحی ربانی ہے اور نہ مقصود قرآنی۔ اسی طرح مضافاۃ بھی ایک اصطلاحی نام ہے۔ اور اس سے وہ حالات مراد ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مگر توراۃ میں نہیں۔ جہاں ایسے اضافے ہیں وہ اصل میں اوس واقعہ کا خاص نکتہ تھا جس کو ان کتابوں نے جن میں تصرفات و مداخلات انسانی معتبر ذرائع سے ثابت ہو چکے ہیں، بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مگر قرآن مجید نے جس کی تنزیل صرف کتب مقدسہ اور الہامات قدیمہ کی تکمیل، تصدیق، تصحیح کی ضرورت و مدعا سے ہوئی تھی۔ پھر ان فروگزاشتوں کو اصلیت اور حقیقت حال سے پر کر دیا۔ سقوط و اضافات کے دونوں صورتوں کے واقعات پر طبقہ مخالفین اسلام میں ڈیڑھ ہزار برسوں سے علماء مستشرقین اور سینکڑوں محققین کی نگاہیں پڑ چکی ہیں۔ مگر اون میں سے کسی کو اس کی صداقت اور اصلیت میں کلام کی آج تک جرأت نہیں ہوئی۔ جیسا کہ انکی اکثر مثالیں ہمارے موجودہ تالیف کے سلسلہ بیان میں بھی اپنے اپنے مقام پر پائی جائیں گی۔

ہم نے اپنی تالیف کا ماخذ ان کو کیوں بنایا، صرف ایسا ضرورت سے کہ امم قدیمہ اور انبیاء و مرسلین سابقین کے وہ حالات و واقعات، جو ہمارے مقاصد تالیفی سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تفصیل اسلامی ادبیات میں ضرورت سے زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں کی گئی ہے۔ قلمبند کرنا اور بقدر ضرورت اون کو تفصیل سے لکھنا نہایت ضروری ہیں۔ اور ظہور اسلام کے ابتداء کے واقعات گذشتہ کی تصحیح، تشریح اور تسلسل کا قائم رہنا بھی، تا وقتیکہ بائبل کے واقعات جو کثرت سے ان اخبار و آثار قدیمہ میں موجود ہیں بیان نہ کئے جائیں ممکن نہیں تھا۔ باوجود ضرورت موجودہ کے مولف نے ان تمام واقعات کی نقل و اندراج میں نقد واقعات کے متعلق اونھیں اصول کا برابر لحاظ قائم رکھا ہے جو محققین و ناقدین اسلام نے اس فن خاص کے لئے مقرر کئے ہیں۔

ادبیات یونانیہ و رومانیہ

یونانی اور رومانی مورخوں، سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے بھی جستہ جستہ اور متفرق طور پر اون ممالک و قبائل کا ذکر کیا ہے۔ جن پر ممالک و قبائل عرب قدیم ہونے کا کامل اطلاق ہوتا ہے۔ اسلئے ان سے استنباط بھی ہمارے لئے ضروری تھا۔ ہم نے اپنی موجودہ تالیف میں اس طبقہ کے جن مصنفین اور اون کی تصنیفات سے مدد لی ہے۔ اون کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

ہیروڈوٹس Herodotious یہ یونانی مؤرخ اور جغرافیہ نویس حضرت مسیح سے ۴۰۰ برس قبل تھا۔ اس نے یونان و ایران کی تاریخ لکھی ہے۔ اور اسی ضمن میں مصر، افریقہ اور عرب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی تاریخ کا عربی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر اس مورخ کا علم ملک عرب کی نسبت نہایت نامکمل تھا محققین قدیم و جدید نے اس کی غلطیوں کی پوری تنقید و تصحیح کر دی ہے۔

ہیروڈوٹس کی ایک صدی بعد سکندر اعظم ایران و مصر پر فاتحانہ قابض ہوا۔ اس تعلق خاص سے ارسٹھنیس Arotosthenes المتوفی ۱۹۶ ق م۔ جو یونانیوں کے عہد میں کتبخانہ اسکندریہ کا مہتمم تھا اس نے سکندر کی مہمات سفر سے جو نتائج تازہ معلوم ہوئے تھے اون کے ساتھ جغرافیہ عام کی ایک کتاب لکھی۔ اوس کی اصل کتاب تو ضائع ہوگئی لیکن اس کے بعد ایک اور جغرافیہ نویس یونانی اسٹرابو Strabo نے اس کتاب کے چند ابواب اپنی کتاب میں نقل کئے خوش قسمتی سے جن میں ایک عرب کا باب بھی محفوظ ہے۔ ارسٹھنیس نے یمن کے قبائل سبا و معین اور اون کے تمدن کا اور نیز قبائل حضرموت کا اور عرب کا روال کے اون راستوں کا جو براہ قریہ Gerra (خلیج فارس کو اور براہ تہامہ۔ راس خلیج عقبہ کو پہنچتے ہیں۔ ذکر کیا ہے

ارسٹھنیس کے تقریباً سو برس بعد سسلی کا مشہور مؤرخ ڈیوڈورس Deodorious المتوفی ۸۰ ق م پیدا ہوا جس نے عرب کے بعض حالات کا نشان دیا۔ نبط کی حکومت کا ذکر کیا۔ اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ کعبہ مکرمہ کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا ہے۔ (گبن ج ۳ باب ۵۰) افسوس ہے کہ اس کتاب کا زیادہ تر حصہ تلف ہو گیا۔

اب یونان کی جگہ پیا ملک داری پر روم آگیا۔ رومی سردار الیس گالوس AliusGallus کی ماتحتی میں جنوبی عرب پر رومیوں نے حملہ کیا اور ایک حصہ فتح بھی کر لیا۔ لیکن عرب کے بے آب گیاہ صحرا سے شکست کھا کر خود اون کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

اسٹرابو (Strabo) المتوفی ۲۴ ق م نے اپنے جغرافی تصنیف میں رومیوں کی اپنی مہم کا حال لکھا ہے۔ اس مہم میں نبطیوں کے علاوہ عرب کے دو شہروں کے نام آتے ہیں نگرانا اور ماریبا (Negrana Mariaba) جو صحیح طور سے نجران اور شہر مآرب ہیں۔

اسٹرابو کے بعد پلینی Pliny المتوفی ۷۹ء کا نام لینا چاہیئے۔ جو کتاب تاریخ طبعی کا (Natural History) کا مصنف ہے۔ اس نے مشرقی سواحل عرب کا اور خصوصاً اوس مہم کا ذکر کیا ہے۔ جو رومیوں نے مشرقی سواحل کے اکتشاف کے لئے روانہ کی تھی۔

پلینی کے سو برس بعد۔ دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کا مشہور ہیئت داں و جغرافیہ نویس بطلیموس Ptolemy پیدا ہوا۔ اسوقت رومن طاقت اپنے عروج و کمال پر تھی بطلیموس نے تمام دنیائے معمورہ معلوم کا ایک نقشہ عرب تیار کیا اور پھر اسی نقشہ کی تشریح و تفصیل کے لئے جغرافیہ میں ایک کتاب لکھی[1]

بطلیموس کی نوعیت و ندرت یہ ہے کہ سب سے پہلے اوس نے معمورۂ عالم کو طول بلد اور عرض بلد پر منقسم کیا اور پھر ان خطوط کے ذریعہ سے اوس نے مقامات کی تعیین کی۔ اسلئے بطلیموس کی یہ تصنیف باعتبار جغرافیہ طبعیہ Natural Geography یا جغرافیہ وصفیہ (Despripture Geog:) کے جغرافیہ فلکی Astromunical Geog: سے زیادہ قریب ہے۔

یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ بطلیموس خود سیاح عرب نہ تھا۔ اسکندریہ اوس زمانہ میں عرب تاجروں کا مرکز تھا۔ اس نے انہیں تاجروں اور کاروانوں سے دریافت کرکے عرب کا جغرافیہ ترتیب دیا۔ بطلیموس نے عام طور سے عرب کے مشہور قبائل شہر گاؤں۔ پہاڑ۔ سواحل۔ تجارتی منزل اور تجارتی راستوں کو بیان کیا ہے۔ لیکن چند ناموں کے سوا اب ان منازل و قبائل کے نام بالکل غیر مفہوم ہیں۔ عربی محققین کے علاوہ ایک یوروپین مشہور مصنف بن بری Bunbury نے بھی اس حصہ تالیف بطلیموسی سے بد اعتقادی ظاہر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور مصنوعی ناموں کا مجموعہ ہے لیکن جرمن مستشرق اسپرنگر Springer نے قدیم جغرافیہ عرب "Anoient Geography of Arabia"

---

[1] اس کتاب کا عربی میں اول ابو یوسف کندی کی فرمائش سے ترجمہ ہوا۔ لیکن اچھا نہ تھا۔ پھر ثابت ابن قرہ نے تیسری صدی ہجری میں اسکا ترجمہ کیا۔ کتاب الفہرست ص ۲۶۸ طبع لیبزک۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۲۸-۲۹

میں جو سنہ ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ نہایت قابلیت سے بطلیموس کے ناموں اور مقاموں کا عرب جغرافیہ نویسوں اور موجودہ سیاحوں کے بیانات سے مقابلہ کیا ہے۔ اور ان کی صحت ثابت کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند ناموں کے سوا اور تمام ناموں کی تطبیق بتکلف ہو سکتی ہے۔ اور اس کی مثالیں ہماری کتاب میں جابجا ملیں گی۔

بطلیموس کے جغرافیہ کے متعلق آج سے ہزار برس پہلے مسلمان جغرافیہ نویس مسعودی اور پھر اس کے تین سو برس بعد یاقوت حموی خود بھی شکایت کر چکے ہیں جیسا ہم ایک مقام اوپر لکھ بھی آئے ہیں مستشرق ہوگارتھ Hogarths اسی بنا پر لکھتا ہے۔

> بطلیموس کا کاروانوں کی زبان سے ان کی (عرب) تحقیق اور یونانی حروف و لہجہ میں اُس کی (الفاظ عرب) تغیر اور پھر انقلابات و حوادث روزگار کا تواتر، ناسخین (کتابت) کتاب کی جہالت و ناشناسی۔ ان وجوہ سے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ایک لفظ اپنے مخرج سے کہاں کہاں جا پڑتا ہے۔ The Penetration of Arabia by Hogarth. P. 9-24.

یونانی اور رومانی مصنفین کے تذکرے میں ایک قابل الذکر یہودی مصنف بھی ہے۔ اس فاضل محقق کا نام یوسیفوس (Eusophious) ہے۔ یونانی، لاطینی اور رومانی زبانوں میں اس کی متعدد تصانیف متعلق تاریخ و مذہب یہود ہیں۔ اس کی سب سے مشہور اور قابل قدر تاریخ کتابیں جو ہیں ہم سے ہماری تالیف کے لئے بھی مفید ثابت ہوئی ہیں یہ ہیں۔ قدامت یہود، محاربات یہود اور فلسفہ یہودیت۔ اس مصنف کی وسیع النظری اور تصانیف کثیرہ کی تدوین کا باعث حقیقی یہ ہے کہ یہ فاضل پہلی صدی عیسوی میں اسکندریہ میں مقیم تھا اور وہاں کے مشہور اور قدیم کتب خانہ کا خاص مہتمم جس میں بابل اور مصر کی تمام قدیم تاریخیں موجود تھیں۔ یوسیفوس کو خوش قسمتی سے یہ موقع زریں ہاتھ لگا۔ اور اس نے ان ہی بابلی و مصری تاریخوں سے بابل و مصر کی تاریخ کے اقتباسات نقل کئے جن سے عرب کے قدیم قبائل و اقوام کے واقعہ نگاروں کو بھی بہت کچھ مدد ملی۔

بابل کے جس مورخ کا یوسیفوس نے حوالہ دیا ہے وہ بیروشوس ہے۔ اور مصر کے مورخ کا نام مانیتھون بتلایا ہے۔ ان دونوں مصنفین کے اقتباسات بیحد مفید نکلے ہیں۔

اکتشافات اثریہ

ہمارے معلومات کے چار گانہ ذرائع ہیں۔ چوتھے نمبر کا ذریعہ اکتشافات اثریہ ہیں جن سے الواح

کتبات اور عمارات و نیز دیگر آثار قدیمہ مراد ہیں۔ اور فی الحال یمن۔ حضرموت۔ حوران۔ تدمر۔ بطرا علا۔ مدائن صالح۔ صفا۔ حجر۔ حجاز۔ عراق اور مصر میں قدیم عربوں کے بہت سے آثار۔ عمارات اور یادگاریں ہیں جن میں ہزاروں کتبے اور نقشے کندے ہیں۔ ان کتبات اور نقوش سے علمائے آثار قدیمہ نے عجیب غریب نتائج استنباط کئے ہیں۔ یہ کتبات و نقوش زیادہ تر حمیری (مسند) سبائی۔ آرامی اور نبطی خط میں ہیں۔ دولت بنی امیہ اور عباسیہ کے ابتدائی زمانوں میں جبکہ تاریخی مذاق مجتہدانہ حیثیت رکھتا تھا۔ ان آثار کی تحقیق کی گئی۔ اور ان میں سے اکثر خطوط اور زبانوں سے اسوقت کے علما واقف تھے۔ ذوالنون مصری جو دوسری صدی میں تھے مصر کے خط برابی (ہیروگلفی) پڑھتے تھے۔

حمیری محقق علامہ ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں تمام مشہور آثار کے نام گنائے ہیں۔ قلعہ ناعط جو سلاطین یمن نے پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کیا تھا۔ اسلام سے تقریباً پندرہ (۱۵) سو برس قبل کی تعمیر ہے۔ وہب بن منبہ نے (جنہوں نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا) اس کا ایک کتبہ پڑھا تھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ ایوان اسوقت تعمیر کیا گیا جبکہ ہمارے لئے مصر سے غلہ آتا تھا۔" معجم البلدان ذکر ناعط

یاقوت حموی نے معجم البلدان۔ ذکر ناعط میں اسکا ذکر کیا ہے۔ عرب جاہلیت کا ملک الشعراء امراء القیس اس رفیع الشان ایوان کی نسبت کہتا ہے۔

هو المنزل الآلاف من جو ناعط بني اسد
حزناً من الارض اوعرا

یہ وہ ہے جو ناعط کی بلندی سے ہزاروں آدمی زمین پر لا سکتا ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں (سنہ ۴۴ھ تا سنہ ۵۰ھ) عبدالرحمن مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعہ حصن غراب پر ایک کتبہ پایا تھا۔ اسکا عربی ترجمہ یہ ہے۔

ونصطاد صيد البر بالخيل والقنا وطورا
نصيد النون من لجة البحر ولينا ملوك
يبعدون عن الخنا شديد على اهل
الخيانة والغدر يقيم لنا من دين هود
شرائعا ونؤمن بالآيات والبعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضا يريدنا برزنا جميعا
بالمثقفة السمر

ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلی نکال لاتے ہیں۔ ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں وہ ہمارے لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم احکام الٰہی اور بعث و نشر پر ایمان لائے ہیں جب کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لیکر نکل پڑتے ہیں۔

یہ کتبہ علامہ نویری نے اپنی تاریخ مسالک الابصار میں نقل کیا ہے۔ لیکن تاریخ مذکور کے اکتشافات کے بعد ۱۸۳۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک مشن یمن میں بھیجا تھا۔ اوس کو یہی کتبہ اصل قدیم حمیری خط میں ملا۔ اصل کتبہ کا ذکر قوم عاد کے تذکرہ میں بہت جلد آئیگا۔ فارسٹر صاحب Forestor کی تحقیق میں یہ کتبہ قوم عاد کا ہے اور عرب کے قدیم ترین کتبات سے ہے۔ جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھارہ سو برس (۱۸۰۰) قبل ہے۔ فارسٹر صاحب نے اپنے تاریخی جغرافیہ میں (ص ۹۱-۹۰) اس کا جو ترجمہ کیا ہے۔ نویری کے ترجمہ سے بہت کم مختلف ہے۔

مورخ کلبی کے زمانہ میں۔ قبیلہ ذوی الکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تخت پایا جس پر ایک مردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک زرین سپر تھی۔ جس پر سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اوس سپر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہوگی)

بسم اللہ رب حمیر انا حسان بن عمرو القیل	اللہ کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں عمرو قیل کا بیٹا حسان ہوں معجم البلدان۔ لفظ شبعین

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری خدا کے قائل تھے اور اونکا معبود اللہ تھا۔

حماد روایہ کے بھانجے نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قوم عاد کا ایک پتھر کا پایا تھا۔ جو پتھر میں پیوست تھا۔ اوس پر یہ شعر لکھے تھے۔ (اصل شعر نہیں بلکہ عربی ترجمہ ہے) معجم البلدان۔ لفظ شمخ

الا هل الى ابيات شمخ بذي اللوى لوى الرمل من قبل الممات معاد بلاد بها كنا وكنا نحبها اذ الاهل اهل والبلاد بلاد	مقام ذواللوٰی میں جو مکانات ہیں کیا مرنے سے پہلے پھر وہاں جانا نصیب ہوگا یہ وہ شہر ہے جہاں ہم رہا کرتے تھے اور جن سے محبت رکھتے تھے جبکہ لوگ لوگ تھے اور شہر شہر تھے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یمن میں ایک دفعہ سیلاب سے۔ ایک قبر کھل گئی۔ تو ایک عورت کی لاش نکلی جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے سرہانے ایک لوح تھی جس پر یہ کتبہ لکھا ہوا تھا۔

باسمك اللهم اله حمير انا تاجة بنت ذي شفر بعثت مائرنا الى يوسف فابطأ علينا فبعثت لاذتي بمد من ورق لتأتيني بمد من طحين فلم تجده فبعثت بمد من ذهب فلم تجده	تیرے نام پر جو حمیر کا خدا ہے۔ میں ذوشفر کی بیٹی تاجہ ہوں میں نے اپنے قاصد کو یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی۔ پھر سونا بھیجا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات

فنبشت بحق من حمير فلم تجده فاقرت به
فطن فسلم انقعر به فانتقلت ممن تقبر
فليرحمني وانه امرة لبست حليا من حليتي
فلا ماتت الا ميتتي

پیس کر آٹا بنایا جاوے۔ لیکن وہ بیکار تھا۔ جو شخص میرا حال سنے اوس کو میرے حال پر رحم کرنا چاہیے۔ جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

اس کتبہ کو فارسٹر صاحب نے بھی اپنے جغرافیہ صفحہ ۱۰۳ میں مع انگریزی ترجمہ کے نقل کیا ہے۔ یہ کتبہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اس قدر زمانہ قدیم سے تحریر کا رواج تھا اور نیز یہ بھی کہ حمیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے تھے۔

حمزہ اصفہانی المتوفی ۳۶۰ھ نے ایک حمیری کتبہ کا ذکر کیا ہے جس کی عبارت یہ تھی۔

بنام خدا، شمر یہرعش (شاہ حمیر) نے آفتاب دیوی کے لیے بنایا۔ تاریخ الملوک الارض ص ۸۰ الکلتہ

ابن حائک ہمدانی حمیری المتوفی ۳۳۴ھ علامہ مقدسی۔ یاقوت حموی۔ علامہ نویری اور قزوینی نے بھی اپنی تصنیفات و تالیفات میں اس قسم کے آثار و کتبات کا مفصل ذکر کیا ہے۔

عرب کے متعلق اہل یورپ کے اکتشافات اثریہ

بہرحال یہ ایک ادھوری کوشش تھی۔ حقیقتاً اہل یورپ نے اس شاخ کو بے انتہا ترقی دی ہے اور اسے ایک خاص مستقل فن بنا دیا ہے۔ انہوں نے خطوط قدیمہ ان کتابات و نقوش کو اس طرح حل کیا ہے کہ اون سے عرب کی تاریخ قدیم کے متعلق عجیب و غریب انکشافات حاصل ہوئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اہل یورپ کو اولاً مقامات مذکورہ توراۃ کے اکتشافات و تحقیقات کا خیال پیدا ہوا۔ جو علی العموم بجز عرب کے مقامات و اقوام ہیں۔ اس سلسلہ میں بابل، مصر، فلسطین، حوران اور عرب کے دیگر آثار کی طرف بھی توجہ ہوئی ہے۔ ہمکو صرف آثار عرب سے تعلق ہے۔ اور ہم نے اسی کے متعلق محققین یورپ کے ان اکتشافات سے مدد لی ہے۔

ان میں سب سے پہلا یوروپین سیاح اور مکتشف آثار عرب نیبوہر Neubkar ہے۔ یہ محقق ۱۷۶۲ء میں تہامہ یمن کی طرف عازم ہوا۔ اس کے بعد جب محمد علی پاشا خدیو مصر اور وہابی امیر نجد کی جنگ شروع ہوئی اور یورپ نے مصر کا ساتھ دیا تو اوس وقت یورپ کو سیاحت عرب کا سب سے پہلا اور سب سے بہتر موقع نصیب ہوا۔ ان سیاحوں کے حالات و اکتشافات و تحقیقات پر انگریزی میں ہوگارتھ D.G. Hogarth نے ایک مستقل کتاب ۵۰۰ صفحوں پر لکھی ہے۔

نیبوبھر ڈنمارک (Denmark) کا رہنے والا تھا۔ سلطنت کی طرف سے محققین آثار قدیمہ کے ایک وفد کے ساتھ ۱۷۶۱ء میں روانہ ہوا۔ یہ جماعت مستکشفین آثار قدیمہ ایک برس تک مصر اور جزیرہ نمائے سینا کی سیر و سیاحت کرتی رہی ۱۷۶۲ء میں عرب میں داخل ہوئی۔ اور ڈیڑھ پونے دو برسوں تک ملک یمن اور اوس کے تمام توابعات و مضافات کی سیر و تلاش کر کے ہندوستان کی طرف واپس ہوئی۔ نیبوبھر ہندوستان سے دوبارہ پھر عرب میں پہونچا۔ اور اس کی بار اوس نے خلیج فارس، بصرہ، شام اور فلسطین کے مقامات قدیم کی سیر کی۔ پھر ڈنمارک لوٹ گیا۔ اس وفد کے نتائج سفر ۱۷۷۲ء میں نیبوبھر نے شائع کئے۔ جن کی وجہ سے پہلی بار علمی اور تحقیقی پیرایہ میں یورپ کو نہ صرف یمن سے بلکہ تمام عرب سے اطلاع ہوئی۔

نیبوبھر کے بعد سر نبرگ اور ہمپرچ C. G. Ereberg W. F. Hemprich نے تھامہ اور جزائر سواحل عرب کا سفر کیا۔ پھر ایک فرانسیسی ٹمیزیر (M. O. Tamusien) شیفارڈ Chefau اور ماری Mary. نے مصری فوج کے ساتھ عرب کے علاقہ عسیر کی سیر کی۔

پھر تو مغربی محققین اور یوروپین مکتشفین کا تانتا بندھ گیا۔ ہر سال غول کے غول لوگ آنے لگے اور ریگستان عرب کی خاک چھاننے لگے۔ ان میں سے ارنارڈ L. Arnaud پہلا یوروپین ہے جس نے جنوبی جوف (عرب) اور مآرب کا سفر کیا۔ یہاں کے کتبات سنگین کو چرایا اور سد عرم کا نقشہ تیار کیا۔ ارنارڈ کے اس کارنامہ کو دیکھ کر مسٹر ہالوے J. Halway بے چین ہو گئے۔ یہ فاضل علم آثار قدیمہ کا مشہور و معروف یوروپین عالم تھا۔ ۱۸۶۹ء میں عازم ملک عرب ہوا۔ سب سے پہلے یہ دار الحکومت یمن شہر صنعا میں پہونچا۔ پھر صنعا سے شمال مشرقی جانب المدینہ آیا۔ جو پانچ ہزار عرب باشندوں کا مسکن اور ضلع نجم کا مرکز ہے۔ اسی طرح اس محقق نے سات برس کے مسلسل سفر میں یمن اوس کے تمام مضافات و متعلقات کی خاک چھان ڈالی۔ یہاں تک کہ عرب کے صحرائے عظیم کو بھی یہ تحقیق کا سودائی طے کرتا ہوا علاقہ نجران تک پہونچ گیا۔

ہالوے کے بعد آسٹریا کا عالم آثار گلازر (Glaser) (۱۸۵۵ء تا ۱۹۰۸ء) ہے جس نے علم آثار عرب کی سب سے زیادہ خدمت کی۔ اس نے دولت عثمانیہ کے زیر حفاظت صنعا کے شمالی و مشرقی جوانب کا مشاہدہ کیا۔

حضرموت | جنوبی ساحل عرب سے اندرون ملک میں جانے کی کوشش سب سے پہلے ۱۸۴۳ء

ہیں گئیں۔ جب دو انگریز افسر لفٹنٹ کروٹنڈن C. Cruttenden اور ولسٹڈ J. R. Wellsted سواحل عرب کی پیمائش کے لئے متعین کئے گئے۔ ان دونوں نے وادی میقات میں نقب الحجر کے کھنڈروں کا معائنہ کیا۔ یہاں اور نیز مُکلا کے پاس حصن غراب میں حمیری کتابات کا انکشاف کیا یہ سب سے پہلی دفعہ ہے۔ جب حضرموت میں عربی تمدن کا سراغ ملا۔

ان کے بعد اڈولف وان وریڈے (Adolph Von Wrede) سنہ ۱۸۴۳ء میں مُکلا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور حضرت ہود پیغمبر کی قبر پر جو حضرموت میں واقع ہے زیارت کو پہنچا۔ پھر وہاں سے شمال کیطرف مڑا اور وادی دوان کے سطح مرتفع تک پہونچ گیا۔ اور جنوبی صحرائے عظیم تک اسکی سیاحت اور مشاہدے تمام ہو گئے۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں ہارش "L. Hirsch" سلطان مُکلا کی زیر حفاظت قصبہ سیون اور تریم سے جو سلطان کے مقبوضات ہیں آگے بڑھا۔ پہلے یہ وادی دوان پہونچا۔ اس نے قریہ نجران کے پاس قدیم عمارات اور کتبات کا کھنڈر پایا۔ یہاں سے وہ واپسی میں وادی ابن علی اور وادی ادیم ہو کر مُکلا واپس آیا۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد ملکی پیمائش کی ضرورت سے گورنمنٹ آف انڈیا نے تھیوڈر بنٹ J. Theodore Bent اور اون کی ہمراہی جماعت کو بھیجا۔ اس سفر میں لیڈی بنٹ بھی ہمراہ تھیں۔ یہ لوگ حضرموت پہونچے اور ان دونوں میاں بی بی نے یہاں بہت سے حمیری یادگاروں اور کتبات کا معائنہ کیا۔

عمان | عمان ایک مدت سے انگریزی حکومت کے زیر اقتدار ہے تعجب ہے کہ یوروپین سیاح مسقط سے آگے نہیں بڑھے۔ برٹش دستہ فوج جو سنہ ۱۸۲۱ء میں عمان گیا تھا۔ سواحل سے آگے نہیں بڑھا سکے۔ ولسٹڈ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور جس نے جنوبی عرب میں حضرموت کی تفتیش کی تھی۔ سنہ ۱۸۳۵ء میں دوبارہ شمالی عرب کی تحقیق کو نکلا۔ مسقط سے وہ جہاز پر راس الحد تک آیا پھر جنوب کی طرف صحرا کے کناروں تک قبیلۂ بنو علی تک پھرا۔ پھر وادی بثہ اور نجان ہو کر حضرموت کے شہر شحرا اور وہاں سے ہندوستان واپس آیا۔ ایسے ہی عمان سے ہو کر کرنل مائلس Coronel. S. B. Miles نے بھی ظہیرہ۔ القطار وغیرہ تہامات کی سیر کی۔

حجاز | حجاز کا پہلا یوروپین سیاح ایک اسپینی ہے جسکا نام بیڈیے لیبلچ Badiay Leiblich ہے۔ یہ شخص علی بن عباسی کے نام سے مسلمان بنکر سنہ ۱۸۰۷ء میں جدہ پہونچا۔ اور حاجیوں کے قافلہ

کے ساتھ مکہ معظمہ پہونچا۔ یہ سب سے پہلا یوروپین ہے جس کو شہر مقدس کی زیارت اور اعمال حج کے مشاہدے کا شرف حاصل ہوا۔

حجاز کی سب سے عمدہ تصویر برکھارڈ (Burkhardt) نے کھینچی اور یورپ اس کے لئے اسکا شکر گذار ہے۔ یہ جولائی ۱۸۱۴ء میں جدہ آیا۔ جب محمد علی پاشا خدیو مصر وہابیوں سے برسر پیکار تھا۔ برکھارڈ پہلے طائف پہونچا پھر مکہ اور یہاں تین مہینے شہر کے جغرافی اور سیاسی حالات لکھتا رہا۔ جنوری ۱۸۱۵ء میں مدینہ منورہ گیا۔ اور وہاں کے حالات کا بھی جغرافی اور ریاضی نظر سے معائنہ کرتا رہا۔

اس کے بعد پروفیسر سر رچرڈ برٹن (Sir Richard Burton.) بھی ایک مسلمان حاجی کے بھیس میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہونچا اور یہاں کے جغرافی اور طالوغرافی (ریاضی جغرافی) حالات کی سب سے زیادہ تحقیق کی۔ اس سفر کے پچیس برس بعد حکومت مصر کی طرف سے وہ مدین میں سونے کی کان کی تلاش میں بھیجا گیا۔ سونے کی جو کان وہاں ملی اوس میں سونا نکالنے کی کوششوں کے قدیم آثار معلوم ہوتے تھے برٹن کو اوسوقت سونے کی مقدار بہت کم ملی۔ تاہم سونے سے زیادہ گراں قیمت اکتشافات اثریہ اوسکے ہاتھ آئے۔

نجد | کپتان سیڈلیر (Capt Sadleer) ولین نے (G.E.Wallien) ۱۸۴۵ء میں اور مسٹر پالگریو نے (W.G. Palgrive) ۱۸۶۲ء میں بمصر و نجار کے خاص تعلق سے۔ نجد۔ ریاض۔ حائل شمر اور حجاز کا مشاہدہ کیا۔ انکے معائنات میں بجز عرب کے اجتماعی۔ زراعی اور عام سفر کے حالات کے کوئی علمی دلچسپی نہیں ہے۔ اور عجب نہیں کہ یورپ کے لئے یہ خبریں بھی بالکل نئی ہوں۔ مگر با اینہمہ پالگریو جیسے سطحی النظر کو بھی مجلس اکتشافات عرب میں۔ یہاں ایک بلند درجہ دیا جاتا ہے۔

شمالی عرب | جنوبی عرب (یمن وحضرموت) کی طرح شمالی عرب میں بھی قدیم یادگاروں کے ٹوٹے پھوٹے مخزن ہیں۔ جن میں حوران۔ بطرا۔ تدمر۔ مدین۔ مدائن الصالح۔ صفا۔ اور العلا وغیرہ عتیق العمر اور کثیر الآثار ہیں۔ سب سے پہلا ان مقامات کی سیر کرنے والا جس نے بطرا کے کھنڈروں کو دیکھا وہی برکھارڈ (۱۸۱۲ء) ہے۔ اسکے بعد چارلس ڈوٹی Charles Doughty ایک انگریز ہے جس نے ۱۸۶۵ء میں ان مقامات کا سفر کیا۔ اور الحجر۔ مدائن الصالح اور العلا کو مشاہدہ کر کے مفید معلومات کا ذخیرہ ساتھ لایا۔ اور اپنے تمام سرمایہ کو پیرس میں پروفیسر رینان (Renan) کے پاس بھیجا۔ اوس نے اور آگے سفر کرنے کی اجازت بھیجی۔ چنانچہ اوس نے نجد و حجاز کے تمام درمیانی مقامات کا

مشاہدہ کیا شہر تیما میں اس نے بہت سی قدیم یادگاریں دیکھیں اور یہاں ایک مشہور یادگاری پتھر جس پر عبارت کندہ تھی اوس کو ملا۔ وہ آیندہ موسم گرما میں شہر حائل گیا۔ وہاں سے واپس ہو کر خیبر پہنچا اور یہاں چند مہینوں تک سیر و سیاحت کر کے جدہ واپس آ گیا۔

ڈوٹی کے تین برس بعد ولفرڈ Welfrid اور لیڈی اینو بلنٹ Anno Blunt نے ایک نوجوان شیخ عرب کی معیت میں، جو شہر تدمر کا باشندہ تھا۔ عرب کا سفر کیا۔ یہ لوگ پہلے دمشق آئے پھر صحرائے شام اور وادی سرحان ہوتے ہوئے جوف پہونچے جوف سے جبل شمر ہو کر شہر حائل میں آئے۔ یہاں ابن رشید امیر نجد نے اونکا نہایت تپاک سے استقبال کیا۔ پھر ایک مہینہ بعد یہاں سے ایرانی قافلہ کے ساتھ یہ لوگ کربلا و بغداد ہو کر نکل آئے۔

۱۸۸۳ء میں فرانسیسیوں کی سیاحت کا زمانہ آیا۔ مسٹر سی ہوبر (C. Hubar) کی معیت میں ایک اور یوروپین عالم اکتشافات یوٹنگ (J. Euting) نامی تھا۔ انہوں نے اکتشافات سے ڈوٹی کی ناتمام تحقیقات کامل کر دی۔ ہوبر کی تحقیقات و اکتشافات۔ عام حالات و واقعات سے بلند تر اور زیادہ علمی ہیں۔ جس کی عرب کی آرکیالوجی (علم القدامت) اور ٹاپوگرافی (علم تخطیط البلدان) نہایت ممنون ہے۔ ہوبر نے حائل اور تیما کے درمیان بہت سے کتبات کا سراغ لگایا۔ اور ڈوٹی کے بیان کردہ مشہور منقوش پتھر کو حاصل کیا۔ جو نبوآب کی یادگار ہے اور جس کے سامی آثار میں نہایت گرانبہا وقعت ہے۔

ہوبر یہاں سے خیبر آیا اور وہاں سے براہ راست نجد، نجد سے مکہ اور مکہ سے جدہ۔ جدہ پہونچکر خوش قسمتی سے اوس نے اپنی تحقیقات و اکتشافات کا تمام سرمایہ یہاں چھوڑ دیا اور خود جولائی ۱۸۸۴ء میں اندرون ملک پہونچا۔ یہاں عربوں کے ہاتھ سے مارا گیا اوس کی تحقیقات و اکتشافات کا مجموعہ بعد میں شائع ہو گیا۔

حدود سفر | یوروپین سیاحوں کے مقامات سفر کا نقشہ اگر ہمارے سامنے ہو۔ تو نظر آئیگا کہ نصف شمالی عرب کو جوف سے مکہ تک اونھوں نے بالکل چھان ڈالا ہے نصف جنوبی عرب میں ایک ثلث حصہ صحرائے اعظم (ربع الخالی) کا ہے جس میں سفر مرادف موت ہے بقیہ حصص میں استثنائے جوف، نجران و یمن وہ سواحل سے سو میل سے آگے نہیں بڑھے۔

شہر تدمر کا نشان یورپ کو بہت پہلے مل چکا تھا۔ ڈاکٹر ولیم ہیلیفکس (W. Halifax.) ۱۶۹۱ء پہلا یوروپین سیاح تدمر ہے۔ وہاں کے عمارات کی تحقیق ووڈ Wood اور ڈاکنس Dawkins نے ۱۷۵۱ء میں کی لیکن ایپیگرافی کے لحاظ سے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات پرنس ابامالک Abumelek نے ۱۸۸۴ء میں اور واڈنگٹن Waddington نے

اور ویرن D. Vogue نے ۱۸۹۲ء میں انجام دی اور ان پر تصنیفات و رسائل ترتیب دیئے۔

سدِ مآرب عرب کا ملک قدرتاً دریا سے محروم ہے۔ اس لئے اس کی زراعتی زندگی کا مدار زیادہ تر ان پہاڑی چشموں پر ہے جو بہہ کر وادیوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اور پھر وہ ریگستانوں میں خشک ہو جاتے ہیں یا سمندر میں گر جاتے ہیں نیز وہ پہاڑوں سے اس طرح یکایک اوبل پڑتے ہیں کہ دور تک آبادیوں کو بے نشان بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب وادیوں میں بند آب تعمیر کیا کرتے تھے جس کو عربی میں سد کہتے ہیں۔ عرب کا مشہور ترین سد، سد مآرب ہے جس کو سد عرم بھی کہتے ہیں۔ جو تقریباً ڈیڑھ ہزار برس سے منہدم ہے اور جس کی شکستہ دیواریں زائرین عدن کے لئے نشان عبرت ہیں۔

یوروپین سیاحوں میں سدِ مآرب کا مشاہدہ سب سے پہلے ارناؤ نے کیا لیکن اوسکی اصلی اہمیت گلاذر نے اپنے اکتشافات مطبوعہ ۱۸۹۷ء سے ظاہر کی۔ ان کتبات سے اس سد کے متعلق تاریخی حالات بہت روشن ہو گئے ہیں یمن میں حرّان کے پاس شہر میں W.B. Haris نے ایک اور بند دیکھا جس کا طول ۱۲۰ گز ہے اور جگہ جگہ اوس میں بڑے بڑے حوض ہیں۔

آثار حجریہ و نحاسیہ آثار قدیمہ کی یہ صنف سب سے زیادہ کار آمد ہے کہ پتھر اور پیتل کے اشیاء پر اکثر کتبات منقوش ہوتے ہیں اور ان سے بڑے بڑے تاریخی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور نقل و انتقال کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔ انیسویں صدی میں یورپ کے عام عجائب خانوں میں اس قسم کی چیزیں کافی تعداد میں موجود ہیں جن میں سے اکثر پر معینی اور سبا کی زبان اور بعض پر حضرموت اور قتبانین کی زبان میں کتبات منقوش ہیں۔

اپنے ماخذ اکتشافات اثریہ کے متعلق ہم نے یہاں تک ارض القرآن کی مدد سے لکھا ہے۔ اکثر مقامات پر اوس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے اور بعض مقامات پر تلخیص و اختصار سے کام لیا ہے۔ افسوس ہے کہ صاحب ارض القرآن نے تمام سیاحوں یورپ کا نام بنام تذکرہ کیا ہے۔ مگر انگریزی محقق برک ہربوٹ Burk Horburt کا ذکر کرنا بالکل سہو فرما دیا۔ یہ وہ مشہور و معروف انگریزی محقق ہے جس نے یونانی اور رومانی جغرافیہ عرب کو موجودہ جغرافیہ عرب سے تطبیق دیکر اس موضوع پر ایک خاص کتاب مرتب کی ہے۔ یہ اوسی نے بتلا دیا ہے کہ یونانیوں کا حقیقیا و بطلانی قوم سبا کا مشہور شہر تھا۔ اور موجودہ بندرگاہ موزہ جو خلیج عرب پر ایک موجودہ بندرگاہ ہے ایک ہی مقام ہے۔ اور سفاریا ظفار یمن کا وہ کوہستانی حصہ جہاں جغرافیہ بطلیموسی کے مطابق

شہر صفار اور قوم صفاریہ آباد تھی، مراد ہے۔ اس انگریزی محقق کے عجیب و غریب احوال ہم سر سید مرحوم کے خطبات سے حاشیہ پائین صفحہ میں نقل کر دیتے ہیں۔[۵۱]

عربی محققین اور اسلامی مکتشفین نے اپنے امکان کے مطابق ملکی آثار قدیمہ کے جتنے اکتشافات کئے تھے، اور اپنی تالیفات و تصنیفات میں ان کے جسقدر حالات و واقعات لکھے تھے ان کو ہم بالتفصیل اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ہم نے اپنے موجودہ تالیف کے مقدمہ میں عموماً اور اقوام و قبائل قدیمہ کے متعلق خصوصاً۔ اس قسم کے ماخذ سے اکثر مقامات پر مدد لی ہے۔

---

[۵۱] ڈاکٹر سر سید مرحوم اس انگریزی سیاح کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"ہم نے اس کے نام کے آگے رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے الفاظ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جو مسٹر برق ہرورط کے نام کے بعد لکھے گئے ہیں، بلاشک متحیر ہوں گے۔ اور اس حیرت کے رفع کرنے کے واسطے میری دانست میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ نہایت ذی فہم اور ذی علم گاڈفری ہگنس صاحب کی کتاب کی کسی قدر عبارت کا ترجمہ اس جگہ لکھ دیا جاوے۔ گاڈفری ہگنس صاحب لکھتے ہیں۔

یہ مشہور و معروف سیاح برق ہرورط جس نے دار العلوم کیمبرج میں تعلیم پائی تھی۔ ایک نہایت پرغور تحقیق کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر مسلمان ہو گیا اور اپنے عیسائی دوستوں کے مجمع میں بحالت اسلام انتقال کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو دین اسلام کی تعلیم بمقام حلب ایک افندی نے دی تھی۔ اور اسی نے اوسکو مسلمان کیا تھا۔ اور اوس نے وہیں علانیہ اپنے اسلام کا اقرار کیا۔ اور جبکہ وہ بیت اللہ کو روانہ ہوا تو مکہ کے قریب اپنے مذہب اور مسائل اسلام کی واقفیت کے متعلق اوس کو سخت امتحان دینا پڑا جس کے باعث وہ ہمیشہ حاجی کے لقب کا دعوی کرتا رہا۔ اس کی تو مسلمی بالکل سچی اور صاف باطن معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ میں خیال کرتا ہوں کہ اوسکے عیسائی دوستوں سے علی العموم پوشیدہ تھی۔ میں اس حالت کے بیان کرنے سے بہت خوش ہوں کہ میں ایک شریف آدمی سے جو بالفعل سنہ ۱۸۲۹ء سے برٹش گورنمنٹ کے ایک معزز عہدہ پر مامور ہے۔ واقفیت رکھتا ہوں۔ مگر اس کے نام ظاہر کرنے کا مجاز نہیں۔ ان صاحب نے بیان کیا مسٹر برق ہرورط کے انتقال سے تھوڑے دن پہلے وہاں موجود تھا۔ اور مسٹر برق ہرورط نے نہایت سنجیدگی سے مجھے یقین دلایا کہ وہ در حقیقت مسلمان ہیں۔ اور اسی حالت میں مجھے اپنے مرنے کی آرزو ہے۔ اس گمنام سوانح عمری لکھنے والا اپنی کتاب جو اس کے بعد مشہور ہوئی اس کی موت کا حال بیان کرتا ہے، مگر اوس کے مذہب کے بارے میں کوئی لفظ اوس سے نکالنے سے احتیاطاً پرہیز کرتا ہے۔ غالباً اوس کو معلوم ہوگا کہ اگر حق بات زبان سے نکلی تو پادریوں کے بدنام اور رسوا کرنے کی وجہ سے میری کتابوں کی فروخت میں حرج واقع ہوگا۔ لیکن ایک فقرہ جو میرے بیان کی تائید کے واسطے کافی ہے۔ اوس کی زبان سے نکل ہی گیا ہے وہ (برق ہرورط) شب کو پانچ بجے بغیر افسوس و واویلا کرنے کے مرگیا۔ تجہیز و تکفین اوس کی۔ اوسکی وصیت کے مطابق بطریق اسلام کی گئی۔ اور اوس کا جنازہ جو وہ ملکی لوگوں کی نگاہوں میں رکھتا تھا کما حقہ لحاظ رکھا گیا۔ اگر وہ فی الحقیقت مسلمان تھا

ان تمہیدی اور ضروری مضامین اور اپنے تمام ذرائع معلومات کو بیان کرکے اب ہم ملک عرب کے قبائل و اقوام اون کے مختلف مساکن و مواطن اور اون کے تمدنی اور سیاسی حالات و واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

عرب کے قدیم اقوام و قبائل - اون کے مساکن و مواطن اور انکے تمدنی اور سیاسی حالات

عرب کی اقوام قدیمہ - پہلے اقوام قدیمہ کے اقسام لکھے جاتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں قومیت کی بنا حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تمدن اور سیاست کی صلاحیت معمورۂ عالم میں طوفان حضرت نوحؑ کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوحؑ کے بعد پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر تمام اقطاع و اقوام عالم کی تاریخ حضرت نوحؑ کے وقت سے آغاز کی جاتی ہے۔ اور اون کا سلسلہ اسی بزرگ سے ملایا جاتا ہے قوم و قبائل کے اعتبار سے۔ اہل عرب کی تین قسمیں ثابت ہوئی ہیں۔

(۱) عرب البائدہ یا عرب البادیہ (بدوی) یا امم سامیہ یا عاد اولی۔ یا موجودہ اکتشافات تحقیق کے اعتبار سے۔ ہائکسوس (شاہان شبان)

(۲) عرب العاربہ۔ عرب القدیم۔ عرب المتوطن۔ یا عاد ثانی یا جرہم اولی یا عمالیق کہی کہے جاتے ہیں

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ۔ تو اوس نے ضرور اسلامی شریعت کے مطابق اپنی تجہیز و تکفین کی بابت وصیت کی ہوگی۔ اور یقیناً اگر عیسائی اوس کی وصیت کا لحاظ نہ کرتے تو حکام بمجبوری اون سے کراتے۔ یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ عیسائیوں کا مسلمانوں کو ایک ایسے نومسلم کے شرف (خدمت) سے محروم رکھنا گوارا کرتے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اونھوں نے اسکو بلا تکلف تفصیل انگریزی کی نگرانی میں اور اوسکے ہموطنوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جن کو پورا موقع اوس کی تجہیز و تدفین کے واسطے اپنی لیاقتیں صرف کرنے کا ملا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کی بلا وجہ تقلید و تائید کرنے میں اس کو کوئی غرض مطلوب نہ تھی۔ بلکہ برخلاف اسکے اون عیسائیوں سے جن کی طرف سے وہ مامور تھا اور جن کی وجہ سے اوسکا گذارہ ہوتا تھا۔ اوسکو مخفی رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

اگر اوس کی سوانح عمری لکھنے والے پر اعتبار کیا جاوے تو وہ عالی اصول اور بہتر چال چلن کا آدمی معلوم ہوتا ہے منجملہ اور پسندیدہ کیفیتوں کے جو اس مرتد کافر کی بابت - جس طرح اوس کو عیسائی لوگ کہیں گے - مرقوم ہوئی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اوس نے اپنی موروثی جائداد قیمتی دس ہزار روپیہ کی اپنی ماں کے نان و نفقہ کے واسطے دیکر اپنے آپ کو محض مفلس و قلاش بنا دیا تھا۔ (جینٹلمینز میگزین الوجی۔ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ لنڈن) اور خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور صفحہ ۷۱

(۳) عرب المستعربہ۔ بنو ابراہیمؑ۔ یا۔ عرب میں نئے آباد ہونے والے جو سکونت مدت دراز کی وجہ سے قوم عرب میں داخل ہو گئے۔

باعتبار ترتیب اقسام کے۔ عرب کے اقوام کا علیحدہ علیحدہ حال لکھا جاتا ہے۔

عرب البائدہ۔ یا عرب البادیہ کے اقوام وقبائل سات مختلف طبقات میں منقسم ہیں۔ یہ طبقات سبعہ یہ ہیں۔

(۱) کوش پسر حام پسر حضرت نوحؑ کی اولاد۔

(۲) عیلام پسر نوحؑ کی اولاد

(۳) لود پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۴) عوص پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۵) حول پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد

(۶) جدیس پسر گثرؔ[1] پسر ارم پسر سام پسر نوح کی اولاد

(۷) ثمود پسر گثر پسر ارم پسر سام پسر نوحؑ کی اولاد۔

انہیں اقوام سبعہ کا ملک عرب گویا ہفت پیکر ہے۔ یا مندرجہ بالا طبقات عرب قدیم کا سبعہ معلقہ عرب کے اسی ہفت دفتر ہیں۔ سامی، ارامی، عاد اولیٰ، جرہم اولیٰ وغیرہم سب داخل ہیں۔ اور ان تمام اقوام وقبائل پر مجموعاً متحد النسل اور متصل الاصل ہونے کے اعتبار سے عرب البائدہ ہونیکا صحیح اطلاق ہوتا ہے۔

عالم تاریخ کی سیر سے ان سات مختلف گروہوں کے مقامات سکونت بھی سات اقطاع عرب میں ثابت ہوتے ہیں۔ عربی مورخین ومحققین نے ان کے حالات اور مقامات سکونت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اسکا انتخاب حسب ذیل ہے۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ۔ اس شخص کے مندرجہ بالا حالات و اعتقادات۔ خصوصاً جن پر خطوط کھینچ دیئے گئے ہیں۔ پڑھ کر اور پھر اوس کو رضی اللہ عنہ کے لقب تخصیصی سے یاد کئے جانے کے قابل تجویز فرما کر بھی۔ کیا سید صاحب مرحوم یا کسی اہل اسلام کو مسئلہ تقیہ کے جواز وصحت میں کوئی عذر باقی رہ جاتا ہے۔ مولف عفی عنہ۔

[1] گثر عبرانی لفظ ہے۔ جس کے حروف تہجی میں کاف فارسی داخل ہے۔ یہ نسب نامہ چونکہ توراۃ سے ماخوذ ہے اسلئے گثر نقل کیا گیا ہے۔ گثر کی تعریب جاثر ہے۔ ابن سعد نے اپنی نسب نامہ کی عبارت کو یوں لکھا ہے۔ جاثر ابن ارم ابن سام ابن نوح۔ ص ۲۶، ج ۱۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ جرمن۔

مورخ ابو الفدا لکھتا ہے۔ قال القاضی صاعد ابن احمد الاندلسی صاحب قضاءۃ مدینہ طلیطلہ ان العرب البائدۃ فکانت امما ضخمۃ کعاد وثمود وطسم وجدیس ولتقادم انقراضهم ذهبت عنا حقائق اخبارهم وانقطعت عنا اسباب العلم بآثارهم۔۔

قاضی صاعد ابن احمد اندلسی جو شہر طلیطلہ (Toledo) کے قاضی تھے۔ لکھتے ہیں کہ عرب البائدہ کے لوگ بہت قوی الجسم ہوتے تھے۔ اون کی مثال ہیں۔ اقوام۔ عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس کے حالات موجود ہیں۔ زمانہ دراز کے باعث اون کے اخبار و آثار کے ذریعہ معلومات مسدود و منقطع ہو گیا۔

پھر وہی مورخ لکھتا ہے۔ اما جرهم فهم صنعان جرهم الاولی وکانوا علی عهد عاد فبادوا ودرست اخبارهم وهم من عرب البائدۃ ابو الفدا

جرہم جنہیں صنعان بھی کہتے ہیں۔ یہی لوگ جرہم اولی تھے۔ اور یہی لوگ زمانہ عاد میں تھے۔ پھر یہ معدوم ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے حالات بھی لا معلوم۔ لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ عرب البائدہ میں داخل تھے۔

جرہم کے بعد بنو طسم کی حقیقت یوں ہے۔ بنو طسم۔ سکنت بنو طسم الیمامہ الی البحرین۔ ابو الفدا
بنو طسم یمامہ (یمامہ) سے لیکر بحرین تک کے علاقوں میں آباد تھے۔

بنو عاد کی نسبت یہ عبارت ہے۔ سکنت بنو عاد الرمل الی حضرموت۔ بنو عاد ریگستان سے لیکر علاقہ حضرموت تک ساکن تھے۔ ان کے مختلف مقامات سکونت کی تفصیل یہ ہے۔

و بلاد عاد یقال لها الاحقاف وهی بلاد متصلۃ بالیمن وبلاد عمان ابو الفدا۔ قوم عاد کے شہروں کو احقاف کہتے تھے اور یہ علاقہ یمن اور عمان سے ملے ہوئے تھے۔

معالم التنزیل میں مرقوم ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ وهو عاد بن عوص بن ارم بن سام وهم عاد الاولی وکانت منازل قوم عاد بالاحقاف وهی رمال بین عمان وحضرموت

آیہ مبارکہ الی عاداً اخاہم ہوداً میں جس عاد سے مراد ہے۔ وہ عاد بن عوص بن ارم بن سام ہے اور اوسی کی اولاد۔ عاد اولی کہلائی۔ ان لوگوں کے مقامات احقاف میں تھے۔ احقاف اس ریگستان کا نام ہے جو علاقہ عمان و حضرموت کے درمیان ہے۔

قوم ثمود کے متعلق ابو الفدا اور صاحب معالم التنزیل کی تحقیق متفقہ یہ ہے۔
سکنت ثمود الحجر بین الحجاز والشام الی وادی القری۔ ثمود کی سکونت علاقہ حجر میں تھی۔ اور یہ حجاز و شام کے درمیان وادی القری تک پھیلے ہوئے تھے۔

الحجر کی اہمیت یہ ہے۔ الحجر بالکسر ثم السکون والراء اسم دیار ثمود بوادی القری بین المدینہ والشام وکانت مساکن ثمود وھی بیوت منحوتة فی الجبال مثل المغائر تسمی تلک الجبال الاثالیب کل جبل منقطع عن الآخر یطاف حوله وقد نقر فیه بیوت ونقر علی قدر الجبال التی تنقر فیھا وھی بیوت فی غایة الحسن فیھا نقوش وطبقات محکمة الصنعة وفی وسطھا بیر التی کانت ترد ھا الناقة۔ (مراصد الاطلاع للامام سیوطی۔)

الحجر قوم ثمود کے اون مقامات سکونت کا نام ہے۔ جو وادی القریٰ کے علاقے ہیں۔ مدینہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ یہی مقامات قوم ثمود کے مساکن تھے۔ ان لوگوں نے پہاڑوں میں پتھر تراش کر کے غار کی صورتوں میں اپنے رہنے کے لئے گھر بنائے تھے۔ انھیں کو جبال اثالیب کہتے ہیں۔ یہ تمام پہاڑ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ مگر سب کے سب ایک گول دائرہ کی صورت میں گھوے ہوئے ہیں۔ انھیں پہاڑوں میں پتھروں کو کاٹ کر گھر بنے ہوئے ہیں۔ ان پتھروں کو پہاڑ کی موٹائی کی مقدار کے مطابق کاٹا ہے۔ ان میں نہایت خوبصورت گھر بنائے ہیں۔ اور ان میں نقش ونگار بھی ہیں اور خوبصورت طاق بھی مستحکم صنعت کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔ ان گھروں کے بیچ میں وہ کنواں ہے۔ جہاں ناقہ (صالح) کو ان لوگوں نے پانی پینے سے روکا تھا۔

تقویم البلدان میں الحجر کی حقیقت یوں لکھی ہے۔

قال ابن حوقل الحجر بین جبال علی یوم من وادی القری اقول لم یحصل ذلک فان بینھما اکثر من خمسة الایام قال وکانت دیار ثمود الذین قال اللہ تعالی عنھم وثمود الذین جابوا الصخر بالواد قال رأیت تلک الجبال وما نحت منھا کما اخبر اللہ تعالی وتنحتون من الجبال بیوتا فارھین وتسمی الجبال الاثالیب اقول وھی التی ینزلھا حجاج الشام وھی عن العلی علی نصف مرحلة من جھة الشام

(تقویم البلدان)

ابن حوقل کا بیان ہے کہ علاقہ حجر پہاڑوں کے درمیان وادی القریٰ سے ایک دن کے راستہ پر واقع ہے۔ مگر میں نے (ابو الفدا) پانچ دنوں کے راستہ سے بھی زیادہ اوس کو پایا۔ یہی قوم ثمود کے رہنے کے مقامات ہیں۔ اور یہ وہی قوم ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الذین جابو الصخر بالواد۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ میں نے ان پہاڑوں اور ان چیزوں کو جو ان میں واقع ہیں۔ دیکھا ہے جیسا کہ ان کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فَارِہِیْنَ۔ ان پہاڑوں کا نام الاثالیب ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں شام سے آنیوالے حاجیوں کا قافلہ اوترتا ہے اور یہ مقام علی سے نا...

مکہ اور شام نصف راہ پر واقع ہے۔

اب وادی القریٰ کے متعلق تقویم البلدان کی یہ تحقیق ہے۔ وادی القریٰ فھو بادیۃ الجزیرۃ وما کان من یابس الی ایلۃ موجھا بالحجاز معارضا لارض تبوک فھو بادیۃ الشام۔ تقویم البلدان

وادی القریٰ اوس بادیہ الجزائر کا نام ہے جو یابس سے لیکر ایلہ تک۔ حجاز سے آنیوالے راستہ میں۔ تبوک کے مقابل واقع ہے۔

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں تمہیداً۔ صرف مورخین عرب کے اقوال سے۔ عرب البائدہ کے جستہ جستہ حالات اور اون کی سکونت کے مقامات لکھدئے۔ اب ہم حسب الوعدہ۔ ان کے ساتوں قبایل کے حالات اور اون کی سکونت کے مقامات اور تمدنی وسیاسی واقعات وحالات۔ محققین اور مکتشفین یورپ اور نیز کتب مقدسہ کے حوالوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

عرب البائدہ کے قبائل ہفتگانہ کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے۔ ان ساتوں قبائل کے مورث یا موجد خاندان کے نام یہ ہیں۔

(۱) کوش (۲) عیلام۔ (۳) لود (۴) عوص (۵) حول (۶) جاثر (۷) ثمود۔

ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) بنی کوش (کوش ابن حام ابن نوح) عرب کے کسی مورخ نے ان کا کوئی حال نہیں لکھا ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اس قوم کے لوگ قربت سکونت کی وجہ سے۔ عرب کے یقطانی قبائل سے مل جل گئے۔ اور ایسے کہ عرب میں تدوین تاریخ کے زمانہ میں۔ ان میں کوئی باہمی تفریق باقی نہیں۔ اس لئے انکو بھی یقطانی قبائل میں داخل کر لیا۔ عربی مورخین میں ایک نویری نے ان کی نسبت یہ فقرہ لکھا ہے وملک شرحبیل بنی قیس و تمیم۔ (شرحبیل نے بنی قیس اور تمیم پر حکومت کی) اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں شرحبیل عرب کے اندو دونوں قبائل قیس اور تمیم پر حکمران تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ شرحبیل۔ جو اپنے نام کی ترکیب سے بنی کوش کی قوم کا شخص ہے۔ نویری کے نزدیک یقطان کے قبائل میں داخل تھا۔ اب ثابت ہو گیا کہ حقیقتاً عربی مورخین کی خاموشی اسی سبب سے تھی کہ وہ بنی کوش کو جانتے ہی نہ تھے اور اگر جانتے بھی تھے تو بنی یقطان کی ایک شاخ۔

مگر یورپین محققین کی تلاش وفکر کا کیا کہنا۔ جنہوں نے بڑی جانفشانی اور دماغ سوزی سے اس مسئلہ کی تاریکی پر تحقیق کی کامل روشنی ڈالی۔ اور بنی یقطان سے بنی کوش کے ایک جداگانہ قوم ہونے کے ثبوت اور اون کی آبادیوں کے مقامات کے صحیح نشان قوی دلیلوں کے ساتھ دکھاتے اور بتلاتے ہیں۔

ایک زمانہ تک یورپین محقق بھی عربی مورخین کی طرح بنی کوش کے حالات سے ناواقف بنے رہے چنانچہ مسٹر جارج سیل (George Sale) اور دیگر انگریزی مورخین بھی اپنی تالیفات میں انکا کوئی حال نہ لکھ سکے۔ مگر ریورنڈ فارسٹر صاحب (Revd. Forester) نے سب سے پہلے اس کی تحقیق و تفریق کی طرف اپنی ہمت کا قدم بڑھایا۔ اور رفتہ رفتہ بڑی کوشش و تلاش اور کامل صحت و قابلیت سے مسئلہ زیر بحث کا پتا لگایا۔ اور نہایت معتبر و مستند حوالوں سے ثابت کردیا ہے کہ بنی کوش درحقیقت عرب ہیں خلیج فارس کے کنارے برابر برابر آباد تھے اور اپنے اس دعوے کو مشرقی کناروں کے مختلف شہروں کے ناموں سے مقابلہ کر کے۔ جو بطلیموس نے اپنے جغرافیہ عرب میں لکھے ہیں۔ قطعی طور پر ثابت کردیا ہے اور اپنے ثبوت کو تاریخی مشاہدے سے مضبوط کردیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ محققین علم قدامت کی یہ رائے مسلم ہو چکی ہے کہ سباپسو کلاں کوش نے پہلے وہ حصہ وادی الفری کا آباد کیا جو دریائے فرات کے ملحق ہے۔ اور یہ رائے بظاہر وجوہات ذیل پر مبنی ہے۔ ضلع مذکور کا خورستان یعنی کوش کے اصلی وطن کے قریب واقع ہونا۔ شہر سبتی اور قوم سبا کا سرحد خالدیہ پر موجود ہونا۔ کوشی ناموں اور خاندانوں۔ حویلا۔ سبتاہ۔ راماہ، ددان کا خلیج فارس کے کنارے پر مسلسل سلسلے میں واقع ہونا اور سب سے آخر یہ کہ اشعیاہ نبی کی کتاب کے دو مقاموں میں کوش اور سبا کا ساتھ ساتھ بیان ہونا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ سبا خورستان سے ملحق ہو۔ مروجہ نقشہ عرب میں راس مسندام کے قریب جسکو بطلیموس نے اپنے نقشہ عرب میں راس اسابی کے نام سے دکھلایا ہے شہر کسکان جو اصل میں کوش کان ہے پاتے ہیں۔ یہی شہر ہے جو توریت مقدس میں کوشام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح بحر عمان کے اسی کنارے پر عمسان یا عمان اور تافر (تدمر) یا سبیب اور سوبار شہروں کے درمیان ہم ایک شہر پاتے ہیں جس کو بلینی نے سواحل حام۔ جو بالفعل ما حام کہلاتا ہے۔ اس خاکنا کے مقابل کے اطراف پر۔ جو راس مسندم پر منتہی ہوتی ہے اور خلیج فارس کے دہانے کے اندر شہر اور ضلع رعماہ جس کو یونانی ترجمہ توریت میں رعمہ اور بطلیموس نے رعامہ لکھا ہے۔ پایا جاتا ہے خلیج کے باہر شہر اور ضلع ددان یا دوانہ کا پتا ملتا ہے اور توریت میں جو ددان کی چھوٹی سی بستی رعماہ کا ذکر ہے وہ یہی ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان تمام مقاموں کے نام قبائل کوش کے مندرجہ بالا ناموں سے بالکل ملجاتے ہیں۔ ان میں سے راماہ (رعماہ) اور ددان کا توریت مقدس میں مذکور ہونا پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ امر ثابت ہوگیا کہ بنی کوش حقیقت میں ایک جدا گانہ قوم تھی اور وہ عرب کے اوس حصہ میں آباد تھے۔ جو خلیج فارس کے کنارے دور تک چلا گیا ہے۔

مسٹر ریورنڈ فارسٹر اپنے اس قابلانہ تحقیق و تطبیق میں اکثر حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ اسی وجہ سے

اون کے بعض دلائل کے ثبوت میں ضعف آگیا ہے۔ اوس کی خاصکر یہ وجہ ہوئی ہے کہ بنی کوش کے ناموں یا مقاموں میں سے جہاں اون کو عرب کے موجودہ ناموں اور مقاموں میں ذرا بھی مشابہت معلوم ہوئی۔ اونہوں نے اوس نام اور مقام عرب کو بنی کوش کی طرف سے منسوب کر لیا۔ حالانکہ اون کے تنہا قیاسی خیال کے خلاف کثیر التعداد تاریخی شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

اسی طرح فارسٹر صاحب کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش عرب کے تمام حصوں میں پھیل گئے قابل قبول نہیں ہے۔ اون کے اس دعوے کی بنا اس طرح قایم ہوتی ہے کہ بنی کوش کے قوم کا بادشاہ نمرود جسکا ذکر کتب مقدسہ میں بھی موجود ہے۔ اپنے ہمقوم لوگوں کے ساتھ عرب کے دوسرے حصوں میں آکر رہا تھا۔ اسلئے بنی کوش تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے۔

اس مقام پر اس یوروپین محقق کو بھی وہی دھوکا ہوا ہے جو مشرقی مورخین کو۔ اور یہ دونوں فریق بنی کوش کو خلیج فارس کی آبادی سے بڑھا کر بحر احمر تک پہونچا دیتے ہیں۔ اسلئے نمرود کی سلطنت کو یمن تک وسیع بتلاتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ نمرود کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ علاقہ یمن میں آباد نہیں ہوا تھا۔ کوش کی اولاد جن کے نام سبا۔ حویلاہ۔ سبتاہ۔ رعماہ اور سبتکا تھے۔ اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ودان سب کے سب خلیج فارس کے کنارے آباد ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم توریت مقدس کے حوالے سے ودان اور رعماہ کے مقام سکونت خلیج فارس کے سواحل پر ثابت کر چکے ہیں۔ اگر یہ قومیں نمرود کے ساتھ یمن یا تمام اقطاع عرب میں آکر سکونت پذیر ہوئیں تھیں تو ضرور تھا کہ نمرود کے ایسا ان لوگوں کا ذکر تمام عرب کے متعلق توریت میں مندرج ہوتا۔

بات اتنی ہے کہ ریورنڈ فارسٹر کا یہ دعویٰ کہ بنی کوش بہمراہی نمرود آکر تمام اقطاع عرب میں پھیل گئے کسی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنوبی اقطاع عرب میں جنکا نشان اوپر دیا گیا ہے۔ ضرور بنی کوش آباد تھے۔ مورخین عرب کو بھی اسکا اقرار ہے۔ مگر وہ بنی کوش سے قطعی ناواقف ہونیکے باعث انکو قحطانی سمجھے اور سمجھاتے آئے ہیں۔

توراۃ میں ودان اور رعماہ کے متعلق جو حوالہ اوپر دیا گیا ہے وہ ریورنڈ فارسٹر صاحب کے مرقومہ بالا مختار کے بالکل مخالف ہے بنی کوش کا وجود توریت کے ایک دوسرے مقام پر بھی اوس جگہ پایا جاتا ہے جہاں جناب موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے دوسری شادی کرنیکا بیان ہے۔ کتاب اعداد باب ۱۲ آیت (۱) میں لکھا ہے۔ کہ "مریام اور ہارون نے حضرت موسیٰ سے اوس اکثیا عورت کی وجہ سے جس کے ساتھ اونھوں نے شادی کی تھی۔ گفتگو کی"

ریورنڈ فارسٹر لفظ اتھوپیا کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ توریت و انجیل کے تاریخی جغرافیہ کے انگریزی ترجمہ میں الفاظ اتھوپیا اور باشندگان اتھوپیا اکثر مستعمل ہوئے ہیں اور اون کی جگہ عبرانی توریت میں اسم معروف کوش آیا ہے۔ اور یہ لفظ کوش جہاں کہیں کتب مقدسہ میں اس طرح مستعمل ہوا ہے تو اوس سے ہمیشہ ایشیائی یعنی عرب مراد لیا گیا ہے نہ افریقی اتھوپیا۔

اس سے زیادہ واضح اور مستحکم ثبوت اوسی توریت میں موجود ہے۔ کتاب خروج باب ۲ آیت ۱۵ اور ۲۱ میں لکھتا ہے کہ وہ (حضرت موسیٰ کی بی بی) ایک مدیانی عورت تھی جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد یعنی قطورہ کے سلسلہ سے" اور یہ بھی متحقق ہے کہ مدین یا مدیان عرب میں ایک شہر تھا۔ چنانچہ بیٹن یونیورسل انفارمیشن میں (BEETON'S UNIVERSAL INFORMATION) اتھوپیائے عرب کے ترجمہ میں۔ اتھوپیائے عرب سے ارض مدائن مراد لیا ہے جس کو جغرافیہ قدیم کے مطابق عرب فلکس (آبادان) میں شامل کیا ہے۔ بیٹنس یونیورسل انفارمیشن مطبوعہ لندن ص ۲۵۲

اس سے ثابت ہوگیا کہ حضرت موسیٰ کی بی بی ایک عربی خاتون تھیں۔ مگر حقیقتاً کوش کا ترجمہ اتھوپیا درست نہیں ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسکے اصلی مفہوم عرب کو اوٹھا کر اتھوپیا سے افریقہ کے ساتھ خلط ملط کردیا ہے۔ حالانکہ توریت مقدس کی عبارت میں لفظ مدائن نے داخل ہوکر بالکل صاف کردیا ہے۔ اور نیز قدیم و جدید محققین نے بھی اقرار کرلیا ہے کہ اتھوپیا سے افریقی ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔

شاہد تاریخ قدیمہ سے اس قوم و قبیلہ کے جو کچھ حال معلوم ہوسکے ہیں وہ یہ ہیں۔

بنی کوش کی حکومت اس حکومت کے صرف تین کاہن بادشاہوں کے نام معلوم ہیں۔ "اوکوش" کاہن غشان" لوغل زاغیسی بن اوکوش۔ لوغل اوکیلسی۔ (۱) اوکوش کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ غشان کا کاہن اور سیاسی قوت سے زیادہ مذہبی قوت رکھتا تھا۔

(۲) لوغل زاغیسی نے باپ سے زیادہ سیاسی قوت حاصل کی۔ وہ کش (کوشان) اور غشان دونوں کا بادشاہ تھا۔ تقریباً چار ہزار ق۔م میں۔ اس نے تیسرے شہر تاریخ یا آرک (عجب نہیں کہ لفظ "عراق" کی یہی اصل ہو) کی بنیاد ڈالی جسکو اوسنے ملک کا دار الحکومت قرار دیا۔

(۳) لوغل اوکیلسی اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سومری طاقت نے پھر عود کیا اور اس شہر کو بیرونی قوموں سے واپس لیلیا۔

محققین جدید کا مختار یہ ہے کہ امم سامیہ میں جو ہر اعتبار سے بعد طوفان۔ اول الامم ثابت ہوتے ہیں کوش بھی داخل ہیں یہ مسئلہ پیچیدہ اور طویل ہے اور ہمارے موضوع سے ایسا ضروری تعلق بھی نہیں رکھتا مگر ہاں

اتنا بتلا دینا ضروری ہے جیسا کہ مغربی اور مشرقی محققین۔ دونوں کی تحقیقات سے اوپر بتلا دیا گیا اور ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ قوم کوش قبیلہ یقطان سے بالکل علیحدہ تھی۔ اور ان کے بود و باش کے مقامات بھی اونکے مقامات سکونت سے بالکل جدا تھے۔ وہ مفقود الحال اور معدوم الذکر بھی نہیں ہیں۔ بلکہ اونکے اخبار و آثار کتب مقدسہ اور اخبار قدیمہ میں ابھی تک محفوظ اور زندہ ہیں۔

(۲) عیلام۔ انھیں کی طرف جرہم اولی منسوب ہیں۔ چونکہ یہ قوم بنی کوش کے مقابلہ میں کچھ نامور نہیں ہوئی اس لئے ان کے تفصیلی حالات بہت کم ملتے ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بنی کوش کے ساتھ رہتے تھے اور انھیں کے مقامات سکونت کے قریب بستے تھے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہوتے۔

(۳) لود۔ لود کے تین بیٹے ہوئے۔ طسم، عملیق، اور جسیم۔ یہ قبیلہ بھی باستثنائے عملیق جن کا ذکر آگے آئیگا۔ بنو عیلام کے ایسا صاحب نام نہیں ہوا۔ اس لئے ان کے بھی تفصیلی حالات معلوم نہیں ہوتے۔ مگر ان کے آثار بھی خلیج فارس کے ساحلی مقامات میں پائے جاتے ہیں۔

(۴) عوص اور (۵) حول۔ ان دونوں قبائل کے حالات اس لئے یکجا لکھے گئے ہیں کہ تمام تاریخوں اور کتابوں میں انکے حالات کی ترتیب ایک ساتھ کی گئی ہے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی نوعیت پسند نہیں کرتے۔ اِن دونوں قبائل کے مقامات سکونت بھی خلیج فارس کے ساحل اور اوس کے قرب و جوار کے میدانوں میں آجتک پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مقام حول اور عول (موجود) حقیقتاً متحد الذات اور مساوی المعنی ہیں۔

عوص کے بیٹے عاد اولی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اس کی اولاد ایک نامور اور مقتدر قوم ہو گئی اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ اونھوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنائیں اور قرب و جوار کی قوم و قبائل کو بھی محکوم کر لیا۔ یہ قوم اپنی قوت۔ امارت اور شان و شوکت کے اعتبار سے اوس زمانہ کی دوسری قوموں پر سبقت لے گئی تھی۔

عاد اُولیٰ یا سامیہ اُولیٰ کی تاریخی حالات

تمام محققین و مورخین کا مسئلہ متفقہ ہے کہ قدیم اسم سامیہ اور عاد مترادف لفظ ہیں۔ البتہ سامیہ میں زبان کے لحاظ سے عبرانی سب سے قدیم ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قدیم الفاظ کی اصلیت عربی سے زیادہ اس میں محفوظ ہے۔ عاد کے لغوی حیثیت سے عربی میں کوئی معنی نہیں ملتے۔

لفظ عاد	عبری میں "عاد" کی اصلیت موجود ہے עד (عاد) کے معنی "بلند و مشہور" کے ہیں۔ اور جیسا کہ

ہے کہ "ارم" D7N اور شم (سام) کے بھی یہی معنی ہیں۔ انھیں معنوں کا اثر عربی میں بھی موجود ہے۔
ارم کے معنی پہاڑی اور سنگ نشان راہ کے لغت میں مذکور ہیں۔ اور شم سے "شمم" اور "سمو" تو ابتک مستعمل ہیں۔

تحقیق توریت توراۃ میں "عاد" مذکر کے نام کیلئے، اور عادہ عورتوں کیلئے کئی جگہ آیا ہے۔ تاریخ ایام اول ۲۱۰۷ از تکوین ۴-۲۳ - تاریخ اول ۲۰۰۷

عاد کا زمانہ نام کے بعد دوسری بحث زمانہ کی ہے۔ عرب قبل اسلام میں کوئی باقاعدہ تاریخ رائج نہ تھی۔ اسلئے عرب بائدہ کا کوئی زمانہ مروی نہیں۔ لیکن اس بنا پر کہ مورخین عرب نے عاد کو عوص بن ارم بن سام کا حقیقی فرزند لکھا ہے۔ اسلئے ان کا زمانہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) قبل مسیح قرار دینا چاہیئے۔ قرآن مجید نے عاد کا جہاں ذکر کیا ہے۔ اون کو خلفائے نوح بتلایا ہے۔ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ نُوحٍ
ترجمہ۔ اے عاد کے لوگو، خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اوس نے قوم نوح کے بعد تم کو اپنی خلافت عطا کی (یعنی حکومت دی) اعراف رکوع ۹

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین شام کی دوبارہ آبادی۔ بنو سام کی پہلی ترقی عاد سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے اس آیت سے نہ صرف عاد کے زمانہ کی تعیین ہوتی ہے۔ بلکہ اوس کے مسئلہ کی بھی تصدیق کہ اُمم سامیہ اولیٰ اعلیٰ الاغلب عاد ایک چیز ہیں۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے عاد اولیٰ فرمایا ہے۔ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۔ اوسی خدا نے عاد اولیٰ کو برباد کیا۔

لیکن آجکل عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ بنو سام کی حقیقی ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ قبل مسیح یا ۲۰۰۰ ق م ہے تمدن مصر و بابل کی یہی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد ارم کا وجود بھی ۲۲۰۰ ق م سے شروع ہوتا ہے۔ تعیین انتہاے مدت کی یہ صورت ہے کہ ۱۵۰۰ ق م میں یمن میں ایک دوسری قوت کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ اور اوس سے کچھ ہی پہلے حضرت موسیٰ کا زمانہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے پہلے عاد کی تباہی ہو چکی تھی۔ قرآن مجید نے نقل قصص میں ہمیشہ عاد کا ذکر حضرت موسیٰؑ و فرعون سے پہلے کیا ہے۔ بلکہ ایک موسوی مسلم فرعون کے دربار میں کہتا ہے۔

يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ
(سورہ مومن)

بھائیو میں ڈرتا ہوں کہ جماعتوں کے دن کی طرح قوم نوحؑ عاد۔ ثمود۔ اور جو انکے بعد ہیں۔ انکی طرح ایکدن تم پر بھی آئے۔
(سورہ مومن)

ان وجوہ سے عاد کے مجد سابق اور عہد ترقی و تقدم کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۷۰۰ ق م تک ہو سکتا ہے۔ ہاں لیکن عاد کا وجود اس کے بعد بھی ابتداے عہد مسیح تک باقی رہا ہے اور یونانیوں نے عادرمیا (ADEMATEAI) (عاد ارم) اور عادیت (ADETIE) کے نام سے حضر موت اور یمن

کے باشندوں ہیں ذکر کیا ہے۔ تمیز کیلئے عہد اول کو عاد اولیٰ اور عہد ثانی کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔

عاد کی مرکزی آبادی۔ عرب کے بہترین حصہ یعنی یمن و حضرموت میں از سواحل خلیج فارس تا حدود عراق تھی[۵] دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا لیکن خلیج فارس کے کنارے سے وہ حکومت عراق تک وسیع تھی۔ جس سے نہایت آسانی سے وورا و معلوم ہو سکتی ہے۔ جدھر سے یہ قوم عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی اور یہی جدید تحقیقات کے رو سے بھی امم سامیہ کا راستہ سمجھا جاتا ہے۔

عاد کا دور و دراز ممالک میں جانا عربوں میں اسقدر مسلم تھا کہ وہ شعرا کے ہاں تمثیلوں میں آگیا ہے۔ زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر محرز بن مکعبر ضبی کہتا ہے۔

حتی انتهی لمیاه الجوف ظاهرة	وہ وسط صحرا کے تالاب پر آکر رکا
سالم تر قبلهم عاد ولا ارم	یہ وہ رفتار تھی جو اس سے پہلے عاد اور ارم بھی نہیں چلے

عرب کا ملک ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے۔ جہاں بڑے اور حوصلہ مند قوم قبائل سکے لئے ترقی کا کوئی میدان نہیں ہے۔ ناچار پر جوش قومیں باہر نکل پڑتی ہیں۔ عرب کا جزیرہ نما جنوب و مغرب اور کسی قدر مشرق کی جانب پانی سے گھرا ہوا ہے۔ اسلئے آسان اور قدرتی راستہ اوسکے لئے بعض مشرقی اور عموماً شمالی ممالک میں۔ یعنی بابل و شام و سینا۔ بابل سے ایران کا راستہ ہے۔

شام سے بحر ابیض و بحیرہ روم ہو کر یورپ اور افریقہ کیطرف بھی رخ کیا جا سکتا ہے سنہ ۱۸۶۵ء سے پہلے جبکہ نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر ابیض اور بحر احمر کے درمیان آجکل کیطرح دریائی راستہ نہ تھا۔ نہ جزیرہ سینا اور مصر کے درمیان نہر سویز تھی ایک پتلی سی خشک زمین تھی۔ جو شام۔ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کو خشکی کی راہ سے مصر سے ملاتی تھی۔ ہندوستان کی قدیم حملہ آور قوموں کے لئے جس طرح درہ خیبر مشہور راستہ ہے اسی طرح مصر کے قدیم حملہ آوروں کیلئے یہی پتلی گلی ایک پامال راہ تھی۔

قوم عاد کے فتوحات اور مقبوضات بیرون عرب

(از سن ۲۸ ق م تا سن ۱۹۰۰ ق م)

(۱) عرب سامیہ یا عاد - بابل میں۔
(۲) عرب سامیہ یا عاد - مصر میں۔
(۳) عرب سامیہ یا عاد - دیگر ممالک میں۔

---

[۵] معارف ابن قتیبہ ص ۱۰ مطبوعہ مصر

کسی مقدمہ کی صحت کے صرف تین جزو ہیں۔ مدعی کا دعویٰ۔ مدعا علیہ کا اقرار اور گواہوں کی شہادت اگر کسی مقدمہ کے یہ تینوں اجزا بہم پہونچ جائیں تو مقدمہ کی صحت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ؟ اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے عراق کے شہر بابل پر حکومت کی۔ اہل عراق قدیم اسکا اعتراف کرتے ہیں اور تحقیقات جدیدہ کی شہادت اسکی تصدیق کرتی ہے۔ پھر صحت دعوے میں کسکو شک ہوگا۔ ؟

اہل عرب کا دعویٰ علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان و منهم فراعنة مصر والجبابرة[1]	انھیں (عاد) میں عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اور انہیں میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ ہیں۔

مورخ ابن خلدون کی تحقیق ہے جس کو اوس نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ دہرایا ہے۔

ان قوم عاد والعمالقة ملكوا العراق[2]	عاد اور عمالقہ عراق کے بادشاہ ہو گئے تھے۔
يقال انهم انتقلوا الى جزيرة العرب من بابل لما زاحمهم فيها بنو حام[3]	کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرۃ العرب میں اسوقت چلے آئے جب بنو حام نے انکے ساتھ مزاحمت کی۔
نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النماردة من بني حام[4]	یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنو حام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز میں چلے آئے۔

اہل ایران کا بیان اہل ایران کا دعویٰ بیان ہے کہ عراق و بابل کی حکومت انھیں (عاد) کے ہاتھ میں تھی ان کا اعتراف ہے کہ جمشید کے بعد جو بنو سام بن نوحؑ کا معاصر تھا۔ ضحاک تازی (عرب) نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ عرب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ طبری میں ہے۔

واليمن تدعيه وتزعم انه من انفسها وهو ضحاك بن علوان۔ طبری ص ۲۰۲ جرمن	اہل یمن بھی اسکے مدعی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ انہیں کے قوم کا تھا اور اسکا نام ضحاک ابن علوان تھا۔
وبلغنا ان الضحاك هو نمرود وان ابراهيم ولد في زمانه وانه صاحبه الذي اراد احراقه (۲۰۵)	ہمیں یہ روایت پہونچی ہے کہ ضحاک ہی نمرود تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یہی تھا جس نے اُنکے جلانے کا قصد کیا تھا۔

فردوسی اہل ایران کی تاریخ کا ترجمان ضحاک تازی (عرب) اور اوس کی ہزار سالہ حکومت کا مفصل بیان شاہنامہ میں کرتا ہے۔

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۰ مصر [2] کتاب العبر ص ۲۵۹ ج ۱ مصر [3] کتاب العبر ص ۱۸ ج ۳ مصر
[4] کتاب العبر ج ۲ ص ۲۰ مصر

توراۃ کا بیان بنی اسرائیل کا قدیم خاندان عہد ابراہیمی سے اسی ملک کا باشندہ تھا اور نہایت قدیمی زمانہ سے (۲۵۰۰ ق م) اوس کے تعلقات یہاں سے قایم ہیں۔ اس بنا پر اس باب میں اونکی راے بھی قابل وقعت ہوگی۔ توریت کی روایت ہے سب سے پہلے بادشاہ کوش کا بیٹا نمرود تھا۔ اصل عبارت یہ ہے۔

> کوش حام کا بیٹا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کوش کی اولاد سبا۔ حویلاہ۔ سبا تا۔ رعماہ۔ اور سبا تیکا۔ اور رعماہ کے بیٹے شبا اور ودان۔ کوش نے نمرود کو پیدا کیا۔ اور اوس کی حکومت کی ابتدا بابل اور ایرخ (عراق) میں ہوئی۔ (تکوین۔ ایت ۱۰۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹

یہ سمجھ لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ ابتدائی تقسیم اقوام حسب آراے موجودہ نسلی نہیں۔ بلکہ جغرافی ہے۔ یہ تمام اقوام جن کا نام اولاد کوش سے ذکر ہوا ہے۔ وہ سب جنوبی سمت اور سواحل خلیج فارس کے باشندے تھے۔ یعنی عرب۔ یورپ میں تاریخ قدیم کا سب سے بڑا مورخ جرمن فاضل ڈنکر DUNKER ہے۔ وہ بابل کی تاریخ میں اس توریت کے فقرہ کی تفسیر یوں کرتا ہے۔

> سفر تکوین۔ مثل متاخرین یہود کے۔ کوش کے نام کے اندر اون اقوام کو داخل کرتا ہے جو جنوبی سمت میں رہتے ہیں نوبی۔ نوبی (الحبشیین) اور جنوبی عرب کے قبائل۔ یہاں پر ہم ان فرزندان کوش کو جنہوں نے بابل کی بنیاد ڈالی۔ جنوبی قبائل کے باشندے کہہ سکتے ہیں۔ جو تقریباً خلیج فارس پر مقیم تھے۔[1]

اہل عراق کا بیان بابل کا ایک کلدانی مورخ بروسوس نامی ہے۔ جو اصلاً بابلی اور بعل کے معبد کا ایک کاہن تھا۔ یہ حضرت مسیح ع سے شاید ۴۰۰ برس پہلے تھا۔ اس نے بابل کی قدیم تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو ضائع ہوگئی۔ لیکن یہودی اور یونانی مصنفین نے اوس کے حوالے سے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اور سنداً اوس کی بعینہ عبارت بھی لکھی ہے۔ انہیں منقول عبارتوں میں ملوک بابل کا ایک نقشہ ہے مورخ موصوف کلدانی بادشاہوں کے بعد عرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔ اور اون کی تعداد ۹ اور اون کی مدت حکومت ۲۲۵ برس قرار دیتا ہے۔ یہ نقشہ قابل تنقید ہے۔ لیکن قابل تغلیط نہیں۔ وہ نقشہ یہ ہے۔

---

[1] تاریخ قدیم ج ۱ ص ۲۴۹

نمبر	خاندان ملوک	تعداد	سال
۱	بادشاہان قبل طوفان نوحؑ	۱۰	۴۳۲۰۰۰
۲	بادشاہان بعد طوفان نوحؑ	۸۶	۳۴۰۰۰
۳	میڈیا کے غاصب بادشاہ	۸	۲۲۴
۴	بادشاہ	۱۱	۲۴۸
۵	کلدانی بادشاہ	۴۹	۴۵۸
۶	عرب بادشاہ	۹	۲۳۵

تحقیقات جدیدہ اہل عرب اور اہل بابل کے بیانات سے اس سے زیادہ کوئی اور علم حاصل نہیں ہوتا کہ کسی قدیم زمانہ میں عرب سامیہ کے ایک خاندان نے عراق پر حکومت کی۔ اس سے زیادہ حالات قدامت کی تاریکی میں مخفی ہیں۔"

لیکن آرکیالوجی (ARCHIALOGY) علم القدامت کی اعانت اور حضریات بابل کی صراحت نے قدامت کے پردہ کو چاک کر دیا ہے۔ اب نئے سرے بابل کا تمدن زندہ ہو رہا ہے اور علم الآثار کے چراغ طلسمی میں اب نظر آ رہا ہے کہ بابل اور اسیریا کا ہر پتھر درحقیقت انکی تاریخ کا ایک صفحہ ہے۔[۱]

[۱] ہر چیز مذہب سے شروع ہوتی ہے۔ توریت، بابل و اسیریا کے سلاطین اور شہروں کے نام سے پر ہے۔ نوع انسان کا افتراق بابل میں ہوا۔ (تکوین باب ۱۰) حضرت ابراہیمؑ بابل و کلدان سے نکلکر فلسطین آئے تھے۔ یہودیوں کی تباہی اہل بابل کے ہاتھ سے ہوئی۔ ان وجوہ سے ضروری تھا کہ یورپ کے علمائے آثار ان ممالک کی تنقیب و اکتشافات کی طرف توجہ کریں۔ اس کی ابتدا سولھویں صدی سے ہوئی اور اب تک جاری ہے۔ سیکڑوں کتبات، مخطوطات، کتابیں (منقوش بہ سنگ) مجسمات، اس کے عمارات کے نشانات، واقعات تاریخی کی منقوش یادگاریں زمین سے نکالی گئیں۔ خط اور زبان کی مشکل حل کی گئی اور باقاعدہ ان اکتشافات و تحقیقات کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ تاآنکہ بابل و اسیریا کی عظیم الشان تاریخ مدون ہوئی۔

سیکڑوں علمائے مشرقیات نے ان تحقیقات میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔ ان میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں۔

ہربرٹ (HERRCRT) سنہ ۱۶۲۶ء سرجان جارڈن (SIRJOHNJORDEN سنہ ۱۷۰۰ء

کارنیل ڈی براؤن (COLD. BROWN) سنہ ۱۶۰۴ء نیوبھر (NUBHAR) سنہ ۱۷۶۱ء جولیس موہل

(JULIUS MOHIL) سنہ ۱۸۲۱ء جارج اسمتھ (GEORGE SMITH سنہ ۱۸۲۶ء

قدیم بابل (اہل فارس سے پہلے) کے جو کتبات و آثار ملے ہیں۔ زبان کی حیثیت سے یہ دو قسم کے ہیں سامی اور غیر سامی۔ ان سے بابل کے قدیم باشندوں کی قومیت کا راز فاش ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر کتبات پر سلاطین کی تاریخیں ہیں اور جن پر سال مرقوم نہیں ہے۔ اون کے زمانہ کی تعیین قرائن سے کی گئی ہے۔ غیر سامی کتبات و آثار عموماً قدیم ترین ہیں۔ اوس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر سامی آبادی یہاں سامیوں سے پہلے آباد تھی۔ اون کی زبان سومری اور اکادی تھی جس سے ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ وہ غیر سامی آبادی اکادی اور سومری تھی۔ جو نشاء نام و زبان کے لحاظ سے غالباً تورانی النسل ظاہر ہوتی ہے۔

ارض بابل کے اس عہد کے تمام کتبات کو بترتیب رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۴۰۰۰ ق م کی ابتدا میں قدیم سومری الفاظ کے بجائے ان میں سامی الفاظ کی آمیزش شروع ہوتی ہے اور یہ آمیزش و اختلاط رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے تا آنکہ نام۔ خط۔ اور خیالات بالکل سامی ہو جاتے ہیں۔ جس کا خاتمہ ایک اور تورانی النسل[۵] زبان عیلام پر ہوتا ہے جس کا وطن خلیج فارس کا فارسی ساحل تھا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد ۲۵۰۰ ق م میں زبان بالکل سامی ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں ایک مرکب و متحد زبان کی صورت نظر آتی ہے۔

ان قدیم ترین حکومتہائے بابل کے سلسلہ میں ہم نے دو جگہ عرب سامی خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ ۴۰۰۰ ق م اور ایک ۲۴۰۰ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ بیان کے محتاج ہیں۔

چار ہزار ق م — اس خاندان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامی تھا۔ باہر سے آیا تھا۔ اور ابتداءً نہایت وحشی تھا۔ یہ بیرونی۔ وحشی۔ سامی۔ کون تھے۔ ؟ عرب۔ اس خاندان کے حالات کے متعلق جدید ترین تحقیق یہ ہے۔

تقریباً چار ہزار ق۔ م کی ابتداء میں سومری لوگوں نے جو ایک اعلیٰ تمدن حاصل کر رہے تھے۔ اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۳ — اور ہالوے (HOLWAY) وغیرہم

اسوقت بھی ایک جرمن سوسائٹی مشغول کار ہے۔ اوسکے حیرت انگیز نتائج۔ سال بسال شائع ہو چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں عجیب بات یہ ہے کہ بابل و سیریا کی تحقیقات و انکشافات میں دولت عثمانیہ اور بعض ترک سلطان حمید ی بیلے اور خلیل بے کے نام بھی موجود ہیں۔

[۵] زبان عیلام کو تورانی النسل خیال کرنا۔ صاحب ارض القرآن کے ایسے وسیع النظر محقق سے بہت تعجب انگیز ہے جنہوں نے خود شجرۂ اقوام ارض القرآن ص ۱۲۴ میں عیلام کو سام کا پسر اول لکھا ہے۔ پھر انہیں کو تورانی النسل کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ حالانکہ تورانی روم سے تعلق نسبی رکھتے ہیں اور وہ یافث کی اولاد میں ہو سکتے ہیں نہ سام کے سلسلہ میں۔ المؤلف عفی عنہ

ملک کو ایک بار (اس کے بعد) وسیع التعداد۔ بربری قبائل سے پُر پایا۔ یہ (بربری) سامی تھے جو نہایت قریبی خونی تعلق عربوں سے رکھتے تھے۔ جو ایکبار (اسکے بعد) اسپین (SPAIN) تک دوڑ چکے ہیں۔ اور عبرانیوں سے بھی اسی قسم کی مشابہت رکھتے تھے جو ایکبار نہر ارون (ARON) کو عبور کر کے کنعان پہونچے۔

بعضوں کا خیال ہے کہ یہ (فاتحان بابل) کردستان سے آئے۔ اور بابل ہوتے ہوئے۔ ایشیا۔ عرب اور کنعان وغیرہ میں پہونچے لیکن یہ خیال اب متروک ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ وہ افریقہ سے آئے۔ اور مصر ہو کر تمام پھیلے۔ اس تھیوری THEORY (خیال) کی اثبات میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس خیال کے لئے بہت بڑی قوت اور اہمیت ہے کہ انکا اصل مسکن عرب تھا۔ جہاں سے نکلکر ایک سرسبز و وسیع قطعہ کی تلاش میں الجزیرہ۔ بابل اور دیار مغرب میں کنعان تک موجیں لیتے ہوئے نکل آئے یہی آخری خیال روز بروز نئے طرف داروں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ عموماً اب یہی علما کی مقبول رائے ہے۔ (ملخصاً از باب ۱ کتاب ۱)

سومری حکومت کے اسی عہد کا ایک چھوٹا سا اور ٹوٹا سا کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوس وقت ایک جدید داخل ہونیوالی قوم ہے جس نے شمالی بابل کو لے لیا تھا۔ دوبارہ اس کی واپسی کے لئے کوشاں تھی۔ یہ نئی آنے والی قوم کون تھی۔ سامی جس کا اصلی گھر غالباً عرب تھا۔ لیکن اب وہ کچھ دنوں سے بابل کے شمالی و مغربی حصہ میں (غالباً الجزیرہ میں) آباد تھی۔ سامیوں نے تمام ملک میں ان حصوں پر قبضہ کر لیا جو آباد اور زرخیز تھے اور جو سومری قوموں کے ذریعہ گذران تھے۔ (باب ۱ کتاب ۲)

اس زمانہ میں حکومت ایک شہر سے عبارت تھی جس کے آس پاس کچھ گاؤں کچھ خیموں کی آبادی اور کچھ ادہر اودہر کے قبائل پر مشتمل ہوتی تھی۔ شہر میں ایک شاہی قصر ہوتا تھا اور ایک پتھروں کا ہیکل۔ ہیکل کا کاہن اور قصر کا بادشاہ ایک شخص ہوتا تھا۔ ہر ہیکل کا ایک خاص دیوتا ہوتا تھا جس کے قبضہ قدرت میں تمام شہروں کی جان ہوتی تھی۔

کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اغاد (شاخ سامیہ) خاندان میں چار بادشاہ گذرے ہیں۔ بطی بعل (ایک دیوتا تھا) شرغنی شرغلی کر اور بن شرغلی۔ کرزام سن کر۔

(۱) بطی بعل کے نام کا کوئی کتبہ نہیں ملا۔ لیکن اس کے بیٹے شرغنی کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں وہ اپنے باپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "شرغنی شرغلی بن بطی بعل شاہ قادر اغاد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بانی اکور ہیکل بعل در شہر نیپور۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ ہونے کے علاوہ بہت سی عمارتوں کا بانی ہے۔

(۲) شرغنی شرغلی کر (۲۸۰۰ قبل مسیح) اسکا پورا نام ہے۔ لیکن کبھی صرف شرغنی بھی پایا گیا ہے لیکن زیادہ مشہور یہ شرغون اول یا سرجون اول کے نام سے ہے۔ شرغون اس خاندان کا گل سرسبد ہے اور حکومت بابل کے بزرگ ترین بادشاہوں میں اسکا شمار ہے۔ اسکے جو کتبات اس وقت تک ملے ہیں وہ مستقلاً اسکی عظمت و جلال کے بیان سے پر ہیں۔ اسنے ایک طرف سومریوں کی قوت کا خاتمہ کردیا اور دوسری طرف فارس میں عیلامیوں کو مغلوب کرلیا۔

(۳) نرام سن کبیر (۲۷۵۰ ق م) بھی عظمت میں اپنے باپ سے کم نہیں۔ اسکا خطاب تھا شہنشاہ چاردانگ عالم۔ نرام سن کی خاص مہم زمین مُغان پر حملہ ہے۔ مغان سے غالباً جزیرہ سینا مغربی شمالی مراد ہے۔ اس کے قریب شہر معان ابتک معلوم ہے۔

فاتح ہونے کے علاوہ یہ بادشاہ بانی عمارات بھی ہے۔ نپور اور اغاد میں ہیکل تعمیر کرائے اور شہر پناہیں بنوائیں۔ اسفار میں آفتاب دیوتا کا ہیکل تیار کرایا۔

(۴) بن غلی شرغلی خاتم خاندان اور مجہول الحال ہے۔[۵]

---

۵ اس فصل کے لکھتے وقت حسب ذیل کتابیں ہمارے پیش نظر تھیں۔ نینوے اور اوس کی یادگاریں۔

NINEVAH AND ITS REMAINS. BY A. H. LAYARD 1849 LONDON.

تاریخ قدیم رالنسن پروفیسر تاریخ قدیم کیمبرج

A MANNUAL OF ANCIENT HISTORY BY G. RAUOLINSON PROFESSOR OF HISTORY CAMBRIG.

تحقیقات آثار نینوی و بابل

DISCOVERIES IN THE RUINS OF NINEOAH AND BYBLONIA BY A H. LAYARD 1853

لیکن رالنسن کی کتاب صرف تاریخ یونان و روم کے زیورات سے ماخوذ ہے۔ اور لیارڈ کی کتاب کے معلومات جو گو سیاحت بابل و نینوی کے نتائج ہیں تاہم اوسکے معلومات پرانے ہوچکے ہیں۔ راجرس (R.W. ROGERS) کی تاریخ بابل و اشور۔ جو بالکل جدید تصنیف ہے اور جس کی بنا صرف تحقیقات تازہ پر ہے۔ اور جو تمام یورپ کے دار الآثار اور کتب خانوں کے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ اس فصل کا ماخذ ہے (جلد اول، کتاب اول، باب ۱۱ (۲) اور کتاب ۲۔ باب اول سے یہ تمام معلومات ملخص ہیں)۔

محققین جدید کی تحقیقات۔ اونکے ذرائع معلومات۔ خصوصاً اصول علم الآثار کے مطابق اکتشافات کے قیمتی قابل قدر اور مفید ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر باوجود ان قیمت و عظمت کے بھی۔ انکے علمی کارناموں کے اکثر مقامات۔ محل شبہات اور بہ خدشات ہیں۔ جن کی صحت۔ اصلیت اور قطعیت پر مشکل سے اعتبار کیا جائیگا۔ المولف عفی عنہ

۲۴۰۰ ق م | گذشتہ صفحات میں ڈہائی ہزار برس کا مرقع پیش کیا گیا جس میں بابل کے اسٹیج پر سومری عیلامی اور سامی قوموں کا کبھی بصلح و آشتی کبھی بجنگ و جدال ظہور ہوتا رہا۔ ۲۴۰۰ ق م میں ایک اور سامی قوم کا ظہور ہوا جس نے تمام قوموں کا خاتمہ کر دیا۔ اور ایک متحد سامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس حکومت کی حقیقت قومیت ان الفاظ میں ایک امریکن مؤرخ راجرس ادا کرتا ہے۔

سومری تہذیب اب پیری کو پہونچ گئی تھی۔ موت کے جراثیم اب اوس میں پیدا ہو چکے تھے
دوسرے طرف سامی تمدن زندگی اور جوش سے لبریز تھا۔ سامی۔ ریگستان عرب کی آزاد ہوا
سے باہر آئے تھے۔ وہ اپنی رگوں میں زندگی رکھتے تھے[1]۔

اس خاندان کا شجرہ ملوک جیسا کہ کتبات سے ظاہر ہوا ہے حسب ذیل ہیں[2]۔

نمبر	نام بادشاہ	سن حکومت	مدت حکومت
۱	سمو۔ آبی	۲۴۵۴ - ۲۴۴۰ ق م	۱۵ برس
۲	سمو۔ لا ایلی	۲۴۳۹ - ۲۳۹۱ ق م	۳۵ برس
۳	زوابو	۲۴۰۴ - ۲۳۹۱ ق م	۱۴ برس
۴	اَفل سِین	۲۳۹۰ - ۲۳۷۳ ق م	۱۰ برس
۵	سِین مُبَلّط	۲۳۷۲ - ۲۳۴۳ ق م	۳۰ برس
۶	حمورآبی	۲۳۴۲ - ۲۲۸۸ ق م	۵۵ برس
۷	سمو۔ ایلونا	۲۲۸۷ - ۲۲۳۵ ق م	۳۵ برس
۸	عمی۔ شوغ	۲۲۵۲ - ۲۲۲۸ ق م	۲۵ برس
۹	عمی ستانا	۲۲۲۶ - ۲۲۰۳ ق م	۲۵ برس
۱۰	عمی صادوقا	۲۲۰۲ - ۲۱۸۲ ق م	۲۱ برس
۱۱	سمو۔ ستانا	۲۱۱۸ - ۲۱۵۱ ق م	۱۳ برس

اس فہرست میں پہلا نام سمو آبی کا ہے۔ اس کی نسبت کوئی واقعہ نہیں معلوم۔ اسکا نام سلاطین کی فہرست میں ملا ہے۔ اس کے بعد کے جانشینوں کی نسبت بھی ہم کو کوئی صحیح علم نہیں ہے۔ سمو لا ایلو

[1] ROGERS VOL I.P 383.
[2] ROGERS VOL 1P 530.

کے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ اوس نے بابل میں چھ قلعے تعمیر کرائے تھے تیسرا بادشاہ زابو صرف ایک ہیکل کے بانی کی حیثیت سے معلوم ہوا ہے جو شہر کے دیوتا کے نام سے بنا تھا۔ افل سن اور سن مبالط بھی مجہول الحال ہیں۔

اس خاندان کا مشہور و ممتاز بادشاہ حمورابی ہے جس کی نسبت ہماری اطلاعات کسی قدر زیادہ وسیع ہیں اسکا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ملک کو عیلامیوں سے پاک کر دیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمورابی سے پہلے تک ملک میں عیلامیوں کا زور باقی تھا عجب نہیں کہ حمورابی کے اسلاف کا عدم اہمیت و شہرت اسی علت کا معلول ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ حمورابی سے پہلے کے بادشاہوں کے ساتھ شاہی القاب نظر نہیں آتے۔

ابتک جو کتبات اس خاندان کے ملے ہیں۔ وہ عموماً حورابی ہی کے ہیں جن سے اس بادشاہ کی عجیب و غریب عظمت ظاہر ہوتی ہے۔[1]

توریت میں سب سے پہلا جو سیاسی واقعہ مذکور ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں شمالی عرب میں عراق اور شام کے بادشاہوں کی باہمی جنگ ہے۔ اس موقع پر شنعار (بابل) کے بادشاہ کا نام امرافیل یا اموارفیل مذکور ہوا ہے۔[2] الف اور ح کا اور ب پ اور ف کا مبادلہ السنہ سامیہ میں بہت متداول ہے۔ اس لئے عجب نہیں کہ امرافیل اصلاً اموارفی ہو۔ اور اموارفی حمورابی کا عبرانی تلفظ ہو۔ ایل کا اضافہ (بمعنی خدا) صرف عبری ناموں کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔ جیسے اسرائیل - خرقیل وغیرہ۔ امرافیل اور حمورابی کے اتحاد کی بڑی دلیل دونوں کا تقریباً اتحاد عصر اور اتحاد ملک بھی ہے۔ بہرحال اگر یہ قیاس صحیح ہے۔ تو حمورابی اور حضرت ابراہیم کا باہم ایک ہی زمانہ ہوگا۔

حمورابی کے ایک اور کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید یہ دنیا کا سب سے پہلا متقنن ہو۔ بابل کے ایک مینار پر اوس کے قوانین کا خلاصہ درج ہے جو توراۃ کے احکام سے بہت مشابہ ہیں یضل به كثيرا ويهدي به كثيرا اہل ضلال کہتے ہیں کہ توریت کے احکام یہیں سے ماخوذ ہیں۔ ارباب ہدیٰ کہتے ہیں کہ یہ احکام ابراہیم کی شریعت کے ہیں جن کو حمورابی نے سنا اور قبول کیا فاما الذين آمنوا فيعلمون انه الحق من ربهم۔ جو اہل ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حقیقتاً اونکے پروردگار کی طرف سے ہے[3]

حمورابی کے بعد جو بادشاہ اس خاندان میں ہوئے وہ اسلاف کی عظمت کو قایم نہ رکھ سکے۔

---

[1] راجرس۔ جلد اول ص ۳۹۱ [2] تکوین باب ۱۴۔ [3] حمورابی کے یہ قوانین انگریزی میں ایک رسالہ کی صورت میں چھپ گئے ہیں۔ اس باب کے تمام حوالہ راجرس تاریخ بابل واسیریا سے ماخوذ ہیں۔ المولف۔

عرب سامیہ یا عرب عاد مصر میں

عراق کی طرح مصر میں بھی اس واقعہ کے تین اجزا ہیں۔ روایت عرب۔ بیان اہل مصر اور تصدیق تحقیقات جدیدہ۔ بلکہ اس مقدمہ میں ایک چیز اور زیادہ ہے۔ یعنی اشارات توراۃ۔

روایت عرب علامہ ابن قتیبہ کی عبارت ہے۔

فمنهم العماليق امم تفرقوا في البلدان ومنهم فراعنة مصر۔

انہیں میں سے عمالیق ہیں۔ یہ متعدد قومیں ہیں جو ملک میں پھیل گئی ہیں۔ انہیں میں فراعین (شاہان مصر) ہیں۔

مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے۔

فلما ملكوا النساء طمع فيهم العمالقة ملوك الشام فغزاهم ملك العمالقة وهو الوليد بن دومغ ووطئ البلاد فرضوا ان يملكوا عليهم فاقام دهرا طويلا ثم ملك آخر من العمالقة يقال له الريان بن الوليد وهو فرعون يوسف۔

تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۱۱ لندن

مصریوں نے جب عورتوں کو بادشاہ بنایا۔ شام کے بادشاہ جو عمالیق تھے۔ اونہوں نے طمع کیا۔ عمالیق کے بادشاہ نے جسکا نام ولید ابن دومغ تھا۔ ملک کو پامال کیا تھا۔ اہل مصر اونکی بادشاہی پر راضی ہو گئے۔ ایک زمانہ تک یہ بادشاہ زندہ رہا۔ پھر عمالیق کا دوسرا بادشاہ ہوا جسکو لوگ ریان ابن ولید کہتے تھے۔ حضرت یوسف کا معاصر فرعون یہی ہے۔ تاریخ یعقوبی جلد اول ص ۲۱۱ لندن۔

جزئیات بیان اور نام گو صحیح نہ ہوں لیکن اصل واقعہ ثابت ہے اور کیا عجب کہ یہ عربی نام اصلی ناموں کے ترجمے ہوں۔ اسی قسم کا بیان اور تاریخوں میں بھی ہے معجم یاقوت میں ہے۔

وقيل ان فراعنة مصر كانوا من العماليق وكان منهم فرعون ابراهيم۔

کہا گیا ہے کہ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے۔ انہیں میں حضرت ابراہیم ...... اور حضرت یوسف کے فرعون ہیں۔

مؤرخ طبری کی روایت ہے۔

وانه ملك عليهم طرا اخوه سنان بن علوان وهو اول الفراعنة وانه كان ملك مصر حين قدمها ابراهيم خليل الرحمان (ج ۱ ص ۲۰۲ یورپ)

اوس نے مصر پر اپنے بھائی علوان بن سنان کو بادشاہ بنایا۔ یہ مصر کا پہلا فرعون تھا۔ حضرت ابراہیم جب مصر گئے تو یہی فرعون تھا۔

اس معاصرت کی تائید دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ بیان آگے آئیگا۔

مؤرخ ابن خلدون کی تحقیق ہے۔

اِنّ بعض ملوک القبط استنصر بالعمالقۃ لعھدہٖ۔۔۔۔۔۔۔فجاء معہ وملک مصر	قبط (قدیم باشندگان مصر) کے بعض سلاطین نے اپنے زمانہ کے شاہ عمالیق سے مدد مانگی۔ وہ آیا اور اُسنے مصر پر قبضہ کر لیا۔

اہل مصر کا بیان مسیح سے دو ہزار برس پہلے ایک اجنبی قوم نے مصر پر قبضہ کیا۔ اسکا نام اہل مصر سوس (چرواہی) اور ہیک سوس (چرواہے بادشاہ) بتلاتے ہیں۔ یہ چرواہے بادشاہ کون تھے؟ عرب جو اکثر شتربانی سے جہانبانی تک پہونچے ہیں۔ اور اوسوقت بھی ان کو یہی لقب دیا گیا۔ لیکن کیا کیا جاوے کہ چرواہا ہونا نہ صرف عرب کا بلکہ تمام امم سامیہ کا قومی و ملکی پیشہ رہے اور اس کی تحریری شہادت آج سے دس ہزار برس پیشتر کی ہمارے پاس موجود ہے تا انکہ پیشوایان امم سامیہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

بہرحال۔ انھیں چرواہے بادشاہوں۔ یا عرب چرواہوں کی نسبت اہل مصر کا اعتراف ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس پہلے مصر پر حکمران تھے۔ مصر کا قدیم مؤرخ اسکندریہ کا مانیتھو ہے جس نے مسیح سے ۲۶۰ برس پیشتر یونانی میں مصر کی تاریخ لکھی تھی۔ اصل کتاب تو مفقود ہے لیکن اس کی جستہ جستہ عبارتیں بعد کے یونانی اللسان مصنفین کے یہاں منقول ہیں جن میں سے ایک یہودی مؤرخ یوسیفوس بھی ہے۔

یوسیفوس نے ہیک سوس کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اوسکا اقتباس یہ ہے۔

ہمارا ایک بادشاہ طیماؤس نامی تھا۔ اوس کے عہد میں یہ ہوا لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیونکر ہوا۔ خدا ہم پر خفا تھا؟ ایک عجیب طریقے سے شریر الخلقت لوگ اطراف مشرق سے چلے آئے۔ وہ ایسا قدر بہادر تھے کہ ہمارے ملک میں گھس آئے۔ نہایت آسانی سے بزور مسخر کر لیا۔ گو اون سے ہماری ایک قسمت آزما جنگ ہوئی۔ جب اونہوں نے ہمارے سرداروں کو گرفتار کر لیا جنہوں نے اپنی طاقت سے ہمپر حکومت کی تھی۔ تو ہمارے شہروں کو جلا دیا۔ ہمارے دیوتاؤں کے ہیکلوں کو برباد کیا۔

آخر وہ حاکم بن بیٹھے۔ اور اپنا ایک بادشاہ بنایا جسکا نام سالاطیس تھا سالاطیس نے مصر بالا اور مصر زیریں دونوں سے خراج وصول کیا۔ اور تمام مقامات پر دستے متعین کئے خصوصاً مشرقی حصوں کی حفاظت۔ اہل سیریا کے مقابلہ میں پیش بینی کے لئے بہت کرتے تھے۔ جو اس زمانہ میں قوی ترین قوت تھی۔

سالاطیس نے تیس برس حکومت کی۔ پھر ایک دوسرا بادشاہ ہوا جسکا بیون نام تھا یہ بیالیس برس زندہ رہا۔ بعد ازیں ۴۶ برس سات مہینے تک ابوفیس بادشاہ ہوا۔ پھر جنیاس نے پچاس برس اور ایک مہینہ تک حکومت کی اور ان سب کے آخر میں اسیس بادشاہ ہوا۔ ۴۹ برس

دو مہینے اس کی بادشاہی کا زمانہ ہے.......

اس تمام قوم کا نام ہیک سوس رکھا گیا تھا یعنی چرواہے بادشاہ۔ کیونکہ۔ ہائیک کے معنی مقدس زبان (توراۃ) میں "بادشاہ" کے ہیں۔ اور سوس عام زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں۔ اور ان لفظوں سے مل کر ہائیک سوس بنا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ عرب تھے.......

پانچسو گیارہ برس تک مصر پر قابض رہے (JOSEPHUS BOOK I SECT 14 VOL IV) [۵۱]

ان عرب حملہ آوروں کے نام و نسب کے متعلق ایک بات یہاں قابل ذکر ہے۔ روایات صحیحہ عرب میں۔ فاتح مصر کا نام شداد ظاہر کیا گیا ہے۔ مانیتھو نے سلاط لکھا ہے "ے" اور "س" جو سلاطیس کے آخری اجزا ہیں۔ مذکر نام کے آخر میں یونانی اور لاطینی زبانوں میں عموماً زائد کر دیئے جاتے ہیں حقیقت میں شداد اور سلاط معناً ایک ہی لفظ ہیں۔ شداد کے معنی "قوی" اور "جابر" کے ہیں اور سلاط بھی سامی زبان میں یہی معنی رکھتا ہو جس سے عربی زبان میں "سلطان" "سلطنۃ" اور "متسلط" نکلے ہیں۔

ہیک کو اگر ہم "شیخ" کا محرف نہ کہیں۔ جو امیر بدو کا خاص لقب ہے۔ تو اس کو خاص مصری لفظ تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مانیتھو نے بتایا ہے لیکن سوس کا لفظ خاص عربی ہے۔ سوس کے اصل معنی نگرانی اور انتظام کے ہیں اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی ابتداً سوس کہتے ہیں جس سے منتقل ہو کر گلہ بانی سے جہانبانی کے لئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی ماخذ سے سیاستہ کا لفظ اب عام طور سے اس معنی میں بولتے ہیں۔ سوس کے معنی اول یعنی چرواہے اور نگہبان کا اثر اب تک ہمارے ہاں ایک لفظ میں باقی ہے یعنی سَیس (خادم و محافظ اسپ) عجب نہیں کہ عبرانی میں یہیں سے لفظ "سوس" D: I گھوڑے کے لئے مستعمل ہوا ہو تیسرے بادشاہ کا نام ابوفیس بھی عربی وضع کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ابوقیس ہو یا ابوفیض۔ آخری نام اسیس ہے جس کو ہم عزیز کہتے ہیں۔ اور اب تک امرائے مصر کا لقب جانتے ہیں اور ایک عجیب کیا معتبر دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں "عزیز" ہی کا لفظ پاتے ہیں۔

توریت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جب پہلے بار ظہور ہوتا ہے تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ عراق سے مصر تک کی زمینوں میں سفر کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ اپنی بیوی سارہ کو جو رشتہ کی بہن تھیں۔ اپنی بہن ظاہر کرتے ہیں[۱]۔

---

۵۱ کیا صاحب ارض القرآن اور کسی مسلمان کو اب بھی مسئلہ تقیہ کی قدامت۔ اور جواز فی الشریعت کی نسبت کوئی کلام باقی رہ جاتا ہے؟

فرعون مصر قرابت کی درخواست کرتا ہے۔ پھر جب واقعہ ظاہر ہوتا ہے تو خود اپنی بیٹی کو کنیزگی[1] میں پیش کرتا ہے۔ کیا اس سے نسبی تعلق کی بو نہیں آتی۔[2]

ڈیڑھ سو برس کے بعد اتفاقاً حضرت یوسفؑ مصر تشریف لے جاتے ہیں اور باوجودیکہ اونکا عبرانی ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور اہل مصر عبرانیوں کو ذلیل جانتے ہیں اور اون کے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں فرعون مصر یوسفؑ کی عزت کرتا ہے۔ اون کو اپنا نائب السلطنت مقرر کرتا ہے[3]۔ یوسف کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب اور اون کے خاندان کے مصر آنے پر فرعون اور ارکان سلطنت خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اون کے مرنے سے نہایت رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے عجیب یہ ہے کہ حضرت یوسف اپنے خاندان کو تاکید کرتے ہیں کہ فرعون اگر پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو جواب دینا کہ ہم چرواہے ہیں اور چوپانی ہمارا پیشہ ہے[4]۔ اور پھر توریت کا خود یہ عجیب تر بیان کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے تھے[5]۔ اور یہ حقیقتاً سیاسی نفرت تھی۔ ان تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چرواہے بادشاہوں کا وجود تاریخی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ اور بنی اسرائیل کا قیام انھیں عرب سامیہ یا چرواہے بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ جیسا کہ مورخین عرب کا بھی بیان ہے۔ اور یہ بھی اوس سے واضح ہوتا ہے کہ ان عبرانی اور مصر کے خاص شاہی خاندان میں ضرور کوئی خاص قومی تعلق تھا جس کا اظہار کنایتہً حضرت یوسف باوجود اس علم کے کہ مصری ہر چوپان سے نفرت رکھتے ہیں "چوپانی" کے ذریعہ سے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا اہل مصر اس بدوی حکمراں خاندان کو تحقیراً "شاشو" کہتے تھے۔

چند صدیوں کے بعد بنی اسرائیل کا مصر میں مبتلائے مصائب ہونا ہمارے نزدیک اوس کی

---

[1] کنیزگی سے کنیزی مستعملاً زیادہ فصیح ہے۔ مرزا دبیر مرحوم نے سیدانی کو بر آئے کنیزی طلب کیا۔ المولف عفی عنہ

[2] توریت تکوین باب ۴۱ - ۴۲ -

[3] توریت تکوین باب ۱۲ ۱۴ - ۱۶۔ ایضاً باب ۴۷ - ۳ سلہ یہ واقعہ کہ ہاجرہ فرعون کی بیٹی تھیں توراۃ میں نہیں ہے مگر یہودی روایت میں موجود ہے۔ اور اونکا مصری ہونا تو توریت میں بھی مسلم ہے۔ ارض القرآن ص ۱۵۰ ۱۵۱ - ہم نے اس بحث کو ایک علیحدہ باب میں درج کیا ہے اور حضرت ہاجرہؑ کے خاص حالات میں اوسکو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ المولف عفی عنہ

[4] توراۃ تکوین باب ۴۶ - ۳۰ - ۳۱ - ۳۲۔ کیا مسئلہ تقیہ کا وجود اور اسکے جواز و عمل کا ثبوت اب بھی کتب قدیمہ اور سیرت و شریعت انبیائے سابقین سے تسلیم نہیں کیا جائیگا؟ المولف عفی عنہ

[5] توریت تکوین باب ۴۵ - ۱۶ سلہ توریت تکوین باب ۵۰ - ۳ - ۱۱ سلہ تکوین باب ۴۶ - ۳۴ -

توجیہ یہ ہے کہ جب اہل مصر یعنی بنی حام نے سابق حکمران خاندان یعنی ہیکسوسام کو مصر سے نکال دیا۔ اور انکی حکومت کا مصر میں خاتمہ کر دیا تو بنو اسرائیل جو ہیکسوسام کی ایک شاخ تھے۔ اور بعہد حکومت سابقہ مصر میں طاقتور ہو گئے تھے۔ اون کو سیاسی وجوہ سے کمزور کر دینا چاہا۔ توریت میں اس موقع پر حسب ذیل عبارت ہے۔

لیکن اسرائیل کی اولاد برومند ہوئی اور بہت بڑھی اور فراوان ہوئی۔ اور بہت زور پیدا کیا اور زمین اون سے معمور ہوئی۔ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ۔ جو یوسف کو نہ جانتا تھا پیدا ہوا اور اوس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں اور ہم اون کے ساتھ دانشمندانہ تدبیر کریں۔ تا نہ ہووے کہ جب وہ اور زیادہ ہوں اور جنگ پڑے تو ہمارے دشمنوں سے ملجائیں اور ہم سے لڑیں اور ہمکو نکالدیں۔[1]

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کا معاملہ بالکل سیاسی تھا۔ قرآن مجید سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ فرعون حضرت موسیٰؑ اور ہارون کی نسبت کہتا ہے۔

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ	یقیناً یہ دونوں (ہارونؑ و موسیٰؑ) جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ تمکو تمہارے ملک سے نکالدیں۔

توریت کے اس فقرے کا کہ تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہ جانتا تھا۔ ہم یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تب ایک نئی بادشاہی قائم ہوئی۔ جو بنی اسرائیل کو جو سابق سامی حکومت کی ایک شاخ تھی نفرت سے دیکھتی تھی۔

ہمارے خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ عرب نے۔ سامی حکومت مصر کی جو مدت قرار دی ہے۔ یہ تقریبًا وہی ہے جو ابراہیمؑ سے (جو ابتدائے حکومت کا زمانہ ہم فرض کرتے ہیں) حضرت موسیٰ سے کچھ پہلے تک (جو اختتام کا زمانہ ہے) توریت نے قرار دی ہے یعنی تقریبًا ۵۲۵ برس۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی حکومت مصر کا زمانہ جو حضرت یوسفؑ سے حضرت موسیٰؑ تک ممتد ہے۔ توراۃ نے ۴۳۰ برس بتایا ہے۔ اسپر حضرت ابراہیمؑ سے حضرت یوسفؑ تک کا زمانہ اور اضافہ کیا جائے۔ تو ان چار پشتوں کے لئے سو برس فرض کیا جا سکتا ہے مجموعہ ۵۳۰ ہوتا ہے۔ اور مانیتوا ہیں حکومت کا زمانہ ۵۱۱ بتلاتا ہے چند سال جو تورات میں فاضل ہیں وہ ہیں کہ دوسری وطنی حکومت مصر میں قائم ہوئی۔ جسکے چند سالہ مظالم سے بنی اسرائیل مصر سے نکل آئے۔

---

[1] سفر خروج باب اول ۷-۸-۹-۱۰ و ۱۱

[2] خروج ۱۲-۴۰-

بنی اسرائیل اور عرب سامیہ کے باہمی تعلق مصر کا نہ صرف توریت کے ان فقروں سے ثبوت ملتا ہے بلکہ مصر اور عرب دونوں کی تاریخ سے بھی۔ توریت کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقوام سامیہ میں عربوں کے تعلقات مصر کے ساتھ سب سے زیادہ تھے۔ اسماعیلی عربوں کی ماں ہاجرہ[1] مصری تھیں۔ خود حضرت اسمٰعیل کی ماں کے سوا بیوی بھی مصری[2] تھیں۔ عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے۔ خود حضرت یوسف ؑ کو دربار مصر تک جس نے پہونچایا وہ عرب ہی تھے حضرت یوسف کے عہد میں جب مصر اور اوسکے آس پاس کے ملکوں میں قحط پڑا تو یمن سے جو عام روایت کے اعتبار سے عاد و عمالیق کا وطن تھا۔ یہاں کی شاہزادی نے مصر سے غلہ طلب کیا تھا۔ یہ واقعہ اوس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو مسلمان علمائے آثار نے ابتدائی صدی ہی میں یمن میں پایا[3]۔

اس کتبہ سے نہ صرف توراۃ کے اس فقرے کی تائید ہوتی ہے کہ تمام زمین میں قحط پڑا۔ بلکہ اُن عربوں میں جو یمن میں تھے اور اون سامی عربوں میں جو اوسوقت چرواہے بادشاہوں کے نام سے مصر میں تھے۔ باہم تعلقات کا اظہار ہوتا ہے۔

مصر کے علمائے آثار ثابت کرتے ہیں کہ ہیکسوس۔ سامی عرب تھے بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود مصری اصلاً شاید سامی عرب ہیں۔ ہیکسوس کے عرب ہونے کی نسبت سب سے پہلے شہادت ایک مستند جرمن مورخ ہیرن HEEREN کی پیش کیجاتی ہے۔ مورخ موصوف لکھتا ہے۔

> اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف جہات سے مصر میں یہ قبائل حملہ آور تھے۔ لیکن وہ جو مشرق سے آتے تھے۔ یعنی عرب سب سے زیادہ زبردست تھے۔ یہ مصر زیریں تک دوڑ پڑے

آگے چلکر لکھتا ہے۔

> اون کی لمبی داڑھی۔ لمبے کپڑے۔ ہر چیز اون کے عرب ہونے کو ظاہر کرتی ہے[4]۔

جارج راولنسن۔ جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف ہے لکھتا ہے۔

> مصر جو پانچ سلطنتوں میں بٹ گیا تھا اوسکے ضعف نے شمال مشرق سے باہر کے حملہ آوروں کو طمع دلایا دو ہزار اسی (۲۰۸۰) قم میں یا اسکے کسی قدر بعد طاقتور دشمن شمال مشرق سے مصر

---

[1] تکوین ۱۶-۱۳ - [2] ۲۱-۲۱ [3] تکوین ۲۷-۲۲ - [4] تکوین ۳۷-۲۹

AGAINST BOOK. 1 SEE 14 · RAWLINSON VOL I PP. 98.

زیرین میں داخل ہوگئے۔ یہ ممفزا کی حکومت کے برباد کرنے اور ملک کے حصہ زیریں واقع

طول البلد ۲۹ ۔ ۳۰ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

یہ حملہ آور ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔ جو شام یا عرب کے صحرا نورد بدوی لوگ تھے[۱]

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

مصریوں کے دوسرے دشمن اس جانب میں شاشوش تھے۔ جو شاید ہیک سوس ہیں اور بظاہر عرب معلوم ہوتے ہیں[۲]۔

ایک جرمن فاضل بروگش ہینرچ (BURGSCH HEINRICH) نے مصر کی تاریخ صرف کتبات و آثار کی بنا پر لکھی ہے۔ تاریخ مذکور میں فاضل موصوف کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہائیک سوس یقیناً سامی تھے مصر کی زبان قدیم میں۔ ہائیک۔ بادشاہ اور سوس چرواہان اور اہل بادیہ کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کی ایسی روایت کو بھی اوس نے تائیداً نقل کردیا ہے کہ شداد ابن عاد نے مصر پر حملہ کیا تھا۔

برٹش میوزیم۔ لندن میں جو مجموعات مصر (EGYPTIAN COLLECTION) ہیں۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں اون کا دلیل نامہ (GUIDE) لکھا گیا ہے۔ جو معلومات تازہ کا خلاصہ ہے۔ ہائیک سوس کے متعلق اوسمیں حسب ذیل تحقیق ہے[۳]:—

تیرھویں خاندان حکومت کے زوال کے بعد نسبتاً فوراً ہی مصر زیرین (DELTA) اور شمالی اطراف مصر پر متحارہ سامی بدوی قبائل نے آہستہ آہستہ قبضہ کرلیا جن کے سرداروں کا نام بروایت یوسیفوس (المتوفی سنہ ۱۰۰ء) ہائیک سوس یا چرواہے بادشاہ تھے۔ لفظ ہائیک سوس۔ دو مصری لفظوں سے ماخوذ ہے "ہیکو" اور "شاشو" یعنی شیخ یا حاکم قبائل بادیہ و صحراے مشرق و شام وغیرہ۔

ڈبلیو کک ٹو آے (W. COOK TOY) ایک انگریز مورخ صاحب جو ایک چھوٹی سی لیکن مستند تاریخ کے مصنف ہیں۔ فاتح عربوں کی شجاعانہ قوت سے برہم ہو کر لکھتے ہیں۔

زمین عرب جہاں کے بادیہ نشین قبائل جو تاریخ کے قدیم ترین عہد سے گلہ بان اور غارتگر ہیں۔ اور اب تک ہمارے زمانہ تک بھی وہ ویسی ہی ہیں۔ ان مصر میں داخل ہونیوالی قوموں کی ماں تھی جنہوں نے نہایت سختی سے قدیم مصریوں کو ستایا۔ ... انکا نام ہائیک سوس تھا۔ یا چرواہے بادشاہ[۴]

---

[۱] ج ۱ ص ۱۶۶ [۲] ج ۱ ص ۱۱۱ [۳] ج ۱ ص ۳۲۷ و ۳۲۷ [۴] ج ۱ ص ۲۶۶

اس عصر جدید میں مسلمان مورخین میں عمالقہ یا عرب سامیہ اور ہائیکسوس کے ایک ہونے کا خیال سب سے پہلے ایک مصری عالم علامہ رفاعہ بک طہطاوی کو پیدا ہوا جس کی ذات مصر کے دور انقلاب علمی کا پہلا نتیجہ اور معلومات مغربی و مشرقی کا پہلا ثمر تھا۔ ان کی تاریخ مصر بنام انوار توفیق الجلیل ۱۲۸۵ھ میں پچاس برس سے زائد ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ اوس میں اس موقع کی عبارت یہ ہے۔

"دولتهم تسمى دولة المعصوص واشتهرا بالتواريخ باسم الملوك الرعاة وفي كتب التواريخ الاسلامية يقال لهم العمالقة"	ان کی سلطنت کا نام ہیکسوس کی سلطنت ہے۔ یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں اسلامی تاریخوں میں انکا نام عمالقہ ہے۔

جمہور کی اس آواز متفق ہیں کہ ہائیکسوس سامی عرب تھے۔ کبھی کبھی ایک دھیمی آواز یہ بھی سنائی دیتی ہے کہ وہ تورانی یا منگولین (MONGOLIAN) تھے۔ آج سے اسّی برس پیشتر مسٹر روسی لینی (Mr. ROSELINI) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اس مدعی کے پاس اس دعوے کی صرف یہی دلیل ہے کہ سوائیس ("SCIOS") جو ہیکسوس کا جزو ہے اور ایک تورانی قوم کے یونانی نام سیتھنس (SCYTHENIES) میں بعض حروف کی تعجب انگیز لفظی مشابہت اور مناسبت ہے۔ جرمن عالم ہیرن نے اس کی تردید میں لکھا ہے۔

ہائیکسوس جو مصر کے ایک بڑے حصہ پر مصر کے سولہ[۱۶] اور سترہ[۱۷] خاندان حکومت میں قابض ہو گئے تھے مسٹر روسی لینی کا اور میرا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بادیہ نشین تھے کیونکہ آثار میں چواہوں کی تصویر دکھائی گئی ہے وہ گلوں اور چوپایوں کے جھنڈ کے ساتھ ہے۔ اس سے سب نے طبعی طور پر سمجھا ہے کہ وہ عرب و مصر کے بدوی قبائل تھے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ان میں عرب قوم کو میں اپنے مخصوص خصوصیات میں یعنی ڈاڑھی لمبے کپڑے اور گہرے رنگ میں پاتا ہوں اور یہ ایک ایسی رائے ہے جس کی تقویت کرتا ہے (خود ناقل روایت) یوسیفوس نے دی ہے مسٹر روسی لینی ان کو سیتھینس فرض کرتے ہیں سیتھینس سے مقصود شاید ایشیائے وسطی کے تورانی بدوی قبائل ہیں لیکن ان کے ذکر وہ بیان سے ...... علاوہ ازیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو یہ دکھا سکے کہ ان قبائل نے اس قدر بعید زمانہ میں کوئی مہم بغرض فتح اس قدر بعید فاصلہ کے لئے اختیار کی ہو۔

---

۱ ص ۲۲۴ سطر ۲ - انوار توفیق الجلیل فی اخبار مصر ج ۱ ص ۵۸ سنہ ۱۲۸۵ھ

۲ جلد ۲ ص ۵۲ سطر ۳ سوال نے اآگسٹ ۱۹۰۷

مسٹر روسی لیسی کی دلیل صرف لفظی تشریح پر مبنی ہے جس کی بنا پر ان کو نظر آتا ہے کہ مصری نام (Scios) سائس (Sythes) سائیتھس ہے جس کے معنی برباد کنندہ کے ہیں۔

میں اس مسئلہ کے اندر پڑنے کی جرأت نہیں کرتا لیکن میں اپنے اعتراف و بیان میں بھی ترمیم نہیں کر سکتا۔

پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں اس دھیمی آواز میں اور بھی ضعف آگیا ہے۔ آج سے دس بارہ برس پہلے ایک کتاب لکھی گئی ہے جس میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہیکسوس تنہا تورانی نہیں تھے۔ بلکہ سامی عرب بھی اسمیں شامل تھے۔ اس کتاب کی عبارت یہ ہے۔

اس میں معتد بہ حد تک شک ہے کہ ہیکسوس کس قومیت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بعض صرف کنعانی، عرب اور دوسرے سامی قبائل سمجھے گئے ہیں لیکن حیتی (ایک تورانی قبیلہ) بھی اونکے ساتھ شریک معلوم ہوتے ہیں اور ان کے لیڈر تورانی معلوم ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کی بنا پر کہ آخری سلاطین ہیکسوس کے جو مجسّمے ابھی حال میں ملے ہیں وہ بالکل تورانی شکل کے ہیں۔

بعض اشخاص کی مشابہت شکل سے بغیر کسی تاریخی اور اثری دلیل کے قومیت کا فیصلہ عجیب ہے۔ اور اسی لئے یہ آواز ہمیشہ بالکل غیر مسموع رہی ہے۔ تازہ ترین خیال۔ جو برٹش میوزیم اجپشین گائڈ MU BRITISH EGYPTION GUIDE (MUSLEUM) (دلیل نامہ آثار مصریہ) اور انسائیکلو پیڈیا (ENCYCLOPEDIA طبع یازدہم مضمون ایجپٹ (EGYPT) کو پڑھ کر مستفاد و تسلیم شدہ نظر آتا ہے یہی ہے کہ ہیکسوس متحدہ سامی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہیکسوس کے عرب ہونے پر اسقدر دلائل ہم موجود ہیں جنکا استخفاف محکم ہے۔ حسب ذیل دلائل قویہ اور قرائن عقلیہ پر نظر ڈالی جاسکے۔

(۱) عربوں کا بیان کہ انھوں نے زمانہ قدیم میں مصر پر حکومت کی۔

(۲) قدیم اہل مصر کا اعتراف کہ عرب یہاں حاکمانہ داخل ہوئے۔

(۳) ہیکسوس کے بادشاہ اول کے نام کا عرب کے ذکر کردہ فاتح مصر سے مطابقت معنوی و لفظی۔

(۴) سلاطین ہیکسوس کے نام کا عربی اللفظ یا سامی الماخذ ہونا۔

(۵) آثار میں اونکے مجسّمے کا عربی شکل و لباس میں ہونا۔

(۶) عرب و مصر کے قدیم تعلقات۔

(۷) ہیکسوس کے جو اوصاف بتلائے گئے ہیں اونکا بعینہٖ عربوں میں موجود ہونا۔

(۸) توراۃ کے قرائن و اشارات۔

(۹) علمائے آثار کی تائید۔

(۱۰) مورخین یورپ کا علی الاکثر بیانات قدیمہ سے انکی عربیت کی تصدیق[۱]

ان تمام مباحث و مطارحات کے بعد ہم سب سے آخری قطعی اور فیصلہ کن شہادت خود اُس قوم کی نقل کرتے ہیں جس نے شاشو کو اپنے ملک سے نکال کر اعتراف کیا ہے کہ وہ خود "شاشو" کو کیا سمجھتے تھے مصر کا قدیم بادشاہ رعمسیس سوم اپنے ایک کتبہ میں اپنی ایک فتح کی نسبت لکھتا ہے۔

"میں نے سا عیر کی قوم کو جو شاشو کے قبائل میں ہیں برباد کر دیا"

---

[۱] لفظ مصری ہیکسوس۔ (جس کا معرب هقصوس ہے) کی تحقیق میں اتنی کد و کاوش صرف دو ایک مستشرقین اور جدید محققین کے غلط فہمی پیدا کر دینے کی وجہ سے لاحق ہوئی ورنہ مسئلہ زیر بحث کا ہر پہلو صاف ہو چکا تھا مسٹر روسی لینی کے زائد از تعقل اور غیر محققانہ تفکر نے اس میں محض خفیف سا شبہ اور تامل پیدا کر دیا تھا جسکو نہ اونکے ہمعصر مستشرقین نے قابل قبول سمجھا اور نہ زمانہ حال کے محققین نے۔ اسلئے اب اس بحث پر زائد قلم فرسائی کی ضرورت نہیں لیکن اتنا لکھ دینا ضروریت سے زائد نہوگا کہ مسٹر روسی لینی اور انکے معدودے چند ہمخیالوں کو یہ شبہ کیوں واقع ہوا؟ صرف اسلئے کہ علم القدامت کے یوروپین محققین کا یہ مسلمہ مسئلہ قرار پا چکا ہے کہ دنیا کی تمام اقوام و قبائل کا اول موطن و مسکن وسط ایشیا ہے یہیں سے تمام اقوام عالم میں وہ پھیلے ہیں۔ اسی خیال کی بنا پر اوس نے ہیکسوس یا شاشو کو بھی تورانی النسل بتلایا ہے۔ مگر اوس کی رائے کا ضعف اسی سے ثابت ہے کہ اون کثیر التعداد ثبوتوں کی موجودگی میں کہ ہیکسوس اصلاً سامی الاصل ہیں۔ وہ ان کے خالص تورانی بتلانے پر جرأت نہ کر سکا اور اون کو سامی اور تورانی نسلوں کا مجموعہ بتلا کر ایک مخلوط النسل قوم قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ایسا قیاس اوس کی تاریخ قدیم سے بالکل عدم واقفیت بتلاتا ہے کیونکہ تاریخی دنیا میں اوس وقت تک قوموں کے اختلاط کا زمانہ قائم نہیں ہوا تھا قوموں کی اختلاط النسل کا زمانہ اس سے بہت بعد کا ہے۔ اگر ہم اوسکے اس خیال اور اسکی اصل بنا کو تسلیم بھی کر لیں تو اسکو جاننا چاہیے کہ تمام قدیم مورخین عرب کا یہ متفقہ دعویٰ رہا ہے کہ اونکا ملک اور وطن جزیرہ نما عرب مخصوص تمام کا قلب یعنی وسط عالم میں واقع ہے پہلے زمانہ میں یوروپین مورخین و محققین عربوں کے اس دعویٰ کو زبانی مفاخرت سمجھتے تھے اور ہنستے تھے۔ مگر اب مغربی محققین کے اس مسلمہ کا خود اقرار کرتے ہیں۔ مسٹر فوسی۔ جی ہوگارتھ اپنی کتاب پینیٹریشن آف اریبیا میں لکھتے ہیں کہ دو (عرب) درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔ جلد اص ۴۷۔ جب عرب کا وسط ایشیا ہونا ثابت ہو گیا تو پھر تورانیوں کی قدیم الاثواری کا مسئلہ اور دعویٰ عربوں کے مقابلہ میں قابل تسلیم نہیں ہو سکتا ہے۔ قدامت کے اعتبار سے وہ خود ہی تھے جو اوس زمانہ میں شاشو یا ہیکسوس کہے جاتے تھے۔ المولف عفی عنہ

ساعیر سے مقصود اہل ساعیر ہیں جو شمالی عرب میں ایک کوہستانی مقام ہے اور جہاں ادومی عربوں نے ایک حکومت قائم کی تھی۔ توراۃ میں کوہ سعیر کا نہایت کثرت سے ذکر ہے۔

عرب سامیہ مختلف ممالک میں

(اسیریا (شام) ایران۔ فنیقیہ۔ قرطاجنہ۔ کریٹ۔ اور یونان میں)

عرب سامیہ اول (عاد اول) کا ان ممالک میں گذرنا یہاں کسی حکومت کی تاسیس۔ ایک تعجب انگیز واقعہ ہے لیکن غیر معقول نہیں۔ ۱۲۰۰ ق م میں بابل کی جگہ اسی ملک میں اسیریا کی حکومت قائم ہوئی۔ ایران اس وقت تک کوئی مستقل ملک نہیں تھا۔ اسیریا اور بابل کا ایک جزو تھا۔ فنیقی (فنیشین) شام و فلسطین کے ساحل بحر ابیض پر آباد تھے۔ توراۃ میں انکو ارامی کہا گیا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی تاجر اور یورپ کا سفر کرنیوالی قوم ہے۔ اور یہی وہ قوم ہے جس نے قدیم یورپ میں تہذیب کی روشنی پیدا کی۔ اس نے ایک طرف افریقہ کی زمین شور میں کارتھیج تمدن کی تخم ریزی کی۔ اور دوسری طرف یورپ کے برفستان (یونان) میں تہذیب و تمدن کی آگ روشن کی۔

ان مباحث پر تفصیلی بحث تو طول کلام ہے۔ مستند چند کتابوں کے حوالوں پر اکتفا کیجاتی ہے۔

اسیریا۔ اسیریا کے متعلق سب سے آخری بحث میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ سامی قوم تھی[۱] اور یہ معلوم ہے کہ وہ خلیج فارس کے سواحل عرب سے ٹھیک اسی راستہ سے بابل آئی تھی[۲]۔ جس راستے سے اس سے پہلے دور میں عاد یا امم سامیہ اول کا گذر ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حقیقت میں اسیرین نسلاً عرب تھے۔ اور اسیریا کی اثری تاریخوں میں اسکے دلائل ہر جگہ ملیں گے۔

ایران۔ ایران کی قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ جمشید کے بعد ضحاک تازی ایک عرب (خاندان ضحاک سمجھنا چاہیئے) ہزار برس تک ان پر حکومت کی ہمارے مورخین کہتے ہیں کہ ضحاک یمن کے ایک بادشاہ[۳] کا نام تھا۔ لیکن تاریخاً اور اثراً اس زمانہ قدیم میں یمن کا براہ راست ایران پر حملہ آور حکومت کرنا معلوم نہیں اسکی صحیح توجیہہ یہ ہے کہ یمن سے سواحل خلیج عرب سے ہو کر اسیریا میں جو عرب خاندان حکمراں تھا۔ وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور ایک مدت تک اوسپر حکومت کی۔ ایران کا بابل و اسیریا کی محکومی میں مسیح[؟] اسکے عروج تک (۶۰۰ ق م تک) رہنا اب ایک مسلم واقعہ سمجھا جاتا ہے۔

---

[۱] سائینٹفک ریویو امریکہ SCIENTIGIHI REVIEUD AMRICA OF 1914 VOL I
[۲] راجرس ہسٹری آف بابل ROGER'S HISTORY OF BIVLLE VOL II (ASYIRA)
[۳] فردوسی ذکر ضحاک تازی۔

اسیریا کا دَور وجود سنہ ۱۸۰۰ ق م اور زمانہ عروج سنہ ۱۲۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک ہے۔

فنیقیہ۔فنیقی۔ سواحل بحر ابیض پر آباد تھے۔ ٹائران کے دارالحکومت کا نام تھا۔ اور ایشیا سے لیکر یورپ تک تجارت قدیم کے مالک تھے۔ عبرانی نام ان کا ارامی ہے۔ آثار کے رو سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی زبان۔ مذہب اور رسوم تمامتر سامی[۵۱] ہیں۔ اس بنا پر اہل فنیشیا کے تمامتر کارنامے اہل عرب کی طرف راجع ہوتے ہیں۔

قرطاجنہ۔ جہاں اب تونس آباد ہے۔ انھیں فنیشن یا ارامی عربوں کی آبادی تھی جس کو اب عام طور سے کارتھیج (CORTHAGE) کہتے ہیں۔ ان ارامی عربوں نے یہاں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی جس سے رومۃ الکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی۔ ہینیبال وغیرہ اسی خاک کے فرزند تھے۔

یونان و کریٹ۔ یورپ کا سب سے پہلا متمدن ملک یونان ہے اور یونان کا تمامتر تمدن وعلوم و خط فنیشیا سے ماخوذ ہیں۔ اور یہیں سے اوس کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے کہ عربی اور یونانی میں کیوں لوازم تمدن واشیاء تجارت کے بہت سے نام مشترک ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ مسئلہ ہے کہ عربوں کی براہ راست آبادی یورپ کے شہر یونان و کریٹ میں تھی۔ بلینی ایک یونانی جغرافیہ نویس اہل معین واقع یمن کے متعلق لکھتا ہے کہ "معین کے لوگ اپنے کو مینوس شاہ کے خاندان سے بتاتے ہیں"۔ ایک دوسرا یونانی مصنف اسٹرابو جزیرہ یوبیا (مملکت یونانی کا ایک جزیرہ) کے قدیم باشندوں کی نسبت لکھتا ہے کہ یہاں کی آبادی ایک "عرب" نو آبادی تھی جو قیدموس کے ساتھ یونان میں تھی[۵۲]

ہم ان فقروں کا ماحصل اتنا سمجھتے ہیں کہ عرب تاجر قدیم زمانے میں یونان تک پہونچ چکے تھے۔ اور وہاں اپنی کوئی تجارتی نو آبادی بھی قائم کرلی تھی۔

عرب البائدہ۔ امم سامیہ عاد اولیٰ کے آخری نتائج

(ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم)

مذکورہ بالا مباحث ومشاہد سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عاد اولیٰ۔ ارم بن سام کی اولاد سے ہیں۔

---

۵۱ تاریخ طبری جلد ۱ ص ۹۸۔

۵۲ ان بیانات کے لئے دیکھو ہسوال سنہ انگ ص ۱۲۶۔

قرآن مجید بھی ان کے نسبی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (فجر)	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے خدا نے اُس عاد ارم کے ساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے جن کی نظیر دُنیا میں نہیں پائی گئی۔

بعض حقیقت سے ناواقف اور تاریخی شاہد سے ناآشنا مفسروں نے لفظ ارم" کی اصلیت اور واقعیت سے ہٹکر اس سے ایک عجیب وغریب قیاسی باغ مراد لیا ہے۔ شداد ابن عاد کو اس نمونہ باغ رضوانی کا بانی بتلایا ہے۔ اور اپنی طبیعت کے مذاق اور خیال کے انداز پر اس کی زیب وزینت حسن وآرایش کے متعلق خارج از امکان اور بیرون از بیان ساز وسامان ترتیب دئے ہیں۔ مگر حقیقتاً یہ اون بزرگوں کی عقیدتمندانہ غلط فہمی ہے۔ ابن خلدون نے اس موضوع پر ایک جدا گانہ اور محققانہ بحث لکھی ہے۔ اسکی چند توجیہات ثبوت ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

(۱) ہم نے (ابن خلدون نے) دعوی کیا ہے کہ عاد۔ امم سامیہ کے ہم معنی یا تقریباً ہم معنی ہیں۔ نیز یہ کہ وہ ایک عظیم الشان حکمران قوم تھی۔ قرآن مجید میں اسکی تائید ان الفاظ میں آئی ہے۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ (اعراف)	عاد کے لوگو۔ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوس نے قوم نوحؑ کی تباہی کے بعد تمکو خلافت (حکومت) دی

یہ مسلم ہے کہ عرب اور اوس کے جوار و مضافات میں نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد (امم سامیہ) سکونت پذیر ہوئی تھی۔

(۲) عاد کی عظمت وجلالت اور سیاسی تفوق کے مفصل بیانات گذر چکے ہیں۔ ان کو دعوی تھا کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حم سجدہ) "ہم سے بڑا (قوت والا) روے زمین پر آج کون ہے"! ان کے پیغمبر (حضرت ہودؑ) نے ان سے کہا وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (سورہ ہود) "عجب نہیں کہ خدا تم سے لیکر اپنی خلافت کسی دوسری قوم کو عطا کردے"!

گذشتہ بیانات سے ان کی ثروت ودولت تو معلوم ہوچکی تھی۔ قرآن مجید کے موجودہ الفاظ سے اون کے مغرورانہ تمول ومقدرت کا اعتراف ظاہر ہے۔

(۳) عاد بڑی بڑی عمارتوں کے بانی تھے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کی متعدد مقامات پر توثیق کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ	تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اوس عاد ارم کیساتھ کیا کیا۔ جو بڑی بڑی عمارتوں والا تھا جسکی نظیر دُنیا میں نہیں پیدا کی گئی۔

دوسری جگہ حضرت ہودؑ کی زبانی ارشاد ہے :-

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ (شعراء)	اے عاد والو، تم ہر خوش قطع مقام میں بیفائدہ یادگار اور کاریگری کے مکانات بناتے ہو۔ شاید تم ہمیشہ دنیا میں رہو گے۔

پھر اونکی اکثیں فنا پذیر تعمیرات کی نسبت فرمایا گیا ہے۔

وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ (عنکبوت)	اور عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور اون کے گھروں کے کچھ حصہ تمہارے سامنے ہیں۔ عنکبوت

بار دیگر عبرت دلائی جاتی ہے :-

فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (احقاف)	عاد کا یہ حال ہوا کہ صبح ہوتے انکے مکانوں کے سوا اب کچھ نظر نہیں آتا

روایات میں عموماً قوم عاد اولیٰ کا خاص مقام یمن بتایا گیا ہے لیکن امم سامیہ کے مجموعی سلسلہ بیان میں ان کی سکونت کی تخصیص نہیں پائی جاتی ہے۔ صرف جزیرہ نما ئے عرب تک ان کی سکونت محدود کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے انکے مقامات سکونت کو مخصوص کر دیا ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ	برادر عاد کو یاد کرو جب احقاف میں اسنے اپنی قوم کو ڈرایا۔

جغرافی حالات عرب میں سابقاً مذکور ہو چکا ہے کہ ریگستانی صحرا ئے احقاف جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے۔ یہ غلط ہے کہ حضرت ہودؑ جنوبی صحرا کے رہنے والی قوم عاد کی ہدایت کیلئے مخصوص مبعوث فرمائے گئے تھے۔

حضرت ہودؑ کی بعثت اور قوم عاد کی ہدایت

(آفرینش عالم سے سنہ ۱۸۰۰ صدی اور حضرت مسیحؑ سے سنہ ۲۲۰۰ ق م)

ہیئت کا مسئلہ ہے کہ ہر اشیائے عالم کے تین زمانے ہوتے ہیں۔ آغاز۔ کمال۔ اور زوال۔ قوم عاد کے آغاز اور رہبر اصناف تکوینیہ میں اون کے کمال عروج کی کیفیت معلوم ہو چکی۔ گویا اون کی عمر تمدن کے دو زمانے گذر گئے۔ اب جو زمانہ آنے والا ہے۔ وہ آخری انحطاط و زوال کا عالم ہے۔ اس کے ابتدائی اسباب بھی ہونے چاہئیں۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے اخلاق و تمدن نے خود پیدا کر لئے۔ پہلے اخلاق کریمہ طبیعتوں سے بھلی باتیں ایک ایک کرکے جاتی رہیں اور اون کی جگہ سو سو برائیاں داخل ہو گئیں۔ انصاف کی جگہ ظلم رحم کی جگہ شقاوت۔ خوش اخلاقی اور مہربانی کے عوض بد اخلاقی اور ایذا رسانی پیدا ہو گئی۔ انکی بد کرداریاں اپنے انتہائی حدود یہاں تک پہونچ گئے کہ اون کا وجود عام نفوس انسانی کے لئے سعین و مدد گار کیا بلکہ مضر

ثابت ہونے لگا۔

تدبر قدرت ایسے وقت میں کیا کرتا ہے؟ ایسے عالم میں عادت الٰہیہ قدیم سے جن عملی صورت میں جلوہ آرا ہوتی آئی ہے۔ وہ قرآن مجید کے ان الفاظ سے ثابت ہے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا "خدا کا قانون گذشتہ قوموں میں بھی یہی تھا۔ اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہ پاؤ گے" وہ قانون خداوندی کیا ہے؟ پہلے ہدایت پھر سرکشانہ ناشنوائی کے بعد عقوبت

اخلاق الٰہیہ کے اصول کے مطابق ان کی ہدایت اور اصلاح حال کے لئے مدبر قدرت نے ان کی روحانی درستی و ترمیم کا ارادہ کیا اور انھیں کے قوم و قبیلہ سے انکا مصلح اعظم پیدا کیا۔ اپنے اس قانون اخلاق کو الفاظ الٰہیہ یوں بیان کرتے ہیں وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا "اور ہم کسی قوم کو اس وقت تک مبتلائے عذاب نہیں کرتے ہیں جب تک ان میں پیغمبر نہ بھیج لیں"

حجت الٰہی کی متذکرہ بالا منزل اول تمام ہو جانے کے بعد جب کسی قوم انسانی کی شامت اعمال اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ وہ ان اخلاق الٰہیہ کی توقیر کی جگہ تحقیر کرنے لگتی ہے۔ اور اس معلم روحانی کی ایذا دہی پر تیار ہو جاتی ہے جو اون کی تعلیم تلقین اور تسکین کے لئے خاصکر مبعوث کیا جاتا ہے۔ تو ایسے وقت میں اوس کی رحمت غضب سے بدل جاتی ہے۔ اوس کی قوت جبروتی فنا و ہلاکت کی مختلف صورتوں میں ظاہر ہو کر اون کی بستیوں کو خاک سیاہ اور اون کی ہستیوں کو تباہ کر ڈالتی ہے اس وقت اون کی حالتوں کا یہ عالم خاص ہوتا ہے وَلَا يَمْلِكُوْنَ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ اون کے لئے دوڑ جانا یا بھاگ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ نہ معین نہ مددگار وَلَا مَوْلًى لَهُمْ وَلَا نَصِيْرًا

عاد اولیٰ کی بعینہ یہی کیفیت اور یہی عالم اس زمانہ میں ہو رہا تھا۔ راحم ازلی اور منعم حقیقی نے ان کفر شعاروں کی اصلاح کی غرض سے حضرت ہودؑ کو منصب رسالت پر مبعوث فرمایا۔ اور کلمہ الٰہی کے اس داعی نے ان الفاظ میں حقیقت کی آواز اون کے کانوں تک پہونچائی۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

قوم عاد میں انکے بھائی حضرت ہود مبعوث فرمائے گئے انہوں نے تمام قوم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے میری قوم۔ خدا کو پوجو اوسکے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں۔

قوم عاد کا وہ کافر فرقہ جو شدت کفر و نفاق میں اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (عرب البائدہ کفر و نفاق میں شدید بدترین قوم تھے) کا پورا مصداق تھا۔ اپنی لا انتہا نخوت و غرور میں چور ہو کر اس داعی کلمات الحق سے برسر مناظرہ ہوا۔ اور اپنے گستاخانہ مکالمہ کی جواباً اس دریدہ دہنی اور شوخ چشمی سے ابتدا کی

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ

اوس کی قوم کا وہ رئیسہ طبقہ جو کافر تھا بولا۔ اے ہود (معاذ اللہ) ہم تم کو حماقت میں مبتلا پاتے ہیں۔ اور (نعوذ باللہ) تمکو جھوٹ بولنے والوں میں پاتے ہیں۔

حجت الہی نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب دیتی ہے اور خدا کے احسانات وہ پیغمبر یاد دلاتا ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اعراف

اے میری قوم مجھ میں حماقت نہیں۔ ہاں میں پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں۔ اپنے پروردگار کی رسالتیں تم کو پہونچاتا ہوں۔ اور درحقیقت میں تمہارا خالص خیرخواہ ہوں۔ کیا تمکو تعجب ہوا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت تم ہی میں سے ایک شخص پر اتری تاکہ تمکو متنبہ کرے۔ یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوسنے تمکو قوم نوح کے بعد خلافت (حکومت) دی اور تمکو خلق میں وسعت عطا کی۔ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ فلاح پاؤ (سورۂ اعراف)

منکرین نعمت الہی احسانات خداوندی کی یاددہانی کا کیا جواب دیسکتے تھے۔ اوسکو تو ٹال گئے مگر اپنی کافرانہ تقریر کو ایک نئی تعریض کے طریقہ سے شروع کیا۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

اعراف

کافروں نے جواب دیا کہ کیا تو اسلئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ایک ہم خدا کو پوجیں اور جنکو ہمارے بزرگ پوجتے تھے اون کو چھوڑ دیں جس عذاب کا تم دعوی کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو لے آؤ۔

خدا کا برحق پیغمبر اونکے مصنوعی معبودوں کی حقیقت دکھلا کر اونپر عذاب الہی کے نزول کو یقینی بتلاتا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ۔ اعراف ۹

پیغمبر نے کہا۔ تمہارے پروردگار کا عذاب و غضب تم پر آگیا۔ کیا تم مجھ سے ان چند ناموں کے لئے جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے خود رکھ لیا ہے۔ خدا نے تو اوس کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ عذاب کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اعراف ۹۔

اخلاق الہی کا یہ مقتضا ہرگز نہیں تھا کہ ایک سرکش قوم سے ایکبار اوس کی کفر شعاری کے ترک

کرنے کی تاکید کردی گئی ہو وہ اسے نہ مانے تو اوسی وقت اون پر نزول عذاب ہوا اور چشم زدن میں اون کی ہستیاں فنا کردی گئیں۔ بلکہ اوس ارحم الراحمین اور پیدا کنندہ عالمین کے اخلاق حسنہ کا رعا اور اسکے اشفاق کریمہ کا عین منشا۔ ایسے مواقع پر علی الاکثر چشم پوشی ہوتی تھی اور طولانی خموشی پیدا اس لئے کہ خالق کے دل میں اپنے مخلوق کا درد تھا۔ معبود کو عوام عباد سے محبت تھی۔ یہ سکوت اور توقف علی الاکثر الاوقات اتنے طول طویل ہوتے تھے کہ انبیاء و مرسلین کے پائے استقامت اور ارادہ صبر و تحمل۔ باوجودیکہ اون کے نفوس قدسیہ حدود بشریت کو طے کرکے مراحل روحانیت تک پہونچے ہوئے تھے بالآخر متزلزل ہو جاتے تھے۔ جناب نوحؑ کے واقعہ میں اس کی کافی مثال موجود ہے جب ایک کثیر التعداد مدت تک اوس پیغمبرؑ کی دعوت و موعظت اوس کی کافر کیش قوم نے نہیں سنی اور اوسکے اس احسان و خیر خواہی کے عوض اسکو طرح طرح کے آزار روحانی اور جسمانی پہونچائے۔ تو وہ گھبرا کر خدا کی جناب میں ان الفاظ کے ساتھ اونکی شکایت اور گلے کرنے لگے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (نوح)	اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن رات ہدایت کی اور تیری طرف بلایا مگر میرے بلانے کا یہ اثر ہوا کہ میں نے جتنا بلایا وہ اتنا ہی مجھ سے دور بھاگے۔

اسی طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی غرض سے حضرت یونسؑ کے وقتی غیظ و طیش میں آجانے کا واقعہ ان الفاظ میں یاد دلایا جاتا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ (القلم)	اے پیغمبر اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ اور مچھلی والے حضرت یونسؑ کی طرح نہ ہوجا کہ اونہوں نے مغلوب الغیظ ہو کر ہمکو پکارا۔

یہ دونوں مثالیں صبر و تحمل الہی کے کمال کو پورے طور سے بتلاتی ہیں۔ بعینہ یہی مثال ہمارے موجودہ سلسلہ بیان میں کافرین قوم عاد اور حضرت ہودؑ کی داستان و واقعات میں سمجھنا چاہئے۔ متواتر مقامات پر قرآن کا سلسلہ بیان جناب ہودؑ اور اون کے کافر قوم کے مکالمات کا ذکر کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حجت الٰہی نے ایک مدت مدید تک ان گمراہوں کے سمجھانے اور راہ پر لانے کی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

خاص سورۂ ہود میں اصنام پرستی کے متعلق باہمی مکالمات کے یہ الفاظ ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ	عاد کی طرف ہم نے اون کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اوس

مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ

(ہود ع ۵) نے کہا میرے بھائیو! خدا کو پوجو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ دوسرے خداؤں کا نام تمہارا صرف افترا ہے۔ بھائیو! اس وعظ و نصیحت کا کوئی معاوضہ میں تم سے نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اس کے متعلق ہے جس نے مجھکو پیدا کیا ہے کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔ بھائیو! خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، اسکی طرف رجوع کرو۔ تو وہ آسمان سے تمپر برستا ہوا ابر بھیجیگا۔ اور تمہاری موجودہ قوت میں اور زور و قوت عطا فرمائیگا گنہگار بنکر اوس سے منہ نہ پھراؤ"

اس سنجیدگی کے خطاب کا اس بیہودگی سے جواب دیا جاتا ہے۔

قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ

قوم کے لوگوں نے کہا۔ ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہ لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے بزرگوں کے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تمپر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بعض دیوتاؤں نے تمکو کچھ کر دیا ہے۔

صبر و تحمل کا سراپا پیکر، خدا کا سچا پیغمبر ان شوخ چشموں کو نرمی سے خیر خواہانہ جواب دیتا ہے۔

قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ

(ھود-۱۰)

ہود نے کہا میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ جس کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بالکل بری ہوں۔ تم سب ملکر میرے لئے سازش کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو میں نے خدا پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے۔ کوئی چلنے والا ایسا نہیں جسکی پیشانی (چوٹی) اسکے ہاتھ میں نہیں میرا پروردگار صحیح راستہ پر ہے۔ تم اگر انکار کروگے تو میں جو پیغام لیکر تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ تمکو پہنچا چکا۔ خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت بخشیگا تم اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ میرا پروردگار ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے۔

(ہود ع ۱۰)

ایک بار نزول عذاب کے متعلق موعظت کی گئی۔ اسکی نسبت مکالمہ کی یہ عبارت ہے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ

عاد کے بھائی ہود کو یاد کرو جب اوس نے اپنی قوم کو صحرائے ریگستان میں متنبہ کیا۔ خدا کی عبرتناک دھمکیاں اسکے سامنے اور اسکے پیچھے تھیں۔ اُسنے کہا کہ ایک خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجو میں ڈرتا ہوں کہ تمپر کوئی بڑا عذاب نہ آئے۔

کفار استہزاء انداز میں جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

اونہوں نے کہا کہ اے ہود تو اسلئے ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمکو اپنے دیوتاؤں سے مرتد کردے جس عذاب کا تم دعوی کرتے ہو اگر سچے ہو تو لے آؤ۔

خدا کا رسول برحق متانت سے جواب دیتا ہے۔

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ۔ احقاف

قوم نے کہا عذاب کب آئیگا۔ پیغمبر نے کہا کہ اسکا علم خدا کے پاس ہے کہ عذاب کب آئیگا جو پیغام لیکر میں بھیجا گیا ہوں وہ صرف تم کو پہونچاتا ہوں لیکن میں تمکو نادان قوم خیال کرتا ہوں"

تفسیر مذکور کے متعلق قوم عاد کی طبیعتوں میں مختلف اقسام کے تمرد، تکبر اور انانیت کے خیال پیدا ہوگئے تھے۔ وہ اپنی دولت و مال کو لازوال، ثروت و اقتدار کو دائمی اور بالاستمرار اور اپنی عمارات کو ہمیشہ کے لئے بالاستقرار یقین کرتے تھے۔ پیغمبر برحق انکے اس خیال فاسد کا انکشاف فرماتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔

عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب اُن سے انکے بھائی ہود نے کہا کہ تم پرہیزگار رہو۔ میں تمہارا پیغمبر ہوں اور امین ہوں خدا سے ڈرو اور میری بات مانو میں اسکے لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ پروردگار عالم کو دینا ہے۔ تم ہر خوش قطع زمین میں بیفائدہ اپنی یادگار نشانی اور کاریگری کی عمارتیں بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہوگے جب کسی کو پکڑتے ہو تو جابر بنکر۔ خدا سے ڈرو، اور میری بات مانو۔ اُس خدا سے ڈرو جسنے تمہاری اُن نعمتوں سے مدد کی جنکو تم خود اچھی طرح جانتے ہو۔ چوپائے، اولاد میں چشمے اور باغ۔ مجھکو ڈر ہے کہ تمپر کوئی عذاب نہ آئے۔

وہ بے دینی ضد اور لاپروائی سے کہتے ہیں۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ إِنْ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ۔ (الشعراء)

قوم نے جواب دیا کہ خواہ تم وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو۔ ہم ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ اگلے زمانے کی عادت ہے۔ ہم پر کوئی عذاب نہیں آئیگا۔ (الشعراء)

اونکی کافرانہ ضد اور منکرانہ ہٹ کا بالآخر نتیجہ کیا ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ

ان لوگوں نے پیغمبر کو جھٹلایا۔ تو ہم نے انکو برباد کردیا۔ اس واقعہ میں عبرت کی نشانی ہے۔ یہ لوگ اکثر ایماندار نہیں تھے۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ آیات مذکورہ بالا میں قوم عاد کی بربادی کے تین سبب بتلائے گئے اور وہ ایسے ہیں جو عموماً تمام اقوام عالم کی تباہی کے ہمیشہ باعث ہوتے چلے آئے ہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں۔ غرور قوت۔ ظلم و جور اور کفر و الحاد۔ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ اون کی تباہی سے پہلے یہ اسباب اون میں کثرت اور شدت سے موجود تھے اپنے پہلی مفاخرت یعنی غرور قوت کے اظہار میں وہ ہودؑ سے کہتے ہیں۔ ہمیں کس سے ڈراتے ہو۔

مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

اجی! قوت و زور میں ہم سے کون بڑا ہے۔

حضرت ہودؑ متانت و سنجیدگی سمجھاتے ہیں کہ تمہاری قوت مسلم۔ تمہارا دعویٰ صحیح۔ لیکن اگر خدا کی اطاعت و عقیدت اختیار کروگے اور اسکے بتائے ہوئے طریقہ پر چلوگے تو اسکے صلہ میں۔

يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ۔

خدا تمہاری قوتوں کو اور قوت عطا فرمائیگا۔

لیکن وہ بے سمجھی سے نہ سمجھے۔ نہ سمجھے۔ خدا اونکی بے سمجھیوں کی حقیقت دکھلاتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً

کیا وہ نہ سمجھے کہ جس خدا نے انکو پیدا کیا وہ اون سے بھی زیادہ قوت والا ہے۔

غرور قوت کے شائبہ میں۔ تعداد افراد۔ تعداد افواج سے لیکر تعداد دواب (مویشی) تک پر انکو پورا غرور اور انانیت حاصل تھی حضرت ہودؑ اون کی اس بیجا مفاخرت اور غرور و نخوت کے مشاہدہ پر ارشاد کرتے ہیں کہ ان دنیاوی نعمتوں کے حصول پر اظہار شکر کرنا چاہیئے نہ استغنا و تکبر۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ۔
وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً

اوس خدا کا خیال کرو جس نے تم کو وہ چیزیں عطا کیں جنکو تم خود جانتے ہو۔ مویشی۔ اولاد۔ باغ اور چشمے۔ اور تمکو خلق میں وسعت عطا فرمائی۔

ظلم و جور کے متعلق تمام ملک میں اون کی شکایت پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ حکومت و جہانبانی کے لئے اتنا مضر ہے۔ کہ اسکے مقابل میں کوئی عیب یا زیادتی مملکت کو اتنا جلد نقصان و تباہی نہیں پہونچا سکتی۔ اوس زمانہ میں ان کے مظالم اور مفاسد کی کوئی حد باقی نہیں رہی تھی۔ حق ناحق دیگر اقوام و قبائل کو پریشان کیا کرتے تھے۔ اور ان تمام عیوب پر تنتے پھرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیا بھر میں ہم ہی ہم ہیں۔ انکی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

اَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً	لیکن عاد نے روے زمین پر بلا استحقاق غرور کیا۔ اور کہا کہ ہمسے کون زور و قوت میں بڑا ہے۔

ان تمام قبائح اور معائب پر مستزاد اون کا کفر و الحاد تھا جس کے ترک کر دینے کی نسبت ابتدا ہی سے علی التواتر و التسلسل اوس معلم روحانی نے اونکو موعظت فرمائی۔ اون کے چند خطبات و مواعظات حسب ذیل ہیں۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (اعراف)	بھائیو خدا کو پوجو۔ اوس کے سوا کوئی خدا نہیں کیا پرہیزگار بننا نہیں چاہتے ہو۔
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۔ ھود	بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اوسکے سوا کوئی خدا نہیں۔ دوسرے خدا کا نام تمہارا افترا ہے۔

ان تمام فہمائش اور پند و نصائح کا جواب ایک ہی ملتا تھا۔ نہیں۔ وہ بھی اسی جہالت کے انداز اور شامت کے الفاظ میں۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ ھود	کافر بولے۔ اے ہود تم تو میرے پاس کوئی حجت نہیں لائے صرف تمہارے کہنے سے تو ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

اخلاق عظیم الہیہ اور الطاف عمیم قدسیہ کے اصول و شان کے مطابق کافرین عاد کے ایسے انکار صاف پر بھی اوس منعم حقیقی نے احکام انتقام تو نہ جاری فرمائے بلکہ التوا و مہلت کے اور اون کو ایام دئے اور جناب ہود کو ایکبار پھر اون سے حجت تمام کرنے کا حکم ہوا۔ اور اونہوں نے سمعاً و اطاعتاً کہہ کر ان سیہ بختوں کو آخری بار ان الفاظ میں سمجھایا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ	اگر اعراض کیا تو میں تمکو جو پیغام دیکر بھیجا گیا تھا پہونچا چکا خدا تمہارے سوا کسی اور کو حکومت دیگا۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۔ (احقاف و شعراء)

میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب سخت آئے۔

خدا کی حجت تو تمام ہوگئی مگر اون کی سیہ بختی کی مدت نہ تمام ہوئی۔ اور وہ اپنی شامت اعمال سے اب بھی باز نہ آئے تو اس منتقم مطلق نے ان کی جگہہ دوسری قوم کو منتخب فرمایا۔ اور اس ظالم اور مفسد قوم کو ان کے املاک و مقبوضات کے اندر اور باہر تباہ و برباد کر دیا۔ بیرونی علاقہ جات میں تو نوحی ترغنیم نے تلواروں سے مار گرایا اور شہر احقاف اور اوس کے توابع مضافات میں ریح عقیم جھلسا دینے والی ہوا اور چلتی ریگ کے طوفانوں نے مار کر دفن کر دیا۔

وَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (انتظار وقت کرتے جاؤ اور ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں ہیں) کی مدت تمام ہوگئی اوس منتقم حقیقی کے انتقام کا دن آگیا۔ بڑا غضب ہوا رحمت جلال میں آگئی نزول عذاب کی صورت کا مرقعہ الفاظ قرانی نے یوں کھینچا ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ (احقاف)

جب انکو باد صرصر کا عذاب ایک بادل کی صورت میں جسکا رخ انکی وادیوں کی طرف تھا۔ نظر آیا۔ تو بولے یہ ہمکو سیراب کرنے والا بادل ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہ ہے جس کی اے گنہگارو تمکو جلدی تھی۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب (ممزوج) ہے۔ جو اپنے خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔ پھر وہ ایسے نیست و نابود کر دئے گئے کہ انکے گھروں کے سوا اور کچھہ باقی نہیں رہا۔

باد عقیم یا ریح صرصر کی حقیقت اور اسکے مہلک اثر بیان کئے گئے ہیں۔

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ (الحاقة)

لیکن عاد۔ وہ تو باد صرصر سے برباد کر دئے گئے۔ خدا نے سات رات اور آٹھہ دن تک انپر جڑ کاٹنے والی ہوا کو مسلط کر دیا تم اس ہوا میں اس قوم کو اسطرح افتادہ دیکھتے ہو۔ جیسے وہ کسی کھوکھلے درخت کی جڑ تھے۔ کیا اب اون میں کا کوئی تمکو زندہ نظر آتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۔

اور عاد (کے حالات) میں عبرتیں ہیں جب ہم نے بیفائدہ بخش ہوا کو بھیجا جو ایسی تھی کہ جس شے پر اُسکا گذر ہو جاتا اُسکو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر چھوڑتی۔

احقاف وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سیکڑوں میل تک وسیع ہے اور اب اوسکو الربع الخالی کہتے ہیں۔ یہی عاد اولی کا قدیم مسکن تھا اور آخر میں اونکا مدفن بھی قرار پایا۔ نزول عذاب کا بھی یہی مقام ہے۔ صورت عذاب بھی الفاظ قرانیہ سے معلوم ہو چکی ہے۔ وہ مہلک ہوا۔ ایک ہفتہ رات دن برابر چلکر ہزاروں کیا لاکھوں کی شمع حیات کو گل کر گئی اور صبح کو ختم عذاب پر سوائے خاک کے ڈھیروں اور خالی گھروں کے تمام علاقہ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ ہولناک منظر الفاظ الہیہ میں یوں دکھلایا گیا ہی۔

فاصبحوا لا یری الا مساکنھم (احقاف)	صبح کو سوا ان مکانات افتادہ کے اور کچھ نظر نہ آیا۔
فتری القوم فیھا صرعی کانھم اعجاز نخل خاویۃ	اس ہوا میں یہ قوم اسطرح افتادہ تھی۔ جیسے کھوکھلے درخت
فھل تری لھم من باقیۃ (الحاقہ)	کی جڑ ہو۔ کیا اون میں سے کوئی زندہ نظر آتا ہے۔

نزول عذاب کے وقت احقاف کی حدت ہوا کی جیسی شدت بڑھ گئی ہو۔ اوسکا اندازہ تو اسوقت امکان سے قطعی محال ہے مگر ہاں اسوقت تک بھی جو بادسموم کی کیفیت ہوتی ہے وہ مسٹر پالگریو۔ یوروپین سیاح و محققین کے چشم دید بیان سے ذیل میں مندرج ہے۔

دوپہر تھی جنوب کی طرف سے دفعتاً ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی...... میرے عرب رفیق نے اپنے چہرہ کو کپڑے سے لپیٹ لیا۔ اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ جواب ملا کہ اگر سامنے کے خیمہ میں پہونچ گئے تو جان بچ جائیگی۔" اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اوتر آیا ہے۔ بالآخر کوشش کر کے ہم خیمہ تک پہونچ گئے۔ وہاں ایک عورت مونھ لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹ ہوا کے رُخ سے مونھ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مُردے کیطرح پڑ گئے۔

ہم بھی خیمہ میں جا کر مونھ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی۔ پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی۔ جب ہم اوٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

PALGNIE ADVENTURES OF ARABIA

اس محقق سیاح کے چشم دید واقعات سے عذاب الٰہی کی اوس شدت عظیم کا اسوقت تک اثر خفیف باقی رہنا ثابت ہو گیا۔ سب سے پہلے سطح زمین پر اس قوم قدیم کا آباد ہونا اور قومیت کے مجموعی

صورت میں قایم ہونا ۱۰ اور مختلف اقطاع عالم پر مسلط ہو کر حکمرانی کرنا غرض اون کے وجود. اون کے عروج اقتدار اور زوال و ادبار کے سارے حالات پوری تفصیل و تشریح سے بیان ہو چکے اور اب عاد اولی یا امم سامیہ قدیم کے تمام احوال ختم کر کے ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات درج کرتے ہیں۔

جناب ہود علیہ السلام کے مختصر حالات

جناب ہود علیہ السلام ساتویں پشت میں سام ابن نوح سے اس طرح ملتے ہیں کہ ہود بن عبد اللہ بن خلود بن عاد اولی بن عوص بن ارم بن سام۔ (طبقات ابن سعد) توریت میں آپ کا نام عیبر اور بعض جگہ عابر آیا ہے جو تمام عبرانی قوموں کے مورث اعلیٰ قرار دئے گئے ہیں۔ سفر تکوین باب ۱ درس ۱۴ آپ کی رسالت کے مختصر حالات یہ ہیں۔

عوص کے بیٹے عاد اولی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی اور رفتہ رفتہ اوس کی اولاد ایک نامی قوم ہو گئی۔ اور تمام مشرقی اور جنوبی عرب کی مالک بن گئی۔ اونہوں نے عالیشان مکان اور بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں اور آس پاس کی قوموں کو اپنا محکوم بنا لیا۔

خداوند عالم نے اسی قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ہودؑ کو مبعوث فرمایا کہ خداے برحق کی عبادت کی ترویج اور بت پرستی کا استیصال کریں۔ لیکن جب اون لوگوں نے اون کے احکام ہدایت سے سرتابی کی، تو خداے تعالیٰ کا قہر جوش میں آیا اور تین برس کا مسلسل قحط اون میں پڑا اور اس سے نتیجہ نکلا کہ وہ لوگ آگاہ ہو گئے کہ خدا کے پیغمبرؑ کا حکم نہ ماننے کی یہ سزا ہے۔ اسی پریشانی کی حالت میں حضرت ہودؑ پھر تشریف لائے اور بت پرستی ترک کرنے اور خداے واحد کی عبادت کرنے کی از سر نو تاکید فرمائی اور اوس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر تم ایسا کروگے تو خداے رحیم باران رحمت نازل کریگا مگر وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اون پر ایک سخت طوفانی آندھی نازل فرمائی جو اوسکے غضب و عذاب کی نشانی تھی۔ آندھی کا طوفان سات رات اور آٹھ دن تک تمام اوس ملک میں اس زور و شور سے جاری رہا کہ ہزارہا آدمی ہلاک ہو گئے۔ اور تمام قوم کا باستثنا اون چند اشخاص کے جنھوں نے حضرت ہودؑ کا کہنا مان لیا تھا۔ قریب قریب کل کا استیصال ہو گیا۔ اور جو لوگ بچے وہ آخر میں حضرت ہود پر ایمان لائے اور یہی لوگ عاد ثانی کہلائے۔ یہ واقعہ آفرینش عالم کے سنہ ۱۸ صدی میں اور ولادت عیسوی سے ۲۲۰۰ سال قبل واقع ہوا۔

اس واقعہ کے بعد حضرموت کے علاقہ میں حضرت ہود مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔

اور مقام حبق میں مدفون ہوئے۔ جہاں ایک چھوٹا سا قریہ قبر ہود کے نام سے آباد ہے اور سالانہ زیارت کا مقام ہے۔

عدن کے پاس عاد ثانیہ کا ایک کتبہ ملا ہے۔ اوس میں ہود علیہ السلام کی اتباع شریعت کا مذکور ہے۔ اوسکے ایک سامی زبان کے شعر کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

یُقِیْمُ لَنَا مِنْ دِیْنِ ھُوْدٍ شَرَائِعًا ۔۔۔ وَنُؤْمِنُ بِالْآیَاتِ وَالْبَعْثِ وَالنَّشْرِ

وہ ہمارے لئے ہود کی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اور ہم احکام الٰہی اور بعث و نشر پر ایمان لائے ہیں۔

اس کتبہ کی مرقومہ بالا عبارت نے جہاں عاد ثانیہ یا عاد صالحین کی اہل ایمان اور ارباب مومنین ہونے کی تصدیق کردی وہاں یہ بھی ثابت کردیا کہ شریعت اسلامی کے موجودہ اصول جن سے بعض مذاہب عالم کو اسوقت تک انکار ہے وہ حقیقت میں تمام شرائع قدیم کے حقیقی اصول و اصلی ارکان تھے۔ جدید نہیں۔ عرب کے قومی دفتر کا یہ قبیلہ گویا مسدس ہے۔ اور امم قدیمہ سامیہ میں اسکا چھٹا نمبر ہے۔ مگر افسوس اس قوم کا حال بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ بھی صحرا نشین تھے۔ اون کی اولاد امتداد ایام کے بعد اور اقوام صحرا کی مثال بالکل معدوم ہوگئی۔

قوم ثمود یا عاد ثانیہ

حضرموت سے سواحل خلیج فارس کے طول میں عراق تک۔ عرب میں حجاز سے حدود سینا تک اس قوم و قبائل کے لوگ آباد تھے۔ اس سے پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت ہودؑ نے مع اپنے متبعین و صالحین عاد کے عذاب سے نجات پائی۔ روایات عرب میں ہے کہ وہ عذاب سے پہلے عاد کی آبادی سے نکلکر حجاز میں چلے گئے تھے۔ ان میں لقمان نام ایک نیک بادشاہ ہوا۔ اسکی عمر کئی سو برس کی بیان کی گئی ہے اور یہ کچھ عجیب نہیں۔ تمام قدیم قوموں کی ابتدائی تاریخ اسی قسم کے طویل العمر بادشاہوں سے شروع ہوتی ہے۔ اب اس قسم کی روایات مذاق زمانہ کے مطابق یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ اوس شخص کے خاندان میں حکومت کئی سو برس تک رہی۔ اور مجازاً سجائے خاندان کے خود اوس شخص کا نام قرار دیدیا گیا۔ اس بنا پر لقمان کی عمر سے خاندان کی عمر مراد لینی چاہیئے۔

لقمان کون بزرگ تھے؟ روایات عرب میں اس نام کا ایک مشہور و معروف شخص ہے جسے اب عموماً حکیم لقمان کہتے ہیں ان کی طرف حکایات و تمثیلات حکیمانہ کثرت سے منسوب ہیں۔ قرآنمجید میں بھی اوسکے پند و نصائح کا تذکرہ ہے جن میں سے ہم چند اپنے سلسلہ بیان میں آگے تحریر کرینگے۔

عرب قدیم کا مشہور شخص لقمان اور زمانہ موجودہ کا حکیم لقمان اصلاً ایک ہی ہیں۔ اس اتحاد کا نہایت قدیم ثبوت یہ ہے۔ مشہور مورخ ابن اسحاق المتوفی سنہ ۱۵۱ھ جس کی سیرت آج آنحضرت صلعم کے حالات میں قدیم ترین تصنیف ہے اور تصنیفات موجودہ کے اعتبار پر عرب قدیم کا سب سے پہلا مورخ ہے کتاب التیجان میں جو مخصوص عرب قدیم کی تاریخ میں ہے۔ روایت کرتا ہے۔

قال وھب فلما مات شداد ابن عاد صار الملك الى اخیه لقمان ابن عاد وكان اعطى الله لقمان ما لم يعط غيره من الناس فى زمانه اعطاه حاسة مائة رجل وكان طويلا لا يقارب اهل زمانه قال ابن وهب قال ابن عباس كان لقمان ابن عاد ابن الملطاط ابن السكاك ابن وائل ابن حمير نبيا غير مرسل

وہب (ایک مشہور راوی) نے کہا کہ شداد ابن عاد جب مرگیا تو حکومت اوسکے بھائی لقمان ابن عاد کو ملی۔ خدا نے عاد کو وہ سب کچھ دے رکھا تھا۔ جو کسی دوسرے کو اُس زمانہ میں نہیں دیا تھا۔ اوسکو حواس سو آدمیوں کے برابر دئے گئے تھے۔ اور اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ بلند قامت تھا۔ ابن وہب نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لقمان ابن عاد ابن الملطاط ابن السکاک ابن وائل ابن حمیر (نسب نامہ صحیح نہیں) نبی بلا کتاب تھا۔

(ارض القرآن ص ۱۸۱ ج اول)

بعض لوگ غلطی سے لقمان عاد اور لقمان حکیم کو دو سمجھتے ہیں۔ بعض علماء یورپ جنکو عرب کی خصوصیات کے نام سے خواہ مخواہ چڑ سی آتی ہے۔ وہ لقمان حکیم اور ایسپ نام ایک یونانی حکیم کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس اتحاد کی دلیل جو پیش وہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جو حکایات و تمثیلات منسوب ہیں وہ تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں۔ لیکن یہ ایک تعجب انگیز استدلال ہے کسی دو تصنیف کے مطالب کا اتحاد۔ اون کے مصنفین کی اتحاد شخصیت کو اگر ستلزم ہے۔ تو افسوس ہے کہ اس جرم میں ہمکو سینکڑوں تاریخی اشخاص کے مٹ جانیکا افسوس ہوگا۔ اسکے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ قدیم عرب حکماء یونان سے کب واقف تھے۔ عرب کے ایام جاہلیت کا ایک شاعر اسلمی ابن ربیعہ کہتا ہے۔

اهلكن طسما وبعده غذى بهم وذا جدون واهل جاش ومارب وحى لقمان والتقون

ترجمہ۔ حوادث زمانہ نے طسم کو اور اُسکے بعد قبیلہ ذی جدون شاہ یمن اور اہل جاش و مارب اور قبیلہ لقمان کو مٹا دیا۔

اس دوسرے شعر سے نہ صرف لقمان کا عرب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ ایک قبیلہ کا مالک یمن کا باشندہ اور عظمت و شوکت میں سبا کا مقابل۔ اور یہ تمام باتیں لقمان عاد پر صادق آتی ہیں۔

عرب میں لقمان نہایت مشہور تھا۔ اوسکا صحیفۂ حکمت۔ خود عرب میں موجود تھا۔ اور لوگ اُسکو پڑھتے تھے۔ ابن ہشام ذکر سوید و بیعت عقبہ میں تحریر کرتے ہیں۔

عاد کا ایک کتبہ جو ۱۸۳۴ء میں ملا تھا۔ اسمیں چند فقرے حسب ذیل ہیں۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں، جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے ہیں اور ہود کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوئے تھے۔ اور اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

کیا ہم ان آخری الفاظ سے جو کاغذ پر نہیں بلکہ پتھر پر لکھے پائے گئے ہیں۔ یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ صحیفہ لقمان (لقمان کے اچھے فیصلے) ایک کتاب میں لکھے ہوئے تھے۔

اس نیک دل بادشاہ کا جو حضرت ہود کی شریعت کا متبع تھا۔ قرآن نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اُسکی نیکی اور دانائی کی شہادت دی ہے۔

لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ وَاِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ

یاد کرو۔ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ فرزند من (میرے بیٹے) خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک بڑے ظلم کی بات ہے (خدا کہتا ہے) ہم نے انسان کو حکم دیا ہے۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں۔ اُس کی ماں نے اُس کو پیٹ میں رکھا۔ کمزوری پر کمزوری (اوٹھائی) دو برس کے اندر اوسکا دودھ چھڑایا۔ اے انسان میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گذار ہو۔ بازگشت میری طرف ہے۔ اگر والدین تجھکو میرے شرک پر مجبور کریں تو اُن کا کہنا نہ ماننا۔ لیکن دنیا میں نیکی کے ساتھ اونکے ساتھ رہنا۔ اور اُن لوگوں کا پیرو بننا۔ جو میری طرف رجوع کرتے ہیں پھر میری طرف بازگشت تمہاری ہے۔ تو تمکو بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہوگی۔ اور وہ کسی چٹان کے اندر یا آسمان میں یا زمین میں ہوگی۔ تو وہ بھی خدا لے آئیگا۔ خدا بیشک باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

فرزند من (میرے بیٹے) نماز پابندی سے پڑھا کر اور نیک باتا
کی لوگوں کو ہدایت کیا کر۔ اور بری بات سے روکا کر اور تجھ پر
جب کوئی مصیبت آ پڑے تو اس پر صبر کیا کر۔ یہ بڑی باتیں ہیں
غرور سے منہ لوگوں سے نہ پھیرا کر اور نہ زمین میں اترا کر
چل یقین رکھ کہ خدا مغرور اور فخار کو پیار نہیں کرتا۔ اور اپنی
چال میں میانہ روی اختیار کر۔ اپنی آواز کچھ نرم کر کہ بدترین
آواز گدھوں کی آواز ہے۔

قوم ثمود کے تمدنی اور سیاسی حالات

نام و نمود کے اعتبار سے قوم ثمود قوم عاد کی کامل اور لائق جانشین ثابت ہوتی ہے۔ تاریخوں سے ان کا پورا تقابل ثابت ہے۔ تحقیق کی ترازو میں۔ دونوں قوموں کی شہرت کے پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ بعض نے ثمود کی سیاسی لیاقتوں میں کمی بتلائی ہے جو کسی قدر ثابت بھی ہے۔ مگر موازنہ کی دوربین نگاہیں جب باہمی اوصاف و کمال کا موازنہ کرنے بیٹھتی ہیں تو عاد سے ثمود کے تمدنی کمالات کو مضاعف پاتی ہیں اس لئے ثمود کی سیاسی کمی تمدنی اضافہ کمالات سے پوری ہو جاتی ہے۔ عاد کی حقیقی جانشینی ثمود کو حاصل تھی۔ قرآن مجید بھی اس حقیقت کا شاہد ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ — ثمود ! یاد کرو کہ خدا نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا۔

وجہ تسمیہ ثمود — ثمود کی لفظی تحقیق شاید عربی میں صحیح نہ مل سکے۔ ثمد عربی میں آب قلیل کو کہتے ہیں لیکن اس سے کوئی خاص مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ عبری میں ایک لفظ تامید ہے جس کے معنی "دائم" اور خالد کے ہیں۔ عربی کی ث اور عبری کی ت ایک چیز ہے۔ عبری میں ث نہیں ہے اسلئے وہ اکثر الفاظ جو عربی میں ث سے ہیں عبری میں ت سے ہیں۔ اس لئے ثمود کے معنی عام سامی زبانوں میں وہی ہونگے جو عربی میں خالد کے معنی ہیں۔ اور بہت سے قبائل عرب کے بھی نام ہیں ۱ف

حاشیہ ۵ ف اہل معاصر صاحب ارض القرآن نے ثمود کے متعلق لفظ عرب کی غیر مناسب ہونے کی وجہ سے تضعیف فرمائی ہے۔ مگر اسکے عبری ہونے کے جو وجوہات تحریر کئے ہیں۔ وہ عربی سے زیادہ غیر مناسب اور دور از فہم ہیں۔ اسلئے کہ ثمد کے لغوی معنی کم آب کے ہیں۔ اور عرب کو پانی کے تعلقات و خصوصیات سے جو مناسبت ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ اس بنا پر یہ قیاس صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کے وطن و مسکن میں پانی بہت کمیاب تھا۔ اسی خصوصیت اور علامت خاص سے یہاں کے رہنے

ثمود کی سکونت قوم عاد - شرق و جنوب کے ساحلی مقامات و علاقجات ہیں - جو خلیج فارس سے لیکر حدود عراق تک پھیلے ہوئے ہیں آباد تھی - اور انپر بطور حاکمانہ متصرف بھی تھی - قوم ثمود - ان کے مقابل مغربی و شمالی علاقوں میں سکونت پذیر تھی - اون کے مواطن و مساکن کو عموماً وادی القریٰ بتلایا جاتا ہے - اس بنا پر کہ اون کی سکونت کے مقامات اوس علاقہ میں مختلف اور متفرق قطعات میں واقع تھے - اون کے افتادہ اور مسمار آثار عہد اسلام میں بھی مشاہدہ کئے گئے تھے اور آجتک بھی جابجا پیش نظر آتے ہیں - قرآن مجید نے وادی القریٰ کو صرف وادی کے نام سے یاد فرمایا ہے -

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ - (فجر) | ثمود جو وادی (قری) میں پتھر تراشا کرتے تھے -

دار الحکومت ثمود قوم ثمود کا دار الحکومت الحجر تھا - اور یہ تمام مغربی اور مشرقی مورخین و محققین کا مسلمہ اور مصدقہ ہے - یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے راستہ پر واقع ہے - اب اس شہر کو عموماً - مدائن صالح کہتے ہیں -

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قوم ثمود - سیاسی قوت کے اعتبار سے - عاد کے مقابل نہیں پائی جاتی - اسلئے کہ اون کے سیاسی حالات تحقیق نہیں ہوتے - مگر ان کو ایک زبردست اور مقتدر قوم توسب نے تسلیم کیا ہے - حقیقت یہ بتلاتی ہے کہ قوم ثمود - ایک خاموش - تنہائی پسند اور صلح جو لوگ تھے - حکومت و امارت کے مشتاق تھے اور نہ حریص - اصول فطرت کی بنا پر اون کا خیال سیاست کے عوض صنعت اور عرب کے خاص مشغلہ تجارت کی طرف زیادہ منعطف ہوا اور دنیا کے کارناموں میں جن کمالات کی وجہ سے اون کی یاد اون کا ذکر آجتک باقی ہے - وہ اون کی صنعت و دستکاری ہے - جو اون کے اعلیٰ تمدن کی شاہد ہے - عمارت کے فن خاص ہیں - یہ قوم عاد سے بڑھی چڑھی ثابت ہوتی ہے - پتھروں کو خالی کرنے اور پہاڑوں کو اندر اندر کاٹ کر مکان بنانے اور اون کو مختلف قسم کے نقش و نگار سے سجانے میں انکو کمال حاصل تھا - آج بھی بیشمار استداد ایام کے بعد - اون کی یہ باقیماندہ صنعتیں بڑے بڑے صناعان زمانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵ - والوںکو ثمود کہنے لگے - بالعکس اسکے اگر اسکی عبری ترکیب مانی جائے - توخالد - لفظ عبری کا ہم معنی ہوتا ہے جو ایسی کچھ مناسبت خاص عرب کے ساتھ نہیں رکھتا - اس سے کہیں زیادہ تو کمی آب والے اصلی معنی کو عرب کے ساتھ مناسبت خاص کا حق حاصل ہے - جیسا کہ شروع میں عرب کے محققین بتلاتے آئے ہیں - فاضل معاصر کو لفظ خالد کی کثیر الاستعمالی نے دہوکہ میں ڈالا ہے - حالانکہ ثمود کے زمانہ میں خالد کسی کا نام نہیں معلوم ہوتا - اس نام کی ایجاد تو بہت بعد کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے

المولف عفی عنہ

کو حیرت میں ڈالتی ہیں۔ اور مشکل سے تسلیم کرنا ہوتا ہے کہ اتنے قدیم زمانہ کے لوگ بھی ایسے نادر او کمال صنعت پر قادر ہوتے تھے۔ اون کی شہروں کی عمارتیں، سنگین مقابر۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں پر کنوئیں اون کی بے انتہا صنعتوں کے ایسے آئینہ ہیں کہ وہ ملتے تو موجودہ زمانے والے اونکے ہاتھ چوم لیتے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر فن عمارت کے کمال میں انکا ذکر کیا ہے۔

وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا (اعراف) | (صالح نے کہا) کہ اے لوگو۔ خدا نے تمکو زمین میں جگہ دی۔ جسکے میدانوں میں تم قصر و محل اور پہاڑوں کو کاٹکر بناتے ہو"

سورۂ شعرا میں ارشاد ہوا ہے۔

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ | پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔

ان کے مالدار اور ذی اقتدار ہونیکے متعلق اسی سورۂ شعرا میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ | خدا نے تمہاری مویشی۔ اولاد۔ چشمے۔ اور باغوں سے مدد کی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اون کو۔ جانور۔ باغات۔ پانی کے چشمے اور آل اولاد سب کچھ افراط سے دے رکھا تھا۔ اون کے پاس خدا کے فضل سے وہ تمام چیزیں مہیا اور موجود تھیں۔ جو دنیا میں متمول۔ خوشحال اور دولتمند قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔

قوم ثمود کے مشہور آثار یہ

قوم ثمود کے حالات کا سب سے بڑا اور قدیم اکتشافی دفتر وہ کتبہ ہے جو ۱۸۳۴ء میں برآمد ہوا ہے۔ یہ کتبہ قریب عدن حصن غراب کے مقام میں پایا گیا ہے۔ پانے والا ایک انگریزی افسر ولسٹڈ نامی "WELLSTED" ہے۔ یہ پہلا کتبہ ہے۔ جو عرب کی زمین میں یورپ والوں کے ہاتھ آیا ہے۔ اس کا ہاتھ آنا تھا کہ یورپ بھر میں آثار قدیمہ عرب کے اکتشاف کی اولیت اور دنیا بھر کی جامعیت و قابلیت کے تعظیمی سہرے ولسٹڈ کے سر بندھنے لگے۔ اور محققین یورپ عرب کے ملکی اخبار و آثار کی نسبت اپنے کمال و قابلیت کے غل مچانے لگے۔ حالانکہ ان سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے محققین عرب خود اس کتبہ کو پڑھ کر ترجمہ کر چکے تھے۔ اور اس کی کافی اطلاع ملک عرب کی تمامی اقطاع میں مشہور ہو چکی تھی۔ اگر زمانہ حال کے مستشرقین کو عرب کی قدیم تاریخ پر پورا علم حاصل ہوتا تو وہ اس کے متعلق اپنی اولیت کا دعویٰ نہ کرتے۔ ہم نے قوم عاد کے اجمالی حال کے وقت اوپر بتلا دیا ہے کہ یہ کتبہ حارث معاویہ کے زمانہ میں تقریباً سنہ ۴۲ھ یا سنہ ۴۳ھ میں پہلے پہل دریافت ہوا تھا۔ اس کے دو مختلف ترجمے کے ساتھ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اصل کتبہ کی زبان اور خط حمیری عربی ہے

جس کو غلط فہمی سے متاخرین نے حمیری بتلایا ہے۔ اور اب عموماً زبان اور خط دونوں حمیری کہے جاتے ہیں۔ اصل کتبہ اور اوسکا انگریزی ترجمہ۔ پہلے پہل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں چھپا تھا۔ اب ہم ذیل میں اسکا عربی ترجمہ مع اردو ترجمہ کے قلمبند کرتے ہیں۔

غنینا زمانا فی عراصة ذوالقصر
بعیش رخی غیر ذی ضنك ولا نزر
یفیض علینا البحر بالمد زاخراً
وانهارها بالماء مترعة تجری
..... خلال نخیل باسقات .....
..... بالقسب المجزع والتمر
ونصطاد صید البر بالخیل والقنا
وطوراً نصید النون من لجج البحر
ونرفل فی الخز المرقم تارة
وفی القز احیانا وفی الحلل الخضر
یلینا ملوك یبعدون عن الخنا
شدید علی اهل الخیانة والغدر
یقیم لنا من دین هود شرائعاً
ونؤمن بالآیات والبعث والنشر
اذا ما عدو حل ارضا یریدنا
برزنا جمیعا بالمثقفة السمر
نحامی علی اولادنا ونسائنا
علی الشهب والکمت المعنق والشقر
نقاحم من یبغی علینا و یعتری
باسیافنا حتی یولون بالدبر

ہم مدت تک اس وسیع قصر میں رہتے ہماری حالت بدنصیبی اور ادبار سے دور تھی ہماری نہروں میں دریا کا پانی امنڈتا آتا تھا۔ سمندر موجیں مارتا ہوا ہمارے قلعہ کے دیواروں سے غضبناک ہوکر ٹکریں مارتا تھا۔ ہمارے چشمے خوش آیند آواز سے بہتے تھے بلند کھجوروں کے اوپر جنکے باغبان خشک چھوہارے ہمارے وادیوں کے چھواروں کی زمینوں میں لگاتے تھے۔ اور خشک چاول بوتے تھے ہم پہاڑی بکریوں کا اور جوان خرگوشوں کا شکار پھندوں اور جالوں سے کرتے تھے۔ اور مچھلیوں کو بہلا بہلا کر نکال لیتے تھے۔ اور ہم آہستہ آہستہ خراماں خراماں رنگ برنگ کے ریشمی کپڑے اور کاہی سبز مختلف الالوان جامے پہنکر چلا کرتے تھے۔

ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے تھے جو کمینہ خیالات سے بہت دور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے۔

ہود (علیہ السلام) کی شریعت کے مطابق اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے قیامت کے روز اور قبر سے اٹھائے جانے پر ایمان رکھتے تھے دشمن (رہزن) گھس آئے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ جھگڑا کرتے مگر ہمنے گھوڑوں کو پوری دوڑایا اور ہمارے کرنخت اور نوکدار نیزوں کو لیکر آگے بڑھے۔ ہمارے خاندان کے بہادر مرد اور عورتیں گھوڑوں پر لڑ رہی ہیں جنکی گردنیں لمبی تھیں اور جو مختلف رنگ کے تھے۔

ہماری تلواریں بدستور دشمنوں کو زخم کرہی تھیں اور چیدرہی تھیں یہاں تک کہ اونکے قلب پر حملہ کرکے انکو مفتوح اور بالکل پست کردیا جو بدترین نوع انسان میں تھے۔

ہم نے اس کتبہ قوم ثمود کے تمام حالات کا دفتر اسی لئے بتلایا ہے کہ اسکی عبارت اور مضامین سے قوم ثمود کے مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ قومی۔ مالی۔ سیاسی اور فوجی سبہی حالات تو پورے طور سے معلوم ہوجاتے ہیں۔ اور صرف انھیں مندرجات سے ہر شخص ثمود کی قومیت اون کی قدامت و قوت اور اخلاق و معاشرت کا کافی طریقہ سے اندازہ کرسکتا ہے۔ ان مضامین کو پڑھکر آسانی سے سمجھ لیا جائیگا کہ تمدن و اخلاق۔ قوت و اقتدار کے اعتبار سے قوم عاد کی لایق اور قابل جانشین اور قایمقام عرب میں ثمود ہی کی قوم تھی۔

قوم ثمود کی ترقی کا خاتمہ حضرت موسیٰ کی بعثت سے پہلے ہوجاتا ہے۔ اگرچہ کوئی تاریخ اسکا زمانہ معین نہیں کرتی۔ توریت بہی ان کے ذکر سے خالی ہے۔ اور اوسکا خالی ہونا اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ قوم برباد ہوچکی تہی مگر قرآن مجید نے ان کے زمانہ کو صاف لفظوں میں بتلادیا ہے۔ حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والا دیندار تابعین فرعون کو مخاطب کرکے تنبیہاً اور ہدایتاً موعظت کرتا ہے۔

يٰقَوْمِ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (مومن)	بہائیو! مجھکو ڈر ہے کہ دوسری کافران قوم نوح قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح تمپر بہی عذاب آئے۔

ان ارشاد قرانی اور الفاظ ربانی سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا زمانہ تھا اور قوم ثمود بعثت کلیم اللّٰہی سے پہلے اپنی بربادی اور تباہی تک پہونچ چکی تہی۔ حضرت موسیٰ کی نبوت کا زمانہ سنہ ۱۹۰۰ ق م کے معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر قوم ثمود کے عروج و زوال کو سنہ ۱۸۰۰ اور سنہ ۲۰۰۰ ق م کے تقریباً درمیان میں سمجھنا چاہیئے۔

قوم ثمود کی بربادی اس قوم کی بربادی کا باعث خدا کی ناراضی تہی۔ اور خدا کی ناراضی کا سبب عام طور سے انسان کی بدافعالی اور کمیفر کرداری ہوا کرتی ہے۔ قوم ثمود دُنیا سے باہر تو بستی ہی نہیں تھی کہ اونہیں اور دُنیا کے امم کے آثار و کردار نہ پیدا ہوتے۔ وہ عیوب و نقائص رفتہ رفتہ ان میں بہی پیدا ہوگئے۔ اور یہ بہی اپنی دُنیاوی عروج و اقتدار کے عالم میں خدا اور اوسکے عطا کردہ نعمات لاتتناہی کو بھول گئے اور اوس معبود حقیقی کو چھوڑکر مختلف الاقسام غیر معبودوں کی پرستش کرنے لگے۔ اجرام فلکی کی عبادت شروع کردی۔ قدرت الٰہی کے ذرے۔ آسمان کے ستاروں کو اپنا معبود قرار دینے لگے اور اونکے

ناموں پر مختلف ملکی مقامات میں ہیکلیں (معابد) تیار کرنے لگے جن کی عمارات و انتظامات میں ملک و قوم کے بڑے بڑے مالی ذخیرے نثار کر دیئے گئے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت

اخلاقِ الٰہی نے اپنی قدیم عادت و دستور کے مطابق اونھیں کی قوم و قبیلہ سے صالح نامی ایک نفس مقدس کو اون کی ہدایت و موعظت کے لئے منصبِ رسالت پر مبعوث فرمایا۔ محققین عرب حضرت صالح کا سلسلہ نسب یہ بتلاتے ہیں۔

صالح بن عبید بن اسف ابن کماشج ابن عبید ابن حادر ابن ثمود[۵۱] ابن جاثر ابن ارم ابن سام بن نوح علیہ السلام۔

علماے یہود تو خصوصاً عرب کے تمام مشاہیر اور خصائص کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے اون کی کتابوں میں نہ ثمود کا کوئی ذکر ہے نہ اون کے پیغمبر حضرت صالح ؑ کا۔ ظاہری طور پر اون کی عدم واقفیت کا وہ یہ حیلہ بھی کر سکتے ہیں کہ اون کے زمانہ سے قبل ثمود کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ انکے تحریر حالات سے مجبور رکھے جا سکتے ہیں۔ مگر اونکا یہ عذر صرف حیلہ ہے۔ وہ توریت باب تکوین کو غور سے پڑھیں تو اونھیں معلوم ہو جائیگا کہ جب آفرینش عالم کے وقت سے سلسلہ بیان شروع کیا گیا ہے تو عرب صالح تو ہزارہا سال پیچھے آئے ہیں پھر کیوں نظر انداز کر دیئے گئے۔ یہ یہودیوں کی فروگذاشت اون کے اوس خاص حسد و نفسانیت کو بتلا رہی ہے۔ جو اونکو خصوصیات عرب کے مخفی رکھنے میں حاصل تھیں۔ مگر بایں ہمہ توریت کتاب التکوین۔ آیتہ ۱۰ و ۲۴ میں لکھا ہے کہ ارم کے بھائی ارفخشد کے ایک بیٹے کا نام سالح ہے۔ جو تمام اولاد ابراہیم اور عرب قحطانی کا باپ ہے۔

نصرانی پادری جو بزرگان توراۃ کی تاریخی ہستی کے اثبات کے لئے کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔ روایات عرب اور قصص قرآن کا نام عام طور سے اون کی زبان میں افسانہ ہے۔ لیکن اگر خود اون کو ضرورت پڑے تو وہ تاریخ کی بلند ترین شہادت ہے۔ کہتے ہیں کہ صالح اور سالح ایک ہی شخص تھے۔

GOLD MINES P. 278

---

[۵۱] قوم ثمود کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ثمود کی اولاد میں سے تھے۔ عرب میں اسکا قدیم سے دستور و رواج قائم ہے جیسے قریش سے قریشی ہاشم سے ہاشمی۔ مولف عفی عنہ

بہرحال یہی نفس برگزیدہ قوم ثمود میں حجت الہی بنکر نمودار ہوا اور اون کی ہدایت کا ذمہ دار بنا حضرت صالح نے اوس کافر کیش قوم میں خدا کی دعوت شروع کی۔ بعضوں نے لبیک کہی اور اکثروں نے سختی سے انکار کیا اور اوسکو جھٹلایا۔ بالآخر اوس معجز نما حجت خدا نے پہاڑ کے عین جوف[1] سے ایک ناقہ کو پیدا کر کے اون کفر پرستوں سے کہا کہ یہ اونٹنی آیت الہی ہے اور میں حجت الہی۔ اسکو

[1] سرسید مرحوم اس واقعہ کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت صالح ابن عبید ابن آسف بن ماشج بن عبید بن جادر بن ثمود کو مبعوث کیا۔ بعض لوگ اونپر ایمان لائے اور بہتوں نے اون کا یقین نہیں کیا۔ ان لوگوں نے حضرت صالح سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی بتا۔ حضرت صالح نے جواب دیا کہ اے میری قوم یہ خدا کی اونٹنی ہے تمہارے لئے اوس کی نشانی ہے اوس کو چھٹا پھر نیدو کہ خدا کی زمین پر چرتی پھرے اور اسکو ایذا نہ پہونچاؤ۔ مبادا تمپر اسکے عوض عذاب نازل ہو۔ اسی فہمایش کے سبب ان لوگوں نے اونٹنی کو پھرنے دیا اور کچھ آزار نہ پہونچائی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں قحط واقع ہوا۔ اور اوس خشک سالی میں پانی کا بھی قحط ہوگیا۔ پانی کہیں نہیں ملتا تہا اور جہاں کہیں تھوڑا سا پانی ہوتا تہا تو اونٹنی اپنی خلقی طبیعت سے جو خدا نے اونٹ میں پیدا کی ہے۔ پانی کو تلاش کر لیتی تہی اور پی لیتی تہی۔ یا خراب کر دیتی تہی اور لوگ اوسکو روک نہ سکتے تھے۔ حضرت صالح نے کہا کہ ایک دن اونٹنی کو پانی پینے دیا کرو اور اوس سے کوئی مزاحم نہ ہو۔ دوسرے دن تم لوگ پانی پی لیا کرو۔ اور اونٹنی کو وہاں نہ جانے دیا کرو۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ عرصہ کے بعد مختلف فرقے کے سرداروں نے جو اوس زمانہ کے کافروں کے فرقے تھے۔ حضرت صالح کے مار ڈالنے کا منصوبہ کیا۔ مگر جب وہ اپنے منصوبہ پر کامیاب نہ ہوئے تو اونہوں نے غصہ میں آکر اوس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اوسوقت حضرت صالح نے اون سے کہا کہ تین دن تک تم چین کر لو۔ بعد اوسکے تم ہلاک ہوگے۔ خدا نے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ جب ہمارے حکم کی تعمیل ہونے کو ہوئی تو ہم نے صالح اور اون لوگوں کو جو اونپر ایمان لائے تھے۔ اپنے رحم و مہربانی کے تقاضہ سے۔ اوس روز کی ذلت سے بچا لیا۔ آفت جو اونپر آئی تہی وہ یہ تہی کہ آسمان سے ایک خوفناک آواز آئی۔ جو غالباً رعد اور زلزلوں کی اور اوس قسم کی آفت ارضی اور سماوی کی آواز تہی۔ صبح کو وہ لوگ اپنے مکانوں میں مردہ اور سرنگوں پڑے ہوئے پائے گئے۔ گویا اون مکانوں میں رہتے ہی نہیں تھے۔

پھر کچھ آگے چلکر سید صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین اور مورخین کا بیان ہے کہ کفار نے حضرت صالح سے اون کی رسالت کے ثبوت میں اس معجزے کی درخواست کی تہی کہ اگر اس پہاڑ ہی میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور بجرد پیدا ہونے کے ایک سرخ بالوں والا بچہ جنے اور وہ بچہ اوسی وقت ہمارے سامنے بڑی اونٹنی کے برابر ہو کر چرتا پھرے اور ہم اوس اونٹنی کا دودھ پئیں تب ہم ایمان لائیں گے۔ یہ روایت محض سرا فتہ اور مصنوعی ہے۔ اس روایت کے موضوع کہنے سے اسوقت ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم اسکان

فراغت واطمینان سے زمین پر چرنے دو چشموں کا پانی آزادی سے پینے دو۔ اور کمی آب کی وجہ سے اگر اسکا روزانہ پانی پینا تمہیں گوارا نہیں ہے تو یہ انتظام کرلو کہ ایک دن چشمے سے یہ پانی پیئے اور ایک دن تم پیا کرو۔ اس معقول اور منصفانہ انتظام کے بعد بھی اگر اوس اونٹنی کو کوئی آزار پہونچایا گیا تو پھر عذاب الہی کو آیا ہی سمجھ لو۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ معجزے سے انکار کریں اور اسپر بحث شروع کریں۔ بلکہ ہم اس وقت صرف سادی طرح اس روایت کو اسلئے موضوع کہتے ہیں کہ اس کی صحت پر کوئی سند نہیں ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایسے عجیب واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ضرور ہوتا یا کسی مستند حدیث سے اوسکا ثبوت پایا جاتا۔

چونکہ سید صاحب نے آخر میں سنبھلکر وقوع معجزات کے امکان سے انکار نہیں کیا ہے اس لئے ہمکو بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ مگر اون کا یہ فرمانا کہ اس کی صحت اس لئے نہیں مانی جاتی کہ قرآن وحدیث سے اس کی سند نہیں ملتی۔ قابل اعتبار نہیں۔ اسلئے قرآن مجید میں اس اونٹنی کی نسبت صاف لفظوں میں بتلادیا گیا ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (یہ اونٹنی خدا کی تمہارے لئے نشانی ہے) (قالوا) فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ۔ کافروں نے کہا اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) لاؤ۔ صالح نے کہا یہی اونٹنی ہے۔ اس عبارت قرانی اور الفاظ الہی سے تو کافروں کا طلب معجزہ اور طلب معجزہ پر اونٹنی کا نمودار ہونا صاف صاف ثابت ہے۔ جو آپ کی مصنوعی بتلائی ہوئی روایت میں منقول ہے۔ پھر جب اوس کی تطبیق قرآن سے ہوتی ہے تو اوس سے انکار کیا اور اوس کے غیر سند ہونے کا اظہار کیا معنی۔ باقی رہا کہ پہاڑ کے جوف سے پیدا ہوئی۔ بچہ لئے ہوئے پیدا ہوئی۔ بچہ سرخ بالوں والا تھا بچہ اوسی وقت بڑا اونٹ تھا وغیرہ وغیرہ ایک ہی استبعاد کے قابل نہیں۔ جب معجزے کے امکان کا پہلے اقرار ہوچکا اصول الہیات کی پہلی چیز ہے معرفت۔ جب انسان خدا کی ایسی مستبعد وجود وہستی کا قایل ہوچکا اور اوسکی ذات میں اتنے مستبعدات عقلی اور محالات عادی اور ناممکنات فطری کو تسلیم کرچکا کہ وہ سامع ہے مگر اوسکے کان نہیں اور کانوں سے سننے کی اوسے ضرورت ہی نہیں۔ ناظر ہے۔ مگر آنکھیں نہیں اور نہ آنکھوں سے دیکھنے کا وہ محتاج ہے وغیرہ وغیرہ تو گویا وہ اسکے تمام صفات جبروت کے کامل ادراک سے سراپا عاجز ہوچکا ہے جبھی تو اسکے مقابلہ میں اتنے ناممکنات کو اکیلا تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ بدیہیات۔ یقینیات اور مشاہدات عینی جانتا ہے۔ تو پھر ایسی حالت میں یہ اگر آدم مٹی سے پیدا کیا گیا۔ فرشتہ اور جن نور اور نار کی تنہا ترکیب عنصری سے مخلوق کئے گئے۔ اور ان کی ترکیب خلقت کے تسلیم کرلینے میں کوئی عذر نہیں کیا گیا تو پہاڑ یا پتھر سے اونٹ۔ اونٹنی یا اونٹنی کا بچہ پیدا ہوجانے سے کیا تعجب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے زیادہ مستبعد باتوں کی نسبت جنہیں بطور مقبولہ ومسلمہ خود تحریر فرمایا گیا ہے۔ کوئی تعریض نہیں فرمائی

قوم ثمود میں دو قسم کے لوگ تھے۔ مومن اور غیر مومن۔ مومنین کی جماعت نے۔ جو تعداد میں کافرین سے بہت کم تھی۔ حضرت صالح کے ارشاد کی تصدیق کی اور تعمیل۔ مگر کثیر الافراد گروہ کافرین نے سختی سے پھر انکار کیا اور اون میں نو آدمیوں کی شقیق القلب اور بے رحم جماعت نے یہ صلاح ٹھیرائی کہ حضرت صالح اور اون کے متبعین پر شبخون مارکر خدا پرستوں کا خاتمہ کر دیا۔ اونھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر مار ڈالا۔ خدا نے اپنے پیغمبر اور اوس کے متبعین کو کافروں کی ایذا رسانیوں سے بال بال بچا لیا۔ اور اوس کفر شعار قوم پر اپنے عذاب دردناک کو زلزلہ کی صورت میں اس شرارت کے ساتھ نازل فرمایا کہ قوم ثمود میں سوائے متبعین صالحؑ کے اور کسی کا وجود ہی باقی نہیں رہا۔ یہ واقعہ تقریباً سنہ ۲۱۰۷ دنیوی اور سنہ ۱۶۹۷ ق م کے اوس زمانہ میں واقع ہوا۔ جس زمانہ میں شہر سدوم۔ گمارہ۔ اوماب اور زمائین آسمانی آگ سے جلا دئے گئے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ گئی۔ مثل اسکے کہ ایک کڑک کی آواز اور زلزلہ کے آثار سے۔ قوم کی قوم۔ قصبہ کے قصبہ کا فنا ہو جانا بتلایا جاتا ہے اور اس کو عذاب الٰہی کی حقیقی صورت کہی جاتی ہے۔ مگر ہیئت و طبیعات کے موجودہ اصول کے مطابق عذاب الٰہی کے عوض کوہ آتش فشاں کا مادی انشقاق یا عرب کے بادسموم کے معمولی اثر کیوں نہیں ارشاد فرمائے جاتے۔ عرب کا ملک ہی ہے۔ بادسموم کا چلنا ضرور۔ پہاڑ موجود ہی ہیں اون کے انار بنکا نا بنے ہیں۔ پھر اتنے ممکنات عقلی اور عادی کے ہوتے ہوئے غضب الٰہی کے ایسے غیر مشاہدات کو قبول کر لینا موجودہ زمانہ کے عقلاء و محققین کی شان کے خلاف ہے۔ مگر ہم اسکے اقرار و تسلیم کی مجبوریوں کو بھی جانتے ہیں جو سید صاحب مرحوم کو لاحق ہوئیں۔ وہ اس کی قرآن میں موجودگی اور ذکر ہے تو ہم عرض کریں گے کہ اونٹنی کا معجزہ ہونا بھی تو قرآن میں قلمبند ہے۔ جس کو ہم دو متواتر مقامات سے پہلے دکھلا آئے ہیں۔ پھر فرمایا احتیاط و یا دہانی کی نظر سے تیسری آیت سے جو پہلی آیتوں سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے دکھلائے دیتے ہیں وہ آیہ یہ ہے مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ۔ ہمیں نے اون کے لئے اونٹنی کو معیار آزمائش بنا کر نازل کیا۔ خطاب تاکیدی کے ساتھ نزول ناقہ صالحؑ کا باعث خدا تعالیٰ اپنی ذات خاص کو بتلاتا ہے۔ اور اوس کی آفرینش کو اون کی آزمائش کی غرض خاص سے مخصوص کرتا ہے تو اب بھی کیا ناقہ صالح کا بذریعہ معجزہ و بطلب معجزہ و بغرض امتحان کافرین پیدا ہونا۔ جیسا کہ الفاظ قرانی سے ثابت ہے اور وہ پرانی کتابوں کی روایتوں میں بھی موجود ہے کیسے بلا سند کہا جائیگا۔ باقی رہی صورت آفرینش ناقہ۔ چونکہ اون الفاظ کیسا تھ داخل قرآن نہیں۔ جن لفظوں یا حالتوں کے ساتھ روایتوں میں ہے۔ تو یہ بھی اوس کی تغلیط و تکذیب کے لئے کافی نہیں کیونکہ قرآن مجید نہ قصہ تاریخ تذکرہ کی کتاب ہے اور نہ سیرت کی جس میں اخبار قدیمہ کے مفصل حالات سیرت و تاریخ کے اصول کے مطابق ارشاد

قرآن مجید کی خاص خصوصیات میں ان امور پر ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کتب سابقہ کا جس طرح مصدق ہے اوسی طرح اون کے نظر انداز واقعات کی کمی کا پورا کرنے والا اور متمم بھی ہے۔ اور یہی جناب خاتم الانبیاءؐ کی ختم رسالت ہونے کی قوی دلیل ہے۔ اس غرض سے قرآن مجید نے قوم ثمود کے حالات اور جناب صالحؑ کے ارشاد و ہدایات کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہ اوس سے پہلے کی کتب مقدسہ انکے ذکر سے بالکل خالی تھیں۔

مفصلہ ذیل اقتباسات قرآنی میں مذکورۂ بالا حالات ملاحظہ ہوں۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

ثمود کے پاس ہم نے اون کے بھائی (ہمقوم) صالحؑ کو پیغمبر بناکر بھیجا۔ اوس نے کہا کہ بھائیو خدا کو پوجو۔ اوس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے تمہارے پاس خدا کی دلیل آچکی یہ اونٹنی تمہارے لئے خدا کی نشانی ہے اسکو خدا کی زمین میں چرنے دو اس کو دق نہ کرو ورنہ ایک دردناک عذاب تمپر آلیگا۔

حضرت صالحؑ نعمات الٰہی یاد دلاکر قوم کی موعظت فرماتے ہیں :۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔

اور یاد کرو خدا کے اس احسان کو کہ اوس نے عاد کے بعد تم کو خلافت وحکومت بخشی اور ملک میں تمکو جگہ عنایت کی جس کے میدانوں میں تم محل تیار کراتے ہو اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بناتے ہو۔ خدا کی عنایتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو۔

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کیے جائیں۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ امم سابقہ کے ایسے حالات پہلے تو عبرت وتنبیہ کی غرض سے ضمناً اور مختصراً بیان ہوئے ہیں۔ دوم کتب قدیمہ کی سکوت کی وجہ خاص ہے۔ کیونکہ اون کی خموشی کو قرآن مجید نے فرد گذاشت قرار دیکر اون کی کمی کو پورا اور اون کے نقص کو کامل کردیا ہے ورنہ آج ان بزرگواروں کے محاسن خدمات اور تبلیغ رسالت کے واقعات صفحۂ ہستی سے فنا ہو جاتے۔ دنیا کے محققین اور شائقین اخبار و آثار کی گردنوں پر قرآن کا یہ ایسا عظیم ترین احسان ہے کہ وہ اپنی احسان مندی کے سر اوٹھا نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں قرآن مجید کو سیر و مذاکرہ کا تفصیلی دفتر خیال کرنا اوس کی عظمت کا استخفاف کرنا ہے نعوذ باللہ۔ المولف عفی عنہ

مومنین صالح کے ساتھ کافرین قوم کے مکالمات:۔۔۔

قال الملأ الذين استكبروا من قومه للذين استضعفوا لمن آمن منهم أتعلمون أن صالحا مرسل من ربه قالوا إنا بما أرسل به مؤمنون

قوم کے مغرور سرداروں نے۔ اُن کمزوروں سے جو اونکی قوم میں مومن تھے پوچھا کہ تم سچ مچ یقین رکھتے ہو کہ صالح اپنے خدا کیطرف سے پیغمبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیشک صالح جو پیغام لیکر بھیجا گیا ہے اوسپر ہمارا ایمان ہے۔

اوس ناشنوا قوم کی سیہ قلبی اور بے رحمی نے یہ نتیجہ پیدا کیا۔

قال الذين استكبروا إنا بالذي آمنتم به كافرون فعقروا الناقة وعتوا عن أمر ربهم وقالوا يا صالح ائتنا بما تعدنا إن كنت من المرسلين فأخذتهم الرجفة فأصبحوا في دارهم جاثمين فتولى عنهم وقال يا قوم لقد أبلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين

(اعراف)

مغروروں نے کہا کہ تم جس پر ایمان لائے ہو ہمکو اوس سے انکار ہے۔ اسکے بعد اونہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور صالح سے (تمسخراً) کہا کہ اے صالح اگر تم واقعی پیغمبر ہو۔ تو جس عذاب آنیکا تم ہمسے وعدہ کرتے ہو وہ لے آو پس زلزلہ نے آکر اون کو پکڑ لیا۔ اور وہ اپنی جگہ پر اوندھے رہ گئے۔ صالح نے اون کی جانب سے منھ پھیرا اور کہا بھائیو۔ میں اپنے خدا کی رسالت یقیناً تم کو پہونچا چکا اور تمہاری خیرخواہی کرچکا لیکن تم اپنے خیرخواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے۔

رسالت صالح اور اون کی نرم موعظت اور صاف اور ستھرے طریقہ ہدایت۔ ناشنوا قوم اور جاہل و غافل امت کی شامت اور تباہی و بربادی کی آخیر نوبت اجمالی طور پر یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

كذبت ثمود المرسلين إذ قال لهم أخوهم صالح ألا تتقون إني لكم رسول أمين فاتقوا الله وأطيعون وما أسألكم عليه من أجر إن أجري إلا على رب العالمين أتتركون في ما هاهنا آمنين في جنات وعيون وزروع ونخل طلعها هضيم وتنحتون من الجبال بيوتا فارهين فاتقوا الله وأطيعون ولا تطيعوا أمر المسرفين الذين يفسدون في الأرض

ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ جب اون کے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم پرہیزگار نہیں بنتے۔ میں تمہارا رسول امین ہوں خدا سے ڈرو میری بات مانو اور میں تم سے اسکا کوئی معاوضہ بھی نہیں چاہتا میرا معاوضہ پروردگار عالم پر ہے۔ کیا جو نعمت تم کو یہاں حاصل ہے اسی میں تم باطمینان تمام چھوڑ دئے جاؤ گے۔ ان باغوں۔ کھیتوں۔ اور چشموں میں اور ان چھواروں کے درختوں میں جن کے خوشے ہیں۔ اور پہاڑوں کا کاٹ کر تم بڑی بڑی عمارت بناتے ہو ایسی

وَلَا يُصْلِحُونَ. قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ يَوْمٍ مَعْلُومٍ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

(الشعراء)

خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور سنو۔ اور اون کی نہ سنو جو حد سے گذر چکے ہیں۔ جو ملک میں فساد پھیلاتے ہیں صلح نہیں۔ انہوں (کافروں) نے کہا کہ تم پر جادو کردیا گیا ہے تم تو ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو۔ کوئی نشانی لاؤ۔ اگر سچے ہو۔ اوس نے کہا یہ اونٹنی ہے۔ اسکے لئے پینا ہے اور تمہارے لئے ایک مقرر دن کا پینا اسکو چھیڑو نہیں۔ ورنہ ایک بڑا عذاب تمپر آئیگا۔ انہوں نے اوس کی کونچ کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے۔ پس عذاب نے اونکو آلیا یقیناً اس میں عبرت کی نشانی ہے۔ اور انمیں سے اکثر مومن نہ تھے اور خدا تو غالب اور رحم والا ہے۔

حضرت صالح اور انکے متبعین مومنین کے قتل کرنے کی مشورت:۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ۔ (نمل)

اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس انکے بھائی صالح کو کہ خدا کو پوجو۔ ناگہاں وہ دو فریق ہو کر جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ بھائیو نیکی سے پہلے برائی اور وہ بھی بہت جلد کیوں چاہتے ہو کیوں خدا سے مغفرت نہیں چاہتے۔ شاید تمپر رحم کیا جاے انہوں نے کہا کہ ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے شگون لیا اوس نے (صالح نے) کہا کہ تمہارا شگون خدا کے پاس ہے۔ بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے جاؤگے۔ شہر میں نو آدمی تھے۔ جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے صلح نہیں۔ انہوں نے کہا آؤ۔ باہم خدا کی قسم کہائیں کہ ہم صالح اور صالح کے خاندان پر شبخون ماریں۔ پھر اسکے وارث سے کہدینگے کہ اسکے خاندان کے قتل میں تو ہم شریک بھی نہ تھے۔

انہوں نے مخفی تدبیر کی۔ خدا نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور انہیں خبر نہیں پس دیکھو انکی مخفی تدبیروں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے انکو اور انکی قوم سب کو برباد کردیا یہ ہیں انکے گھر اور مسکن جو اونکی گنہگاری کے باعث ویران پڑے ہیں۔ اسمیں جاننے والونکے لئے بڑی عبرت ہے اور ایمان والونکو ہم نے اجازت دی کہ پرہیزگار تھے۔

قوم ثمود کی ضلالت شعاری پر عبرت و تنبیہ فرمائی جاتی ہے اور پیغمبر کے حق میں اون کی دریدہ دہنی کہلائی جاتی ہے -

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (قمر)

ثمود نے ہماری تنبیہوں کو جھٹلایا اور بولے کہ ہم میں سے ایک آدمی ہو اوسکی ہم پیروی کرنے جائیں! اوسوقت ہم گمراہ اور مجنوں ہونگے۔ کیا ہم لوگوں میں سے وحی اسی پر چن کر آئی ہے۔ نہیں وہ جھوٹا اور مغرور ہے۔ ہم اونٹنی کو انکے لئے امتحان بناکر بھیجتے ہیں۔ اے پیغمبر تو ہی تاک میں رہ۔ اور اونہیں خبردار کردے کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر ایک کا پانی الگ موجود ہے۔ اونہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا۔ اُسنے پکڑا اور کونچ کو کاٹا پھر میرا عذاب اور میری دھمکی کیسی تھی۔ ہم نے انپر ایک چیخ بھیجی جس کے اثر سے وہ پامال کھیتی کیطرح ہوکر رہ گئے۔

جناب ہود کے ذکر میں بیان ہوچکا ہے کہ کافروں کی سخت قوم اپنے پیغمبر کے بار بار سمجھانے اور دلائل حقہ کے جھٹلانے سے عاجز آجاتی تھی تو استحقاق قرابت۔ ہمقومی اور ہموطنی پیش کرکے اوس حجت الٰہی کو تبلیغ رسالت سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ اسوقت ان کی شان ملتجیانہ اور عاجزانہ ہوتی ہے۔ نہ مغرورانہ نہ سرکشانہ۔ جناب صالح کے ساتھ بھی ایسے ہی معاملات پیش آئے۔ مفصلہ ذیل الفاظ قرانی سے ہمارے بیانات پر کافی روشنی پڑتی ہے -

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ

ثمود کے پاس ہم نے اونکے بھائی صالح کو بھیجا اُس نے کہا کہ بھائیو! خدا کو پوجو اُسکے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے اُس نے تمکو زمین سے پیدا کیا اور زمین ہی پر تمکو آباد کیا۔ اُس سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو۔ پھر اُسکی طرف رجوع کرو۔ میرا پروردگار (سب کے) قریب ہے اور (سب کا) قبول کرنیوالا ہے اونہوں نے کہا۔ صالح۔ ہمکو اس سے پہلے تمہاری ذات سے بڑی توقع تھی۔ تم ہمکو اوس چیز سے روکتے ہو جسکو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے تم جس طرف ہمیں بلاتے ہو اسمیں تو ہمکو بڑا شک ہے۔

وہ خدا کا برحق پیغمبر کس متانت و استقلال سے اونکی گمراہانہ تحریض و تعریض کا جواب دیتا ہے۔ اور عذاب الہی سے بچنے اور توبہ و انابت کر لینے کی غرض سے صرف اون کو تین دن کی مہلت ملنے کا آخر حکم خداوندی سناتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ

(ھود)

صالح نے کہا بھائیو۔ تم سمجھتے ہو۔ اگر خدا کی طرف سے میں بصیرت پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت سے مجھکو اسمیں سے کچھ عنایت کیا ہے تو اگر میں اسکی پیغام رسانی میں اسکی نافرمانی کروں تو خدا سے بچالینے میں میری کون مدد کریگا۔ تم تو صرف میرا نقصان بڑہاؤ گے۔ اور ہاں اے بھائیو۔ یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔ اسکو زمین پر چرنے دو۔ اور اوسکے ساتھ برائی نکرو۔ ورنہ خدا کا عذاب بہت جلد تمکو آلیگا۔ اونہوں نے (جب) اسکی کونچ کاٹ ڈالی تو صالح نے کہا کہ اب اپنے گھر میں تین دن اور لطف اوٹھا لو۔ یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے۔

قوم ثمود کے بدبخت کفار اس آخری تنبیہ و تہدید پر بھی باز نہ آئے بالآخر قدرت کو فیصلہ کرنا ہوا۔ کافرین ایک ایک کرکے تباہ کر دئے گئے۔ جناب صالحؑ اور اون کے مومنین تابعین بال بال بچا لئے گئے۔ ذیل کے اقتباسات قرآنی سے ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ

(ھود)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے صالح اور جو اوسکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے اونکو ذلت و خواری سے نجات بخشی۔ بیشک تیرا پروردگار زبردست اور غالب ہے۔ اور گنہگاروں کو چیخ نے آلیا پس اپنے گھروں میں سینہ کے بل پڑے رہ گئے۔ گویا کہ کبھی وہ ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ ہاں ثمود نے اپنے پروردگار کو نہ مانا۔ ہاں ثمود کے لئے ہلاکت ہو۔

یہی باقیات الصالحات جو حضرت صالح پر ایمان لائے اور اونکے ساتھ تباہی و بربادی سے بالکل محفوظ رہے وہی معمورۂ عالم میں ثمود ثانیہ کے تخصیصی اور امتیازی لقب سے مشہور ہوئے۔

ثمود ثانیہ کے تاریخی حالات

تاریخ کے کارناموں میں عاد ثانیہ سے ثمود ثانیہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ اسلئے کہ دیگر اقوام قدیمہ سے وہ قریب تر تھے اور زمانہ تہذیب و تمدن سے بھی اونکے زمانہ کو قربت تھی۔ اسی باعث سے انکا ذکر اسیریا (شام) اور روم کے اخبار و آثار دونوں میں پایا جاتا ہے۔

روم کی تاریخ میں ر ڈی پیج سے کچھ یوں ہی پہلے عرب سنگستان پر جو مقام ثمود سے متصل ہے اور اوس وقت انباط اور ادوم اون اطراف کے ممتاز قبائل تھے۔ قابض تھے۔ (Bevan P 173

سرجون یا سرغون ثانی نے فتح عرب کا جو کتبہ اپنی یادگار چھوڑا ہے اور جس کو اس تاجدار شام نے اپنی فتحمندی اور قوت سلطنت کا معیار قائم کیا ہے۔ اوس میں محض مفاخرت کے اظہار سے قوم مفتوح کا بھی نام لکھا ہے۔ اسی فہرست اقوام مغلوبہ میں۔ ثمود کا نام بھی مندرج ہے Forester vol II. P 125

روم و یونان کے مورخین میں ڈائڈورس (Dydorious) (سنہ ق م) پلینی PLANY (سنہ ۷۹ء) اور بطلیموس (Plotomy) (سنہ ۱۴۰ء) نے ثمود کا ذکر کیا ہے۔ ڈائڈورس نے ثمود کا تلفظ تھموڈینی THAMUDANI کیا ہے۔ اور بطلیموس نے تھموڈائٹ Thamudite کیا ہے۔ اور ابھی تک تمام یورپین زبانوں میں اسی تلفظ کے ساتھ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ ان غیر قومی مورخین نے جو ساکن اور مواطن ثمود ثانیہ کے اپنی کتابوں میں بتلائے ہیں وہ بالکل وہی ہیں جو عرب کے قدیم مورخین نے اپنی ملکی روایات کے اسناد سے لکھے ہیں۔

ایک دوسرا یونانی مورخ اور دینیوس Urdnus ثمود کے ذکر میں لکھتا ہے۔

رومیوں نے جب عرب شمالی پر قبضہ کیا تو ثمود رومیوں کی فوج معاون میں داخل ہو گئے تھے قیصر جسٹینین Justinian کے عہد میں (سنہ ۵۲۷ تا ۵۶۵ء) ثمود بھی رومی افواج میں شامل تھے ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ مشہور تھے۔ Gibbons vol I

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ اہل مدین نے پہلے دبا لیا تھا اور باقی حصہ پر بعد کو انباط قابض ہو گئے تھے۔ اور رومی انباط کے خلاف عرب پر فوج کشی ارادہ رکھتے تھے اور اس ارادہ کو اونہوں نے پورا ہی کیا اس تقریب سے عجب نہیں کہ انباط کی مخالفت میں ثمود نے رومیوں کا ساتھ دیا ہو۔

تاہم تعجب ہوگا کہ ثمود کا ذکر توراۃ میں نہیں۔ لیکن توراۃ کی تحریر سنین جاننے کے بعد یہ تعجب

ہو جائیگا۔ توراۃ کی تاریخ بدء عالم سے حضرت یعقوب (نبو ابراہیم) تک محدود ہے اس کے بعد ہجرت مصر کا واقعہ ہے۔ جو تقریباً سنہ ۱۶۱۰ ق م میں واقع ہوا ہوگا۔ اس زمانہ سے تا عہد موسیٰ جو تقریباً ۴۰۵ برس کا زمانہ ہے۔ جو توراۃ کی کامل خاموشی کا زمانہ ہے اور از روے تاریخ ثمود کے عروج و زوال کا یہی زمانہ ہے۔ اسکے بعد توراۃ میں صرف اون غیر اقوام کا ذکر ہے جن سے بنی اسرائیل کے سیاسی تعلقات تھے۔ اور بیدر تبہ ثمود کی جگہ اب مدین کو حاصل تھا۔ جو ثمود اولی کے جانشین تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ق م میں اہل مدین جب بنی اسرائیل کے ہاتھ سے کلیتہً برباد ہوگئے۔ تو ثمود ثانیہ نے پھر ایک سنبھالا لیا اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں شاہ اشور (اسیریا) نے شمالی عرب پر حملہ کرکے ثمود سے سنہ ... ق م میں خراج وصول کیا تھا۔ اس کے بعد ظہور مسیح سے پہلے انباط نے ثمود کو فتح کرلیا۔ اسکے بعد جب رومیوں نے انباط پر حملہ کیا تو ثمود دشمنوں کے ساتھ ہوگئے۔ اور اسی خصوصیت سے تاریخ میں ثمود کا ذکر آیا۔

اسلام جب آیا تو ثمود کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہاں قبائل جُہَینۃ۔ عُذْری[۱] اور یہود اوس وقت آباد تھے عجب کیا کہ انباط نے خیانت وطنی کی سزا میں اونکو برباد کردیا ہو۔

طسم و جدیس عرب کے دو مشہور قدیم قبائل

یہ دونوں قبائل یمامہ میں رہتے تھے یہ کلبی کی روایت ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ مورخ ابن خلدون نے انکو بحرین میں جگہ دی ہے صحیح یہ ہے کہ خلیج فارس پر یمامہ۔ بحرین۔ اور عمان کے نام سے جو شہر آباد ہیں طسم و جدیس کی آبادی ان سب پر مشتمل تھی حقیقتاً قوم عاد کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے سیاسی قوت اولاً طسم کے ہاتھ میں تھی۔ ایک زمانہ کے بعد عملوق نام ایک ظالم بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے شرمناک قواعد سے۔ قبائل جدیس کو برہم کردیا۔ بالآخر جدیس کی ایک خاتون عروس نے قبیلہ کو غیرت دلائی۔ یہ غیرت آگ بنکر اوٹھی طسم نے شاہ یمن سے مدد مانگی۔ اوس نے جدیس کو شکست دیدی آخر قبائل کی باہمی نااتفاقی نے ملک غیروں کے سپرد کردیا۔ ابوالفدا۔ طبری اور ابن ہشام وغیرہم یونانیوں نے قبائل عرب میں سے ایک کا نام جولسٹی (JOLISTAI) لکھا ہے شاید

---

[۱] معجم الیاقوت۔ لفظ وادی القریٰ۔

اوس سے جدیس مراد ہو۔ طسم کا نام ہلاکت و بربادی کی عبرت کے لئے اس قدر مشہور ہو گیا ہے کہ عربی زبان میں طسم کے معنی "ہلاکت و بربادی" ہو گئے ہیں۔ عرب جاہلیت کا ایک شاعر سلمی ابن ربیعہ کہتا ہے:

اہلکن طسما و بعدہ غذی بہم و ذا جدون و اہل جاش و مارب وحی لقمان والتقون

ترجمہ۔ حوادث زمانہ نے طسم کو۔ اور اوسکے بعد ذا جدون شاہ یمن کو۔ اور اہل جاش اور اہل مآرب کو اور قبیلہ لقمان کو ۔۔۔۔۔۔ ہلاک کیا۔۔۔

اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ طسم کا زمانہ سبا (اہل مآرب) اور عاد ثانیہ (وحی لقمان) سے متقدم تھا۔ تعجب ہے کہ اس تفصیل مدت اور تعیین زمانہ کے بعد بھی مورخین عرب نے اوس بادشاہ یمن کا زمانہ قایم کرنے میں غلطی کی ہے جو جدیس کے خلاف میں طسم کی امداد کے لئے آیا تھا۔ مورخین عرب نے اس شاہ یمن کا نام تبع حسان یا حسان (باختلاف روایت) لکھا ہے۔ اور یہ یقیناً غلط ہے۔ ایکطرف یہی ارباب روایت ان قبائل کو اتنا قدیم ٹھہراتے ہیں کہ ان کو ارم کی صرف بدو واسطہ اولاد قرار دیتے ہیں۔ یعنی تین یا چار ہزار ق م۔ انکا زمانہ بتلاتے ہیں۔ اور یا اسقدر نیچے کرتے ہیں کہ تبابعہ یمن کا معاصر قرار دیتے ہیں جس کا زمانہ ۱۱۵ ق م سے اوپر نہیں جاتا۔ غالباً تبع یمن سے عام شاہ یمن مراد ہے۔

یمامہ کا قدیم نام جو ہے۔ لیکن زیادہ تر اپنے قصبہ حکومت کے نام سے مشہور ہے جس کا نام "قریہ" اور "حجر" ہے قریہ اور حجر لفظ دو ہیں۔ لیکن معنی ایک ہیں۔ ابن اسحاق ہمدانی یمنی۔ جو عرب کی قدیم زبانوں سے واقف تھا۔ کہتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معنی آبادی کے ہیں۔ قدیم عربی میں حجر لفظ تھا۔ بعد کی عربی زبان میں اس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال ہوا جو حجر کا لفظی ترجمہ ہے۔

یمامہ میں آثار قدیمہ کے نشان جغرافیہ نویسان اسلام کے عہد تک باقی تھے۔ اور اونھوں نے خود اون کو مشاہدہ کیا تھا۔ نجران اور بحرین کے درمیان ایک پہاڑی ہے۔ اسپر مشقر نام ایک قلعہ ہے جو طسم کی طرف منسوب ہے۔ ایک اور عمارت ایک ٹیلہ پر واقع ہے جس کا نام معنق۔ وہ بھی طسم ہی کی یادگار ہے۔ شموس بھی اسی قسم کی ایک عمارت ہے قریہ ہی سدوس۔ یمامہ میں ایک مقام ہے۔ یہاں اوپر سے نیچے تک تراش کر پتھر کی ایک پوری عمارت بنائی گئی ہے۔ ایک اور عمارت شیل حجر کے نام سے ہے۔ اس عمارت کا حصہ زیرین مربع الشکل ہے۔ اور بلندی ۸۰ ہاتھ کے قریب ہے۔ جعدہ نام ایک اور قلعہ یہاں بنا ہے۔ قدیم کی یادگار ہے۔ ان تمام عمارات و مقام کے نام معجم البلدان یاقوت میں موجود ہیں۔ خدا جانے ان آثار کا اب کس قدر حصہ باقی ہے۔ تاہم اگر یہ کل یا ان میں سے بعض بھی طسم و جدیس کے مصنوعات ہوں تو ان قبائل کی عظمت و تمدن

کے دلائل نہایت واضح ہیں۔

ان مقامات پر یونانیوں یا رومیوں نے کبھی حملہ نہیں کیا۔ سکندر کے بعد جب عراق میں سلوقی (سلوکس) خاندان قایم ہوا تو اوس نے صرف ایک بار ۲۰۵ ق م میں اہل قریہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ کی جرأت کی تھی۔ قبائل قدیمہ یمامہ و بحرین کی بربادی کے بعد ایک مدت تک یہاں ویرانی رہی۔ تا انکہ اسماعیلی اور قحطانی عربوں نے ادہر رخ کیا۔ ربیعہ اسماعیلی کی ایک شاخ عنزہ ابن اسد اور کہلان قحطانی کی بعض اولاد نے بحرین پر اور بنو حنیفہ نے یمامہ پر قبضہ کیا۔ اسلام آیا۔ تو بحرین فارس کے قبضہ میں تھا۔ اور اون کی طرف سے ایک عرب خاندان نائب حکومت تھا اور اور یمامہ بدستور بنو حنیفہ کے قبضہ میں تھا۔ اول نے برغبت دعوت اسلام قبول کی۔ اور ثانی خلافت اولیٰ کے زمانہ میں ایک جنگ عظیم کے بعد مطیع ہوا۔ ارض القرآن۔ ذکر طسم و جدیس ج ا ص ۲۰۶

عرب البائدہ اور اون کے مختلف اور مشہور ترین قبائل و شعائر کے تمام و کمال حالات بیان کرکے ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے ہم اون کے سلسلہ کا شجرہ نسب ذیل میں تیار کرکے دیتے ہیں جس سے اون کے اصل و فرع قبائل و اقوام آسانی سے معلوم ہوجائے گی۔

نوح علیہ السلام

- سام
  - عیلام
  - لود
  - ارم
  - (اولاد): جرہم الاولیٰ[۱]، طسم، عملیق، امیم، عوص، حول، گیثر، ماش
    - عوص ← عاد اولیٰ ← خلود ← عبداللہ ← ہود علیہ السلام (کما فی طبقات ابن سعد)
    - گیثر ← مزید جاثر ← جدیس، ثمود
      - ثمود ← عاد ثانی ← عابر ← عبید ← ماشج (عند ابن سعد کماشج) ← اسف ← عبید ← صالح علیہ السلام
- حام
  - کوش
    - سبا، حویلا، سبتاہ، رعماہ، سبتکاہ
      - رعماہ ← شبا
      - سبتکاہ ← ددان

---

[۱] جرہم اولیٰ۔ جرہم کی قومیت کیا تھی اور کس سلسلہ نسب سے اس کو تعلق تھا۔ بعض روایات تاریخ کی بنا سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ

[۲] صاحب ارض القرآن کی طسم و جدیس کے حالات میں تحقیق بہت ہی شخصیت اور قابل منت گزاری ہے ورنہ آپ کے استاد شمس العلماء نعمانی نے تو ان اقوام و قبائل کے حالات کو سیرۃ النبی میں بالکل چھوڑ دیا ہے۔ کاش آپ ہی سے دریافت فرما لیتے!

عرب العاربہ (عرب متوطن)

عرب العاربہ یا عرب متوطن۔ یقطان ابن عابر بن سالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسلئے یہ صحیح ہے کہ عرب العاربہ بھی عرب البائدہ سے علیحدہ اور غیر قوم نہیں ہیں۔ بلکہ عرب البائدہ کے اوس شجرہ میں جو ابھی اوپر قلمبند ہوا ہے۔ اوسمیں سام کے تین بیٹے دکھلائے گئے ہیں یعنی لام۔ لود اور ارم اور یہی گویا عرب البائدہ کے مورث اعلی ثابت ہوئے ہیں۔ انہیں تینوں بیٹوں کے ساتھ سام کے چوتھے بیٹے۔ ارفخشد بھی قایم ہوتے ہیں جن سے عرب العاربہ کا نسب نامہ ملتا ہے۔ اس بنا پر عرب البائدہ اور عرب العاربہ اگرچہ فرعاً جدا سمجھے بھی جائیں تو اصلاً ایک ہی ہیں۔

یقطان۔ عبرانی لفظ ہے۔ عرب اسی کو قحطان کہتے ہیں۔ توریت مقدس کے کتب خمسہ میں یہ لفظ یقطان مرقوم ہے اور انجیل میں۔ جو یقطان۔ "جو" کے قلیل اضافہ کے ساتھ۔ محقق۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر Rev. H. Forcstor نے نہایت مستحکم دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ ان تینوں نام۔ قحطان یقطان اور جو یقطان سے ایک ہی شخص مراد ہے جس کو عرب قحطان کہتے ہیں۔ موسائی یقطان اور عیسائی۔ جو یقطان۔

بعض مورخین کا یہ قول کہ عرب البائدہ اور عرب العاربہ دونوں قحطان کی نسل سے ہیں۔ اوسی طرح صحت سے قطعی ساقط ہے جس طرح سیرت ابن ہشام میں بعض اہل یمن کا یہ دعوی کہ بنو قحطان بھی بنی اسمعیل میں داخل ہیں۔ مسٹر فارسٹر کے علاوہ یورپ کا مشہور و معروف برکہارٹ اور سر ولیم میور بھی اس امر پر متفق ہیں کہ قحطان ہی کی اولاد تمام عرب میں اصلی۔ اس لئے تمام عرب اسی شخص کی اولاد میں داخل ہیں۔ ہمارے نزدیک یقطان کے ساتھ حضرت اسمعیل کا نام لینا بھی ضرور ہے۔ ورنہ تحقیق میں نقص رہ جاتا ہے۔ ابن ہشام نے اس مقام پر پورے غور سے کام لیا ہے اور لکھدیا ہے

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ نباً ام سابیہ اولی سے تہا۔ اور بعض اس کو قحطان کی نسل سے بتلاتے ہیں۔ عام مورخین نے دونوں خیالونکو یکجا کردیا ہے اور بتایا ہے کہ جرہم دو تھے جرہم اولی اور جرہم ثانیہ قحطان کا بیٹا اور حضرت اسمعیل کا نہ (؟) رشتہ دار تھا۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان یمن کا مالک تہا اور جرہم بن قحطان کے حصہ میں حجاز کا ملک دیا گیا تھا۔ تاریخ یعقوبی میں ہے۔ فکان ولہ جرھم بن عابر لما صار اخوتھم من بنی قحطان بن عابر الی الیمن اس سے ظاہر ہے کہ جرہم قحطان کا بیٹا نہ تھا بلکہ برابر کا بھائی تھا۔

فالعرب کلھا من قحطان و اسمعیل۔ تمام عرب قحطان اور اسماعیلؑ سے ہیں۔

قحطان کی جائے سکونت۔ توریت میں میشا سے لیکر سفار تک بتلائی گئی ہے سفار یا سنفار مشرق میں ایک پہاڑ ہی کا نام ہے۔ مسٹر برڈک ہرووط کی تحقیق میں میشا اور موزہ۔ جو لقیطانی قوم سبا کا خلیج عرب کے دہانے کے قریب ایک بندرگاہ ہے۔ ایسے ہی مقام ہیں۔ اور سنفار سے یمن کا وہ کوہستانی حصہ مراد ہے۔ جہاں جغرافیہ بطلیموسی کے شہر سنفار اور قوم سفار آباد تھی۔ ان حدود کے اعتبار سے یہ قطعہ زمین رقبہ میں کُل ڈیڑھ سو میل ہوتا ہے اس بنا پر فارسٹر صاحب کو تامل ہے کہ ایسے تنگ علاقہ میں قحطان کی کثیر التعداد اولاد کیسے آباد ہوئی ہوگی۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ علاقہ نجد میں اور اسکے آس پاس والے اندرونی حصہ میں پھیل گئے ہوں گے۔ یہ حقیقتاً صرف قیاسی استدلال ہے۔ توریت میں اون کے مقام سکونت کا سمت بتلا دیا گیا ہے۔ اون کے موطن و مسکن کی اصلی حد اور خاص رقبہ محدود کر دیا گیا ہے جس میں کسی قیاسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔

قحطان کے تیرہ بیٹے تھے۔ اون کے نام یہ ہیں۔ الموداد[1]۔ شلف[2]۔ حضرماوت[3]۔ یرح[4]۔ ہدورام[5] اوزال[6]۔ دقلاہ[7]۔ عوبال[8]۔ ابیمائیل[9]۔ شبا[10]۔ اوفر[11]۔ حویلاہ[12] اور یوباب[13]۔ انھیں سے ہر ایک کے حالات اور سکونت کے مقامات علیحدہ علیحدہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) الموداد۔ اس شخص کا خاندان یمن میں یا عرب المعمورہ میں اور اوس خلیج میں جو بحرین تک چلا گیا ہے۔ آباد ہوا۔ اور اوس الموداد سے مطابقت رکھتا ہے جس کو بطلیموس نے یمن کی درمیانی قوم لکھا ہے۔

(۲) شلف۔ یہ شخص کو ذامس کے مغربی حصہ میں یا اوس وسیع میدان میں جو درمیان کاظم اور مدینہ کے مابین واقع ہے۔ آباد ہوا۔ یہ قوم بطلیموس کی بیان کی ہوئی سالفنی قوموں سے مطابقت رکھتی ہے عربوں میں یہ قوم بنی سالف مشہور ہے۔ جو عبرانی نام شلف کی عربی شکل ہے۔

(۳) حضرماوت۔ اس قوم نے اپنی سکونت کے لئے دور زرخیز قطعات زمین کو جو خلیج فارس کے برابر برابر پھیلے ہوئے ہیں اختیار کیا تھا اور وہ آج تک حضرموت اون کے اصلی نام سے یادگار ہیں۔ یہ لوگ رومیوں کے نزدیک اور یونانیوں کی کتابوں میں اپنی وسیع تجارت۔ فن جہاز رانی اور معرکۃ الآرا جرأت و بہادری کے لئے مشہور تھے۔

(۴) یرح۔ اس شخص کا حال ہم آخر میں لکھیں گے۔)

(۵) ہدورام۔ اسکی اولاد نے مشرقی حصہ ملک میں جگہ لی اور وہیں آباد ہو گئے قصبہ ہدریہ

اس قوم کی یادگار ہے مورخ ابو الفدا کا بیان ہے کہ صوبہ دار قرامطاب کی بنا اسی قوم سے ہوئی ہے۔

(۶) اوزال۔ یہ خاندان۔ اوزال میں آباد ہوا۔ جسے اب صنعا کہتے ہیں۔ جو علاقہ یمن کا سب سے زیادہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ (کتاب حزقیل باب ۲۷ درس ۱۹)

(۷) دقلاہ۔ یہ قوم بھی یمن میں آباد ہوئی۔ ذو النخلہ جو یمن کی ایک قوم ہے اور جس کا ذکر مسٹر پوکاک (Mr. Pococke) نے بھی کیا ہے۔ اسی کی اولاد میں ہے۔

(۸) عوبال۔ اس کا نشان عرب میں نہیں پایا جاتا۔ مگر فارسٹر صاحب بتلاتے ہیں کہ یہ قوم افریقہ کو چلی گئی۔

(۹) ابیمائیل۔ بہت سے مختلف آثار جو مختلف اشخاص نے اس قوم کی سکونت کے متعلق بتلائے ہیں۔ وہ اسکے شاہد ہیں کہ یہ قوم بنی سالف کے مقام سکونت اور حجاز کے قرب و جوار میں متوطن تھی۔

(۱۰) شبا۔ اگرچہ یہ قبیلہ بھی جنوب کی طرف جا بسا اور یمن میں سکونت پذیر ہوا۔ مگر یہ شبا وہ شبا نہیں ہے جس نے یمن میں خاندان سبا کی سلطنت قائم کی۔ اکثر مورخین عرصہ دراز تک اس غلطی میں پڑے رہے۔ اور دونوں کو ایک ہی سمجھتے رہے۔ وہ دوسرا شبا عرف عبد الشمس تھا جس نے خاندان سبا کی سلطنت قائم کی اور شہر مآرب اور شہر سبا کو بنایا جسکا ذکر آگے آئیگا۔

(۱۱) اوفر۔ یہ قوم عمان میں جو سبا کے پورب ہے۔ آباد ہوئی۔ چنانچہ شہر اوفر میں اون کے نشانات آجتک پائے جاتے ہیں۔ (توریت کتاب الملوک باب ۹ درس ۲۵)

(۱۲) حویلاہ۔ یہ شخص ٹھیک شمال میں شہر مآرب کے آباد ہوا۔

(۱۳) یوباب۔ یہ بھی مآرب کے جانب روانہ ہوکر اوسی نواح میں آباد ہوا۔ قوم جوبانی۔ جس کا بطلیموس نے ذکر کیا ہے اور جس کو بنی جوبار کہتے ہیں۔ اوسی کی اولاد ہونیکا دعوی کرتے ہیں۔

جرہم کے تحقیقی حالات

جرہم۔ مرقومہ بالا پسران قحطان کے ذکر غیر اسلامی مورخین کے تالیفات سے مستنبط کیے گئے ہیں حقیقت میں عربی مورخین قحطان کے اپنے بیٹوں میں سے صرف دو بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں یعرب اور جرہم کا چند مورخین کی رائے ہے کہ یعرب اور یرح سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اگرچہ یہ قاعدہ ہے کہ عربی میں جیم اور یے کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مگر تاہم جرہم کے متعلق مورخین کی رایوں میں اختلاف ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ لیکن بالآخر جمہور کا اسپر اتفاق ہوچکا ہے کہ یعرب اور جرہم دونوں

یرح کے بیٹے تھے۔ یوروپین مورخین۔ جان اسٹرابو (JHON STRABO) اور مسٹر جارج سیل GEORGE SALE مشہور مترجم قرآن بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن مورخ ابوالفدا اپنی تاریخ میں ایک مقام پر یعرب اور جرہم کو دو مختلف اشخاص بیان کرتا ہے اور دوسرے مقام پر جہاں وہ مختلف اقوام عرب کے متفرق شعبوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں جرہم کو تنہا تمام عرب کا مورث اعلیٰ بتلاتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی یعرب اور جرہم دو متفرق ناموں سے ایک ہی شخص مراد لیتا ہے اور حقیقتاً یعرب کی بہت سی شاخیں بنی جرہم میں آکر ملجاتی ہیں۔

بہرحال مشرقی مورخین نے اس مسئلہ کو بالکل غیر منفصل چھوڑ دیا ہے۔ مگر فارسٹر صاحب نے بڑی قابلیت سے اسکو ثابت کیا ہے کہ جرہم اور یعرب ایک ہی شخص تھے۔ انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں لکھدیا ہے کہ اکثر مترجموں نے اس نام کو جرح لکھا ہے سینٹ جروم ST. JEROUM نے جیرا اور حال کے عربوں نے جرج۔ سرح۔ شرح۔ اور زہران لکھا ہے۔ پھر لقاعدہ کی ان ناموں کی مطابقت بیان کرکے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

علی العموم جو شہادت کہ خود عرب بھی اپنے جرہم کو پسر قحطان کے ماخذ دیتے ہیں۔ اُس کی تصحیح و تصدیق کتاب بطلیموس میں۔ غیر مبدل نرالی نام کے درج ہونے سے واقع ہوئی ہے اور یہ ایک ایسی مثال ہے جس کا ہمکو بار بار حوالہ دینا پڑا یعنی بطلیموس کے اس فقرے کا۔ السیولا جزا چیوری جسکا ترجمہ ہے۔ جزیرہ بنی جرہم۔ جو حجاز کے کنارے سے دُور ایک جزیرہ ہے۔

مرقومہ بالا دلائل کی رو سے جرہم اور یعرب کی مطابقت تسلیم کرلینے میں ہمیں بھی کوئی کلام نہیں۔ چنانچہ عرب العاربہ کے شجرہ انساب میں ہم ان دونوں کو ایک ہی شخص قرار دیکر یعنی یرح یا یعرب۔ جرہم یا جرہم انکا شجرہ لکھیں گے حقیقت میں عرب العاربہ کی تاریخ اس شخص کی اولاد اور اون کے اولاد و اعقاب سے پُر اور مملو ہے۔ کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ اسی شخص کی اولاد و ذریات تھے جنہوں نے مختلف قوم و قبائل میں منقسم ہوکر بڑے بڑے کارنمایاں کئے اور زبردست سلطنتیں اپنی اعلیٰ تدبیر اور بیش بہا نظام ملکی کی کامل لیاقت اور پوری مہارت کے ثبوت میں قائم کیں۔ جنکو ہم بڑی تلاش و تحقیق سے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان کو شروع کریں۔ ہمکو یہ بتلادینا ضروری ہے کہ انکی سلطنتوں کا صحیح زمانہ بتلانا مشکل ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ ان حالات کا استنباط اکثر زبانی اور سینہ بسینہ ماخذوں سے کیا جاتا ہے۔ جو غلطیوں سے خالی نہیں کہے جا سکتے۔ دوسرا ماخذ مورخین عرب کے اقوال ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ ان کا تمام سرمایہ توریت کے یونانی ترجمہ پر منحصر

ہے۔ یونانی ترجموں کی یہ حالت ہے کہ جب اصل عبرانی عبارت توریت سے ملائے جاتے ہیں۔ تو زمانوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ عیسائی ملکوں میں یونانی ترجموں پر عبرانی ترجموں کو ہمیشہ ترجیح دیجاتی ہے اور عبرانی توریت کے زمانے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہرچند کہ اسکے زمانے بھی شبہوں سے خالی نہیں۔ تیسری وقت یہ آلگی ہے کہ مورخین عرب نے عبرانی اور یونانی دونوں ترجموں کی زمانوں کو ایسا خلط ملط کردیا ہے۔ اور اسوجہ سے اس زمانہ کے تاریخی سلسلہ میں ایسی گتھی ڈالدی ہے کہ واقعات کا سلجھانا دشوار ہوگیا ہے۔ پھر اسکے ساتھ ایک عجیب غریب اضافہ یہ کرتے ہیں کہ کسی واقعہ میں تو اپنی زبانی اور یادداشت کے مطابق اُسکا زمانہ قائم کرتے ہیں۔ اور کسی میں محض یونانی ترجموں کا دیا ہوا وقت بتلاتے ہیں کیا کوئی تجربہ کار محقق اور واقفکار مورخ کہہ سکتا ہے کہ ان تمام دشواریوں پر غالب آجانا اور ان تمام الجھاؤں کو سلجھانا کوئی معمولی اور آسان کام ہے۔

ہمنے اپنے سلسلہ بیان میں ان دقتوں کے آسان کرنیکے لئے تین طریقے اختیار کئے ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ ہمنے واقعات کی تحقیق میں توریت کے عبرانی ترجمہ کو پیش پیش رکھا ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ جن فنون و علوم اور ادن کے تمام اوصاف کے متعلق جب اخبار و آثار قدیمہ سے تعلق بمطابقت اور تلاش کی ضرورت آپڑتی ہے تو پھر تمام ذی لیاقت اور صاحب جامعیت حضرات۔ عام اس سے کہ مغربی مولفین ہوں یا مشرقی مصنفین۔ اسی ترجمہ عبرانی کو آگے رکھتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہمنے قوم عرب العاربہ کے ہر واقعہ کو قوم بنی اسرائیل کے حالات سے مقابلہ کرنیکا اختیار کیا ہے اور اس طریقہ سے ہمکو واقعات عرب کا صحیح زمانہ قائم کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ تیسرا طریقہ جو ہمنے آخر میں اختیار کیا ہے وہ اصل میں تو وہی دوسرا طریقہ ہے۔ مگر ہمنے اسکو زیادہ وسیع کردیا ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعات عرب کو ہمنے دیگر ممالک اور اقوام کے اثنا واقعات سے بھی مقابلہ بھی کرلیا ہے جو قریب قریب ایک وقت میں واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر واقعہ عرب کا سال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اسکے ہم وقت واقعہ کا جو کسی غیر ملک اور قوم میں واقع ہوا ہے صحیح زمانہ اونکی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اس سے ہمکو عرب کے واقعہ کا صحیح سال وقوع معلوم ہوجاتا ہے۔

بہرحال۔ اتنا تمہیداً لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو۔ پہلے عربی ماخذوں کی نقل سے آغاز کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ غیر اسلامی مورخین کی تحقیق کا بھی اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

اول من نزل الیمن قحطان بن عابر بن شالخ وقحطان المذکور اول من ملک ارض الیمن

قحطان پہلا شخص ہے جو یمن میں آیا ہوا۔ اسکا نام قحطان بن عابر بن شالخ ہے۔ اور یہی قحطان ہے جس نے سب

ولبس التاج (ابو الفدا) | پہلے یمن میں حکومت کی اور تاج شاہی پہنا۔

تاج شاہی کی ایجاد اسی وقت سے ہوئی۔ محققین کے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہی شخص قحطان (یقطان) فالغ کا بھائی تھا۔ اسلئے قحطان کی تاریخ پیدائش سے بہت دور نہوگی۔ اس بنا پر قحطان کی تاریخ ولادت قریب سنہ ۱۷۵۵ دنیوی یا حضرت مسیح سے دو ہزار دو سو برس قرار پاتی ہے۔ اس زمانہ میں نمرود پسر کوش ملک بابل (اشور) کا بادشاہ تھا۔ اور حام ابن مصرایم ملک مصر کا۔ اسیوقت یعنی ۱۷۵۵ دنیوی یا ۲۲۰۰ ق م میں قحطان یمن کا بادشاہ ہوا۔

قحطان کے بعد یعرب یا جرہم اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابو الفدا میں ہے۔

ثم مات قحطان وملک بعده ابنه یعرب ابن قحطان | قحطان مرگیا تو اوسکا بیٹا یعرب ابن قحطان بادشاہ ہوا۔

محققین کے نزدیک اسمیں کوئی شک نہیں رہا کہ یعرب کے قبضہ میں یمن اور حجاز کے صوبے بھی آگئے تھے اور یہی یعرب اسوقت بنی جرہم کے نام سے مشہور تھے۔ فارسٹر صاحب نے اس امر کی تحقیق میں کہ جرہم پہلے یمن میں آباد تھے۔ بہت سی معقول وجہیں پیش کی ہیں اور اس صوبے کے اکثر مقامات کو جرہم کے خاص نام سے موسوم ہونیکا ثبوت پہونچایا ہے۔ انمیں سب سے مستند اور معتبر ثبوت یہی ہے کہ جرہم کی کنیت ابو الیمن قرار پائی ہے۔

جرہم کے بعد جرہم کا بیٹا یشجب تخت پر بیٹھا۔ مؤرخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملک بعده ابنه یشجب بن یعرب ثم ملک بعده ابنه عبد الشمس بن یشجب ویسمی سبا وهو الذی بنا السد بارض مارب۔ | اسکے بعد یشجب ابن یعرب (جرہم) بادشاہ ہوا۔ اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبد الشمس بادشاہ ہوا۔ یہی عبد الشمس سبا اکبر مشہور ہے جس نے سد مارب بنوائی۔

سبا۔ یہی شخص یمن کے مشہور و قدیم سلطنت سبا۔ اور شہر سبا۔ اور شہر مارب اور سد وغیرہ کا بانی ہے۔ مؤرخ ابو الفدا آگے لکھتے ہیں۔

ولما مات سبا ملک الیمن بعده ابنه حمیر ابن سبا | جب سبا مرگیا تو حمیر اسکا بیٹا یمن کا بادشاہ ہوا۔

چونکہ حمیر قحطان سے چوتھی پشت میں تھا اور تارح بھی فالغ سے چوتھی ہی پشت میں تھا۔ اسلئے یہ نتیجہ نکالنے کے ہم مختار ہیں کہ حمیر کی ولادت تارح کی پیدائش سے کچھ دور نہیں ہوگی یعنی ۱۸۵۸ دنیوی یا ۲۱۲۶ ق م میں تقریباً اسکی ولادت ہوگی۔ اب دیکھو تارح کے تین بیٹے تھے۔ ابرام (ابراہیم) ناحور اور حاران۔ حمیر کے بھی تین ہی بیٹے تھے۔ وائل، عوف اور مالک۔ اس بنا پر تارح اور حمیر کی اولادوں کو باہم ہمعصر خیال کرنا چاہئے۔ یعنی یہ ۱۹۴۸ دنیوی اور ۲۰۲۵ ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا قاران ہوا۔ اب اول اسی رشتہ پر جو ایک پشت کیواسطے

عموماً دیکھی ہے لحاظ کر کے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط بن حاران پر غور کر کے سکک اور فاران کی تاریخ ولادت قرار دیجاے گی۔ جو ۱۸۶۸ دنیوی اور ۲۱۲۶ ق م میں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے تیس برس قبل قرار پاتی ہے۔ وائل اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اور عوف کسی جگہ حجاز اور نجد کے درمیان کے آباد ہوا۔

ابوالفدا اس سلسلہ بیان میں آگے لکھتے ہیں۔

ثم ملک بعدہ (اى حمير) ابنہ وائل ابن حمير ثم ملک بعدہ ابنہ السکسک ثم وثب على ملک اليمن ذو ریاش وهو عامر ابن باران (فاران) باران (یاران) ابن عوف ابن حمير

حمیر کے بعد اُسکا بیٹا وائل۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا سکسک تخت نشین ہوا۔ پھر ملک یمن پر ذو ریاش جس کا نام عامر ابن فاران ابن عوف ابن حمیر تھا۔ قابض ہو گیا۔

ہم اوپر بتلا آئے ہیں کہ عوف حجاز اور نجد کے درمیان کسی مقام پر آباد ہوا۔ یہ امر اس سے ثابت ہے کہ آج تک جبل عوف جو نجد کے پچھم واقع ہے۔ عوف کے نام سے مشہور رہا ہے۔ جو عوف کے نام سے مشہور ہی نہیں بلکہ ماخوذ و مستخرج بھی سمجھنا چاہیئے۔ قرینہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ فاران ابن عوف بھی اپنے باپ کے پڑوس میں آباد ہوا۔ یعنی اُس وادی غیر ذی زرع میں جہاں فی السعال مکہ معظمہ واقع ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ فاران کا اطلاق صرف اُسی وسیع شمالی بیابان پر نہیں ہوتا ہے جو قادیش تک چلا گیا ہے بلکہ اون پہاڑوں پر بھی ہوتا ہے جو اُنہیں واقع ہیں۔ بلکہ اُن پہاڑوں ہی کی وجہ سے اس وسیع میدان کو فاران کا میدان کہ سکتے ہیں۔ تمام مشرقی مورخ اور وہ لوگ جو قدیم روایتوں کے معتقد ہیں۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اسکے علاوہ توریت مقدس میں بھی صاف صاف مذکور ہے کہ یہی نواح بنام فاران مشہور ہے۔

چونکہ اس مضمون سے ہماری کتاب کے تمام ہو جانے تالیفی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور گویا یہی مضمون ہمارے بیان کا سرعنوان ہے۔ اسلئے ہم فاران ابن عوف کا حال کسیقدر تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

تاریخ ابوالفدا سنہ ۱۸۹۱ء میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر چھپا ہے۔ اسکے صفحہ ۱۴۰ میں لفظ فاران اس شکل میں (باران) چھپا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ بعض یہودی اپنی زبان میں ف کو پ کے ایسا تلفظ کرتے ہیں اور جہاں پ کو دیکھتے ہیں اُسکو ب سے تلفظ کرتے ہیں۔ فاران کے سر پر یہی مصیبت گذری۔ تھا اصل میں ف یہودیوں نے پڑھا پ اور پھر یہودیوں سے جب عربوں نے پڑھا تو اس پ کو ب بنا دیا۔ عربی سے لاطینی ترجمہ چھپنے کے وقت غلطی سے ب کا نقطہ چھوٹ گیا۔ اور فاران کی (یاران) یہ شکل صورت ہو گئی۔

بہرحال مغربی اور مشرقی تمام مورخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ فاران عوف کا بیٹا تھا۔ یا یہ بھی کہ عوف نے جس مقام پر سکونت اختیار کی تھی وہاں ندرت اور قدرت کی خصوصیت کا کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا

جو اس کی شہرت کا باعث ہوتا۔ مگر چونکہ اسکے مقابلہ میں فاران کے کوہستانوں اور اسکے گرد کے تمام میدانوں کو ظہور قدرت کی تجلی گاہ بننا تھا۔ اور یہیں سے تمام اقطاع عالم میں انوار وحدانیت اور اخبار و آثار روحانیت پھیلانا تھا۔ اسلئے فاران کے کوہستان اور اسکے میدان عظمت و حرمت کے عرش الکمال تک ایسا پہونچے کہ اب فاران بن عوف کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ اس تازہ تعلق اور نئی نسبت سے اسکو یہ برکت حاصل ہوئی کہ اب اسکا نام کروروں عقیدتمندوں کی زبانوں کا وظیفہ ہے اور اسکی خاک اونکی دیدۂ عقیدت اور چشم حقیقت کا سرمہ۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ پر آجاتے ہیں۔ مؤرخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم نهض من بنی وائل النعمان ابن یعفر ابن السکسك ابن وائل ابن حمیر واجتمع علیه الناس وطرد عامر بن باران عن الملك واستقل النعمان المذکور بالملك اليمن ولقب النعمان المذکور المعافر۔ ابو الفدا

بنی وائل سے ایک شخص نعمان ابن یعفر ابن سکسک ابن وائل ابن حمیر پیدا ہوا۔ اور اسپر تمام قوم نے اجماع کیا۔ اور عامر ابن باران کو ملک سے نکالکر نعمان کو تخت شاہی پر بٹھلایا اور اسوجہ سے اسکا لقب المعافر قرار پایا۔ ابو الفدا

اس شخص کے زمانہ سلطنت میں مغربی اور مشرقی مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب سکسک ابن وائل کے بعد اسکا بیٹا یعفر تخت نشین ہوا۔ تو اسکے چچازاد بھائی عامر الملقب بہ ذو ریاش ابن فاران ابن عوف نے جو حجاز میں آباد ہوا تھا۔ یعفر کی سلطنت پر حملہ کردیا۔ اور اسکا ملک فتح کرلیا۔ لیکن یعفر کے بیٹے نعمان نے عامر کو اپنے ملک سے نکالدیا۔ اور اپنی سلطنت واپس لے لی۔ اس کارنمایاں کے جلدو میں اسکو المعافر کا لقب دیا گیا۔ اس قاعدے کے مطابق جس کی رو سے امم سابقہ کی تاریخہاے ولادت قایم کی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعفر ابن سکسک اور عامر ابن فاران اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ولادت قریب قریب ایک ہی زمانہ میں واقع ہوئی۔ اور وہ ۲۰۰۸ دنیوی تھی یا ۱۹۹۶ قبل مسیح۔ اب جو قدرتی قاعدہ پشتوں کے تعداد توالد وتناسل کا ہے اسکے مطابق ہم نعمان کے زمانہ پیدایش کو دریافت کرسکتے ہیں جسکا وقوع ۱۵۳۸ دنیوی یا ۱۹۹۶ قبل مسیح قرار پاتا ہے۔

اس پچھلے زمانہ کے پینتالیس برس بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام اُور سے جو قوم کالدی CHILDIA سے متعلق تھا۔ ہاران کو جو عراق عرب میں واقع ہے۔ بلائے گئے تھے۔ اور یہ ایک ایسا زمانہ ہے جسکے متعلق جمیع واقعات سے ہم اس نتیجہ کیطرف رہنمائی کرسکتے ہیں کہ عامر اور نعمان کی جنگ اسی زمانہ میں ہوئی ہوگی۔ اسلئے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ یہی وقت تھا جب نعمان نے عامر کو نکالکر اپنے آبائی تخت کو حاصل کیا تھا یعنی ۲۰۳۸ دنیوی یا ۱۹۶۱ ق م میں۔

اسکے آگے ابو الفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملک بعدہ ابنہ اشمح بن المعافر الملک ثم ملک بعدہ شداد ابن عاد ابن الملطاط ابن سبا و اجتمع لہ الملک وغزا البلاد حتی بلغ اقصی المغرب وبنی المدائن والمصانع وابقی الآثار العظیم۔

نعمان کے بعد اوسکا بیٹا اشمح بن المعافر نعمان تخت نشین ہوا اسکے بعد شداد ابن عاد ابن ملطاط ابن سبا تمام ملک پر مسلط ہوگیا۔ اُسنے اور ملکوں پر بھی چڑھائی کردی اور انتہاے مغرب تک کے تمام ممالک فتوح کر لیے۔ شہر مدائن کو بسایا۔ اور اُسنے بہت سے آثار عظیم اپنے بعد یادگار چھوڑے۔

مورخین نے اس عاد کو بھی غلطی سے عاد اولی سمجھکر اسکے واقعات کو اُسکے حالات سے ایسا خلط ملط کردیا ہے کہ سطحی اور سرسری دیکھنے والوں کو تمیز کرنا دشوار ہوگیا ہے۔ یہ شداد ابن ملطاط ابن عبد الشمس الملقب بہ سبا اکبر کی اولاد میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے اس نام کے دو شخص اور گذر چکے ہیں۔ اسلئے محققین نے اس شداد کو عاد ثالث کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ عربی نسابین نے غلطی سے سبا اکبر اور شداد کے فیما بین صرف دو نام لکھے ہیں۔ ایک عاد اور ملطاط۔ حالانکہ باعتبار امتداد ایام اور فاصلہ انساب کم سے کم پانچ نام اور ہونے چاہیئں۔ ان عربی نسابین کی غلطی اس وجہ سے ہے کہ انکے تمام مضامین کا اصلی ماخذ عرب کے اشعار قدیم ہیں۔ اور شعرا کا یہ ہمیشہ سے دستور چلا آتا ہے کہ وہ کسی قبیلہ یا قوم کے سلسلہ میں خاصکر انھیں لوگوں کے حالات و اوصاف قلمبند کرتے ہیں جو کسی خاص صفت سے موصوف و مشہور ہوتے ہیں اور باقی لوگوں کو قابل ذکر نہیں سمجھکر قلم انداز کردیتے ہیں۔ انکی فروگذاشت کیوجہ شعراے قدیم کی پیروی کو سمجھنی چاہیئے۔

شداد نے کسوقت یمن پر حملہ کیا ہو؟ مشکل ٹھیک مانا جاسکتا ہے۔ اتنا البتہ کہا جاسکتا ہے کہ نعمان کی تخت نشینی سے چند سال بعد یا اسکی وفات سے تھوڑے ہی زمانہ میں۔ شام کے پانچ بادشاہوں نے آپس میں جنگ شروع کردی۔ توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کا اثر عرب پر بھی پڑا تھا۔ چنانچہ توریت کے فارسی ترجمہ کی عبارت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

در سال چہاردہم کدرلاعومر و ملوکے کہ ہمراہش بودند۔ رفائیان را در عشتروت قرنیم۔ و زوزیان را در ہام و ایمیان را در شاوہ قریتایم شکست دادند و نیز حوریان را در کوہ خودشان سعیر تا ایل پاران کہ در نزدیک صحراست۔ و برگشتہ بہ عین مشپاط کہ قادش است آمدند و تمامی مرز بوم عمالقیان و ہم اموریانی کہ در حصون تامار ساکن بودند شکست دادند۔ سفر تکوین باب ۱۴۔ درس ۵ تا ۷۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ حملہ آور لوگ قادش کے شمال سے آئے ہونگے۔ کیونکہ سعیر کے پہاڑ اُس جگہ سے شمال میں واقع ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادش کے جنوب میں دور جاکر فاران میں چلے گئے جس سے آجتک حجاز مراد لیا جاتا ہے

کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بیان کے کہ حملہ آور باران سے قادش کو لوٹ گئے کچھ بھی معنی نہ ہوتے۔ اگر کہیں کہ یہ لوگ مغربیا کے جانب گئے ہونگے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ اوس طرف صرف بنی عملیق رہتے تھے جن سے کہ ان حملہ آوروں نے اپنی پہلی مہم سے قادش کو واپس آنیکے بعد جنگ کی تہی۔

اسوقت انیم کی حکومت اور حملہ اری صوبہ بیت تک پھیل گئی تہی چونکہ یہ زمانہ اوسکی حکومت کی ابتدا کا تہا۔ اسلئے خیال ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا حملہ کو جو بہت اوس کی طاقت میں کسیقدر ضعف آگیا ہو جس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطنت یمن کے اس ضعف و شکستگی کی حالت میں شداد نے جو ہمیشہ ایسے موقع کا منتظر رہا کرتا تہا۔ انیم پر حملہ کیا ہو۔ اور اوسکو حکومت سے بیدخل کردیا ہو۔ ان وجوہ کی بنا پر اسکا یقین ہوتا ہے کہ انیم ۲۰۹۱ء دنیوی یا ۱۹۱۳ قبل مسیح میں تخت نشین ہوا تہا اور شداد نے ۲۰۹۲ء دنیوی یا ۱۹۱۲ء ق م میں اوس کی سلطنت کو چہین لیا تہا۔ اور یہ زمانہ اوس تمام قاعدے سے جو علم انساب میں پشتوں کے پیدا ہونے کیلئے قرار دیا گیا ہے۔ بالکل مطابق ہوتا ہے۔

اسکے آگے مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

ثم ملك بعده اخوه لقمان ابن عاد ثم ملك بعده اخوه ذو شدد ابن عاد ثم ملك بعده ابنه الحرث بن ذو شدد و يقال له الحارث الرائش۔

اوسکے بعد اوسکا بہائی لقمان ابن عاد بادشاہ ہوا اسکے بعد اسکا بہائی ذو شدد ابن عاد تخت پر بیٹھا تہا۔ اسکے بعد ذو شدد کا بیٹا الحارث ملقب بہ الرائش تہا تخت پر بیٹھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شداد کے بعد اوسکے دونوں بہائی یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذو شدد کے بعد اسکا بیٹا الحرث بادشاہ ہوا۔ اوس زمانہ تک اور اسکے بعد بھی بہت دنوں تک وہاں دو خود مختار سلطنتیں قائم رہیں ایک یمن میں دوسری حضر موت میں۔ بالآخر ایک دوسرا شخص جسکا نام بھی الحارث اور لقب (؟) الرائش تہا۔ تخت پر بیٹھا۔ اس شخص نے ان دونوں سلطنتوں کو ملا کر ایک کردیا۔ اسموقع پر بڑی مورخین نے دونوں حارثوں کو اکٹھا کردیا۔ اور حارث اول کیطرف حارث دوم کے تمام سلطنتیں واسطے واقعہ کو منسوب کردیا۔ اس غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان دونوں حارثوں کے درمیان جتنے نام تھے وہ بالکل معدوم اور نامعلوم ہوگئے۔ ان کی اس غلطی کا روشن ثبوت یہ ہے کہ جو زمانہ اون بادشاہوں کا گذرا ہے اور جو تعداد بادشاہوں کی بتلائی گئی ہے وہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے۔ تاریخ حمزہ اصفہانی کی اس عبارت سے کہ بین الرائش والحمیر خمس عشر ابا (حمیر اور رائش کے درمیان پندرہ پشتوں کا فاصلہ ہے) ہمارے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس محقق (حمزہ اصفہانی) کو بہی ان پندرہ پشتوں میں سے کسی ایک کا بہی نام معلوم نہیں ہے۔ بہرحال اگر ہم بیان مصدرہ پر اعتبار کریں

توہمکو یہ نتیجہ نکالنا ہوتا ہے کہ الحارث ابن ذو شدد اور الحارث الرائش کے درمیان سات آٹھ بادشاہ گذرے ہیں حمزہ اصفہانی الحارث الرائش کے متعلق لکھتے ہیں۔

الحارث الرائش هو الحارث بن قيس بن صيفي بن سبا الاصغر الحميري وكان الرائش اول غزا منهم واصاب الغنائم وادخل الارض اليمن فاراشت حمير في ايامه وكان هو الذي راشهم فبذلك سمي الرائش

حارث۔ الرائش کا اصل نام حارث ابن قیس ابن الصیفی بن سبا الاصغر حمیری ہے۔ اور یہ رائش اول بار اہل یمن سے لڑا۔ مال غنیمت حاصل کیا۔ اور تمام ارض یمن پر قبضہ کرلیا۔ اور قوم حمیر اسکے زمانہ میں بہت خوشحال ہوگئی۔ اس خصوصیت سے اسکا لقب رائش (پالنے والا) مقرر ہوا۔

اسمیں کوئی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہی الرائش یمن۔ اور حضرموت۔ دونوں سلطنتوں کے ایک کرنیکا موجب ہوا جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔ اسی شخص کو تبع الاول بھی کہتے ہیں۔

سلسلہ بیان میں مورخ ابوالفدا آگے بیان کرتے ہیں۔

ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين. الصعب ابن الرائش ثم ملك بعده ابنه. ذو المنار ابرهه ابن ذو القرنين ثم ملك افريقش ابرهه ثم ملك بعده ذو الاذعار عمر بن ذو المنار ثم ملك بعده شرحبيل بن عمر بن غالب بن المنتاب بن زيد بن يعفر بن سكسك بن وائل بن حمير. ثم ملك بعده ابنه الهدهاد بن شرحبيل ثم ملك بعده بنته بلقيس بنت الهدهاد وبقيت في ملك اليمن عشرين سنة وتزوجها سليمان ابن داود۔ (ابوالفدا)

الرائش کے بعد اوسکا بیٹا صعب ابن الرائش جسکا لقب ذوالقرنین تھا تخت نشین ہوا۔ ذوالقرنین کے بعد اسکا بیٹا ابرہہ بادشاہ ہوا جسکا لقب ذوالمنار تھا۔ اوسکے بعد اسکا بیٹا افریقش تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد عمر ابن ابرہہ بادشاہ ہوا اسکا لقب ذوالاذعار تھا اوسکے بعد اوسکا بیٹا شرحبیل ابن عمر ابن غالب ابن المنتاب بن زید بن یعفر بن سکسک بن وائل بن حمیر بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اسکا بیٹا الہدہاد بن شرحبیل بادشاہ ہوا۔ ہدہاد کے بعد اسکی لڑکی بلقیس بنت ہدہاد ملکہ یمن ہوئی۔ اس ملکہ نے یمن میں بیس برس حکومت کرکے حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام کے ساتھ شادی کرلی۔

ہم حضرت سلیمان و بلقیس کے تفصیلی واقعات اور ملوک حمیر کے کامل تاریخی حالات۔ اپنے موجودہ سلسلہ بیان کے خاتمہ پر پوری تشریح سے درج کرینگے۔ ان حالات کی فوری تفصیل موجودہ سلسلۂ بیان کے نظام میں ایک ناگوار بدترتیبی پیدا کردیگی۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ الرائش یا تبع اول کے بعد اوسکا بیٹا صعب ملقب بہ ذوالقرنین۔ اسکے بعد ابرہہ ملقب ذوالمنار اوسکے بعد افریقش۔ اوسکے بعد عمر ملقب بہ ذوالاذعار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ ذوالاذعار کے

عہد میں شرحبیل نے اسپر حملہ کردیا۔ اور بیشمار خونریزیوں کے بعد، ذو الاذعار کو شکست دی اور اوسکی سلطنت پر قابض ہوگیا۔ شرحبیل کے بعد اوسکا بیٹا الہدہاد جانشین ہوا۔ اسکے بعد ملکہ بلقیس تخت پر بیٹھی اور بیس برس سلطنت کرکے اس ملکہ نے حضرت سلیمان ابن داؤد۔ بادشاہ یہود سے شادی کرلی۔ اس ملکہ کی حکومت کا اختتام توریت مقدس سے سنہ ۳۰۰۰ دنیوی یا ۱۰۰۰ ق م میں پایا جاتا ہے۔ اسلئے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدہ متعینہ کے مطابق الحارث الرائش اور صعب ذو القرنین یا تو انتیسویں صدی دنیوی کے آخر میں یا تیسویں صدی دنیوی کے آغاز میں گذرے ہونگے۔ یعنی حضرت مسیح سے تیرہ سو برس قبل

ذو القرنین کی شخصیت اور خصوصیت کے متعلق مورخ ابو الفدا کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن عباس سئل عنہ عن ذو القرنین الذی ذکرہ اللہ تعالی فی کتابہ العزیز فقال ھو من حمیر و ھو صعب المذکور فیکون ذو القرنین المذکور فی الکتب العزیز ھو الصعب ابن الرائش المذکور لا الاسکندر الرومی

ابن سعید مغربی کا بیان ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے اوس ذو القرنین کی نسبت پوچھا گیا جسکی نسبت قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے تو اونہوں نے جواب دیا کہ وہ صعب حمیری تھا۔ اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس ذو القرنین کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ وہ صعب ابن الرائش ہے۔ نہ اسکندر رومی۔ ابو الفدا

تاریخ یمن کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور و معروف سد یمن کی تعمیر کا کام اسی ذو القرنین کیوقت میں اختتام کو پہونچا۔ تاریخ یمن کی عبارت یہ ہے۔

وکان اول من اسس لسد سبا الاکبر واسمہ عامر فیل عبد الشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان ثم بناہ حمیر بن سبا بعد موت ابیہ ثم اتمہ بعد ذلک ذو القرنین الحمیری و ھو الصعب ابن ابی مرابد وکان السد مقابل المآرب الی الجبل الابلق وھما جبلان ملیقان علی الجبال الشامخۃ الممتدہ من یمین السد و شمالہ (العقود اللولویۃ فی اخبار دولۃ الرسولیۃ الیمنی)

اس سد کی بنا سبا اکبر نے شروع کی تھی اوسکے بیٹے اور جانشین حمیر نے اوسکو جاری رکھا اور ذو القرنین نے اُسے اختتام تک پہونچایا۔ یہ سد۔ دو پہاڑوں کے درمیان میں تھی۔ ایک کا نام مآرب دوسرے کا ابلق۔ اور یہ دونوں پہاڑ دوسرے پہاڑوں کے مقابلہ میں باعتبار رفعت کے زیادہ بلند ہیں اور بہت دور تک۔ سد مذکور کے داہنے طرف سے بائیں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

سد مآرب کے تفصیلی حالات بھی ہم سلاطین حمیر کے احوال کے ساتھ لکھیں گے۔ اس مقام پر ہمکو تاریخی سلسلہ بیان کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ملکہ بلقیس سے آگے اس شاہی سلسلہ کے ذکر میں مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں

ثم ملک بعدها ابن عمها ناشر النعم بن شرحبیل ثم
ملک بعده شمر یرعش بن ناشر النعم ثم ملک بعده
ابنه ابو مالک ابن شمر ثم ملک بعده عمران ابن
عامر الازدی ثم ملک بعده اخوه مزیقیا۔

بلقیس کے بعد اُسکا چچازاد بھائی ناشر النعم بن شرحبیل تخت
نشین ہوا اُسکے بعد اُسکا بیٹا شمر یرعش بادشاہ ہوا۔ اُسکے بعد
اُسکا بیٹا ابو مالک ابن شمر بادشاہ ہوا۔ اسکی سلطنت میں عمران
ابن عمر ازدی نے حمیریوں سے سلطنت چھین لی۔ عمران کے بعد
اُسکا بھائی مزیقیا بادشاہ ہوا۔

واقعہ یوں ہے کہ حکومت یمن شمر یرعش کے زمانہ ہی سے اندرونی نقائص کی بنا پر ضعیف ہوتی چلی آرہی تھی۔ ابو مالک کے وقت میں اُسکا ضعف و اضمحلال کا یہ حال ہوگیا کہ قبیلہ ازد کے سردار عمران ابن عمر نے ایک خفیف حملہ کے بعد تمام مملکت پر قبضہ کرلیا۔ اسی وقت سے حکومت یمن سلسلہ حمیر سے نکلکر بنی کہلان میں منتقل ہوگئی۔ عمران ابن عمر کے بعد اُسکا بھائی مزیقیا حکمراں ہوا یہ بالکل ضعیف اور ناقابل حکومت شخص تھا۔ اسکے وقت میں الاقرن ابن ابو مالک نے اپنی سلطنت آبائی کا دعوی کیا۔ اور مزیقیا سے لڑکر اُسکو شکست پہونچائی اور سلطنت چھین لی۔ حکومت یمن چند روز کیلئے عارضی طور پر بنی کہلان کے قبضہ میں رہکر پھر سلسلہ حمیری میں لوٹ آئی۔

اسکے آگے تاریخ ابو الفدا کا سلسلہ بیان یہ ہے۔

ملک الاقرن ابن ابو مالک ثم ملک بعده ذو حبشان
بن الاقرن ثم ملک بعده اخوه تبع اکرب الاقرن
ثم ملک بعده ابنه کلیکرب بن تبع ثم ملک بعده
ابوکرب سعد وهو تبع الاوسط وقتل ثم ملک بعده
ابنه حسان بن تبع ثم قتله اخوه عمرو ابن تبع و ملک
وسمی ذو الاعواد ثم ملک بعده عبد کلال بن
ذو الاعواد ثم ملک بعده تبع بن حسان بن کلیکرب
وهو تبع الاصغر ثم ملک بعده ابن اخته الحارث
ابن عمرو وتهود الحارث المذکور ثم ملک بعده مرثد
ابن کلال ثم ملک بعده وکیعه ابن مرثد

اقرن بن ابو مالک کے بعد اُسکا بیٹا ذو حبشان بن اقرن بادشاہ
ہوا اُسکے بعد اوسکا بھائی تبع اکبر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد
اُسکا بیٹا کلیکرب۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابوکرب سعد تبع اوسط
اُسکے بعد اوسکا بیٹا حسان اُسکے بعد اوسکا بھائی عمرو ذو الاعواد
اسکے بعد اُسکا بیٹا حسان اسکے بعد اُسکا بیٹا عبد کلال
تخت نشین ہوا۔ تبع ابن حسان ابن کلیکرب ملقب بہ تبع الاصغر
نے عمرو ذو الاعواد سے سلطنت چھین لی۔ تبع الاصغر کے
بعد اُسکا بھانجہ الحارث تخت نشین ہوا۔ حارث نے مذہب
یہود اختیار کیا حارث کے بعد مرثد ابن کلال اور مرثد کے
بعد وکیعہ ابن مرثد بادشاہ ہوا۔

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حارث نے مذہب یہود اختیار کرلیا تھا۔ اور اسکی وجہ سے حارث کے بعد والے بادشاہوں نے بھی مذہب یہود قبول کیا۔ یہ واقعہ اسطرح صحیح مانا جاسکتا ہے کہ بخت نصر فلسطین کو فتح کرکے اور بیت المقدس کو مسمار کرکے حضرت دانیال اور اُنکے دوستوں کو قیدی بنا کر بابل لیگیا اسوقت کچھ

یہودی بخت نصر کے ظلم سے بھاگ کر یمن کی طرف آگئے۔ اس زمانہ میں حضرت دانیال ؑ اور حضرت یرمیاہ ؑ پیغمبر تھے۔ اسلئے یہ بات نہایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان مفرور یہودیوں کی وجہ سے الحارث نے خدائے واحد کا اقرار کیا ہوگا۔ اور مذہب یہود کو قبول کر لیا ہوگا۔ اور یہ امر واقعی ہے کہ الحارث اور وکیعہ اسی زمانہ میں حکمراں تھے اور یہ زمانہ سنہ ۳۴۷۰ دنیوی یا سنہ ۶۲۰ ق م نسلوں کے پیدا ہونے کے فطرتی طریقہ حساب سے بالکل اعتبار کے قابل اور صحیح ثابت ہوتا ہے۔

اسکے آگے مؤرخ ابو الفدا کا مفصلہ ذیل سلسلہ بیان قائم ہوتا ہے۔

ثم ملک ابرھہ بن الصباح ثم ملک صہبان بن محرث ثم ملک عمرو بن تبع ثم ملک بعدہ ذو نواس وکان من لا یتھود القاہ فی اخدود مضطرم نارا فقیل لہ صاحب الاخدود ثم ملک بعدہ ذو جدن واخر ملوک الحمیر۔

اسکے بعد ابرہہ بن الصباح بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد صہبان بن محرث بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد عمرو ابن تبع۔ اسکے بعد ذو نواس بادشاہ ہوا یہ بادشاہ ان لوگوں کو جو مذہب یہود اختیار کرنے سے انکار کرتے تھے مشتعل آگ سے بھری ہوئی خندق میں ڈلوا دیا کرتا تھا۔ اسیوجہ سے اسکو صاحب اخدود کے نام سے ملقب کیا۔ اسکے بعد ذو جدن بادشاہ ہوا اور یہ آخر شاہان حمیر تھا۔

مورخ ابو الفدا نے وکیعہ کے بعد ان مذکورہ بالا چھ بادشاہوں کو بھی سلسلہ حمیری میں شمار کیا ہو مگر تحقیق سے ان بادشاہوں کا خاندانی سلسلہ صاف طور سے معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ انکی حکومتوں کا ٹھیک زمانہ دریافت ہوتا ہے مگر اس واقعہ کی صحت میں کوئی کلام نہیں کہ ذو نواس ایک متعصب یہودی تھا۔ اور یہودیوں کے علاوہ ہر غیر مذہب والوں کو آگ میں زندہ جلوا دیا کرتا تھا۔ اس بات کے خیال کرنے کیلئے ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ارتازر کسیز[۱] ویا کیخسرو (Artazer Kisows) نے چند یہودیوں کو جو مصر سے قید ہو کر آئے تھے۔ ہر قانیر (ماژندران) میں بھیجدیا تھا چونکہ یہ بادشاہ بھی یہودی تھا اسلئے اسکی (ذو نواس کی) سلطنت کو بھی کیخسرو کے حملہ سے سخت صدمہ پہونچا تھا۔ اسکے بعد حبشیوں نے ضعیف پاکر حمیری سلسلہ ملوک کو ہمیشہ کیلئے تمام کر دیا۔ یہ زمانہ سنہ ۳۶۵ دنیوی یا سنہ ۳۵۴ ق م تھا۔

ہم اصحاب اخدود (ذو نواس) کا حال بھی سلاطین حمیر کے تفصیلی حالات کے سلسلہ میں اسکے خاص مقام پر لکھیں گے۔

---

[۱] اس بادشاہ فارس کا زمانہ سنہ ۴۶۵ ق م میں بتلایا گیا ہو۔ اور کتاب عزرا اور نحمیاہ پیمبر میں اسکے حالات تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ وہی بادشاہ ہو جسکے دربار میں نحمیاہ پیمبر نے حاضر ہو کر یروشلم (بیت المقدس) کی مرمت اور آبادی کی پھر اجازت حاصل کی تھی کیونکہ کیخسرو کے باپ نے یونان کو فتح کر کے بیت المقدس کو تباہ کر دیا تھا۔ کتاب نحمیاہ ص ۱۹۱ (عہد عتیق) ہیٹنس یونیورسل ہسٹری ج ۱ ص ۱۵۹

حکومت سبا اور یمن کی دیگر سلطنتیں

سلاطین یمن میں، جو اصلاً قحطانی (عرب العاربہ) تھے اور موطناً یمنی، سلسلہ سلاطین سبا سے اہل معین کا ذکر قدیم ہے۔ اہل معین کا ذکر تحریری حیثیت سے اسفار یہود میں آٹھویں صدی قبل مسیح سے قلمبند ہوا ہے۔ اور پھر چھ سو برس بعد یونانی مصنف اراٹستھنیس المتوفی سنہ ۱۹۲ ق م نے بھی انکا ذکر کیا ہے۔

اہل عرب بھی اہل معین سے ناواقف نہیں تھے۔ جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ لفظ معین کے معنی "منبع آب" اور "چشمہ" کے ہیں۔ عبری زبان میں یہ معیان ہے۔ جو فی الحال معان سے تبدیل ہو کر شمال عرب میں ایک آبادی کا نام ہے۔ یمن کے جوف میں ایک آبادی کا نام معین ہے۔ اسکے حدود یہ ہیں۔ مشرق میں حضرموت، جنوب و مغرب میں سبا (موجودہ صنعا) واقع تھا۔

ہمدانی اکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب میں لکھتا ہے۔

ومن مفاخر الیمن براقش ومعین وهما باسفل جوف المرهب متقابلتان فمعین بین مدینة نشان وبین درب شرافة	یمن کے اضلاع۔ براقش اور معین ہیں۔ اور یہ دونوں جوف کے صحرائے ریگستانی کے نیچے واقع ہیں۔ معین، شہر نشان اور درب شرافہ کے مابین ہے۔

یاقوت حموی نے معجم میں بھی ان دونوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔ لفظ معین کے ذکر میں لکھتا ہے۔

معین اسم حصن بالیمن وقال الازهری معین مدینة بالیمن تذکر فی براقش	معین یمن میں ایک قلعہ کا نام ہے۔ ازہری کا بیان ہے کہ معین ایک شہر تھا جسکا براقش میں واقع ہونا کہا جاتا ہے۔

براقش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

قال الاصمعی براقش ومعین حصنان بالیمن کان بعض التبابعة امر ببنائهما لسلیمن فبنی فی ثمانین عاما وبنی براقش ومعین بغسالة ایدی صناع سلیمن قال ولاتری لسلیمن اثرا وهما قائمتان۔	براقش اور معین یمن میں دو قلعے ہیں۔ بعض شاہان یمن نے قصر سلیمن کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ وہ اسی برس میں بنکر تیار ہوا۔ اور براقش اور معین کاریگروں کے ہاتھ کے دھوون سے بنے ہیں۔ لیکن دیکھو کہ قصر سلیمن کا کہیں نشان نہیں۔ اور یہ دونوں (براقش اور معین) ابتک قائم ہیں۔

عبارت متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ شاہان یمن کی یہ عمارتیں دوسری صدی ہجری تک موجود تھیں۔ انمیں سے براقش کا ذکر تو آٹھویں صدی ہجری تک نہایت کثرت سے موجود ہے اور اس وقت تک یہ ایک آباد شہر تھا۔

(تاریخ یمن العقود الالؤلؤیہ)

عرب کے شعرائے قدیم بھی اسکے ذکر کو نہیں بھولے۔ فروہ بن مسیک کہتا ہے۔

احل بها جدی غطیف	معین الملك من بین ابینا
وملکنا براقش دون اعلی	وانعم اخوتی وبنی ابینا

علقمہ کا شعر ہے :۔

وقد اسوا براقش ومعینا اسوا	ببلقعة وبالسط انیق
وهلو من معین معین هلوا	لفرهم لدی الظهر العمیق

مالک ابن حریم الدلانی کا یہ شعر صرف ہمدانی نے لکھا ہے۔

وبجوا الجون ما دامت معین	باسفله مقابلة مرادا

یاقوت حموی نے یہ دو شعر صرف نقل کئے ہیں۔ قال الجعدی :۔

بنادی من براقش او معین	فاسمع فاتلاب بنا ملیع
تمسك بالشهر من براقش او	هیلان او بالعرمن العتم

ابو عظلم مراثی حمیری کہتا ہے :۔

براقش ومعین لمن عامرها   ومن اسباب مرها وهود وثانا   معجم ج ۲ ص ۸۰ مصر

ان اشعار سے اتنا معلوم ہوا کہ معین کی آبادی مقام جوف میں واقع تھی۔ دوسری صدی ہجری تک اسکے آثار باقی تھے کسی زمانہ میں یہ مستقل دارالحکومت تھا۔ براقش اس سے ایک قریب آبادی کا نام تھا۔ ان بیانات کے اصل واقعات کے ساتھ یہ اکتشافات البتہ تعجب انگیز معلوم ہوتے ہیں کہ ان محاضرات و عمارات کے بانی سلاطین حمیری کو بتلایا گیا ہے۔ حالانکہ اہل معین حمیریوں سے قدیم ہیں اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ مورخین عرب معین کی شخصیت کو جانتے تھے شخصیت کو۔ انکو جو کچھ علم تھا وہ اسیقدر کہ معین و براقش کو وہ اگلی اور مستحکم عمارات جانتے تھے علاوہ انکے بنانیوالوں کی حقیقت کو کیا بتلاتے یمن کی اصلی تاریخی واقفیت انکو جو تھی کہ سلاطین حمیریہ کے وقت سے شروع ہوتی اور اہل معین کے خاتمہ کیساتھ ہی سلسلہ حمیریہ کی ابتدا شروع ہوگئی۔ اسی بناپر عرب کے مورخین اور شعراء متقدمین نے شاہان حمیر کو ان عمارات کا بانی خیال کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب اگرچہ اہل معین کی قومیت اور اصلیت سے واقف نہ تھے۔ اور نہ اونکے ہونے کو وہ جانتے تھے۔ مگر یونانی۔ رومی۔ اور یہودی مولفین ہیں جو انکے وجود سے واقف تھے۔ اور جنہوں نے انکے وجود کو بتلایا اور ثابت بھی کیا ہے۔ ان کی اصلیت اور قومیت کو نہ بتلا سکے۔ مگر ایسا امر خاص ہے کہ تحقیق کنندہ ان کے مقامات سکونت کے نشان سے ان کی قومیت کو فوراً معلوم کرلیگا۔ اہل معین کی سکونت کے مقامات

جو تحقیقات جدید و نے بتلائے ہیں وہ بالکل عاد ثانیہ کے مسکن و متوطن پائے جاتے ہیں اسلئے یہ خیال کر لینا صحت سے قریب ہوگا کہ اہل معین اصلاً عاد ثانیہ اور فرعاً ثمود کی ایک شاخ تھے۔ جو اپنے مرکز الحجر اور وادی القریٰ سے اٹھکر علاقہ یمن میں چلے آئے تھے۔

جرمن فاضل گلاذر اور ہالوے نے کئی ہزار کتبات کے مطالعے سے اہل معین کی تمام سیاسی، مذہبی اور تجارتی حالتوں کا سراغ لگایا۔ اور علاقجات معین حضرموت، قتبان اور ریدان و سبا کی حکومتوں کی تاریخ۔ موقع وقوع۔ اسماے۔ ملوک۔ رسوم مذہبی طرز تمدن پر کافی روشنی ڈالی۔ پھر ان تمام بیانات کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ یمن کی ان تمام حکومتوں میں قدیم تر معین کی حکومت ہے۔

اہل معین کے زمانہ سلطنت قائم کرنے میں اختلاف ہے۔ مگر یہ اختلاف چنداں قابل لحاظ نہیں۔ جرمن مستشرقین ۱۴۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م تک انکا عہد حکومت بتلاتے ہیں۔ محققین فرانس اور انگلینڈ یقینی طور سے ۸۰۰ ق م سے انکا زمانہ شروع کرتے ہیں۔ مگر (Vo 1. P. 45 -Huart Tome)

مگر مولف برٹینکا طبع یازدہم نے اس اختلاف کو دور کر کے انکے زمانہ حکومت کو صحیح طور پر بتلا دیا ہے۔ ذیل میں اون کی انگریزی عبارت کا ترجمہ قلمبند ہے۔

> آخر زمانہ کے کتبات کو چھوڑ کر، زمانہ قدیم کے کتبوں میں کوئی سن یا تاریخ مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اور نیز اسلئے کہ کتبات کی تعداد کم ہے۔ علماء میں، زمانہ تاریخ عرب قدیم قبل از اسلام کی نسبت بہت اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتبات کی تاریخ ۱۰۰۰ ق م تک پہونچتی ہے بعض کا قول ہے کہ صرف ۱۲۰۰ ق م تک پہونچتی ہے۔ اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں کم از کم چار متمدن حکومتیں (۱) معین (۲) سبا (۳) قتبان (۴) حضرموت قائم تھیں۔

مصنفین انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (Encyclopedia Of Islam) معین کا زمانہ بظاہر اس سے بھی زیادہ قدیم قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

> اسقدر قدیم کہ ۳۰۰۰ (تین ہزار) ق م میں۔ قدیم بابل کے کتبوں میں ایک شاہ منیوم (جسکا پورا نام معنوم اور انوم ہے) کا ذکر کرتے ہیں، جو معان یا مشرقی عرب کا بادشاہ تھا۔ اس نظریہ کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے کہ معان، عربی لفظ معین کا سومری تلفظ ہے۔ اسلئے ابھی صدی سے (جسکی تاریخ نامعلوم ہے) جنوبی عربی حکومت معین یا معینان کی بنیاد پڑی ہیں جو شاید ابتدا میں تمام جنوبی عرب کو جسمیں قتبان اور حضرموت داخل ہے۔ اپنا خوش میں لیا تھا اور جس میں ایک اور چوبیس طبیع (یا ملوک)

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ طبع ۱۱ — انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

بھی شامل تھا جسکی نسبت بیان ہے کہ وہ عرب وسطی اور عرب شمال و مغربی کا نام تھا۔

ان معلومات پر دو ایک واقعات کا اور اضافہ کرنا چاہیئے۔ ہائیگیوس عرب جب سنہ [illegible] ق م میں مصر پر قابض تھے تو ان حکمران قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام معین بتلاتے ہیں، جو معین کی نہایت صاف شکل ہے نیز معین اور اشور کے کتبات باہم تعلقات و واقعات کو ظاہر کرتے ہیں، اشور کے کتبات میں جنکا زمانہ سنہ [illegible] ق م سے سنہ [illegible] ق م تک ہے۔ معین کا ذکر موجود ہے۔ ان وجوہ سے جیسا کہ فرنچ مورخ عرب۔ ہوارٹ (HUART) بتلاتا ہے۔ اوس سے زیادہ نیچے نہیں اوتر سکتے۔

بہرحال، یہ امر ہر طرح سے محقق ہو گیا کہ یمن کے حکمران سلسلہ میں اہل معین سب سے زیادہ قدیم ہیں اور ہر قرینہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اہل معین کا سلسلہ خاندان حمیر سے پہلے تھا۔ اب ہم ذیل میں یونانی مورخین کے اقتباسات سے انکے سیاسی، تمدنی اور تجارتی حالات قلمبند کرتے ہیں، یونان کا قدیم مورخ ارٹستھینس (ERATOSTHENES) جسکی تاریخ وفات ۱۹۶ قم میں ہے وہ قبائل یمن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

ملک عرب کے انتہائی اختتام پر سمندر کے کنارے پر اہل معین (MINAINIANS) رہتے ہیں جنکا خاص شہر قرن (KARNA) ہے۔ انکے بعد سبا آتے ہیں جنکا پایہ تخت مآرب ہے۔ آگے بڑھ کر بجانب مغرب خلیج عرب کے گوشہ پر اہل قتبان آباد ہیں جنکے بادشاہ تمنع میں رہتے ہیں۔ آخر انتہائے مشرق میں اہل حضرموت ہیں جنکا شہر صبا تا ہے۔ ان چاروں ممالک میں سے ہر ایک کی وسعت مصر زیریں (LOWER EGYPT) سے زیادہ ہے۔

ان ممالک میں ایام گرما میں بارش ہوتی ہے اور ندیاں بہتی ہیں جو میدانوں اور تالابوں میں گم ہو جاتی ہیں اسلئے زمین اسقدر زرخیز ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔ حضرموت سے ملک سبا تک ۴۰ روز کا راستہ ہے۔ سوداگر معین سے ایلانہ (عقبہ) تک ۷۰ دن میں جاتے ہیں۔ حضرموت۔ قتبان۔ سبا اور معین کے شہر دولتمند ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں (Dunker's Ancient Hist vol P. 310-11)

یمن کی قوموں میں معین سب سے زیادہ قدیم اور فروغ یافتہ تاجر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک قدیم جغرافیہ نویس انکے حال میں لکھتا ہے۔

معین سے نبطا اور فلسطین تک سڑک جاتی ہے۔ جہاں اہل قریہ اور اہل معین اور آس پاس کے تمام عرب بالائی ملک سے خوشبودار چیزوں کے بستے اور بخورات لاتے ہیں۔ GOLD MINES OF MEDIAIN P. 179

پلینی کے بیان کے مطابق انکی زمین کی خاص پیداوار چوہارے اور انگور تھے لیکن ان کی دولت کا اصلی سرچشمہ جانوروں کی تجارت تھی۔ (FOREOTER P. 224-26)

معین کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ اون سے ظاہر ہوتا ہے کہ معین کے تمام قلعے اور شہر ایک دائرے کی صورت میں واقع تھے یعنی خود ملک سبا کے قلب میں اوس شاہراہ کے دست راست پر جو عرب کے شمالی جانب واقع تھا۔ روایات عرب میں معین کے ساتھ ساتھ براقش کا ذکر ہوتا ہے۔ براقش کا محل وقوع معین کے مغربی جنوبی جانب اور موجودہ صنعاء کے قریب جو کوہستانی سلسلہ ہے۔ اسکے مغربی جانب تھا۔ براقش کا قدیم نام یثیل تھا۔ اہل معین کا تیسرا قلعہ یا شہر جو شاید یونانیوں کا بیان کردہ قرن یا قرنا ہو شمالی جوف کے وسط میں معین و براقش کے شمال میں تھا۔

اہل معین کے شمالی آثار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف تجارتی حکومت نہیں تھی۔ بلکہ جنگ و فتح میں حصہ لیتی تھی۔ شمالی معین کا ایک گورنر اپنے آقا کے بخیر و عافیت میدان جنگ سے واپس آنے پر ایک یادگار لوح پر لکھتا ہے۔

عشتار (دیوتا) کے شکرانہ میں اوس کی حفاظت پر۔ فرمانروائے جنوب اور فرمانروائے شمال کی باہمی جنگ میں اور مذی (میڈیا) اور مصر کی لڑائی میں۔ اور اوسکے بخیریت اپنے خاص شہر قرن واپس پہونچ جانے پر۔

اس کتبہ کا نویسندہ اپنے کو ابی یدع یثیع شاہ معین کا ماتحت ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنا لقب قسار اشور اور بالائی ساحل بحر کا حاکم بتاتا ہے۔ قسار کا ذکر مصری کتبات میں آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر و عرب کی سرحد پر جہاں اب سوئز ہے۔ قسار کوئی سرحدی قلعہ تھا۔ معین کو ایک دوسرے کتبہ سے حکام معین کا شہر غزہ پر بھی حکومت کرنا معلوم ہوتا ہے۔ شہر غزہ شام و فلسطین کے پاس اب تک موجود ہے۔ ان بیانات سے معلوم ہوا کہ معین کی حکومت یمن سے شروع ہو کر شام و مصر اور اشور (اسیریا) تک ممتد تھی۔

خاندان معین میں کتنے بادشاہ گذرے اور اونکے کیا نام تھے اسکا جواب نہ خود روایات عرب میں ہے اور نہ مورخین یونان کے بیانات میں۔ اسکے لئے دنیا کو صرف علماء آثار کا ممنون ہونا چاہیئے۔ انہوں نے معینی کتبات سے تقریباً ۲۵ بادشاہوں کے نام دریافت کئے ہیں جنمیں سے ۲۰ باہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں۔ ناموں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

ایل صادق	ابی یفیع یاثیع	ابی یفیع یاتوش	عمی یدع نابط	خالی کرب
وقع ایل یاثیع	ابی یدع یاثیع	ابی یفیع وقہ	ابی یفیع ریام	حفن یاثیع
ابی یفیع یاشر	وقہ ایل ریام	وقہ ایل صادق	ہوفو عثت	یثیع ایل ریام
حفنم ریام	حفنم صادق	ابی کرب یاثیع	ابی یدع	یثیع کرب
	ابی یدع	حفنم		

بنی لحیان کی حکومت

مئورخین عرب البادیہ کے رواۃ عرب بنی لحیان نام ایک قبیلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بنی لحیان کی نسبت وہ صرف اسقدر جانتے ہیں کہ یہ جرہم کی ایک شاخ تھی۔ ابن خلدون نے بھی اسیقدر لکھا ہے۔ آجکل شمالی عرب کے شہر العلا میں چند کتبات سبائی اور معینی قوموں کے پہلو بہ پہلو ملے ہیں جن سے نہ صرف بنی لحیان کا وجود ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمالی عرب میں حدود شام میں اور خصوصاً العلا کے اطراف میں آباد تھے۔ خط لحیانی جنوبی عرب کے خط معینی اور سبائی سے مشابہ ہے۔ بلکہ انہیں سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ۳ ص ۲۹)

علماء آثار بنو لحیان کی قوت سیاسی کا زمانہ شمالی عرب میں معین و سبا کے انحطاط (سنہ ۵۰۰ ق م) اور انباط کے ارتقاء (سنہ ۲۰۰ ق م) کے درمیان بتلاتے ہیں۔ بنی لحیان کا مسکن حکومت فارس و مصر کے درمیان واقع تھا۔ ہیروڈوٹس بیان کرتا ہے کہ یہ عرب ہر سال ہزاروں وزن تحائف شاہ فارس کو نذر دیتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۱ ص ۳۷۹) لیکن یہ نذر غلامی اور عبودیت کی حیثیت نہیں تھی۔ بلکہ دوستانہ ہدیہ تھا کیونکہ مورخ مذکور لکھتا ہے کہ ان عربوں کو (بنی لحیان کو) ابتک کوئی فتح نہ کر سکا۔ (ہیروڈوٹس باب ۳ فقرہ ۸)

۵۲۵ ق م میں قمبیز نام شاہ فارس نے جب مصر پر حملہ کرنا چاہا تو صحرائے سینا کا بے آب دشوار گذار میدان بغیر ان عربوں کی امانت کے قطع کرنا محال تھا۔ شاہ فارس نے ان عربوں کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ وہ اسکی مدد کریں اور اس ریگستان میں اسکی فوج کیلئے پانی کا انتظام کریں۔ شاہ عرب نے امداد کا وعدہ کیا اور پتھر سے انگلی پر مار کر خون نکالا جو مستحکم عہد کی عربوں میں خاص نشانی تھی۔ پھر اونٹوں کی کھالوں میں پانی بھر کر اس خشک ریگستان کو چشمہ پر آب بنا دیا۔

حصاروت یا حضرموت کی حکومت

عبری زبان میں "ض" نہیں ہے۔ اسلئے عبری میں اسکا تلفظ حصرموت یا حصاروت ہے۔ بزیادت الف کیا گیا ہے۔ حضرموت ابن قحطان کی اولاد نے جس قطعہ عرب کو اپنا مسکن بنایا وہ حضرموت کے نام سے آج تک مشہور ہے۔ حضرموت جزیرہ عرب کے ساحل یمن کے مشرق میں واقع ہے۔

حضرموت کی ایک مستقل حکومت تھی جسکا ذکر یونانیوں نے بھی کیا ہے مسلمان مورخین بھی اس دور حکومت سے واقف تھے عرب مورخین نے حضرموت کی کوئی مفصل تاریخ کہیں بیان نہیں کی ہے۔ لیکن اتنا انکو معلوم تھا کہ یمن کیطرح اس خاندان میں بھی متعدد جلیل القدر بادشاہ گذرے ہیں۔ انکا لقب علی ھل ہوتا

تھا مورخین عرب کا بیان ہے "کان فیھم ملوک تقارب ملوک التبابعة فی علو الصیت ونباھة الآثار" شاہان حضر موت شہرت اور ناموری میں ملوک تبابعۂ یمن کے ہم درجہ تھے۔ ابن خلدون نے تاریخ میں انکے بعض بادشاہوں کا ذکر کیا ہے نشوان بن سعید حمیری نے بھی انکا نام لیا ہے۔

وعیاھل من حضرموت من بنی ابجاد ذی الاشباء وآل صباح والعز من بجدان وابناءہ وبنی شبیب والاولی بناع وبنی ابھیل وآل فھد منھم من کل حتی سالندی ستاھم

فرزندان حضر موت زیادہ تر لڑائیوں میں مارے گئے۔ برباد ہوگئے اور جو بچے اونھوں نے اپنے آپ کو قبیلۂ کندہ میں منضم کر دیا۔ ابن خلدون کی عبارت ہے۔

قد ذھب اکثرھم واندرج باقیھم فی کندة وصاروا فی اعدادھم　　ابن خلدون

اکثر لوگ فنا ہوگئے۔ جو بچے وہ قبیلۂ کندہ میں مخلوط ہوگئے اور اونکا شمار انھیں میں ہوگیا۔

بنی حضر موت چونکہ بحر عرب کے ساحل پر آباد تھے جو تقریباً بالکل ہندوستان کے سامنے ہے۔ اس لئے ہندوستان کی بحری تجارت کے یہ خصوصاً قدیم سے مالک تھے۔ ہندوستان کا تمام بیوپار انھیں کے توسط سے انجام پاتا تھا۔ جہاز رانی میں انکو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ اسلام کے بعد انکی یہ قوت اور زیادہ ہوکر چمکی جزائر ہند جاوا سماٹرا اور تمام سواحل ہند میں انکی نوآبادیاں قائم ہیں۔ دکن کی ریاست حیدرآباد کی فوجی طاقت میں اور مرہٹوں کے زمانہ تک اونکے عنصر کا ایک جزو ثابت ہوتا ہے ان سواحل و جزائر میں اشاعت اسلام کی خدمت بھی انہیں حضرموتی عربوں کے ہاتھوں سے انجام پائی ہے۔

حضر موت اون خوش نصیب عربی قبائل میں ہے جنکا نام توراۃ میں مذکور ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ خوش نصیبی نام کی حیثیت سے صرف ایک ہی بار نصیب ہوئی ہے یعنی قحطان کے بیٹوں کے سلسلہ میں حضر موت کا نام بھی توراۃ میں داخل ہے لیکن حضر موت کے بندرگاہ قانہ یا قانع کا نام تجارت کی مناسبت سے مذکور ہے کتاب حزقیال ۲۷ - ۲۳ میں ہے۔ "حاران۔ قانہ اور عدن سبا کے تاجر تیرے بیوپاری تھے"

یونان نے بھی اسی بحری تجارت اور ہندوستانی بیوپار کے تعلق سے انکا ذکر کیا ہے اراتوستھنیس ERATOSTHENES المتوفی ۱۹۶ ق م بیان کرتا ہے کہ یمن کے آخر میں مشرق کی طرف حضر موت (CHATRAMITES) ہے اسکے دارالحکومت کا نام سبا SABBATHA ہے۔ سبا کا اصلی تلفظ شبوہ ہے جو ابتک حضر موت میں ایک آبادی کا نام ہے۔ پیریپلس کا مصنف اسکو [illegible] لکھتا ہے حضر موت زیادہ تر خوشبو پیدا کرتا ہے لیکن ہر قسم کے میوے بھی وہاں وافر اور جانور بڑی کثرت سے ہوتے ہیں

حضرموت سے سبا کا ملک ۴۰ دن کی مسافت پر ہے۔ حضرموت اور شبا نہایت دولتمند شہر ہیں اور مذہبی اور شاہی عمارات سے آراستہ ہیں۔

پلینی (سنہ ۶۹ء) کہتا ہے۔ سبا کے ایک حصہ کا نام حضرموت ہے جسکا خاص شہر شباتھا (شبوہ) ہے۔ اس شہر میں ۶۰ ہیکل (معبد) ہیں۔ یہاں سے بخورات جمع کرکے سباتھا لائے جاتے ہیں۔ اور اسوقت تک یہ خریدے نہیں جا سکتے اور نہ کوئی غیر ملکی ان کو لے جا سکتا ہے جبتک کاہن سباتھا کے دیوتا کیلئے ایک عشر (دسواں حصہ) اوسے نکال نہیں لیتا (Dunker's Hist of Antiquity vol 1 pp 310,311 313

ایک یونانی مورخ لکھتا ہے کہ حضرموت میں بادشاہ وراثتاً نہیں ہوتا۔ بلکہ شرفائے ملک کے گھر میں بادشاہ کے انتخاب کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے وہی ولی عہد ہوتا ہے۔

حضرموت کے آثار کی تحقیق بہت کم ہوئی ہے سنہ ۱۹۱۳ء تک جو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول کے طبع کی تاریخ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرموت کے پایۂ تخت شبوہ میں سیکڑوں کتبات ایسے موجود تھے جو پڑھے نہیں گئے تھے۔ تاہم جو آثار دریافت ہو چکے ہیں اون سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرموت کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے معین کے ساتھ تھا۔ بلکہ حضرموت کا خاندان معین کے ساتھ تعلقات نسبتی بھی رکھتا تھا۔ اور قانہ کا بندرگاہ اور ملک کا ایک ٹکڑا ایک عرصہ تک اوسکے ماتحت تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد حضرموت کا نام سبا کی ماتحتی میں نظر آتا ہے۔ (Hist de la Arabie Tome vol P 49)

سبا کا زمانہ سنہ ۹۰۰ یا سنہ ۱۱۵ ق م تک مفروض ہے۔ اس دور میں بھی حضرموت کی حکومت کا ذکر جنگ و صلح کے تعلق سے آتا ہے۔ شاہان سبا کے خطاب شاہی کیساتھ "شاہ حضرموت" کا لقب بھی نظر آتا ہے۔ سواحل یمن کے دوسری جانب ملک حبش ہے۔ اہل حبش بھی اصل میں سامی عرب تھے۔ انہوں نے اپنی نوآبادی قدیم زمانہ میں اپنے وطن کے دوسرے مقابل جانب میں قائم کی تھی۔ اسی زمانہ میں رفتہ رفتہ وہ بھی سواحل حضرموت پر واپس آرہے تھے۔ تقریباً سنہ ۳۰۰ء میں بالآخر حضرموت پر اونھوں نے استیلا حاصل کر لیا۔ (Encye Bri vol II P. 264

حضرموت کے بادشاہوں کے نام جو کتبات و نقوش میں پڑھے گئے ہیں۔ اونمیں سے ہمکو صرف دو معلوم ہیں صدوق ایل اور معدی کرب۔ صدوق ایل کا پوتا تھا۔ اور معین کے بادشاہ ابی یدع یاثع کا چچا اور ہمعصر

سنہ ۱۰ھ میں حجاز و نجد کے معاملات سے فارغ ہوکر آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ، معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ الاشعری کو جو اصل میں یمنی تھے۔ دعوت اسلام کی غرض سے یمن میں بھیجا۔ ایک ہی سال

کے اندر تمام ملک مسلمان تھا۔ اسی سال زیاد ابن ولید خزرجی یہاں عامل مقرر ہو کر آ گئے۔ عہد اسلام میں حضرموت کا آخری بادشاہ ہو لا وائل بن حجر تھا حضرموت کی زبان حجاز کی زبان سے مختلف تھی شاہان عالم کے سلسلہ میں وائل کو عربی میں جو خط لکھا گیا تھا۔ وہ حضرموتی الفاظ کی آمیزش کے ساتھ تھا۔ نامہ ترجمہ میں یہ تھا[1]

[1] صاحب ارض القرآن نے دعوت اسلام فی الیمن کی تفصیل بطور اجمال لکھدی ہے۔ جو مناسبت مقامی کی وجہ سے کسی قدر نظر انداز بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر بہ لحاظ آیت مجملہ عام اطلاع کے لئے اکثر اوقات غلط فہمی اور فسادات کثیرہ پیدا کر دیتی ہے۔ اسلئے اس اجمال کی کسی قدر تفصیل کر دینی واقفیت عامہ کی صحت کے لئے مناسب و ضروری ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خدمات دعوت اسلام فی الیمن کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ آپ کی عبارت سے معاذ ابن جبل اور ابو موسیٰ الاشعری کی مشارکت کیساتھ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ گویا یہ تینوں بزرگوار علاقہ یمن میں ایک وقت ایک جا اور بیک جماعت بھیجے گئے تھے۔ حالانکہ ایسا بیان واقعات کا صریح مخالف ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا تعین خاص علاقہ ہمدان کی ہدایت کیلئے سنہ ۱۰ھ (حجۃ الوداع) میں ہوا تھا۔ آپ کی ماتحتی میں مہاجر و انصار کی ایک معتد بہ جماعت البتہ ہمراہ تھی۔ اسی واقعہ کے متعلق بریدہ صحابی کے وہ غلط فہمی اور بدگمانی جو خالد ابن ولید کی ذہانت اور اشتعال طبعی کا نمونہ تھی۔ اور جو بالآخر عتاب نبوی کا باعث ہوئی اور بریدہ عمر بھر اپنی اس نادانی پر پشیمان رہے پیش آئی۔ یہ خدمات حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صرف اعجاز بیانی و حسن زبانی سے جس خوبی اور خوشاسلوبی کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔ اُسکی تصدیق و توثیق کیلئے۔ ترجمان قدرت اور زبان رسالت کے کلمات۔ اسلام علی الہمدان السلام علی الہمدان (بمراۃ ثلاثہ) کافی ہیں۔ اسکے بعد دربار نبوت سے۔ انہیں خدمات کے صلہ میں اقضاکم علیؑ کا خطاب گرانمایہ عطا فرمایا گیا کما لا یخفی علی اصحاب التحقیق۔ واقعات کے خلاف تو یہ بیان یوں ظاہر کرتا ہے۔ اور اصل امر کی تفہیم میں باعث فساد اسطرح ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کا منافی ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے کہ آپ کے تمام اسلامی خدمات بلا مشارکت احدے و بلا مداخلت غیرے تمام آثار معتبر اور اخبار مستند و متواتر سے ثابت ہوتے ہیں۔ قبول اسلام سے لیکر دفن رسول صلعم تک آپ کی خدمات کی شان بالکل تنہا ہے۔ کسی دعوت کسی سراپہ میں آپکو کسی افسر اسلامی کی تبعیت یا مشارکت کی تکلیف نہیں دی گئی نزول سورۂ توبہ کے موقع پر احکام عشرہ کی تبلیغ کے لئے۔ بذریعہ وحی تاکیداً مقرر کیا جانا۔ اسکا کافی ثبوت ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مشرکین مکہ کے اتنے بڑے کثیر مجمع میں اسلام کی تبلیغ دعوت اس سے بڑھ کر اور کون ہو سکتی ہے۔ یہ تو دعوت تبلیغی کی مثال ہوئی سرایا و جنگی خدمات کی نسبت ذو العشیرہ سے لیکر جیش اسامہ کے آخر واقعہ تک جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی تبعیت اور ماتحتی کسی سریہ میں کسی تاریخ و مغازی کی کتاب سے ثابت نہیں ہوتی۔ آپ کے محاسن خدمات کی یہ ندرت صاف صاف ثابت کر رہی ہے کہ قدرت نے یہ خصوصیت آپ کی ذات میں خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی۔ پھر ایسی تخصیص کو ضرورتاً یا غیر ضرورتاً مشارکت کے غیر واقع اور بیجا مداخلت کے ساتھ تعمیم کی صورت میں ظاہر کرنا نہ صرف اوس تخصیص کے شرف خاص کا تخفیف کرنا ہے بلکہ اس واقعہ کی حقیقت کو اوسمیں تحریف کرنا ہے جو نہ اطلاع کے لئے مفید ہو سکتی ہے اور نہ اہل تحقیق کو کوئی نفع پہنچا سکتی ہے۔ فافہم وتدبر۔

المؤلف الاحقر سید اولاد حیدر بلگرامی

من محمد رسول اللہ الی الاقیال العباھلۃ والارواع المشابیب ... فی التیعۃ
لا مقورۃ الالباط ولا ضناک وانطوا الثبجۃ وفی السیوب الخمس ومن زنا مم
بکر فاصقعوا مائۃ واستوفضوہ عاما ومن زنا مم ثیب فضرجوہ بالاضامیم
ولا توصیم ...... فی الدین۔

سبا کی حکومت

اقوام قحطانیہ کی سب سے مشہور ترین شاخ سبا ہے۔ ایک طرف روایات عرب، حکایات یونان اور آثار قدیمہ ہیں۔ دوسری طرف قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل ہیں اسکی شہرت و رفعت کی داستانیں اور واقعات موجود ہیں۔ تاہم۔ توراۃ میں سبا ایک جد قبیلہ کا علم ہے۔ بروایت عرب اسکے جد قبیلہ کا نام عمر یا عبد الشمس اور لقب سبا تھا محققین جدید بھی زیادہ تر اسکو لقب خیال کرتے ہیں۔ لغویین عرب کی رائے ہے کہ یہ "سبی" سے مشتق ہے جس کے معنی غلام بنا لینے کے ہیں۔ چونکہ عبد الشمس بہت بڑا فاتح تھا۔ اور اس نے بہت سے لوگوں کو گرفتار کرکے غلام بنایا اسلئے اوسکا لقب سبا قرار پایا۔

تحقیق جدید یہ ہے کہ سبی اور سبا۔ اس معنی سے ماخوذ ہے جسکا مفہوم تجارت ہے۔ کتبات میں عموماً سبا کا لفظ تجارتی سفر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عربی زبان میں بھی ایک "شراب کی تجارت اور خرید و فروخت اور اسکے لئے سفر" کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سبا چونکہ تاجر قوم تھی۔ اسلئے اس لقب سے مشہور ہوئی ہے[1] (Encyclo Brita Vol 23 P 955)

---

[1] سبا کی وجہ تسمیہ میں فاضل معاصر نے دو قول تحریر فرمائے ہیں۔ ایک لغویین عرب کا۔ دوسرا علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ کا۔ عربی کے علمائے لغت کا جو قول اور مختار نقل فرمایا گیا ہے۔ وہ علمائے آثار یعنی مستشرقین یورپ کے بیانات اور قیاسات سے زیادہ قریب الفہم اور آسان ہے۔ مگر ہمارے فاضل معاصر نے مستشرقین یورپ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ ہمارے لائق محقق کو فیصلہ سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ جانبین نے لفظ عربی کے مادی معنوں سے کام لیا ہے۔ مگر عرب نے لفظ کے اصلی اور پہلے معنی سے مطابقت کی ہے اور اسکی مطابقت سبا کے فتحمندانہ واقعات سے بالکل مناسبت رکھتی ہے۔ اسکے خلاف مستشرقین یورپ نے اس لفظ کے معنی مجازاً اور درجہ دوم کے معنوں سے کام لیا ہے جس کے مجازی اور اصطلاحی معنی شراب کی تجارت اور اسکی ضرورت سفر کے عربی لغت سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ معنی بھی درجہ دوم لغت عرب میں پائے جاتے بھی ہوں تاہم واقعات سے متعلق تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر سبا کو تجارت پیشہ سمجھ بھی لیا جاوے۔ تو شراب کی اصلی اور خاص تجارت کے مفہوم کہاں سے

زمانہ حکومت

سبا کا زمانہ عروج کب سے شروع ہوتا ہے؟ روایات عرب میں براہ راست اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن تمام مورخین اور اہل نسب نے عبدالشمس سبا کو قحطان کا پوتا بتلایا ہے۔ ان کی حکومت کا زمانہ ۴۸۴ برس بتلاتے ہیں۔ (مسعودی ج ۱ ص ۱۹۳ مصر)

اسکے بعد اوسکا جانشین۔ اون کی تصریح کے مطابق حمیر ہوتا ہے۔ بقاعدۂ عام عبد شمس سے اگر عبدالشمس کا خاندان مراد لیا جاوے تو قحطان کی تیسری پشت ہے۔ جو کم از کم ۲۵۰۰ ق م میں ہوگی۔ اس کا زمانہ شروع ہوکر ۴۸۰ برس کے بعد ۲۰۰۰ برس کے پس و پیش میں ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سبا اور حضرت سلیمان (۹۵۰ ق م) کی معاصرت قرآن مجید، اسفار یہود اور انجیل سے، اسکے ایکہزار برس کے بعد بھی ثابت ہے۔

اسفار یہود میں سبا کا حکومت کی حیثیت سے ذکر سب سے پہلے حضرت داؤد کی زبور (۷۲ - ۱۰) میں نظر آتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ ق م سے پہلے عہد عروج شروع ہو چکا تھا۔ اسیریا کے کتبات میں ۷۱۵ ق م میں اسکا (سبا کا) ایک بادشاہ اسیریا کو خراج دیتا ہے اور یہ سبا کی ترقی کا آخری زمانہ ہے آخر میں ولادت مسیح کے پس و پیش یونانی تاریخوں میں بھی اسکا ذکر ہے۔ اس سے سبا کا آخری زمانہ ظاہر ہوتا ہے۔ کتبات میں اور حضرت داؤد کی زبور کے اشارے جس کی تدوین کا زمانہ دسویں صدی کا وسط ہے۔ سبا کے عروج کا زمانہ ۱۱۰۰ ق م سے کسی حال میں کم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

دائرہ یا رقبہ حکومت

سبا کا اصلی مرکز حکومت جنوبی عرب میں یمن کا مشرقی حصہ تھا۔ اسکا دار الحکومت شہر مآرب تھا لیکن رفتہ رفتہ اسکا دائرہ مغرب میں حضرموت تک وسیع ہو گیا تھا اور چونکہ یہ ایک تاجر قوم تھی اسلیے بہت سے بحری اور تجارتی (بری) راستوں پر بھی اسکو قبضہ کرنا پڑتا تھا۔ اسی سلسلہ میں شمالی عرب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سید اسکے جائیں گے۔ کتبات کی عبارت۔ واقعات کی صورت، تاریخ و سیر کی نقل و تحریر سے سبا اور اہل سبا کی تجارت شراب کی تو کوئی خصوصیت نہ مستشرقین یورپ ہی نے بتلائی نہ آپ ہی نے درج فرمائی تو پھر ایسی حالت میں آپ کے اس دعوے بلا دلیل کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ اور اس بنا پر مستشرقین یورپ کی وہ تصریحات صرف اونکی قیاسی اور غلط فہمی سمجھی جائیگی۔ اور لغویین عرب کی بتلائی ہوئی آسان اور قریب الفہم وجہ تسمیہ کے مقابلہ میں آپ کے مصطلحات غیر مروجہ کو جاہ کندن و کاہ برآوردن سے زیادہ وقعت نہیں دیجائیگی۔ المولف۔ سید اولاد حیدر عفی عنہ

پر سبا کی حکومت نظر آتی ہے اور افریقہ میں بھی اسکے آثار ملتے ہیں۔ حبشہ میں اذینہ کا ضلع سبا کے ماتحت تھا۔ اس ضلع پر معافر کے لقب سے ایک گورنر حکومت کرتا تھا۔ (Encyelo Brit V0 23 P. 955)

یمن سے براہ حجاز شام تک جو قدیم تجارتی راستہ تھا۔ یہ بھی سبا کے قبضہ میں اوسوقت نظر آتا ہے اور اوسپر جا بجا ان کی نو آبادیاں قایم معلوم ہوتی ہیں۔ غالباً ان مقامات پر سبا کا قبضہ و استیلا نویں یا آٹھویں صدی میں اہل معین کی مفتوحی کے بعد ہوا ہوگا۔ اسیریا کے بادشاہ سرجون کے ایک کتبہ میں جو سنہ ۷۱۵ ق م کا ہے شمالی عرب کے چند قبائل کا ذکر ہے۔ انمیں ایک کا نام شمر سبائی ہے یہ سرجون کو خراج دیتا ہے (Encyclo Brit) سرجون کا یمن تک جانا آثار سے ثابت نہیں۔ اسلئے لامحالہ خود سبا کا گذر وہاں تک ہوا ہوگا۔ اس واقعہ سے سبا کی حکومت کا رقبہ شمالی عرب میں عراق تک ثابت ہوتا ہے اور سبا کی حکومت کا ان اطراف میں بھی سراغ ملتا ہے۔ (سفر ایوب ۱-۱۵ میں ہے کہ سبا نے اور اہل سیریا نے حضرت ایوب کے غلام اور جانور لوٹ لئے۔ پھر صحیفہ ایوب ۶-۱۹ میں ہے کہ سبا کے ساتھی تیما کے سواروں کا انتظار کرتے ہیں) تیما شام کے پاس شمالی عرب میں ایک شہر ہے۔ اس آیت سے سبا اور شام کے تعلقات ظاہر ہوتے ہیں۔ دیگر اسفار یہود میں بھی سبا کا بکثرت ذکر موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک شام فلسطین اور مدائن کے آس پاس بھی انکی نو آبادیاں تھیں۔

سبا اور اسکی شاخوں میں امتیاز

تمام عرب مورخین نے حمیر کو سبا کا بلاواسطہ جانشین فرض کیا ہے اور اون تمام ملوک یمن کو جو اس سلسلہ میں اول سے آخر تک گذرے ہیں اون کو حمیر بن سبا اور ملوک حمیر بن سبا سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مستقلاً خاص سبا کے نام سے کسی زمانہ میں بھی اونکے اصول کے مطابق کوئی حکومت نہ تھی۔ لیکن یہ تصریح قرآن کے بالکل مخالف ہے۔ اوس نے حمیر کے بجائے حکومت سبا کا صاف اور صریح نام لیا ہے۔ اور تمام عبرانی، یونانی اور اثری شہادات قرآن کے ساتھ ہیں۔ عبرانی صحائف جنکا زمانہ آخر سنہ ۱۰۰ ق م ہے، حکومت یمن کا ہمیشہ سبا کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یونانی مورخین نے سنہ ۲۰۰ ق م سے پہلے حمیر کا نام نہیں لیا ہے۔ آثار میں سنہ ۱۱۵ ق م کے بعد خاندان حمیر کا وجود نظر آتا ہے۔

مورخین عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر ابن سبا تک جتنے آبائی نسب تھے اون سب کو بادشاہ قرار دیکر وہیں سے حمیری حکومت قائم کر دی۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک فرزند قبیلہ جو اتفاق سے ایک سلطنت کا بانی ہو جائے اوس سے لیکر مورث قبیلہ تک اوس کی سلطنت مسلسل ہو۔ ابو العباس السفاح عباسی حکومت کا بانی تھا لیکن اس خاندان کے پدر اول حضرت عباس اس سے

پانچ چھ پشت پہلے ہیں۔ اس بنا پر نسب عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے بیشک کیجائے گی لیکن ظاہر ہے کہ حکومت عباسی کی ابتدا حضرت عباس سے نہیں بلکہ السفاح سے کیجائے گی۔ اسیطرح نسب حمیری کی ابتدا سبا ابن حمیر سے ہوئی لیکن حکومت حمیری اسکے سیکڑوں برس بعد قایم ہوئی، اور نسب خاندانی کے لحاظ سے صحیح طور پر اسکو حمیری کہا گیا۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ حمیر ابن سبا نے خود اسکی بنیاد بھی ڈالی۔ معاویہ اور اسکے جانشینوں کی حکومت کا نام اموی ہے لیکن کیا اسکا مفہوم یہ ہے کہ خود امیہ اسکا بانی تھا۔

سبا کو چھوڑ کر سبا کی متفرق شاخوں میں جو بادشاہ گذرے ہیں اون کے نام و تعداد و حالات کسیقدر زیادہ روشن ہیں۔ اون کی بنا پر ان کا زمانہ ۶ یا ۷ سو سے زیادہ نہیں جیسا کہ تاریخ حمزۂ اصفہانی کی تاریخ میں ایام ملوک آل غسان اور ملوک مناذرہ کے ازمنہ کے جمع کرنے اور حمیر کے زمانوں کی تعدیل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی انتہائی حد معلوم ہے یعنی تقریباً سنہ ۶۱۰ء سوہی جو ظہور اسلام کا زمانہ ہے، اس حساب سے انکا زمانہ تفرق سنہ ۱۱۵ ق م یا علی العموم پہلی صدی ق م ہونا چاہیئے اور یہ وہی زمانہ ہے جسکو گلازر وغیرہ نے ابتدا سے حمیر اور انتہا سے سبا کے لیے ازروئے آثار مقرر کیا ہے۔ اسلئے اس زمانہ تفرق اور تفرع سے پہلے فرزندان سبا کا جو مشترک زمانہ تھا حکومت سبا سے وہی عہد مراد ہے۔

فرمانروایان سبا

حکومت سبا کا نام تحریری حیثیت سے سب سے پہلے سنہ ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داود کے عہد میں نظر آتا ہے اس زمانہ بعید العہد میں بھی سبا کی دولت و حشمت ہمسایہ بادشاہوں کی نگاہ میں قابل رشک تھی حضرت داود زبور میں کہتے ہیں۔

"الٰہی اپنے بادشاہ کو اپنا فیصلہ عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو راستی ...... شبا اور سبا کے بادشاہ اوس کو نذریں دینگے اور سبا کا سونا اوسکو پیش کیا جائیگا"

بادشاہ داود کی دعا قبول ہوئی۔ اور بادشاہ کے بیٹے سلیمان کی بارگاہ میں سبا کے بادشاہ نے نذر دی اور سبا کا سونا اسے پیش کیا سنہ ۹۵۰ ق م میں جو تقریباً حضرت سلیمان کا عہد ہے ازروے قرآن و توراۃ سبا پر ایک عورت حکمران تھی، رواۃ عرب اس عورت کا نام بلقیس بتاتے ہیں لیکن بلقیس کا جو زمانہ وہ قرار دیتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے مفصل بحث آگے آئیگی۔

سرجون یا شرغون شاہ اسیریا کے عہد میں جس کا زمانہ سنہ ۷۲۱ ق م سے سنہ ۷۰۵ ق م ہے ملک سبا پر شعیر نام بادشاہ تھا۔ سرجون نے اپنے ایک یادگاری کتبہ پر لکھا ہے کہ اوسکو...... ثمود...... شمسیہ ملکہ عربیا (عربیہ) اور شعیر سبائی نے خراج دیا (Roger's Hist of Bible vol II 164) یہ شعیر وہی ہے جیسا کہ اوپر بیان

ہو چکا ہے کہ سرجون یمن تک نہیں پہونچا۔ اسلئے یہ ظاہر ہے کہ خود سبا حدود اسیریا تک پہونچ گئے تھے۔ اسکی تائید سفر الو تُبگ سے بھی ہوتی ہے جسمیں کلدان اسیریا اور سبا کو باہم متحداً حدود شمالی عرب میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ شمر سبا کی متعدد بادشاہوں کے نام ہیں۔ انہیں میں سے ایک وہ شمر بھی ہے جس نے دارالحکومت مآرب میں سدّ عرم کی بنیاد ڈالی۔

عرب مورخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اسلئے سلسلہ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ حمیر کے اونھوں نے دو ٹکڑے کئے ہیں۔ ملوک حمیر اور تبابعہ حمیر۔ ملوک وہ ہیں جو صرف ملک یمن میں حکمراں تھے۔ تبابعہ وہ ہیں جنکے ماتحت یمن و حضرموت دونوں تھے۔ انکی تحقیق کی مطابقت سے سب سے پہلا تبع۔ حارث الرائش ہے۔ ملوک حمیر کی تعداد انکے ہاں بہت کم ہے۔ بلکہ بعضوں نے تو اس طبقہ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ وہ حمیر بن سبا کے بعد فوراً بلا واسطہ یا چند واسطہ حارث الرائش کا نام لیتے ہیں۔ حالانکہ حمیر اور رائش کے درمیان کم از کم ہزار برس کا فصل ہے جسکی خبر بھی صرف مخصوص مورخین نے لی ہے۔ لیکن وہ باہم اسقدر مختلف ہیں کہ نتیجتاً اُن سب کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ اس بے اعتباری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بجز چند ناموں کے اُنمیں سے کوئی نام سبائی اسما کے طرز کا نہیں ہے حالانکہ ناموں کے اسلوب و طرز کو قومیت کی تعیین میں بہت بڑا دخل ہے۔ بہرحال مثالاً چند نام مختلف روایات مستندہ سے یہ درمیانی نام پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر	نشوان ابن سعید حمیری	قلقشندی	ابو الفدا	ابن خلدون	مسعودی
۱	سبا	سبا	سبا	سبا	سبا
۲	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر	حمیر
۳	الہمیسع	الہمیسع	وائل	وائل	کہلان
۴	ایمن	ایمن	السکسک	السکسک	ابو مالک
۵	زہیر	زہیر	یعفر	یعفر	جبار ابن غالب
۶	عریب	عریب	ذو ریاش	نعمان	حارث الرائش
۷	الغوث	قطن	نعمان	ذو ریاش	
۸	وائل	الغوث	اشمح	اشمح	
۹	عبد شمس	وائل	شداد	حارث الرائش	
۱۰	زہیر المتشوار	عبد شمس	لقمان		
۱۱	عمرو ذو قیدم	زید جمہور الاصغر	ذو سدد		
۱۲	ذو انس	شداد	الحارث الرائش		
۱۳	ہمال	الحارث الرائش			
۱۴	الملطاط				
۱۵	القاہیر				
۱۶	سدد				
۱۷	الحارث الرائش				

غالباً اسی اختلاف کیوجہ سے حمزہ اصفہانی نے حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کے نام چھوڑ دیئے اور مجملاً لکھا ہے کہ حمیر بن سبا انتہائی عمر کو پہونچکر مرگیا اوس کی نسل اسکے بعد وراثتاً حکومت کرتی رہی اور انکے خاندان سے نکل کر یمن کی مملکت دوسروں کو نہیں ملی یہانتک کہ صدیاں گذر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی۔ یہ پہلا تبع ہے۔ حارث سے پہلے حکومت یمن اور حضر موت دو گروہوں پر منقسم تھی۔ کل اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے۔ لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اسپر متفق ہو گئے۔ اور اسکے تابع بنے۔ اسلئے نام اسکا تبع پڑا۔ حارث الرائش اور حمیر ابن سبا کے درمیان پندرہ پشتیں ہوئیں۔ حمزہ اصفہانی کلکتہ ص ۱۸۸۔

اس عبارت میں آخری فقرے کے علاوہ اور سب فقرے نہایت غلط اور ناقابل قبول باتیں ہیں۔ ملوک حمیر بن سبا کی ابتدا کم از کم ۱۰۰۰ ق م سے یعنی زمانہ داود سے ہو تو تبابعہ حمیر کے پہلے ملوک حمیر یا سبا کیلئے ۹۰۰ برس رہتے ہیں۔ اگر ایک ایک بادشاہ کا اوسط زمانہ ۲۵ برس بھی فرض کیا جائے تو کم از کم اس عرصہ میں ۳۶ پشتیں ہوں گی۔ اسلئے حمیر بن سبا کے معنی صرف یہ لینے چاہئیں کہ حمیر جو سبا کی اولاد در اولاد میں تھا اور جو تقریباً ۱۱۵ ق م میں دولت حمیریہ کا بانی ہوا۔ اس حمیر اور حارث الرائش کے درمیان ۱۵ پشتیں ہونا ممکن ہے۔

بہرحال رواۃ عرب نے تبابعہ حمیر سے پہلے کے جو نام ملوک حمیر کے نام سے بتائے ہیں وہ بہت کچھ محتاج تصحیح و تنقید ہیں۔ آثار و کتبات نے یونان و رومان کی مدد سے تاریخ یمن کا جو حصہ روشن کیا ہے اوس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت اشارۂ قرآن کے مطابق حکومت یمن کے دو مستقل دور۔ دو مستقل ناموں سے ہیں۔ سبا اور حمیر۔ سبا کی انتہا معلوم و متفق ہے کہ وہ ۱۱۵ ق م ہے (Encyclo Brit II P. 254) اور یہی سال حمیر کی ابتدا کا ہے۔ سبا کی ابتدا ہم نے بوجوہ سابقۃ الذکر (سبا کا زمانہ) ۱۲۰۰ ق م سے شروع کی ہے اس بنا پر حمیر سے پہلے حقیقی سبا کی تاریخ ۱۰۸۵ برس پر مشتمل ہوگی جس میں کم از کم ۵۰ یا ۴۵ بادشاہوں کی پشتیں گذرنی چاہئیں۔

مکارب سبا

باعتبار کتبات دور سبا کے دو طبقے نظر آتے ہیں۔ پہلے طبقہ میں شاہان سبا کا لقب مکارب سبا لکھا ہے اسوقت انکا مرکزی شہر یا قلعہ صرواح تھا۔ مکارب دو لفظوں سے مرکب معلوم ہوتا ہے "مکا" اور "رب" ہے مکا کے معنی "مذہبی" کے ہیں۔ اور "رب" کے معنی بڑے اور بادشاہ کے ہیں۔ اسلئے مکارب کے معنی "مذہبی بادشاہ" یا کاہن بادشاہ کے ہیں۔ الغرض مکارب سبا حکومت سبا کے ابتدائی کاہن بادشاہوں کا لقب تھا۔ صرواح جو ان کاہن بادشاہوں کا دار السلطنت تھا اسکے آثار ابتک مارب اور صنعا کے درمیان میں باقی ہیں۔ صرواح سے عرب بھی واقف تھے عمر بن نعمان بن سعد بن خولان کہتا ہے۔

ابونا الذی کانت بصرواح دارہ　|　وفی جبلی نعمان عز تمکنا

ہمارا باپ تھا جس کا مسکن صرواح تھا　|　اور نعمان کے دو پہاڑوں میں اعزت متمکن ہوئی

علقمہ۔ جاہلیت کے زمانہ کا شاعر کہتا ہے۔

من یامن الحدثان بعد　|　ملوک صرواح و مارب

صرواح اور مآرب کے بادشاہ ہونیکے بعد　|　اب کون سی حوادث سے محفوظ رہ سکتا ہے

ابو علکم حمدانی۔ قصور یمن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

براقش و معین نحن عامرہا　|　ونحن ارباب صرواح و ریدانا

براقش اور معین کے آباد کرنیوالے ہم ہیں　|　اور ہم ہی مالک (رب) صرواح اور ریدان کے

مکارب سبا کے نام

مکارب سبا کے جو نام کتبات کے ذریعہ سے اسوقت تک دریافت ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں سوائے آخر نام کے ہر ایک کو دوسرے سے نسبی تعلق ہے۔ انکی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگی مگر افسوس ہے کہ تاریخ و سیر کے علاوہ کتبات کی پتھر والی لکیریں بھی انکی یاد قائم نہ رکھ سکیں اور صورتِ دیوار خاموش رہ گئیں۔ انکا عروج سلطنت سنہ [illegible] قبل مسیح سمجھنا چاہیئے۔ مکارب سبا کے نام یہ ہیں۔ الفاظ کے فصل کیلئے نقطہ اصل سبائی خط مندرجہ کتبات کے مطابق ہیں۔ملہ

۱ ذمر علی۔ مکارب۔ سبا
۲ کرب ایل۔ وتار۔ بن۔ ذمر علی
۳ سمہ علی۔ ینوف۔ بن ذمر علی
(۱ تا ۳: متحد خاندان)
۴ یثع امر بیین۔ بن سمہ علی۔ ینوف
۵ یدع ایل۔ ذرح۔ بن سمہ علی ینوف
۶ یثع امر۔ وتار۔ بن سمہ علی۔ ینوف
۷ کرب ایل۔ بیین۔ بن یثع امر۔ وتار
۸ یدع ایل۔ بیین بن یثع امر وتار

ملہ۔ یہ فہرست ہالوے J. Holway کے شائع کردہ اصل کتبات سبا سے جو مجلہ عبری جرنل اشیاٹک Journel Asiatique بابت ماہ دسمبر [illegible]ء پیرس میں چھپے ہیں۔ التقاط کی گئی ہے اور اوس کی تطبیق (Huart Tome vol I p 56) سے کرلی ہے۔

۹　سمہ علی۔ نیوف۔ بن ثیع امر وتار
۱۰　ذمر علی۔ وتار بن کرب ایل۔ بتین
۱۱　یدع ایل۔ ذبل۔ مکارب۔ سبا　(یہی ایک جداگانہ نام معلوم ہوتا ہے)

آسانی سے سمجھ لینے کے لئے ہم خاندان مکارب مذکورہ بالا کا ایک شجرہ مرتب کر کے ذیل میں تحریر کئے دیتے ہیں۔

شجرہ خاندان مکارب

- ذمر علی مکارب سبا (۱)
  - کرب ایل وتار (۲)
  - سمہ علی نیوف (۳)
    - ثیع امر بتین (۴)
    - ثیع امر وتار (۵)
      - کرب ایل بتین (۷)
        - ذمر علی وتار (۱۰)
      - یدع ایل بتین (۸)
      - سمہ علی نیوف (۹)
    - یدع ایل ذرح (۶)

ملوک سبا

شاہان سبا کا زمانہ سنہ ۵۵ ق م تک نظر آتا ہے۔ اس عہد میں انکا لقب "ملک سبا" منقوش ملتا ہے ان کا دار الحکومت شہر مارب تھا۔ یہ شہر یمن کے مشرق میں واقع تھا اور اسکا دوسرا نام شہر سبا تھا۔ مارب کے قصر شاہی کا نام سلحین تھا سکوں میں۔ دار الضرب "بیت سلحین و حضرموت" منقوش ملتا ہے۔ مارب تو مشہور مقام ہے۔ مگر سلحین بھی غیر معروف نہیں۔ عرب جاہلیت کا شاعر علقمہ کہتا ہے۔

وقصر سلحین قد عفاہ　　ریب الزمان الذی یریب

یہی شاعر دوسری جگہ کہتا ہے۔

او ما ترین و کل شیٔ للبلی　　سلحین خاویۃ کان لم تعمر

ابو الحکم مرانی کہتا ہے۔

وقصر سلحین علاہ وشیدہ　　کہلان والذناع احبیکہ لہ

سنہ ۵۵۰ ق م سے سنہ ۱۱۵ ق م تک ۴۳۵ برس ہوتے ہیں۔ جو تقریباً اُس عربی روایت کے مطابق ہے کہ سبا نے ۴۸۴ برس حکومت کی[۱]۔ اس زمانہ مدید کے لئے ۱۸ ملوک سبا کے نام ہمکو ملے ہیں۔ جو تقریباً مفروضہ مدت زمانہ کے برابر ہیں۔ اور وہ نام یہ ہیں۔

خاندان	نام
متحد خاندان ہے	(۱) سمہی علی۔ ذرح۔ ملک سبا (۲) کرب ایل۔ بن سمہی علی۔ ذرح ملک سبا (۳) کرب ایل بن سمہی علی۔ ذرح ملک سبا (۴) سمہی علی ینّاف۔ شرح۔ بن سمہی علی
متحد خاندان ہے	(۵) یثیع امر۔ ملک سبا۔ (۶) کرب ایل۔ وتار۔ بن یثیع امر (۷) یرح ایل۔ بین۔ بن یثیع امر
متحد خاندان ہے	(۸) وہب ایل۔ وتار۔ یوہنعم بن وہب ایل (۹) وہب ایل۔ یاحوز۔ ملک سبا۔ (۱۰) کرب ایل۔ وتار۔ یوہنعم بن وہب ایل (۱۱) یومین۔ بن وہب ایل۔ ملک سبا
متحد خاندان ہے۔	(۱۲) ذمر۔ علی ذرح۔ ملک سبا۔ (۱۳) نشا کرب۔ یوہمین۔ ملک سبا۔

متفرق نام

(۱۴) اتبروم۔ یوہمین۔ ملک سبا۔ (۱۵) بکرب۔ ملک۔ وتار۔ ملک سبا۔ (۱۶) یارم۔ ایمن۔ ملک سبا
(۱۷) تبع شرحبیل۔ ملک سبا (۱۸) فرع ینہب۔ ملک سبا۔

ان ناموں کے علاوہ کتبات میں اور نام بھی پڑھے گئے ہیں۔ لیکن اون کے ساتھ کوئی لقب شاہی نہیں ہے ممکن ہے کہ امرا سبا ہوں۔ فرع ینہب کا نام سب سے آخر اسلئے قرار دیا گیا ہے کہ ایک کتبہ میں "الیشرح ملک سبا و ذو ریدان ۔ ۔ ۔ ۔ بن فرع ینہب ملک سبا" منقوش ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ فرع ینہب۔ ملک سبا کے لقب سے آخری شخص تھا اسکا بیٹا ملک سبا۔ و ذو ریدان کے نام سے تیسرے طبقہ کا بانی ہے۔

---

[۱] مروج الذہب مسعودی ج ۱ ص ۱۹۲ مصر

سبا کی تقسیم و تنظیم

مملکت سبا کی حقیقت سمجھنے کیلئے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ مملکت یمن کس اصول پر منقسم تھی اور امرا کی ترتیب و تنظیم کیونکر تھی۔ ایک قلعہ ہوتا تھا۔ قلعہ کے آس پاس گاؤں کی صورت میں مختلف چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوتی تھیں۔ انھیں کے مجموعہ کو مخفد کہتے تھے۔ قلعہ دار گاؤں کا حاکم ہوتا تھا۔ اسکا لقب اوسکے قلعہ کی انتساب اضافت سے ہوتا تھا مثلاً ذوغمدان۔ ذوثعلبان اور ذو ینبین۔ ذو یمنی زبان میں کلمہ اضافت ہے جسکے معنی آقا کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حجازی عربی میں اسکے معنی صاحب اور مالک کے ہیں۔ اور بغیر اضافت مستعمل نہیں ہوتا۔ اس "ذو" کی جمع اذوار ہے۔ زبان یمن میں یہی قلعہ دار کے مستعمل ہوتا ہے۔

یہ قلعے یا مخافد ملکر ایک مخلاف کے تابع ہوتے تھے جس کو صوبہ کا ہم معنی سمجھنا چاہیے۔ حاکم مخلاف کا لقب قیل تھا۔ اسکی جمع اقیال ہے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اقیال یمن کے بادشاہوں کو کہتے ہیں۔ مخفد اور مخلاف کی یہ تقسیم عہد اسلام میں بھی باقی رہ گئی تھی۔ دولت عباسیہ کے زمانے میں ۸۴ مخلاف تھے۔ یہ تمام اقیال ایک بادشاہ کے ماتحت ہوتے تھے جسکا نام باختلاف عہد مکارب سبا اور ملک سبا تھا۔

ان اذوار و اقیال اور ملوک میں امن و اطمینان اور نظام کی زندگی بہت کم قائم رہتی تھی۔ قوی ضعیف کے ماتحت ہو جاتے تھے۔ جو "ذو" یا "قیل" قوی ہو جاتا تھا وہی بادشاہ بن بیٹھتا تھا۔ عموماً بادشاہ کسی قلعہ میں سکونت کرتا تھا اس قلعہ کیطرف بھی سکونت القاب شاہی کا جزو ہوتی تھی۔ مثلاً ملک سبا قلعہ ریدان میں رہتا تھا اسکا لقب شاہی ملک سبا و ذوریدان تھا۔

سبا کے تمدنی اور تجارتی حالات۔

حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ صلح پسندانہ اور فاتحانہ۔ بابل۔ اسیریا اور مصر کی حکومتیں فاتحانہ تھیں۔ انکے آثار و کتبات فتوحات کی یادگاروں سے پر ہیں لیکن یمن کی حکومت بالکل صلح پسندانہ تھی۔ سبا کے جتنے کتبات دیکھے گئے ہیں جنکی تعداد ۳۰۰ و ۴۰۰ سے کم نہ ہوگی وہ تمام تر یا مقابر کی لوحیں ہیں۔ یا عمارتوں کے پتھر ہیں۔ یا دیوتاؤں کے ہیکل ہیں۔ تاریخ پر ندرۃً شکوک کے سامنے [illegible] ہیں۔

ہم نے پہلے بتلا دیا ہے کہ سبا ایک تاجر قوم تھی جس کی صحیح مثال موجودہ تاریخ دولت میں حکومت برطانیہ ہے۔ عرب کے ملک میں کثرت سے سونے اور چاندی کی کانیں تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔ ہمدانی نے صفتہ جزیرۃ العرب میں ص ۲۰۵ مطبوعہ لنڈن میں ان کانوں کا ایک ایک کر کے نام گنوایا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان تمام بیانات کو اپنے جغرافیہ عرب قدیم میں جمع کیا ہے۔ خدیو مصر کے اشارہ سے برٹن نامی ایک انگریز عرب کے شہر مدین میں صرف وہاں کے معدنیات کا پتہ لگانے کو بھیجا گیا تھا۔ صفحہ

اور یمن کا ملک خوشبودار چیزوں کی پیداوار کیلئے طبعی طور سے مخصوص ہے۔ اوس زمانے میں تمام دنیا میں دیوتاؤں کی عام طور پر پرستش کیجاتی تہی۔ انکے لئے بڑے بڑے ہیکل بنائے جاتے تھے۔ ان ہیکلوں میں شب و روز خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتی تھیں۔ اسلئے قدیم زمانہ میں ہر ملک سے ان کی بڑی مانگ تھی عمان و بحرین میں موتیوں کے خزانے ہیں۔ اور یمن کے سواحل ہندوستان اور حبش کی پیداوار کی منڈی تھے۔ یہ تمام تجارتی اشیا اس عہد میں سبا ہی کی وساطت سے بحر احمر کے راستہ سے یا حجاز کی راہ سے شام۔ فینشیا اور مصر کو جاتی تھیں۔ اور یہاں سے تمام یورپ میں پھیلتی تھیں۔[1]

توراۃ سبا کی دولت و عظمت سے پر ہے۔ سب سے پہلے حضرت داود علیہ السلام کہتے ہیں۔

سبا اور شبا کے بادشاہ اوسکو نذر دیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ شبا کا سونا اوسکو پیش کیا جائیگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا آتی ہے۔

وہ بہت فوج و تزک و احتشام کے ساتھ یروشلم میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں۔ بہت سا سونا اور بیش بہا جواہر لدے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمانؑ کو دئے ملکہ نے جیسی خوشبوئیں دیں ویسی پھر نہ ملیں۔

توراۃ سفر ایام

اشعیاہ نبی کی پیشینگوئی ہے۔

حبش اور سبا والوں کی تجارت جو شریف ہیں۔ تیرے پاس آویگی۔ (۴۵-۱۴)

حزقیال نبی کہتے ہیں۔

جھوٹ آدمیوں کے ساتھ سبا والے بیابان (عرب) سے آئے جنکے ہاتھوں میں کنگن ہیں اور سروں پر خوبصورت تاج (۲۳-۴۲) سبا اور رعماہ تیرے تاجر ہیں وہ عمدہ خوشبو، جواہر اور سونا تیرے بازاروں میں بیچتے ہیں۔ حران۔ قانہ اور عدن (یہ تینوں یمن کے شہر ہیں) تیرے تاجر ہیں۔ سبا اور اشور اور کلماد تیرے تاجر ہیں۔

اشعیاہ کی نبوت ہے۔

---

[1] فاضل معاصر ہم اس جگہ پر یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ابھی ابھی اوپر آپ نے ملک سبا اور علاقہ یمن کے تمام اقسام کی تجارت کو نام بنام گنایا اور بتلایا ہے۔ مگر شراب کی تخصیص کیا عام تجارت کا چھوٹوں بھی نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ سبا کے ساتھ اسکی خصوصیت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ مستشرقین یورپ کی گمراہ کن تقلید میں، سبا کی وجہ تسمیہ بتلائی ہے۔ فافہم فتدبر اولا وحسابر

اونٹوں کی قطاریں۔ (اے یروشلم) تجھ پر چھا جائیں گی۔ مدین اور عیفا کی اونٹنیاں تمام سبا سے سونا اور لوبان لائیں گی (۶۰-۶)

یرمیاہ بنی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہیں کہ خدا کہتا ہے جب تمہارے اعمال صحیح نہیں تو ہیکلوں میں سبا کا لوبان میرے پاس کیوں پیش کرتے ہو۔ (۶-۶۰)

چوتھی صدی ق م سے پہلی صدی ق م تک یونانی مصر کے حکمراں تھے۔ ان کے عہد میں مصر کا دارالحکومت اسکندریہ تمام مشرقی اور مغربی تاجروں کا مرکز تھا۔ سبا اس عہد میں سب سے بڑی قوم تھی۔ اس بنا پر وہ دیگر قبائل عرب کی نسبت سبا سے زیادہ واقف تھے۔ اراٹوسٹھنس Aratosthenes (۱۹۴ ق م) بیان کرتا ہے۔

عرب کے انتہائی حد پر سمندر۔ (بحر ہند و عرب) کے پہلو میں ...... سبا کے لوگ ہیں۔ جن کا دارالحکومت مآرب (Marbla) ہے یہ قطعہ ملک مصر زیرین سے بڑا ہے۔ گرمیوں میں بارش ہوتی ہے۔ اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ جو میدانوں اور تالابوں میں جا کر خشک ہو جاتے ہیں، اسی سبب سے زمین اسقدر سبز اور شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دو بار ہوتی ہے۔

حضرموت سے سبا کے ملک تک ۴۰ روز کا راستہ ہے۔ اور معین سے سوداگر ۷۰ دن میں آیلہ (عقبہ) میں پہونچتا ہے حضرموت معین اور سبا کے ملک خوش و خرم ہیں۔ اور ہیکلوں اور شاہی عمارتوں سے آراستہ ہیں۔

یونانی مؤرخ اگاتھرشیدس (Agarthercbides) (۱۴۵ ق م) جس کی تصنیف کا زمانہ دوسری صدی ق م ہے۔ بیان کرتا ہے۔

سبا عرب ابادان (Arabia Flux) میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں زمین متصل بحر میں بلسان اور نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات۔ دارچینی۔ چھوارے وغیرہ کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت تنوع کے سبب ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اُسمیں اُڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جسکی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص اس زمین سے دور ساحل پر سے بھی گذرتے ہیں وہ بھی جب ساحل سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ان مسالوں کو وہاں کاٹتے نہیں اور کاٹکر ان کا انبار نہیں لگاتے۔ لیکن چونکہ شگفتہ اور تازہ رہتے ہیں، اسلئے جو شخص اس ساحل سے گذرتا ہے گویا آب حیات کا لطف اٹھاتا ہے۔ یہ تشبیہ بھی اُسکی قوت و لطافت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

سبا میں حکومت وراثتاً منتقل ہوتی ہے۔ اُنکا بڑا شہر مارب ہے۔ جو ایک پہاڑ پر واقع ہے، اس پہاڑ کو جبل ابلق کہتے ہیں۔ بادشاہ اسی شہر میں رہتا ہے جو لوگوں میں فیصلہ دیتا ہے لیکن کبھی اوسکو اجازت نہیں کہ وہ اپنا قصر چھوڑ کر نکل سکے، اگر وہ اسکے خلاف کرتا ہے تو حسب حکم مذہبی سنگسار کر دیا جاتا ہے۔

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت ہر طرف سے لایا جاتا ہے بُعد کے سبب سے کسی نے اونکو فتح نہیں کیا۔ اسلئے خصوصاً اونکے دارالحکومت میں سونے چاندی کے برتن ہیں۔ تخت اور پیشگاہیں جنکے ستون زرنگار اور نقرئی وطلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ ایوان اور دروازے زر و جواہر سے منقش ہیں۔ اس قسم کی زیب و زینت پر نہایت ہنرمندی اور محنت وہ صرف کرتے ہیں۔

مشہور مؤرخ آرٹی میڈوروس (Artimidous) (مسئلہ قم) باشندہ شہر افسوس (Ephesus) جو سبا کے عہد آخیر میں تھا لکھتا ہے۔

سبا کا بادشاہ اور اسکا ایوان مارب میں ہے۔ جو ایک پُر اشجار پہاڑ پر زمانہ خوشحالی (عیش و عشرت اُنس و مسرت) میں واقع ہے۔ میووں کی کثرت کے سبب سے لوگ سست اور ناکارہ ہو گئے ہیں۔ خوشبودار درختوں کی جڑ میں لیٹے پڑے رہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی کے بدلے دارچینی اور خوشبودار لکڑی جلاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا پیشہ زراعت ہے۔ اور کچھ ملکی اور غیر ملکی مسالوں کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ مسالے مقابل کے حبشی ساحل سے لائے جاتے ہیں۔ جہاں سبا کے لوگ چمڑے کی کشتیوں (قفہ) میں بیٹھ کر دریا کے پار چلے جاتے ہیں۔ قرب و جوار کے قبائل سبا سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو بیچتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ شام و جزیرہ تک پہونچتے ہیں[1]۔

سبا کی عمارتیں

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ سبا ایک صلح پسندانہ امن و مسرت کی حکومت تھی، یہی سبب ہے کہ اوس نے اپنی قوت کا زیادہ تر حصہ اسلحہ کے بجائے عمارتوں پر صرف کیا یونانی مورخین کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ انہیں سے بعض عمارتیں عہد اسلام تک باقی تھیں۔ مسلمان مورخین نے خود دیکھا اور اپنی کتابوں میں اُنکے حالات لکھے ہیں ہمدانی نے اکلیل کا ایک باب صرف انہیں عمارتوں کیلئے مخصوص کیا ہے سبا کے اب تک جو کتبات ملے ہیں وہ زیادہ تر انہیں عمارات شاہی کی یادگاری لوحیں ہیں۔ نشوان ابن سعید حمیری نے قصیدہ حمیریہ میں تقریباً ۲۰ عمارات شاہی کا ذکر کیا ہے۔ یوروپین سیاح بھی ان عمارات کے کھنڈروں کے عجیب و غریب حالات بیان کرتے ہیں

---

[1] یہ تمام بیانات تاریخ قدیم کے مستند ترین ماخذ ڈنکرس ہسٹری آف اینٹکوٹی ج ۱ ص ۳۱۰ سے ۳۱۲ تک سے ماخوذ ہیں۔

Dunkers History of Antiquity Vol. I PP 310. 311. 312.

قصر سلحین جو قیامگاہ شاہی تھا اوسکے نشان ابتک موجود ہیں۔

سد مآرب یا بند عرم

اسی سلسلۂ عمارت میں ایک چیز بند مآرب ہے جسکو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں۔ عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں۔ صرف سلسلۂ کوہستان ہے۔ پانی پہاڑوں سے بہ کر ریگستانوں میں خشک ہو جاتا ہے اور ضائع ہو جاتا ہے زراعت کے مصرف میں نہیں آتا۔ سبا نے مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے مصرف میں آئے۔ مملکت سبا میں اس قسم کے سینکڑوں بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مآرب تھا۔ جو خود دارالحکومت کے اندر واقع تھا۔

شہر مآرب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جنکا نام کوہ ابلق ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادی اذینہ ہے۔ پہاڑوں سے اور ادھر ادھر سے پانی جمع ہو کر وادی اذینہ میں ایک دریا جاری کر دیتا ہے۔ سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً ۸۰۰ ق م میں سد مآرب تعمیر کی تھی۔ یہ تقریباً ۱۵۰ فیٹ لمبی اور ۵۰ فیٹ چوڑی ایک دیوار ہے۔ اسکا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے لیکن تاہم اسکی ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ارناؤد (Arnaud) ایک یورپین سیاح نے اسکے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے۔ اور اسکا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے۔ اس دیوار پر جابجا کتبات ہیں جو زیادہ تر پڑھے گئے ہیں۔

عام مسلمان مورخین چونکہ ہر قدیم عمارت کو بناے سلیمانی کہنے کے عادی ہیں۔ اسلئے اس سد کا بانی وہ بلقیس ملکۂ یمن و حرم سلیمانی کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن سد مآرب کے بقیہ حصہ پر جو کتبات ہیں اونمیں بانیوں کے نام بھی خوش قسمتی سے باقی رہ گئے ہیں۔ انمیں سے (۱) یثع امر بین ابن سمہ علی ینوف مکارب سبا۔ (۲) سمہ علی ینوف بن ذمر علی مکارب سبا (۳) کرب ایل بین ابن یثع امر مکارب سبا۔ (۴) ذمر علی ذرح ملک سبا۔ (۵) یثع ایل ذرح کے نام پڑھے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد ایک زمانۂ ممتد میں مختلف سلاطین یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ اسکا پہلا بانی یثع امر تھا جو آٹھویں صدی ق م میں تھا۔ اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں اور اوپر سے نیچے تک کی کھڑکیاں حسب ضرورت کھولی اور بند کی جاتی تھیں۔ سد کے داہنے بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس سد کے حالات ہمارے مفسرین نے جو بیان کئے ہیں (تفسیر طبری و بغوی) بعینہٖ ارناؤد کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ نقشۂ مندرجۂ آغاز کتاب کے دیکھنے سے صورت حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیگی۔

اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونو جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر ۳۰۰ میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے ان کی خوشبو دور تک پھیلی رہتی تھی۔

جنت سبا اور قرآن مجید

قرآن مجید ان آیات میں انھیں باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَن يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ

السبا ع

سبا کے لوگوں کے لئے خود اونکے گھر میں قدرت خدا کی ایک عجیب نشانی موجود تھی۔ وہ باغوں کا سلسلہ۔ داہنے بائیں۔ سبا کے لوگو اپنے پروردگار کی (دی ہوئی) روزی کھاؤ اور شکر کرو۔ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشنے والا۔

ہمارے پاس اس جنت زار کے قصے بروایت عرب واقعہ سے کئی سو سال بعد کے موجود ہیں لیکن خود ہمارے دشمنوں کے سفینوں میں اسکی معاصرانہ شہادتیں جو محفوظ ہیں انکو ایکبار پھر پڑھ لیا جائے۔

اراٹو ستھنیس (Eratosthenes) جو ۱۹۴ء قبل مسیح میں سبا کا معاصر تھا۔ تحریر کرتا ہے۔

سبا کے لوگ وہ ہیں جنکا دار الحکومت شہر مآرب ہے .... یہ قطعہ ملک مصر زیریں سے بڑا ہے۔ یہاں گرمیوں میں بارش ہوتی ہے اور دریا جاری ہوتے ہیں۔ جو میدانوں اور تالابوں میں خشک ہو جاتے ہیں۔ اسی سبب سے زمین اسقدر سرسبز و شاداب ہے کہ تخم ریزی وہاں سال میں دوبار ہوتی ہے۔

آغاز تھار شیدس (Agartharchides) جو ۱۴۵ ق م میں سبا کے زمانہ و عصر میں تھا بیان کرتا ہے۔

سبا عربیا کے حصہ سرسبز و آباد (Arabia Flix) میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بیشمار میوے ہوتے ہیں دریا کے کنارے جو زمین ہے اوس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں جو دیکھنے میں نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اندرون ملک میں بخورات۔ دارچینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں بو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام دوصفت مشکل ہے۔ جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں نہیں ہو سکتی۔ جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گذرتے ہیں وہ بھی ساحل کیطرف سے جو ہوا چلتی ہے اوس سے محظوظ ہوتے ہیں ..... وہ گویا آبحیات کا لطف اوٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اوسکی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔

کیا ان بیانات کو دیکھ کر اور خصوصاً خط کھینچی ہوئی عبارتوں کو پڑھ کر ان مقامات کو جیسا کہ وحی الٰہی نے اپنے الفاظ امثالیہ میں اشارہ فرمایا ہے: دنیا کی بہشت نہ کہیں گے۔

قرآن مجید اسکے آخر نتیجہ بتلاتا ہے۔ اور وہ وہی ہیں جو تمام دنیا کے اہل دولت و اقتدار اقوام کو اپنی غفلت شعاری اور جفا کاری کی پاداش میں آخرکار پیش آتے ہیں۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ	پھر انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے انپر بند (توڑ کر اسکا) سیلاب بھیجا۔

یہ سیلاب آیا۔ اور ہم اسپر ایمان رکھتے ہیں۔ اس عصر تاریخی میں جب ہر غیر معاصرانہ روایت قابل شک و اشتباہ ہے۔ خدائے قرآن نے اپنے کلام معجز نظام کی صداقت کا نیا سامان پیدا کر دیا۔ یعنی اس بند کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں واقعہ سیلاب کے مشرح حالات کا کتبہ جو ایک عیسائی فاتح یمن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ملگیا۔ یہ عیسائی فاتح بھی وہی شخص ہے جو اپنے ہاتھیوں کے بل پر (ابرہہ) کعبہ مکرمہ کو ڈھانے نکلا تھا لیکن آج اسی دشمن کعبہ کا سنگی ہاتھ کعبہ مشرفہ کی آیات مقدس کی تصدیق کیلئے بلند ہے۔

زمانہ ابرہہ کا ایک نہایت قدیم کتبہ ذیل کی عبارت میں بند عرم کے ٹوٹ جانے کی تصدیق کرتا ہے۔

اسی اثنا میں مارب کے بند (سد) کی دیوار حوض اور دروازوں کے ٹوٹنے کی خبر ماہ ذوالمدرح ۶۵۷ یمنی مطابق ۵۴۳ عیسوی میں آئی۔

اس سلسلہ کی آئندہ الفاظ قرآنی یہ ہیں۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا)	اور ان اعلیٰ میووں کے باغوں کے بدلے معمولی پھلوں یعنی پیلو جھاؤ اور کچھ بیری کے باغ دیدئے۔ یہ انکے کفر کی سزا ہے۔ ہم کفران نعمت کرنیوالوں ہی کو سزا دیتے ہیں (سبا)

قرآن مجید جب نازل ہو رہا تھا تو اس سزا کو جو ان درختوں کی شکل میں نمودار ہوئی تھی یمن کا ہر باشندہ بچشم خود معائنہ کر رہا تھا۔ لیکن ۴۰۰ برس کے بعد بھی براے العین ہر سیاح کو نظر آ رہی تھی ہمدانی المتوفی ۳۳۴ھ جس کی صداقت بیانی کے نہ صرف سیاحین یورپ بلکہ آثار بین (آرکیالوجسٹ Achrologests) بھی معترف ہیں۔ وہ چوتھی صدی کے اوائل میں شہادت عینی پیش کرتا ہے کہ ان باغوں کی جگہ یہاں پیلو کے درخت اتنے ہیں کہ کہیں اور نہیں۔

ہم نے سبا کے دائرہ حکومت کے تحت میں لکھا ہے کہ یمن کے علاوہ حبشہ اور شمالی عرب میں بھی سبا کی نوآبادیاں تھیں تورات و اسفار میں متفرق خاندانوں کے نام سبا کے گئے ہیں (۱) سبا بن یقطان (قحطان) باشندہ یمن (۲) سبا بن ۔۔۔۔ بن ابراہیم برادرزادہ مدین باشندہ عرب شمال (۳) سبا بن کوش بن حام باشندہ حبش (ملاحظہ تکوین)

نولڈیکی کے اصول کی بنا پر کہ توراۃ کے قبائل و اقوام کا تقسیم صرف جغرافی نسبت و تعلق ہے۔ ان تینوں متفرق النسب سبا کے یہ معنی ہیں کہ سبا کے تین جغرافی مرکز یا آبادیاں تھیں۔ یمن، حبشہ، اور شمالی عرب میں۔ یمن میں سبا کا وجود و قیام تو محتاج بیان نہیں۔ روایات عرب، تاریخ اقوام اور آثار قدیم میں ان سب کی شہادت قاطعہ موجود ہے دیگر اطراف ملک میں بھی انکا وجود و اثر مخفی نہیں ہے۔ شمال عرب میں بطرف شام و عراق توراۃ کے متعدد فقروں میں انکا نام و وجود عارضی نہایت قدیم زمانہ سے مذکور ہے۔ اور انکا بار بار ذکر او پر گذر چکا ہے (دیکھو سبا کا دائرہ حکومت اور سبا کی دولت و عظمت) یونانی مورخین نے بھی ان اطراف میں انکا ہونا بیان کیا ہے۔ اغاسارسیدوس (۱۴۵ قم) کہتا ہے کہ سبا پہلے نبطی (جنکا مسکن عراق و شام کے درمیان تھا) عرب سعید پر قابض ہوئے ہیں[۵۱]۔ ایک اور یونانی مورخ بیان کرتا ہے[۵۲]۔

یہاں سے اس شہر تک ایک سڑک جاتی ہے جسکا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ جہاں اہل قریہ۔ اہل معین اور دو تمام عرب اسکے قریب رہتے ہیں۔ جو بالائی ملک (عرب) سے بخورات لاتے ہیں۔

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اسیریا کے آثار میں بھی شیع امر سبائی کا ساتویں صدی ق م میں اسیریا سے مغلوب ہونا مذکور ہے معلوم ہے کہ اہل اسیریا کبھی یمن نہیں آئے۔ اسلئے یہ بالکل واضح ہے کہ خود سبا یہاں تک پہونچ گئے تھے جیسا کہ سفر ایوب (۱-۱۵) و (۶-۱۹) سے بھی ثابت ہے۔

حبشہ میں اہل یمن کا وجود عہد قدیم سے تھا۔ حبشہ یمن کے مقابل سواحل پر واقع ہے یہ سواحل تاریخ کی ابتدا سے اسوقت تک یمنی اور حضرموتی عرب کی جولانگاہ ہیں۔ بعض کتابات سے معلوم ہوا ہے کہ سبا کا ایک گورنر معافر کے لقب سے حبشہ میں رہتا تھا[۵۳]۔ خود حبش بھی اپنے کو سبا کی اولاد کہتے ہیں[۵۴]۔ ایک یونانی مورخ کی شہادت بھی۔ جو سبا کا معاصر تھا پہلے گذر چکی ہے کہ سبا سواحل حبشہ میں بھی تجارت کا مرکز رکھتے ہیں۔

ملکہ سبا (بلقیس)

توراۃ (عہد عتیق) انجیل اور قرآن میں سبا کی ایک شاہزادی کا ذکر ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں آئی تھی یہ سبا کی شاہزادی بزبان توراۃ کس سبا کے خاندان سے تھی؟ یا بزبان تاریخ سبا کس آبادی سے آئی تھی؟ توراۃ میں صرف سبا کی شہزادی کا لفظ بلا تعیین خاندان و جہت ہے[۵۵]۔ ترگوم (ترجمہ توراۃ بزبان عبرانی) میں ہے کہ اسکا مقام

---

[۵۱] گولڈ ماسنس آف دینا ص ۲۲۴

[۵۲] حوالہ مذکور ص ۱۷۱

[۵۳] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ج ۲۲ ص ۹۵۵

[۵۴] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج اص ۲۰۲

[۵۵] تاریخ ملوک باب ۱۰ و ایام ۲ باب ۹

فلسطین کے مشرق میں ہے[1]۔ انجیل میں ہے کہ وہ (فلسطین کے جنوب سے آئی تھی[2]۔ یوسیفوس اسرائیلی کی تاریخ میں ہے کہ وہ مصر و حبشہ کی شہزادی تھی۔ اہل حبش اسکو حبشی سمجھتے ہیں جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ کوشی خاندان کی سبائی خاتون تھی۔ قرآن نے بھی کوئی تعین خاندان وجہت نہیں کی ہے لیکن تمام مفسرین و مورخین اسکو عرب قحطانی اور باشندۂ یمن سمجھتے ہیں آجکل کہ اثریات کا زمانہ ہے۔ اس بنا پر کہ یمن کی عورت کا کوئی کتبہ نہیں ملا ہے اور شمال عرب میں متصل عراق تین چار قدیم حکمران عورتوں کے نام ملے ہیں۔ ملکہ سبا کا اس حصہ آبادی سے جانا ممکن خیال کیا جاتا ہے[3]۔

جن قدیم تحریروں میں ملکہ سبا کا ذکر ہے انمیں سے صرف تین میں جہت تعین ہے۔ یوسیفوس، ترگوم اور انجیل۔ یوسیفوس کا بیان کہ وہ مصر کی شہزادی تھی مطلقاً غلط ہے بقیہ بیانات میں کہ وہ مشرق و جنوب یا حبشہ کی تھی ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں کہ یہ سب سبا کے مقامات تھے تاہم اصل مرکز کے لحاظ سے وہ یمن ہی کی کہی جائیگی۔ یعنی جنوب عرب کی۔ جیسا کہ انجیل کی شہادت اور روایات عرب کا تواتر ہے۔

اہل حبش جو ملکہ سبا کو حبشہ کی بتاتے ہیں اور اب تک حبشہ کا شاہی خاندان تفاخراً اپنے کو اسی ملکہ سبا کی اولاد یقین کرتا ہے۔ اوسکا نام اونکی زبان میں ماکدہ ہے یمن کے عرب یہود میں اسکا نام بلقیس مشہور تھا اور اسرائیلیات کے ذریعہ سے یہی نام مسلمان مورخین اور اہل تفسیر میں مقبول ہے لیکن لفظی دلالت کے لحاظ سے یہ عربی نہیں۔ بلکہ یونانی الاصل نام معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں بلقیس کو پریزاد کہا گیا ہے یعنی اسکی ماں (بلقمہ) ایک پری تھی۔ لیکن یہ روائتیں بالکل لغو اور موضوع ہیں۔ بلقمہ کو ممکن ہے کہ یمن کی دیوی المقہ سے کوئی مناسبت ہو۔ اسیطرح اہل تاریخ کا ملکہ سبا بلقیس کو بنت شرحبیل لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ شرحبیل حمیر کے بادشاہ اور حضرت سلیمانؑ سے ڈیڑھ ہزار برس کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید اور ملکہ سبا

سبا کا نام قرآن مجید میں دو بار آیا ہے۔ اول حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں ملکہ سبا کے نام سے دوسرے بار سیل عرم کے ذکر میں سیل عرم کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔ ملکہ سبا کا قصہ سورۂ نمل میں مذکور ہے۔

وتفقد الطير فقال ما لي لا أرى الهدهد أم كان من الغائبين لأعذبنه عذابا شديدا أو لأ	سلیمانؑ نے پرندوں کا جائزہ لیا۔ پھر کہا کیا سبب ہے کہ میں نے ہدہد کو نہیں دیکھا یا وہ موجود نہیں ہیں اسکو سخت سزا دونگا۔ یا ذبح

[1] انجیل متی ۱۲-۴۲۔
ایضاً۔ انجیل لوقا ۱۱-۳۱
[2] جیوئش انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون سبا
[3] جیوئش انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون سبا
ایضاً۔ جلد اول ذکر سلیمان
ایضاً۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۳۷۴

اَذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ فَمَكَثَ غَيْرَ
بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ
وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا
وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ
زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ
مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ
اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ
فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا
اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى
تَشْهَدُوْنِ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ
شَدِيْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا
وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ
وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ
الْمُرْسَلُوْنَ
فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِ
ءَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

کر ڈالونگا۔ یا کوئی صاف دلیل لائے سلیمان تھوڑے دیر ٹھہرے کہ ہدہد
آکر گویا ہوا مجھے وہ معلوم ہوا جو آپکو نہیں سبا سے ایک سچی خبر لیکر میں آیا
ہوں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو سبا پر حکومت کرتی ہے۔ اسکو
ہر شے عنایت کیگئی ہے۔ اسکا ایک بڑا تخت ہے میں نے اسکو اور
اسکی رعایا کو۔ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے پایا شیطان نے انکے
اعمال انکی نگاہ میں اچھے کرکے دکھلائے ہیں صحیح راستہ سے انکو باز رکھا
ہے۔ وہ راہ نہیں پاتے کہ خدا کو سجدہ کریں۔ جو آسمانوں اور زمینوں
سے چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے۔ اور جو تم چھپاتے ہو یا
ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے۔ خدا ہے جسکے سوا کوئی خدا نہیں
وہی بڑے تخت کا مالک ہے۔

سلیمان نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے میرا
یہ خط لیجا۔ اونکے پاس ڈالدے۔ پھر اون سے الگ ہٹکر دیکھ
کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

ملکہ نے خط پاکر درباریوں سے کہا میرے نام نامہ مقدس آیا ہے۔ یہ نامہ
سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ عبارت یہ ہے۔ مہربان اور رحم کرنیوالے خدا کے
نام سے شروع کرتا ہوں۔ مجھسے سرکشی نکرو اور مسلمان ہوکر میرے پاس چلے آؤ
ملکہ نے کہا اے سردارو میرے اس معاملہ میں کسی بات کا فیصلہ کرنیوالی نہیں ہوں
سرداروں نے کہا ہم زور و قوت والے ہیں۔ پورا فیصلہ آپکے ہاتھ
میں ہے۔ دیکھیں کیا حکم دیتی ہیں۔

ملکہ نے کہا بادشاہ جب کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں اسکو ویران
کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے معززین باشندوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں۔ اور
(برابر) اسیطرح کیا کرتے ہیں۔ میں اونکے پاس ہدیہ دیکر قاصد بھیجتی
ہوں۔ پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتا ہے۔

قاصد جب سلیمان کے پاس پہونچا تو سلیمان نے کہا کہ اس حقیر مال و
دولت سے تم میری مدد کرتے ہو۔ خدا نے مجھکو جو کچھ دیکر رکھا ہے وہ

تفرحون ارجع الیھم فلنأتینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم صاغرون۔

وقال یا ایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا اٰتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امین

وقال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی لیبلونی ءاشکر ام اکفر ومن شکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فان ربی غنی کریم

قال نکروا لھا عرشھا ننظر اتھتدی ام تکون من الذین لا یھتدون فلما جاءت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین وصدھا ما کانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کافرین

قیل لھا ادخلی الصرح فلما راتہ حسبتہ لجۃ وکشفت عن ساقیھا قال انہ صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العالمین

(نمل)

اس سے بہتر ہے جو کہ اسنے دیا ہے۔ تم اپنے اس تحفہ پر شاداں ہو۔ سبا کو واپس جا۔ ہم اب لشکر لیکے آئینگے کہ جسکا وہ مقابلہ نکر سکینگی اور ملک سبا سے ذلیل کرکے انکو نکال باہر کرینگے۔

سلیمانؑ نے پھر اپنے سرداروں سے کہا کون اسکا تخت میرے پاس اٹھا لائیگا۔ ایک تنومند جن نے کہا میں اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھیں۔ وہ تخت اٹھا لاتا ہوں میں اس تخت کے اٹھا لانیکی قوت رکھتا ہوں اور امانت کے ساتھ لاؤنگا۔

جسکو خدا (کتاب) کا علم تھا اسنے کہا کہ آنکھ پلٹنے سے پہلے میں اٹھا لاتا ہوں سلیمانؑ نے جب وہ تخت اپنے سامنے رکھا دیکھا کہا کہ یہ خدا کے فضل سے ہوا تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کر رہا ہوں یا ناشکری کر رہا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ اور جو کوئی ناشکری کرے تو خدا بے پروا اور بزرگ ہے۔

سلیمانؑ نے حکم دیا کہ تخت کا روپ بدل دو۔ وہ راہ پاتی ہے یا نہ راہ پانیوالوں میں سے ہوتی ہے۔ جب ملکہ آئی۔ تو اس سے کہا کہ تیرا کیا تخت اسی قسم کا ہے۔ جواب دیا کہ گویا وہ یہی ہے۔ اور اس سے پہلے ہمکو علم دیا جا چکا تھا اور مسلمان ہو چکے تھے۔ ملکہ کو غیر خدا کی پرستش نے حق سے روک رکھا تھا۔ اور وہ کافر قوم سے تھی۔

ملکہ (بلقیس) سے کہا گیا کہ محل کے اندر چل جب اوسنے محل کو دیکھا تو وہ سمجھی کہ پانی سے بھرا ہے۔ تو اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھولدیں سلیمانؑ نے کہا یہ تو شیشہ کا مکان ہے۔ ملکہ نے کہا خدایا! میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی سلیمان کے ساتھ میں بھی خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ اطاعت گذار ہوئی یعنی اسلام لائی۔ (سورۃ النمل)

اجمالاً یہی قصہ اسفار یہود میں بھی مذکور ہے۔ گو تفصیل و اجمال میں کسیقدر اختلاف ہے جیسے تنبیہ کے سفر ایام اور سفر ملوک میں یہ قصہ مذکور ہوا ہے اور یہ دونوں اسفار بیان واقعہ میں حرف حرف متفق ہیں:

جب سلیمانؑ کا شہرہ سبا کی ملکہ تک پہونچا تو مشکل سوالوں سے وہ اوسے آزمانے آئی اور بڑی فوج اور شان وشوکت سے یروشلم (بیت المقدس) میں داخل ہوئی۔ بہت سے اونٹوں پر خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر لدے تھے۔ وہ سلیمانؑ کے پاس آکر ٹھیری اور جو کچھ اسکے دلمیں تھا اُسکی بابت اُس سے گفتگو کی سلیمان نے اُسکے تمام سوالوں کا جواب دیا۔ سلیمانؑ سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی جو جواب نہ دیتا سبا کی ملکہ نے جب سلیمانؑ کی دانشمندی اور اُسکے گھر کو جو اُس نے بنایا تھا اور اُسکے دسترخوان کے کھانوں اور اوسکی نشست و برخاست کے طور کو اور اُنکی پوشاک کو اور اوسکے ساقیوں کو اور اوس سیڑہی کو جس سے وہ خداوند کے مسکن پر چڑہتا تھا (یہ ملوک کی آیت ہے) سفر ایام میں اسکے بجائے یہ ہے۔ اور اُن قربانیوں کو جو وہ خداوند کے مسکن پر چڑہایا کرتا تھا دیکھا تو اُسکے ہوش اُڑگئے۔ اُس نے پادشاہ سے کہا کہ میں نے تیرے کاموں کی نسبت اپنے ملک میں جو سنا تھا وہ تحقیق خبر تہی لیکن جبتک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا باور نہیں آتا تھا لیکن جو دیکھا اُسکا آدہا بھی نہیں سنا تھا۔

مبارک ہیں تیرے لوگ اور مبارک ہیں تیرے نوکر جو ہمیشہ تیرے حضور کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں، خداوند تیرا مبارک ہو۔ جو تجھ سے راضی ہے اور جس نے تجھکو اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابتک پیار کرتا ہے۔ اور تجھکو اُس نے پادشاہ بنایا کہ تو عدل وانصاف کرے۔

ملکہ نے ۱۲۰ قنطار سونا اور بہت سی خوشبوئیں اور قیمتی جواہر سلیمان کو دئے۔ ملکہ نے جیسی خوشبوئیں پیش کیں ایسی پہر کبھی نہ ملیں۔ سلیمانؑ نے سبا کی ملکہ کو جو کچھ اُسنے مانگا اُس سے زیادہ تحفہ دیا اور ملکہ اپنے ملازموں سمیت اپنے ملک کو پلٹ گئی۔

(سفر ایام باب ۹ و ۲ ملوک باب ۱۰)

ترگوم (دوم براستر) میں جو توراۃ اور نبیوں کا ارامی ترجمہ بلکہ ارامی زبان میں ان کی تفسیر ہے۔ یہ قصہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ گو بعض نہایت لغو باتوں کی بہی اُسمیں آمیزش ہے ترگوم کی مندرجہ روایت کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

سلیمان عرق انگور پیکر جب نشاط میں آتے تھے تو تمام بادشاہوں کے سامنے اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے۔ اور اوسوقت تمام زندہ مخلوق کو حکم دیتے تھے کہ اوسکے سامنے ناچیں۔ ایک دن سلیمانؑ نے دیکھا کہ ہدہد غائب ہے۔ سلیمانؑ نے حکم دیا۔ کہ وہ حاضر کیا جائے۔ جب ہدہد آیا تو اوس نے بیان کیا کہ تین مہینوں سے وہ ادہر اودہر گھوم رہا تھا اسلئے کہ کوئی ایک ایسا ملک سے جو ابتک

حضور کے ماتحت نہیں ہے۔ آخر مشرق میں ایک ملک ملا جس پر سبا کی ملکہ حکومت کرتی ہے۔ اس ملک کی خاک سونے سے بھی زیادہ بیش قیمت ہے۔ وہاں چاندی کوڑے کی طرح گلیوں میں پڑی پھرتی ہے۔ درخت وہاں بدر خلقت سے ایسے ہی ہیں پانی وہاں جنت سے آتا ہے اور وہیں سے بنکر ہار آتے ہیں جن کو لوگ پہنتے ہیں۔ اس ملک کے دارالحکومت کا نام قیطور ہے۔

پھر پرندہ نے یہ راے دی کہ وہ اُڑکر پھر اوس ملک کو جائیگا۔ اور وہاں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لائےگا۔ سلیمانؑ نے یہ رائے پسند کی اور خط لکھکر ہُدہُد کے بازو میں باندھ دیا گیا۔ ہُدہُد شام کے وقت جب وہ آفتاب کی عبادت کے لئے جا رہی تھی پہونچا۔ یہ خط ملکہ کے حوالہ کیا۔ ملکہ نے خط پڑھکر جس میں یہ دہمکی تھی کہ فوراً میری بارگاہ میں حاضر ہو ورنہ اوس کی فوج جو جانوروں۔ پرندوں۔ روحوں اور رات کے دیووں کی ہے اوس سے لڑنے کو آئیگی۔

ملکہ یہ خط پاکر بہت خوف زدہ ہوئی اور اوس نے بوڑہوں اور سرداروں کی مجلس میں مشورہ کیا لیکن یہ لوگ سلیمان سے بالکل واقف نہ تھے تاہم ملکہ نے اپنے جہازوں کو بیش قیمت لکڑیوں گراں بہا جواہرات اور موتیوں سے بارکرکے اور چھ ہزار۔ ایک ہی ساعت کی پیدائش۔ ایک ہی قد و قامت۔ ایک ہی شکل و صورت اور ایک ہی حریر سُرخ کے لباس میں غلام اور لونڈیاں تحفۃً بھیجیں۔ خط کے جواب میں لکھا کہ:۔

اگرچہ قیطور اور یروشلم کے درمیان عموماً سات برس کا راستہ ہے تاہم وہ تین برس میں پہونچیگی۔ ملکہ جب یروشلم پہونچی تو ایک شیشہ کے محل میں اوس سے سلیمان نے ملاقات کی۔ ملکہ نے یہ سمجھکر کہ بادشاہ پانی میں بیٹھا ہے۔ پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا۔ سلیمانؑ نے مسکرا دیا اور یہ دیکھکر کہ اُسکے پاؤں میں بال ہیں۔ بولے کہ شکل تو ایک عورت کی ہے لیکن بال مردوں کے ایسے ہیں۔ پاؤں کے بال مردوں کی زینت ہے۔ لیکن عورتوں کے لئے عیب۔ ملکہ سبا نے سلیمانؑ سے بہت سی پہیلیاں پوچھیں (تفصیل چھوڑ دیگئی ہے) سلیمانؑ نے سب کے ٹھیک جواب دئے۔ (ترگوم۔ ترجمہ توراۃ ضخیم)

اس عبارت کے جو فقرے سکھیر دئے گئے ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قرآن جو گذشتہ کتابوں کی تصحیح و تنقیح کے لئے آیا ہے۔ یہ خدمت اوس نے کس حد تک انجام دی۔ علاوہ ازیں ترگوم نے اس واقعہ کو جس طرز و عبارت میں ادا کیا ہے وہ بالکل ایک کم پایہ انسان کے معمولی افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برخلاف اسکے قرآن کا طرز ادا ایک شاہانہ پیغمبری۔ ایک تبلیغ دانش و حکمت اور ایک روحانی جبروت

اقتدار کے اظہار پر مبنی ہے۔

قرآن کا بیان ترگوم کی واضح غلطیوں سے کہ سبا کا ملک مشرق میں ہے۔ اوسکا پایہ تخت قسطور ہے۔ وہاں سونا اور چاندی کوڑے کیطرح پڑی رہتی ہے۔ دونوں ملکوں میں سات برس کی مسافت ہے۔ پاک صاف ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قصہ کی غرض و غایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ترگوم کی بنا پر ملکہ سبا کی طلب صرف شاہانہ ملک گیری کی ہوس پر مبنی ہے لیکن قرآن کے لحاظ سے اس طلب کا مقصد دعوت الی اللہ منع شرک۔ قمع کفر اور اصلاح نفوس انسانی ہے۔

ایک اور بات قابل لحاظ ہے۔ ترگوم کے مطابق حضرت سلیمانؑ سبا سے واقف نہ تھے۔ اور تعجب و حیرت زائی کا سبب سبا کی دولت و حشمت کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔ لیکن وحی قرآنی نے اس حیرت و تعجب کا سبب اس طرح بیان کیا ہے۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ (نمل)

ہُدہُد نے کہا میں سبا سے ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ میں نے پایا کہ ایک عورت اُنپر بادشاہی جسکو ہر چیز دیگئی ہے۔ اُسکا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اسکو اور اُسکی قوم کو آفتاب کو سجدہ کرتے ہو دیکھا۔ نہ خدا کو۔ شیطان اُنکے کاموں کو اُنکی نظر میں اچھا کرکے دکھاتا ہے۔ پھر اونکو راہ سے روکدیتا ہے۔ (نمل)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا عبارت سے روشن ہوگیا کہ بخلاف ترگوم کے۔ سبا کی شہزادی کی طلبی اُسکے ملک پر فوج کشی یا اوسکے تمول اور خوشحالی پر استعجاب کی وجہ تھا۔ وہ صرف ایک ایسی غرض و مدعا کی بنا پر کہ کیا دُنیا میں ایسے غافل اور بے بصیرت بندگان خدا بھی بستے ہیں جو باوجود اتنی کثیر اور کافی نعمات الہی کے بھی اُسکا شکر و نعمت نہیں کرتے بلکہ کفر نعمت کرتے ہیں کہ خالق کی جگہ آفتاب اور کسی مخلوق کی پرستش کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے متعلق حضرت سلیمانؑ نے جو طریقہ اختیار کیا وہ قطعی طور سے ارشاد و ہدایت اور تبلیغ رسالت کے تنہا اصول پر مبنی تھا۔

اس واقعہ کے متعلق بعض شکوک کا ازالہ

ترگوم اور قرآن مجید دونوں میں قصہ کی ابتدا ہُدہُد سے ہوتی ہے ہمارے اِن تمام مفسرین نے اس ہُدہُد سے یہی مرغ معروف مراد لیا ہے لیکن اس زمانہ کے بعض فطرت پرست کہتے ہیں کہ مرغ کا بولنا اور اُسکی بولی سے مفہوم کا سمجھنا خلاف عقل ہے۔ اسلئے ہُدہُد کسی انسان کا نام ہوگا۔ اور اُس زمانہ میں عموماً یہ نام رکھا جاتا تھا جسکو اس دعوے کی صداقت سے انکار نہیں کہ ہُدہُد آدمی کے نام ہوتے تھے۔ خود حضرت سلیمانؑ کے عہد میں مدین کے شہزادے کا نام ہُدہُد تھا۔

(سلاطین) اور روایات عرب میں ملکہ سبا کے باپ یا بھائی کا نام بھی ہدہد مرقوم ہے۔ لیکن قرآن کے لفظ اتفقد الطیر (پرندہ کا جائزہ لیا) کا کیا جواب ہوگا۔ میری رائے میں اب جبکہ جانوروں کی عاقلیت کا مسئلہ مسلم ہوتا جاتا ہے۔ بندروں کی بولیوں کی ابجد طیار کی جارہی ہے۔ تو ہدہد کے بولنے پہ تعجب کیوں ہو۔ طیر کے معنی فوج کے لینا جیسا کہ مولوی چراغ علی نے لیا ہے اسیطرح بے ثبوت ہے جسطرح سر سید کا سورۂ فیل کی تفسیر میں طیر سے فال بارمراد لینا۔ اور اگر پرندوں کا بولنا اب بھی کھٹکتا ہے تو فرض کرلو نامہ بر کبوتروں کی طرح تربیت یافتہ نامہ بر ہدہد ہوگا اور اسکے بولنے سے مقصود اس مضمون کا خط اسکے پاس پہونچانا سمجھ لو۔ جیسا کہ خود اسی موقع پر قرآن مجید میں ہے کہ حضرت سلیمان نے خط دیکر اسکو ملکہ سبا کے پاس بھیجا۔ اسیطرح پہلے بھی خط لے کر آیا ہوگا۔

(۱) دوسری چیز قابل انکشاف ملکہ سبا کا تخت ہے جسکی نسبت قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان نے اسکو اپنے دربار میں اٹھوا منگوایا اور اسمیں کچھ رد و بدل کرکے ملکہ سے پوچھا کہ تم تخت پہچانتی ہو؟ تمہارا ہے؟ روایات تفسیر میں ہے کہ یہ تخت طلائی تھا اور جواہر سے مرصع۔ یہودیوں کے اسفار تیمیم میں ملکہ سبا کے تخت کا مطلق ذکر نہیں لیکن یہ مذکور ہے کہ ملکہ سبا حضرت سلیمان کی خدمت میں بہت سے جواہرات سونا۔ اور دیگر تحائف لائی جنمیں سے حضرت سلیمان نے ایک ہاتھی دانت کا تخت مرصع و جواہر نگار بنوایا (۲۔ ایام باب ۹)

تاریخی شہادت سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ سبا میں اس قسم کی صنعت کاری کا رواج عام تھا۔ اگاتھرشیدس ایک یونانی مورخ جو اسلام سے ۸۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا شہادت دیتا ہے۔

سبا تمام دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند لوگ ہیں۔ چاندی اور سونا بکثرت لایا جاتا ہے بُعد کے سبب کسی نے انکو فتح نہیں کیا ہے۔ اسلئے خصوصاً انکے پایۂ تخت میں نقرئی اور طلائی ظروف تختے اور وہ طلیریاں ہیں جنکے پائے زرنگار اور نقرئی اور طلائی نقش و نگار سے آراستہ ہیں پیش گاہ اور دروازے زرد جواہر سے منقش ہیں اور اس قسم کی زیب و زینت پر وہ نہایت ہنرمندی اور محنت صرف کرتے ہیں۔

اس بیان تحریری سے ثابت ہوتا ہے کہ مملکت سبا میں اس قسم کی چیزوں کا خاص طور سے اہتمام تھا ممکن ہے کہ اس بیان سے بارہ سو برس پہلے ملکہ سبا کا تخت بھی اسی قسم کا ہو۔

(۳) ایک سوال یہ ہے کہ یہ تخت کس غرض سے بنایا تھا اور حضرت سلیمانؑ کے دربار میں کیوں لایا گیا تھا۔ عام جواب یہ ہے کہ یہ ملکہ کے بیٹھنے کا تخت شاہی تھا۔ جو محل میں بحفاظت مقفل کمروں میں تھا۔ جہاں سے اظہار معجزہ کے لئے پل کے پل میں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ملک یروشلم (بیت المقدس) میں اٹھا منگایا۔ ہمکو اس سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ ملکہ سبا نے تحفہ کے طور پر حضرت سلیمان کے لئے اپنے ملک کی صنعت کاری کی ایک

چیز طیار کرائی تھی اور چونکہ یہ تحفہ تھا۔ ضرور ہے کہ ملکہ اپنے ساتھ شام میں لائی ہوگی تحفہ کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ قرآن نے سبا کی سفارت اولی میں تحفہ کا ذکر کیا اور تسلیم میں بھی سبا کا ذکر ہے۔

(۴) قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان کے ایک درباری نے جو کتاب سے واقف تھا عرض کی کہ میں نگاہ پلٹنے سے پہلے ملکہ کا تخت اوٹھالاتا ہوں۔ نگاہ پلٹنے سے پہلے تخت اوٹھالانیسے مقصود۔ جیسا کہ ہماری زبان میں سرعت اور جلدی سمجھا جاسکتا ہے۔ اسیطرح عربی زبان میں بھی قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ سے بھی سمجھنا چاہیئے۔ بعض تابعین اور مفسرین کبار نے بھی اس لفظ کے یہی معنی لئے ہیں اور یہ کہنا تو درحقیقت محاورات زبان سے نادانی کا ثبوت ہے کہ واقعاً اس سے نگاہ پلٹنے کے ساتھ کام کیا۔

(۵) اس قصہ کے متعلق چوتھی بحث یہ ہے کہ قرآن مجید کے ان الفاظ میں کہ وہ شخص کہ جسکے پاس کتاب کا علم تھا بولا کہ میں تخت کو نگاہ پلٹنے سے پہلے لادونگا۔ کتاب کے علم (عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ) سے کیا مراد ہے۔ عام مفسرین توراۃ مراد لیتے ہیں یا اسم اعظم۔ لیکن ظاہر ہے کہ توراۃ کے علم سے تخت کا جلد اور سرعت سے لے آنا کیا مناسبت رکھتا ہے۔ اسم اعظم کا تخیل بھی ایک جاہلانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے۔ اسلام کی رو سے یہ کوئی شے نہیں۔ البتہ یہودیوں میں یہ خیال ابتک موجود ہے۔

ایک مدعی علم کلام جدید نے کتاب سے رجسٹر اور دفتر مراد لیا ہے یعنی بعض درباری حضرت سلیمان کے سرکاری دفتر اور رجسٹر سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ تخت کہاں رکھا ہے۔ اونہوں نے کہا کہ میں ابھی اوٹھالاتا ہوں لیکن اوس عہد میں اونیسویں صدی کی طرح باقاعدہ دفتر اور رجسٹر کا دعوی ایک مضحکہ خیز امر ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ کتاب سے خط مراد ہے۔ بلفظ کتاب اسی قصہ میں اس سے پہلے دوبار اسی معنی میں قرآن مجید میں آچکا ہے۔ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا (میری یہ کتاب (خط) لیجا۔ اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (میرے پاس ایک عظیم الشان کتاب آئی ہے)

اسکے علاوہ لفظ کتاب کا معنی خط عربی میں عام طور سے استعمال ہے بلکہ فصحا اسکے سوا خط کیلئے کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ میری تاویل کے مطابق آیت کا مقصود یہ ہے کہ درباریوں میں سے ملکہ سبا کی مضمون خط کا جسکو علم تھا کہ وہ بطور تحفہ اپنے ساتھ ایک تخت لائی ہے اس نے کہا کہ میں ابھی لاتا ہوں۔

(۶) قرآن مجید میں ہے کہ ملکہ حضرت سلیمان کے ہاتھ پر ایمان لائی اور پیغمبرانہ جاہ و جلال دیکھکر بے اختیار پکار اٹھی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ۔ لیکن بظاہر تسلیم سے اسکی تائید نہیں ہوتی لیکن تسلیم میں ملکہ کے یہ فقرے خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے۔ اور جس نے تجھے بنی اسرائیل کے تخت پر بٹھلایا۔ کیونکہ خداوند اسرائیل کو ابد تک پیار کرتا ہے اور تجھکو بادشاہ بنایا کہ عدل و انصاف کرے۔ کیا اوسکے ایمان قلب کو نہیں ظاہر

کرتے مسیحی احباب تو قرآن کی تائید پر مجبور ہیں کیونکہ انجیل کا یہ درس انکو یاد ہے۔[۱]

جنوب کی ملکہ فیصلہ کے دن اس نسل کے ساتھ کھڑی ہوگی اور ملامت کریگی کہ وہ زمین کے انتہائی حصہ سے سلیمانؑ کی حکومت سُننے آئی اور دیکھو کہ یہاں سلیمانؑ سے بڑا ہے (مسیحؑ) (متی ۲-۴۲)

فاضل معاصر نے اس قصہ کے متعلق چند شکوک اور اونکا ازالہ" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اُسکو ہم نے بلفظہ وبحرفہ نقل کردیا ہے۔ نقل کرنے کے بعد اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ فاضل محقق نے اس مضمون کی ترتیب میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپ کی خاص ایجاد نہیں بلکہ فی الحال یہی سیاق تحریر و تحقیق قرار پاچکا ہے۔ اور محققین جدید کی مجتہدانہ توجہ اس کیطرف مبذول رہتی ہے کہ کتب سماویہ کے تمام احکام۔ اعمال اور قصص و حالات کو جس طریقہ سے ہوسکے قریب العقل اور ممکن الوقوع ثابت کریں۔ توراۃ و انجیل کے احکام کی مطابقت کہاں تک عقل سے ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے۔ اسکے لئے ہم جوابدہ نہیں۔ مگر ہاں شریعت قرآن اور اسکے احکام ممکنات عقلی کے بالکل مطابق ہیں اور صرف ممکن العقل ہی نہیں بلکہ ضرورت زمانہ اور اصلاح تہذیب اخلاق انسانی کیلئے بھی بیحد ضروری ہیں مگر ان امور کی تشریح و تفصیل کے لئے ارض القرآن کا موضوع و عنوان ہرگز موزوں نہ تھا۔ لائق محقق کو اس کی تحریر سے اسکا پہلے خیال کرلینا بہت ضروری تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ یہ غور کرلینا بھی فرض تھا کہ باوجودیکہ شریعت اسلامی اصول عقلی کی بنا پر تمام تر مبنی ہے مگر تاہم اس نے بحکم انی اعلم مالا تعلمون۔ قدرت کے حدود کو کسی حالت میں نہ محدود کیا ہے اور نہ اوسکی جبروت سے کسی وقت مقابلہ یا موازنہ کی جرأت کی ہے۔ بلکہ انسان کے تمام عقل و شعور اور قوائے مدرکہ کو اوسکی جبروت قدرت کا مطیع و منقاد ثابت کیا ہے۔ اس بنا پر ہر مجتہد اور محقق اسلامی کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ وہ قدرت کے عجائبات و نوادرات کی تلاش و فکر میں اپنے انسانی تعقل سے زیادہ نہ بڑھے۔ اور جسقدر وہ تعقل کرچکا ہے۔ اوسی پر بس کرے جسقدر زائد تعقل کرتا جائے گا۔ اُتنا تامل بڑھتا جائیگا۔ اور پھر ان شبہات و شکوک کا سلسلہ تمام نہ ہوگا۔ ہدہد کی تحقیق میں اسکے مطابق تعقل کرنے کی کوششیں تمام ہوچکی تھیں مگر اور زیادہ قریب عقل بنانے کی کوشش نے پہلی تاویل کو بھی مشکوک کردیا۔ کیونکہ ہُدہُد کی تعلیمیافتہ امبری کے متعلق اور نہ حضرت سلیمان کے اول ہی بار بھیجنے کی نسبت قرآن میں اشارتاً و کنایتاً کوئی بیان ہے۔ پھر یہ آپ کی یہ قیاسی تاویل ہی۔ جیسے آپ پہلے صاحبان قیاس کی لفظ طیر کی غلط فہمی دکھلا آئے ہیں۔ ایک غلط تخیل ٹھرائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح آپ کی تصریحات نمبر ۲ و ۳ یعنی تخت بلقیس اور اوسکے ہدیہ کی ضرورت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ممکن الوقوع ہے مگر پھر آخر میں یہ لکھدیا جاتا کہ گویا یہ تخت خود ملکہ تحفہ لے آئی تھی جیسا کہ غیر مذاہب اسلامیہ شواہد سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور قرآنمجید کے لفظ تحفہ کی بنا پر اس کی تطبیق کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مگر تطبیق سے پہلے الفاظ قرآن کو کافی طور سے سمجھ لینا چاہئے۔ جو ملکہ کے عرش عظیم اور انی مرسلۃ الیہم بھدیۃ۔ او سکے ارسال تحفہ کو ضرور بتلا رہے ہیں۔ مگر اس سے تخت کے تحفہ خاص کی نذر گذرانے جانے کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ جو یقینی طور پر صحیح مانی جائے۔ قبل ان یرتد الیک طرفک کی تاویل

سبا کا مذہب۔

قرآن مجید نے بتلایا ہے کہ سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا۔

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللهِ	میں نے سبا کی شہزادی کو اور اُسکی قوم کو خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے پایا۔

بقیہ اس ذکر سے خاموش ہے لیکن ترگوم سے تصدیق ہوتی ہے۔ ترگوم کا فقرہ یہ ہے کہ جبکہ ملکہ آفتاب کی عبادت کو جارہی تھی۔ یونانی مورخ تھیوفراستینیس (Theophrastinaus ۱۲۲۱ قم

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ بھی اسی حد تک صحیح کہی جائے گی جبتک کہ جبروت قدرت سے انکار مترشح نہیں ہوتا
آخری بحث وَعِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کے متعلق ہے۔ اس میں اسم اعظم کے مراد و مفہوم کی جو مفسران قرآن کا مختار و متفقہ ہے۔
تنقید کی گئی ہے اور علم کتاب سے محض وہ کتابت یعنی خط جو ملکہ نے سلیمانؑ کو لکھا تھا مراد لیا گیا ہے۔ اور اس تخیل کی بنا لفظ کتاب
کے یہ معنی خط اس قصہ میں واقع ہونے پر جو الفاظ قرآنی میں پائے جاتے ہیں قائم کی گئی ہے۔ یہ بھی قیاسی معیار ہے اور خیالی
مختار۔ یہ ضرور نہیں کہ ایک لفظ کے تمام ایک ہی معنی مراد ہوں۔ اگر یہی دلیل صحیح مان لی جائے تو کتاب کے معنی خط دو تین مقاموں
سے زاید میں نہیں آئے ہیں اور کتاب ان معنیوں میں جن معنیوں میں توراۃ اور مفسران قرآن نے بتلائے ہیں۔ وہ کثیر التعداد مقامات
پر وارد ہوئے ہیں۔ انکے لئے کیا جواب دیا جائیگا۔ اور اصول کثرت پر کیوں اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ مگر جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔
ارض القرآن کا سادہ اور آسان موضوع علم کلام کے دشوار اور سخت مسائل و مباحث کے تصفیہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب رہا زمانہ
حال کے محققین خصوصاً مغربی مستشرقین کے طریقہ تقلید کو مناسبت اور قبولیت کے اوسی درجہ تک اجازت ہو سکتی ہے۔ جہانتک
اوسکے مکاشفات اعتقادات میں فسادات پیدا نہ کریں اور منافی قدرت نہ ثابت ہوں۔ کیونکہ اسلام کے عقاید میں یہ امر بڑی اہمیت
سے داخل ہے کہ انسان چاہے اپنے تعقل سے عرش الکمال تک نہ پہونچ جائے۔ تاہم وہ قدرت کی قدرت اور جبروت الہیہ کے رموز و
علوم تک ذرہ بھر بھی نہیں پہونچ سکتا۔ مگر ہاں مدارج تعقل اور منازل فکر و تلاش میں جو جہاں تک پہونچا ہے وہ وہیں تک رہے اور
اپنے ہی تک اوسکی تفہیم و اعتقاد کو محدود کرے دوسروں کو دوسروں کی تبعیت اور تسلیم کرلینے کی تکلیف نہ دے۔ کیونکہ اسکا تعقل
ظنی ہے اور جو اپنی تعقل و تفہیم کی تکلیف دوسروں کو پہونچاتا ہے اوسکا تعقل و تفہیم یقینی ہوتا ہے اور اوس میں روحانی تائید
خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے۔ اسلئے ظنی تعقل والا ایک مصلح قوم اور ناصح مشفق سے زیادہ نہیں۔ اسلئے اوسکی تبعیت اُسکے غیر
کے لئے وجوب کے برابر نہیں۔ لیکن یقینی تعقل والا منجانب اللہ نبی مرسل ہوتا ہے اور اوسکی تبلیغ واجب الاتباع۔ لہذا اگر فاضل
معاصران تفہیمات کو اپنے ہی تک محدود کرلیں تو کسی کو عذر نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسکے عام واجب الاتباع ہونے میں تامل ہی ہے
اور کلام ہی۔ اولاد حیدر

جو اسلام سے تقریباً ۹۰۰ برس پیشتر اور سبا کا معاصر تھا۔ بخورات کے ذکر میں لکھتا ہے۔ یہ ملک سبا سے متعلق ہے۔ جو بخورات کی ملکیت کی بڑی حفاظت کرتے ہیں۔ ان بخورات کا ڈھیر آفتاب کی ہیکل میں جو اس قوم میں نہایت مقدس سمجھا جاتا ہے، لایا جاتا ہے Herons Hisloncal Researches vol P351

روایات عرب سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے۔ بانی قبیلہ سبا کا لقب عبد الشمس مشہور ہے (تاریخ حمزہ اصفہانی ص ۷۰ کلکتہ) جسکے معنی پرستار آفتاب کے ہیں۔

اکتشافات اثریہ نے اس مسئلہ کو اظہر من الشمس کر دیا ہے جسکی تفصیل "ادیان" میں آئیگی مجمل یہ کہ سبا کے متعدد دیوتاؤں میں سے ایک شمس بھی تھا جس کی تمام جنوب عرب میں پرستش کی جاتی تھی۔ Encyclopidea of Islam vol1 P370 مسلمانوں نے ابتدائی صدیوں (دوسری یا تیسری صدی) میں یمن کی ایک عمارت کا کتبہ پڑھا تھا۔ جو جنوبی (حمیری) زبان میں تھا۔ اسمیں عبارت منقوش تھی۔ بسم اللہ ھذا ما بناہ شمر یرعش لسیدۃ الشمس۔ شمر یرعش نے سورج دیوی کیلئے یہ بنایا تاریخ اصفہانی ص ۱۱۰ کلکتہ۔

سبا کا تفرق و انتشار اور نتیجہ زوال و ادبار

ہم کہیں اوپر بیان کیا ہے کہ سبا کے مقبوضات تین حصوں پر منقسم تھے حبش یمن اور شمالی عرب۔ سنہ ۱۰۵ ق م میں یہ شیرازے بکھر گئے۔ حبش پر اکسوم کے خاندان (اصحاب الفیل) نے قبضہ کر لیا۔ شمالی عرب میں اسمٰعیلی عربوں نے خروج کیا۔ یمن میں حمیر (شاخ قبیلہ سبا) نے ظہور کیا۔ اور بقیہ قبائل تمام تتر بتر ہو گئے۔ اصلی باعث یہ ہوا کہ چوتھی صدی ق م کے آخر میں یونانیوں نے اور پہلی صدی ق م میں رومیوں نے علی الاتصال شام و مصر پر قبضہ کر لیا۔ یہ عربوں کے بیوپاریوں سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے عرب اس تجارت کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے اس لئے غیر قوموں کو اپنے ملک سے گذرنے نہیں دیتے تھے۔ انباط اور حمیر کے واقعات پڑھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ صرف اسکے لئے کتنی خونریزیاں ہوئیں۔ اور یونانی اور رومی ان دشوار گذار پہاڑوں اور ریگستانوں کو باسانی طے نہیں کر سکتے تھے۔ اسلئے انہوں نے ہندوستان و افریقہ کی تجارت کو بری راستے سے بحری راستہ کیطرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر و شام کے سواحل پر اترنے لگے۔ اس طریق سفر نے سبا کی تجارت کو بالکل سرد کر دیا۔ اور اس نے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی تمام آبادیاں پریشان کر دیں۔ کیونکہ انکے تمول اور خوشحالی تجارت ہی کے سبب تھی۔ وہ مفقود ہو گئی ادبار موجود ہو گیا۔

رواۃ عرب انکے تفرق و تخریب کا باعث بند عرم کے ٹوٹ جانیکو ہی بتلاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انکی

زراعت کو سخت نقصان پہونچا - اور اونکی اکثر بستیاں بہ گئیں - مگر اس سیلاب کا باعث اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ تمام ملک یمن کو برباد کر دے اوس لئے جو کچھ نقصان پہونچا یا ہوگا وہ شہر مارب اور اُسکے آس پاس کے دیہات کو جہاں وہ آیا تھا اور اُسکا اثر پہونچا تھا - قرآن مجید ان دونوں توجیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے -

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ

(سورہ السباء)

بیشبہ سبا کے لئے خود اپنے گھر میں نشانیاں تھیں - دو باغ داہنے اور بائیں - اپنے پروردگار کی روزی کھاؤ اور اُسکا شکر کرو - ستھرا شہر ہے اور بخشنے والا مالک - اونھوں نے سرتابی کی تو ہم نے اون پر بند توڑ دیا - اور سیلاب بھیجا اور اُنکے باغوں کے بجائے بدمزہ پھلوں - پیلو اور کچھ جھربیری کے جھاڑ پیدا کر دیئے - یہ اُنکی ناشکری کی سزا تھی اور ہم صرف ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں ہم نے اُنکے ملک اور برکت والی آبادیوں (شام) کے درمیان بہت سی کھلی آبادیاں قائم کر دی تھیں اور اون میں سفر کی منزلیں مقرر کر دی تھیں چلو ان آبادیوں کی منزلوں میں دن رات بےخوف و خطر - انھوں نے کہا کہ خدا نے ہمارا بڑا سفر بنایا یا اے خدا ہمارا سفر کو دور کر دے - اونھوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا - تو ہمنے انکو کہانی بنا دیا اور پارہ پارہ کر دیا حقیقتاً اسمیں عبرت کی نشانیاں ہیں - شکر گذار اور صابر بندوں کے لئے (السبا)

حمیر یا سبا کا طبقہ ثالثہ و رابعہ - قوم تبع و اصحاب الاخدود -

۱۱۵ ق م - ۵۲۵ ع

ملک یمن دو حصوں پر منقسم ہے مغربی اور مشرقی قطعہ مشرقی جو اندرونی ملک سے ملحق ہے حکومت سبا ہی کا تھا مغربی جو ایک طرف سے عرب اور دوسری طرف بحر احمر کو چھوتا ہے حمیر کی مملکت ہے -

اسی سے سمجھ لیا جائیگا کہ بحری تجارتوں نے سبا کو ہٹا کر حمیر کو کس حد تک ترقی کا دیا ہوگا - یہی سبب ہے کہ یمن کی حکومت مشرق سے منتقل ہو کر مغرب کو چلی آئی اور حمیر جو مغربی قبیلہ تھا اُسنے قوت مزید حاصل کر لی ناچار مشرقی قبائل رزق و معاش کی تلاش میں کچھ مغرب کو آ گئے اور کچھ سیاحت کر کے بحرین - حجاز - عراق اور شام کو چلے گئے - یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حمیر سبا سے کوئی الگ شے نہیں ہے - صرف خاندان اور موقع تفرقہ کا فرق ہے زبان - مذہب اور طریق تمدن تمام چیزوں میں ایک ہیں - اسلئے خود حمیر کے کتبات میں لفظ سبا ہی کا ذکر ہے البتہ مورخین یونان

سنہ ۳۰۰ تمام میں اور اہل حبشہ نے چوتھی صدی عیسوی کے اپنے کتبات میں انکو حمیر کہا ہے۔

لفظ حمیر

علماء انساب کہتے ہیں کہ حمیر سبا کے جانشین فرزند کا نام تھا۔ اسلئے سبا کی تمام تاریخ میں وہ سبا کے ہر جگہ حمیر بولتے ہیں لیکن اب تک جو کتبات ملے ہیں اور پڑھے گئے ہیں انمیں لفظ حمیر کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ خود حمیری سلاطین اپنے آپکو ملک سبا و ذوریدان لکھتے ہیں۔ ہاں اہل حبش کے بعض کتبات میں حمیر اور [illegible] کہیں کہیں ملتا ہے۔ لفظ حمیر حبشی اور عربی میں احمر سے مشتق ہوگا جسکے معنی سرخ کے ہیں اور محاورے میں گورے رنگ کو کہتے ہیں۔ اسکا مقابل اسود ہے عرب سیاہ و سپید کی جگہ الاسود والاحمر بولتے ہیں۔ چونکہ عرب اہل حبش کو اسود اور سودان کہتے ہیں اسکے مقابل اہل حبش عرب کو حمیر یعنی گورے رنگ کے آدمی کہتے ہونگے۔ ابرہہ کا حبشی فاتح اپنے ایک کتبہ میں لکھتا ہے کہ بادشاہ حبشی اور حمیر فوج لیکر آیا [illegible] میں اسکے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کالی اور گوری پلٹنیں ہیں۔

سلطنت حمیر

تمہید میں معلوم ہو چکا ہے کہ حمیر مغربی یمن میں بحر عرب و بحر احمر کے متصل آباد تھے۔ اسوقت انمیں خاندان ذو [illegible] (السیسم) حکومت کرتے تھے۔ قلعہ ریدان انکا مسکن تھا اور اسی بنا پر خطاب اپنا ذوریدان تھا۔ یہ قلعہ شہر ظفار کے قریب تھا۔ یہ شہر صنعا کے قریب واقع ہے اور حمیری حکومت کا پایہ تخت تھا۔ ابو الحکم [illegible] اسی ریدان کے ذکر میں لکھتا ہے۔

وفی ظفار بنت آباؤنا شرفا	فی کوکبان وفی الملک ریدانا
ہمارے بزرگوں نے ظفار میں عمارتیں قائم کیں	نیز کوکبان میں اور قصر شاہی میں ریدان تھا

سبا کی تباہی کے بعد حمیر نے آرب تک اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اسوقت اونکا لقب شاہی ملک سبا و ذوریدان نظر آتا ہے۔ ایک مدت کے بعد اونکے القاب میں "شاہ حضرموت" کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر تمام یمن، نجد اور تہامہ کی بادشاہی القاب میں نظر آتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس طرح بتدریج انکی حکومت کا رقبہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ آخر سنہ ۵۲۵ء میں آخری حمیری بادشاہ ذونواس اکسومی حبشیوں سے شکست کھاتا ہے اور پچاس برس کیلئے ملک انکے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اسکے بعد ایرانی آتے ہیں اور انکے چند برسوں کے بعد تمام عرب کی گھاٹیوں سے خورشید اسلام یمن میں طلوع ہوتا ہے اور ایک دن میں تمام یمن اس نور سے منور ہو جاتا ہے۔

---

۱۷۵ جہاں جہاں اس باب میں کتبات کے حوالے دئے گئے ہیں وہ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۸۶۷ء کے مضامین [illegible] و زبان سبا سے ملتقط ہیں۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۲۷۸

حمیر کا زمانہ

سبائے حمیر کے پچھلے کتبات میں مبهود ابن ابهد کے نام سے ایک غیر معلوم تاریخ کے سنین کا استعمال کیا گیا ہے۔ ٣٨٥ھ و ٥٧٣ھ و ٥٨٢ھ و ٦٤٠ھ و ٦٥٦ھ و ٦٥٨ھ و ٦٦٩ھ مختلف کتبات کے سنین ہیں۔ انہیں سے ٦٤٠ھ کے کتبہ میں حبش کے حملے یمن اور ذونواس کی موت کا ذکر ہے۔ یہ واقعہ عربی روایات اور رومی بیانات کے مطابق ٥٢٥ء کا ہے۔ اس بنا پر یہ بالکل بدیہی ہے کہ ٥٢٥ء ٦٤٠ھ حمیری کے مطابق ہے اور اسلئے سنہ ١ حمیری کی ابتدا ١١٥ ق م قرار پائیگی۔ مگر دوسرے اور کتبات کی عبارت پڑھکر اور ملاکر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سبائے حمیر کی تاریخ پہلی صدی ق م کے اوسط سے شروع ہوتی ہے اور آخر شاہ حمیر ذونواس کی موت پر ٥٢٥ء میں حکومت حمیر ختم ہو جاتی ہے۔ اس حساب سے حمیر کی کل مدت حکومت تقریباً ٥٥٠ برس قرار پائیگی۔

حمیر کے طبقات

حکومت حمیری کے ٥٥٠ برس حمیر کی مسلسل تاریخ نہیں ہے۔ پہلی صدی ق م سے تیسری صدی کے اواخر تک حمیر کا طبقۂ اول، یا سبا کا طبقۂ ثالث فرمانروائی کرتا رہا۔ دوسرا طبقہ تیسری صدی کے اواخر سے شروع ہوتا ہے۔ اور ابھی چند ہی بادشاہ گذرتے ہیں کہ اکسومی حبشی چوتھی صدی کے اوسط میں گھس آتے ہیں۔ چند سال کے بعد حمیر ان حبشیوں کو نکال کر پھر وطنی حکومت کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ یہ طبقہ ٥٢٥ء تک جبکہ آخری بار اہل حبش فاتحانہ داخل ہوتے ہیں، قائم رہتا ہے۔

سبائے حمیر کے ان دونوں طبقات میں فرق و امتیازات ہیں۔ دور اول کے سلاطین کا لقب "ملک سبا و ذو ریدان" ہے۔ دور ثانی میں سلاطین "ملک سبا و ریدان و حضرموت" کا لقب اختیار کرتے ہیں، اور جب جب کوئی نیا قطعہ ملک فتوحات میں شامل ہوتا ہے، تو لقب شاہی میں اتنا ہی اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان القاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ دورۂ اول میں حمیر کا رقبہ حکومت صرف یمن تک محدود تھا۔ دور ثانی میں حضرموت تک وسیع ہو جاتا ہے۔ عرب مورخین کے بیان سے بھی ان طبقات کی تصدیق ہوتی ہے۔

واول من ملك اولاد قحطان حمير بن سبا فبقي ملكها حتى مات هرما و توارث ولده الملك بعده فلم يعدهم الملك حتى مضت قرون و صار الملك الى الحارث و هو تبع الاول فمن ملك

فرزندان قحطان میں سے پہلے پہل جو بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے، آخر وقت تک بادشاہ رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر مر گیا۔ پھر حکومت اسکی نسل میں وراثتاً جاری رہی، اور انکے ہاتھ سے نہیں نکلی تاآنکہ چند صدیاں گذر گئیں۔ پھر حارث الرائش پہلا بادشاہ ہوا

٥١ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ ج ٢٣ ص ٩٥٦

٥٢ " " "

٥٣ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ج ١ ص ٣٧٧

٥٤ تاریخ حمزہ اصفہانی ص ١٠٨ کلکتہ

الیمن قبل الرائش سلطان ملک بسبا و ملک بحضرموت فکان لا یجتمع الیمانیون کلهم علیهم الی ان ملک الرائش فاجتمعوا علیه وتبعوه فسمی تبّعا

جو تبع کہلایا۔ اس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے۔ ایک سبا میں اور ایک حضرموت میں۔ تمام یمنی ایک کی طاقت پر متفق نہیں ہوتے تھے لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اسکی بادشاہی پر سب متفق ہو گئے۔ اور اسکی اطاعت کرلی۔ اس لئے اسکا لقب تبع ہوا۔

شاہان حمیر اور انکے طبقات کی نسبت ہم نے جو کچھ لکھا اس سے معلوم ہوا کہ انمیں اکسومی (سبائی) حبش کی ایک قلیل الزمانہ حکومت کی خلیج بھی حائل ہے۔ عرب مورخین کو اس سے واقفیت نہیں۔ لیکن انکی فہرست سلاطین میں حبشی ترکیبوں کے نام داخل ہیں۔ اگرچہ مختلف صورتوں اور ترکیبوں کے نام ضرور ہیں مگر تاہم طبقہ ثانی کے بیچ میں یعنی حارث الرائش اور ناشر ینعم کے درمیان۔ ناموں کے رنگ کو پہچاننے والوں کو صاف حبشی یا کم از کم غیر عربی و حمیری رنگ و اثر چند ناموں میں ضرور نظر آئیگا۔

نمبر	نام (الف)	کیفیت
۱	حمیر	نام
۳	ایمن	صحیح لیکن نام کا صرف ایک جزو ہے
۴	زہیر	مصنوعی
۵	عریب	״
۶	الغوث	״
۷	وائل	ایک خاندان شاہی کا بنیادی نام ملتا ہے
۸	عبد شمس	صحیح
۹	زہیر الصوار	مشکوک
۱۰	ذو القدم	״
۱۱	ذوانس	״
۱۲	عمرو	״
۱۳	الملطاط	مصنوعی
۱۴	القلیمس	״

نمبر	نام	کیفیت (ب)
۱	الوکیسع	مصنوعی نام
	تبع ۱ ناشر ینعم	صحیح نام
۲	شمر یرعش	״
۳	ابو مالک	״
۴	الاقرن بن ابی مالک	مشکوک
۵	ذو جیشان بن الاقرن	..
۶	تبع بن الاقرن	״
-	کلیکرب بن تبع	صحیح
۸	اسعد ابوکرب	״
۹	حسان ابن تبع	مشکوک
۱۰	عمرو بن تبع	..
۱۱	عبد کلال	صحیح
۱۲	تبع ابن حسان	مشکوک

نمبر	نام	کیفیت	نمبر	نام	کیفیت
۱۵	س ، د	مصنوعی	۱۳	مرثد ابن علبیه	صحیح
۱۶ (ب)	الحارث الرائش	صحیح نام	۱۴	ولیعه ابن مرثد	"
(ج) ۱	ابرہہ ذو المنار	حبشی نام ابرہہ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے	۱۵	ابرہہ ابن الصباح	حبشی
۲	افریقش ابن ابرہہ	غیر عربی نام افریقش کے معنی شاید افریقی حبش ہوں	۱۶	صہبان ابن محرث	مشکوک
۳	العبد ذو الاذعار	مشکوک	۱۷	حسان ابن عمرو	"
۴	ہداد ابن شراحیل	ایک حبشی بادشاہ کا نام	۱۸	ذو شناتر	صحیح
۵	بلقیس بنت ہداد	غیر عربی۔ شاید یونانی	۱۹	ذو جدن	" ۲۰ ذو نواس صحیح

اس طویل فہرست میں قائمہ الف طبقہ اول حمیر ہے لیکن اسکے تمام نام صحیح نہیں ہیں۔ قائمہ ب ایک مختصر حبشی دور ہے۔ یہ نام بھی غیر صحیح ہیں لیکن حبشیت کا ان میں شائبہ ضرور ہے۔ قائمہ ج طبقہ دوم حمیر ہے اور قرب زمانہ کے سبب اسکے اکثر نام صحیح اور محفوظ ہیں۔

طبقۂ اوّل کے صحیح نام اور زمانے

شاہان حمیر کے صحیح نام وہ ہیں جو اب تک پتھر اور چاندی کے حرفوں میں یمن کے ویرانوں اور سکوں میں لکھے ملے ہیں اور جنکو بہتوں نے پڑھا ہے اور ہر شخص جا کر پڑھ سکتا ہے۔ ہمنے اوپر بتایا ہے کہ طبقہ ثانی کے بعض کتبوں پر تاریخیں بھی ثبت ہیں جنکا حل بھی ہو چکا ہے بعض سلاطین کے نام رومیوں کی سیاسی و تجارتی تعلق سے یونانی رومی تاریخوں میں محفوظ ہیں اور قیاصرہ روم کی معاصرت سے انکی تاریخ معلوم ہے۔

اس رومی تعلق سے طبقہ اول حمیر میں سے جسکا لقب شاہی ملک سبا و ذو ریدان ہے۔ دو بادشاہوں کی تاریخ معلوم ہے۔ کرب ایل (Charibail) اور الیشرح (Elisaros کتبوں میں الیشرح یحضب) اور وہ نسل بین شاہان سبا و ریدان فرزندان فرع ینہب شاہ سبا۔ رومی تاریخ میں ایک حملہ یمن کا ذکر ہے جو سنہ ۲۰ ق م الیشرح شاہ مأرب پر (سبا) کیا گیا تھا۔ الیشرح اس عہد میں دو (چچا) اور (بھتیجے) کا نام تھا۔ الیشرح یحضب اور الیشرح یحیل

رومیوں میں بھی یہودیوں کی طرح سبا کی دولت و ثروت کی اسقدر شہرت ہو گئی تھی کہ رومن لٹریچر میں سبا کی دولت ضرب المثل بن گئی۔ شعراء ان کی دولت کی تمثیل دیتے تھے رفتہ رفتہ طمع حرص نے کام و دہن میں لذت اور دست و پا میں حرکت پیدا کی سنہ ۲۴ ق م میں الیس گیلوس (Aelius Gallus) جو رومیوں کیطرف سے مصر کا گورنر تھا قیصر اغسطس (Agustus) کے حکم سے یمن پر حملہ کی طیاری کی۔ انباط

(نبت بن اسمٰعیل کی اولاد) جو شمالی عرب میں ان کے زیر اثر تھے اعانت کیلئے آمادہ کئے گئے۔ اور بظاہر وہ بھی آمادہ نظر آئے۔ شاہ انباط کا وزیر سلوس یا ثالث۔ عرب کے بے نشان کوہ و بیابان میں رہبر بنا آخر صحرا و کوہستان حجاز طے کر کے یمن میں داخل ہوا۔ الیشرح جو اسوقت یہاں کا بادشاہ تھا حملہ کی تاب نہ لا سکا۔ اور قلعہ بند ہوگیا۔ رومی کئی روز تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن پانی کی کمیابی سے خود حملہ آور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور نجران و حجاز ہوکر ۶۰ دن کے بعد بحال تباہ و زار مصر واپس آئی۔

یورپین مورخین اس مختصر اور عاجلانہ مہم کو بہت جی لگا کر بیان کرتے ہیں۔ کوئی فوج کے راستہ کا نشان بتاتا ہے کوئی محرف ناموں کی تصحیح کرتا ہے۔ کوئی اسکا جغرافیہ تیار کرتا ہے۔ کوئی اس مہم کی ناکامیابی کا سبب انباط کی خیانت ٹھہراتا ہے۔ کوئی راستہ کی دشوار گذاری کا عذر تراشتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر اور ریونڈ فارسٹر اس کہانی کے مشہور قصہ گو ہیں۔ بہرحال رومیوں کی اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر انہوں نے ادھر آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اکسومی حبش اس بنا پر کہ حمیر تمامتر سبا پر قابض ہوگئے۔ ان سے جلتے تھے جیسا کہ حبشی کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی سے انہوں نے یمن پر حملہ شروع کر دیا۔ اور یہ حملہ مسلسل قائم رہا۔ کبھی فاتح ہوکر آگے بڑھے کبھی مفتوح ہوکر پیچھے ہٹے۔ آخر حضرموت پر موقع پاکر جم گئے۔ شمر یرعش نے (جس کو عرب حارث الرائش اور شمر یرعش دو شخص سمجھتے ہیں) ان سے جنگ کی ہوگی اور ان سے یہ مقامات چھین لئے ہونگے کیونکہ وہ یمن اور حضرموت دونوں کا بادشاہ ہوا اور اپنا لقب اسلئے اوسنتتع اختیار کیا جس کے معنی حبشی زبان میں سلطان کے ہیں۔ اور شاید اسی لئے قومی ہیرو کے لحاظ سے عرب اسکو زیادہ وقعت دیتے ہیں۔ شمر یرعش کے بعد ایک مدت تک بیچ کی کڑی نہیں ملتی جس سے قیاس ہوتا ہے کہ نالائق جانشین ہونگے۔ اسی بنا پر اکسومیوں نے پھر دوبارہ حملہ کیا اور حمیر کو شکست دی۔ تقریباً ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک یہ [illegible] فرمانروا رہے۔ گو وطنی رؤسا بھی اپنی جگہ پر ماتحت کی حیثیت سے قائم رہے۔ ۳۷۸ء میں ملک یکرب سا نے انکو نکال کر یمن و حضرموت پر دوبارہ حقیقی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت ۵۲۵ء تک قائم رہی۔ اکسومیوں نے دوبارہ حملہ کرکے انکو برباد کر دیا۔ گویا تیس برس قبل ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک جو اکسومی خاندان قائم کیا گیا ہے۔ اسکی صحت کی متعدد دلیلیں ہیں۔ اولاً تو یہ کہ اکسوم کے کتبہ میں اسکی تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ اذنیہ اور اوسکے جانشین جو ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اکسوم میں

۱؎ فار فصل الیس گالوس کی عرب پر مہم ج ۲

۲؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون سبا و ابیسینیا و اکسوم۔

بادشاہ تھے۔ اپنے کو ملک اکسوم و حمیر و ریدان و اثیوبیا و سبا و ذریلع کہتے ہیں۔ حمیری کتبات میں اس عہد کے نام بلقب شاہی نہیں ملتے۔ عربی تاریخوں میں اس عہد کے سلاطین حمیر کے جو نام ہا بین شمر یرعش اور ملک یکرب مذکور ہیں وہ حبشی التلفظ ہیں۔ خود عرب مورخین بیان کرتے ہیں کہ شمر یرعش کے بعد اس بناء پر حمیر طبقہ دوم یعنی ملوک سبا و ریدان و حضرموت کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً حمیری بادشاہ ہیں پہر چند حبشی ہیں پہر سلسلہ حمیری ہو۔

طبقہ ثانیہ یا تبابعہ

طبقہ ثانیہ یعنی وہ سلاطین جنکا لقب ملک سبا و ریدان و حضرموت ہے۔ عرب انکو تبع کہتے ہیں اور اسکی جمع تبابعہ ہے

لفظ تبع کی تحقیق

لفظ تبع لغویین عرب کے نزدیک تبع یا تبعیت سے مشتق ہے۔

فتسامر الملك الى الحارث الرائش وهو تبع الاول فهو اول ملك اليمن قبل الرائش وكان ملك سبا وملك حضرموت فكان لا يجتمع اليمانيون عليهم الى ان ملك الرائش فاجتمعوا عليه وسموه تبعا (حمزہ اصفہانی ص[illegible])

حمیر کے بعد یمن کی حکومت حارث الرائش (یرعش) کو ملی۔ یہی تبع اول ہے اس سے پہلے دو بادشاہ یمن میں ہو گئے تھے۔ ایک سبا میں ایک حضرموت میں تمام یمن ایک بادشاہ پر متفق نہیں تھے۔ جب الرائش بادشاہ ہوا تو سب اسکی بادشاہی پر متفق ہوکر اور اسکی تبعیت اختیار کی اسلئے اسکا لقب تبع ہوا۔

ممکن ہے کہ تبع لفظ عربی بمعنی متبوع ہو یعنی جسکی پیروی اور اطاعت کریں لیکن جدید تحقیق سے یہ لفظ حبشی

فاضل محقق کی لفظ تبع کے متعلق تنقید و تحقیق قابل تحسین تو ضرور ہے مگر کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مضمون برجستہ ہے۔ لغویین عربیہ کی تنقید کے جوش و شوق میں۔ صرفی نحوی تمام دلائل جو اسکے غیر عربی ہونے کی تائید کرتے تھے بیان کر دئے اور یہ نہ بیان فرمایا کہ ایسا قاعدہ نحو و صرف سے آپ استدلال کرتے ہیں۔ یعنی رکع و سجد کا جمع ہونا اور اوسکا بصورت واحد یا الف لام علامت اسم صفت عربیہ کا اسمیں نہ پایا جانا۔ اوس زمانہ میں مدون ہو چکے تھے جس زمانہ کا یہ عربی اللفظ ہے۔ یعنی زمانہ حمیر کا جو صدہا سال قبل مسیح تھا اور انکا علم النحو و صرف تو سنہ ہجری کے قریب مدون ہوا ہے۔ پہر ان علامات کا اوس وقت میں نہ پایا جانا کیونکر باعث تغلیط الفاظ ہو سکتا ہے۔ واحد اوس وقت اکثر بجائے صیغہ جمع مستعمل ہوتا ہو جیسا کہ اوس وقت تک رائج ہے تو کیا اعتراض ہے۔ یا اوس وقت تک الف لام اسم صفت پر نہ لگایا جاتا ہو تو کیا کلام ہے۔ بہرحال ان قرائن ممکنہ کے خلاف۔ زبان حبش کا لفظ بتایا گیا۔ معنی لگائے گئے۔ اوسکے شواہد پہونچائے گئے۔ اور اسی کو اپنا مختار بالترجیح قرار دیا گیا مگر پہر چشم زدن میں اس فیصلہ کی بہی خود ہی تردید کر دیگئی اور بالآخر اسکا زبان حمیری یا سبائی ہونے پر بالتمام اعتبار فرمایا گیا۔ اس تحقیقات و تنقیحات کو دیکھکر تو ہر شخص یہی کہیگا کہ ڈگری تو عربی عرب کی ہوئی اور آپ ہی کی بارگاہ تحقیق سے۔ کیونکہ زبان حمیری ہو یا زبان سبائی سب زبان قدیم سامیہ کی شاخیں قرار دیگئی ہیں اور انہیں کی مابہ شاخیں عربی بہی داخل ہے جسکو آپ بہی ام سامیہ اور السنہ سامیہ کے بانی خود لکھ چکے ہیں۔ اس بناء پر اگر عرب علمائے لغت اپنی اصطلاح و دور اصل کا اعتبار سے حمیری یا سبائی کو اپنی آبا و اجداد کی زبان سمجھکر عربی کہتے ہیں تو کیا غلط کہتے ہیں۔

[illegible]

زبان کا ہے جسکے معنی قادر، جبار اور صاحب قوت کے ہیں۔[۵] اسلام میں ٹھیک اسی معنی و زور میں لفظ سلطان قوت و
غلبہ رواج پایا ہے۔ اس لفظ کے غیر عربی ہونے کی تائید علاوہ اسکے کہ حبشی زبان میں یہ لفظ موجود ہے، یہ ہے کہ
عربی میں اس وزن پر کوئی واحد اور بمعنی مفعول نہیں آیا۔ سُکّع رُکّع وغیرہ الفاظ ہیں تو وہ جمع ہیں۔ مبالغہ کا
وزن ہے تو وہ معنی مفعول نہیں پیدا کرتا اور سب آخر اسکے غیر عربی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عجمی ناموں کی
طرح اسپر الف لام نہیں آتا۔ اگر یہ عربی صفت کا صیغہ ہوتو مانع الف لام کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ یہ
صرف حبشی لفظ ہے۔ کتبات ملوک معین و سبا کے عہد میں یعنی کم از کم ہزار سال قبل مسیح میں لفظ تبع نظر آتا ہے
ایک بادشاہ معین کا نام تبع کرب بن تبع ایل مذکور ہے۔ ایک سبائی کتبہ میں تبع شرحبیل ملک سبا منقوش دیکھا
ہے۔ دوسرے کتبہ میں تبع کرب بلا لقب شاہی نظر سے گذرا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معنی میں یہ لفظ
اصلاً سبائی و حمیری ہے۔

قرآن اور تبع

قرآن مجید نے قوم تبع کا دوبارہ ذکر کیا ہے۔ دونوں بار قوت و زور اور جبروت و عظمت کیطرف اس سے
اشارہ کیا ہے۔ پہلی آیت میں صرف جبار قوموں میں انکا نام بھی ہے۔ دوسری آیت میں قریش کیطرف روئے
خطاب ہے کہ انکو اپنی کس قوت پر ناز ہے۔ تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور مند
نہ تھیں۔ اون کا کیا انجام ہوا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ

(۱) اس سے پہلے نوح کی قوم، اہل رس، ثمود، عاد، فرعون، برادران لوط اور اہل ایکہ اور تبع کی قوم نے جھٹلایا۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ

(۲) یہ قریش بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو قومیں ان سے پہلے گذریں ہم نے انکو برباد کیا کہ وہ مجرم تھیں۔

تبابعہ کی تعداد

عام مورخین اور اونکی تبعیت میں عام مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف تین تبع گذرے ہیں۔ تبع اکبر، تبع اوسط اور
تبع اصغر۔ تبع اکبر کا نام الحارث الرائش ہے۔ تبع اوسط اسعد ابوکرب کا لقب تھا اور تبع اصغر تبع بن حسان کا تھا۔
اسکے مقابلہ میں خود حمیری مصنفین کی روایت ہے کہ تاریخ یمن میں ستر تبع گذرے ہیں۔ شارح قصیدہ حمیریہ اور
نشوان ابن سعید الحمیری مصنف شمس العلوم نے روایت کی علاوہ اشعار سے اسکی تائید پیش کی ہے لیکن ان میں
سے مقصود شاید تمام سلاطین یمن ہونگے کیونکہ لفظ تبع جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے معین، سبا اور حمیر ہر دور میں نظر

---

[۵] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بمضمون عرب۔ [۶] گلازر کے شائع کردہ کتبات۔

آتا ہے۔ ورنہ تنہا اس طبقہ میں تو یہ تعداد دکھینی مشکل ہے جن عام مورخین نے صرف تین مخصوص تبابعہ کا ذکر کیا ہے، شاید انہوں نے صرف مشہور ترین تبابعہ کے نام پر کفایت کی ہے۔

تبابعہ کے نام اور زمانے

تبابعہ کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیئے کہ بروایت عرب بھی انمیں سے اکثر کے نام محفوظ ہیں اور کتبات سے بھی انکی تصدیق ہوتی ہے ہم نے (صاحب ارض القران) جو زمانہ ترتیب دیا ہے اسمیں اکثر سنین کتبات ہیں بقیہ استنباط و قیاس ہے۔ اصل سنین جن سلاطین کے منقوش ملے ہیں اور جو انکے عہد کے کسی کارنامے کی تاریخ ہو وہ حسب ذیل ہیں

نام	زمانہ	نام	زمانہ
۱ یاسر ینعم	۲۷۰ع	۲ شمر یہرعش	۲۸۱ع
۳ ملک کرب یہامن	۳۷۸ع	۴ شرحبیل یعفر	۴۵۱ع
۵ عبد کلیل	۴۵۵ع	۶ شرحبیل	۴۸۰ع
۷ ینوف	۵۱۰ع	۸ ذو نواس	۵۲۵ع

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسوی اور حمیری سنہ میں ۱۱۵ برس کا فرق ہے۔ اگر ان سنین پر جو عیسوی ہیں ۱۱۵ سال کا اضافہ کریں تو حمیری سن مکمل آئیگا مثلاً عبد کلال کا سنہ جدول بالا میں ۴۵۸ع ہے اس بنا پر ۵۷۳ حمیری ہوگا

افسانہائے حمیر

رواۃ عرب تبابعین کی نسبت بڑے بڑے عظیم الشان فتوحات اور ملک گیری و کشور کشائی کے عجیب و غریب واقعات بیان کرتے ہیں، ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے۔ شمر یرعش کی تیغ کشور کشا عرب سے ترکستان تک پہنچ کر ایک شہر کو ویران کر دیتی ہے اور اوسکا نام سمرکند پڑتا ہے یعنی شمر نے اوسکی بیخ و بنیاد کھود ڈالی۔ ایک تبع چین تک اپنی تلوار کی کاٹ دکھاتا ہے۔ اور تبت میں اپنی بقیہ فوج چھوڑ دیتا ہے، جہاں اب تک عرب آباد ہیں، ذو القرنین جس نے مغرب و مشرق کے ڈانڈے ملا دیئے تھے اور جس کا قران مجید نے ذکر کیا ہے وہ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے۔ اہل حبش سے سلسلہ جنگ قائم تھا کبھی فاتح تھے کبھی مفتوح۔ ورنہ ترکستان و چین کی فوجکشی جسکی ابن خلدون نے بھی کچھ کم ہنسی نہیں اوڑائی ہے۔ صرف لفظوں کا کھیل ہے۔ (سمرقند) سمرکند کے پہلے جز کو شمر یرعش کے پہلے جز سے اتحاد تھا۔ اسلیے وہ سمرقند کا بانی یا فاتح قرار پایا۔ اونہوں نے کند کو فارسی لفظ کندن سے مشتق سمجھا حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں کند "شہر" کو کہتے ہیں۔ سمرکند، تاشکند، خوکند یہ سب

ترکستانی شہروں کے نام ہیں۔ ترکستان کی زبان بزمانہ اسلام فارسی ہوگئی تھی لیکن شہر برغش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی جو "کند" فارسی "کندن" سے ماخوذ ہوتا چلین و تبت کا نگار خانہ بھی صرف لفظوں کا تماشہ ہے۔ عرب تبت کو تُبّت کہتے ہیں، جو تُبّع کے بالکل قریب ہے۔ ذوالقرنین کو صرف لفظ ذو نے مقدونیہ سے یمن پہونچا دیا کہ ذو یمن میں اکثر امرائے حمیر کے لقب میں آتا ہے مثلاً ذو نواس، ذوشناتر، ذو ریدان۔

لیکن زمانہ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے۔ ابن حوقل بغدادی (سنہ ۳۶۷ھ) کا بیان ہے کہ اوسکے زمانہ ورود سمرقند تک شہر کے دروازے پر شہر برغش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا۔ افسوس کہ سیاح موصوف ہی کے زمانہ قیام میں یہ نادر روزگار شہر میں آگ لگ جانے سے جلکر بے نشان ہوگیا۔ اصل میں یہ قدیم ترکی خط (الغوری) ہوگا جو حمیری دیجی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے۔ شہرت نام کی بنا پر اسکو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔

اسیطرح مورخ مسعودی کا بیان ہے کہ تبت میں تبع رہ گئے تھے، اور چنانچہ خود اوس نے عربی لباس و وضع میں اشخاص پائے۔ لیکن چوتھی صدی میں جب مسلمانوں کا تمدن تمام دنیا میں چھا رہا تھا اور عرب تاجر ہر کوہ و بیابان میں گذر رہے تھے تبت میں عربی لباس و وضع کے وجود سے تبع کی فتح تبت پر استدلال مسعودی کے فضل و کمال سے کسقدر دور ہے۔ اگر اس قسم کے انقلابات سیاسی حقیقتاً ظہور پذیر ہوتے تو اس عہد کی زندہ قومیں اونکے ذکر سے خاموش نہ رہتیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، ایران کے کیانی خاندان میں ایک مشہور بادشاہ کیکاوس گذرا ہے اسنے ایران سے ایک دریا کو (شاید خلیج فارس) عبور کر کے کشور ہاماوران پر فوج کشی کی لیکن شکست کھائی اور گرفتار ہوگیا۔ آخر رستم نے آکر کیکاوس کو رہائی دلائی۔ کیکاوس نے چھوٹکر ہاماوران کی شہزادی سودابہ سے شادی کرلی یہ وہی سودابہ ہے جسکے مکر و فریب سے گھبرا کر شہزادہ عجم سیاوش توران چلا گیا۔ اور وہاں مارا گیا اور اسی کے جوش غضب انتقام میں صدیوں تک ایران و توران باہم معرکہ آرا رہے۔ شاہنامہ میں پوری تفصیل موجود ہے۔ ثعالبی نے اپنی تاریخ میں (غرر تاریخ الفرس) میں لکھا ہے کہ کشور ہاماوران اصل میں حمیران ہے، حمیر کی فارسی جمع ہے۔ سودابہ صحیح عربی نام سعدیٰ کی تصحیف ہے۔

کیا حمیر کے افسانے تاریخی حیثیت کے حدود میں نہیں آسکتے؟ فاضل محقق صاحب ارض القرآن نے "افسانہائے حمیر" کے عنوان سے مذکورہ بالا مضمون تحریر فرمایا ہے جس میں اون تمام قدیم عربی روایات کو غلط ثابت کرنیکی کوشش کی ہے جو سلاطین حمیر یا سبا کے متعلق ایک نامعلوم وقت اور کثیر التعداد زمانے سے اون کی یادداشت کے سفینوں اور پشت در پشت اونکی مابعد نسلوں

ثعالبی کے علاوہ تمام لغات فارسی میں ہاماوران کے معنی یمن ہی کے ہیں۔ ایسی بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیان تاریخاً معاصر ثابت ہو جائیں۔ اور نیز یہ سمجھنا چاہیے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی بادشاہ ہوگا کیکاؤس کیطرف غلطی سے نسبت ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کے سینوں میں علی التسلسل محفوظ اور منقول چلی آتی ہیں۔ یہ تو ان روایات کے تحفظ و استقرار کی حالت زمانہ جاہلیت میں معلوم ہوتی ہے۔ جبتک وہ اپنے حالات کو کتابی صورت میں تدوین کرنے کا علم نہیں جانتے تھے۔ اور اس امر کی حقیقت سے ہمارے فاضل معاصر کو بھی انکار نہیں ہے۔ اب جب انھیں زیادہ علمی صلاحیت آئی اور وہ تدوین کتب صحائف کے قابل ہو گئے تو انہوں نے ان روایات کو اپنے علمی دفاتر اور قلمی ذخائر میں بھی جگہ دی۔ اور تمام قدیم عربی تاریخوں میں ماخوذ و مستنبط ہوئے۔ جیسا کہ فاضل معاصر کو خود اقرار ہے۔ مگر چونکہ بدقسمتی سے ان روایات پر موجودہ زمانہ کے مغربی محققین کو اطلاع نہ حاصل ہو سکی اور کیونکر ہوتی۔ قدیم یونان و روم نے ان عربی ملک سے کبھی کامیابی نہ حاصل کی۔ اور ان سے مغلوب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ حضرت فاضل لایق محقق نے بھی اسی کتاب میں اکثر مقامات پر اظہار و اقرار فرمایا ہے (ملاحظہ ہو ارض القرآن ج ا ص ۲۰۹-۲۹۰) اسلئے انکی فتوحات اون کی کتب قدیم میں نقل نہیں کئے گئے۔ ہمارے جدید یوروپین مستشرقین عام اس سے کہ ارباب تحقیقات تاریخی ہوں یا اصحاب اکتشافات اثری۔ وہ بغیر اپنی قدیم کتابوں میں دیکھے ہوئے ان روایات پر کیوں اعتبار کرنے لگے۔ بالخصوص جبکہ یہ فتوحات یونانی اخبار و آثار کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ لائق محقق چونکہ یورپین ادبیات اثریہ کے بالکل زیر اثر ہیں اسلئے وہ بھی ان روایات کو افسانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصول تحقیق کی رو سے ان روایات کی صحت کے متعلق دونوں قسم کے ثبوت تاریخی اور اثری موجود ہیں اور اون کو آپ خود لکھ بھی رہے ہیں۔ مگر اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ اوسکی تردید و انکار کرتے ہیں۔ ابن حوقل بغدادی چلا رہا ہے کہ سمرقند کے دروازے پر حمیری فتوحات کا آہنی کتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور پڑھا بھی ہے۔ مگر سوئے اتفاق سے میرے قیام کے زمانہ ہی میں اوس میں آگ لگ گئی اور وہ جل گیا۔ آپ اوسکے اس بیان پر استہزا کرتے ہیں اور اوسکو معاندانہ طریقہ سے دروغگو کہتے ہیں۔ اور حمیری خطوط کی نسبت اپنے قیاس سے کہتے ہیں کہ وہ ترکی کا قدیم ایغوری خط ہوسکتا جو حمیری اور چینی خطوط سے مشابہ تھا۔ آپ کے اس قیاس و اندازے کے پاس کون عقل والا جا سکتا ہے۔ جو ابن حوقل بغدادی چوتھی صدی کے عربی الاصل مؤرخ اور جغرافیہ داں۔ اور مولوی سید سلیمان صاحب ندوی بہاری جنکا تعلم سنہ ۱۳۴۲ھ دونوں کو جانتا ہے۔ اور اسکا باہمی تصفیہ کر سکتا ہے کہ خط حمیری کی تمیز و شناخت اور اوس کی شکل و ساخت کا علم ابن حوقل رکھتا تھا۔ یا مولوی سلیمان صاحب۔ جو ایکہزار برس کے بعد اوس کے مشاہدے کو اپنے قیاس سے غلط ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ جنکی سیاحت بہار سے مغربی شمالی ملک میں تمام ہے۔ طرہ تو یہ ہے کہ اوس نے تو اوسکو دیکھ کر بھی حمیری اور ترکی میں تفریق و تمیز نہیں کی۔ مگر آپ نے مدت ہزار سال کے بعد شہر اعظم گڈھ میں بیٹھے بیٹھے پہچان لیا کہ وہ ترکی کا قدیم ایغوری خط ہے جو حمیری سے مشابہ ہے۔

تبابعہ کے تمدنی سیاسی اور مذہبی حالات

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تبابعہ سے پہلے سبا کے تمام طبقے ستارہ پرست تھے سب سے بڑا دیوتا انکا شمس تھا۔ اور "المقہ" حمیری چاند کو المقہ کہتے تھے (سمجھنے کیلئے ہندوستان کے سورج بنسی اور چندر بنسی قبائل کافی ہیں) بہرحال

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ اور پھر اس حالت میں کہ اصل تحریر بھی ہزار برس سے معدوم و مفقود ہو گئی۔ پھر کس چیز سے آپ نے تمیز فرمایا۔ کوئی اوس کی نقل محفوظ ہو۔ اور آپ کی نظر سے گذر رہی ہو۔ اوسکو بتلا دیجئے۔ ابن حوقل کے غلط پڑھنے اور حرف مفہا کے اصلی البغوری ہونے کو کسی قدیم و جدید مولف نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہو۔ اوسکا حوالہ دیجئے۔ آپ تو کسی اصول و ثبوت سے اپنے قیاس کو صحیح و ثابت تو کرتے ہی نہیں۔ پھر دنیا مانے تو کیسے۔ بخلاف اسکے ان واقعات کے تاریخی ثبوت عربی ماخذوں میں بھرے پڑے ہیں۔ تاریخ مسعودی۔ ابوالفدا۔ ثعالبی اور ابن حوقل وغیرہم اتنے ماخذوں کا نام تو خود آپ ہی بتلاتے ہیں۔ محقق مغربی کی کتاب تاریخ یمن۔ عقود اللؤلؤیہ اور اوبد۔ ابن ہشام۔ طبری وغیرہم کے نام میری طرف بڑھا لیجئے۔ تاریخی ثبوت تو یہ ہیں۔ اثری شہود خود آپ کی کتاب میں ابن حوقل اور مسعودی کے اقوال و مشاہدے موجود ہیں۔ تو پھر آپ ان روایات کو تاریخی توثیق اور اثری تصدیق سے باہر نکالکر کیسے افسانہ اور داستان سمجھیں گے اور اصول تحقیق سے علیحدہ ہو کر صرف یورپین محققین کے اقوال و مختار پر اعتبار کرینگے۔ اور ایشیائی مورخین اور عربی مولفین کو دروغگو اور ساقط الاعتبار سمجھ لیں گے۔ اور یہ سمجھنا بھی اپنے اصول کے خلاف ثابت ہوگا کیونکہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ جلد اول میں آپ نے علامہ نویری کی کتاب مسالک الابصار سے یمن کے اوس قدیم کتبہ کو نقل کیا ہے۔ جو معاویہ کے زمانہ (سنہ ۴۴ھ) عبدالرحمن (ابن خالد ابن ولید) گورنر مصر کے ہاتھ لگا تھا اور اوس نے اوسکا عربی ترجمہ تیار کرایا تھا۔ جو تمام عربی تاریخوں میں آجتک منقول ہوتا چلا آتا ہے۔ گویا آپ ہی نے اس عربی ماخذ پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ آپ خود اسکی تصدیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تاریخ مذکور (مسالک الابصار) اسوقت ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ فارسٹر صاحب نے نویری کی کتاب سے اور ہم نے فارسٹر کی کتاب سے اسکو نقل کیا ہے ارض القرآن ج ۱ ص ۳۴۔ اسکے علاوہ مورخ کلبی اور معجم البلدان یاقوتی کے اسناد سے بھی جو کتبات اسی صفحہ میں خود مندرج فرمائے گئے ہیں۔ اور ابن ہشام کے بیان کردہ اوس کتبہ کی نقل و ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا ثابت ہوا ہے۔ اب آپ ہی کے تلون طبعی اور اختلاف رائے سے آپ کے مندرجہ بالا مضامین منقولہ کی تردید کامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ پہلے آپ نے ان تمام عربی اور ایشیائی ماخذوں پر اعتبار کر کے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور تنہا آپ ہی نے نہیں بلکہ بقول آپ کے فارسٹر صاحب نے بھی علامہ نویری پر اعتبار کر کے نقل کیا ہے۔ پھر اس اصول در طریق تحقیق کی بنا پر۔ آپ کو ابن حوقل۔ مسعودی۔ ثعالبی۔ ابن ہشام۔ یاقوت حموی۔ کلبی۔ ابوالفدا کو جو علم و فضل میں علامہ نویری سے عظیم اور قدیم تر ہیں۔ اور جن کی نقل تالیفات سے آپ کی ارض القرآن بھری پڑی ہے۔ افسانہ گو اور ناقابل الاعتبار بتلانے کا کیا حق حاصل ہے۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ اتنے مقامات کثیرہ پر ایک مولف کی تصدیق کی جائے۔ پھر ایک دوسرے مقام

کواکب پرستی انکا عام مذہب تھا سنہ ۳۲۳ء میں یمن کے مقابل افریقی سواحل پر مصری رومیوں کے اثر سے عیسائیت نے پر و بال نکالے۔ شامی رومیوں کے ذریعہ سے یمن کے اطراف میں شہر نجران نے بپتسمہ (اصطباغ) قبول کیا۔ ان گرد و پیش سے تبابعہ یمن بھی محفوظ نہ تھے۔ (ترجمہ کا مضمون "ایلی سینا")

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ بہ صرف اس وجہ سے کہ اسکے کسی قول کو یورپ والوں نے نقل نہیں کیا۔ اسپر اعتبار نہ کیا جائے یہ تلون اور تخالف مولف کی شان کے خلاف ہے اور ہرگز قابل قبول نہیں۔

اگر حقیقت دیکھا جائے تو آپکے مضمون تنقیدی کی تردید ہمارے مندرجہ بالا عبارت تمہیدی نے کردی۔ مگر وہ بالکل اجمال ہے اب ہم تفصیل سے ہر واقعہ کی نسبت جو افسانہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ذیل میں عرض کرتے ہیں۔

ذوالقرنین صعب ابن الرائش یمنی تھا نہ سکندر ابن فیلقوس مقدونی الرومی۔ لائق محقق نے اپنے مضمون تنقید میں پہلے حمیری فتوحات افریقہ و ترکستان کو ایک افسانہ بتلایا ہے اور پھر ذوالقرنین اسکندر رومی کو ٹھہرایا ہے۔ چونکہ ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اسکا تعلق اسلامی کتب احادیث و تفسیر سے پایا جاتا ہے اسلئے پہلے ہم اسی مسئلہ کو صاف اور ایکسو کردینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ صاحب ارض القرآن مستہزانہ طریقہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو صرف لفظ "ذو" نے مقدونیہ سے یمن پہونچا دیا۔ اسلئے کہ "ذو" یمن میں اکثر امراء حمیر کے لقب میں آتا ہے۔ مثلاً ذو نواس۔ ذو شناتر۔ ذو ریدان" ص ۲۹۶ ج ۱ یہ بھی ہمارے فاضل معاصر کا قیاس ہے۔ اور اس قیاس کی وجہ بھی وہی یوروپین مستشرقین کی غلط فہمی ہے جس کی تقلید آپ نے کرلی اور باوجود عربی دانی کے اسکے اصلی معنی اور حقیقی مقصد کی طرف نہیں تلاش کی۔ پہلے تو بتقلید یوروپین مورخین ذوالقرنین کو سلاطین حمیر کی اوس فہرست میں لکھا ہی نہیں۔ جو آپ نے ارض القرآن ص ۲۸۶ میں قلمبند کی ہے۔ اسی وجہ سے کہ آپ کے اور یوروپین مستشرقین کے نزدیک تو اسکندر رومی ذوالقرنین ہے۔ پھر ایک شخص حمیری کو آپ کس طرح لکھ سکتے تھے اس مجبوری نے آپ سے صعب ابن الرائش الملقب بہ ذوالقرنین کا نام ہی محو کرا دیا۔ حالانکہ تمام عربی تاریخوں میں سلسلہ حمیریہ کی تفصیل میں اسکا نام موجود ہے۔ اول تو یہی امر آداب تالیف کے خلاف ہے۔ اور ایک واقعہ متواترہ کا صحیح استخفاف۔ بہرحال آپ کا بطریق معمول یہ خیال کرلینا کہ سلاطین حمیر کے لقب اکثر ذو کے ساتھ شروع ہوتے ہیں اسلئے عربی مورخین نے ذوالقرنین یمنی کو قرآن مجید کا مشار الیہ قرار دے لیا ہے۔ نہیں یہ غلط ہے اور بالکل غلط۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کی نسبت اہل عرب کثیر التعداد زمانہ سے مختلف اقوال لکھتے آئے ہیں۔ جن میں سے یہ تین اقوال مناسب اور حقیقت کے مطابق معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ اس نامور بادشاہ نے کسی معرکہ میں اول بار اپنے سر کے سیدھی طرف ضرب کھائی تھی۔ پھر حسن اتفاق سے کسی دوسرے میدان جنگ میں الٹی طرف بھی تلوار کا زخم کھایا عربی میں قرن کے معنی ضرب کے ہیں۔ اسلئے یہ بہادر اور شجاع بادشاہ کا لقب عرب یمن نے اپنے قاعدہ زبان کے مطابق بصیغہ تثنیہ ذوالقرنین قرار دیا جس سے اوسکے کمال شجاعت و بہادری کا اظہار ہوتا ہے۔ اسکی کامل تصدیق ایک مابعد کی شہادت سے اسطرح

ستارہ پرستی نے تو شکست کھائی گو ستاروں کے ہیکل اب بھی ویران نہ تھے۔ تاہم اب شمس۔ المقہ اور
عشتار کے پہلو بہ پہلو۔ رحمان کا نام بھی آنے لگا۔ جو قبل اسلام یہود و نصاریٰ ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔
مورخ کلبی کے زمانہ میں قبیلہ ذوالکلاع کے ایک شخص نے یمن میں ایک تختہ پایا جس پر ایک

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ ہو جاتی ہے کہ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام والا بھی ذوالقرنین آیا ہے
اسلئے کہ آپ نے بھی دو ضربیں کھائی تھیں۔ اول بروز خندق دوم بروز شہادت یعنی اوسی مقام پر جہاں خندق میں عمرو بن عبدود کی تلوار
لگ چکی تھی۔ ملاحظہ مناقب احمد ابن حنبل۔ مسند ابن ابی شیبہ۔ صحیح ترمذی۔ مستدرک حاکم۔ حلیۃ الاولیاء ابونعیم اور تذکرہ خواص الامہ سبط
ابن جوزی۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی یہ مماثلت اسقدر عام ہے کہ اہل حدیث و تفسیر کے علاوہ علماے لغت نے بھی اسکو نقل کیا
ہے۔ ملاحظہ ہو قاموس اللغات فیروزآبادی میں لفظ ذوالقرنین۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس نے دو قرنوں تک سلطنت کی اور دونوں
طرف یعنی مشرق و مغرب پر حکومت پائی۔ عربی میں قرن کے معنی مدت اور سمت دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں اوصاف اسی نیک طینت و نامور
بادشاہ میں موجود تھے۔ قرن کی مدت تیس برس بھی بتلائی جاتی ہے اور سو برس بھی۔ بعض قول سے اسکی دو قرن یعنی ساٹھ برس
تک حکومت پائی جاتی ہے۔ اور بعض قول سے دو سو برسوں تک حکمراں رہا۔ جو بھی صحیح ہو۔ چونکہ دو قرنوں تک عربوں کے نزدیک
اسکی حکومت ثابت ہے۔ اسلئے ذوالقرنین کے خاص القاب سے اسکو ملقب کیا۔ یہ قاعدہ اور یہ رواج تو سلاطین میں اسوقت تک
قائم ہے۔ تمام بادشاہوں کی رسم جوبلی (Jublee) اون کے ہر پنجاہ سالہ مدت حکومت پر بڑی عقیدت اور مسرت کیساتھ
منائی جاتی ہے۔ دوسرے معنی اسکے سمت ہیں۔ چونکہ اس فتحمند بادشاہ نے بلاد مغربیہ میں یمن سے لیکر حدود شام تک اقطاع
عالم کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور اسی طرح ممالک مشرقیہ میں ترکستان و تبت تک اپنی فتوحات کی وسعت بڑھائی۔ اس رعایت سے
اس نامور فرمانروا کو ذوالقرنین کے خاص خطاب سے مخاطب کیا۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ تینوں توجیہیں ممکن الوقوع اور قریب العقل
ہیں جو واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتی ہیں خصوصاً۔ دونوں طرفوں والی توجیہ تو بالکل فی الواقع ہے کیونکہ اسکی تخصیص کا
اشارہ خصوصاً سمت مشرق کے متعلق تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ گویا تاریخ و قرآن اسپر دونوں متفق ہیں۔ اور اسی سے
زیادہ ذوالقرنین یمنی ثابت ہوتا ہے نہ اسکندر رومی۔ جیسا کہ بہت جلد مفصل بیان ہوتا ہے۔ بہرحال اتنی کافی اور شہادتوں
کے مقابلہ میں آپ نے کیسے کہدیا کہ عربوں نے ذو کا لفظ اس بادشاہ کے لقب میں پاکر اس کو بھی ایک یمنی فرمانروا فرض کرلیا ہے
ورنہ وہ شخص ایک دوسرا غیر یمنی شخص ہے۔ اب تو معلوم ہوگیا کہ آپ کی طرح عربی مورخین نے اسکا فرضی اور قیاسی نام نہیں رکھ
لیا ہے۔ بلکہ اون کی وجہ تسمیہ اصلیت اور واقعیت سے کچھ ہر دو سے پُر ہے۔ اتنا لکھکر اب ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ذوالقرنین
سے سکندر رومی مراد لینا۔ روایۃً۔ درایۃً اور مدۃً۔ غرض ہر اعتبار سے غلط ہے۔ علماے تفسیر و حدیث کا یہ بیان کہ
ذوالقرنین ایک نامور خداشناس و عادل و راحم فرمانروا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانے
میں ممالک یمن حضرموت نجد سے لیکر مضافات شام تک حکمران تھا۔ اسکے فتوحات اسقدر بڑھے کہ ترکستان اور تبت

مردہ کی لاش پڑی ہوئی تھی اسکے سامنے ایک زرین سپر تھی جسپر سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا - اوسپر یہ عبارت لکھی تھی . (یہ عبارت حمیری عبارت کا ترجمہ ہے -) باسم اللہ رب حمیر انا حسان بن عمرو القیل . اللہ کہ نام جو حمیر کا خدا ہے . میں عمرو قیل کا بیٹا حسان ہوں - ابن ہشام نے جس کتبہ کا ذکر کیا ہے اوسکی عبارت بھی ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے باسمک اللّٰھم الٰہ حمیر . اوس خدا کے نام پر جو حمیر کا خدا ہے .

بقیہ عبارت حاشیہ بائیں صفحہ گذشتہ - کے حدود تک ملکئے - (طبری ابو الفدا - حیات القلوب) تاریخوں کے مقابلہ سے بھی صحیح پایا جاتا ہے - وہ اس طرح کہ اس سلسلہ میں ملکہ سبا بلقیس کا عہد حضرت سلیمانؑ میں آنا تمام منقول ہے - اس ملکہ کی حکومت کا اختتام تورات مقدس سے سنہ ۳۰۳۰ دنیوی یا سنہ ۹۸۵ قبل مسیح میں پایا جاتا ہے بحساب ابن الرائش اس ملکہ سے چھ پشت اوپر ہے اس لئے نسلوں کے پیدا ہونے کے قاعدہ سے الحارث الرائش اور بحساب ذو القرنین یا تو اٹھائیسویں صدی دنیا کے آخر میں یا اونتیسویں صدی کی ابتدا میں ہوں گے یعنی سنہ ۱۱۰۰ قبل مسیح میں - ذو القرنین کے وجود اور ایام حکومت کا یہ زمانہ تاریخ اور مدت انساب - دونوں طریقوں سے ایسا صحیح تسلیم ہو چکا ہے کہ اب اس میں کسی کو کلام کی گنجائش نہیں - اب اس صورت میں کہ ذو القرنین کا زمانہ سنہ ۱۱۰۰ ق م میں ثابت ہو چکا - اور تاریخ نے اسکے فتوحات کی وسعت کے اعتبار پر اسی کو وہ شخص مخصوص مشارٌ الیہ قرآنی قرار دیا ہے - اور قرآن و دیگر کتب سماویہ نے بھی اسکی فتوحاتی وسعت کی طرف اسی زمانہ میں اشارہ کیا تو پھر آپ کا سکندر رومی کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جو نو سو ۹۰۰ برس کے بعد سنہ ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوتا ہے -

اسکے علاوہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ شخص بلقیس ملکہ سبا اور حضرت سلیمان بادشاہ یہود سے دو سو ۲۰۰ برس قبل تھا - کیونکہ اسفار یہود سے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے عہد سلیمان ایک ہزار یا نو سو برس قبل ثابت ہوتا ہے - تو اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ یہ شخص حضرت ابراہیم کے بعد اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبل موجود تھا - بخلاف اسکے جب ہم سکندر رومی کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوس نے گویا مذہب یہود کی اطاعت قبول کر لی تھی - چنانچہ سٹیمن ہسٹاریکل اور جو اگرافیکل ڈکشنری سکندر رومی کے حالات میں لکھا ہے :-

فتح فارس کے بعد اوس نے فینشیا اور دمشق کو فتح کیا - اور علاقہ طیر کے محاصرہ میں اوسکو کامل سات مہینے گذر گئے - جسکا اختتام فتح طیر کے بعد اوس نے وہاں کی مفتوح رعایا کے ساتھ نہایت خونخواری اور سفاکی کے ساتھ لیا - یہاں سے وہ جزیرہ دلم (بیت المقدس) میں آیا اور ایک ضعیف سند کے مطابق اوس نے یہاں کے افسر کاہن سے ملاقات کی جو اوس وقت اپنی مذہبی پوشاک میں تھا - اس مقدس شکل و شمائل والے بزرگ کو دیکھکر وہ ایکبارگی جھک گیا - اور شرط آداب و تعظیم بجا لا کر اوس نے اوس افسر کاہن سے کہا کہ میں نے مقدونیہ میں آپ ہی کے ایسے بزرگ کو خواب میں دیکھا تھا اور

یہودیت اور نصرانیت ان اطراف میں دو ہی مذہب اور صاحب الہام مذہب تھے۔ اور باہم ہیں انہیں برابر کے حریف بھی تھے۔ گذشتہ ابواب میں معلوم ہو چکا ہے کہ رومیوں اور حبشیوں کے ساتھ سیاسی حمیر کو کسقدر بیاسی کشمکش تھی۔ اس بنا پر تبابعہ حمیر، عیسائیت سے زیادہ یہودیت کو ترجیح دیتے تھے۔ عہد تکمیل

بقیہ عبارت حاشیہ پائیں صفحہ گذشتہ۔ اونہوں نے مجھے میری فتوحات کی نسبت بشارت دی تھی۔ جسے میں بالتدریج حاصل کرتا جاتا ہوں۔ تب اوس افسر کاہن نے سکندر رومی کو حضرت دانیال کی وہ پیشین گوئی سنائی جسمیں بتایا گیا تھا کہ ایک یونانی فرمانروا فارس کی عظیم و قدیم سلطنت کو مفتوح و مغلوب کرے گا۔ اُس کے جلد وہیں سکندر نے وہاں کے کاہنوں اور خادموں کو بڑے بڑے انعام دئے اور وہاں سے مصر میں آیا اور اوس کو فتح کیا Beeton's Histor & Ceographical Dictionary

Vol.P 89

اس عبارت سے جہاں سکندر کا مذہب یہود کی طرف رجحان معلوم ہوا وہاں یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ جس بادشاہ یمن کیطرف ذوالقرنین کی نسبت مورخین عرب نے کی ہے وہ سکندر رومی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سکندر تو حضرت دانیال کے کچھ زمانہ بعد اور حضرت عیسیٰ کے تقریباً چار سو سال قبل کا آدمی ہے۔ حضرت دانیال بخت نصر کے ہمعصر تھے اور بخت نصر حکومت فارس کے عین عروج کے زمانہ کا شخص ہے۔ پھر کیسے وہ شخص ہوسکتا ہے جو حضرت موسیٰ سے کئی صدیاں پیشتر تھا۔ تو حضرت دانیال کا کیا ذکر۔ اور پھر اگر ذوالقرنین یہی تھا تو بیت المقدس میں آنا اور کاہنوں کی تعظیم کرنا۔ اور اپنا خواب دہرانا۔ کیا معنی۔ کیونکہ تاریخیں اور کتب انساب تو اس ذوالقرنین کا وہ زمانہ بتلا رہی ہیں۔ جب نہ حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تھے نہ حضرت داؤدؑ نہ حضرت سلیمانؑ۔ نہ بیت المقدس بنا تھا۔ نہ ہیکل سلیمانی قایم ہوئی تھی۔ اس لئے ہمارے فاضل محقق کا ذوالقرنین سکندر رومی کو بتلانا۔ یورپین محققین اور مغربی متعصبین سے زیادہ تر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز ہے۔

ان حالات و اشکال کے علاوہ اب سیرت و تاریخ کی نظر سے اس مناسبت کی ناموزونیت ملاحظہ کی جائے۔ ذوالقرنین قرآنی کی نسبت اوسکے وسیع فتوحات مغربی و شمالی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ سکندر رومی کے مغربی و مشرقی فتوحات کو کتابوں میں ذوالقرنین حمیری کے فتوحات غربی و شرقی سے ملاؤ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مشرق میں سکندر رومی کے فتوحات ہندوستان اور ہندوستان میں بھی دریائے گھاگرا سے آگے نہیں بڑھے۔ یہاں سے وہ ارض بابل کی طرف واپس آگیا اور انہی اطراف میں ایک مہلک بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ سکندر رومی کے فتوحات مشرقی ان حدود سے بڑھے ہوئے کسی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ اس کے برعکس ذوالقرنین یمنی کے مشرقی فتوحات کی وسعت ترکستان و تبت تک۔ اگرچہ صرف عربی مورخین ہی کیوں نہ ہوں۔ کتابوں میں مندرج پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ الہامی بھی مشرقی فتوحات کی وسعت کیطرف ذوالقرنین کی معرفت کراتے ہیں۔ تب اسی ایک خصوصیت کو باہم دونوں ذوالقرنین۔ یعنی ذوالقرنین یمنی اور ذوالقرنین رومی میں مقابلہ

کے سوا اور کسیکا عیسائی ہونا ثابت نہیں ۔ عبد کلیل بروایت عربی یہی عیسائی تھا (حمزہ اصفہانی ص ۱۳۰) اور ایک کتبہ سے یہی اوسکا عیسائی ہونا ثابت ہے ۔ (Huarts Hist of Arab) بقیہ تمام تبابعہ کم تر ستارہ پرست اور اکثر یہودی تھے ۔ تاریخ طبری یہ ہی ہے کہ سب سے پہلے اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کی ۔ مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ ۔ کی جاسکے اور یہ فیصلہ کر لیا جاسکے کہ باعتبار فتوحات مشرقیہ کثرت فتوحات تاریخی ذرائع واسناد سے کس ذوالقرنین کی نسبت پائی جاتی ہیں ۔ مرقومہ بالا مشاہدے تو ذوالقرنین یمنی مشرق میں صاحب فتوحات کثیرہ ثابت ہوتا ہے تو پھر اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو بتلانا تو تحقیق اور تاریخ دونوں کو جھٹلانا ہے ۔

یہ تو تاریخی دلائل تھے ۔ جن کو ہم نے فاضل معاصر کے غلط قیاس کی تنقید وتردید میں پیش کئے ۔ اب سیرت واخلاق کے مشابہ بھی ایک بحث خاص کی تائید میں ملاحظہ ہوں ۔ عربی ماخذ ہمکو ذوالقرنین یمنی کی سیرت واخلاق کی نسبت بتاتے ہیں کہ وہ خداشناس ۔ خداترس ۔ عادل ۔ رحیم اور رعایا پرور بادشاہ تھا ۔ مشرقی قومیں جو خداشناس تھیں اور وہ یاجوج وماجوج دو ظالم لٹیری قوموں کے مسلسل ظلم وستم سے عاجز آگئیں تھیں ۔ وہ بالآخر بارگاہ احدیت میں ان ظالموں کے ہاتھ سے رہائی پانے کیلئے دست بدعا ہوئیں ۔ اون کی دعائیں مقرون بانجاح اجابت ہوئیں اور پروردگار عالم کیطرف سے ذوالقرنین یمنی کو انکی امداد واستحفاظ کا حکم ہوا ۔ اوس نے حسن احسن الوجوہ ان خدمات کو انجام دیا اور اون ظالم قوموں اور ان مظلوم لوگوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی تاکہ وہ ظالم وقت پھر اون کی طرف دسترس نہ پا سکیں ۔ وہ دیوار اب تک قائم ہے اور گریٹ چائنیز وال (Great Chinees Wall) کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ ذوالقرنین کی حسن سیرت اور ضرورت خدمت کا مختصراً ذکر ہے ۔ جو الفاظ قرآنی اور عبارات تفاسیر ومعانی سے ماخوذ ومستنبط ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا حسن خدمت وحسن سیرت ذوالقرنین رومی میں بھی تھے یا نہیں ۔ تاریخیں تو قطعی انکار کرتی ہیں ۔ کیونکہ وہ جب ہندوستان سے مشرق میں آگے نہیں بڑھا تو پھر چین کہاں اور دیوار کہاں ۔ معلوم ہوا کہ یہ حسن خدمت اوس کے نہیں تھے ۔ اسکے خلاف عربی تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ اس دیوار کا بنانے والا ذوالقرنین یمنی ہے ۔ اور قرآن بھی اس مشرقی دیوار کے تعمیر کنندہ کا نام ذوالقرنین بتلاتا ہے ۔ جو تاریخی شاہد کے اعتبار سے سکندر رومی نہیں ہو سکتا ۔ تو پھر ذوالقرنین یمنی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ دنیا کے جرائد تاریخی میں سوا ان دونوں کے کسی اور کیطرف ذوالقرنین کی خصوصیت نہیں بتلائی جاتی اور نہ کسی تفسیر سے ذوالقرنین کا کہیں نام پایا جاتا ہے ۔

حسن خدمت نے تو سکندر رومی کو ذوالقرنین قرآنی ہونے سے یوں محروم رکھا اب حسن سیرت دیکھنا ہے کیا تصفیہ کرتی ہے ۔ ذوالقرنین یمنی کی سیرت واخلاق کی نسبت ہم عربی مورخین کا قول لکھ آئے ہیں جس کے خداترس ۔ خداشناس ۔ عادل اور رعایا پرور حکمران ہونے پر اونکا بھی اتفاق ہے ۔ اس بنا پر اصول مساوات فی التقابل کی رو سے ذوالقرنین رومی کے سیرت واخلاق

شاہی نے عام رعایا میں بھی فروغ پایا اور اسی طرح عیسائیت اور یہودیت نے یمن میں ٹکر کھائی۔

رومیوں نے بحری راستوں کو سیاہ کر کے سبا کے بازار سرد کر دئے تھے۔ اور تنہا اس سے تسکین نہوئی تو سنہ ۵۲۵ء قائم ہیں یا یمن پر حملہ آور ہوئے۔ اکسومی حبشی جو پہلے رومیان مصر کے ہم خاک تھے اور اب ہم مذہب

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ اور اعمال و خواص بھی ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ اور قدرت الٰہی اور اوسکے نظام مشیت کے لئے یہی ضرور تھا کہ وہ امداد مظلومین کے لئے رحمدل اور دردمند حکمرانوں کو متعین کرے۔ نہ کہ ظالم ہی کو مظلوموں پر مسلط کر دے جو اون کی امداد و دلجوئی کیا کریں گے۔ اون کی جانوں پر اور ظلم ڈھائیں گے اور اون کو اپنی جفا و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ یہ فعل اور یہ عادت اوس عادل حقیقی کی عدالت سے قطعی محال ہے۔ اتنا لکھکر ہم ذیل میں اوسی یورپین مستشرق اور عیسائی محقق کے قول سے ذیل میں سکندر رومی کی سیرت و اخلاق کی حالتوں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں جس کے اقوال سے ہم اوسکے فتوحات کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

> سکندر رومی طبیعتاً نہایت سخت اور بُرے خصائل کا آدمی تھا۔ خونخواری اوسکے مزاج میں انتہائی درجہ پر تھی اوس کی شہرت بے خواری بڑی حد درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ اوس نے اپنے بہت بڑے بہی خواہ اور کارگذار افسر سالار فوج پیرامینو نامی کو قتل کرا دیا اور اس سے کچھ ہی قبل اوسکے بیٹے فلاطوس نامی کو سخت اور ناقابل برداشت سزا پہونچا چکا تھا۔ سمرقند کے نزدیک ایک یونانیوں کی آبادی تھی اور یہ لوگ کوئی سو برس سے بشغلہ تجارت وہاں آباد تھے۔ ان لوگوں نے بدقسمتی سے خراج شاہ فارس کو دے دیا تھا۔ یہ معلوم کر کے سکندر نے ایک ایک کر کے اون اپنے تمام ہموطنوں کو قتل کروا ڈالا ایک بار عالم نشہ میں اپنے قلبی دوست کلائٹس کے پہلو میں خنجر مار کر مار ڈالا۔
> (Beetons Hist & Geog Dichonary vol I P. 80. London)

اس عادات و خصائل کا آدمی کبھی خدا ترس۔ خدا شناس۔ عادل اور رعایا پرور کہا جا سکتا ہے اور اوس شخص کے ساتھ حسن سیرت و اخلاق میں برابر کہا جا سکتا ہے جس کو قدیم مورخین عرب نے اوصاف مذکورہ کے لئے خاص طور پر موصوف بتلایا ہو۔ کیا کوئی موفق عقل والا بھی کہہ سکیگا کہ وہ راحم حقیقی اور رحمان۔ آفریننده انس و جان۔ اپنے بندوں کی ایک مظلوم اور قابل الرحم قوم پر اون کی استمداد و استغاثہ کے سننے ایک ایسے خونخوار اور مردم آزار دل کو آخر تا بیدار کو مامور فرمائیگا جس کی سفاکی اور شقاوت کے اخبار و آثار آج تک دنیا کے کارناموں میں بھرے پڑے ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا شواہد مقاصد اور قرائن کو ملاحظہ فرما کر کیا اب بھی ہمارے فاضل معاصر ذوالقرنین قرآنی کو سکندر رومی ہی کو تسلیم کرینگے؟ اون کے مزید اطمینان کے لئے۔ اب ہم تبرکاً ایک حدیث بھی لکھ دیتے ہیں جس سے ذوالقرنین قرآنی کا صحیح یا ابن الاتراک کا نہایت فصاحت کے ساتھ ظاہر ہے۔

بھی ہو گئے تھے۔ رومیوں کے اشتعال سے بار بار چھیڑ چھاڑ کرتے تھے حمیری موقع سے چوکتے نہ تھے جب موقع ملتا رومی تاجروں کو دریا میں لوٹ لیتے۔ شمال عرب میں ایران و روم باہم دست و گریباں تھے۔ اور یہ بھی تھا کہ حمیر کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی۔ رومیوں کو اس سے وحشت ہوتی۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔

وقد نقل ابن سعید المغربی ان ابن عباس سئل عن ذی القرنین الذی ذکرہ اللہ تعالٰی فی کتابہ العزیز فقال ہو من حمیر وھو الصعب بن الرائش فیکون ذو القرنین المذکور فی الکتاب العزیز ھو الصعب بن الرائش المذکور لا اسکندر الرومی (ابو الفدا)

ابن سعید مغربی نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس سے اس ذو القرنین کی نسبت دریافت کیا گیا جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا وہ سلاطین حمیر میں سے وہ شخص تھا جس کا نام صعب مذکور ہے۔ پس ذو القرنین مندرجہ کتاب عزیز (قرآن مجید) صعب ابن الرائش ہے نہ اسکندر رومی۔

نزول قرآن کے زمانہ ہی میں اس مسئلہ کو تصفیہ ہو چکا ہے جیسا کہ محقق و محدث ابن سعید مغربی کے بیان سے ظاہر ہوا۔ پھر اس میں کد و کاوش اور تلاش و کوشش محض بیکار ہے۔ ہم نے ہر طرح تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ ہر پہلو پر تحقیق و تفتیش کی کافی روشنی ڈالی ہے ہم کو کسی قرینہ سے ذو القرنین قرآنی سکندر رومی کا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ میرا تنہا مختار نہیں بلکہ قریب قریب تمام اہل اسلام اس پر متفق ہیں۔ سب سے زیادہ تعجب اور حیرت تو اس پر ہے کہ فاضل معاصر نے کتاب سیرۃ النبی میں اپنے اوستاد شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی کا مختار بھی ملاحظہ نہ فرمایا۔ جو ان الفاظ میں تحریر ہے۔ ذو القرنین جسے عوام سکندر کہتے ہیں اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمانروا تھا۔ (ج ۱ ص ۱۸) یہ ظاہر ہے کہ شمس العلما کی وفات کے بعد سیرۃ النبی کے جامع آپ ہی ہیں اور آپ ہی کے انتظام سے وہ اور اوس کا مابعد کی جلد چھپی ہے۔ تمام کتاب پر جا بجا حواشی اور مخالفانہ نظریات بھی آپ ہی نے لکھے ہیں۔ باوجود اس قدرت و اختیار کے بھی ہمارے فاضل محقق نے کتاب میں اس غلط افسانہ کے متعلق کوئی حاشیہ چڑھانے یا نظریہ لکھنے کی جرأت نہ کی۔ یا تو اوستاد مرحوم کا پاس ادب مانع ہوا۔ یا حقیقتاً یوروپین مستشرقین کی تقلید و تاسی کا شرف اوس وقت تک حاصل نہ ہوا تھا۔ اس لئے قلم نہ اوٹھ سکا۔ اب چونکہ یوروپین اثر یات کا پورا اثر ہو گیا اور اس شدت اور عقیدت کے ساتھ کہ اون اشیاء کے مقابلہ میں، مقامی، وطنی، قومی، اور مذہبی اخبار و آثار بالکل بے اعتبار سمجھے گئے تو اپنی ایک جداگانہ کتاب میں جس کے موضوع کو اس مباحث سے نہ کوئی واسطہ تھا نہ سروکار۔ یوروپین اثریات کے قیاسی مندرجات نقل کر کے تمام اہل اسلام کو اصل واقعہ کی یہ صورت بتلائی۔ مگر جب حقیقت سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ ان راہ گم کردہ مورخین کی ہیر پھیر سے ... یاجوج ماجوج کی قدیم قومیں اگرچہ اس بحث میں مندرجہ بالا مضامین تنقید سے زیادہ کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر چونکہ اس قوم

رومیوں نے اس نزاع کو بصلح و آشتی طے کرنا چاہا چھٹی صدی کے اوائل میں رومی قیصر جسٹینین
Jastinian (Sharp's Brit vol II PP 352, 353)
تبع نے یمن کے دربار میں سفیر بھیجا تبع نے نہایت تزک و احتشام سے اپنی سطوت کا اظہار کیا۔ خود ایک
گاڑی پر سوار تھا جس میں ہاتھی جتے تھے۔ بدن پر ایک چادر تھی۔ جو سونے کی گھنٹیوں سے اٹکی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کا ذکر اس واقعہ کے متعلق داخل قرآن ہے۔ ایک تو اسکی تفصیل و تصدیق کی
ضرورت ہے۔ دوسرے اس سبب سے کہ مستشرقین یورپ کی اس غلط فہمی میں کہ ذوالقرنین سکندر رومی ہے۔ یاجوج ماجوج
کے متشابہ اور متجانس نام بھی شامل ہیں۔ ہمکو اس کی تحقیق و تفتیش کے لئے زیادہ وسعت اور وضاحت سے کام لینا ہوا۔
یاجوج و ماجوج سے ایشیائی قومیں بمقابلہ یوروپین قوموں کے زیادہ واقف ہیں اور ان میں اس قوم کے متعلق انواع و
اقسام کے قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ دراز تک یوروپ ان کے وجود ہی کا قائل نہ تھا۔ اور کیونکر ہوتا۔ اپنے دور و دراز
ممالک کے تمام قوموں سے کافی اطلاع رکھنے کا کوئی ذریعہ اور تعلق اون کے لئے موجود و ممکن نہیں تھا۔ وہ ایشیا کے
دور و دراز کے ان افسانوں کو گھر بیٹھے سنا کرتے تھے۔ اور ایشیا کی سادہ لوحی اور کوتہ فہمی پر قہقہے لگاتے تھے۔ یوروپین
قوموں کے برخلاف۔ ایشیا کے لوگ۔ یاجوج و ماجوج کی قوموں کے ہمسائے تھے۔ ہم ملک تھے اور ہم وطن اسلئے
وہ ان کے حالات سے زیادہ واقف تھے۔ مگر اب تو یوروپین محققین بھی ان کے وجود کے کم سے کم ضرور قائل ہو گئے۔
اگرچہ ان کے مسکن اصلی کی نسبت وہ ابھی تک مشکوک ہیں۔ مسٹر ہٹنس لفظ گاگ میگاگ Gag & magog
کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس قوم کے حالات عہد عتیق کے دو متفرق صحائف۔ الہام اور صحیفہ حزقیل میں پائے
جاتے ہیں۔ اس قوم کا سلسلہ یافث ابن نوح سے ملتا ہے۔ یہاں تک تحقیق ہو چکا ہے کہ یاجوج قوم کا نام ہے اور ماجوج
اون کے بادشاہ کا۔ لندن میں دو بڑے بڑے قد اور پتھر کے قدیم خونخواروں کے مجسمے رکھے ہیں۔ جن کو یاجوج ماجوج
کے بت بتلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مناسبت بالکل بے ثبوت اور مضحکہ خیز ہے (Beeton's Hist Dic P 792)
مسٹر ہٹنس کے مذکورہ بالا بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ یاجوج و ماجوج کی قدیم قوموں کا وجود دنیا میں
ضرور تھا۔ اور یہ خیال سراسر غلط ہے۔ جیسا کہ اکثر عیسائی متعصب مولفین نے اہانت اسلام کی غرض سے مشہور کر رکھا ہے
کہ قرآن مجید نے یاجوج و ماجوج محض مفروضی نام دے رکھے ہیں ورنہ اس نام کی کوئی قوم دنیا کے کسی حصہ میں نہیں معلوم
ہوتی۔ دوسرے یہ امر معلوم ہو گیا کہ وہ ایک قدیم قوم ہی نہیں تھی۔ بلکہ اونکا نسبی سلسلہ یافث ابن نوح سے ملتا ہے۔ عربوں
کا بھی یہی قول ہے۔ توراۃ۔ تکوین۔ باب ۱ آیت ۲ میں بھی ماجوج کو یافث کا بیٹا لکھا ہے۔ تیسری بات یہ بھی ثابت ہوگئی کہ
قرآن مجید اور روایات عرب کے مطابق یہ قومیں بڑی ظالم اور خونخوار و مردم آزار تسلیم کی گئی ہیں اور آج تک انکے مجسمے اور

تھی۔ ایک ہاتھ میں ڈھال دوسرے میں دو نیزے تھے۔ بازوؤں میں بیش قیمت بازوبند تھے۔ اردگرد مسلح
درباری تھے جو فخریہ رجز کے اشعار پڑھتے تھے۔ اس شان و شوکت کے منظر میں سفیر نے قیصر کا خط اور اس
کیطرف سے دیگر تحائف پیش کئے۔ خط کا مفہوم یہ تھا کہ ان اطراف میں ایرانی فروغ نپانے پائیں۔ سفیر
معمول وعدہ و ایجاب کے بعد واپس ہوا۔ (SHARPE VOL II P. 245)

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ طول و طویل سنگین تصویریں لندن کے عجائب خانہ میں ان کی سنگدلی اور شقاوت کو
یاد دلا رہی ہیں۔ اس بنا پر جیسا کہ قرآن مجید نے بتلایا اور مفسرین و مورخین عرب نے اس ظالم قوم کی نسبت سمجھا۔ وہ اگرچہ
یورپ والوں کی سمجھ میں ایک مدت تک نہ آیا۔ مگر اب وہ رفتہ رفتہ ان کے واقعات کو کامل طور سے سمجھ گئے اور اس پر یقین
کرنے لگے۔

یاجوج و ماجوج کی مشابہت اقوام اور مماثلت نام کی وجہ سے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے جس نے ذوالقرنین یمنی اور ذوالقرنین
رومی کی اصلیت کو بہت کچھ مشتبہ کر دیا ہے۔ اگرچہ ایک سچے تحقیق کرنے والے کیلئے یہ بھی کوئی دشوار نہیں ہے مگر تلاش و محنت
دشوار ہے۔ بہرحال ہم اس شبہ کی بڑی پوری تنقیح کئے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ذکر توراۃ میں تین مختلف مقاما
پر آیا ہے۔ ایک کتاب تکوین میں جسکا حوالہ ہم ابھی اوپر دے چکے ہیں۔ دوسرے کتاب یرمیاہ میں تیسرے کتاب حزقیل میں
ذوالقرنین رومی کے موئیدین کو۔ توراۃ کی ان دونوں مابعد والی کتابوں کے حوالوں نے اور شبہ میں ڈال دیا ہے۔ وہ ان دونوں
کتابوں والی یاجوج کو بھی وہی تکوین والے یاجوج سمجھے ہیں۔ چنانچہ باوجود اتنی بڑی تحقیقات کے مسٹر سٹیفنس کے ایسے فاضل
نے بھی بلا فیصلہ و تمیز حوالہ کتاب تکوین کے ساتھ مابعد کی کتابوں والے حوالے بھی یکجا نقل کر دئے ہیں۔ گویا اون کے نزدیک
تکوین والے یاجوج و ماجوج بھی وہی تھے جو یرمیاہ اور حزقیل کی کتابوں والے۔ ایسے کامل شخص سے ایسی ناقص تحقیق کس
قدر تعجب انگیز ہے۔ یاجوج ابن یافث کا زمانہ کہاں اور یرمیاہ و حزقیل کا وقت کہاں۔ دونوں زمانوں میں میرے نزدیک ڈھائی ہزار
برسوں سے کم کا فاصلہ کبھی نہ ہوگا۔ بہرحال۔ انہیں دونوں صحف انبیا میں اُن کے حالات دیکھ کر سکندر رومی کو ذوالقرنین
کہنے والے لوگوں نے یہ رائے قائم کر لی ہو کہ چونکہ یرمیاہ اور حزقیل کے زمانے سکندر رومی کے زمانے سے قریب تھے اسلئے سکندر نے اور قوموں کیساتھ اس قوم کے لوگوں کا بھی
استیصال کیا۔ یا ان کو یہ غلط فہمی ہو کہ کتاب یرمیاہ اور حزقیل میں جنکا ذکر ہے وہ قوم جوج ہے یاجوج نہیں۔ جوج۔ [illegible] یاجوج سمجھ لینا انکی عقلمندی کی
خوبی کے سوا اور کیا سمجھا جاوے۔ صحیفہ حزقیل میں قوم جوج کے مفصل حالات مندرج ہیں۔ (باب ۳۸ سے لیکر باب ۳۹ تک) ان حالات کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قوم
بخت نصر اور غارت بیت المقدس کے بعد مشہور پذیر ہوئی۔ اسکے قبل اسکا کہیں نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ انکا مسکن و موطن بھی [illegible] کئے ہیں یا یہ
سطے ہوے وادی اور کوہستانی مقامات ثابت ہوتے ہیں۔ قوم جوج کے ساتھ تین متفرق قبیلے اور ملے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں۔ شاید وہ انکے حلیف۔ ہم عہد اور ہم اصل ہوں۔ چنانچہ کتاب حزقیل میں۔ حزقیل کا خدا فرماتا ہے۔ اے آدم زاد۔ تو جوج

اصحاب الاخدود

قیصر کا یہ پیغام مصلح تعصب کی آگ کو کچھ بھی سرد نہ کرسکا۔ اوسوقت ذونواس فرمانروا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے یہودیت کے پرجوش تعصب کا یہ سبق یثرب کے یہودیوں سے سیکھا تھا جنہوں نے اسلام کو بھی کچھ کم دکھ نہیں دیا۔ رومی سوداگر تاجرانہ یمن کے سواحل تک پہونچتے تھے۔ لیکن جہاں جہاں گذرتے تھے

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ کے مقابل۔ جو ماجوج کی سرزمین کا ہے۔ اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا مونہہ کر اور اون کے خلاف نبوت کر اور یہ کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج۔ روش۔ مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں۔ (حزقیل باب ۳۸ آیت ۱-۳) پھر باب ۳۹ آیت ۱۱ میں کہا جاتا ہے کہ اسی دن یوں ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جوج کو ایک گورستان دونگا۔ یعنی رہگذروں کی وادی۔ جو سمندر کے پورب میں۔ اور اس سے رہگذروں کی راہ بند ہوگی اور وہ وہاں جوج اور اوس کی جماعت کو گاڑ دینگے اور اوسے ہامون جوج کی وادی کہکر پکارینگے اور اوس کا یہی نام رکھینگے۔

ان عبارات سے مویدان سکندر کا کوئی کام نہیں نکلا۔ بلکہ بخلاف امید یاجوج قدیم سے اور ان سے نام۔ مقام۔ اور حالات و واقعات میں اختلاف کثیر ثابت ہوگیا۔ یاجوج قدیم کا نام با دخال۔ یا۔ الف سے ان کا ترکب۔ یا۔ الف۔ صرف جوج لکہا ہے۔ ان کے بادشاہ کا نام ماجوج بتلایا گیا ہے۔ ان کے رہنے کا مقام ماجوج پایا جاتا ہے۔ وہ ملک مشرق اور منتہاے ممالک شرقیہ کے باشندے تھے۔ یہ منتہاے مغرب و شمال کے رہنے والے ثابت ہوتے ہیں ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

وہ امم مشرقیہ اولاد یافث ابن نوح کے ہمسایہ اور ہم دیار تھے۔ اور نہ بنی اسرائیل کے پڑوسی اور قبائل روش۔ مسک وغیرہ کے معین و حلیف۔ جن کے مسکن و موطن بیت المقدس اور اس کے گرد و نوح کے علاقہ تھے اور اون سے ارض بابل اور ریگستان نینوا البتہ قریب اور ملے ہوے تھے۔ وہ

---

[1] ہامون عبرانی لفظ ہے جس کے معنی روزن کے ہیں۔ عربی میں بھی اس کی یہی شکل و معنی ہے۔ یہودیوں نے اپنا خشا حقارت کے سبب اونکے گورستان کو دوزخ سے مناسبت دی ہے۔　　　اولاد حیدر

اسباب سوداگری کے ساتھ عیسائیت کی سوغات بھی ساتھ ساتھ بانٹتے جاتے تھے۔ عیسائی راہب بھی مخصوص مقاصد کے ساتھ ملک میں دورہ کرتے تھے۔ پہلے انہوں نے عدن میں اور دوسری کوشش نے نجران میں جہاں پہلے شجر پرستی ہوتی تھی۔ عیسائیت نے برگ و بار پیدا کئے یورپ کے جو آب ہتکنڈے ہیں وہی پہلے بھی تھے۔ مذہبی اور سیاسی اغراض پر تجارت کا پردہ ہمیشہ ڈالا گئے ہیں۔ یہی پردہ اسوقت بھی ڈال

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ صحیفہ حزقیل ع کے بیانات کے مطابق بہ نیت استیصال قوم بنی اسرائیل و غارت بیت المقدس فوج گراں لیکر چڑھ آئے تھے۔ اور اس ترک ادب خانہ خدا کے باعث مغضوب و معتوب ہوئے۔ یہ قدیم قوم نہ کسی معبد الہی کو لوٹتی تھی اور نہ فوج لیکر کسی حکمران وقت یا اپنی عصر پر چڑھ آتی تھی ہاں وہ کافر کیش قوم قزاق تھی۔ اپنا جرگہ لیکر پہاڑوں پر سے دفعتاً اتر آتی تھی۔ اور خدا کے ان نیک بندوں کو جنکا امن اور صلح پسندی فطرتی شعار تھا۔ لوٹتی تھی۔ انکو ستاتی تھی اور انکے تمام مال و متاع کو لیجاتی تھی۔

اب ان تمام مرقومہ بالا اختلافات واقعات کو دیکھکر اور پڑھکر بھی۔ کیا ہمارے فاضل معاصر یا اس خیال ورائے کا کوئی اور مسلمان اب بھی ذو القرنین قرآنی سے سکندر رومی کے مراد لئے جانے پر جرأت کر سکے گا۔ میری ناقص رائے میں تو اب کوئی ایسا عقل سے محروم اور فہم سے مجبور نہ ہوگا کہ ایک ساعت کے لئے بھی ایسی غلط فہمی پر اعتبار و اصرار کرے میں مزید اطمینان کیلئے مسٹر جارج سیل (Gorge Sale) مترجم قرآن کی عبارت حاشیہ کو ترجمہ کرکے ذیل میں لکھ دیتا ہوں جسکو انھوں نے اپنے ترجمہ میں روایات عرب پر پورا اعتبار کرکے اس قصہ کے متعلق لکھا ہے۔

ذو القرنین یا دو سینگھوں والا۔ عام طور سے مفسرین نے اس شخص سے سکندر اعظم مراد لیا ہے جسکو وہ اپنی زبان و محاورہ میں الاسکندر الرومی کہتے ہیں۔ جو فارس و یونان کا بادشاہ تھا۔ اسکی وجہ تسمیہ ذو القرنین میں اختلاف کثیر ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ یہ چونکہ شرق و غرب کا بادشاہ ہوا اسلئے ذو القرنین کہلایا۔ یا (جیسا بعض کہتے ہیں) چونکہ اس نے منتہائے مغرب اور منتہائے مشرق تک فوجکشی کی۔ اسلئے ذو القرنین کہا گیا۔ یا اسوجہ سے کہ اسکے تاج شاہی میں دو سینگھوں کے نشان تھے۔ یا اسکے سر میں پیشانی کی دونوں جانب بالونکی بناوٹ بالکل سینگھوں سے مشابہ تھی۔ اور انمیں سب سے زیادہ قابل قبول یہ باعث بتلایا جاتا ہے کہ وہ صاحب جرأت و شجاعت تھا۔ زمانہ حال کے محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ ذو القرنین اسوجہ سے کہلایا کہ اسکے سکوں میں اسکی شبیہ کے ساتھ دو سینگھ بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ ویسے ہی ہیں جیسے جو پیٹر عمون کے سکوں میں ہیں۔ ایک وجہ وہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ حضرت دانیال نے اسکو سکندر م بکرے سے مشابہت دی تھی۔ مگر اون کی مشابہت میں صرف ایک سینگھ والا بکرا پایا جاتا ہے۔ (دیکھو

رہتے تھے۔ ان تدابیر سے نجران یمن میں عیسائیت کا مرکز قرار پاگیا تھا۔ یعنی رومیوں اور حبشیوں کی مذہبی و سیاسی امیدوں کا وہ بادلی بنگیا تھا جسکی یہودی اسکو دیکھتے تھے اور وفور جوش سے بھرتے تھے۔

اتفاق وقت اشتعال طبع کیلئے ایک عجیب حیلہ پیدا ہوگیا۔ جو اب بھی نہایت کثیر الوقوع ہے نجران میں ایک راہب عیسائی کا مکان تھا۔ ایک لڑکا اوس راہ سے اکثر گذرتا تھا۔ راہب اوسکو راستہ میں ٹھہرا کر مذہبی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ صحیفہ دانیال باب ۸۔ آیت ۵۔ اوس بکرے کے دونوں آنکھوں کے بیچ ایک سینگھ تھا) ان مفسرین کے علاوہ خاص اور بہتر طبقہ کے مفسرین و مولفین کی یہ راے ہے کہ جس بادشاہ کی طرف اس آیہ قرانی میں اشارہ ہے وہ سکندر یونانی نہیں بلکہ ایک دوسرا اعظیم فرمانرواے کشورکشا ہے۔ جسکا یہی نام اور لقب تھا۔ اور وہ فرمانروا اسکندر رومی سے کہیں زیادہ قدیم اور پیشتر تھا۔ اور وہ جناب ابراہیم ؑ کا ہمعصر تھا۔ اور کیومرث اول حکمران فارس کا بھی معاصر تھا۔ اور بعضوں نے اوسکو یمن کا بادشاہ اصعب ابن الرائش نامی تسلیم کیا ہے۔ اسپر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ خداشناس بادشاہ تھا۔ مگر وہ نبی تھا یا نہیں۔ یہ مسئلہ انہیں مشکوک ہے۔

یاجوج و ماجوج یافث ابن نوح کی اولاد سے ظالم قوم تھی بعض محققین عرب کا مختار ہے کہ یاجوج ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور ماجوج کی اولاد سے شہر گیلان (جیلان) کے باشندے ہیں جس کو قدیم مورخین روم نے بطلیموس اور اسٹرابو نے گیلی (GELI) یا گیلیا (GELEA) بتلایا ہے۔ انکے طرز معاشرت یہ تھے۔ کہ اس قوم کے پاس رہنے کے لئے نہ گھر تھے اور نہ پہننے کے لئے کپڑے۔ اونکے اطراف میں کسی مکان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ زمین میں جانوروں کی طرح ماند کھودتے تھے اور انہی میں رہتے تھے۔ (سکندر رومی کے وقت میں ماند کھود کر رہنے والی انسانی قوموں کا کہیں نام نشان بھی نہیں رہا تھا) اور اون میں بھی صرف آفتاب کی تمازت سے بچنے کی غرض سے چھپ رہتے تھے۔ صاحب تفسیر بیضاوی کے خیال میں یہ لوگ زنگ کے رہنے والے تھے۔ جو ملک حبش کے مغربی اور جنوبی سمت میں واقع ہے۔ میری راے (جارج سیل) میں ترا گلوڈائیٹس (FOGOLODYTES) قسم و قوم کے لوگ تھے۔

ان کی آزار رسانی کی کہانی یہ ہے کہ یہ وحشی قوم دفعتاً اپنی ہمسایہ قوموں پر چھاپہ مارا کرتی تھیں۔ اور انکے یہ حملے موسم بہار میں مخصوص ہوا کرتے تھے۔ اور اون کی سب پیداوار۔ مال و متاع اوٹھا لیجایا کرتے تھے بعضوں نے تو اونہیں مردم خوار بھی یقین کیا ہے۔ (بیضاوی) جن دو پہاڑوں کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے اور جن کے درمیان

تعلیم کا روز کوئی نہ کوئی سبق دیا کرتا تھا۔ جب عام لوگوں کو معلوم ہوا تو طبعاً برافروختہ ہوئے اور ایک عظیم الشان فتنہ کے مواد فراہم ہو گئے

ذونواس سنکر آگ بگولا ہو گیا۔ نجران پہونچا۔ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب شہر فتح ہوا تو گڑھوں میں آگ دہکائی اور ایک ایک کر کے عیسائیوں کو کھڑے کھڑے جلوا دیا جس نے یہودیت کے قبول سے انکار کیا۔ اوسکو نذر آتش کیا۔ قرآن میں اصحاب الاخدود کے نام سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بقیہ حاشیہ عبارت زیرین صفحہ گذشتہ۔ دیوار بنائی گئی تھی اور ذوالقرنین نے اس ترکیب سے یاجوج ماجوج کے حملات کی راہ روکی تھی وہ ارمینیا اور آذربائیجان کے درمیانی علاقہ میں واقع ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مشرقی ترکستان کے منتہائے حدود پر واقع ہیں۔ اس امر کی تصفیہ کے لئے خلیفہ ولید ابن عبد الملک نے ایک سیاح اور محقق کو اس دیوار شرقی کے مشاہدہ کرنے اور اوسکے مفصل حالات لکھنے کیلئے خاصکر مامور کیا تھا وہ ترکستان میں جاکر اوسکے پورے حالات لکھ لایا۔ اس سیاح کے حالات سفر ڈی ہر بولٹ D. Herbolt کی کتاب۔ انجیل اور نینٹل آرٹ Bible orient Art Gogiouge میں مرقوم ہیں۔ ذوالقرنین نے حکم خدا پہونچکر کیا کیا۔ قرآن مجید نے اس ظالم قوم کی جزا و سزا کا اختیار ذوالقرنین کو عنایت کر دیا تھا۔ خواہ وہ اون کو اون کی کفر شعاری کی سزا میں تباہ و برباد کر دیتا۔ یا اونکو خدا کی راہ راست پر لانے کی کوشش اور ہدایت کرتا۔ یا جیسا بعضوں کی رائے ہے کہ خدا نے ذوالقرنین کے ہاتھوں میں اونکا انجام دے رکھا تھا۔ چاہے وہ انھیں تلواروں سے پارہ پارہ کرے یا اونکو قید کر کے لونڈی غلام بنائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ الہامی۔ پہلے معنیوں کے موئید ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی باعث سے ذوالقرنین نے ایک معتدلانہ طریقہ اختیار کیا۔ ان لوگوں کو اوس نے خدا کی شریعت کیطرف بلایا۔ جو آئے وہ بچ رہے جنھوں نے نافرمانی کی سزا پائی اور قتل ہو گئے۔

سد ذوالقرنین کی نسبت مسٹر سل لکھتے ہیں مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سد اسطرح بنائی گئی کہ اسکی بنیادیں اسقدر گہری کھودی گئیں کہ پانی نکل آیا۔ تب اونہوں نے پتھر پگھلا گلا کر ان بنیادوں میں جوڑے بنیادوں کے پہلو بہ پہلو بڑے بڑے داسے نوکے کھڑے کئے اور انکے درمیان پتھر کوئلے کی بڑی بڑی چٹانوں اور لکڑی کے ٹھیلے ٹھیلے کندوں اور بوٹوں کی جڑائی کر دی۔ پھر اوسپر بہت زیادہ مقدار میں لوہے اور پیتل کا انبار لگا کر نیچے سے اوسمیں آگ لگا دی۔ آگ کے شعلوں کی گرمی سے وہ تمام لوہا اور پیتل پگھل پگھل کر اوپر سے نیچے تک دیوار کی اونچائی میں جو دونوں پہاڑوں کی اونچائی کے برابر تھی پھیل گیا اور لکڑی کے بوٹوں اور پتھر کوئلوں کی جگہ سما کر جم گیا۔

قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ إِذْ هُمْ
عَلَيْهَا قُعُودٌ وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ
شُهُودٌ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ
الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (بروج)

مارے جائیں گڑھوں والے۔ گڑھے بھڑکتی آگ کے۔ جب وہ
اوس پر بیٹھے تھے۔ اور (بیٹھے) مومنوں کے ساتھ جو ظلم کر رہے تھے
اوس پر خود گواہ تھے۔ ان مومنوں میں بجز اسکے کچھ اور قصور نہ تھا
کہ وہ خداے مجید و محمود پر ایمان لائے تھے۔ (سورۂ بروج)

بقیہ عبارت حاشیہ زرین صفحہ گذشتہ۔ اسیطرح تمام دیوار میں لوہا اور پیتل گھول کر اور جگہ جگہ دیوار کی دیوار لوہے اور
پیتل کا پہاڑ ہوگئی۔ بعضوں کا قول ہے کہ نہیں۔ پہلے پتھر کی پوری چنائی کر دیگئی پھر اوپر سے لوہا اور پیتل پگھلا کر
تمام دیوار میں پلا دیا گیا۔ (بیضاوی) (ترجمہ قرآن۔ مسٹر سیل۔ طبع اول۔ سورۂ کہف۔ جلد دوم ص ۱۱۹ و
۱۲۰ و ۱۲۱)

عبارت مذکورۂ بالا جو صرف روایات عرب سے ماخوذ و مستنبط ہے وہ ایک یوروپین محقق کے دست قلم کی لکھی
ہوئی ہے۔ اوس یوروپین محقق نے کچھ قلم برداشتہ اسکی نقل ہی نہیں کر دی ہے۔ بلکہ اوسکے الفاظ استنادا تحقیق
حال کے معیار پر جانچا ہے اور مطابقت کے حوالے بھی دئے ہیں۔ ذوالقرنین کی سکندر رومی کے ساتھ خصوصیت
اور اوسکے متعلق حضرت دانیال والی کرے کی بشارت اور ایک سینگہ اور دو سینگہ والی مینڈھے کی تمثیلات و شباہت
کی پورے طور سے تنقید و تردید کر دی ہے۔ ایسا یوروپین مترجم کی مذکورۂ بالا عبارت سے ذوالقرنین کی تخصیص یا
تشخیص اسکندر رومی کے ساتھ بالکل غلط تاویل ثابت ہوگئی ہے جس کو ہمارے فاضل معاصر نے بلا تحقیق
تفتیش حقیقت اپنا مختار قرار دیا ہے۔ اور ایسے مسلم الثبوت واقعہ کو محض افسانہ خیال کیا ہے۔ ہمارے
مندرجہ بالا مضامین تنقید نے پوری تفصیل سے ثابت کر دیا ہے کہ اس واقعہ کو جس طرح قرآن مجید اور اوسکے
ذی علم مفسرین اور عرب کے قابل محققین و مورخین نے بتلایا ہے۔ وہ بالکل حقیقت اور واقعیت پر شامل ہے
اور امم سابقہ اور ملوک ماضیہ کے احسن القصص میں داخل ہے۔ نہ تاریخی داستان ہے نہ خیالی افسانہ زمانہ
جاہلیت کے متعصب مستشرقین یورپ۔ قدیم رومی اور یونانی مولفین کی ناقص، مشتبہ اور غیر مانوس تحقیق کے شیدائی
اور مقلد اول تو اس کو لکھتے نہیں اور تسمران بیفروغی اور غیر واقع قصص و حکایات بیان کرنے کا جھوٹا الزام
قایم کرتے ہیں۔ اور اگر لکھتے ہی ہیں تو خودغرضی اور تعصب مذہبی سے عرب کی خصوصیت اور قدامت کو
یونان و روم کی مفاخرت کا نشانہ بناتے ہیں اور اپنی اس خودغرضانہ عالم فریبیوں کی تحقیق جدید کو
طبع کا تاج پہنا کر روایات قدیمہ و صحیحہ عرب کو مٹاتے ہیں۔ اون کے ہمخیال۔ ہم وطن اور ہم مذہب چاہتے
ہیں کو ان مفسدانہ اور مغویانہ خیالات کی جتنی تائید نہ کریں وہ اون کے مندرجات انسانی کو الہامات ربانی نہ

قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اُسنے کُل لوگوں کو جلا دیا اور شہر کو بے نشان کر دیا۔ لیکن کتب و اخبار و تفسیر کی تمام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی خاکستر ہوگئی۔ لیکن یہ صحیح نہیں[عله]۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی۔ وہاں دعاۃ اسلام بھیجے گئے ہیں۔ نجران سے دو راہب آنحضرت صلعم سے مناظرہ کیلئے

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ سمجھیں۔ ہمکو اس سے نہ بحث ہے نہ اعتراض ہے۔ افسوس ہے تو اُن اہل اسلام پر۔ جو باوجود دعوی بصیرت اور رابطہ عقیدت کے۔ نہایت آسانی سے مخالفین اسلام کے ان ظاہری اور نمایشی گمراہ کن تحقیقات پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اس عالم وارفتگی میں اپنے محدثین و مفسرین اور مورخین پر بیساختہ کذب بیانی کا الزام و جُرم لگاتے ہیں۔ ہمارے فاضل معاصر نے تو اس بحث میں مستشرقین کی غلط آرائی کی تقلید و تائید میں اپنی فریفتگی یہاں تک دکھائی ہے کہ سلسلہ حمیریہ سے صعب ابن الرائش الملقب بہ ذوالقرنین کا نام ہی نکالڈالا۔ (ملاحظہ ہو فہرست سلاطین سلسلہ حمیریہ مندرجہ ارض القرآن جلد اول ص ۲۸۶) حالانکہ عربی کی کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں سلسلہ حمیریہ کی فہرست ملوک دی ہو۔ اور اُسمیں ذوالقرنین کا نام نہو۔ یہ کیوں؟ صرف مستشرقین یورپ کی تقلید۔ اسلئے کہ اونہوں نے اپنی تالیفات میں نہیں لکھا پھر یہ کیسے لکھیں۔ مگر ہمارے فاضل محقق کو سکوت سے پہلے اسکی علت دریافت کرلینی تھی۔ کہ یورپین تالیفات میں عام طور سے اس واقعہ کے سقوط کا کیا باعث ہے اور وہ بالکل ظاہر ہے۔ اسلئے کہ اونکے متقدمین و مولفین روم و یونان نے جن کے وہ ذلہ ربا اور خوشہ چیں ہیں۔ اس واقعہ کو نہیں لکھا ہے۔ پھر وہ کیونکر لکھیں۔ مگر اون کے برعکس آپ کے ہاں تو بتواتر و توارد اس قصہ کی تفصیل و تشریح موجود ہے۔ پھر آپ اسے کیونکر مرفوع القلم کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے مستشرقین یورپ کی مقلدانہ اور مویدانہ فریفتگی کے خاص عالم میں محو ہو کر اپنے مفسرین

عله ہمارے فاضل معاصر کا سارا غصہ مورخین عرب پر ہے اور مفسرین قرآن پر۔ جھوٹے ہیں تو وہ۔ ناقابل اعتبار ہیں تو وہ چنانچہ اصحاب الاخدود کے متعلق اونہوں نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کیساتھ اُنکی ساری بستی بھی جلا دیگئی تھی۔ فاضل معاصر کو عتاب آگیا جس طیش انگیز عبارت سے خطاب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "یہ صحیح نہیں۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نجران کی آبادی موجود تھی۔ دعاۃ اسلام وہاں بھیجے گئے ہیں۔ نجران سے دو راہب آنحضرت صلعم سے مناظرہ کرنے آئے تھے ..... پھر دو ایک فقروں کے بعد خدا جانے دلمیں کیا خیال آگیا تو لکھتے ہیں ممکن ہو کہ حبشیوں کی ہفتاد سالہ سلطنت میں پھر دوبارہ آباد ہوا ہو۔ انصاف کیجئے یہ کوئی طرز تحریر ہے اور سیاق تحقیق ہے جرح بھی آپ ہی فرماتے ہیں اور تعدیل بھی آپ ہی۔ اعتراض بھی ہوتا ہے اور پھر تاویل بھی کیجاتی ہے۔ آپ تالیف و تصنیف خصوصاً تحقیق و تنقیح کا کام کرنے اُٹھے ہیں تو پہلے تسبیح وار تسلیہ قلب اور تسکین دماغ تو فرمالیں۔ یہاں تو بات بات میں۔ تلون۔ ذہول۔ دَور اور تعدد فی الکلام آجاتا ہے۔ آپ کے اس طریقہ تنقید سے اسلامی مورخین و مفسرین کی تکذیب تو نہ ہو سکے گی۔ بلکہ آپ ہی کی تضحیک لازم آئے گی۔ المولف اولاد حیدر

آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے عہد میں۔ یہاں کے نصاریٰ سے دوگونہ صدقات وصول ہوتے ہیں۔ یا ممکن ہے کہ حبشی عیسائیوں کی ہفتاد سالہ عہد میں پھر دوبارہ آباد ہوا ہو۔

اس واقعہ کو عیسائیوں نے بھی یاد رکھا ہے۔ اسی عہد میں شام کے عیسائی اس قصہ کو قید تحریر میں لائے ہیں۔ انکے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے جس میں یقیناً بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں۔ جارٹے کے سبب سے اہل حبش اپنا نائب یمن میں نہ بھیج سکے۔ ذونواس نے حکومت غصب کر لی اور عیسائیوں کو مذہب کی خاطر بہت دکھ دیا۔ علاوہ ازیں نجران پر فوجکشی اور ظفار وعدہ شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد بایمان عیسائیوں کو آگ اور تلوار سے برباد کر دیا۔ (Encyclopedea of Islam)

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ محدثین اور مورخین کے تمام مکاشفات کو القط کر دیا۔ اور فہرست سلاطین حمیریہ کو جو عربی تاریخوں میں مرقوم ہے۔ ساقط الاعتبار اور بیکار سمجھ لیا۔ اور اس کی جگہ مستشرقین یورپ کی وہ تیار کردہ فہرست جو اونہوں نے ادبیات اثریہ کے اصول پر تیار و مرتب کی ہے۔ اپنی کتاب میں جسکا نام مخصوص طور پر ارض القرآن رکھا گیا ہے۔ داخل کر دیا۔ حالانکہ ہر دیکھنے والا دیکھتے ہی فوراً حیرت میں پڑ جائیگا کہ ارض القرآن کو دار الحرب یورپ اور بلاد غیر اسلامیہ کے اثریات سے اثر پذیر اور دامنگیر ہونا کیا معنی، ہمارے فاضل معاصر کا فہرست سے اصعب ابن الرائش۔ ذوالقرنین یمنی کے نام کا اسقاط تمام اہل اسلام کی آنکھوں میں ایک شرمناک فرو گذاشت بنکر کھٹکتا ہے۔ اور ایک مولف و محقق کی شان پر علی الاعلان استخفاف و قصبیت کا الزام لاتا ہے۔ زمانہ حال کے محققین مشاہدات کے عموماً طالب ہوتے ہیں اور ہر امر کی تحقیق میں تمثیلات ظاہریہ کی متلاشی۔ اس واقعہ کے متعلق دیوار بنانے کے حالات دیکھکر اونہوں نے اسکندر رومی کے سد اسکندریہ کا موجودہ تمثیل و مشاہدہ سے، گویا دونوں دلیلوں کو مدنظر رکھکر۔ اوسکے ذوالقرنین ہونے کے شبہ کو اور قوی کر لیا ہے۔ حالانکہ سلسلہ ملوک سبا میں جس میں بنی حمیر ایک برومند اور نہایت شاداب شاخ ثابت ہوتی ہے اور جس کا سرسید اصعب ابن الرائش۔ ذوالقرنین یمنی ثابت ہوتا ہے۔ ایسی دیواروں کے بنانے کا قدیم الایام سے دستور اور قاعدہ جاری تھا۔ غالباً اس صنعت تعمیر کے یہی موجد بھی ثابت ہوتے ہیں۔ سد عرم اور مارب کے حالات خود فاضل معاصر نے نہایت تفصیل سے اسی کتاب میں ادبیات اور اثریات دونوں طریقوں سے ثبوت و شہود سے نقل فرمائے ہیں اس بنا پر پہلے ذوالقرنین یمنی پر تعمیر سد کی دلیل قائم ہوگی تب ذوالقرنین رومی پر اسکا الحاق کیا جائیگا کیونکہ ذوالقرنین یمنی روایتاً اور درایتاً۔ دونوں طریقوں سے جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ذوالقرنین رومی سے قدیم تر ثابت ہوتا ہے۔

سباے حبش

یا

اصحاب الفیل

ذونواس جس کیطرف قرآن کے الہامی الفاظ نے بھی اشارہ کیا ہے اور جس کا مفصل احوال اوپر بیان ہو چکا ہے ایک متعصب یہودی تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ارتازرکسیزاکس سے (Artoxorocius) چند یہودیوں کو قید کرکے شہر ہرقانیہ (مازندران) میں بھیجدیا تھا۔ چونکہ ذونواس یہودی تھا اسلئے اسکے حملات سے ذونواس

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ مشاہدہ تمثیلی کی بحث تو تمام ہو چکی اب مشاہدہ واقعات کیطرف غور کیا جائے تو سد اسکندریہ کے قریب موجودہ زمانہ میں کسی قوم وقبائل کے باشندوں میں اُن قدیم الایام کے طریقہ عبادت۔ تمدن ومعاشرت کے کوئی اخبار وآثار جن کے حالات وعلامات ہمارے عربی مفسرین اور مورخین نے بتلائے ہیں۔ نہیں پائے جاتے۔ ان کے برخلاف۔ اس سد مشرقیہ کے اس پار رہنے والی قوموں میں۔ جن کو موجودہ زمانہ کی زبان ومحاورہ میں لاَمہ کہتے ہیں قدامت کے تمام آثار ونشانات آجتک موجود ہیں۔ ان کے لباس۔ وضع وقماش۔ تمدن ومعاشرت۔ مذہب۔ طریقہ عبادت۔ غرض تمام انداز اور طریقے سے قدامت۔ سابقیت اور اصلیت ٹپکتی ہے۔ وہ ابھی تک نہایت صلح پسند۔ آزاد روش۔ اور بے آزار وخیر سگال قوم تسلیم کیجاتی ہے اور اسکے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی اوسی قدیم شریعت اور طریقہ عبادت پر۔ خواہ وہ کیسا ہی بے اصل اور باطل طریقہ نہ ثابت ہوتا ہو آجتک اوسی استحکام واستقلال سے قایم وبرقرار پائے جاتے ہیں تو ان مشاہدات حاضرہ اور تمثیلات موجودہ کے مقابلہ میں بھی روایات عرب کے جھوٹے افسانے کہے جانے پر اصرار کیا جائیگا۔ اور کیا اب بھی ان قوموں کو ظالم قوموں کے پنجے سے چھڑانیوالا اور انکے گردونواح میں اس قدیم دیوار کا بنانیوالا سکندر رومی کو بتلایا جائیگا جو مشرقی ممالک میں اور انکے علاقوں میں کہاں تک۔ ہندوستان میں دریاے گنگا سے اپنے قدم آگے نہ بڑھا سکا۔ فافہم فتدبر

ذوالقرنین کی داستان اور افسانہ کی حقیقت بیان اور واقعیت کی اصلی شان ثابت کرکے اب ہم فاضل معاصر کے دوسرے افسانوں کی حقیقت کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔

فتح افریقہ۔ ہمارے لائق محقق کے طرز تحریر میں یہ ادا نہایت ہی قابل تعریف ثابت ہوئی ہے کہ جس پُرجوشی اور سرگرمی

کی سلطنت کو بھی سخت صدمہ پہنچا - ایک تو خود اس کی ظالمانہ حرکت دوسرے اسکے زوال قوت عیسائی حبشی
ملوک مصر کو اوسپر غلبہ پاجانے کا پورا موقع دیدیا حبشی چڑھ آئے - اور اس کو ملک سے نکالدیا - یہ واقعہ سنہ ۵۲۵ء
قم میں واقع ہوا - اس زمانہ سے جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت تک نوسو برس ہوتے ہیں
اس درمیان میں افریقہ کی قوموں کی جو ارباط حبشہ کہلاتے تھے - اور نیز بعض عرب المستعربہ کی اور انہوں
کی سلطنت رہی - ابوالفدا ابی سعید مغربی کی کتاب تاریخ یمن ان سلاطین کے متعلق لکھتا ہے -

---

بقیہ حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ - ہے اعتراض و تردید کی شمشیر قلم کی جاتی ہے اوسی تمکنت اور شان سے ایک دوسری نوری
خیال ہوجانے پر سپر اندازی بھی کردی جاتی ہے - یہ طریقہ تحریر جہاں تک خوش نما اور لائق تعریف نہ سمجھا جاسکے وہ دوسری بات ہے
مگر اس سے آپ کے تلون اور ضعف مختار کے بھی کامل ثبوت و آثار ظاہر و آشکار ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اعتراض کرنے کو
اعتراض تو کردیتے ہیں - مگر اپنے اعتراض کا ضعف اور اصل واقعہ کی حقیقت آپ کے دل میں ضرور چھپی رہتی ہے - اور اسی طرز خاص کا
آپ کے یہ پتا بھی پورا ملجاتا ہے کہ حقیقت میں عربی روایات پر آپ کے یہ اعتراض خاص آپ کے پیدا اور وارد کئے ہوئے نہیں ہیں - بلکہ اصلاً
مخالفین اسلام کے بتلائے اور ان کی کتابوں سے نقل فرمائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ صداقت و صحت سے اسقدر خالی ہیں کہ بالآخر
آپ کو سپر انداز ہونا پڑتا ہے تمثیل کے لئے ملاحظہ ہو کس شدومد سے لکھا جاتا ہے - ایک تبع براعظم افریقہ کا فاتح ہے - پھر اوسی ص ۲۹۶
میں کل پانچ سطروں کے بعد تحریر فرمایا جاتا ہے - افریقہ کا بیان ایک حد تک صحیح ہے - اب اپنی دونوں تحریر کردہ عبارتوں کو ملایا جاوے
اور بتلایا جاوے کہ جب ایک حد تک اسکی صحت کا علم آپ کو موجود تھا تو ناحق اعتراض کرنے کی ضرورت - اسی سے معلوم ہوگیا کہ وہ
نقل کی مجبوری تھی اور یہ عقل کا حکم - جب آپ نے اسکی صحت کو خود تسلیم کرلیا - تو اب ہمکو اس کی تفصیل و تنقیح کی ضرورت باقی نہیں رہتی
فتح چین و ترکستان کے متعلق آپ کا مذاق یا ابن خلدون کی ہنسی بھی تو بے سبب ہے - کیونکہ ہمارے فاضل محقق صاحب -
ابن خلدون ایک عربی مورخ ہے اسکے قول پر اعتبار کرنا تو آپ کے موجودہ معیار تحقیق اور شعار تالیف کے بالکل منافی اور مخالف ہے - مگر
بات یہ ہے آپ کے تلون کی ادا و نکالنا کوئی شمار ہے نہ کوئی حد - جس وقت جسپر نگاہ لطف ہوگئی ہے وہی دلپسند ہوگیا اور وہی دلنشین
بہرحال فتح ترکستان و چین پر آپ کے ابن خلدون صاحب ہنسی اوڑاتے ہیں اور آپ بھی اونکے ساتھ قہقہے لگاتے ہیں - بہتر - خدا
آپ دونوں کو خوش رکھے - مگر فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا پر بھی نظر رہے - ہاں - ابن خلدون سے زیادہ قدیم اور وسیع النظر
عربی مورخ مسعودی صاحب اور اون سے بیشتر ابن حوقل صاحب بغدادی کیا فرماگئے ہیں اور ان فتوحات کے متعلق اپنے چشم دید
واقعات و مشاہدات کیا بتلا گئے ہیں کیا وہ ایک ابن خلدون کے جو متاخرین مورخین میں ہے - قول احاد سے ناقابل اعتماد ہوجاینگے - ؟
اور چونکہ وہ آپ کی غلط فہمیوں کے موید ہیں اسلئے آپ تنہا اونکے قول پر استدلال فرماینگے - یہ آپکا استدلال کہ آنچہ من میگویم ہمان محاورہ است
اصولاً استدلال نہیں کہلا سکیگا - اور کوئی عقل والا اسکو ایک ساعت کے لئے بھی قبول نہ کریگا - اب اس امر میں اپنی غلط فہمی کی تصویر کا دوسرا

ان الحبشۃ استولوا علی الیمن بعد ذی جدن الحمیری المذکور وکان اول من ملک الیمن من الحبشۃ اریاط ثم ملک بعدہ ابرھۃ الاشرم صاحب الفیل الذی قصد مکۃ ثم ملک بعدہ یکسوم ثم ملک بعدہ مسروق ابن ابرھۃ وھو اٰخر من ملک الیمن الی حمیر وملکھا سیف بن ذی یزن الحمیری۔

(ابوالفدا)

ذی جدن حمیری کے بعد قوم حبشہ نے یمن پر قبضہ کرلیا۔ جس شخص نے ملک یمن پر سب سے پہلے قبضہ کیا وہ اریاط تھا۔ اسکے بعد ابرہۃ الاشرم جو صاحب الفیل مشہور ہے اور جس نے کعبہ کے انہدام کا قصد کیا تھا۔ بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد یکسوم بادشاہ ہوا۔ یکسوم کے بعد مسروق بادشاہ ہوا۔ اور یہی مسروق یمن میں حبشیوں کا آخری بادشاہ ہوا۔ پھر اسکے بعد یمن کی سلطنت خاندان حمیری کی طرف عود کرآئی۔ اور سیف بن ذی یزن الحمیری یمن کا بادشاہ ہوا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ پُرخ ملاحظہ فرمایا جاسے۔ ذوالقرنین کی رومی کا بلاد مشرقیہ میں ہندوستان سے آگے بڑھنا تو کسی تاریخ سے ثابت نہیں۔ پھر یہ گریٹ چینا وال (Great China Wall) کس نے بنائی۔ یورپین مورخین بھی اس کو سکندر کی تعمیر نہیں بتلاتے۔ بلکہ اوسکے ڈیڑھ سو برس بعد کی عمارت سنہ ۲۲۰ ق م کی ساختہ بتلاتے ہیں Beeton's Hist & Geogr Dict P. 454 مگر برخلاف اسکے عرب کے قدیم و جدید مورخین و محققین یکزبان ہوکر برابر لکھتے اور بتلاتے آتے ہیں کہ یہ دیوار ذوالقرنین یمنی کی بناکردہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور جو حضرت مسیح سے ہزار بارہ سو (۱۲۰۰) برس پیشتر تھا۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم رواۃ عرب اور اون کی روایات کو ناقابل اعتبار سمجھیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اون کی مخالف پارٹی مستشرقین یورپ کو اس زمانہ قدیم میں نہ اس فرمانروائے یمن کے حالات کے معلوم کرنیکا کوئی ذریعہ تھا۔ نہ اوس کی ملک گیری کے واقعات اور اس کی تعمیرات کا۔ پھر ایک سنجیدہ اور عقل سلیم رکھنے والا شخص کیسے اون کے اقوال کو مورخین و محققین عرب کے اقوال پر ترجیح دیسکتا ہے۔ جو اس ملک کے قدیم رہنے والے۔ اوس فرمانروا کے ہم اصل اور ہم نسل ہونے کا پورا حق رکھتے تھے۔ ملک چین کی دیوار عظیم الشان علی الاعلان آجتک زبان حال سے شہادت دے رہی ہے کہ عربی مورخین و محققین کے قول کے مطابق ذوالقرنین یمنی اپنے عسکر لاتحصٰی بلاد مشرقیہ کے ان منتہائی حدود تک آیا۔ اور اوس نے ملک ترکستان چین و تبت کو مغلوب اور اونکے ممالک کو مفتوح فرمایا۔ اور پھر اون کے آیندہ تحفظ و اطمینان کے لیے یہ سد قائم کردی۔ ان مشاہد متواترہ اور شواہد متکاثرہ کے مقابلہ میں۔ تنہا آپ یا ابن خلدون کا انکار کبھی مفید کار اور قابل اعتبار نہوگا۔

لفظ سمرقند کی توضیح۔ فاضل معاصر اس لفظ کے متعلق لکھتے ہیں۔ شمر یرعش کی تیغ کشورکشا عرب سے ترکستان تک بلند ہوکر ایک شہر کو ویران کردیتی ہے۔ اور اوسکا نام شمرکند پڑتا ہے۔ یعنی شمر نے اوسکی بیخ و بنیاد کھود ڈالی۔ صرف لفظ کا کھیل ہے۔ "کند" کو فارسی لفظ (مصدر) کندن سے مشتق سمجھا۔ حالانکہ قدیم ترکستانی زبان میں "کند" شہر کو کہتے ہیں۔ سمرکند۔ تاشکند۔ خوکند۔ ترکستان کی زبان بزمانہ اسلام فارسی ہوگئی تھی۔ لیکن شمر یرعش کے زمانہ میں تو فارسی نہ تھی۔ جو کند فارسی کندن سے ماخوذ ہوتا۔

ہمکو رہ رہ کے تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے اس فاضل کے ان نظریات کو کیا کہا جاوے۔ آیا یہ تنقید ہے یا نزاع لفظی۔ اگر اسی نزاع

مشرقی مورخین نے یہاں بھی ارباط اور ابرہہ کو دو جداگانہ شخص خیال کرکے لکھ دیا ہے کہ اتنے زمانے میں صرف دو ہی شخص بادشاہ ہوئے۔ حالانکہ ارباط و ابرہہ اون کے قوم وقبائل کے امتیازی القاب ہیں۔ اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ امتیاز خاندانی کی ضرورت سے ضم کئے جاتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی محققین کا اتفاق ہے کہ سلاطین ابرہہ میں سے ایک بادشاہ کا نام اشرم تھا جو زیادہ تر صاحب الفیل کے نام سے لکھا جاتا ہے۔ اس نے مکہ معظمہ پر ۵۷۰ء میں چڑھائی کی تھی۔ یہ بہت سے ہاتھی اپنے ساتھ لایا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کرا دے۔ اسکے پوتے مسروق کو سیف بن ذی یزن حمیری نے سلطنت سے بیدخل کر دیا۔ اس کے بعد ابرہہ کا خاندان شاہی ختم ہو گیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ لفظی اور بات کی پکڑ کا نام محققانہ تنقید اور مورخانہ تنقیح ہے تو کٹھ حجتی اور ہٹ دھرمی کس کو کہیں گے۔ استغفر اللہ۔ آپ کی تحقیق کا خاص مدعا تو ان تمام خارج از بحث خامہ فرسائی سے وہی مستشرقین یورپ کی تقلید۔ اور عربی مورخین و مفسرین کی تغلیط و تردید ہے مگر افسوس آپ کو اپنے اس غلط فہمانہ ارادے میں سرمو کامیابی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ ہمارے مندرجہ مضامین تنقید عربی مورخین کی صحت بیانات کو تمام دلائل و قرائن سے ثابت کرتے آئے ہیں اور آپ کے قیاسی اور خیالی مندرجات کو باطل۔ جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہے۔ نہایت عبرت اور حسرت کا مقام ہے کہ اس لفظ کے متعلق بھی آپ کے انکار کی وہی صورت ہے۔ یہاں آتش در کاس۔ کند تھا یا حقیقت میں گند تھا۔ جیسا آپ تجویز فرماتے ہیں۔ اس مرکزی اختلاف کے بحث کو ابھی تھوڑی دیر کے لئے طے کر دیجئے۔ اصل لفظ سمر پر نگاہ ڈالئے۔ غور کیجیے۔ اور بتلایئے کہ اگر قول عرب کے مطابق یہ لفظ شمر نہیں ہے۔ تو پھر ترکی زبان میں یہ کون لفظ تھا اور اسکے کیا معنی تھے۔ قرینہ بتلا رہا ہے کہ شمر کے ایسا یہ بھی ترکستانی زبان میں کسی شخص خاص کا نام ضرور ہوگا جسکی مناسبت سے آپ کا شہر "گند" مشہور کیا گیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آپ نے اسکی نسبت کچھ نہ لکھا۔ اسلئے تا وقتیکہ آپ شاہد تاریخی سے اس لفظ کے خاص ترکستانی ہونیکا کامل ثبوت نہ دیں گے۔ آپ کی اس ہٹ دھرمی کی چنداں کو کوئی نہیں مان سکتا۔ بلکہ بخلاف آپ کے عربی مورخین کے بتلائے ہوئے سمرقند کو جو اون کے متواتر مرویات سے ثابت ہے۔ نہایت آسانی سے قبول کرلیگا۔ اب کند اور گند کی بحث کی طرف آئیے بات یہ ہے کہ جبتک شمر اور سمر کا تصفیہ نہ فرمالیں گے۔ جیسا اوپر آپ سے مطالبہ کیا گیا ہے اوسوقت تک کند اور گند کی تنقیح آپ کے مدعا کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی ہم کہتے ہیں کہ عربوں کا بتلایا ہوا کند ٹھیک تھا۔ بعد میں ترکوں نے اسکو اپنی زبان کے تلفظ میں گند بنا لیا۔ آپ میرزھا اس تعدیل کی کیونکر تردید کرسکتے ہیں ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین اگر آپ سچے ہیں تو کوئی دلیل لایئے۔ زبانی۔ قیاسی اور خیالی اندازوں کا نہ کوئی وزن و اعتبار رہا ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہمارے فاضل معاصر کا یہ کہنا کہ اوسوقت تک فارسی۔ ترکستان کی زبان ہوئی ہی نہیں تھی۔ یہ کند آیا تو کہاں سے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہندوستان۔ ایران اور انگلستان تین مختلف ممالک ہیں۔ اور اون میں ہزاروں میل کا فیمابین فاصلہ ہے۔ اونکے تمام امور تمدن۔ تہذیب۔ معاشرت۔ قومیت وغیرہا اسکا لحاظ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مگر باوجود اتنی اختلاف کثیرہ

سیف ابن ذی یزن حمیری کو اپنی آبائی سلطنت کیسے ملی؟ واقعہ یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیف بن ذی یزن کے دل میں اپنی خاندانی سلطنت واپس لینے کی غیر متحمل اور مستقل خواہش و تمنا تھی۔ اس ارادے سے وہ بادشاہ روم کے پاس گیا۔ اور اوس سے امداد کا طالب ہوا۔ انتظار استمرا وہیں اوسکے دس برس کامل صرف ہو گئے۔ اور کچھ کشود کار نہوا۔ آخر مایوس ہو کر کسرےٰ نوشیرواں کے دربار میں پہونچا۔ اور مدد کی درخواست کی۔ کسرےٰ نے اوسکی استدعا منظور کی۔ ایک جرار لشکر تیار کر کے اوسکے ہمراہ کر دیا۔ اسی لشکر کی قوت سے سیف ابن ذی یزن نے اپنے حریف ابرہہ کو شکست دی۔ اور اوس سے اپنا آبائی ملک خالی کرا لیا۔ یمن کے مشہور و معروف محل سلطانی

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ کے ہاں سنسکرت۔ فارسی اور انگریزی میں الفاظ پدر۔ مادر اور دختر کی قریب قریب ایک صورت ہے۔ یہ کیوں صرف اسلئے کہ عام اس سے ان ممالک میں کتنے ہی اختلافات نہو۔ مگر اصلیت فی النسل اور وحدت فی الاصل سکے باعث ہیں جو نہایت قلت کے ساتھ اتنک اون میں پائے جاتے ہیں۔ اسی اصول مشاہدہ کی بنا پر ہمارے فاضل محقق کو ترکستان میں اون دونوں لفظ کند کا استعمال یقین کر لینا چاہیئے۔ اور سمجھ لینا چاہیئے کہ باوجود اسکے کہ ترکستان میں اسوقت فارسی زبان نہ مروج ہو۔ ایران و ترکستان کی اصلیت قربت اور باہمی تعلقات کیا کم تھے۔ جو ترکون کو کسی فارسی لفظ کے بولنے یا استعمال کرنے سے روک سکتے۔ اس بنا پر بقول مورخین عرب سمرقند کو فارسی ترکیب کا لفظ تسلیم کر لینا نہایت صحیح اور بہت واقع ہوگا۔

ابن حوقل بغدادی کے مشاہدہ کتبہ حمیری واقع دروازہ سمرقند کی نسبت آپ کی بہ طلاسیا مبر تعریض کہ لیکن افسوس کہ سیاح موصوف کے زمانہ قیام ہی میں یہ نادرہ روزگار شہر میں آگ لگجانے سے جلکر پریشان ہوگیا۔ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ عربی سیاح کو محض جھوٹا اور اسکے مشاہدات کو اوسکے دل کی گڑھی ہوئی بات سمجھ رہے ہیں۔ اس سے بڑھکر ایک مولف خصوصًا ایک مسلم مورخ و محقق کیلئے اور کون شرمناک طریقہ ہوگا جھوٹا کہنا ہے تو صاف لفظوں میں کہئے۔ مگر کہنے سے پہلے یاد رکھئے کہ اسی ارض القرآن کے کثیر التعداد مقامات پر اسی ابن حوقل کے حوالے دیکر اوسکی راست بیانی اور صداقت زبانی کا آپ سب کو یقین دلا چکے ہیں۔ اب وہی ابن حوقل ہے اور وہی آپ ہیں۔ مگر چونکہ اوس کا مختار مستشرقین یورپ کے خلاف پایا جاتا ہے تو اس ضرورت و مجبوری سے وہ بے اعتبار ہی ہو گیا اور ناقص المعیار بھی۔ یہی ایک متدین مولف اور محقق کا شعار تالیف کہا جائیگا۔ بہتر وہ خریب جھوٹا سہی۔ آپ سچے ہو کر اوسکی تردید میں کیسی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی دیکھی جا سکے۔۔

(ان) آپ کی دلیل یہ ہے کہ ابن حوقل نے حمیری خط سمجھنے میں غلطی کی۔ وہ قدیم ترکی کا ایغوری خط ہوگا۔ جو حمیری اور حبشی خطوط سے مشابہ ہے آپ کے متقدمین الفاظ یہ ہیں۔ قدیم ترکی کا ایغوری خط ہوگا۔ ان الفاظ سے آپکی دلیل کی خیالی اور احتمالی صورت قائم ہوتی ہے نہ یقینی اور واقعی اور اصول تنقید کے رو سے دلائل تردید کیلئے شہود و یقینی اور قطعی ہونی چاہئیں اب آپ اپنے ضعیف استدلال کو خود اپنی نظر سے ملاحظہ فرمالیں کہ آپ ابن حوقل کے مشاہدات کو اپنے احتمالات سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بالکل محال ہے۔ اور غلط و فاسد استدلال اسکے علاوہ میں ان مباحث کی تمہید و عنوان میں بیان کر چکا ہوں۔ آپ جو دہ سو برس کے بعد ایغوری خط اور حمیری خط کی

نجران میں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور مشرقی سلاطین کے اصول معاشرت کے مطابق عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا۔ اوس زمانہ کے شعرائے عرب نے اسکی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے اشعار مدحیہ سے چونکہ اکثر تاریخی واقعات کا پتا ملتا ہے۔ اسلئے ہم ذیل میں اون کی نقل کو ضروری سمجھتے ہیں۔

كما لقصد للناس كما كان ذو يزن	کسی شخص نے ابن ذی یزن کی طرح قصد ارادہ و انتقام نہیں کیا
إذ خيم البحر للأعداء أحوالا	جس نے مخالف کے خیموں کا دریا کے کنارے پڑاؤ صرف کر لیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گزشتہ۔ تمیز و معرفت کے لئے قابل اعتماد تسلیم کیے جائینگے یا ابن حوقل بغدادی جو کہ تیسری صدی کا محقق ہے۔ اس رو سے بھی آپ کا ادعا بیجا ہے اور سراسر غلط۔

تبت کی فتح۔ اسپر بھی وہی خیالی اور قیاسی تعریض کی گئی ہے۔ اور ابن حوقل کے ایسی علامہ مسعودی صاحب تاریخ مروج الذہب کی خبر لی گئی ہے۔ کیونکہ اوس نے بھی اپنی سیاحت کے زمانہ میں جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ تبت میں عربی النسل والاصل آدمیوں کو دیکھا اور بالکل عرب کی حقیقی اور اصلی لباس و پوشاک میں انکو بالاستقلال و استمرار وہاں کا باشندہ پایا۔ آپ اس محقق کے مشاہدات پر اپنے قیاس کا یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی صدی میں عرب کی تجارت تمام اقطاع عالم میں پورے فروغ اور کامل عروج پر تھی۔ اسلئے مسعودی نے جن عربوں کو تبت میں دیکھا وہ اپنے تجارتی اغراض سے وہاں کے تازہ وارد ہونگے نہ وہاں کے مستقل باشندے۔ فاضل معاصر کا موجودہ طریقہ استدلال عجیب طرح کا ہے۔ آپ ایک محقق قدیم کے مشاہدات کو اپنے خیالات و قیاسات سے باطل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کبھی ممکن ہے۔ اور کوئی اسے قبول کریگا۔ آپ کی اس تعریض کا بھی وہی جواب ہے۔ جو ہم ابن حوقل کی تکذیب کی نسبت اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر فاضل محقق کے مزید اطمینان کے لئے کسی قدر وضاحت و تفصیل سے پھر لکھے دیتے ہیں کہ علامہ مسعودی تیسری صدی کا عالم محقق مورخ۔ اور سیاح جو عربی النسل تھا۔ وہ ایک ہندی نژاد مدعی علم و تحقیق سے جو اوسکے ایک ہزار برس بعد پیدا ہوا ہے۔ اپنے ہموطن و ہم قوم اور ہم نسب عربوں کی معرفت کو بدرجہا بہتر جانتا تھا۔ اور انکے وضع و لباس شکل اور دیگر طریقہ معاشرت اونکے تجارتی اور عارضی بود و باش کی کامل تمیز رکھتا تھا۔ اگر وہ آپ ہی کے قول کے مطابق تجارت کے سبب اون اطراف میں حال فی الحال آئے ہوتے تھے تو ہم نہیں سمجھتے کہ مسعودی کو اصل حال کے صاف صاف لکھنے کے لئے کونسی مجبوری لاحق تھی۔ ہر امر کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ہر مقصد کا ایک خاص سبب۔ مگر یہاں مسعودی کے اس اتفاقیہ واقعہ کے لئے نہ کوئی مدعا معلوم ہوتا ہے اور نہ سبب پایا جاتا ہے۔ اسوقت نہ حمیری سلطنت کا نام و نشان باقی تھا جس سے ہم سمجھ لیں کہ حاکم وقت کے اثر سے اوس نے اوس کے آبائی سلسلہ کے فتوحات کو استقرار بخشا اور جتایا کہ لکھ دیا۔ وہ کیا جانتا تھا کہ یہی قابل استناد ہوا ہے نہ لائق قبولیت۔ اسلئے تاوقتیکہ آپ مسعودی کا کوئی ایسا شاہد اوسکے ہم عصر زمانہ میں سے پیش کریں جو اسکی تردید و مخالفت ثابت کریں۔ آپ کی تعریض محض بیکار ہے۔

وأتى هرقل وقد شالت نعامتہ
فلم يجد عنده النصر الذی سالا
ثم انتحى نحو كسرى بعد عاشرة
من السنين يهين النفس والمالا
حتى اتى ببنی الاحرار يقدمهم
تخالهم فوق متن الارض اجبالا
لله درهم من فتية صبر
ما ان رأيت لهم فی الناس امثالا
بيض مرازبة غلب اساورة
اسد تربت فی الغيضات اشبالا
فاشرب هنيئا عليك التاج مرتفقا
برأس غمدان دارا منك محلالا

ہرقل بادشاہ روم سے اسکی دولت وقوت کی مدد مانگی مگر جو
مدد کہ اوس سے طلب کی تھی نہ پاسکا۔
اسی طرح دس برسوں کے بعد کسریٰ نے اپنے جان و مال سے
اوس کی مدد فرمائی۔
یہانتک کہ تمام آزادی پسند قبائل اوسکے خیر مقدم بجا لائے
اور اون کے لیے تمام زمین اور کوہستانی مقام خالی کر آئے۔
خدا کی قسم ایسے صبر اور متحمل شجاع کی مثال اونھوں نے
اور لوگوں میں بہت کم پائی۔
تمام وادی اور میدان جھک گئے اور شہروں پر وہ شیر جس نے
بچپن سے بچہ شیر کی طرح تربیت پائی تھی تمام شہروں پر غالب آگیا
تیرے سر پہ تاج شاہی مبارک ہو۔ اور تجھکو تیرا محل
شاہی جو غمدان میں بنا ہے۔ خوش آیند ہو اور سزاوار ہو۔

کیکاؤس اور سوداوہ ملکہ یمن کے تعلقات۔ اس تحریف کی نسبت بھی ہم اپنے تمہیدی مضامین میں بالاجمال لکھ چکے ہیں۔ آپ نے بڑے جوش و شوق سے اپنی تنقیدی مضامین کیکاؤس و سوداوہ کی پوری داستان لکھنے کو تو لکھ ڈالی اور حتی الامکان اس کی غیر امکانی ثابت کرنے کی بھی کوشش کی۔ مگر اسکے متعلق اس کثرت سے شاہد تاریخی اور صحیح و صریح قرائن و توقع موجود تھے کہ بالآخر آپ کو گھبرا کر لکھنا ہی پڑا کہ اس بنا پر ہمیں ان روایات کے قبول میں کوئی عذر نہیں ہے بشرطیکہ یمن کا خاندان حمیر اور ایران کا خاندان کیانی تاریخاً معاصر ثابت ہو جائے۔ ورنہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقتاً ایران کا کوئی اور بادشاہ ہوگا۔ کیکاؤس کی طرف غلطی سے نسبت ہے۔ آپ کی یہ تحریر بالکل تسلیمی ہے۔ بالفرض محال کیکاؤس نہ تھا جیسا آپ کہتے ہیں، دوسرا تاجدار فارس تھا، تاموں کے فرق سے نفس واقعہ کو آپ کیونکر افسانہ کہہ سکتے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ ان تمام واقعات کو اعتراضاً گویا اختصاراً آپ کے اوستاد شفیق شمس العلماء نعمانی نے سیرۃ النبی جلد اول میں قلمبند فرمایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ آپ ہی نے اون کی بعد اسے چھپوایا۔ اور جا بجا اوس پر حاشیہ اور نظریہ لکھے۔ مگر افسوس کہ ان واقعات غیر معتبر پر جن کو آپ محض افسانہ سمجھتے تھے۔ آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اور تمام دنیا کو غلط فہمی میں ڈالا۔ اگر اوستاد پر قلم اٹھانا سوء ادب تھا تو کم سے کم نظریہ لکھ دئے ہوتے کہ دنیا حقیقت حال سے واقف ہو جاتی۔

المولف

سید اولاد حیدر عفی عنہ

سیف ابن ذی یزن کی نامور زندگی کا خاتمہ اوسکے دربار کے ایک حبشی مصاحب کے ہاتھوں ہوگیا جو اوسکا ہمدم و ہمنشین تھا۔ مورخ ابوالفدا کی تحقیق میں بھی اسکا خاتمہ ایسا ہی ہوا۔ مگر وہ اسکے قتل کو کسی شخص کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اوس حبشی جماعت کی مجموعی محسن کشی کے متعلق کرتے ہیں جسکو سیف نے اپنا مقرب اور ہمدم بنا رکھا تھا۔ اون کی اصلی عبارت یہ ہے۔

وکان سیف بن ذی یزن المذکور قد اصطفی جماعة من الحبشان وجعلهم من خاصته فاغتالوه وقتلوه

سیف بن ذی یزن مذکور نے اپنے ملازمین میں سے ایک حبشی جماعت کو منتخب کرکے اپنا مقرب بنا لیا تھا۔ انہیں لوگوں نے اوسکے ساتھ بدی کی اور اوسکا قتل کر ڈالا۔ (ابوالفدا)

سیف ابن ذی یزن کے بعد اس خاندان میں حکمرانی کے قابل کوئی شخص موجود نہ تھا۔ کسریٰ نے اس موقع کو غنیمت جانکر ملک یمن پر قبضہ کر لیا۔ مورخ ابوالفدا لکھتے ہیں۔

فارسل کسری عاملا الی الیمن واستمرت عمال کسری علی الیمن الی ان کان آخرهم باذان الذی کان علی عهد النبی صلعم اسلم۔

کسریٰ نے موقع پاکر یمن کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اپنی جانب سے یمن پر عامل مقرر کردیا۔ انہیں عاملوں میں سے آخر عامل باذان نامی تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اسلام سے مشرف ہوا۔

ہم سلسلۂ عاملان کسریٰ کے مفصل حالات و واقعات اونکے مقام پر قلمبند کریں گے۔

عرب العاربہ یا بنی قحطان کے سلسلہ میں یعنی سبا۔ سبا کے حمیر۔ اور سبا کے حبش وغیرہم۔ فرداً فرداً ہر ایک کے حالات و واقعات ہم پوری تفصیل و تشریح سے لکھ چکے۔ یہ سلسلہ یقطان یا قحطان سے شروع ہوکر سیف بن ذی یزن پر بالکلیہ تمام ہوجاتا ہے۔ اسی سلسلہ خاندان میں عرب کے اوس زرخیز اور سرسبز و شاداب حصہ ملک کی حکمرانی ہزاروں برس تک قائم رہی۔ جو اپنے زمانہ میں۔ اپنے تمدن۔ معاشرت۔ اور تجارت کیلئے تمام اطراف عالم میں خاص طور پر مشہور تھا۔ واقعات مندرجہ بالا یہ بھی بتلا رہے ہیں کہ حمیریوں کی حکمرانی حدود یمن اور اطراف عرب ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اونکی کشورستانی کے ہاتھ دوسرے ممالک دور دراز تک پہونچ گئے تھے۔ اسی طرح اونکے تمدن کے اصول۔ تجارت کے تجارب۔ تہذیب معاشرت کے محاسن۔ صنعت و حرفت کے کمال۔ تدبیر ملکی کے شہرے دور دور ملکوں میں مشہور ہو رہے تھے۔ اور اون سے غیر ممالک کے مختلف اقوام مستفید ہو رہی تھیں۔ انکا اقتدار اون کی نمود اور ہی انہیں کیلئے خاص نفع بخش نہیں تھی اور نہ ایسی عارضی اور غیر مستقل تھی۔ جو اونکی جسمانی ہستیوں کے ساتھ ہی فنا ہوجاتی۔ وہ اپنے لاتعداد زمانہ کے بعد بھی آجتک یادگار ہے۔ اور زمانہ موجودہ کے منتہی الکمال اور ترقی یافتہ قوموں کو اپنی قدامت۔ عظمت کے کمال دکھلا دکھلا کر حیرت اور تعجب میں ڈالتی ہے۔ جرمنی کا مشہور مستشرق مشہور پروفیسر نولڈکی (Nöldeke) سلاطین سبا و حمیر کے اعلیٰ تمدن کے ذکر میں لکھتا ہے۔

ولادت مسیحؑ سے ہزار سال قبل - جنوبی اور غربی عرب - یعنی صوبہ یمن - جو سبا و حمیر کا ملک تھا اور جو اپنی بارش کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزوں تھا - تمدن کے اوس رتبہ تک پہونچا ہوا تھا کہ اوس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آجتک ہماری مدح وستائش کے جذبات میں تحریک ہوتی ہے اور اہل روم و یونان نے اس کو دولت مند عرب کا لقب جو دیا تھا وہ ہرگز بیجا نہ تھا تورۃ مقدس میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت وشوکت کی شہادت دیتی ہیں - چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے (سلاطین - ایت ۱۰ - ۱۰۰) قوم ثمود جن کی عمارات سے ڈاؤٹی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہمکو روشناس کر دیا ہے - نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے ، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً اونھیں سے حاصل کی ہے - کتابت کا فن جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال کیجانب سے لیا تھا - اب اوسکو خود اونہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا - یہاں تک کہ ایکطرف دمشق - دوسری جانب ابی سینا تک اسکو پھیلا دیا - (Nöldeke's Hist of the world P. 5)

اسی سلسلہ ملوک سبا میں شمر یرعش بڑا فاتح تھا - ۸۰۰ق م میں اس نے چار لاکھ فوج جمع کر کے عراق و خراسان پر قبضہ کر لیا - صغد جو بعد کو سمرقند کہلایا - اسی فاتح بادشاہ کے عہد میں مفتوح ہوا - افریقس ابن ابرہہ اسی سلسلہ کی حبشی فرع میں گذرا ہے جس نے ۱۰۹۰ق م میں بہت سی عربی قوموں کو لیجا کر ملک افریقہ میں بہت سی بستیاں بسائیں اور اوس اطراف میں یہاں تک اوسکا اقتدار بڑہا اور اثر قایم ہوا کہ وہ ملک اوس کے نام سے (افریقہ) مشہور ہوا - محققین یورپ کے اُن اعترافات کے علاوہ - جو اونہوں نے یمن کے قدیم تمدن کے تسلیم کرنے کی نسبت لکھے ہیں اور جن کے ثبوت اون کو یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات سے حاصل ہوئے ہیں - اسلامی مورخین اور عربی محققین کے تصنیفات و تالیفات بھی انکے ذکر سے خالی نہیں ہیں - یاقوت حموی نے معجم میں یمن کے مشہور و معروف شہر صنعاء و قلیس کے خاص آثارات عجیبہ کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اگرچہ اون کی تفصیل ترکیب مبالغہ سے خالی نہیں ہے - تاہم اسکے اجزا میں اصلیت کے عناصر موجود ہیں - علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے - صفۃ الجزیرۃ العرب میں یہ عبارت لکھی ہے -

المشهور من محافد الیمن وقصورها القدیمة التی ذکرتها العرب فی الشعر والمثل ..... کثیرۃ التی فیها من الشعر اب واسعر وقد جمع ذلک کل فی الکتاب الثامن من الاکلیل -

یمن کے مشہور اور قدیم قصر و ایوان جنکا ذکر اہل عرب کے اشعار و امثال میں کثرت سے ہے - اور انکے متعلق اشعار عرب کا ایک دفتر تیار و مرتب ہے کتاب اکلیل کے آٹھویں باب میں ہمنے ان سب کو جمع کر دیا ہے -

اس عبارت کے بعد مولف نے لکھا ہے کہ اس موقع پر صرف اونکے نام گنا دیتا ہوں اور وہ یہ ہیں غمدان[1]۔ تلعم[2]۔ ناعط[3] صرواح[4]۔ سلحین[5]۔ ظفار[6]۔ ھکر[7]۔ ضہر[8]۔ شبام[9]۔ غیمان[10]۔ بلبنون[11]۔ ریام[12]۔ براقش[13]۔ معین[14]۔ روثان[15]۔ ارباب[16]۔ ھنم[17]۔ عقبیلہ[18]۔ عمران[19]۔ اور نجیر[20]۔

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں بالتفصیل مذکور ہے اور اونکی رفعت و عظمت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جنپر ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس میں تعمیر ہوا ہے۔ شبام کے حال میں لکھا ہے لهم فيه حصون عجيبة هائلة۔ اسمیں ان کے متعدد حیرت انگیز قلعے ہیں۔ قلعہ ناعط عرب میں ابن نبیہ کے زمانہ تک موجود تھا۔ اوسکے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے۔ آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات پر پہونچکر جو تحقیقات کی ہے اس سے بھی اونکے حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحب اپنی تحقیق سے لکھتے ہیں۔

> جنوبی عربستان میں (یمن) جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں اور اونکا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے ..... یمن اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اکثروں پر کتبات ابھی تک موجود ہیں صنعا کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائبات ہفتگانہ میں ایک قرار دیا ہے۔ دیگر قلعوں اور عمارتوں کے لئے دیکھو Journel German oriental Society volo P.2

مآرب۔ جو قدیم سبائی دار الحکومت تھا۔ اسکے آثار قدیمہ کو آرنو۔ ہالوے اور گلاذر ہی نے دیکھا ہے۔ مآرب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار پائے ہیں۔ انکو دیکھکر تمدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں۔ انکی اہمیت اسوقت ظاہر ہوئی جب گلاذر ہی نے دو طویل المذکر کتبے شائع کئے۔ جنمیں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر ہونیکا ذکر کیا ہے۔ یمن میں بمقام حران ایک اور خندق ہے۔ جسکا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ اونچا ہے۔
سیرۃ النبی شبلی نعمانی

بند عرم یا سد مآرب اسکے اثری حالات ارض القرآن کی عبارت سے بالتفصیل اوپر نقل کردئے گئے ہیں۔
اسکے متعلق تاریخی حالات مناسبت مقام اور رفع ابہام کی غرض سے حسب ذیل لکھے جاتے ہیں۔

اس بند کو عبد الشمس الملقب بہ سبا نے بنانا شروع کیا۔ اسکے بعد اوسکی اولاد میں حمیر نے اسکی عمارت کو خاتمہ تک پہونچایا۔ وقتاً فوقتاً سلسلہ حمیری کے اور بادشاہ بھی بقدر ضرورت اپنے اپنے وقت میں اسمیں اضافہ کرتے گئے حقیقت یہ ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان جسکا نام ابو الفدا نے مآرب اور ابلق بتلایا ہے۔ اس غرض سے ایک مرتفع دیوار

کی شکل میں بنایا گیا تھا جس سے چشموں اور تمام بارش کا پانی سمٹ کر ایک خاص مقام پر رُکا رہتا ہے۔ اس بند کے ضروری مقام و موضع پر چھوٹے چھوٹے روزن بنے ہوئے تھے۔ اور انہیں روزنوں سے اہل شہر اپنی روزانہ ضروریات اور سیرابی زراعت کے لیے پانی لیا کرتے تھے۔ اس بند کے بنانے میں اوس وقت کے لوگوں نے اپنی طباعی و ذہانت کے کمال دکھلائے تھے۔ یہ بند شہر مآرب کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اتنا اونچا بنا ہوا تھا کہ اسکی رفعت اور شوکت اوسکے ایک علیحدہ پہاڑ ہونیکا یقین دلاتی تھی۔ عمارت اسکی ایسی استوار اور محکم تھی کہ اوسکے ٹوٹنے کا کبھی گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ اسکی دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اکثر شہر کے لوگوں نے اسپر اپنے مکان بنا رکھے تھے۔ اسکے عمق میں ہمیشہ چالیس گز اونچا پانی رہا کرتا تھا۔ عرب میں پانی تمام دنیا کی نعمت اور دولت سے زیادہ عزیز سمجھا جاتا ہے۔ آج تک بھی اسکی قدر و قیمت کی وہی کیفیت ہے۔ اسی پانی کی قدر و عزت اور اسی کی بدولت اونکی خوشحالی۔ دولتمندی پر اونکے غرور و نخوت نے اونکے سلاطین کو خدا کی راہ سے پھیر دیا۔ اور آخر کار زوال و ادبار کی خندق میں گرا دیا فاعرضوا فارسلنا علیہم سیل العرم۔ اونہوں نے میرے احکام سے اعراض کیا تو ہم نے اونھیں کا بند توڑ کر اونپر سیلاب جاری کر دیا۔ قرآن مجید کے الفاظ الہامی اونکی تباہی و بربادی کی تصدیق کر رہے ہیں۔

سلاطین حمیر پانی کی ایسی کثرت سے نعمت غیر مترقبہ کو اپنے قبضہ اختیار میں پاکر خداوند عالم کی احسانمندی اور سپاس گذاری کو تو بھول گئے جس نے اونکو پانی کے ایسے بیش قیمت دولت دی۔ اور پھر ایسے مستحکم بند بنانے اور اس دولت بیش بہا کو ہمیشہ جمع رکھنے اور اوسکے ذریعہ سے اپنی زراعت کو بنانے اور اپنے تمام علاقہ کو سرسبز شاداب بنانیکی عقل و حکمت عطا فرمائی۔ اونہوں نے پانی کے اس کثیر ذخیرہ کو ابدی اور لازوال دولت یقین کر لیا۔ اور اسکی وجہ سے اپنے ذاتی عظمت و اقتدار پر اعتبار کرکے ایسا کبر و افتخار کرنے لگے کہ گویا اونکو اپنے غرور و نخوت سے زمین پر پاؤں رکھنا دشوار ہو گیا۔ مدبر قدرت نے ان مغرورین دنیا کو متواضع بنانے اور سرکشان زمانہ کے سر جھکوانے کی غرض سے یہ تدبیر نکالی کہ انکا جمع کردہ ذخیرہ آب ہی جو اصل مآ فساد تھا۔ ایسا سیلاب پیدا کر دیا کہ ان کی قوم کی قوم۔ قبیلہ کا قبیلہ۔ رات کو سوتا کا سوتا ہی رہ گیا۔ اور وہ بند ٹوٹ کر تمام شہر اور قرب و جوار کے علاقے بہا لیگیا۔

مولوی شبلی کی کوتاہ قلمی پر ایک نظر

سلاطین حمیر کے مشہور سلسلہ شاہی اور اون کے اعلیٰ نظام و تمدن عظمت و اقتدار اور اخبار و آثار کی تفصیل میں ہم نے مستند و صحیح حالات و اقوال مغربی اور مشرقی محققین و مورخین کے مختلف تصنیفات و تالیفات سے قلمبند کر دیئے۔ مگر افسوس ہے کہ شبلی صاحب عرب البائدہ کے ایسا عرب العاربہ کے حالات کو بھی مرفوع القلم فرما دیا۔ حالانکہ اونھیں کے حوالوں سے جو اوپر نقل کیے گئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور قابل الذکر تھے۔ اور انکا تمدن۔ اونکا مذہب۔ اونکی صنعت و حرفت اور اونکی

عظمت و شوکت سب کچھ قابل بیان تھی جستہ جستہ اونکا ذکر بھی کیا گیا ہے مگر ایسے اختصار کے ساتھ کہ آپکا بیان صرف اونگلیوں کا اشارہ ہوکر رہ گیا ہے۔ مولوی صاحب نے ان کے تفصیل و بیان حالات کو اپنے مدعائے تالیفی کی ضرورت سے زاید سمجھ کر آگے سے ہٹا دیا ہے۔ مگر کسی ملک و قوم کی تاریخ کا سلسلہ اوسوقت تک مکمل اور مسلسل نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ اوسکے تمام قدیم اخبار و آثار سے اسکے موجودہ حالات و واقعات کا زنجیرہ نہ ملا دیا جائے

مولوی شبلی صاحب نے عرب البایدہ اور عرب العاربہ کے حالات و واقعات کو قلم زد فرماکر اپنی کتاب کے ناظرین سے عظیم الشان اور مقدس انبیاء و سلاطین عرب کے حالات کو بالکل مخفی اور پوشیدہ رکھا ہے۔ عرب البایدہ کے سلسلہ میں۔ قوم عاد کے حالات اونکے عروج و ادبار کے تاریخی واقعات۔ حضرت ہود کی بعثت۔ اونکی تبلیغ رسالت۔ قوم ثمود (عاد ثانیہ) کے واقعات اونکا تمدن اور اعلیٰ صنعت و حرفت۔ سنگتراشی کے کمال۔ جناب صالح کی رسالت۔ وغیر امثالہم اور عرب کے اس قدیم دعوے پر کہ اوسکی مقدس سرزمین پر چار پیغمبران الہی مبعوث فرمائے گئے۔ ایک تاریک پردہ ڈالدیا ہے۔ اسی طرح ملکہ بلقیس اور اوسکی شاہی سطوت کے کارناموں کو خارج از بیان قرار دیکر۔ خاک پاک عرب کی اوس تقدیس و عظمت کو جو اوسے فلسطین و بیت المقدس کے ساتھ مراتب جلال و اقتدار میں بحصہ مساوی حاصل تھی۔ چھپا دیا اور گھٹا دیا۔

کمال عبرت اور انتہائے حسرت تو یہ ہے کہ شمس العلماء نعمانی ایک اسلامی فاضل اور محقق ہوکر عرب کے ان اخبار تقدیس اور آثار عظمت و تکریم کو دیدہ و دانستہ قلمزد فرمائیں اور اگر کچھ قلمی زحمت اور رقمی مصیبت اوٹھا کر لکھیں بھی تو ایسا مختصر کہ بہرے بود بسرے داشت گم شد۔ بازیافت کا لطف آئے۔

آپکے خلاف غیر اسلامی مولفین و مورخین جنکو عرب اور اہل عرب کے حالات و واقعات کے ساتھ اتنی ہمدردی اور دلچسپی اختیار کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی دولت۔ اپنا دماغ اور اپنا وقت صرف کر کے اون کے تمام حالات و واقعات اور اخبار و آثار ہزاروں ایکڑ زمینیں کھود کھود کر باہر نکالیں اور اونکے صحیح نشانات۔ علامات اور مقامات بتائیں۔ اور طرہ یہ ہے کہ آپ بھی اونھیں کی تحقیقات سے فایدہ اوٹھائیں اور جابجا اپنی کتاب میں اونھیں سے حاشیہ و متن چڑھائیں۔ مگر جب اپنے لئے اونکے لکھنے اور بیان کرنے کا وقت اور مقام آئے تو آپ اپنا قلم روک لیں اور کچھ نہ لکھیں۔

مولف کیلئے اپنے مدعائے تالیفی پر زود رسی کی کوشش بہت سی ضروری فروگذاشتوں کا باعث ہوتی ہے مولوی شبلی صاحب بھی اسکے الزام سے نہیں بچے۔ بلکہ ایک شرمناک مغالطہ میں پڑ گئے۔ عرب کی قدیم حکومتوں کے باب میں آپ لکھتے ہیں کہ سبائی دور جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسیٰ سے سات سو برس قبل ہے۔ اسی سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا۔

جب ہم آپ کے اس بیان کو دوسرے محققین و مورخین کے بیانات سے ملاتے ہیں تو امتداد ایام کے حساب میں زمین آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولف نے صرف مولر (Muller) کی روایت احاد پر اعتبار کر لیا۔ حالانکہ مقدمہ کتاب میں تنقید و تحقیق روایات کی نسبت آسمان زمین کے قلابے ایک کر دئے گئے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رشحات تحقیق و تفتیش و تصدیق وحی آسمانی کا پہلو دابے ہیں۔ مگر با ایں ہمہ جب آپ کے ان ظاہری طمطراق کے بعد سیاق تالیف پر نظر کیجاتی ہے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیان کو عمل سے اور عمل کو بیان سے کوئی سروکار نہیں۔ اسی تعیین زمانہ سبا کے متعلق مولر کے تنہا تخار تو اعتبار کر لیا گیا۔ مگر گلاذری کے قول پر جسے مولر کے روایات سے قبل خود لکھ چکے ہیں، کوئی اعتنا نفرمائی۔ اور اوسکے قول کو اوسکا خاص خیال ٹھہرایا۔ باوجودیکہ وہ سبائی حکومت کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے پندرہ سو برس[۱۵] قبل بتلا چکا تھا۔ مگر آپکو تو جلد سے جلد عرب المستعربہ (بنو اسماعیل ع) کے حالات پر پہونچکر اپنے مدعاے تالیف کو آغاز کرنا منظور تھا اور بنو اسماعیل ہی کے حالات و واقعات کو۔ آپ عرب قدیم اور عرب اوسط تمام قوم و قبائل کے احوال کو قلمزد فرماکر عرب کی اصلی تاریخ سمجھے ہیں۔ اس بنا پر آپ نے گلاذری کے بتلائے ہوئے زمانہ پر بھی اعتبار نہ کیا۔ چونکہ وہ آپ کے مدعا کے مطابق نہ تھا۔ اسلئے صرف ایک ہی شخص کے قول پر اعتماد کر لیا۔ اور اپنی کتاب میں لکھدیا۔ کیا اسی نگاہ سرسری کا نام تحقیق ہے۔ اور یہی زود نویسی تنقید کامل کہی جائے گی؟

ہم مولوی شبلی صاحب کی اس غلط فہمی کی اصلاح و تصحیح اونکے شفیق محسن ڈاکٹر سر سید احمد صاحب کی اوس تحریر سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ جو زمانہ ملوک سبا کے متعلق خطبات احمدیہ میں درج ہے۔

اب چونکہ حمیر (ابن سبا جیسا کہ آگے بیان ہوتا ہے) یقطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترح بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھا۔ اسلئے ہم اس نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی ولادت ترح کی پیدائش سے بہت دور ہوگی یعنی ۲۱۲۶ قم (خطبہ احمدیہ۔ لاہور ص ۷) شبلی صاحب مولر کے قول کی بنا پر سات سو برس[۷۰۰] کا کل زمانہ حضرت عیسیٰ ع کے قبل بتلاتے ہیں۔ اور سر سید کی تحقیق میں جس کو اونہوں نے کتب مقدسہ توریت۔ یونانی اور رومی تالیفات قدیمہ سے مستنبط و تحقیق کیا ہے۔ دو ہزار برس سے بھی اوپر کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اسیطرح اسکے آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اسکے دور (حکومت سبائی) کے بعد حمیر کا زمانہ ہے حمیر نے مارب پر قبضہ کر کے اسکو اپنا پایۂ تخت بنالیا۔ پھر اسکے نیچے یوں رقمطراز ہیں۔ قریباً ۱۱۵۰ ق م کے حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ایک نشد دو شد آپ کی تحقیق میں سبا اور حمیر دو جداگانہ حکومتیں تھیں۔ اگر صرف ابو الفدا کی عربی یا اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کو (باوجودیکہ اپنے مقدمہ کتاب میں تاریخ ابو الفدا عربی اور اوسکے حالیہ لاطینی ترجمہ کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے) ملاحظہ کر لیا گیا ہوتا تو یہ مسئلہ اوسی وقت صاف ہو گیا ہوتا۔ اور پھر اس امر کے مان لینے میں کہ سبا کا بیٹا حمیر تھا۔ آپ کو کوئی کلام نہ رہتا۔

ابو الفدا کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

ثم ملک بعدہ ابنہ عبد شمس بن یشجب وسمی سبا وهو الذی بنا السد بارض مارب بنی مدینۃ مارب وعرفت مدینہ سبا وخلف سبا المذکور عدۃ اولاد منھم حمیر وعمر وکھلان واشعر وغیرھم ولما مات سبا ملک الیمن بعدہ ابنہ حمیر ابن سبا بن یشجب

یشجب ابن قحطان کے مرنیکے بعد اوسکا بیٹا عبد شمس جس کا لقب سبا تھا۔ بادشاہ ہوا۔ اور یہ وہی بادشاہ ہے جس نے ارض مارب میں سد تعمیر کرائی اور شہر مارب بسایا۔ اور شہر مارب بھی اسی کے نام سے شہر سبا مشہور ہوا۔ سبا مذکور کی متعدد اولادیں ہوئیں۔ جنمیں حمیر۔ عمر کہلان اور اشعر وغیرہ شامل ہیں جب سبا مرگیا تو اوسکا بیٹا حمیر ابن سبا بادشاہ یمن قرار پایا۔

اب اس عبارت کو پڑھکر کوئی شخص سبائی اور حمیری سلطنتوں کو کیسے دو جداگانہ حکومتیں قایم کریگا۔ اور آپکے اس فقرے سے کہ حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کیا معنی لگائے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے سبا باپ تھا اور حمیر بیٹا۔ یا بقول علمائے اثریات۔ سبا مورث خاندان تھا اور حمیر اوسکی اولاد و اعقاب۔ باپ یا مورث مرگیا۔ اولاد یا اوسکے ورثا نے اوسی وقت یا اوسکے بعد حکومت آبائی پائی۔ تو ایسی حالت میں واقعہ کی اصلیت کو یوں تبدیل کرکے بتلانا کہ حکومت سبا پر حمیر نے قبضہ کر لیا۔ تاریخ کے صحیح اور اصلی واقعہ پر صریح غلطی اور سوء فہمی کا حاشیہ چڑہانا ہے۔

اگر ان حوالوں سے اس سلسلہ شاہی میں آپکا مابعد کے واقعات سے مدعا ہے تو وہ بھی آپکے قرارداد زمانہ اور مدت کے اعتبار سے بھی کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں کہ قریباً ۱۱۵ سنہ قبل مسیح میں حمیر نے سبا کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے شاید غلطی سے ابرہہ کی حکومت پر سیف بن ذی یزن کا قبضہ کر لینا جو واقعہ اصحاب الفیل سے بھی پیچھے واقع ہوا ہے تو مراد نہیں لیا ہے۔ مگر وہ تو ۵۵۴ء میں واقعہ ہوا ہے اور آپ ۱۱۵ سنہ قم بتلاتے ہیں۔ غالباً آپ کا مطلب اوس انتقال حکومت اور تبدیل سلطنت سے ہوگا۔ جو قبیلہ ازد کے لوگوں نے عارضی طور پر چند دنوں کیلئے حمیریوں سے لیلی تھی جیسا کہ ابو الفدا نے لکھا ہے۔

ثم ملک بعدھا (بلقیس) عمھا ناشر النعم بن شرحبیل ثم ملک بعدہ شمر یرعش بن ناشر النعم ثم ملک بعدہ ابنہ ابو مالک بن شمر ثم ملک بعدہ عمران ابن عامر الازدی ثم ملک اخوہ مزیقیا ثم ملک الاقرن ابن ابی مالک (ابو الفدا)

ملکہ بلقیس کے بعد اُسکے چچا زاد بھائی ناشر النعم ابن شرحبیل بادشاہ ہوا اوسکے بعد شمر یرعش ناشر النعم کا بیٹا حاکم ہوا۔ اُسکے بعد اُسکا بیٹا ابو مالک ابن شمر تخت پر بیٹھا اس بادشاہ کی سلطنت میں عمران ابن عامر ازدی نے جو خاندان ازد سے تھا یمن پر حملہ کیا اور حمیر سے حکومت لیلی حمیر سے سلطنت بنی کہلان میں چلی آئی عمران کے بعد اوسکا بیٹا مزیقیا تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانہ میں اقرن ابن ابو مالک نے اپنے باپ کی

سلطنت کا دعویٰ کیا۔ مزلقیا سے لڑکر اوسکو شکست دی اور سلطنت چھین لی اور اسطرح حکومت پھر سلسلہ حمیریہ میں چلی آئی (خطبات مع ترجمہ ابو الفدا۔ مطبوعہ لاہور ص ۸۰)۔

اگر ان واقعات سے آپکا انقلاب سلطنت مجوّزہ مراد ہے تو بھی ان واقعات و انقلابات کا زمانہ سنہ ۹۰۰ ق م سے کسی حال میں کم ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ توراۃ کے رو سے ملکہ بلقیس کا زمانہ سنہ ۱۰۰۵ ق م ثابت ہو چکا ہے۔ اگر یہ بھی نہیں۔ اگر اسکے قبل الحارث الرائش قیس ابن صیفی ابن سبا الاصغر کے واقعات سے جس نے اپنے زمانہ حکومت میں یمن و حضرموت دونوں سلطنتوں کو ملا لیا ہے۔ آپ اس نتیجہ پر پہونچے ہیں۔ تاہم آپ کا خیال صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ شخص چھ پشت قبل ملکہ بلقیس سے تھا۔ چنانچہ ابو الفدا میں مرقوم ہے۔

ثم ملك بعده ابنه ذو القرنين الصعب بن الرائش ثم ملك بعده ابنه ذو المنار ابرهه ابن ذي القرنين ثم ملك بعده ابنه افريقش ابن ابرهه ثم ملك بعده ذو الاذعار عمر ابن ذو المنار ثم ملك بعده شرحبيل بن عمر بن غالب بن المنتاب بن زيد بن يعفر السكسك بن وائل بن حمير

حارث الرائش جو سبا اصغر کے سلسلہ سے تھا اور جو تبع اول کے نام سے ملقب ہے۔ اسکے بعد اسکا بیٹا صعب الملقب بہ ذوالقرنین بادشاہ ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا جس کا نام ابرہہ اور لقب ذوالمنار ابن ذوالقرنین تھا تخت نشین ہوا اس کے بعد اوسکا بیٹا جسکا نام افریقش تھا۔ حکمران ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ذوالاذعار جسکا نام عمر ابن ذوالمنار تھا بادشاہ ہوا۔ عمر ذوالعار کی سلطنت کے زمانہ میں شرحبیل ابن عمر ابن غالب ابن منتان ابن زید ابن یعفر بن سکسک ابن وائل ابن حمیر نے اوس پر حملہ کیا اور بے شمار خونریزیوں کے بعد عمر ذوالاذعار کو شکست دی اور اوس کی سلطنت پر قابض ہو گیا۔ شرحبیل کے بعد اوسکا بیٹا الہدہاد تخت نشین ہوا اور اوس کے بعد اوس کی لڑکی بلقیس حکمراں ہوئی۔ (ابو الفدا مع عبارت مندرجہ خطبات سرسید ۱۲)

اگر آپ نے الحارث والے واقعہ اجتماع الریاستین سے سبائی حکومت اور حمیری قبضہ مراد لیا ہے تو باعتبار استدادِ ایام کے یہ واقعہ حضرت بلقیس سے چھ پشت قبل کا ثابت ہوتا ہے جسکا زمانہ وقوع سنہ ۱۲۰۰ ق م سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر آپکا سنہ ۱۱۵ ق م بتلانا کس زائچہ سے مستخرج سمجھا جائیگا۔ اور کونسا واقعہ تاریخی کارنامہ عرب اور شاہنامہ حمیر میں مراد لیا جائیگا۔

اسکو بھی جانے دیجئے۔ اگر آپ اس سے ذوالاذعار اور شرحبیل والا واقعہ سمجھے ہیں۔ تو ہمارے مندرجہ شجرہ حمیریہ سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ حقیقتاً یہ دونوں شاخیں ایک ہی اصل سے پیوستہ ہیں۔ شرحبیل کا سلسلہ بھی حمیر تک تمام ہوتا ہے اور ذوالاذعار کا سلسلہ نسب بھی حمیر ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلئے ان دونوں خاندانوں کو دو جداگانہ اور علیحدہ خاندان سمجھنا حقیقت سے غفلت ہے۔ اسلئے آپکا یہ کہنا کہ حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اصلیت کے اعتبار سے

قابل اعتماد ہے اور نہ امتداد زمانہ کے حساب سے لائق اعتبار کیونکہ شرحبیل ملکہ بلقیس کا دادا تھا اسلئے یہ واقعہ بھی سنہ ۱۱۵ قم میں واقعہ ہوا نہ سنہ ۱۱۵ ق م میں۔

سب سے آخر میں۔ اگر مولوی شبلی صاحب سبائی حکومت پر حمیریوں کا قبضہ ہونے سے ذونواس صاحب الاخدود کی شکست اور ذی جدن حمیری کی فتح مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔ تو یہ بھی نہ واقعات کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ امتداد ایام کے شمار سے کیونکہ عموماً تحقیق سے یہ واقعہ سنہ ۵۲۳ء میں واقعہ ہوا تھا نہ سنہ ۱۱۵ قم میں تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلسلہ حمیری کا آخر غلبہ سیف بن ذی یزن کے وقت ہوا تھا۔ مگر وہ قبائل حبشہ تک محدود تھا اور وہ ظہور اسلام سے قریب تھا۔ اسلئے اسپر بھی سنہ ۱۱۵ قم میں وقوع پذیر ہونیکا گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر آپکا تحریر فرمانا کہ سبائی حکومت پر حمیر کا قبضہ ہو گیا اور پھر اسکے وقوع کو سنہ ۱۱۵ ق م میں بتلانا کسی طریقہ اور قرینہ سے تسلیم کرنیکے قابل نہیں ہے۔ اگر آپ اس عبارت تفریقی کے بجائے مناسبت تخفیصی کے پیرایہ میں اسطرح تحریر فرماتے کہ پھر سبا کی دوسری شاخ جو حمیر کے نام سے مشہور ہے۔ سبا کی جگہ حکومت یمن پر قابض ہوئی تو صحیح بھی تھا اور فی الواقع تھی۔ مگر تاہم سنہ ۱۱۵ ق م کا تعین مدت غلط کا غلط ہی رہتا۔ اوسکی صحت و درستی کیلئے تاریخوں سے وہی زمانہ قائم کرنا ہوتا جو اوسکے وقوع پذیر ہونے کے لئے صحیح طور پر قلمبند کیا گیا ہے۔

حمیر کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں اونکی حکومت

مولوی شبلی صاحب کی تصحیح و ترمیم کے بعد ہم پھر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ عبد الشمس ملقب بہ سبا الاکبر کے دس بیٹے تھے اونکے نام یہ ہیں۔ مذحج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر۔ کہلان۔ لخم۔ جذام۔ عاملہ۔ اور غسان۔ ان میں سے۔ مذحج۔ کندہ۔ ازد۔ اشعر۔ حمیر اور کہلان۔ اوکے چھ بیٹوں نے تو علاقہ یمن میں سکونت اختیار کی۔ اور بقیہ چار بیٹے لخم۔ جذام۔ عاملہ اور غسان ملک شام میں نکل گئے۔ اور وہیں آباد ہوئے۔ غسانی سلسلہ شاہی اوسکے آخری بیٹے غسان ابن حمیر سے منسوب ہے۔ جسکا ذکر آیندہ اپنے مقام پر آئیگا۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ بند عرم کے ٹوٹ جانیکے بعد یمن سے آٹھ بڑے قبیلے تباہ ہوکر نکل گئے جنمیں سے ایک قبیلہ نے دریائے فرات کے کنارہ مقام حیرہ میں سکونت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ غسان بھی انہیں ایام میں شام جاکر آباد ہوا۔ اسی طرح تین قبیلے اور۔ جنکے سردار قبائل کے نام بکر۔ مضر اور ربیعہ تھے۔ ایسے ہی پریشان ہوکر عراق کیطرف نکل گئے اور وہیں آباد ہو گئے اور انکے نام سے تین علاقے۔ دیار بکر۔ دیار مضر۔ اور دیار ربیعہ آجتک یادگار ہیں۔ (ابو الفدا۔ طبری اور ابن ہشام)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ بند عرم کے ٹوٹ جانے سے خاندان سبا یا حمیر کو متفرق مقامات اور دور دراز علاقجات

میں جا جا کر آباد ہونے کی مجبوری پیش آئی۔ چنانچہ ایک مقام حیرہ میں دوسرا علاقہ شام میں سکونت پذیر ہوا۔ رفتہ رفتہ ان دونوں سیارالاصل اور حمیری النسل نے اپنے اپنے اطراف سکونت میں اتنی ترقی کی اور ایسی قوت پکڑی کہ ان دونوں علاقوں پر اپنا پورا تسلط حاصل کر لیا۔ اور وہاں کی عنان حکومت اپنے قبضہ اختیار میں کر لی۔ اور مدت مدید تک علاقہ جات حیرہ اور شام میں بڑی نام و نمود سے سلطنت کرتے رہے۔

حمیری ملوک حیرہ

مورخ ابوالفدا کے حوالہ عبارت سے ہم ملوک حیرہ کا سلسلہ اور اون کے حالات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اول من ملك على العرب بأرض الحيرة مالك ابن فهم ثم ملك بعده أخوه عمرو ابن فهم ثم ملك بعده ابن أخيه جذيمة ابن مالك بن فهم وكانت له أخت تسمى رقاش ولما قتل جذيمة ملك بعده ابن أخته عمرو بن عدي ابن نصر ابن ربيعة ثم مات وملك بعده ابنه امرؤ القيس وكان يقال له امرؤ القيس البدء أي الأول. ثم ملك بعد امرئ القيس ابنه عمرو ابن امرئ القيس ثم ملك بعده أوس ابن قلام العمليقي ثم ملك آخرون من العماليق ثم رجع الملك إلى عمرو ابن عدي ابن نصر ابن ربيعة اللخميين المذكورين وملك منهم امرؤ القيس من ولد عمرو ابن امرئ القيس المذكور ويعرف هذا امرؤ القيس الثاني بالمحرق لأنه أول من عاقب بالنار ثم ملك بعده ابنه النعمان الأعور ابن امرئ القيس ثم تزهد وخرج من الملك وملك بعده ابنه المنذر ابن النعمان ثم ملك بعده ابنه الأسود ابن المنذر (ابوالفدا)
ثم ملك بعده أخوه المنذر بن المنذر ابن

علاقہ حیرہ میں جس شخص نے سب سے پہلے حکمرانی کی وہ مالک ابن فہم تھا اوسکے بعد اوسکا بھائی عمرو ابن فہم اسکے بعد اوسکا بھتیجا خذیمہ ابن مالک ابن فہم حکمراں ہوا۔ اوسکی ایک بہن تھی رقاش نام۔ خذیمہ کے قتل ہو جانے کے بعد۔ اوسکا بھانجا عمرو ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ حکمراں ہوا جب وہ مر گیا تو اوسکا بیٹا امرء القیس تخت نشین ہوا۔ اسکو امرء القیس البدء یعنی امرء القیس اول ہی کہتے ہیں۔ امرء القیس اول کے بعد اوسکا بیٹا عمرو ابن امرء القیس بادشاہ ہوا عمرو ابن امرء القیس کے بعد اوس ابن قلام العملیقی بادشاہ ہوا۔ پھر آخر ملوک عمالیق تک ہوتے گئے۔ اسکے بعد سلطنت عمرو ابن عدی ابن نصر ابن ربیعہ لخمیین مذکورین کی طرف عود کر آئی۔ اور اونھیں سے امرء القیس نے جو عمرو ابن امرء القیس کی اولاد میں تھا حکومت کی۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ یہ امرء القیس ثانی مشہور ہے۔ اور محرق اسکا لقب ہے۔ اور عقوبت بالنار کی ایجاد عرب میں اسی کے وقت سے ہے۔ اسکے بعد اسکا بیٹا النعمان اعور ابن امرء القیس تھا۔ تخت نشین ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ تارک الدنیا ہو گیا اور ترک شاہی کر کے ملک سے چلا گیا اسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر ابن نعمان بادشاہ ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا الاسود ابن منذر حکمراں ہوا اسکے بعد اسکا بھائی منذر ابن منذر ابن نعمان الاعور بادشاہ ہوا۔ اسکے بعد علقمۃ الذمیلی جو دونوں جانب سے بنی لخم تھا۔ بادشاہ

النعمان الاعور ثم ملك بعده علقمة الذميلي
(ذو ميل بطن من لخم) ثم ملك بعده امرء
القيس بن النعمان بن امرء القيس اللخمي
ثم ملك بعده ابنه المنذر بن امرء القيس
ملقب بماء السماء وطرد كسرى القباذ المنذر
المذكور عن ملك الحيرة وملك موضعه
الحرث ابن عمرو بن حجر الكندي ثم لما ملك
كسرى نوشروان من قباذ المذكور في الملك
وطرد الحارث واعاد المنذر بن ماء السماء
الى ملك الحيرة　　(ابو الفدا)

ثم ملك بعد المنذر عمرو مضرط الحجارة ثم ملك
بعده ابنه ثم ملك بعده اخوه قابوس ثم
ملك بعده اخوهما المنذر ثم ملك بعده ابنه
النعمان بن منذر بن المنذر بن ماء السماء و
كنيته ابو قابوس وهو الذي تنصر ثم انتقل
الى اياس بن قبيصة الطائي ثم ملك بعده
زادويه بن ماهان الهمداني ثم عاد الملك الى
اللخميين فملك بعد زادويه المنذر بن النعمان
بن المنذر بن ماء السماء وسميه العرب
المغرور واستمر ملكاً الى الحيرة الى ان قدم
لها خالد ابن الوليد واستولى على الحيرة

ہوا۔ اس کے بعد امرء القیس ابن النعمان ابن امرء القیس
اللخمی بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا المنذر ابن امرء القیس
جسکا لقب ماء السماء تھا بادشاہ ہوا لیکن قباد کسریٰ نے
منذر کو تخت سلطنت سے اوتارکر اسکا رشتہ (؟) حارث ابن عمرو ابن حجر الکندی
کو اوسکی جگہ پر حکمران مقرر کیا۔ لیکن قباد کے بعد کسریٰ
نوشیرواں نے حارث کو تخت حکومت پر سے ہٹا دیا اور
اوسکی جگہ پر پھر المنذر ابن ماء السماء کو بحال کر دیا۔
المنذر کے بعد اوسکا بیٹا عمرو الملقب بمضرط الحجارة
تخت نشین ہوگیا۔

اوس کے بعد اوس کا بھائی قابوس بادشاہ ہوا۔ قابوس
کے بعد اوس کا بھائی منذر ابن منذر حکمران ہوا۔ اوس کے
بعد اوس کا بیٹا نعمان ابن منذر ابن منذر ماء السماء تخت
نشین ہوا۔ اسکی کنیت ابو قابوس تھی۔ اور اس نے مذہب
نصاریٰ اختیار کیا۔ اسکے بعد سلطنت ایاس ابن قبیصہ الطائی
کی طرف منتقل ہوگئی۔ ایاس کے بعد زادویہ ابن ماہان الہمدانی
بادشاہ ہوا۔ اسکے وقت میں سلطنت پھر لخمیین کی
طرف منتقل ہوگئی۔ اور زادویہ کے بعد منذر ابن نعمان ابن
منذر ابن ماء السماء تخت نشین ہوا۔ اہل عرب نے اس شخص
کا نام مغرور رکھا تھا۔ اور یہ شخص اوس وقت تک موجود تھا
کہ جس وقت کہ خالد ابن ولید نے اسلام کیلئے اس سے
ملک خالی کرالیا۔

اب ہم اپنے اس سلسلہ شاہی کے اجمالی بیان کی جس کو ہم نے تاریخ ابو الفدا کی عبارت سے اوپر نقل کیا
ہے خطبات احمدیہ سے بکمال تفصیل ذیل میں تکملہ کرتے ہیں۔ یہ بیان مندرجہ بالا پر کافی روشنی ڈالیگا۔
عرب العاربہ میں خاندان قحطان نے بڑی لیاقت اور شہرت حاصل کی تھی۔ اور یمن میں حمیر ابن سبا نے ایک عظیم الشان
سلطنت قائم کی تھی اسی خاندان کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم تھا۔ اوسکے بعد اوسکے بھائی عمرو کو تخت ملا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا

بن مالک تخت پر بیٹھا۔ یہ حیری مگر طامع بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو بہت قوی اور مستحکم کر لیا تھا۔ ایکطرف تو دریاے فرات اوسکی مملکت کی حد تھی دوسری جانب وہ شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شام تک سلطنت بڑہانے میں اسکو عمالیق سے لڑنا پڑا۔ اوسنے ایک سخت اور خونریز لڑائی کے بعد اونکو شکست دی۔ اس بادشاہ کی بہن نے جسکا نام رقاش تھا ایک شخص مسمی عدی سے جو بنی لخم میں تھا شادی کر لی۔ خذیمہ کے بعد اوسکا بھانجا عمر ابن عدی تخت نشین ہوا اوسکے بعد اوسکا بیٹا امرؤالقیس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمر بادشاہ ہوا۔ مگر اوسکو اوس بن قلام عملیقی نے تخت سے اوتار دیا۔ اوسکے بعد ایک یا دو بادشاہ اس خاندان کے حکمران ہوے جن کے نام معلوم نہیں لیکن اسقدر محقق ہے کہ امرؤالقیس ثانی ابن عمر نے بہت جلد اپنے بھائی کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لے لیا۔ یہ اول شخص تھا جس نے انسانوں کو زندہ جلا دینے کی وحشیانہ رسم جاری کی جس کے سبب سے اوس نے محرق کا لقب حاصل کیا تھا۔ اسکے بعد نعمان جانشین ہوا۔ مگر دنیا کے جھگڑوں سے کبیدہ خاطر ہو کر تیس برس سلطنت کرکے ترک شاہی کی۔ اور عبادت الہی میں مصروف ہو گیا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا اسود تخت نشین ہوا جس کی لوگ غسان سے چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اوسکے بعد اوسکے بھائی المنذر الثانی کو تخت و تاج ملا۔ اسکے بعد علقمہ ذمیلی اور اوسکے بعد امرؤالقیس ثالث ابن نعمان نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ اوسکے بعد المنذر الثالث ملقب بہ ماء السماء جانشین ہوا۔ مگر اسکو کسری قباد نے سلطنت سے خارج کرکے الحارث کو جو قبیلہ کندہ سے تھا اور جس نے ایران کے بادشاہ کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حاکم مقرر کیا۔ جب کسری نوشیروان تخت پر بیٹھا تو اوس نے الحارث کو حکومت سے علیحدہ کر دیا اور المنذر الثالث کو پھر حکومت دیدی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا قابوس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر الرابع اور اسکے بعد اوسکا بیٹا نعمان ابو قابوس تخت پر بیٹھا۔ اسی نعمان نے مذہب عیسائی اختیار کر لیا تھا۔ اور خسرو پرویز کے زمانے میں ایک مشہور لڑائی میں جو ایرانیوں کے ساتھ ہوئی تھی مارا گیا۔ اسکے بعد ایاس ابن قبیصہ الطائی اور زادویہ اور اوسکے بعد المنذر الخامس بن نعمان بن قابوس بادشاہ ہوا۔ اسی بادشاہ کو خالد ابن ولید سردار لشکر اسلام نے (خلافت اول کے عہد میں) شکست دیکر سلطنت کو چھین لیا خطبات از ص ۸۴-۸۶

جس زمانہ میں یہ بادشاہ حکمراں ہوے اوسکا ٹھیک ٹھیک پتا لگانا اگر غیر ممکن نہیں تو مشکل بیشک ہے۔ مگر آخر بادشاہوں میں سے دو بادشاہوں کا زمانہ ٹھیک ٹھیک بدرجہ یقین معلوم ہے۔ اور اگر نسلوں کے ہونیکے معمولی قاعدے پر غور کیا جائے تو بعض اور بادشاہوں کے عہد سلطنت کے زمانہ بھی کافی طور سے تحقیق ہو سکتے ہیں

عمر ابن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں سال میں جناب رسولخدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبی آخر الزماں پیدا ہوے۔ اسلئے یہ بادشاہ سنہ ۵۶۲ء میں تخت نشین ہوا ہوگا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پہلے پہل وحی ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلئے ایاس سنہ ۶۱۰ء میں تخت نشین

ہوا ہوگا۔ عمر کی تخت نشینی سے پہلے اوس سے اسی بادشاہ ہوچکے تھے۔ اور اون کی سلطنتوں کے مجموعہ کا لحاظ سے معقول پانچسو برس خیال کیا جاسکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ انمیں کا پہلا بادشاہ مالک ابن فہم ولادت مسیح علیہ السلام کے قریب قریب تخت پر بیٹھا ہوگا خطبات احمدیہ ص ۱۸۷ لاہور۔

حمیری ملوک غسان سلاطین شام۔

آل غسان کے شاہی سلسلہ کی تفصیل میں مورخ ابوالفدا تحریر کرتے ہیں۔

اول من ملک غسان جفنة بن عمرو بن ثعلبة بن عمرو بن
مزیقیا ثم ملک وملک بعدہ ابنہ عمرو ابن جفنة
ثم ملک بعدہ ابنہ ثعلبة ابن عمرو ثم ملک ابنہ
بعدہ الحارث ابن ثعلبة ثم ملک ابنہ جبلة ابن
الحارث ثم ملک ابنہ الحرث ثم ملک بعدہ ابنہ
المنذر الاکبر ثم ملک المنذر الاکبر المذکور
وملک بعدہ اخوہ النعمان ابن الحرث ثم ملک
بعدہ اخوہ جبلة بن الحارث ثم ملک بعدہ اخوہ
عمرو بن الحارث ثم ملک جفنة الاصغر ثم ملک
بعدہ اخوہ النعمان الاصغر ثم ملک نعمان بن عمرو
ابن المنذر ثم ملک بعدہ نعمان المذکور ابنہ جبلة
النعمان ثم ملک بعدہ النعمان بن الایہم ثم ملک
اخوہ الحرث ابن الایہم ثم ملک ابنہ النعمان
ابن الحرث ثم ملک بعدہ ابنہ المنذر ابن النعمان
ثم ملک اخوہ عمرو ابن النعمان ثم ملک اخوهما حجر
ابن النعمان ثم ملک ابنہ الحارث ابن حجر ثم ملک
ابنہ جبلة ابن الحارث ابن جبلة ثم ملک ابنہ النعمان
ابن الحرث وکنیتہ ابوکرب ولقبہ قطام ثم
ملک بعدہ الایہم ابن جبلة ثم ملک بعدہ اخوہ
المنذر ابن جبلة ثم ملک اخوهما شراحیل بن

سب سے پہلے جس شخص نے سلسلہ غسان سے حکومت کی وہ جفنہ
ابن عمرو ابن ثعلبہ ابن عمرو ابن مزیقیا تھا۔ اسکے بعد عمرو ابن جفنہ
بادشاہ ہوا۔ جفنہ کے مرجانے کے بعد اسکا بیٹا عمرو ابن جفنہ تخت نشین
ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا ثعلبہ ابن عمرو۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
الحارث ابن ثعلبہ اوسکے بعد اوسکا بیٹا جبلہ ابن الحارث
اوسکے بعد اوسکا بیٹا الحرث اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر الاکبر
بادشاہ ہوا۔ المنذر الاکبر کے بعد اوسکا بھائی نعمان ابن الحرث
اوسکے بعد اوسکا بھائی جبلہ ابن الحارث اوسکے بعد اوسکا
بھائی عمرو ابن الحارث اوسکے بعد جفنہ الاصغر تخت نشین ہوا۔
اوسکے بعد اوسکا بھائی نعمان الاصغر۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
نعمان ابن عمرو ابن منذر۔ نعمان کے بعد جبلہ ابن نعمان بادشاہ
ہوا۔ جبلہ ابن نعمان کے بعد نعمان ابن الایہم تخت نشین ہوا
اسکے بعد نعمان ابن الحرث بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا
منذر ابن النعمان تخت نشین ہوا۔ اسکے بعد اسکا بھائی عمرو ابن
نعمان اسکے بعد اسکا بھائی نعمان ابن الحرث جس کی
کنیت ابوکرب تھی تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ اس بادشاہ
کا لقب قطام تھا۔ اسکے مرجانے کے بعد اوسکا بھائی منذر
ابن جبلہ تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد اوسکا بھائی
عمرو ابن جبلہ بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوسکا بھتیجا
جبلہ ابن الحرث ابن جبلہ تخت نشین ہوا۔ اوس کے بعد

جبلة ثم ملك اخوهم عمرو بن جبلة ثم ملك بعده ابن اخيه جبلة ابن الحرث ابن جبلة ثم ملك بعده جبلة ابن الايهم بن جبلة وهو آخر الملوك الغسان وهو الذي اسلم في خلافة عمر ثم عاد الى الروم وتنصر (ابو الفدا)

جبلہ ابن الایہم ابن جبلہ آخر بادشاہ آل غسان ہوا۔ اور یہ وہی شخص ہے۔ جو خلافت عمر کے زمانہ میں اسلام لایا۔ پھر ملک روم میں بھاگ گیا۔ اور نصرانی ہوگیا۔

(ابو الفدا)

اس کے آگے مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

فلما ملك حجر سدد امورهم وساسهم احسن سياسة وانتزع من اللخميين ما كان بايديهم من ارض بكر ابن وائل

وملك بعد الحجر المذكور ابنه عمرو ابن حجر ثم ملك بعده ابنه الحرث ابن عمرو

جب حجر بادشاہ ہوا تو اوسنے قوم کا نہایت خوب انتظام کیا اور انہیں نہایت خوبی سے حکمرانی کی۔ اور شاہان لخمیین کے قبضہ میں علاقہ بکر ابن وائل کے جسقدر حصہ چلا گیا تھا۔ وہ تمام وکمال انسے خالی کرالیا۔

حجر کے بعد اوسکا بیٹا عمرو اور اسکے بعد حرث ابن عمرو یکے بادیگرے بادشاہ ہوئے۔

ملوک حجاز کا ضمنی تذکرہ (کندہ)

حرث ابن عمرو کے بعد شاہی سلسلہ میں مورخ ابو الفدا لکھتے ہیں۔

وملك اخوه (اي اخا يعرب) جرهم الحجاز ثم ملك بعد جرهم ابنه عبد ياليل بن جرهم ثم ملك ابنه جرشم ابن عبد ياليل ثم ابنه عبد المدان ابن جرشم ثم ابنه ثعلبه ابن عبد المدان ثم ابنه عبد المسيح بن ثعلبه ثم ابنه مضاض ابن عبد المسيح ثم ابنه عمرو ابن مضاض ثم اخوه الحرث بن مضاض ثم عمرو ابن الحارث ثم اخوه بشر ابن الحارث ثم مضاض ابن عمرو ابن مضاض۔

اوس کے (حرث ابن عمرو) بعد اوس کا بھائی (یعنی یعرب) جرہم الحجاز بادشاہ ہوا۔ اوس کے بعد اوس کا بیٹا عبد یالیل حکمراں ہوا۔ اوس کے بعد اوسکا بیٹا جرشم بادشاہ ہوا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عبد المدان اوسکے بعد اسکا بیٹا ثعلبہ ابن عبد المدان حکمراں ہوا۔ اوسکے بعد عبد المسیح ابن ثعلبہ اوسکے بعد مضاض ابن عبد المسیح تخت نشین ہوا اوسکے بعد عمرو ابن مضاض اوسکے بعد اوسکا بھائی حرث ابن مضاض۔ اوسکے بعد عمرو ابن الحارث اوسکے بعد اوسکا بھائی بشر ابن الحارث تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد مضاض ابن عمرو ابن مضاض حکمراں ہوا۔ (ابو الفدا)

مورخ ابی الفدا اسی کے متعلق یہ یادداشت بھی لکھتے ہیں۔ من ملوك العرب زهير ابن جناب ابن

حیل وکان زھیر المذکور قد اجتمع بابرھۃ الاشرم صاحب الفیل۔ ملوک عرب میں سے ایک زہیر ابن خباب بن حبل نامی تھا اور یہ زہیر ابرہہ الاشرم کے ساتھ واقعہ فیل میں شریک تھا۔

مرقومہ بالا آل غسان کی اجمالی فہرست کی تفصیلی حالت ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے۔

عرب العاربہ نے ایک اور سلطنت صوبہ غسان میں قایم کی تھی۔ اس سلطنت کے حکمراں عرب الشام کے نام سے مشہور تھے۔ اگر صحیح طور پر غور کیا جائے تو یہ حاکم قیصر روم کیطرف سے بطور عمال تھے۔ مگر لقب شاہی کے اختیار کرنے کی وجہ سے سلاطین عرب کے ذیل میں بیان ہوتے ہیں۔ چونکہ بعض امور ان لوگوں سے ایسے متعلق ہیں جن سے ہمکو بعض امور کی تحقیقات اور مباحث میں آسانی ہوگی۔ اسلئے انکی سلطنتوں کا ایک مختصر حال اس مقام پر لکھدینا ضروری ہے۔

اس سلطنت کی بنا چارسو برس قبل ظہور اسلام کے ہوئی اور یہ زمانہ تین سو صدی عیسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ جفنہ ابن عمر پہلا شخص ہے جس نے اس خاندان میں لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ شخص ازد (یکےاز فرع حمیر) کی اولاد میں تھا۔ جو خاندان کہلان سے تھا۔ وہ عرب جو ان سے پہلے شام میں رہتے تھے۔ ضجاعمہ کہلاتے تھے۔ ضجاعمہ نے مدت دراز تک مستعدی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست اٹھائی اوسکے بعد اوسکا بیٹا تخت نشین ہوا۔ اسی طرح ایک عرصہ تک اختیارات شاہی یکے بعد دیگرے۔ الحارث۔ جبلہ۔ الحرث۔ المنذر الاکبر کے ہاتھ میں رہے۔ اس اخیر بادشاہ کے بعد اوسکا بھائی نعمان بادشاہ ہوا۔ اوسکا بھائی جبلہ پر اسکا بھائی الایہم۔ اوسکے بعد اوسکا بھائی عمر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد جفنہ الاصغر ابن المنذر الاکبر کی باری آئی اوسکے بعد نعمان الاصغر اور اوسکے بعد اوسکا بھتیجا نعمان ثالث ابن عمر بادشاہ ہوا اوسکے بعد جبلہ ابن نعمان کے ہاتھ سلطنت لگی۔ یہ بادشاہ خاندان حیرہ کے بادشاہ ماء السما کا ہمعصر تھا۔ وہ اس سے چند لڑائیاں بھی لڑا تھا۔ اوسکے بعد نعمان رابع ابن الایہم اور اوسکے بعد الحرث الثانی اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا نعمان الخامس اور اوسکے بعد اوسکا بیٹا المنذر تخت نشین ہوا۔ اوسکے بعد عمر برادر المنذر اور حجر برادر عمر یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ اسکے بعد حارث ابن حجر اور جبلہ ابن الحارث اور الحارث ابن جبلہ باری باری سے حکمراں ہوئے۔ پھر نعمان ابو کرب ابن الحارث اور ایہم عم نعمان تخت پر بیٹھے۔ اور ایہم کے بعد اوسکے تین بھائی۔ المنذر شراحیل اور عمر یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عمر کے بعد اوسکے بھائی جبلہ ابن الایہم بن جبلہ کو سلطنت ملی۔ یہ بادشاہ حضرت عمر کی خلافت تک زندہ تھا۔ پہلے مسلمان ہوا۔ پھر روم کو بھاگ کر عیسائی ہوگیا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ تقریباً سنہ ۶۳۶ء میں ہوگیا۔

ملوک کندہ۔ عرب العاربہ کی ایک اور چھوٹی سی اور چند روزہ سلطنت کی بنیاد آل کندہ نے جو خاندان

کہلان سے تھا، قائم کی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر ابن عمرو ہوا جس نے ملک حیرہ کے ایک حصہ کو دبا کر ایک نئی سلطنت حاصل کرلی۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عمرو اوسکے بعد اوس کا الحرث تخت پر بیٹھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے کسریٰ قباد کا مذہب اختیار کرکے اوسکی اعانت سے سلطنت حیرہ کو دبا لیا تھا۔ مگر جب نوشیرواں نے اوس سے المنذر کو سلطنت دلوادی تب الحارث دیار کلب کو چلا گیا۔ مگر اوس کے بعد اوسکے بیٹے چند روز تک چند مقامات پر حکومت کرتے رہے۔ جو بنی اسد پر حکمراں تھے۔ سراحیل بکر ابن وائل پر معدی کرب قیس غیلان پر سلمہ تغلب پر اور نمر پر حاکم تھا۔ حجر کے بعد جو مارا گیا تھا۔ اوسکے بیٹے امرء القیس نے از سر نو بنی اسد کو مطیع بنا لیا۔ یہ امرء القیس وہی بہت بڑا مشہور عرب کا شاعر ہے۔ جب منذر ماء السما از سر نو تخت حکومت پر بیٹھا تو امرء القیس اوسکے خوف سے بھاگا۔ اور کہیں روپوش ہوگیا۔ ان سب بادشاہوں نے پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں حکومت کی تھی۔

ملوک حجاز۔ ایک اور سلطنت حجاز میں قائم ہوئی تھی جس زمانہ میں یمن اور حیرہ کی سلطنتیں اندرونی جھگڑوں سے ضعیف ہوگئی تھیں۔ اوسی زمانہ میں اولاد یعرب یا جرہم نے ایک نئی اور خودمختار سلطنت حجاز میں قائم کی تھی۔ اسی سلطنت کا اول بادشاہ بقول ابو الفدا جرہم تھا جس کا بھائی یعرب یمن میں حکمرانی کرتا تھا۔ ابو الفدا نے مندرجہ ذیل نام لکھے ہیں۔ یالیل۔ جرہم ابن یالیل۔ عبد المدان ابن جرہم۔ ثعلبہ ابن عبد المدان۔ عبد المسیح ابن ثعلبہ۔ مضاض ابن عبد المسیح۔ عمرو ابن مضاض۔ الحرث برادر مضاض۔ عمرو ابن الحرث۔ مضاض ابن عمرو ابن مضاض۔ اگر ابو الفدا کے نزدیک یہ بادشاہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام سے پیشتر گذرے ہیں یا اوسکے ہمعصر گذرے ہیں۔ کیونکہ عبد المسیح کے نام سے بلا ریب ثابت ہوتا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ اور اسلئے ممکن نہیں ہے کہ وہ حضرت اسماعیل سے پیشتر گذرے ہوں یا اوسکے ہمعصر ہوں۔

اسمیں کوئی شک نہیں کہ یہ سلطنتیں اوسوقت قائم ہوئیں جب یمن۔ حیرہ اور کندہ کی سلطنتیں زوال کی حالت میں پہونچ گئی تھیں۔ اور اسی بنا پر ہمکو یقین ہے کہ انکا زمانہ پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ عمرو ابن لحی سنہ ۲۰۰ء کے آخر میں اسی سلطنت پر حکمراں تھا۔ ابو الفدا کا بیان ہے کہ اسی شخص نے بت پرستی کو حجاز عرب میں رواج دیا اور کعبہ میں تین بت ہبل (مثل) کعبہ کی چھت پر اور اساف و نائلہ دو اور مقاموں (صفا و مروہ) پر نصب کردئے۔

مثل دیگر عرب العاربہ کے جو حجاز میں متوطن ہوگئے اور وہیں کے بادشاہ ہوگئے زہیر ابن جناب نے بھی لقب شاہی اختیار کیا۔ یہ بات اوسوقت کی ہے جبکہ ابرہۃ الاشرم نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا کیونکہ یہ

بات مشہور ہے کہ زہیر بھی ابرہہ اشرم کے ساتھ اوس مہم میں شریک تھا۔

اب ہم اپنے تالیفی دستور العمل کے مطابق عرب العاربہ کے تمام حالات و واقعات بیان کرکے۔ ان کے انساب و اعقاب کا شجرہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر یہ شجرہ صرف اونھیں لوگوں کا ہے جنکا حال ہمنے اس کتاب میں بیان کیا ہے اس شجرہ سے اون مطالب کے سمجھنے میں آسانی ہوگی جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تمام عرب العاربہ جنکا ہم نے مفصل احوال اوپر بیان کیا ہے بنی جرہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر وقتاً فوقتاً اپنے مورثوں کے متعدد قبیلوں میں منقسم ہوگئے ہیں۔ ان قبیلوں سے جو زیادہ مشہور اور صاحب نام ہیں۔ اور جنکا ذکر اکثر کتابوں میں آیا ہے۔ ہم ذیل میں اونھیں کو لکھتے ہیں۔ ان قبیلوں کی تقسیم قایم کرنے میں۔ تاریخ ابو الفدا اور معارف ابن قتیبہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قبائل مشہورہ عرب العاربہ

(۱) یعرب یا جرہم سے۔ بنو جرہم
(۲) عبد الشمس بن یشجب سے۔ بنو سبا۔
(۳) حمیر ابن سبا سے بنو حمیر
(۴) کہلان ابن سبا سے بنو کہلان۔
(۵) اشعر ابن سبا سے۔ اشعری
(۶) انمار ابن سبا سے بنو انمار
(۷) عاملہ ابن سبا سے عاملی
(۸) عدی ابن انمار ابن سبا سے بنو عدی
(۹) لخم۔ ابن عدی سے لخمی
(۱۰) جذام ابن عدی سے بنو جذام
(۱۱) عدس بن لخم سے بنو عدس
(۱۲) غنم بن لخم سے بنو غنم
(۱۳) بنو الدار بن ہانی بن لخم سے داری
(۱۴) غطفان ابن حرام ابن جذام سے بنو غطفان

قبائل ذیل بنو غطفان کی نسل میں ہیں

(۱۵) بنو فضلہ (۱۶) بنو احف (۱۷) بنو الضبیب (۱۸) بنو اہالہ (۱۹) بنو النفاثہ
(۲۰) بنو اضلیع (۲۱) بنو عائرہ (۲۲) بنو شنیرہ (۲۳) بنو القضرہ (۲۴) بنو عبد اللہ
(۲۵) بنو سلیم (۲۶) بنو بجالہ (۲۷) بنو غنم (۲۸) بنو القالہ (۲۹) بنو سعد
(۳۰) بنو وائل۔

قبائل ذیل بنو سعد کی نسل میں ہیں

(۳۱) بنو عوف (۳۲) بنو افہیرہ (۳۳) بنو اصیحہ (۳۴) بنو الاحنس (۳۵) بنو حی

(۳۶) خثعمی (۳۷) بنو حنظلہ (۳۸)

قبائل ذیل بنو انمار کی نسل میں ہیں

(۳۹) خثعمی (۴۰) بجیلی (۴۱) قسری (۴۲) بنو احمس (۴۳) دہمانی (۴۴) عبقسی
(۴۵) سلفی (۴۶) اسلمی (۴۷) آل ذی رعین

قبائل ذیل قضاعہ کی نسل میں ہیں

(۴۸) بنو کلیب (۴۹) عدی ابن خباب سے بنو عدی (۵۰) بنو علیم (۵۱) بنو الصید
(۵۲) بنو رفیدہ (۵۳) بنو مصر (۵۴) بنو القین (۵۵) بنو سلیح (۵۶) بنو تنوخ (۵۷) بنو جرم
(۵۸) راسبی (۵۹) بنو بہراء (۶۰) بنو العلی (۶۱) بنو مہرہ (۶۲) بنو عذرہ (۶۳) بنو سعدہ
(۶۴) بنو ہذیم (۶۵) حبیب حوشی (۶۶) خشنی (۶۷) سلامانی (۶۸) بنو جہینہ (۶۹) بنو نہد
(۷۰) البنا بعہ

قبائل ذیل تابعہ کی نسل میں ہیں

(۷۱) ذو قلاع (۷۲) ذو نواس (۷۳) ذو اصبح (۷۴) ذو جدن (۷۵) ذو الکش
(۷۶) ذو یزن (۷۷) ذو جرش (۷۸) بنو اشحول، ذو واکل (۸۰) بنو سکاسک (۸۱) بنو عوف،
(۸۲) بنو فاران (۸۳) طائی (۸۴) غوثی۔

قبائل ذیل طائی کی نسل میں ہیں

(۸۵) بنو انبہان (۸۶) بنو ثعل (۸۷) بنو السنبس (۸۸) حاتمی (۸۹) بنو نبہیم (۹۰) تورنی
(۹۱) کندی (۹۲) سکونی (۹۳) اوسلی (۹۴) ہمدانی (۹۵) سبیعی (۹۶) وداعہ
(۹۷) فارج (۹۸) مرادی (۹۹) سعدی (۱۰۰) بنو اخالد (۱۰۱) عنسی (۱۰۲) جعفی
(۱۰۳) جنبی (۱۰۴) حکمی (۱۰۵) عائذی (۱۰۶) حمل (۱۰۷) حریمی
(۱۰۸) زبیدی (۱۰۹) جدیلی (۱۱۰) النعمی (۱۱۱) نخعی (۱۱۲) بنو النار
(۱۱۳) خولانی (۱۱۴) بنو الحماس (۱۱۵) بنو قنان (۱۱۶) ازدی (۱۱۷) مازنی یا غسانی
(۱۱۸) دوسی (۱۱۹) بنو فی (۱۲۰) جفنی (۱۲۱) آل جفنا (۱۲۲) آل محرق (۱۲۳) جبلی

(۱۲۴) سلامانی (۱۲۵) دوس عدنی (۱۲۶) جذیمی (۱۲۷) جہاضمی (۱۲۸) سلیمی (۱۲۹) بنو ابناء
(۱۳۰) معینی (۱۳۱) بنو یحمد (۱۳۲)

قبائل ذیل ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۳) الغطریف (۱۳۴) بنو یشکر (۱۳۵) بنو الحجدرہ (۱۳۶) بنو لہب (۱۳۷) غامدی

قبائل ذیل عبداللہ ازد کی نسل میں ہیں

(۱۳۸) قماعل (۱۳۹) بنو عتیک (۱۴۰) بنو مازن (۱۴۱) بنو عوف (۱۴۲) بن طاحیہ (۱۴۳) بنو ہداد
(۱۴۴) خزاعی (۱۴۵) قمیری (۱۴۶) بنو حبل (۱۴۷) بنو المصطلق (۱۴۸) بنو الکعب
(۱۴۹) بنو الملیح (۱۵۰) بنو عدی (۱۵۱) بنو سعد (۱۵۲) اسلمی (۱۵۳) بنو بیاضہ
(۱۵۴) حشیمی (۱۵۵) خزرجی

قبائل ذیل خزرج کی نسل میں ہیں

(۱۵۶) حشمی (۱۵۷) بنو تزید (۱۵۸) اسلمی (۱۵۹) بنو بیاضہ (۱۶۰) بنو سالم (۱۶۱) بنو الحبلی
(۱۶۲) القراقل (۱۶۳) بنو النجار (۱۶۴) بنو ساعدہ (۱۶۵) یہی قبائل انصار ہیں۔

قبائل ذیل اوس کی نسل میں ہیں

(۱۶۶) اشہلی (۱۶۷) بنو ظفر (۱۶۸) بنو الحارثہ (۱۶۹) اہل قبا (۱۷۰) جحجبی
(۱۷۱) اجارہ (۱۷۲) بنو واقف (۱۷۳) اسلمی (۱۷۴) بنو حطمہ۔ یہی قبائل انصار مدینہ ہیں۔

عرب المستعربہ

یا

عرب مستوطنہ

عرب المستعربہ کا سلسلہ نسب تیرح (تارخ) ابن ناحور ابن ساروغ ابن راعون ابن فالغ ابن عیبر ابن شالخ
ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ اسلئے یہ خاندان بھی سلسلہ عرب العاربہ سے عیبر

ابن شالخ پر پہونچکر مل جاتا ہے۔ اسی طرح عرب البائدہ کے شجرہ نسب سے ارفخشد اور عیلان پسران سام ابن نوح پر پہونچکر ایک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سام کے دو بیٹے ارفخشد اور عیلان۔ ارفخشد سے عرب العاربہ کا سلسلہ قائم ہوتا ہے اور عیلان سے عرب البائدہ کا۔ اس بنا پر ہر شخص صحیح طور سے سمجھ جائیگا کہ سلسلہ نسب میں عرب المستعربہ بمقابلہ عرب البائدہ کے عرب العاربہ سے زیادہ قریب ہیں۔

تارح (تارخ) کی اولاد جو عرب میں آباد ہوئی وہ پانچ متفرق شاخوں اور مقاموں میں منقسم ہوئی۔ اونمیں سے ہر ایک تفصیل ذیل میں مندرج ہے۔

(۱) اسماعیلی۔ حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام بن تارح (تارخ) کی اولاد (توریت بسفر تکوین۔ باب ۱۱ درس ۲۸ باب ۱۶ درس ۱۵)

(۲) ابراہیمی یا بنی قطورا حضرت ابراہیم علیہ السلام بن تارح کی اولاد۔ جو اون کی تیسری بی بی قطورہ کے بطن سے تھی۔ (سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۲۵ درس ۱)

(۳) ادومی۔ جسے بنو عیسو بھی کہتے ہیں۔ وہ ادوم ابن حضرت اسحاق ابن حضرت ابراہیم علیہما السلام ابن تارح کی اولاد سے تھے۔ (سفر تکوین باب ۱ درس ۲۸ و باب ۲۱ درس ۳ و باب ۲۵ درس ۲۵)

ادوم[51] یا عیسو ابن حضرت اسحاقؑ۔ فاضل معاصر صاحب ارض القرآن عیسو کے حالات میں رقمطراز ہیں:-

حضرت یعقوب اور عیسو دونوں سگے بھائی تھے۔ اور حضرت اسحاق[52] کے بیٹے تھے۔ عیسو کو فرزند اول تھے۔ لیکن پہلوٹے ہونیکی برکت حضرت یعقوب نے بلطائف الحیل حاصل[53] کی۔ عیسو روٹھکر اپنے عم محترم حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس[54] چلے گئے اور اونکی صاحبزادی سے جنکا نام باسمہ[55] یا محلات تھا شادی کرلی۔ پھر اور بھی شادیاں کیں۔ جن سے متعدد اولادیں اور اولادوں کی اولادیں (جن میں عمالق اور عوض مشہور ہیں) پیدا ہوئیں۔ اور ان سب کو لیکر کوہ شعیر[56] (سراۃ) میں اپنا مسکن بنایا۔ جو ملک شام سے لیکر انتہائے یمن تک طولاً وسیع ہے۔ عیسو کا نام ادوم (سرخ) تھا۔ اسی لئے اس خاندان اور ملک کا نام ادوم پڑگیا۔ جدید تحقیق جو یقینی نہیں ہے۔ یہ ہے کہ ادوم کا نام ملک کی زمین کے سرخ ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے[57]۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۲۳

[51] تکوین ۲۵-۲۵ [52] تکوین ۲۶-۲۷ [53] تکوین ۲۸-۹ [54] تکوین ۳۶-۳ [55] تکوین ۲۸-۹ [56] تکوین ۳۶-۹ [57] انسائیکلو پیڈیا برٹینکا طبع یازدہم جلد ۱۴ ص ۲۹۰

کس حیلہ سے اسحاق نے عیسو سے پہلوٹے ہونیکی عظمت حاصل کی توراۃ میں اسکے متعلق یہ قصہ قلمبند ہے۔ یعقوب نے لپسی پکائی۔ اور عیسو جنگل سے آیا اور وہ ماندہ ہوگیا تھا۔ عیسو نے یعقوب سے کہا کہ اس لال لال میں سے کچھ مجھے کھانے کو دے۔ کیونکہ میں ماندہ ہوگیا ہوں۔ اسلئے اوسکا نام ادوم ہوا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی اپنے پہلوٹے ہونیکا حق میرے ہاتھ بیچ عیسو

(۴) ناحوری یا بنی ناحور۔ اولاد ناحور برادر حضرت ابراہیم علیہ السلام ابن تارخ (تارح) سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۸، ۲۹
(۵) ہارانی یا بنی ہاران۔ یعنی موآب و عمان بن لوط بن ہاران بن تارح کی اولاد۔ اس قوم کے لوگ کبھی موآبی کبھی لوطی اور کبھی عمانی کہے جاتے تھے۔ مگر ہارانی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ دونوں متفرق شاخیں اپنے اصل ہاران پر جاکر جو ان دونوں کا مورث اعلیٰ ہے۔ ایک ہو جاتی ہیں۔ سفر تکوین باب ۱۱ درس ۲۷۔ ۲۸ و باب ۱۹ درس ۳۰ و ۳۸

بقیہ عبارت حاشیہ زیریں صفحہ گذشتہ۔ نے کہا کہ دیکھ میں تو مر رہا ہوں۔ سو یہ پہلوٹھا ہونا کس کام آئیگا۔ تب یعقوب نے کہا کہ آج ہی مجھ پاس قسم کھا۔ اوس نے اوس پاس قسم کھائی۔ اور اوس نے اپنے پہلوٹھے ہونیکا حق یعقوب کے ہاتھ بیچ دیا۔ تب یعقوب نے عیسو کو روٹی اور مسور کی دال دی۔ اوس نے کھایا اور پیا اور اوٹھ کر چلا گیا۔ اس طرح عیسو نے اپنے پہلوٹھے ہونیکا حق ناچیز جانا۔ تکوین باب ۲۵ آیت ۲۹
ایسے ہی یعقوب نے عیسو کے حصہ کی آسمانی برکت بھی لے لی۔ جب اسحاق بوڑھا ہوا اور اوس کی آنکھیں دھندلا گئیں ایسی کہ وہ دیکھ نہیں سکتا تھا تو اوس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا اور کہا کہ اے بیٹے۔ اوس نے کہا کہ دیکھ میں حاضر ہوں۔ تب اوس نے کہا کہ دیکھ میں بوڑھا ہوا اور میں اپنے مرنیکا دن نہیں جانتا۔ سو اب میں تجھ سے منت کرتا ہوں کہ اپنا ہتھیار اپنا ترکش اور اپنی کمان لے اور جنگل کو جا اور میرے لئے شکار لے آ اور میرے لئے لذیذ کھانا جیسا کہ میں چاہتا ہوں تیار کر۔ اور میرے آگے لا کہ میں کھاؤں تاکہ میں جی سے مرنے سے آگے تجھے برکت بخشوں اور جب اسحاق اپنے بیٹے عیسو سے باتیں کرتا تھا تب ربقہ (زوجہ اسحاق) نے سنا۔ اور عیسو جنگل چلا گیا کہ شکار مارے اور لاوے۔ تکوین باب ۲۷ ۱ از ۱۔ ۵۔

تب ربقہ نے اپنے بیٹے یعقوب سے ہمکلام ہو کر کہا کہ دیکھ میں نے تیرے باپ کی باتیں سنی کہ تیرے بھائی عیسو سے ہمکلام ہو کر کہا کہ میرے لئے شکار لا۔ اور میرے واسطے لذیذ خوراک تیار کر تاکہ میں کھاؤں اور اپنے مرنے سے پیشتر خداوند کے آگے تجھے برکت بخشوں۔ سو اب میرے بیٹے اوس حکم کے موافق جو میں تجھے دیتی ہوں میری بات کو مان۔ اب گلہ میں جا اور وہاں سے بکری کے دو اچھے اچھے بچے میرے پاس لا اور میں تیرے باپ کے لئے اون سے لذیذ کھانا جیسا وہ چاہتا ہے پکاؤں گی اور تو اوسے اپنے باپ کے پاس لائیو تاکہ وہ کھاوے اور اپنے مرنے سے پیشتر تجھے برکت بخشے۔ تب یعقوب نے اپنی ماں ربقہ سے کہا دیکھ میرے بھائی عیسو کے بدن پر بال ہیں اور میرا بدن صاف ہے۔ شاید میرا باپ مجھے ٹٹولے اور میں اوس پاس دغاباز سا ٹھہروں اور برکت نہیں بلکہ لعنت اپنے اوپر لاؤں۔ اوسکی ماں نے اوسے کہا کہ تیری لعنت مجھ پر ہو اے میرے بیٹے۔ تو صرف میری بات مان اور جا کے اونہیں میرے لئے لا۔ تب وہ گیا اور انہیں اپنی ماں پاس لایا۔ اور اوسکی ماں نے لذیذ کھانا جیسا کہ اوسکا باپ چاہتا تھا پکایا اور ربقہ نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کی نفیس پوشاکیں جو گھر میں اوس پاس تھیں لیں اور اپنے چھوٹے بیٹے یعقوب کو پہنائیں اور بکری کے بچے کی کھال اوس کے ہاتھوں اور اوس کی گردن پر جہاں بال نہ تھے لپیٹی اور وہ لذیذ کھانے اور روٹی جو اوس نے تیار کی تھی اپنے بیٹے یعقوب کے ہاتھ میں دی۔ سفر تکوین باب ۲۷ ۶۔ ۱۶
تب اوس نے اپنے باپ کے پاس آکر کہا کہ اے میرے باپ۔ وہ بولا دیکھ میں یہاں ہوں۔ تو کون ہے اے میرے بیٹے۔ یعقوب نے اپنے

اب ہم ان مندرجہ بالا اقوام عرب المستعربہ میں سے ہر ایک قوم کے تفصیلی حالات و واقعات ذیل میں علیحدہ علیحدہ قلمبند کرتے ہیں۔ مگر قبل اسکے کہ ہم ان حالات کو آغاز کریں ہمکو یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ ہمارے سلسلہ بیان میں وہ ترتیب جو ہم نے اوپر قایم کی ہے باقی نہیں رہ سکتی۔ اسلئے کہ ہماری تالیفی ضرورت ہمکو اس ترتیب کے قایم رکھنے سے مانع ہے۔ اس مجبوری کی وجہ سے خلاف ترتیب مقصدرہ بالا۔ ہم سلسلہ اسماعیلی سے پہلے بنی قطورہ کے حالات لکھتے ہیں۔ جو ہمارے سلسلہ ترتیب میں نمبر (۲) ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گزشتہ۔ باپ سے بولا کہ میں ہوں عیسو تیرا پہلوٹھا۔ جیسا تو نے مجھ سے کہا میں نے ویسا ہی کیا۔ اوٹھ بیٹھیے اور میرے شکار میں سے کچھ کھایئے تاکہ تو جی سے مجھے برکت بخشے۔ تب اسحاق نے اپنے بیٹے سے کہا کہ یہ کیونکر ہوا ہے کہ تو نے ایسا جلد پایا ہے اے میرے بیٹے۔ وہ بولا اسلئے کہ خداوند تیرا خدا میرے آگے لایا۔ تب اسحاق نے یعقوب کو کہا کہ اے میرے بیٹے نزدیک آ کہ میں تجھے چھوؤں تاکہ تو میرا وہی بیٹا عیسو ہے کہ نہیں۔ اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے پاس گیا اور اوس نے اوسے چھو کے کہا کہ آواز تو یعقوب کی ہے پر ہاتھ عیسو کے ہیں اور اوس نے اوسے نہ پہچانا اسلئے کہ اوسکے ہاتھوں پر اوسکے بھائی عیسو کے ہاتھوں کی طرح بال تھے۔ سو اوس نے اوسے برکت دی اور کہا کہ تو میرا وہی بیٹا عیسو ہے؟ وہ بولا کہ میں وہی ہوں۔ تب اوس نے کہا کہ تو میرے پاس لا کہ میں اپنے بیٹے کے شکار سے کچھ کھاؤں۔ تاکہ جی سے تجھے برکت دوں۔ سو وہ اوس پاس لایا اور اوس نے کھایا۔ اور وہ اوسکے لئے مے لایا اور اوس نے پی۔ پھر اوسکے باپ اسحاق نے کہا کہ اے بیٹے اب نزدیک آ اور مجھے چوم۔ وہ نزدیک گیا اور اوسے چوما۔ تب اوس نے اُسکے لباس کی باس پائی۔ اور اوسے برکت دی اور کہا کہ دیکھ میرے بیٹے کی ریح اوس کھیت کی ریح کی مانند ہے جس میں خداوند نے برکت بخشی ہے۔ خدا آسمان کی اوس اور زمین کی چکنائی اور اناج اور مے کی زیادتی تجھے بخشے۔ قومیں تیری خدمت کریں گروہ تیرے آگے جھکیں تو اپنے بھائیوں کا خداوند ہو۔ اور تیری ماں کے بیٹے تیرے آگے خم ہوں۔ ہر ایک جو تجھپر لعنت کرے ملعون ہو۔ مگر وہ جو تیرے لئے برکت چاہے مبارک ہو۔ تکوین باب ۲۷ از ۱۸-۱۹۔

اور یوں ہوا کہ جو اسحاق یعقوب کو برکت دے چکا اور یعقوب اپنے باپ اسحاق کے حضور سے باہر جایا ویسے ہی اوسکا بھائی عیسو اپنے شکار سے پھرا۔ اوس نے بھی لذیذ کھانا پکایا تھا اور اوسے اپنے باپ پاس لایا۔ اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ اوٹھئے اور اپنے بیٹے کا شکار کھایئے کہ آپ جی سے مجھے برکت دیں۔ اوسکے باپ اسحاق نے اوس سے پوچھا تو کون ہے۔ وہ بولا کہ میں عیسو ہوں تیرا پہلوٹا بیٹا ہوں۔ تب اسحاق بشدت کانپا اور بولا کہ وہ کون تھا اور کہاں ہے جو شکار کر کے میرے پاس لایا اور میں نے تیرے آنے سے آگے سب میں سے کھایا اور اوسے برکت دی۔ ہاں وہ مبارک ہوگا۔ عیسو اپنے باپ کی باتیں سُنتے ہوئے شدت سے چلا چلا کر اور پھوٹ پھوٹ کر رویا اور اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ مجھے بھی برکت دیجئے۔ وہ بولا کہ تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لیگیا۔ تب اوس نے کہا کہ کیا اوسکا نام یعقوب ٹھیک نہیں ہے کہ اوس نے دوبار مجھ سے اڑنگا مارا۔ اوس نے میرے پہلوٹے ہونیکا حق لے لیا اور اب دیکھو اوس نے میری برکت لے لی۔

بنو قطورہ

یا

اہل مدین

حضرت شعیب علیہ السلام کی امت اور انکی تبلیغ رسالت

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا

سنہ ۳۰۰۰ ق م تا سنہ ۱۰۰۰ ق م

اس اصول کا کئی بار بتکرار ذکر گذر چکا ہے کہ سامی قومیں عموماً اپنی آبادی اور قومیت کو اپنے بزرگان نسل کے نام

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ - پھر اوس نے کہا کیا تو نے میرے لئے کوئی برکت نہیں رکھ چھوڑی - اسحاق نے عیسو کو جواب دیا اور کہا دیکھ میں نے اوسے تیرا خداوند کیا اور اوسکے سب بھائی کو اوس کی چاکری میں دیا اور اناج اور مے اوسے بخشی - اب اے میرے بیٹے میں تیرے لئے کیا کروں - تب عیسو نے کہا کہ اے باپ کیا آپ کے پاس ایک ہی برکت ہے ؟ اے میرے باپ - مجھے بھی برکت دیجئے اور عیسو چلا چلا کر رویا - تب اوسکے باپ اسحاق نے جواب دیا اور اوس سے کہا کہ دیکھ زمین کی چکنائی سے اور اوپر کے آسمان کی اوس سے تیرا قیام ہوگا اور تو اپنی تلوار سے زندگانی بسر کرے گا - اور اپنے بھائی کی خدمت کرے گا - اور یوں ہوگا کہ جب تو تزدد میں پڑے گا تو اوسکا جوا اپنی گردن پر سے توڑ کر پھینک دیگا - سفر تکوین باب ۲۷ درس ۱۸ تا ۴۰

متذکرہ بالا عبارت توراۃ سے وہ لطائف الحیل جنکے ذریعہ سے بقول صاحب ارض القرآن نے یعقوب نے عیسو المدعو ادوم سے اوس کے فرزند اول ہونے کے حقوق حاصل کئے اور اس حق کے ساتھ آسمانی برکت بھی لے لی - پورے طور سے ظاہر ہوگئے - ظاہر یہ نگاہ میں اگرچہ یہ طول طویل تفصیل ضرورت سے زاید معلوم ہوگی - مگر حقیقت میں اور مدعا شناس حضرات میری غرض و مدعا اور انکی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں - جن میں سے چند حسب ذیل ہیں -

اول یہ واقعہ صاف صاف اوس امتیاز اور افتراق کو بتلا رہا ہے جو کتب قدیمہ سماویہ اور قرآن مجید کی عبارت اور مطالب معانی میں پایا جاتا ہے - جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بخلاف اور کتب الہیہ کے قرآن مجید نے انبیاء و مرسلین کے طبقہ اعلی کی معاشرت - اونکا اعلی اخلاق اور یکتا تمدن کس شان اور عظمت سے دکھلایا ہے - یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے کتب قدیمہ سماویہ کے ان لغویات وحشویات کو - جو نہ کبھی الفاظ الہامی کہلانے کی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ انداز وحی ربانی ہونے کی عظمت - معارض اخلاق انبیاء کرام کیا تحا لفت حاوات عوام ظاہر ہوتے ہیں - اپنے صفحات میں جگہ ندی اور اونکے ذکر و تفصیل کو قطعاً ساقط کر دیا - اور یہی قرآن مجید کی خصوصیت - اوسکے خالص کلام الہی

سے موسوم کرتی ہیں۔

مدین جنکے حالات اس فصل میں بیان ہونگے۔ اپنے بانی و موسس خاندان مدین بن ابراہیم (از بطن قطورہ) علیہ السلام کیطرف منسوب ہیں۔ مدین نے اپنی آبادی اپنے ہی نام سے اپنے بھائی اسماعیل کے پہلو میں قائم کی۔

ارض مدین یہ ملک طولاً خلیج عقبہ (ایلانہ) کے سواحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر وارض ثمود و حجاز تک جہاں ثمود وجرہم اور عرب اسماعیلی آباد تھے۔ واقع تھا۔

بقیہ حاشیہ زیریں صفحہ گزشتہ ہو سکنے کی ندرت ہے کہ اوسمیں ان بے جوڑ اور بے لگام افسانوں اور داستانوں کی بھرتی نہیں ہے جو کلام الہی کی تقدیس کو انسانی تدلیس وتلبیس سے ناپاک کرتی ہو۔ توراۃ مقدس کے ان لغویات کو پڑھکر کبھی کوئی عقل والا کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک مقدس پیغمبر اور اوسکے بعد ایک ہونے والے متبرک پیغمبر کے اخلاق ہیں۔ دیانت ہیں اور اطوار۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام عام اس سے کہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ اپنی عالم فریبی۔ خود غرضی۔ اور تعصب مذہبی سے حضرت ہاجرہؑ اور اون کی اولاد کو حضرت سارہ اور اون کی اولاد کے مقابلہ میں ہمیشہ حقیر اور ذلیل سمجھتے اور سمجھاتے آئے اور باعتبار حسب ونسب کے بنو ہاجرہؑ کو بنو سارہ سے۔ شرافت ونجابت اور قدر ومرتبت میں گراتے آئے اور اپنے زعم باطل میں کبھی آل اسماعیلؑ کو اولاد اسحاق کے ساتھ اسحاقی پیوند کے قابل نہ سمجھے۔ اب وہ ان واقعات توراۃ کو جو اون کے خاص الخاص مرویات معتبرہ میں ہیں عبرت وغیرت کی نگاہوں سے دیکھیں اور سمجھیں کہ اون کی مغویانہ عالم فریبی اور تعصب مذہبی کے برخلاف آل اسماعیل اور بنو اسحاق میں اور آپس کیسا توسل اور پیوند تمہاری ہی روایات واعتقادات سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے۔ اسماعیل کی صاحبزادی سے اسحاق کا صاحبزادہ بیاہا جاتا ہے۔ بھائی بھائی ملتے ہیں تو حد فی الاصل اور توحد فی النسل کی حقیقی اور اصلی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اور صلہ رحم اور حقوق قرابت کی اداکاریوں کا پورا اعلان کیا جاتا ہے جو منجانب اللہ اخلاق اور معاشرت کے اصول پر فرض کئے گئے ہیں۔ اور جن کی تعلیم وتلقین کا اپنی خاص شانوں کے ساتھ تمام انبیا ومرسلینؑ کو حکم تاکیدی تفویض فرمایا گیا ہے جس بنا پر کہ خیال کو تم اپنے حسد وعداوت کی وجہ سے بنو ہاجرہؑ کی کسرشان کے لئے ایک بیہودہ اور محض مغویانہ طریقہ سے پھیلانا چاہتے ہو۔ اوسکا تو تمہاری اسناد وروایات میں کہیں نام ونشان اور وہم وگمان بھی نہیں ہے۔ سارہ اور ہاجرہ کی اولاد وذریات میں اس واقعہ سے تو کسی قسم کا کوئی اختلاف جو تمہارا خاص ذہنی اور مصنوعی ثابت ہوتا ہے۔ ذرہ بھر بھی پایا نہیں جاتا پھر یہ تفریق اور اختلاف اور اس کی مغویانہ تشہیر واشتعال سوائے تمہاری شرارت نفسی۔ تعصب مذہبی اور عداوت قلبی کے ہمیں یقین کیا ہو سکتی ہو اور کیا۔ باقی رہا یہ امر کہ توراۃ میں حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہ کی لونڈی بتلایا ہے۔ یہ بھی محض بہتان ہے اور کذب وافترا کا طوفان جسکی کامل تردید تمہاری ہی مرویات سے جناب ہاجرہ کے خاص حالات میں بالتفصیل قلمبند ہے۔

المولف الاحقر

سید اولاد حسین عفی عنہ

تاریخ مدین۔ چونکہ ارض مدین حضرت موسیٰ کا دار الہجرۃ ہے اور اہل مدین و بنی اسرائیل میں ہمیشہ تعلقات جنگ و صلح جاری رہے ہیں، اسلئے توراۃ میں مدین کے ذکر نہایت کثرت سے آئے ہیں۔ ہم انہیں کا اقتباس کریں گے اسکا سبب یہ ہے کہ یونان و روم کے عہد میں اسپر نبطی قابض تھے جنہوں نے مدین کو چھوڑ کر رقیم اور حجر کو آباد و مشہور کیا تھا۔

ہم مدین کا آغاز سنہ ۲۰۰۰ ق م سے فرض کرتے ہیں، کیونکہ پدر مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ سنہ ۲۱۰۰ یا سنہ ۲۲۰۰ ق م ہے۔ ایک خاندان کو قوم کی حیثیت پیدا کرنے کی کم از کم سو دو سو برس کی مدت ضرور ہوئی ہوگی اسلئے مدین توراۃ میں سب سے پہلے عہد یعقوب میں (سنہ ۱۷۰۰ ق م) سوداگروں کے بھیس میں نظر آتے ہیں۔ حضرت یوسف کو جو کاروان تجارت کنعان سے مصر لے گیا تھا، وہ یہی اہل مدین اور اسماعیلی عرب تھے۔ (تکوین ۲۷-۲۸-۶-۳۶-۳۰)

اسلئے قرآن مجید کی اس آیت میں۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ

اتنے میں ایک کاروان آیا جس نے اپنے پانی والے کو بھیجا اوس نے اپنا ڈول نکالا تو چلایا اے خوش نصیبی! یہ ایک لڑکا ہے۔ کاروان والوں نے ایک سرمایہ کی چیز سمجھکر یوسف کو مخفی رکھا اور خدا اون کے کاموں سے آگاہ تھا (مصر پہنچکر) اون لوگوں نے معمولی قیمت پر (یوسف کو) چند درم میں بیچ ڈالا۔ کیونکہ وہ یوسف کی قدر نہیں جانتے تھے۔ (یوسف)

کاروان سے انھیں اہل مدین کو مراد لینا چاہیئے اور مسلمان مفسرین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔ (معالم التنزیل تفسیر سورۂ یوسف)

یہ تجارت کی تاریخ کا سب سے پہلا صفحہ، اور اسماعیلی اور مدیانی عربوں کی تجارت کا سب سے پہلا قافلہ اور مصر میں انکے تاجرانہ سفر کی منزل اولین نظر آتی ہے مسیح سے دو ہزار برس پہلے قدامت پرست عرب کے اس مدیانی اور اسماعیلی قافلہ کا سامان تجارت وہی تھا جو عربوں کی تجارت کا ہمیشہ سامان رہا ہے خوشبودار چیزیں بلسان، صنوبر اور لبان۔ تکوین ۳۷-۲۶

اس واقعہ کے چار سو برس بعد تک مدین کی تاریخ پر خاموشی چھا جاتی ہے سبب یہ ہے کہ مدین کی سوانح نگار بنی اسرائیل ہیں اور یہ زمانہ بنی اسرائیل کے قیام مصر کا ہے۔ ۴۰۰ برس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ اور دعوت حق اور حب قومی کے جرم میں اونکو مصر سے ہجرت کرنی پڑی۔ تو اونکا ملجا بھی اسی قافلہ کی سرزمین

تھی۔ جو اون کی قوم کو چار سو برس پہلے مصر پہنچا گئی تھی یعنی مدین۔ خروج باب ۲ آیت ۱۸۔

مدین کی قوم عموماً اوس وقت جس کاروبار میں نظر آتی ہے، وہ وہی ہے جو تمام سامی قوموں کا پیشہ تھا اور جو حضرت موسیٰ کو مصر کی متمدن زندگی میں میسر نہ آتا۔ جو سام کے عظیم الشان پیغمبر کیلئے ضرور تھا کہ وہ جہانبانی سے پہلے گلہ بانی کا سبق لے۔ اس لئے قضائے الٰہی نے موسیٰ کو مصر کے تمدن زار سے نکال کر عرب کے بیابان اور سادہ ملک میں بھیج دیا۔ جہاں شرفائے سام نے ابتک اپنے آبائی عادات و اخلاق کو متروک نہیں کیا تھا۔

راعوئیل یا یثرو یا حوباب یا شعیب۔ تاہم مدین کے قبائل ایک منتظم زندگی رکھتے تھے شہروں میں مذہبی رسوم ادا کرنے کی تنظیم و انتظام کیلئے کاہن (مذہبی عہدہ دار) ہوتے تھے اور اکثر حالات میں یہی کاہن شہر کے قانونی حاکم بھی قرار پاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں جو کاہن تھا اوسکا نام توراۃ میں کہیں راعوئیل کہیں یثرو، کہیں حوباب مذکور ہے لیکن اکثر مسلمان مفسرین کے نزدیک یہ شعیب تھے۔ جو غالباً حوباب سے بہت قریب ہے۔ حضرت موسیٰ جب مصر سے ہجرت کرکے شہر مدین میں آئے تو انہیں حوباب یا شعیب کے یہاں مہمان ہوئے اور اونکے ہاں بکریاں چرانے کی خدمت قبول کی اور اوسکے معاوضہ میں حضرت شعیب نے اپنی ایک بیٹی حضرت موسیٰ کی زوجیت میں دیدی۔

قرآن مجید میں مدین کا ذکر دو سبب سے آیا ہے، اول حضرت شعیب اور دوم حضرت موسیٰ کے تعلق سے حضرت موسیٰ کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں۔

(۱) فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ (طٰہٰ)

اہل مدین میں چند سال رہا پھر اے موسیٰ تو ایک اندازہ پر آیا۔ (سورہ طٰہٰ)

(۲) وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ (القصص)

جب موسیٰ (مصر سے) مدین کیطرف چلا تو اوس نے کہا شاید میرا پروردگار مجھکو سیدھا راستہ دکھائے اور جب وہ مدین کے کنوئیں پر پہونچا تو وہاں چند لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔ (سورہ قصص)

(۳) وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ (القصص)

(اے محمد) تو اہل مدین میں مقیم نہ تھا اور نہ ان کی آیتوں کو پڑھتے ہوئے لیکن ہم بھیجنے والے تھے۔ (سورہ قصص)

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لیکر جب مصر سے حدود عرب میں آئے تو مدین کے کاہن نے انکا استقبال کیا۔ بنی اسرائیل غلامی کے عہد سے ابھی نکلے تھے، نظام و ترتیب سے ناآشنا تھے، بھیڑ کی طرح شب و روز پیغمبر کو

۱؎ خروج ۲: ۱۶، ۲۲

گھیرے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات کیلئے پیغمبر کے پاس دوڑے آتے تھے۔ مدین کے کاہن (شعیب) نے بتلایا کہ ایک قوم پر کیونکر حکومت کرنی چاہئے۔ اور اوسکی ترتیب و تنظیم کے کیا اصول ہیں۔ اول ہزار ہزار پر افسر ہوں۔ پھر سو سو پر اور پھر دس دس پر۔ صرف افسروں کے اختلاف رائے کے موقع پر امیر (حضرت موسیٰ) کی عدالت کیطرف رجوع کی جائے۔[10]

سولہ سو یا سترہ سو قبل مسیح حضرت موسیٰ کا عہد ہے۔ مدین پانچ شیوخ قبائل یا توراۃ کی اصطلاح کے مطابق پانچ بادشاہوں کے ماتحت تھا۔ انکے نام یہ تھے۔ عوی۔ رقم۔ صور۔ حور اور ربع۔ یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی عیسوی میں تھا اوسکا بیان ہے کہ شہر رقیم اسی مدیانی بادشاہ رقیم کے نام سے آباد ہے۔ عرب اب تک اسکو رقیم اور یونانی پیٹرا کہتے ہیں۔[11] اس بنا پر بیسویں صدی کے ایک مشہور مصری عیسائی مورخ کی تحقیق کہ الرقیم اس شہر کے یونانی غیر مشہور نام اراکہ کی تعریب ہے کس قدر مشکوک نظر آتی ہے۔[12] یوسیفوس خود اوس عہد کا شخص ہے جب یہ رقیم یا پیٹرا آباد تھا اسلئے اس سے زیادہ وثوق کے لائق تحقیق اور کیا ہو سکتا ہے؟

ان واقعات کے ذکر سے ہمکو یہ دکھلانا ہے کہ اسوقت مدین کا تمدن کس حد تک ترقی کر چکا تھا۔ اور نیز یہ بھی کہ اوس عہد قدیم میں مدین کی شمالی حد کہاں تک وسیع تھی۔ پیٹرا یا رقیم ملک شام کے جنوب بحر میت اور خلیج عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ اسلئے مدین کے حدود شمالی کو یہاں تک وسیع سمجھنا چاہئے۔

اس زمانہ کے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد شہر مدین کے چار اور بادشاہوں کا توراۃ میں ذکر آیا ہے۔ زابح۔ صلمناع۔ عوریب اور زئیب۔ ایک وقت میں چند بادشاہوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ ملک متفرق قبائل یا ریاستوں پر منقسم تھا۔

اہل مدین کی اخلاقی و مذہبی حالت اور بربادی

مدین کے قریب ہی موآب آباد تھا۔ مذہب کے اعتبار سے اہل مدین اور اہل موآب دونوں قوموں کی یکساں حالت تھی۔ تمدن کے جراثیم جن امراض کو پیدا کرتے ہیں وہ ایک ایک کر کے پیدا ہو چکے تھے۔ بتوں کی پرستش اور اونکے لئے قربانی چڑھانا۔ انکا مذہب تھا۔ تمام بتوں کا سردار بعل فغور نامی دیوتا تھا۔[13] اخلاقی حالت اسدرجہ پست تھی کہ شریف خاندان کی لڑکیاں انسانیت کا بدترین نمونہ تھیں۔[14] مردوں کا یہ حال تھا کہ ظلم و ستمگری[15] انکی زندگی کا معمولی پیشہ تھا۔[16]

---

[10] خروج ۱۸ [11] عدد ۳۱-۸ [12] یوسیفوس قدامة الیہود کتاب ۴ فصل ۷ [13] العرب قبل الاسلام جرجی زیدان۔
[14] سفر العدد ۲۵ و ۲ و ۳ [15] سفر القضاة ۶-۱ [16] سفر العدد ۲۵-۱-۶۔

بنی اسرائیل مصر سے آکر موآب میں خیمہ زن تھے۔ ان بدکاروں نے بنی اسرائیل کیلئے سازشوں کا دام پھیلانا شروع کیا عورتوں نے جوانان بنی اسرائیل کو جو اصل میں اس فوج کے سپاہی تھے اپنے قابو میں کر لیا سرداں سے باغی بنا دیا۔ بتوں کے سامنے انکا سر جھکوایا۔ بعل فعور کے لئے ان سے قربانیاں کروائیں[۵۱]۔ مردوں نے اس پاس کی قوموں سے سازباز کی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کر دیں۔ بنی عمان کے ملک سے وہاں کے پیغمبر بلعام (بلعم باعور) کو بلوایا کہ وہ اسرائیل کے لئے بددعا کرے اسوقت

"خدا نے موسیٰ سے کلام کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کے لئے اہل مدین سے انتقام لے اور اسوقت تو اپنی قوم میں مجتمع ہوگا۔" (سفر العدد ۳۱-۱۰)

ان حالات کی بنا پر بنی اسرائیل کو پھر اپنے قابو میں لانے کیلئے اور مدین کی گنہگار آبادی کی سزا دہی کیلئے ضروری ہوا کہ حسب حکم الٰہی مدین اور معاذ میں مدین سے جہاد کیا جاوے۔ موآب۔ حشبوں اور مدین کی متفقہ قوت کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ نے دو ہزار آدمی بھیجے۔ دشمن اپنی کثرت اور سامان کے باوجود کامیاب نہوئے مدین کے پانچ سردار۔ عوی۔ رقیم۔ صور۔ حور اور ربیع مارے گئے۔ تمام مرد۔ بچے اور عورتیں قتل ہوئیں۔ لڑکیاں قید ہوئیں۔ اور انکا سامان غنیمت میں ہاتھ آیا[۵۲]۔

قوم مدین کی اس تباہی کے بعد شہر مدین ہم اسماعیلی عربوں کے ہاتھ میں پاتے ہیں۔ اور اب اسکے بعد جن اہل مدین کا توراۃ میں ذکر ہے وہ یہی اسماعیلی ہیں۔ قوم مدین کی تباہی کے تقریباً ۵۰ برس بعد عمالیق اور دیگر عرب قبائل اسماعیلی مدین کی سرکردگی میں بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے۔ ہر سال جب غلہ پکنے کے قریب ہوتا آندھی کیطرح بنی اسرائیل کے ملک میں آتے اور غلہ گائے بیل اور گدھے جو کچھ پاتے سب لوٹ لیتے فرزندان اسماعیل آبادی چھوڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں روپوش ہو جاتے[۵۳]۔

آخر جدعون نامی ایک سردار ان میں پیدا ہوا جس نے بنی اسرائیل کی قوت کو مجتمع کیا اور صرف تین سو منتخب آدمیوں کو لیکر اس نے اہل مدین پر شبخون مارا۔ رات کی تاریکی میں دوست دشمن کی تمیز نہوئی۔ ایک لاکھ[۵۴] بیس ہزار اہل مدین خود اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عوریب اور ذئیب۔ مدین کے دو بادشاہ قید ہوئے جنکو نہایت ذلت سے قتل کیا گیا[۵۵]۔ اور دو بادشاہ زباح اور صلمناع پندرہ ہزار آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر نکلے اور انکو پناہ نہ مل سکی[۵۶]۔

حوباب یا شعیب۔ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ کے خسر کا نام توراۃ میں یترو اور حوباب مذکور ہے۔ توراۃ

---

[۵۱] سفر العدد ۲۵-۲ و ۳ [۵۲] سفر العدد ۲۲-۴-۲۷-۵ [۵۳] سفر العدد باب ۳۱ [۵۴] سفر القضاۃ باب ۶-
[۵۵] سفر القضاۃ ۸-۱۱ [۵۶] سفر القضاۃ ۷-۲۵

کے شرح عبرانی میں لکھا ہے کہ یثرو کے دس نام تھے" دس نام ہوں یا نہوں۔ دو نام تو خود توراۃ میں ہیں۔ ایک جرمن فاضل (HEINRICH EWALD) کہتا ہے۔

اصلی نام حوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جس کے لغوی معنی کامل کے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کے ان کاہن اور مسلمانوں کے ہاں امام کا لفظ۔ تاریخ بنی اسرائیل۔ ترجمہ انگریزی ج ۱ ص ۲۵۔ حاشیہ مصنفہ ایوالڈ۔

دوسری جگہ لکھتا ہے۔

حوباب کا نام قرآن میں اور عموماً مسلمانوں میں شعیب ہے۔ یہ نام حوباب کی تصحیف ہے ......

حضرت شعیب اور قرآن مجید۔ مدین اور حضرت شعیبؑ کا باہمی ذکر قرآن مجید کے تین سوروں میں آیا ہے۔ اعراف ہود اور عنکبوت۔ اور وہ حسب ذیل ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا

اور مدین کے پاس اون کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ شعیب نے کہا کہ اے بھائیو۔ خدا کو پوجو۔ اسکے سوا کوئی خدا نہیں تم پر خدا کی جانب سے گواہی آچکی۔ پیمانہ اور ترازو پوری کرو اور لوگوں کو اون کا حق کم نہ کرو۔ اور اصلاح کے بعد ملک میں فساد نہ ڈالو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور ہر راستہ پر دھمکانے کو نہ بیٹھا کرو اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اونکو رستہ سے روکو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھی نہ کرو۔ یاد کرو جب تم تھوڑے تھے۔ تو خدا نے تمکو بڑھایا اور دیکھو کہ مفسدوں کا انجام کیا ہوا۔ تم میں کچھ لوگ، جو پیغام دیکر میں بھیجا گیا ہوں۔ اوس پر ایمان لا چکے ہیں اور بعض نہیں لائے تو اوس وقت تک صبر کرو کہ خدا ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

سرداران قوم میں جو مغرور تھے۔ بولے کہ شعیب ہم تمکو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے۔ اونکو اپنی آبادی سے باہر نکال دیں گے۔ یا ہمارے آبائی مذہب کو پھر قبول کرنا ہوگا شعیب نے کہا کیا ہم نہ چاہیں تب بھی۔ اگر تمہارے مذہب

إِنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ
وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ۔
فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ۔
(اعراف)

کو جس سے ہم کو خدا نے نجات دی ہم پھر قبول کرلیں تو ہم خدا پر افترا باندھتے ہیں۔ خدا کی مشیت بغیر ہمکو پھر تمہارے مذہب میں جانا سزاوار نہیں۔ ہمارا پروردگار اپنے علم سے ہر شے کو محیط ہے ہم نے اوسی پر بھروسہ کیا ہے۔ ہمارا پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے لوگوں کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔
کفر پیشہ سرداروں نے لوگوں سے خطاب کرکے کہا کہ اگر شعیبؑ کی تم نے پیروی کی تو تم گھاٹے میں رہو گے پس کپکپاہٹ نے آکر اونکو پکڑ لیا۔ پھر تو وہ اپنی جگہہ پر پڑے کے پڑے رہ گئے۔ شعیب کے جھٹلانے والے گویا کہ ان گھروں میں کبھی آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ اور وہی گھاٹے میں رہے۔
شعیبؑ اونکو اسی حال میں چھوڑ کر ہٹا اور بولا اے میرے بھائیو! میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہونچا چکا۔ اور اپنی خیرخواہی کا فرض بھی ادا کرچکا۔ اب کیونکر کفر پیشہ قوم کی تباہی کا غم کھاؤں۔

اس سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں ہے:—

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ۔

مدین کی سمت ہم نے اون کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا بھائیو خدا کو پوجو۔ اوسکے سوا کوئی لائق پرستش نہیں۔ پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو میں تم کو بھلائی کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ اور ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کو تم پر ڈرتا ہوں۔ بھائیو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پوری رکھو۔ لوگوں کا حق کم نہ کرو۔ اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اگر ایمان والے ہو تو خدا نے جو باقی چھوڑا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور میں تم پر کوئی نگران نہیں مقرر ہوا۔

اس مصلح اور خیرخواہ قوم کو مغرور اور ناشنوا قوم کے لوگ جواب دیتے ہیں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ

لوگوں نے جواب دیا شعیبؑ کیا تمہاری یہ نماز تمکو کہتی ہے کہ ہمارے اسلاف جسکو ہم پوجتے تھے اوسکو چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو

الرَّشِيدُ۔

چاہیں وہ نہ کریں۔ تم ہی بڑے عقلمند اور نیک ہو۔

نبی اللہ برحق گمراہ قوم کو پھر تکرار سمجھاتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ

شعیبؑ نے کہا کہ۔ بھائیو۔ اگر میں اپنے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیل پر قایم رہوں اور جو کچھ اوس نے حلال روزی دے رکھی ہے۔ اوسپر قانع رہوں تو تمہارا کیا حرج ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری مخالفت کر کے وہ کروں جس سے تمہیں روکتا ہوں میں تو اپنی طاقت بھر تمہاری اصلاح چاہتا ہوں مجھکو توفیق خدا ہی کے زور سے ہے اوسی پر بھروسہ ہے اور اوسی کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔ بھائیو۔ صرف میری دشمنی اسکا باعث نہو کہ جسطرح نوح اور ہود کی قوموں پر عذاب پہونچا۔ تم پر بھی پہونچے۔ لوطؑ کی قوم تم سے دور نہیں۔ اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو۔ اوسکے سامنے توبہ کرو۔ خدا رحمت اور محبت والا ہے۔

کافران قوم اس دلسوزانہ موعظت کا یوں مغرورانہ جواب دیتے ہیں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ

وہ بولے شعیبؑ ہم تمہاری بہت سی باتیں نہیں سمجھتے اور ہم اپنے میں تمکو کمزور پاتے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا لحاظ نہوتا تو ہم تمکو سنگسار کر چکے ہوتے اور کچھ تم ہمپر غالب بھی نہیں۔

زبان رسالت نہایت متانت سے انکشاف معرفت کرتی ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ۔

شعیب نے جواب دیا۔ بھائیو کیا میرا خاندان۔ خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک لحاظ کے قابل ہے۔ جو تم نے اوسکو پس پشت ڈالدیا۔ میرا پروردگار تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ بھائیو۔ تم اپنے مقام پر کام کئے جاؤ۔ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ کسپر آج عذاب رسوا آ لیگا۔ اور کون جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔

آخر ان بدکاروں کا نتیجہ یہ ہوا :۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور اوسکے ساتھ ایمان لانے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ (ہود)

والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جو ظالم تھے اونکو چیخ نے آگھیرا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان میں رہے نہیں۔ ثمود کی طرح مدین کیلئے بھی ہلاکت ہوئی۔ (ہود)

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ (عنکبوت)

مدین کے پاس ہمنے شعیب کو بھیجا۔ اوس نے کہا کہ بھائیو، خدا کو پوجو اور روز آخرت کی توقع رکھو۔ اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اونہوں نے جھٹلایا تو یکایک ہٹ نے آلیا۔ اور وہ اپنے اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔ (عنکبوت)

ان آیتوں میں مدین کے جن حالات کی طرف تلمیح واشارت ہے۔ چونکہ مدین کی تاریخ ہمارے مفسرین کے پیش نظر نہ تھی اسلئے انکی بہت سے عقدے ناکشودہ رہ گئے ہیں سب سے اول یہ کہ وہ اہل مدین و بنی اسرائیل کے باہمی واقعات بجز واقعہ قرابت حضرت موسیٰ و شعیب علیہما السلام کے ناواقف ہیں اس بنا پر ان آیات کی تفسیر میں ان واقعات کا کوئی تعلق ظاہر نہیں کرتے۔ حالانکہ ہماری رائے میں یہ آیتیں تمام تر انہیں واقعات سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے۔ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا (مدین کی طرف اونکے بھائی شعیبؑ کو بھیجا) اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ یہاں مدین سے قوم مدین مراد ہے ثانیاً یہ کہ شعیب مدین کے خاندان سے تھے۔

مخاطبت شعیب و مدین کا پہلا فقرہ یہ ہے۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (اعراف وہود) اے قوم خدا کی پرستش کرو۔ اسکے سوا تیرا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ بعل فغور وغیرہ دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ اسیکی تردید ہے۔

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (اعراف) وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (ہود)

ناپ اور تول پوری پوری رکھو۔ اور لوگوں کو اون کی چیزیں کم نہ دو (اعراف) پیمانہ اور ترازو کم نہ کرو۔ میں تم کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ گھیر لینے والے دن کا عذاب تم پر آئے لوگو! پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک رکھو۔ لوگوں کو اونکی چیزیں کم نہ دو۔ (سورہ ہود)

آغاز فصل میں معلوم ہو چکا ہے کہ مدین ایک تاجر قوم تھی۔ اور غالباً دنیا کی تاریخ میں اس پیشہ کی سب سے پہلی قوم ظاہر ہوتی ہے۔ اس بنا پر اوسمیں یہ مذموم صفت ہوگی۔ جو حالات کے لحاظ سے بالکل مناسب ہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکل کر صحرا میں آئے تو اون کے ساتھ رسد کا سامان نہ تھا۔ قریب وجوار کی قوموں

سے بقیمت خریدتے تھے۔ یا بجبر چھین لیتے تھے۔ شاید مدین کے اس وصف تجارت کا بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے بھی تعلق ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے مراد صرف خرید و فروخت کی کمی و بیشی بلکہ سود، بٹہ اور دیگر اصناف تجارت ممنوعہ مراد ہیں جن کے ذریعہ سے تاجر و صاحب معاملہ لوگوں کو ان کے حق جائز سے ہمیشہ کم بالیت دیتے ہیں اسی بنا پر حضرت شعیبؑ کی قوم کا جواب یہ ہے۔

أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (ہود) کیا اس سے بھی کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں تمہاری نماز روکتی ہے۔

اس رائے کی تائید ذیل مفسرین کی بعض روایات سے بھی ہوتی ہے۔

وقيل نهاهم عن قطع الدنانير والدراهم فانه محرم عليهم فقالوا او ان نفعل في اموالنا ما نشاء　　معالم التنزيل البغوي

کہتے ہیں کہ شعیبؑ نے ان کو درہم و دینار میں بٹہ لینے سے منع کیا تھا اور کہا کہ یہ حرام ہے انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے موافق کام نہ کریں۔ (تفسیر معالم التنزیل بغوی۔ ہود)

محمد طبری (ابن جریر) تاریخ میں لکھتے ہیں:—

عن زيد ابن اسلم في قوله عز وجل اصلوتك تامرك ان نترك ما يعبد آباؤنا او ان نفعل في اموالنا ما نشاء قال كان مما نهاهم عنه حذف الدراهم او قال قطع الدراهم

زید ابن اسلم سے اس آیۃ اصلوتک الخ کے ذیل میں مروی ہے کہ شعیبؑ ان کو بٹہ سے منع کرتے تھے۔

عن محمد ابن كعب القرظي قال بلغني ان قوم شعيب عذبوا في قطع الدراهم ثم وجدت ذلك في القرآن اصلوتك تامرك ان نترك ما يعبد آباؤنا او ان نفعل في اموالنا ما نشاء

محمد ابن کعب القرظی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ قوم شعیبؑ کو بٹہ لینے کے باعث عذاب دیا گیا۔ پھر مجھے قرآن مجید میں یہ آیت ملی۔ (تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۳۴۳ یورپ)

اسکے بعد ارشاد باری ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (اعراف)

اصلاح کے بعد ملک میں فتنہ نہ برپا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر ایماندار ہو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (ہود)

ملک میں فتنہ و فساد نہ پھیلاؤ۔

عموماً مفسرین تا آنکہ امام رازی بھی "فتنہ و فساد" سے "کفر" اور "اصلاح" سے بعثت شعیبؑ مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مقصود بعد صلح و امان بنی اسرائیل کے ساتھ مخالفت و منازعت اور سازش و خونریزی ہے۔ اسلئے اسکے بعد یہ الفاظ ہیں۔

ملہ سفر تثنیۃ الاشتراع ۲ — ۳۶

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (ہود)	ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ خدا نے جو باقی رکھا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ (ہود)

بقیہ۔ کا مطلب ہمارے مفسرین یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرام کے بعد جو حلال چیزیں باقی رہ گئی ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہیں حرام کی کیوں طلب کرتے ہو۔ لیکن اس حالت میں اول آیت کو آخر آیت سے کیا تعلق رہیگا۔ ملک میں فساد نہ کرو کہ باقی حلال چیزیں کافی ہیں۔ ملک میں فساد اور حلال چیزوں پر قناعت۔ دونوں بے ربط باتیں ہو جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک مدین کی تاریخ کو پیش نظر رکھنے سے مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے۔ مدین چاہتے تھے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے آکر جو ملک کا حصہ لے لیا ہے واپس لے لیں۔ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ فتنہ و فساد سے فائدہ نہیں۔ خدا نے جو کچھ باقی رکھا ہے اسی پر قناعت کرو۔ اہل مدین اسکے جواب میں کہتے ہیں۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (ہود)	کیا اے شعیبؑ تمہاری یہ نماز کہتی ہے کہ اسلاف کے طریقہ پرستش کو ہم چھوڑ دیں۔ یا ہم اپنے مال میں جو چاہیں وہ کرنا چھوڑ دیں تم ہی بڑے عقلمند (یا بردبار) اور نیک ہو۔ (سورہ ہود)

اس جنگ کی غرض صرف دو تھیں ایک یہ کہ اپنے دیوتا بعل فور کی اہانت کا انتقام لینا تھا۔ اسرائیل کے خدا کا مقابلہ کرنا تھا اور دوسرے یہ کہ عین طریقہ ممنوعہ کے ذریعہ سے ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے ملک و دولت کی واپسی کر لینا ہے۔ اہل مدین کہتے ہیں کہ کیا ہم ان دونوں چیزوں سے باز آجائیں۔ اور طعنا کہتے ہیں کہ تم بھی بڑے نیک اور عقلمند ہو یا یہ کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ملک و قوم کی مذہبی و مالی بربادی پر تمکو غصہ اور ملال نہیں آتا۔ تم حقیقت میں بڑے بردبار اور نیک آدمی ہو۔ حضرت شعیبؑ جواب میں فرماتے ہیں۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔ (ہود)	کہا ہو۔ بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی دی ہوئی روشنی پر ہوں اور جو حلال روزی اس نے دے رکھی ہے اسی پر قانع رہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم سے مخالفت کرکے میں وہ کروں جس سے تمکو روکتا ہوں۔ میں تو تا حد امکان صرف اصلاح چاہتا ہوں اور اوسکی توفیق خدا کا وسیلہ ہے۔ (ہود)

اصلاح سے مقصود اصلاح روحانی بھی ہو لیکن مدین و بنی اسرائیل کے مابین اصلاح کی کوشش کی طرف زیادہ مناسبت ہے۔

لیکن باینہمہ ارشاد و ہدایت مفسدین اپنے فساد و تباہ کاری سے باز نہ آئے حضرت موسیٰ کے حکم کے مطابق

قوم مدین کے تمام مرد بچے اور منکوحہ عورتیں قتل کی گئیں اور ۳۲ ہزار کنواری لڑکیاں لونڈی بنائی گئیں (سفر اعداد ۳۱۔ ۱۵ - ۱۷ - ۱۷ - ۳۵ - ۴۰ - ۴۶) قوم مدین کی زندگی کی یہ آخری تاریخ تھی۔

صورت عذاب الٰہی اور مدین کی بربادی و تباہی کی تفصیل یہ ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (اعراف)

انکو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے۔ (اعراف)

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (هود)

جنہوں نے ظلم کیا انکو چیخ نے آلیا پس اپنے اپنے مکانوں میں پڑے رہ گئے (هود)

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (عنکبوت)

انکو ایک کپکپی نے آلیا پس وہ اپنے گھروں میں پڑے رہ گئے (عنکبوت)

کپکپی اور چیخ سے مطلق عذاب مراد ہے۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (هود)

ہاں ہلاکت ہو مدین کیلئے جس طرح ہلاک ہوئے ثمود (هود)

ثمود کی امثالی خصوصیت اسلئے ہے کہ پہلے اس مقام پر وہ آباد تھے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (اعراف)

شعیبؑ اہل مدین سے علیحدہ ہو گئے اور کہا کہ لوگو میں اپنے خدا کے پیغام تمکو پہونچا چکا تھا۔ اور تمہاری خیرخواہی بھی کر چکا تھا پھر کس طرح میں کافر قوم پر غم کروں (اعراف)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (هود)

جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے شعیبؑ کو اور انکو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے نجات بخشی۔ (هود)

حضرت شعیبؑ کے متبع کون تھے۔ صرف انکے اعزہ اور ہم خاندان۔ اسلئے کافروں نے کہا۔

لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (هود) اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تجھکو سنگسار کر دیتے۔ حضرت شعیبؑ نے کمال استغنا سے فرمایا اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (هود) کیا میرا خاندان خدا سے زیادہ تمہارے نزدیک قوی ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کا خاندان حضرت شعیبؑ کا متبع تھا۔ اسلئے حضرت شعیبؑ کے ساتھ جن لوگوں نے نجات پائی وہ یہی لوگ تھے۔

اس واقعہ میں قرآن اور توراۃ کی مطابقت۔ مذکورہ بالا سطروں میں ان دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے حضرت شعیبؑ اور انکا خاندان اہل مدین سے جدا ہو گیا۔ اونہوں نے نجات پائی۔

حضرت موسیٰؑ نے مدین کی پہلی جنگ کے بعد جب کنعان کیطرف کوچ کا ارادہ کیا تو حضرت شعیبؑ

کے ساتھ) اوس موقع کی گفتگو ہے۔

موسیٰ نے حوباب بن راعوایل مدیانی اپنے خسر سے کہا کہ ہم یہاں سے اوس مقام کو کوچ کرنے والے ہیں جو خداوند ہمکو دینے والا ہے۔ ہمارے ساتھ آؤ کہ ہم تمہارے ساتھ بھلائی کریں۔ کیونکہ خداوند نے اسرائیل سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔ حوباب نے جواب دیا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا بلکہ اپنے ملک و مولد کو واپس جاؤنگا۔ موسیٰ نے کہا کہ ہمکو نہ چھوڑ جاؤ۔ تم سے التجا کرتا ہوں۔ کیونکہ جیسا تم جانتے ہو کہ ہم ویرانہ میں ہم خیمہ زن ہیں۔ تم ہمارے لئے بجائے آنکھ کے ہو۔ (اعداد ۱۰-۳۰)

دوسری جگہ ہے۔

موسیٰ کے خسر قینی کے بیٹے بنی یہوداہ کے ساتھ قریۂ نخل سے چلے اور یہوداہ کے ساتھ جو تیمن کا تھا اونکے حصہ کے ساتھ میدان میں سکونت کی۔ (قضاة ۱-۱۶)

مدین کی جنگ سے ایک باب پہلے مذکور ہے۔

حابر قینی اپنے دوسرے قینی بھائیوں کے ساتھ۔ جو موسیٰ کے خسر حوباب کے بیٹے تھے۔ پہلے ہی علیحدہ ہوگیا تھا۔ اوس نے اپنا خیمہ اوس وادی میں کھڑا کیا جس کا نام ضعنیم ہے۔ قادس کے پاس (قضاة ۴-۱۱)

تالمود بابل میں ہے۔

یترو (شعیب) نے اوسکی مخالفت کی اور جب اوسکی نصیحت رد کردی گئی تو اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور چلا گیا۔ اسلئے اوسکی اولاد سنہدرم[1] کی رکن مقرر ہوئی۔

یوسیفوس یہودی جس نے پہلی صدی عیسوی میں تاریخ یہود لکھی ہے۔ لکھتا ہے۔

اونہوں نے موسیٰ کے خسر یترو مدیانی کے خاندان کو بھی زمین دی جس نے اپنا ملک چھوڑ دیا تھا اور ادھر ہی ان لوگوں کے ساتھ رہا تھا۔ (قدامت الیہود کتاب ۵ باب ۲)

قوم مدین کی تباہی عام جس کی قرآن نے خبر دی ہے تورات سے اسکا ثبوت متعدد طور پر بہم پہونچ سکتا ہے

اولاً یہ کہ قوم مدین کی تباہی کے موقع کے تورات میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

بنی اسرائیل نے مدین سے جنگ کی اور اون پر غالب آئے اور تمام مردوں کو۔ بچوں کو اور عورتوں کو قتل کیا۔

(اعداد ۳۱-۷-۱۸)

ثانیاً یہ کہ اسکے بعد مدین کی تباہی عبرانی صحیفوں میں ہمیشہ ضرب المثل رہی ہے: زبور داؤد میں ہے۔

---

[1] یہودیوں کی اعلیٰ مذہبی عدالت۔ جس کا رئیس کاہن اعلیٰ ہوتا تھا۔ اور اسکے علاوہ اور ستر ممبر ہوتے تھے۔

[2] ہسٹنگز ڈکشنری آف بائبل ص ۱۸۸

باشندگان (شہر) مدین، اسماعیلی، اہل مواب، ہاجری، عمون اور عمالیق . . . . خدایا ان کو (قوم) مدین کی طرح کردے۔ (زبور ۸۳ - ۶)

اشعیاء نبیؑ کہتے ہیں :—

خدائے افواج ان پر ایک کوڑا بھیجے گا۔ مدین کی مار کی طرح، عوریب کی چٹان پر۔ (۱۰ - ۲۶)

شہر مدین کی پچھلی تاریخ۔ لیکن باایں ہمہ شہر مدین کا وجود باقی تھا۔ جس کا نشان تاریخی زمانہ اسلام تک ملتا ہے حضرت داؤد جن کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۰۰۰ ق م ہے زبور ۸۳ - ۶ میں باشندگان مدین کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں ایک ادومی شہزادہ ہداد بھاگ کر مدین سے آیا تھا (سلاطین اول ۱۱ - ۱۸) اشعیاء نبیؑ جو تقریباً سنہ ۸۰۰ ق م میں تھے۔ مدین کی اونٹنیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جو یروشلم میں تجارت کا مال لائیں گی (۶۰ - ۶) حبقوق نبیؑ ایک پرجلال پیغمبر کی آمد آمد کی خبر سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین مدین کی کھال میں رعشہ پڑجائے گا۔ (۳ - ۷)

یونانی اور رومی مصنفین نے مدین کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس مقام کا نام وہ نباطیا (NABATEA) بتاتے ہیں سبب یہ ہے کہ اس عہد میں اس ملک میں نبط آباد تھے (FORESTERS GEOG 323) اور یہ امر بالکل ہماری جمہوری (تجویز) کے مطابق ہے حضرت اسماعیلؑ کی ایک اولاد کا نام نبط تھا۔ اور توراۃ کے حوالہ سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قوم مدین کی تباہی کے بعد اسماعیلی عرب مدین کے مالک تھے بطلیموس نے البتہ عرب کے ایک مقام کا نام موڈیانہ (MODAYANA). لکھا ہے جسے بعض لوگ مدین سمجھتے ہیں (BURTONS GOLD MINES 179)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے عموماً مدین کا ذکر کیا ہے۔ ابو الفدا نے جغرافیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قدیم آثار پائے جاتے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اپنے ترکی جغرافیہ جہاں نما میں بیان کیا ہے کہ یہاں جو آثار و عمارات ہیں ان پر کتبات ہیں جن پر بادشاہوں کے نام مرقوم ہیں۔

محققین یورپ میں سے متعدد اشخاص نے خاص مدین کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے جن میں ایک شخص (BURTON) برٹن خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے ایک بار مکہ معظمہ و مدینہ منورہ تک سفر کیا اور دوسرے بار خدیو مصر اسماعیل پاشا کے حکم سے سنہ ۱۸۸۶ء میں سونے کی کان کی تلاش میں مدین تک گیا۔ یہاں بہت سے کتبات ملے جن پر نبطی خط منقوش ہے۔ رومیوں کے عہد میں یہاں کے باشندوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔ مسلمان شعراء کے اقوال سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔[1]

---

[1] دیکھو معجم البلدان یاقوت۔

رہبان مدین والذین عہدتہم ... یبکون من حذر العذاب قعودا

رہبان مدین لو رأوک تنزلوا ... والعصم فی شعف الجبال القادس

وداں

یا

اصحاب الایکہ

قرآن مجید میں عرب کی ایک قوم کا اصحاب الایکہ کے نام سے ذکر ہے۔ ایکہ کے معنی جنگل کے ہیں۔ اس قوم کے پیغمبر بھی حضرت شعیب ہی تھے جنکا ذکر مدین میں گذر چکا ہے۔ اس اتحاد سے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی چیز ہیں۔ اونکا قیاس ہے کہ ملک مدین کے پاس جنگل تھا۔ جہاں مدین کی قوم کبھی کبھی قیام کرتی تھی اسلئے اونکو اصحاب الایکہ یعنی جنگل والوں کے نام سے خطاب کیا گیا (معالم التنزیل البغوی سورۂ شعراء ق ۔ص)

مسلمان جغرافیہ نویس ان اطراف میں کسی جنگل کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اون کی رائے ہے کہ شہر تبوک جو مدین کے مقابل مدین سے ۶ مرحلہ پر واقع ہے اوسی کا نام ایکہ تھا اور خود اہل تبوک کو بھی اعتراف ہے کہ اسکا پہلا نام ایکہ ہے۔ (معجم البلدان ۔ ایکہ)

قرآن کی رو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدین اور ایکہ دو چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کا حضرت شعیب سے سوال وجواب، طرز خطاب اور پھر آخر بربادی اور طریقہ بربادی بالکل مختلف ہے۔ اس بنا پر کون دعوی کرسکتا ہے کہ مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ سب سے بڑی اشتباہ کی صورت یہ ہے کہ عام معلومات کے لحاظ سے ان اطراف میں جنگل کا نشان نہیں۔ ورنہ اہل تفسیر و روایت واہل جغرافیہ اسکا ذکر کرتے۔ اس دشوار گذار راہ کے طے کرنیکے ہم طالب ہیں

اتنا تو ظاہر ہے کہ مدین اور ایکہ میں کوئی شدید تعلق تھا۔ اور انکا زمانہ بھی باہم ایک تھا جس کی بنا پر دونوں آبادیوں کے لئے ایک ہی پیغمبر کی بعثت ہوئی۔ نیز قرآن نے دونوں کے اخلاق کا نقشہ بھی ایک ہی کھینچا ہے۔ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ مدین جو حضرت ابراہیم کی بی بی قطورہ کے بطن سے تھا۔ اوسکے کئی بھائی اور بھی تھے

اور ان بھائیوں کی اولاد دیں تھیں۔ توراۃ میں انکا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ابراہیم نے قطورہ نام ایک دوسری بیوی کی۔ جو زمران۔ یقشان۔ مدان۔ مدیان۔ یشباق اور شوخ کو جنی۔ یقشان نے شبا اور ودان کو پیدا کیا اور بنو ددان۔ اشوریم۔ لطوشیم اور لاومیم تھے۔ مدیان کے بیٹے۔ عیفا۔ عوفیر۔ حنوخ۔ ابی داع اور العاتھے۔ یہی لوگ بنی قطورہ ہیں۔ ابراہیم نے جو کچھ تھا وہ اسحاق کو دیا۔ اور ان کنیز زادوں کو بھی کچھ دیا اور انکو اپنے بیٹے اسحاق سے الگ کر دیا۔ اور ابراہیم اسوقت پورب کیطرف پورب کے ملک میں تھا۔ (یعنی عرب) سفر خروج باب ۲۵)

توراۃ نے قطورا کی متعدد اولاد در اولاد میں سے صرف دو کی تفصیل کی ہے۔ بنو مدین اور بنو ودان۔ بنو مدین کے متعلق بتحقیق معلوم ہے کہ بحر احمر پر خلیج عقبہ کے سامنے شہر مدین میں آباد تھے۔ اسلئے تسلیم کرنا چاہیے کہ بنو ودان بھی انھیں سواحل پر مدین کے قریب آباد ہونگے۔ توراۃ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ انہیں اطراف میں آباد تھے۔

تیما۔ دوان۔ بوض۔ جو سر کے بال منڈاتے ہیں۔ اور تمام عرب کے بادشاہ۔ (ارمیاہ ۲۵-۲۳)

تیما شمالی عرب میں حجاز سے شام کے راستہ پر واقع ہے۔ اسی کے قریب ودان کو ہونا چاہیے یمن سے سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے گذر کر خلیج عقبہ کے کنارہ تیما روغیرہ کو قطع کرتی ہوئی۔ ایک نہایت قدیم و مشہور تجارتی سڑک واقع ہے۔ جو قدیم زمانہ میں ہندوستان یمن اور مصر و شام کے کاروانوں کا تنہا راستہ تھا اس راستہ کا ذکر تمام قدیم جغرافیوں میں موجود ہے۔ وادی القریٰ ثمود کا مسکن۔ مدین قوم شعیبؑ کی آبادی سدوم قوم لوط کا مقام اور تیمہ تبوک تیما اور رقیم (یونانی پٹرا) اسی سڑک پر یا بین حجاز و شام واقع ہیں۔ توراۃ کے اعتبار سے ودان بھی یہیں تھا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ اصحاب الایکہ بھی اسی سڑک پر ہیں۔ قوم لوط جو سدوم میں آباد تھی اوسکے ذکر کے بعد ارشاد ہے۔

اور جنگل والے یقیناً حد سے گذر جانیوالے تھے۔ تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور یہ (سدوم و ایکہ والے) دونوں کھلے راستہ پر ہیں۔	وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُبِينٍ

یہ وہی راستہ ہے جسکا ذکر ہمنے کیا۔ اور جس کو تاریخ قدیم میں نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس بیان سے قرآن مجید اور توراۃ مقدس دونوں کی رو سے ودان یا اصحاب الایکہ کا مسکن متعین ہو گیا۔

اصحاب الایکہ جنگل والے ضرور تھے قرآن نے انکو اصحاب الایکہ جنگل والے کیوں کہا۔ کیا انکا وطن جنگل میں تھا؟ ہاں جنگل میں تھا۔ اور آٹھ سو برس کے بعد بھی جنگل میں تھا۔ اشعیاہ نبی بنو خذ نصر (بخت نصر) کے خروج سے تمام اقوام کو متنبہ کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں عرب

کی طرف خطاب ہے۔

عرب پر بار (مصیبت) ہے جبکہ جنگل میں ودان والو کی راہ میں تم شام بسر کرو۔ اے تیمن کے باشندو! پیاسوں سے پانی لیکر ملو۔ اور شکست کھانے والوں کے لئے روٹی لیکر نکلو (۲۱-۱۳)

مسیح سے نئو برس اور اسلام سے سات سو برس پہلے بھی یہاں جنگل موجود تھا۔ ایک یونانی جغرافیہ نویس مدین اور خلیج عقبہ کے آس پاس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جس کو لوگ تنا کہتے ہیں یا نافۃ البحر کہ یہ جانور وہاں پائے جاتے ہیں۔ یہ تنا قریب ایک راس (راس محمد خلیج عقبہ) کے واقع ہے جو بغایت پر از اشجار ہے۔ یہیں سے ایک سیدھی سڑک (شاید شمال کو) اوس شہر کو جاتی ہے جس کا نام پٹرا (رقیم) ہے۔ اور فلسطین کو جاتی (شام) ہے جہاں اہل قریہ (سبا، دیدان، سجریت) معین اور تمام عرب قریب میں رہتے ہیں اور بالائی ملک سے بخورات اور کہا گیا ہے کہ خوشبودار چیزوں کے بنڈل لاتے ہیں - برٹن گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۷۹-۱۸۰

اٹھاسی (۸۸) باب میں دوسری جگہ لکھتا ہے :-

خلیج عیلانہ (عقبہ) کے پیچھے چاروں طرف نبطی عرب رہتے ہیں۔ (ارض مدین یہ ہے) پتھیانوس (بنو تیمن) کا ملک ہے۔ جو وسیع اور مسطح ہے اور سیراب و زرخیز ہے۔ وہاں نباتات و اشجار کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ جو تا بقد آدم ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے جنگلی اونٹ۔ ہرنوں کے گلے۔ بارہ سنگھے رہتے ہیں اور نیز مویشی اور بھیڑ کے گلے لیکن ان مواہب قسمت کیساتھ شیر اور بھیڑیوں کا وجود بھی ہے جن سے یہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی مبدل بہ بدقسمتی ہے۔

جس تیمن کا اس جنگل کے پاس ذکر ہے بعینہٖ اسی کا جغرافیہ یونانی میں بھی ہے۔ اس سے بڑھکر توثیق یہ ہے کہ اصحاب الایکہ (جنگل والوں) کے ملک کا ایک مشہور واضح شاہراہ (امام مبین) پر ہونا قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ بعینہ یہی بیان ایک جغرافیہ میں بھی ہے :-

اس جگہ سے متصل وہ جگہ ہے جسکو لوگ تنا کہتے ہیں ...... یہ ایک راس کے قریب ہے جو نہایت پر از اشجار ہے یہیں سے ایک سیدھی سڑک رقیم اور فلسطین کو جاتی ہے۔

یہ جغرافیہ نزول قرآن سے سات سو برس پہلے لکھا گیا ہے۔ کیا اس سے بھی زیادہ قرآن کی صداقت کی کوئی دلیل مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں اصحاب الایکہ کا ذکر چار سوروں میں ہے حجر۔ شعراء۔ ص۔ ق۔ سب سے مفصل ذکر شعراء میں ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ	جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ جبکہ ان سے شعیب نے کہا

اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوْنِ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا عَلَى
اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا
تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي
الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ
الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا
كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔
قَالَ رَبِّيْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

کہ کیا تم نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا پیغمبر امین ہوں۔ خدا سے
ڈرو اور میری بات مانو اور میں تم سے اس کی اُجرت
نہیں مانگتا۔ میری اُجرت صرف خدا سے پروردگار عالم
پر ہے۔ ناپ اور تول پوری کرو۔ اور ٹوٹا دینے والوں میں
سے نہ ہو۔ اور ٹھیک ترازو سے تولو لوگوں کے حق کو کم نہ
کیا کرو۔ اور نہ زمین (ملک) میں فساد پیدا کرو اور اُس سے
ڈرو جس نے اور پہلی قوموں کو پیدا کیا۔

اونھوں (اصحاب الایکہ) نے کہا کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے
تم تو ہماری ہی طرح آدمی ہو۔ ہم تمکو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر سچے
ہو۔ تو آسمان سے ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا تو گرا دو۔
شعیبؑ نے کہا کہ میرا پروردگار تمہارے اعمال سے خوب
واقف ہے۔ لوگوں نے اونکو جھٹلایا۔ پس سایہ کے دن عذاب نے
اونکو آلیا۔ بیشک وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔ اسمیں
عبرت کی نشانی ہے۔ اُن لوگوں میں سے اکثر مومن نہ تھے۔

ددان بھی مدین کیطرح ایک تاجر قوم تھی۔ حزقیال نبی یروشلم کو خطاب کر کے کہتے ہیں صحیفۂ حزقیال (۲۷-۲۰-۲۱)

ددان تیرے تاجر ہیں۔ بیٹھنے کے فرش لاتے ہیں۔ اور عرب اور تمام رؤسائے قیدار تیرے
تاجر ہیں۔ بھیڑ۔ بکری ....

مدین کے موقع پر خدا نے فرمایا وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (ہم نے مدین کی طرف اونکے بھائی شعیبؑ
کو بھیجا) اور یہاں فرمایا اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ (اون سے شعیبؑ نے کہا) اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت شعیبؑ
مدین کے خاندان سے تھے۔ دوسرے بھائی ددان کے خاندان سے نہ تھے۔

ہمارے لائق محقق صاحب ارض القرآن نے ددان (اصحاب الایکہ) کے متعلق وہ تمام باتیں ثبوت
تحقیق تک پہونچا دیں جو قرآن مجید میں ان کی نسبت مرقوم ہیں۔ مگر آغاز واقعہ میں جو آیت مرعبارت ہے
اسکی کوئی تشریح نہیں فرمائی۔ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ (جنگل والوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی)
ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ سے پہلے بھی چند انبیا و مرسلین نے اس قوم پر تبلیغ رسالت کی تھی۔ مگر یہ
نشنوا نہ ہوئے۔ بخلاف مدین کے کہ اون کی نسبت تکذیب انبیاء کی تصریح نہیں فرمائی گئی ہے۔ اس بنا پر

مدین سے وہاں زیادہ گنہگار قوم ثابت ہوتی ہے۔

بنو سارہ

یا

بنو ادوم

ادوم جس قطعہ ملک میں آباد ہوئے تھے۔ یونانی ابتک اوسکو ایدومیا (ADOMIA) کہتے ہیں۔ بحر میتّت (بحر ملح) اور خلیج عقبہ (عیلانہ) کے بیچ میں واقع ہے۔ اسکے شمال میں بحر میت اور فلسطین جنوب میں شمالی خلیج عقبہ و مدین مغرب جزیرہ نما سینا۔ مشرق میں ارض مواب اور جوف عرب شمال ہے۔ ملک میں کوہ سعیر یا کوہ سراۃ طولاً شمال سے جنوب تک وسیع ہے۔ اسی لئے توراۃ میں ادوم کا مقام سعیر بتلایا گیا ہے۔

بنو ادوم یا بنو عیسو - اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حضرت یعقوب اور ادوم یا عیسو دونوں سگے بھائی تھے حضرت اسحاق کے بیٹے ربقہ کے بطن سے۔ یہ دونوں توام پیدا ہوئے تھے۔ چونکہ عیسو یعقوب سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اسلئے یہی اولاد اکبر قرار دئے گئے۔ انکے حالات کسیقدر تفصیل سے ہم پہلے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں اور مناسبت مقام کے اعتبار سے بار دیگر حسب ضرورت توراۃ کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

> اور جب اوسکے (ربقہ) جننے کے دن پورے ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اوس کے پیٹ میں توام ہیں اور پہلا لال رنگ گویا بالکل پشم کا لباس ہو نکلا اور اونھوں نے اوسکا نام عیسو رکھا اوس کے بعد اوسکا بھائی نکلا اور اوسکا ہاتھ عیسو کی ایڑی سے لگا ہوا تھا اور اوسکا نام یعقوب رکھا گیا۔ جب ربقہ سے یہ پیدا ہوئے تو اوسوقت اسحاق ساٹھ برس کا تھا۔ یہ لڑکے بڑھے۔ اور عیسو شکار میں ماہر اور جنگل کا رہنے والا تھا اور یعقوب نیک مرد خیموں کا رہنے والا تھا۔ اور اسحاق عیسو کو پیار کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اوسے شکار کا گوشت کھلاتا تھا۔ اور ربقہ یعقوب کو چاہتی تھی۔
>
> تکوین باب ۲۵ آیت ۲۴ - ۲۸

پھر باب ۲۶ آیت ۳۴ و ۳۵ میں لکھا ہے۔۔

> عیسو نے چالیس برس کے سن میں بیری حتی کی بیٹی یہودیت اور ایلون حتی کی بیٹی بشامہ سے بیاہ کیا اور وہ اسحاق اور ربقہ کے لئے جان کی تلخی کے باعث ہوئیں۔

متذکرہ بالا والدین کی ناراضی اوس پر یعقوب ورتبقہ کی خلاف تدبیریں اودوم یا عیسو کے ترک وطن کی باعث ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ توراۃ تکوین باب ۲۸ آیت ۵ تا ۹ میں مرقوم ہے۔

پس جب عیسو نے دیکھا کہ اسحاق نے یعقوب کو برکت دی اور اوسے فدان ارم میں بھیجا تاکہ وہاں سے اپنے لئے جورو کر لائے اور کہ اوس نے اوسے برکت دیتے ہی تاکید کر دی تھی کہ تم کنعانیوں کی بیٹیوں میں سے جورو مت کیجیو۔ اور کہ یعقوب اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری کر کے فدان ارم کو چلا گیا اور عیسو نے یہ بھی دیکھا کہ کنعان کی لڑکیاں میرے باپ اسحاق کی نظر میں منظور نہیں۔ تب عیسو اسماعیل کے پاس گیا اور محلات کو جو اسمعیل ابن ابراہیم کی بیٹی اور نبایوت (نبط) کی بہن تھی لی اور اوسے اپنی اور بیبیوں میں شامل کیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسو نے غیر قبیلہ میں اپنی شادی کر لینے کی غلطی کو۔ جو ان مفاسد کا اصلی باعث ہوئی تھی۔ اب قطعی طور سے سمجھ لیا اور حضرت اسماعیل ؑ کی صاحبزادی سے شادی کر کے اسکی تلافی کر لی۔ مگر جیسا کہ توریت باب ۲۷ آیت ۴۱۔ ۴۱ میں مرقوم ہے۔ عیسو نے اپنی ماں ربقہ اور بھائی یعقوب سے سوء مزاجی واقع ہو جانیکے سبب کنعان میں رہنا پسند نہیں کیا۔ اسلئے حضرت اسماعیل ؑ کے مقام سکونت کے قریب۔ جیسا کہ توراۃ اور تمام تاریخوں سے ظاہر ہے کوہ سعیر یا سراۃ میں اپنے بال بچوں سمیت قیام کیا۔

بیس برسوں کے بعد بھائی بھائی ملتے ہیں عیسو وہاں رہ گئے۔ ربقہ نے عیسو کی مخالفت سے ڈر کر اور نیز اس خیال سے کہ شاید یعقوب بھی کسی کنعانی عورت سے بیاہ کر لے اور وہ عورت بھی غیر قبیلہ اور جنس دیگر ہونے کے باعث میرے لئے تکلیف دہ ثابت ہو یعقوب کو یہ صلاح دی کہ تو اپنے ماموں لابن کے پاس فدان ارم میں چلا جا اور وہیں اوس وقت تک مقیم رہ جبتک کہ عیسو کا غم و غصہ کم ہو جائے اور اسی درمیان میں تو اپنے ماموں لابن کی بیٹیوں میں سے کسی کے ساتھ بیاہ کر لے۔ ربقہ نے اسحاق ؑ سے یہ صلاح کہہ دی اور اوس سے ہی یعقوب کو اجازت دلوادی۔ یعقوب اپنی ماں کی صلاح کے مطابق ماموں کے پاس چلے گئے اور بیس برس تک انہیں کے یہاں رہے اور اونکی لڑکی سے شادی کر لی۔ بیس برس کے بعد خدا نے یعقوب کو پھر کنعان واپس آنیکا حکم فرمایا۔ یہ وہاں سے چلتے وقت سوچے کہ راستہ میں کوہ سعیر پڑتا ہے اور وہ بھائی کا مسکن ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ مجھسے ناراض ہیں۔ ایسا نہو کہ سابق مخالفت کا مجھسے معاوضہ لیں اور میرے تمام قافلہ اور مال و متاع کو لوٹ لیں۔ یہ سوچکر یعقوب نے راستہ سے کچھ تحفہ بطور سفارت بھائی کا اس کا امتزاج لینے کیلئے انکی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ

اب یہ پورا واقعہ توراۃ کی اصلی عبارت میں حسب مفصلہ ذیل ملاحظہ ہو۔

اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے باپ ابراہیم کے خدا اور میرے باپ اسحاق کے خدا۔ اے خداوند۔ تو نے مجھے فرمایا کہ تو اپنی سرزمین اور اپنی زادبوم میں پھر جا۔ اور میں تیرا بھلا کروں گا۔ اور میں تو ان سب رحمتوں اور اوس ساری وفاداری کے ساتھ جو تو نے اپنے بندے سے کی ہے کسی کے لایق نہیں کہ میں اپنی لاٹھی لیکے۔ اس یردن (حاعت) کے پار گیا۔ اور اب دو غول بنا ہوں۔ میں تیری منت کرتا ہوں کہ مجھے میرے بھائی عیسو کے ہاتھ سے بچا لے کہ میں اوس سے ڈرتا ہوں۔ ایسا نہو کہ وہ آکے مجھے اور میرے لڑکوں کو اون کی ماؤں سمیت ہلاک کرے۔ تو نے تو کہا کہ میں تجھ سے اچھا سلوک کرونگا اور تیری نسل کو دریا کی ریت کے مانند کروں گا۔ جو کثرت سے ہرگز گننے کے قابل نہیں ہے۔ تکوین باب ۳۲ از آیت ۹ - ۱۲ -

اور وہ اوس رات وہیں رہا۔ اور جو اوسکے ہاتھ لگا۔ اپنے بھائی عیسو کے ہدیہ کے واسطے لیا۔ دوسو بکریاں بیس بکرے۔ دوسو بھیڑیاں بیس مینڈھے۔ اور تیس اونٹنیاں دودھ والی بچوں سمیت۔ چالیس گائیں۔ دس بیل۔ بیس گدھیاں اور دس گدھے۔ اور اوس نے اونھیں اپنے نوکروں کے ہاتھ میں ہر غول کو جدا جدا سونپا۔ اور اپنے نوکروں کو کہا کہ میرے آگے (پہاڑ سے) پار اترو اور غول کو غول سے جدا رکھو۔ اور پہلے کو اوس نے یوں کہا کہ جب میرا بھائی عیسو تجھ سے ملے اور تجھ سے پوچھے کہ تو کس کا ہے اور کہاں جاتا ہے اور یہ جو تیرے آگے ہیں کس کے ہیں۔ کہیو تیرے نوکر یعقوب کے ہیں۔ اوس نے یہ اپنے خداوند یعقوب کے لیے ہدیہ بھیجا ہے۔ اور دیکھ وہ آپ بھی ہمارے پیچھے ہے۔ اور اوسنے دوسرے اور تیسرے کو اور اون سب کو جو غول کے پیچھے ہو جاتے تھے۔ یہ کہہ کے حکم کیا کہ جب تم عیسو کو پاؤ اسی طور سے کہیو۔ اور علاوہ اسکے یہ کہیو کہ دیکھ تیرا چاکر یعقوب ہمارے پیچھے آتا ہے کہ اوس نے کہا کہ میں اوس ہدیہ سے جو آگے جاتا ہے اوس سے صلح کروں گا۔ تب میں اوس کا منہ دیکھوں گا۔ شاید کہ وہ مجھے قبول کرے چنانچہ وہ ہدیہ اوسکے آگے پار ہو گئے۔ پر وہ آپ اوس رات لشکر میں رہا۔ اور وہ اوسی رات کو اٹھا اور اپنی دو جوروں اور دو سہیلیوں اور گیارہ بیٹوں کو لیکے یبوق کے گھاٹ سے پار اترا۔ اور اونکو لیکے نہر پار کرایا۔ اور اپنا سب کچھ پار بھیجا۔ از آیت ۱۳ تا ۱۹

یعقوب نے اپنی آنکھیں اوٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ عیسو اور اوسکے ساتھ چار سو آدمی آتے ہیں۔ تب اوس نے لیاہ اور راخل کو اور دو سہیلیوں کو اور اون کے لڑکوں کو سب سے آگے رکھا اور لیاہ اور اوسکے لڑکوں کو پیچھے۔ اور راخل اور اوسکے بیٹے یوسف کو سب سے پیچھے۔ اور وہ آپ

اون کے آگے چلا اور اپنے بہائی پاس پہونچتے پہونچتے سات بار زمین پر جھکا اور عیسو اوس کے
ملنے کو دوڑا اور اوس سے گلے لگایا۔ اور اوس کی گردن سے لپٹا اور اوسکو چوما۔ اور وہ دونوں روئے
پہر اوس نے (عیسو نے) آنکہیں اوٹھائیں اور عورتوں اور لڑکوں کو دیکہا اور کہا کہ یہ تیرے
ساتھ کون ہیں وہ (یعقوب) بولا لڑکے جو خدا نے اپنی عنایت سے تیرے نوکر کو دئے ہیں۔ تب
سہیلیاں اور اون کے لڑکے نزدیک آئے۔ اور اپنے کو جہکایا۔ پہر لیاہ اپنے لڑکوں سمیت سامنے
آئی اور جہکی۔ آخر کو یوسفؑ اور راحل سامنے آئے اور اونہوں نے آپ کو جہکایا اور اوس نے کہا کہ
اس بڑے غول سے جو مجھے ملا تیرا کیا ارادہ ہے۔ وہ بولا کہ اپنے خداوند کی نظر سے مورد لطف ہوں۔
تب عیسو بولا مجھ پاس بہت ہے۔ بہائی میرے۔ جو تیرا ہے اپنے ہی لئے رکھئے۔ یعقوب نے کہا سو
نہیں۔ اگر میں تیری نظر میں منظور ہوں۔ تو میرا ہدیہ میرے ہاتھ سے قبول فرمایئے۔ کیونکہ میں نے تو
تیرا مونہہ دیکہا جیسا کہ خدا کا مونہہ دیکہتے ہیں اور تو مجھ سے راضی ہوا۔ میری برکت کو جو تیرے حضور
لائی گئی قبول کیجئے کہ خدا نے مجھپر شفقت کی ہے اور میرے پاس سب کچھ ہے۔ غرض اوس نے اوسے
یہاں تک تنگ کیا کہ اوس نے لے لیا۔ اور اوس نے کہا کہ آؤ کوچ کریں اور چلیں اور میں تیرے آگے
چلونگا۔ اوس (یعقوبؑ) نے کہا کہ میرا خداوند جانتا ہے کہ لڑکے نازک ہیں اور بہیڑ بکریاں اور گائیں
دودھ پلانے والیاں میرے پاس ہیں اور اگر دن بہر وہ ہانکے جائیں تو سارے گلے مرجائیں گے سو
میرے خداوند اپنے نوکر سے پیشتر روانہ ہو جائیے۔ اور میں آہستہ آہستہ جیسا کہ مواشی آگے چلنے کی
اور لڑکے سہ سکیں گے چلونگا۔ یہاں تک کہ سعیر میں اپنے خداوند پاس آپہونچوں۔ تب عیسو
نے کہا کہ مرضی ہو تو میں کئی ایک ان لوگوں میں سے جو اب میرے ساتھ ہیں۔ تیرے ساتھ چھوڑ دوں
وہ بولا کہ کیا ضرور ہے ؟ کاش کہ میں اپنے خداوند کی نظر میں صرف تنہا منظور ہوتا۔ تب عیسو اوسی
دن اپنی راہ لیکر سعیر کو پہر گیا۔ سفر تکوین باب ۳۳۔ از آیت ۱۔ ۱۶

اس عبارت توراۃ سے حضرت یعقوبؑ کے اس خوف و دہشت کا پورا حال معلوم ہو گیا جو عیسو اپنے بڑے بہائی کی طرف سے۔ اونکے دلمیں گذشتہ سوء مزاجی کی بنا پر جاگزیں تہی۔ مگر خلاف امید یعقوب کی یہ سوء خیالی اونکا حسن ظن ہی ثابت ہوا۔ اور عیسو اونکے ساتھ ویسا ہی پیش آیا۔ جو ایک سگے بہائی کے خلوص محبت کا مقتضی تہا۔ اور اس میں بہی کلام نہیں کہ یعقوب نے بہی اس خاص موقع پر عیسو کے ساتھ اوسی آداب تکریم کے محاسن کے اظہار کئے جو ایک چہوٹے بہائی کو بڑے بہائی کے ساتھ لازم اور مناسب ہوتے ہیں۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ باوجودیکہ آپسمیں ایک کو دوسرے کے ساتھ شکایت ضرور تہی۔ مگر حسب اصلیت اور قلبی

تعلقات کے عالم فریبیاں پیش نظر آگئے۔ تو پھر کچھ بھی نہیں تھا۔ ناگہاں ایک دوسری حالت ہی بدل گئی۔ عیسو جس کے خوف سے یعقوب تھر تھر کانپتے تھے یعقوب کے گلے سے لپٹا ہوا زار زار رو رہا ہے۔ اور یعقوب اسکے قدم پر اپنا فرق ادب جھکائے ہوئے شدت گریہ سے ہچکیاں لے رہے ہیں۔ اس نیرنگ حال کا کیا باعث بتلایا جائے سوا اسکے اوس مقلب القلوب والاحوال کی قدرت کاملہ۔ ان اللہ قادر علی کل حال

عیسو اور یعقوب کے باہمی حالات و واقعات اس تفصیل سے لکھنے سے خاص مدعا یہ تھا کہ اون کو تدبیر اور فاقد البصر علماء یہود و نصاری کی اس مغویانہ عالم فریبی کی پوری قلعی کھلجائے۔ جو بنی اسماعیل و بنی اسحاق کے مابین افتراق نسبی کے باعث سے دائمی منافقت اور قطعی بے تعلقی بتلاتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی متعصبین اپنے عوام تا مقدم ہیں ان واقعات الہامی کو پڑھکر عبرت اور غیرت کا سبق لیں۔ اور آئندہ سے ان مغویانہ اور عالم فریب کوششوں پر جرأت نہ کریں۔

ادوم کی حکومت۔ چند صدیوں کے بعد یہ خاندان بطور خاص ایک کثیر التعداد قوم بن گیا جس نے ۱۷۰۰ ق م سے پہلے ایک عظیم الشان حکومت قائم کی۔ اسی عہد میں بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تو ادوم کی حکومت مستحکم قائم ہوئی (سفر عدد ۲۰-۱۴) ساؤل (طالوت) جو بنی اسرائیل کے پہلے بادشاہ تھے اور جنکا زمانہ ۱۰۰۰ ق م ہے۔ انسے پہلے ادوم میں متعدد بادشاہ یا شیخ گذر چکے تھے۔ (تکوین ۳۶-۳۱)

توریت میں ادوم کی حسب ذیل مختلف آبادیوں کے نام مذکور ہیں۔ دنہابہ، بصری، تیمان، عویت، مشریقا، رحبوت اور فاعو (تکوین ۳۶-۳۱) ادوم کے دار الحکومت کا نام بصرہ کو بصری بھی سلع ہے۔ اسکو یونانی پیٹرا کہتے ہیں (ان دونوں کے معنی پتھر کے ہیں) لیکن عرب اسکو رقیم کہتے ہیں۔ اصل میں یہ بڑا پائی تخت شہر تھا۔ مدین کے بعد ادوم نے اسے فتح کر لیا۔ سلاطین ادوم کے نام یہ ہیں جو شاید پہلے زمانہ کے ہیں اور غیر مرتب ہیں لیکن توراۃ نے انکو مرتب و مسلسل ایک کے مرنیکے بعد دوسرے کو بادشاہ ظاہر کیا ہے۔ تکوین ۳۶-۳۱۔

تعداد	نام	مقام
۱	بالع ابن باعور	دنہابہ
۲	یوباب بن زارح	بصری
۳	حوشام	تیمان
۴	ہداد بن بداد	عویت
۵	سملہ	مشریقا
۶	شاؤل	رحبوت
۷	بعل حنان بن عکبور	ہ
۸	ہدار	فاعو

ادوم کی تاریخ

ادوم کی سب سے پہلی تاریخ یہ ہے کہ ہداد شاہ ادوم نے باشندگان مدین سے جنگ کی اور اونکو شکست دی۔ تیرہویں صدی ق م میں منیفیط اور رعمسیس سوم فراعنہ مصر نے ادوم پر حملہ کیا مصری کتبوں میں اس ملک کا نام ادومہ بتایا گیا ہے اور ادوم کو شاسو کا ہم قبیلہ کہا گیا ہے۔ (برٹینیکا ج ۸ ص ۹۲۹ و ج ۱۴ ص ۲۹۱)

ساؤل شاہ اول اسرائیل نے جنکو قرآن مجید نے برعایت جالوت۔ طالوت کہا ہے سب سے پہلے ادوم پر حملہ کیا۔ (سموال ۱۴-۴۷) حضرت داؤد شاہ ثانی اسرائیل نے ادوم کو فتح کر کے مملکت اسرائیل میں شامل کرلیا (۲ سموال ۸-۱۴) ہداد ادوم کا شاہزادہ بھاگ کر مدین آیا۔ اور یہاں سے مصر چلا گیا (سلاطین ۱۱-۱۶) حضرت داؤد کے مرنیکے بعد وہ اپنے ملک کو واپس آیا (سلاطین ۱۱-۲۲) اسکے بعد مختلف سلاطین بنی اسرائیل کے عہد میں بنو ادوم نے پرزور بغاوتیں کیں۔ (سلاطین ۸-۲۰-۲۲) اموصیاہ شاہ یہودیہ نے بحر میت کے ساحلی میدان میں ادوم پر ایک زبردست حملہ کیا۔ دس ہزار آدمی مارے گئے۔ ادومیوں کے پایہ تخت سلاع (پطرا) پر شاہ یہودیہ نے قبضہ کرلیا۔ اور اوسکا نام بدلکر یقتائیل رکھا۔ (۲ سلاطین ۱۴-۷)

اس کے بعد اسیریا کا دور شروع ہوتا ہے۔ تغلات پلاسر رابع شاہ اسیریا کے عہد [illegible] ق م میں اسیریا کے کتبات میں ادومی حکومت کا بحیثیت خراج گذار ریاست کے ذکر ہے۔ اسوقت انکے بادشاہ کا نام کوز ملاک تھا۔ ساتویں صدی میں جو بادشاہ تھا اوسکا نام کوز گبیری تھا ساتویں صدی ق م کے وسط میں مواب اور ادوم دونوں قبائل بادیہ کے نشانہ تھے۔ آخری تاریخ یہ ہے کہ بنوخذ نصر (بخت نصر) شاہ اسیریا کے مقابلہ میں بغاوت کی (یرمیاہ ۲۷-۳) اور انکا نام رہتے بخت نصر نے دیگر اقوام کے ساتھ اون کو بھی پامال کرڈالا۔

چوتھی صدی ق م میں اسیریا (شام) میدیا (فارس) کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ اسی عہد میں نبطی قوم یا کرادومی اسمٰعیلی عربوں نے اسپر قبضہ کرلیا جنکا نام تاریخ میں نبط ہے۔ اور ادومی مجبور ہو کر بحر میت کے پار چلے گئے۔ یہی سبب ہے کہ یوسیفوس اور بطلیموس اور تالمود میں ادومیا اوسی قطعہ کا نام بتایا گیا ہے۔

یوباب یا ایوب علیہ السلام

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ادوم کی ایک نسل کا نام عوص تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام جنکا قرآن مجید اور اسفار یہود دونوں میں ذکر ہے اور جنکے نام سے سفر ایوب مجموعہ توراۃ کا ایک جزو ہے۔ اسی عوص ادوم کی نسل سے تھے (سفر ایوب) سفر ایوب عبری میں انکا نام ایوب ہے لیکن عرب انکو ایوب کہتے ہیں ادوم کے شروع بادشاہوں کی جو فہرست اس سے پہلے نقل کیگئی ہے اوسکا تیسرا نام یوباب درج ہے۔ قدیم و جدید مسلم و غیر مسلم دونوں کی تحقیقات تھا

نتیجہ یہ ہے کہ یوباب۔ اوب اور ایوب ایک ہی نام ہیں اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا نتیجہ ہے۔

ایک قدیم مذہبی کتاب جس کی اصل زبان عبری عربی ہے۔ جو ادوم کی زبان ہونی چاہیئے (کیونکہ ادوم عبری تھے اور وسط ملک میں آباد تھے) اس کتاب کا ایک جرمن فاضل میخائیل (MIEHAILI) نے لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اسکا عنوان یہ ہے (CollogUIA) حواشی بر تاریخ گبن شائع کردہ ایوری مینس لائبریری ج ۵ ص ۲۴۰) لیکن اس کتاب کا ایک قدیم عربی ترجمہ بھی ہے جسمیں حسب ذیل عبارت ہے۔ قواعد عربی کے رو سے جابجا غلط ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی غیر عرب نے اسکا ترجمہ کیا ہے۔

وکان ایوب ساکنا فی ارض عوض فی تخم ادوم وعربیا و من قبل اسمه یوباب۔ والیوب کان ابن زارا بن بنی عیسو وھو کان السادس من ابراھیم والملوک الذی ملکوا فی ادوم الذی کان ملک علی تلک الارض من قبل بالق بن باعور واسم مدینته دنابا ومن بعده یوباب ھذا الذی یسمی ایوب۔	ایوب عوض کی سرزمین میں۔ ادوم کی سرحد پر رہتے تھے قوماً عرب تھے۔ اور پہلے یوباب نام تھا۔ ایوب زارا کے بیٹے اور خاندان عیسو سے تھے اور حضرت ابراہیم سے چھٹی پشت میں تھے۔ اور جو سلاطین پہلے ادوم پر حکمراں ہوئے تھے وہ بالق بن باعور تھے۔ اور ان کے پایہ تخت کا نام دنابہ تھا۔ انکے بعد یوباب بادشاہ ہوئے۔ جو ایوب ہیں۔

ریونڈ فارسٹر نے اس بحث پر کئی صفحہ سیاہ کئے ہیں کہ ایوب عرب تھے۔ اور نسل ادوم سے تھے۔ یہاں تک تو صحیح ہے۔ آگے وہ ثابت کرتے ہیں کہ ایوب کا شہر دنابا تھا۔ اور یہ غلطی اسلئے ہوئی کہ عربی عبارت مذکورہ میں واسم مدینته دنابا۔ میں مدینته کی ضمیر یوباب کیطرف راجع کی ہے۔ حالانکہ اولاً تو یہ صریح غلط ہے جسکو ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے ثانیاً یہ خود توراۃ کے مخالف ہے۔ (تکوین ۳۶ - ۲۲)

ایک دوسرے یوروپین فاضل (CAIMET) نے ثابت کیا ہے کہ یوباب اور ایوب ایک ہی شخص ہیں

مسٹر گبن (GIBBON) عرب و اسلام کی فصل میں۔ جو انکی تاریخ کا چالیسواں باب ہے۔ قرآن مجید پر ایک غیر واقفانہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اوس عرب مبشر (قرآن یا محمد صلعم) کے خیالات خدا کے متعلق گو اعلیٰ و لطیف ہیں۔ تاہم اسکا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کے پرجلال سادگی کے مقابلہ میں کم ہے جو عہد قدیم میں اسی ملک اور اسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

ہمارے ہاں تفسیروں میں جو روایات اسرائیلیہ ہیں وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہیں کہ یوباب اور ایوب ایک شخص ہیں۔

كان ایوب رجل من الروم (ادوم) و هو ایوب بن اموص (خطاء) بن زارح بن روم (ادوم) بن عیص (عیسو) بن اسحاق بن ابراهیم و كانت له ابنیة من ارض الشام كلها سهلها و جبلها و كان له فیها من اصناف المال كله من البقر و الابل و الغنم و الخیل و الحمیر

ایوب روم کا آدمی تھا۔ ایوب بن اموص (خطاء) بن زارح بن عیص (عیسو) بن روم (ادوم) بن اسحاق ابن ابراہیم اسکے قبضہ میں شام کے تمام میدان اور کوہستان تھے۔ اور ان میں ہر قسم کی دولت تھی۔ یعنی گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ بکری۔ گھوڑے اور گدھے وغیرہ۔

ان تمام روایات میں ایک عجیب تصحیف لفظی ہے۔ ادوم کی جگہہ روم بیان کیا گیا ہے۔ ادوم چونکہ غیر معروف اور روم مشہور لفظ تھا اور تشابہ خط و لفظ بھی ہے اس سبب سے راوی یا ناسخ (نولیسندہ) نے ادوم کی جگہہ روم لکھدیا۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ سلسلہ نسب میں ایوب اور زارح کے درمیان اموص کے نام کی زیادت ہے۔ مورخ ابن واضح یعقوبی۔ المتوفی سنہ ۲۸۰ھ کا بیان زیادہ صحیح ہے۔ ملوک شام کے ذکر میں لکھا ہے۔ یوباب هو ایوب بن زارح الصدیق۔ یوباب ہی ایوب بن زارح الصدیق ہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ایوبؑ ایک ادومی عرب تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔ عوض کی زمین میں ایک مرد صالح۔ راستگو خدا سے ڈرنیوالا اور بدی سے دور تھا۔ (۱-۱)

عوض توراۃ میں دو آدمیوں کا نام ہے۔ ایک تو نہایت قدیم عوض بن ارم بن سام بن نوحؑ (تکوین ۱۰-۲۴) دوسرا عوض بن دیسان بن عیسو بن اسحاق بن ابراہیمؑ (تکوین ۳۶-۲۹) باتفاق اہل کتاب اس سے عوض ثانی مراد ہے۔ عوض کی بنی ادومی عرب ہونے پر ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سفر ایوب میں جو مسکن رفقائے ایوبؑ کے بتائے ہیں وہ تیمن۔ نعمات اور شوحان ہیں (۲-۱۱) اول کے متعلق تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ مملکت ادوم کا ایک مشہور شہر تھا۔ (تکوین ۳۶-۳۵) اس سے پہلے حضرت ایوبؑ کی تعریف میں ہے اسلئے وہ تمام فرزندان مشرق میں سب سے زیادہ بڑا تھا۔ (ایوب ۱-۳) یہ امر اس کتاب میں بتواتر ثابت ہوچکا ہے کہ یہودیوں کی اصطلاح میں مشرق سے ہمیشہ ارض عرب مراد ہے۔

حضرت ایوبؑ امیر یا شیخ قوم تھے۔ حضرت ایوبؑ بادشاہ یا شیخ قبیلہ تھے۔ خود سفر ایوب سے ثابت ہے۔

اسے وہ جیسا کہ میں گذشتہ مہینوں میں تھا۔ اون دنوں میں جبکہ خدا میری حفاظت کرتا تھا جبکہ اسکا چراغ میرے سر پر تھا اور میں تاریکی میں اوس کی روشنی پر چلتا تھا۔ میں اپنی نوجوانی کے دنوں میں جبکہ اوس وقت تک خدا کا راز میرے مسکن میں تھا۔ جبکہ قادر مطلق خدا میرے ساتھ تھا اور میرے بچے میرے قریب تھے۔

جب میں اپنے پاؤں مکھن سے دھوتا تھا اور جب چٹان میرے لئے تیل کے چشمے بہاتی تھی۔
جب میں شہر کے دروازے پر جاتا تھا۔ جب بازار میں اپنی نشست طیار کرتا۔ نوجوان مجھکو دیکھ کر ٹل جاتے۔ اور بوڑھے میرے لئے کھڑے ہوجاتے بڑے بڑے لوگ مجھ سے بات کرنے میں جھجکتے اور ہاتھ سے اپنا مونھ بند کر لیتے۔ اور زبان تالو میں لگا لیتے۔
کیونکہ جس کے کان نے مجھ کو سنا۔ میری تعریف کی اور جب آنکھ نے مجھے دیکھا میری گواہی دی کیونکہ میں مسکین نے بھی فریاد کی اور جو بھی بے یار و مددگار و یتیم تھا۔ میں نے اون کی مدد کی۔ اور ہر قریب مرگ کی دعا مجھ کو ملی اور ہر بیوہ کے دل کو خوشی کا گانا مجھ سے نصیب ہوا۔
راستی میری پوشاک تھی۔ جو مجھ کو پہنائی گئی۔ میرا فیصلہ خلعت اور تاج ہوتا تھا۔ میں اندھوں کی آنکھ تھا۔ لنگڑوں کا پاؤں۔ اور غریبوں کا باپ تھا۔ اور وہ دلیل جس کو میں نہیں جانتا تھا لیکن میں جن کی تلاش میں تھا۔ میں نے بیان کی اور شریروں کے دانت توڑ دیئے۔ اور اونکے دانتوں کے بیچ سے غضب کی چیز چھینی۔
میری عظمت مجھ میں تازہ تھی اور میری کمان میرے ہاتھ میں نئی کی گئی تھی۔ میری بات کو لوگوں نے سنا اور خاموشی سے میری نصیحت کا انتظار کرنے لگے۔ میری گفتگو کے بعد پھر وہ کچھ نہ بولے میرے الفاظ کے قطرے اون پر ٹپکتے تھے اور وہ انکا ایسا انتظار کرتے تھے جیسا بارش کا۔ اور وہ انکے لئے اسطرح مونھ کھولتے تھے جیسے پچھلی مینہ کے لئے۔
میں ان پر ہنسا لیکن اونہوں نے یقین نہ کیا۔ اور نہ میرے چہرے کی چمک زمین پر گرہی۔ میں نے اونکے لئے راستہ چن دیا اور میں سردار بنکر بیٹھا۔ اور اس طرح رہا جس طرح بادشاہ اپنی فوج میں اور اس آدمی کیطرح جو غمزدوں کو تسلی دیتا ہے۔ (ماخوذ از سفر ایوب باب ۲۹)

حضرت ایوب کا زمانہ اور وطن۔ جب ہم ثابت کر چکے کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخص ہیں تو ہم کو حضرت ایوب علیہ السلام کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت نہیں رہی۔ یوباب کا مسکن توراۃ میں مذکور ہے کہ وہ بصری تھا۔ جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب ایک مشہور شہر ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا۔ وہی شہر حضرت ایوب علیہ السلام کی قیامگاہ تھا۔ بصری قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا۔ توراۃ میں اسکا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے شعیا نبی بوخاور (بخت نصر) کی خبر دیتے ہیں۔ خداوند کی تلوار خون آلود ہے .... خداوند نے بصرے میں قربانی کی اور ادوم کے ملک میں قتل عام (۳۴-۶) پہر کہتے ہیں۔ وہ رنگے کپڑے کے ساتھ بصرے سے اور ادوم سے آرہا ہے (۶۳-۱)

اس آیت میں بصراے سے کسی آنیوالی کی بشارت ہے مسکن ایوبؑ ظاہر ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اسلئے آسان ہے کہ کلدان (ایوب ۱-۱۷) اور سبا (ایوب ۱-۱۵) کا اسمیں ذکر معاصرت ہے۔ سبا کا عروج سنہ ۱۱۰۰ ق م میں ہوا ہے اور کلدانیوں کا اختتام سنہ ۶۰۰ ق م میں۔ ان دونوں کا مشترک عہد سنہ ۱۱۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک ہے۔ اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہئیے۔

ہمارے فاضل معاصر صاحب ارض القرآن اگر تعین زمانہ ایوب میں تھوڑی اور تحقیق فرماتے تو قیاسی تعین زمانہ کی جگہہ اون کو زمانہ اصلی کا پورا پتہ چل جاتا۔ وہ اسطرح سے کہ حضرت ایوب کی بی بی جن کے ذکر کیطرف قرآن مجید میں اشارہ ہے۔ وہ باتفاق مورخین ونسابین عرب یوسف ابن یعقوب کی پوتی تھیں اور اونکا نام رحمہ تھا۔ (حیات القلوب مجلسی جلد اول) توراۃ سے حضرت یعقوب کا زمانہ تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م ہے تو قاعدہ استداد نسل کی رو سے یہ خاتون رحمہ نامی حضرت یعقوب سے سو برس بعد ہوں گی جو سنہ ۱۹۰۰ ق م ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہی زمانہ حضرت ایوب کی رسالت کا اصلی قرار دیا جائیگا۔

حضرت ایوب کا قصہ۔ قرآن مجید میں حضرت ایوب کا ذکر ہے لیکن چند مجمل اشارات کے سوا کوئی تفصیل نہیں ہے۔ مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب ابن منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرن اول میں موجود تھے منقول ہے اور یہ اسرائیلی روایت بتغیر و اضافہ قلیل تمامتر سفر ایوب سے ماخوذ ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت ایوب ایک مالدار کثیر الاولاد صاحب عزت اور تندرست آدمی تھے۔ خدا کی رضا کے ہمیشہ طالب اور ہر مصیبت کے وقت صابر تھے۔ مساکین و فقرا کی اعانت یتیموں اور بیواؤں کی امداد اور مظلوموں کی فریاد رسی آپ کی عادت تھی۔ آخر خدا نے آپ کو ابتلا میں ڈالا۔ اور بروایت سفر ایوب (توراۃ) شیطان کو اون کی جان و مال پر استیلا دیا گیا۔ دولت جو اون دنوں اونٹ بھیڑ بکری اور گدہوں سے عبارت تھی کلدانی لوٹکر لے گئے۔ غلاموں کے دستہ پر سبائی قابض ہو گئے۔ اولاد ایک چھت کے نیچے دبکر رہ گئی لیکن ان مصائب میں بھی کلمہ شکر و رضا کے سوا زبان مبارک سے کچھہ نہ نکلا۔ آخر تندرستی بھی زائل ہو گئی۔ اور تمام بدن فاسد ہو گیا عزیز و اقارب نے کنارہ کشی کی۔ ایک بیوی رفیق حال تھی۔ اوس نے بھی بالآخر صلاح دی کہ غیر خدا کے سامنے جھکو اور خدا کو برا کہو۔ اس حالت کی خبر حضرت کے تین دوستوں کو ہوئی اور یہ تینوں حضرات حضرت ایوب کی تعزیت[۵۱] کو آئے۔ پورا صحیفہ حضرت ایوب اور ان تینوں مومنین صادقین کے باہم مناظرے و مکالمے

[۵۱] عجب ہے کہ ہمارے فاضل معاصر کو اسوقت تک تعزیت اور عیادت کا فرق بالکل معلوم نہیں۔ تعزیت موت کے متعلق ہے اور عیادت مریض سے

پر شامل ہے۔ یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیلات میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پُر ہے جنکا ماحصل یہ ہے کہ ان مومنین ثلاثہ کا دعویٰ ہے کہ انسان پر کوئی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں آتی۔ اس لئے جو مبتلائے مصیبت ہے وہ گنہگار ہے اور اوسکو اعتراف و توبہ کرنا چاہیئے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی معصیت نہیں کی ہے جسکی خدا کیطرف سے یہ جزا ہے بلکہ یہ عالم قضا و قدر ہے۔ جسکے لئے کوئی سبب درکار نہیں۔ خدا کے اسرار و مصالح لامحدود ہیں اور اون کی معرفت سے انسان عاجز ہے۔ آخر وحی الٰہی نے فیصلہ کیا کہ۔ ایوب گو تو حق پر ہے تاہم بندہ کو کسی حال میں اعتراف و ندامت میں قصور نہ کرنا چاہیئے" یہ سنتے ہی حضرت ایوبؑ نے قربانی کی اور تندرست ہو گئے۔ تمام اعزا و اقارب بھی جمع ہو گئے۔ خدا نے از سر نو دوسری دو چند دولت اور اولاد عطا کی۔

قرآن مجید اور حضرت ایوب

قرآن مجید میں حضرت ایوبؑ کا نام چار سورتوں میں آیا ہے۔ نساء، انعام، انبیا اور ص۔ نساء اور انعام میں صرف نام ہے۔ وعیسی وایوب (نساء) وایوب ویوسف (انعام) سورۂ انبیاء اور سورۂ ص میں کسی قدر تفصیل سے ذکر ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص)

ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھکو شیطان نے تکلیف اور عذاب کے ساتھ چھوا ہی (اے ایوب) اپنا پاؤں مار۔ یہ غسل کرنے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے اور ہم نے اوسکو اوسکے اہل و عیال دئے اور اونہیں کے برابر اور اپنی رحمت سے اور عقلمندوں کی یادگاری کے لئے۔ (ایوبؑ) اپنے ہاتھ میں تنکے کا مٹھا لو۔ اور اوس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ ہمنے ایوب کو صابر پایا۔ اچھا بندہ توبہ کرنیوالا ہے۔ (ص)

اس موقع پر شیطان سے کیا مراد ہے۔ یہ صاف ہونا چاہیئے۔ سورۂ انبیا کی آیت کریمہ نے اسکی تفصیل کے ساتھ صفائی کر دی ہے۔

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ (انبیاء)

اور ایوبؑ کو جب اوس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھکو بیماری نے چھوا۔ اور تو مہربانوں میں سے سب سے بڑا مہربان ہے ہم نے اوسکی دعا قبول کی اور اوسکی بیماری دور کی اور اوس کو اوس کے اہل و عیال دئے اور اونکے برابر اونکے ساتھ۔ اور اپنی رحمت سے عبادت گذاروں کی یادگاری کیلئے۔

ان آیات مبارکہ کے متعلق تین امور قابل ذکر و بحث ہیں۔ اول۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ۔ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اوس سے مارو اور قسم نہ توڑو" اس آیت میں اسکا ذکر نہیں کسکو مارو؟ اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ایوب کی بیوی نے جب خدا کی شان میں گستاخی کی تو اونھوں نے غضبناک ہوکر قسم کھائی تھی کہ اگر اچھا ہوگیا تو تمکو سو لکڑی مارونگا۔ بیوی صادق الایمان تھی اور یہ لغزش ایک وسوسہ شیطانی تھا۔ اسلئے معاف کیا گیا۔

سفر ایوب میں اس گستاخی اور کلمۂ کفر کا ذکر ہے (سفر ایوب ۲-۹) لیکن اس سزا کی نوعیت کا بیان نہ کیا ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ خدا کے نیک و صالح بندے اپنے اقرا سے کلمات کفر سنکر چپ کیوں ہو جاتے اور کیونکر سزا نہ دیتے؟ نقص کی تکمیل قرآن نے کردی جو دنیا میں صرف تکمیل ہی کیلئے آیا ہے۔

دوم ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔ اپنے پاؤں سے مار۔ یہ نہانے کی ٹھنڈی جگہ ہے اور پینے کا پانی ہے" سفر ایوب میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ایوب کس طرح اور کس علاج سے صحتیاب ہوئے۔ قرآن بتاتا ہے کہ خدا نے انکو ایک چشمہ کا نشان بتایا جس میں نہانے اور اوسکے پانی پینے سے (انکی) بیماری جاتی رہی۔ یہ طریقہ علاج بالکل مطابق فطرت ہے طبعی[1] چشمے جو طبقات ارضی یا پہاڑوں سے بعض اجزا کیمیاوی کے مخزن سے گذرکر آجاتے ہیں مخصوص خواص رکھتے ہیں اور دنیا کے اکثر اطراف و اکناف میں ایسے ہی خدا نے اپنا یہ چشمۂ فیض جاری کررکھا ہے جس سے اوس کی ہزاروں مخلوق ہر موسم میں مستفید ہوتی ہے۔ حضرت ایوب کے حالات میں ہمارے فاضل محقق صاحب ارض القرآن نے بہت تفصیلی تحقیق سے کام لیا ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہے مگر بانہمہ زوجۂ حضرت ایوب اور نوعیت صحت کے متعلق کسی قدر انکشافات کی ضرورت باقی رہ گئی۔ جو حسب ذیل ہے۔

فاضل معاصر نے زوجۂ حضرت ایوب کی نسبت زیادہ غور و خوض سے کام نہیں لیا بلکہ سفر ایوب اور شارحین یہود کے مرویات و اقوال پر اعتبار فرمالیا ہے ہمارے معتقدات کی شکل سے پیغمبر کی ایسی زوجہ کو جو بالنفس النفیس خاندان رسالت اور وہ دولت نبوت کی اہلیت ثابت ہوچکی ہو کافرہ یا مشرکہ تسلیم کرینگے حالانکہ آگے چلکر آپنے ہی اسکے صادق الایمان بیوی ہونیکا اقرار کرلیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اوسکی کفر و شرک کی تعلیم و تحریص کے اعتراف کے بعد۔ آپکے موجودہ اعتراف و اختلاف نے اس مسئلہ کو عجیب بین التضاد کے مشکلات و محالات میں ڈالدیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہی ہے کہ توراۃ اور شارحین توراۃ کے اقوال مختار کے مقابلہ میں اسلامی مفسرین کے بیانات کیطرف توجہ و التفات نہیں فرمائی گئی۔ مجموعہ توراۃ تو ان اقسام کے لغویات و حشویات کثیرہ کی کلیات اور حقیقت میں اقرار الٰہیہ جیسا آپ خود اکثر مقامات پر ظاہر

[1] تعجب ہے کہ خلقی چشمہ کی جگہ طبعی لکھا گیا ہے۔ حالانکہ طبع ذی روح سے متعلق ہے۔ غیر ذی روح کیلئے اسکا استعمال شاذ و نادر ہے یا لا تشابہ ہو اسلئے خلقت کے لفظ سے کام لیتے ہیں جو ذی روح اور غیر ذی روح دونوں میں مشترک ہے اور استعمال اسکا جائز ہے۔

اولاد و ...

ثابت کرتے آئے ہیں۔ انھیں قصص باطلہ کی تصحیح و توضیح کے لئے ضرورتاً نازل فرمایا گیا ہے۔ قرآن نے ضمناً و کنایتاً بھی جیسا آپ لوگ پڑھ چکے ہیں ذکر نہ فرمایا۔ پھر قرآن کے موجودہ سکوت کے مقابلہ میں مرویات توراۃ پر اعتبار کر لینا۔ اسلامی اصول عقاید کے صریح منافی ہے۔ بہرحال جس طرح ہمارے فاضل معاصر نے حضرت ایوبؑ کے حالات و واقعات کو اسلامی مفسرین کے بیانات سے لاکر لکھا ہے اوسی طرح مسئلہ زیر بحث کی صورت حال کو بھی اونکے اقوال و تشارے کے ساتھ ملاحظہ فرمالینا ضروری تھا۔ حقیقت حال اور اصلی واقعہ کا مشاہدہ ہوجاتا۔ اسلامی مفسرین نے اسکے متعلق جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔

حضرت رحمہ زوجہ جناب ایوبؑ

ایام ابتلا میں حضرت ایوب کے تمام اہل و عیال کے تباہ و برباد ہوجانیکے بعد خداے سبحانہ تعالیٰ نے آپ کی صرف ایک بی بی کو۔ جسکا نام رحمہ تھا۔ اور جو بقول مفسرین حضرت یوسفؑ کی پوتی تھیں بچا رکھا تھا۔ جو آخر وقت ابتلا تک اپنے شوہر کی رفیق حال اور شریک مصیبت تھیں۔ امتحان و ابتلا میں جیوں جیوں ترقی ہوتی رہی ویسے ویسے ان کی وفا اور حسن رفاقت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ یہانتک کہ آپ مشلول الاعضا ہوگئے۔ جسم مبارک سے حس و حرکت کی قوت بھی زائل کردی گئی۔ تمام قوم نے ان کے انقلاب احوال سے روگردانی اختیار کی یہ قوت کا دستیاب ہونا بھی دشوار ہوگیا۔ فاقے پر فاقے ہونے لگے۔ ایکبار ایسی حالت میں اوس برگزیدہ الٰہی کو بے آب و دانہ تین شبانہ روز گذر گئے۔ جناب رحمہ نے ہرچند تجسس و تلاش کی ایک دانہ نہ ملا۔ وہ خاتون معظمہ اسپر بھی اپنی کوشش و سعی سے باز نہ آئی۔ پھر تیسرے دن کسی دوسرے قریہ میں قوت کی تلاش کو نکلی۔ اوس دن کسی کے ہاں عروسی تھی۔ مہمانوں کے لئے ضیافت کے کثیر سامان تھے۔ انواع و اقسام کے طعام تیار تھے۔ یہ غریب حسرت آلود نگاہوں سے الوان نعمت کے خوانوں کی طرف دیکھنے لگی۔ صاحب خانہ کی بی بی کی نظر ان کی ضرورت کو پہچان گئی وہ رحمدل تھی اور نیک مزاج۔ انہیں اندر بلالیا۔ استفسار حال کیا۔ غریب نے اپنی تمام مصیبت کہہ سنائی۔ باتوں باتوں میں اوس عورت نے ان کے سر کے بالوں کو حد سے زیادہ باریک بلطیف اور طویل پایا۔ اتفاق سے اوسکی لڑکی کہ جس کی شادی کی جا رہی تھی۔ نہایت کم اور چھوٹے بال تھے اور بہت بد نما معلوم ہوتے تھے۔ انکے بالوں کی لطافت کو دیکھ کر اوس نے یہ سوچا کہ کسی طرح انکے بال مجھے مل جائیں تو میں ان بالوں کو اپنی لڑکی کے بالوں سے ملا کر گوندھ دوں کہ اوسکا عیب چھپ جاسکے۔ یہ سوچکر اوس نے اس خاتون مقدسہ سے کہا کہ بہن۔ میں ایک شرط پر تمہیں اور تمہارے بھوکے شوہر کو کھانا دینے کے لئے راضی ہوں۔ اگر تم مان لو۔ یہ غربت زدہ بولی۔ جو تم کہو مجھے منظور ہے کسی طرح میرے گرسنہ شکم شوہر کو جو اپنے آزار و کلفت کی وجہ سے قریب المرگ ہو رہا ہے۔ قوت تو پہونچے اور مجھ کو اوسکے زندہ رہجانیکی

کی امید تو بندھ جائے۔ وہ عورت بولی کہ تم مجھے اپنے سر کے بال کاٹ لینے دو کہ مجھے اپنی نوعروس لڑکی کے لئے درکار ہیں۔ کیونکہ اوسکے سر میں بہت چھوٹے اور کم بال ہیں۔ میں ابھی ابھی تمہیں اور تمہارے شوہر کے لئے نفیس اور اعلیٰ کھانے دیتی ہوں۔ یہ مصیبت زدہ بی بی پہلے تو کچھ خاموش رہی مگر پھر یقین کر کے کہ حسن و عصمت اور اوسکے تمام لوازم و مراتب اوس شوہر کی خدمت و راحت اور صحت پر ہزار بار نثار ہیں جس کی مسرت و آرام کے لئے یہ تمام اسباب فراہم کئے گئے ہیں جس کی بقا کے ساتھ میری بقا وابستہ ہے۔ اور جس کی فنا کے ساتھ میری فنا۔ یہ سوچکر اوس آفت رسیدہ نے فوراً اپنا سر جھکا دیا اوس عورت نے مقراض سے انکے گیسوئے مبارک تراش لئے۔ اور ان طعام لذیذ سے دو حصے اوٹھا کر انہیں دیدیے یہ نہایت خوش ہو کر اپنے مقام کو واپس آئیں اور اپنے مقدس، ناتواں اور نیم جاں شوہر کے آگے دسترخوان بچھا کر وہ کھانے چن دیئے۔ چونکہ بے حسی اور زوال قوت کا پورا عالم تھا۔ یہاں تک کہ خود ہاتھ سے کھانے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ اسلئے کھانا چن دینے کے بعد وہ وفادار بی بی کھانا کھلانے بیٹھی۔ حضرت ایوب کبھی حصول رزق پر اور کبھی ایسی رفیق حال اور شریک مصیبت زوجہ کے ملنے پر پروردگار عالم کا شکر پر شکر کر رہے تھے کہ یکایک سر کے ہوئے گوشہ چادر سے اوس عفیفہ کے کترے ہوئے بال دکھائی دیئے ایسے کامل اور عدیم المثال صابر کو ہتک حرمت ناموس کی ایسی غیرت آئی کہ کھانا زہر ہو گیا۔ سبب پوچھا تو مطیع و فرمانبردار بی بی نے صورت واقعہ بیان کردی۔ اگرچہ اس واقعہ سے اوس پارسا بی بی کی انتہا کی مجبوری ظاہر ہوتی تھی مگر تاہم جناب ایوب کی غیرت ناموس اس روح فرسا صدمہ کی متحمل نہ ہوئی۔ بی بی پر خفا ہوئے اور عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اسوقت تو بیماری سے مجبور ہوں مگر صحت پالینے پر سو تازیانے کی سزا تمہیں صرف اس تقصیر کے لئے دونگا۔ کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایک غیر جنس عورت کے سامنے اپنا سر جھکا دیا کیا۔ یہ تو بی بی سے خطاب ہوا۔ اسکے بعد پھر یہ سوچکر کہ یہ تمام آفتیں اس موذی بیماری کے باعث ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں ان مضطربانہ الفاظ کے ساتھ مستدعی ہوئے۔ رب انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین۔ حیات القلوب جلد اوّل

واقعہ حقیقی تو یہ ہے جو مرویات اسلامی سے ماخوذ ہے اور قریب قریب تمامی کتب تفسیر میں مذکور ہے اسکی صورت وقوع سے خاندان رسالت کے انداز اور برگزیدگان الٰہی کے محاسن و اوصاف پورے طور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل سے نہ اوس خاتون معظمہ کی کفر شعاری معلوم ہوتی ہے اور نہ بت پرستی بلکہ اسمیں تو اوس پاکدامن خاتون کی شوہر کے ساتھ کمال خلوص و محبت اور تصدیق و اطاعت کے اظہار ہوتے

ہیں۔ اسکے کسی لفظ یا کسی حرف سے یہ نہیں پایا جاتا جیسا کہ توراۃ کا بیان ہے کہ اس عفیفہ نے نعوذ باللہ اپنے شوہر عالی مقدار کو جس کی رسالت کی یہ تصدیق کرچکی تھیں اور ایک معتدبہ مدت تک خدمت میں رہ کر اون کی تبلیغ رسالت اور تلقین و تعلیم ہدایت کے اصلی مدعا کو کما حقہ سمجھ چکی تھیں۔ کفر و شرک کے طریقے باطل اختیار کرنے کی ترغیب و تحریص کی تہی۔ یہ وہی لغویات و حشویات ہیں جو ذاتیات انسانی اور اغراض نفسانی کی بدولت کتب قدیمہ سماویہ کے الہامات ربانی اور ارشادات روحانی میں مخلوط ہوکر اوس کی صحت و صداقت پر بدنما دہبہ لگاتے ہیں اور اونکے منزل من اللہ ہونے میں شک و شبہ پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں قرآن مجید انھیں کی صحت و ترمیم کے لئے بارگاہ الہی سے مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کا عام اعلان فرماتا ہوا نازل کیا گیا ہے۔ توراۃ میں شان رسالت کی عظمت نہ کوئی چیز قرار دیگئی ہے اور نہ خاندان نبوت کی حرمت قابل لحاظ و پاس۔ یعقوبؑ کی دونوں بیبیاں۔ لابن کی بیٹیاں۔ رخصت ہونیکے وقت اپنے گھر سے سونے کے بُت چرا لاتی ہیں۔ اور اون کی پرستش کیا کرتی ہیں۔ اسپر کبھی پیمبر زمان کی بی بی اور آیندہ انبیا و مرسلین کی ماں بہی بلا عذر و تامل بنی رہتی ہیں۔ توراۃ کے یہی ارحام مطہرہ ہیں اور یہی اصلاب شامخہ۔ (سفر تکوین۔ باب ۳۱۔ آیت ۱۹۔ ۳۵۔) لطف تو یہ ہے کہ ان بُت چرانے والیوں میں خاصکر راحیل زوجہ یعقوبؑ کا نام لکہا ہوا ہے اور یہ راحیل حضرت یوسف الصدیق کی ماں تسلیم کی جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الهفوات۔

بہرحال۔ اصل واقعہ یہ ہے جو لکہا گیا۔ اس سے نہ اوس پیغمبر برحق پر کوئی الزام آتا ہے اور نہ اوس کی صادق الایمان بی بی پر۔ چونکہ بمقتضائے بشریت اوس محترمہ سے ترک اولی کا صدور واقع ہوگیا تھا کہ بلا اذن شوہر انھوں نے اپنا سر عریاں کردیا تھا حضرت ایوبؑ کو ہتک ناموس کی بڑی غیرت آئی اور اضطراب کے اسی عالم میں آپ نے قسم کہائی کہ صحت پانے کے بعد میں تمپر حد شرع جاری کرونگا۔ چونکہ اس مخدرہ عظمی کا مدعا خلوص حقیقی پر مبنی تھا۔ اسلئے عادل حقیقی نے اونکے اجرائے سزا و تنبیہ میں وہ طریقہ معتدلہ اختیار کرنیکا حکم صادر فرمایا کہ اوس پیغمبر برحق کی قسم بہی پوری ہوگئی اور اونکی زوجہ محترمہ کو کوئی تکلیف بہی نہ پہونچی سُبحانہ اعظم شانہ۔

دوم۔ نوعیت صحت کے متعلق فاضل معاصر نے بڑی کاوش سے حسب تصریح قرآن ترکیب غسل کو اصول فطرت کے مطابق ثابت کیا ہے۔ اور طبی مشاہدات عملیہ اور خواص و اثرات کیمیاویہ سے اسکی تصدیق و توثیق بہم پہونچائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپکی یہ تحقیق قابل تعریف ضرور ہے مگر حقیقت بین نگاہوں کے سامنے قدرت کے بدیہیات ایسے یقینی ثابت ہوچکے ہیں کہ اب ان کے اثبات و اظہار میں زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہیں۔ ہمارے قابل محقق کا طریقہ اثبات بالکلیہ خواص عرض سے تعلق رکہتا ہے نہ مفاد وجہ پر جسے

حالانکہ حقیقت شناس پہلے جوہر کو پرکھتا ہے پھر اوسکے فضا و عرض کو۔ جوہر قدرت ہے۔ اور فضا و عرض اوسکے عطا کئے ہوئے خواص اور اثر۔ اس مسئلہ سے کسی کو انکار نہیں۔ اس بنا پر اوس چشمہ اور اوسکے پانی کو باعتبار خواص کے حضرت ایوب کی صحت کا جزو اعظم اور سبب اول قرار دینا اور مان لینا تو قدرت کے اصلی فیوض سے صریح چشم پوشی کرنا ہے۔ اس احتیاط کو قایم رکھنے کی غرض سے۔ جو ایک قوی الایمان مسلمان کا فرض ہے۔ تنہا اس طریقہ علاج کو سبب صحت قرار دینا صحیح نہوگا۔ بلکہ یوں کہنا ہوگا کہ ایوب نے جس ارحم الراحمین سے دعائے صحت کی تھی اوسکی حکمت کاملہ اور رحمت عامہ نے ظاہر طور پر ان کی صحت کے سامان اوس چشمہ کے پانی میں نہا لینے سے فراہم کردئے جس کو حقیقی طور سے اس حکیم مطلق نے شفا کے تمام اجزا و خواص کے ساتھ انکے لئے پیدا فرمایا تھا۔

بنو ہاجرہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام

اصحاب الرس۔ اصحاب الحجر۔ اصحاب الایکہ۔ انصار اور قریش

ہاجرہؑ۔ اصل میں عبرانی لفظ۔ ہاغار ہے جس کے معنی بیگانے اور اجنبی کے ہیں۔ اصل میں انکا وطن مصر تھا حضرت ابراہیم اور سارہ جب مصر گئے تو فرعون نے دیگر انعام و اکرام کے ساتھ یہ لڑکی (ہاجرہؑ) بھی اونکے ساتھ کردی۔ انہیں ہاجرہؑ سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ اور حضرت اسماعیل کی نسل سے۔ اصحاب الرس اصحاب الحجر۔ اصحاب الایکہ انصار اور قریش عرب کے ممتاز اور سرمایہ ناز قوم و قبایل پیدا ہوئے۔ سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے جن سے بنی اسرائیل کی نسل قایم ہوئی۔

شمس العلماء نعمانی نے سیرۃ النبی میں اور اونکے شاگرد رشید مولانا سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں بنو ہاجرہؑ کے حالات کا آغاز حضرت اسماعیل کی تفصیل واقعات سے کیا ہے اور جناب ابراہیمؑ کے تصریح احوال کی طرف غالباً اسوجہ سے توجہ نہیں فرمائی ہے کہ عرب میں اونکا قیام ثابت نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے حضرت ابراہیمؑ کے تعلقات مذہبی ہوں یا قومی۔ ملک عرب سے اتنے وابستہ اور پیوستہ ہیں کہ اونکی تفصیل و تشریح کے بغیر جناب ہاجرہؑ حضرت اسماعیل اور اونکے مابعد کی اولاد کے حالات و واقعات مبہم اور مجمل رہ جاتے ہیں۔ لائق مصنفین کو جناب ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے واقعات ہجرت۔ تعمیر کعبہ اور دیگر واقعات کی تحریر کے وقت حضرت ابراہیم کے جستہ جستہ حالات بیان کرنے کی بالآخر ضرورت واقع ہوئی ہے۔

اسکے علاوہ آیہ کریمہ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ ۔ تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے ہی تمہارا نام مسلمین رکھا تھا کے رو سے جس کو سیرۃ النبی کے صفحہ ۹۴ میں بذیل ذکر سلسلہ اسماعیلی بڑی خصوصیت کے ساتھ زیب عنوان کیا گیا ہے ۔ دین ابراہیم اور اسلام (دین محمد صلعم) متحد بالذات والحقیقت ہیں جیسا کہ خود تحریر فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ (سلسلہ اسمٰعیلی) سے وابستہ ہے ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم و اسماعیل ہی کے خاندان سے ہیں اور جو شریعت آنحضرت صلعم کو عنایت ہوئی ہے وہی ہے جو حضرت ابراہیم کو عطا ہوئی تھی ۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۹۴ ۔

جب آپ کے اقرار و اعتراف سے اسقدر اتصال و اتحاد خود ثابت ہوتا ہے تو اصل شرع کے بانی اور حامل کے حالات کو مرفوع القلم کر دینا تو گویا اپنی شریعت کے ثبوت و تفہیم ہونے کو ناقص اور مشتبہ چھوڑ دینا ہے ۔ دعوی اتحاد کے ساتھ یہ ضرور تھا کہ حضرت ابراہیم کے تعلیم و ارشاد کے ساتھ آنحضرت صلعم کی تبلیغ رسالت کے احکام و اغراض کو بالکل متحد اور متصل ثابت کر دیتے ۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور یہ نقص حالات جناب ابراہیم کی فروگذاشت کے باعث باقی اور قایم رہ گیا ۔ صاحب ارض القرآن تو اسکے لئے یہ معذرت پیش کر بھی سکتے ہیں کہ انکے موضوع تالیف کو اس کی تفصیل سے اسقدر تعلق نہیں تھا ۔ مگر شبلی صاحب اپنی کوتہ قلمی کی کوئی تلافی نہیں کر سکتے ۔

اس ضرورت خاص کو مدنظر رکھکر ہم نے اپنی کتاب میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے تمام و کمال حالات پوری تفصیل سے قلمبند کئے ہیں اور ہم اس مقام پر اپنے معاصر مولفین کی ترتیب تالیف سے علیحدہ ہو کر اپنے خاص طریقہ تدوین سے کام لیتے ہیں ۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ وآلہ السلام اللہ

خلیل خدا ۔ ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ التحیۃ والثناء تارخ ابن ناحور کے صاحبزادے تھے ۔ یہ تارخ وہی ہیں جن کو توراۃ میں تیرح لکھا ہے ۔ تارخ غالباً تیرح کا معرب ہے ۔ ماں کا نام نونا بنت کرنبا ابن کوثی ہے (ابن سعد ج ۱ ص ۲۱) سلسلہ نسب گیارہویں پشت میں اس تفصیل سے حضرت نوح تک پہونچتا ہے کہ حضرت ابراہیم [1] بن تارخ [2] ابن ناحور [3] بن ساروغ [4] بن راعو [5] بن فالغ [6] بن عابر [7] بن شالخ [8] بن ارفخشد [9] بن سام [10] بن نوح [11] علیہ السلام ۔

مقام ولادت علاقہ بابل میں قریہ کوثی بتایا جاتا ہے ۔ حاکم وقت نمرود ابن کنعان ابن کوش تھا جو اسکے علاقہ میں عوف ابن فاران حکمراں تھا ۔ نمرود اور اوسکی ماتحتی رہا ۔ اسکے حالات جہانتک تاریخوں سے

بقدر امکان دریافت کئے گئے ہیں۔ مبتلا رہے ہیں کہ اوس زمانہ میں علاقہ بابل کے تمام اقوام و قبائل انواع و اقسام کے اصنام و اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔ خداپرستی اور اوسکی ذات واحد کی وجود کا کوئی خیال اون میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے نفوس کو اپنے تمام مال و متاع کے ساتھ بتوں کا مطیع و منقاد سمجھتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو رب العباد۔ بت پرستی کے ساتھ ستارہ پرستی اور شخص پرستی بھی اونکے اجزاے ایمان میں داخل تھی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی ولادت بھی خاص طور پر کرشمہ قدرت ثابت ہوتی ہے۔ ولادت باسعادت کے متعلق اوس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں کا نمرود کو خبر کرنا۔ اور نمرود کا امتناع ولادت کے متعلق تمام انسانی اور امکانی کوششوں میں صرف کرنا اور ناکامیاب رہنا عرب کی تمام چھوٹی بڑی تاریخوں میں بالتفصیل مندرج ہیں۔ ہم اونکو باعث طوالت اور زاید از ضرورت سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں اور آپکے حالات کو ایام طفولیت کے واقعات و حالات سے آغاز کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداشناسی اور معرفت کے ابتدائی حالات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ جس فکر صحیح، تلاش اور حسن تحقیق سے اس خاصہ خداسے خدا کا وجود۔ اسکی معرفت اور اوسکی ذات کی خاص وحدت حاصل فرمائی۔ وہ آفرینش عالم کے زمانہ سے لیکر اسوقت تک اپنی آپ مثال ثابت ہوتی ہے۔ اخبار و اسفار قدیمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ حقیقتاً حضرت ابراہیمؑ کو اپنے زمانہ میں اسکی بڑی ضرورت لاحق ہوئی تھی کیونکہ حضرت نوحؑ کی رسالت کے بعد۔ انبیاے اولی العزم کی مقدس فہرست میں کاتبین قدرت نے آپ ہی کا اسم گرامی لکھا تھا حضرت نوحؑ کی رسالت باوجود اتنی طوالت کے وجود خدا اور اوسکی وحدانیت کی تعلیم میں مشکل سے کامیاب ہوئی۔ ہزار سالہ تعلیم و مواعظ کے بعد مومنین اور خدا کے معتقدین کی تعداد اسی نفوس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ حضرت نوحؑ کے بعد ان مومنین خالصین کی جماعت قوم کافرین پر اپنی تعلیم کا کوئی اثر نہ پہونچا سکی اور کیونکر پہونچا سکتی تھی جب حضرت نوح کے ذاتی پند و نصائح خود اپنے اہل و عیال پر اپنی تعلیم کا اثر نہ ڈال سکے تو ان غربا سے مومنین کے ارشاد و ہدایت کو کون سنتا ہے۔ جو حقیقتاً خدا کی طرف سے درجہ نبوت یا منصب رسالت پر فائز بھی نہیں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نوحؑ کی وفات سے جناب ابراہیمؑ کی ولادت تک کے درمیانی زمانہ میں دنیا پر کفر و فسق کی گھٹا ٹوپ تیرگی چھاگئی۔ خدا کی وحدانیت کیسی۔ اوسکے وجود اور اوسکی معرفت کا خیال بھی نسیاً منسیاً ہوگیا تھا۔ ایسی عام تاریکی اور عالمگیر ظلمت کے زمانہ میں نظام مشیت نے سواد عالم کے مختلف حصوں میں اپنی وحدانیت کا نور اور اپنی معرفت کی عالمتاب شعاعیں اپنے ایک خالص اور کامل بندہ کے ذریعہ سے پھیلائیں اور دور دور تک پہونچائیں۔ جو اپنی ذاتی تلاش اپنی تنہا فکر اور اپنے خلوص قلبی خواہش سے اسکی کامل

معرفت حاصل کرچکا تھا یُقَالُ لَہٗ اِبْرَاھِیْمُ اوسکو ابراہیم (علیہ السلام) کہتے تھے۔

حضرت ابراہیم کی تحقیق معرفت اور تحصیل علوم الہیات کے حالات پر اطلاع رکھنے والے حضرات آپکے استغراق فی المعرفۃ اور اوس ریاضت و مشقت کے واقعات کو پورے طور سے جانتے ہیں۔ جو اس راہ عرفان کے مجاہد اور کامل موحد کو اپنے معبود حقیقی اور اوسکے وجود و وحدت کی تلاش میں برسوں پیش آیا کئے ہیں۔ اور اونکا خلاصہ یہ ہے کہ فطرت انبیا کے اصول معارف کے مطابق حضرت ابراہیم کی مقدس طبیعت طفولیت کے وقت سے۔ خاموش۔ خلوت پسند۔ تارک العلائق اور غور و فکر میں ہمیشہ ڈوبے رہنے کی خوگر واقع ہوئی تھی حضرت ابراہیم کا خاندان ہمیشہ سے معزز تھا اور مقرب شاہی۔ باپ (تارخ) خزانہ شاہی کے کلید بردار تھے۔ اور نمرود کے دربار شاہی میں بڑے صاحب اقتدار (مواہب لدنیہ۔ حیات القلوب) آذر چچا تھے۔ بہت بڑے دستکار اور شاہی بت تراش۔ بدقسمتی سے انکی صنعت و دستکاری بت تراشی اور صنم سازی ہی تک محدود تھی۔ اور کیونکر نہ ہوتی اسلئے کہ اوس زمانہ میں یہی ایک صنعت بہت بڑی صنعت تھی اور اسکی تمام دنیا میں عالمگیر ضرورت تھی۔ آذر نے اپنے اس کام کیلئے اپنے مکان کا ایک حصہ خاص طور پر علیحدہ کر لیا تھا جسمیں بیٹھکر وہ انواع و اقسام کی مورتیں اور مصنوعی خداؤں کی مختلف الاوضاع صورتیں بنایا کرتے تھے۔

قدرت کے عجیب و غریب نظام نے اپنے خالص موحد اور کامل مصدق کو اسی گھر میں پیدا کیا۔ جہاں دنیا اونکے عقاید فاسد کے مطابق ہزاروں خدا بنا کرتے تھے معمول کے مطابق ضرور تھا کہ اس بچہ کی طبیعت بھی اپنے گھر والوں کے اصول عقاید پر نشو و نما پاتی۔ مگر نہیں۔ یہاں تو نظام مشیت کو۔ یعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء عالم کی معرفت علی الاکثر اون کی ضد سے حاصل ہوتی ہے) کے اصول مسلمہ کے مطابق۔ بت تراشی کی اس صنعتگاہ کو اپنی یکتائی اور وحدانیت کی جلوہ گاہ بنانا تھا اور دنیا کو اپنی جبروت قدرت کا ثبوت دکھلانا تھا۔ اسلئے اوسنے اپنے اس موحد اور بت شکن پیغمبر کو خاصکر اسی گھر میں پیدا کیا جہاں بت اور بت پرستی کے اوزار بنا کرتے تھے

تمہیداً اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ آغاز طفولیت سے خاموشی استغراق اور محویت کی حضرت ابراہیم کو عادت تھی۔ اسی طرح آغاز عمر سے ان پتھروں کے ٹکڑوں سے نفرت جس کی وجہ سوا تصرف قدرت اور ودیعت مشیت کے کچھ اور نہیں بتلائی جا سکتی۔ اور اسی کی بنا پر جیسا کہ عرب کی تمام قدیم و جدید اخبار و آثار بتلاتے ہیں حضرت ابراہیم اپنے چچا کی اس صنعت و دستکاری کو ذلت خواری کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اور جب کبھی موقع اور وقت پاتے تھے۔ تو اپنے چچا کے اس ریاض مشقت اور صنعت کو خراب کر دیا کرتے تھے۔ اور مورتوں کی بنی بنائی صورتوں کو کسی کی آنکھ کسی کی ناک کسی کے کان توڑکر بگاڑ دیا کرتے تھے۔

حقیقت شناس حضرات عام و خاص طبیعتوں کی تفریق و تخصیص کے مسئلہ کو یہیں سے سمجھ جائیں معمول
کے مطابق عام بچے اور اون کی طبیعتیں فطرتاً جس قدر کھلونوں اور مورتوں کی شائق اور گرویدہ ہوتی ہیں۔
اوس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے مگر خلاف اسکے یہ بچہ ہوا اور اتفاقاً نہیں بلکہ عمداً اور مستعداً
ان کھلونوں اور مورتوں کو توڑ دیتا ہے گویا اوس کی طبیعت کو عام بچوں کی فطرت کے بالکل برعکس
ان اشیا سے کوئی دلچسپی اور شغف ہی نہیں ہے۔ بلکہ اون کی جگہ خاص نفرت ہے اور کراہیت۔
اس سے ہر ممیز اور محقق شخص نتیجہ نکال لیگا کہ خاصان الہی کی طبیعتیں بھی خاص ہوتی ہیں اور
عام کی عام۔

آزر نے پہلے اسکا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر دو ایک دن کے بعد اونھیں حقیقت حال معلوم ہو گئی کہ یہ
ابراہیمؑ کے ہاتھوں کی صفائی ہے محبت کے تقاضے نے زیادہ زجر و توبیخ کی اجازت نہیں دی۔ مگر لا
اپنی احتیاط اختیار کر لینے کی مجبوری البتہ ہو گئی کہ باہر جانے کیوقت دروازہ بند کر دیتے تھے مگر اسپر بھی
جب کبھی عجلت میں باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھول جاتے تھے تو یہ بچہ جس کی گھٹی میں داعیہ فطرت
بت شکنی کے اجزا ودیعت فرما گئے تھے۔ اون تمام بتوں کو مسمار اور بیکار کر دیتا تھا۔ آزر دیکھتے تھے
کچھ اپنی محبت۔ کچھ بھائی کی مروت اور کچھ اس بچہ کی رعایت کی وجہ سے خاموش رہ جایا کرتے تھے۔
اور بچہ کی ان حرکتوں کو اوسکی طفولیت کا تقاضا سمجھا کرتے تھے۔

تھوڑے دنوں کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ سن رشد و تمیز تک پہونچے تو آزر نے۔ خدا کی شان۔ اس
حقیقی بت شکن سے بت فروشی کی خدمت لینی چاہی۔ آزر اپنی شامت اعمال سے اس کاروبار کا بہت
بیوپار کرتے تھے نفیس صنعتوں اور بحضور دستکاریوں والے بت تو آپ بیچنے کے لئے لیجایا کرتے تھے۔ اور
معمولی بتوں کی فروخت کیلئے انھیں بھیجا کرتے تھے۔ عرب کی قدیم تاریخوں میں اوس وقت کے بعض
واقعات حضرت ابراہیم کے ذکر میں آج تک محفوظ پائے جاتے ہیں اور وہ اس طرح مذکور و مشہور ہیں کہ
حضرت ابراہیمؑ ان بتوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر اونکو زمین پر گھسیٹتے لیجایا کرتے تھے اور فرماتے
جاتے تھے "الا یشترون ما لا یضرہ ولا ینفعہ" کیا کوئی ایسی چیزوں کو مول لیگا جو نہ نفع پہونچا سکتی
ہیں نہ ضرر کبھی ان سنگین مجسموں کو گھسیٹ کر دریا یا چشمہ کے قریب لاتے تھے اور زمین پر رکھکر اون سے
کہتے تھے "اشربا لو کان ینفعہما" اگر تم میں قدرت ہو تو پانی پی لو۔ روضۃ الاحباب باسناد و مواہب، روضۃ الصفا
ج ۲ باب ابتدا فطرت و نبوت در حیات القلوب مجلسی ج اول

ان واقعات پر اگر بزرگوار معمولی اخبار۔ مقامی روایت اور اکثر افسانہ و داستان کا حکم لگا کر ان باتوں کو توجہ

اور اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ وہ اگر ذراسی غور و خوض سے کام لیں تو اُن کی اصلیت کا اُنکے قلوب پر پورا انکشاف ہوجائے۔ قدرت نے اس موحد الٰہی کی طبیعت میں جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں بت پرستی سے نفرت۔ معرفت و خداشناسی سے خاص دلچسپی پیدا کردی تھی فطرت انسانی کے اصول ارتقا کے مطابق جیسے جیسے ان کے سن و سال میں ترقی ہوتی گئی۔ یہ جوہر بھی ویسے ویسے قوت پکڑتے گئے اور بڑھتے گئے۔ انکی طفولیت کا زمانہ رشد و تمیز کے حدود تک آپہونچا تھا۔ اور اس خاصہ خدا کی محقق اور متلاشی طبیعت اپنے مدعائے تحقیق کو ہر پہلو اور ہر طریقہ سے اپنی خاص فکر و تلاش کے ساتھ آپ سمجھنا چاہتی تھی۔ اس ضرورت و امتحان کی بنا پر کبھی ان پتھر کے لاوجود اور بےمقدار ٹکڑوں کو جن میں ہر قسم کی قوت و قدرت مشہور کی جاتی تھی۔ اس ذلت و حقارت سے زمین پر گھسیٹ گھسیٹ کر آزمایا جاتا تھا کہ اگر واقعی وہ پتھر کے مجسمے کسی قوت یا قدرت کے پیکر ہیں تو اپنی اہانت کرنیوالوں سے اوٹھکر دست و گریباں ہونگے۔ یا بدلہ لیں گے یا کم سے کم اونکو کوئی جسمانی یا روحانی آزار پہونچائیں گے۔ اور کبھی اونکے قوائے روحانی کی جگہ اون کے مصنوعی اعضائے جسمانی کے احساس اور اون میں اون کے وجود اور عملی قوت و امکان کا امتحان لیا جاتا تھا کہ پانی کے کنارہ لاکر رکھے جاتے تھے اور آزمایا جاتا تھا کہ اونکے ظاہری لب و دہان میں اگر اتنی قوت و امکان ہے تو وہ پانی پیکر دکھلا دیں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے یہ تمام افعال و احوال آپ کے اوسی امتحان اور قلبی اطمینان کی غرض خاص پر مبنی تھے۔ جو آپ کی تحصیل معرفت کا دیباچہ ثابت ہوتے ہیں اور جنکا ذکر قرآن مجید کے متواتر مقامات میں مذکور ہے اور جو آپ کی حیات مسعودہ آیات میں آپکی تحصیل معرفت تحقیق توحید کے اصلی اور حقیقی معیار قائم ہوتے ہیں ہم انکو علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مقام پر اپنے سلسلہ بیان میں پوری تفصیل کے ساتھ بہت جلد بیان کرینگے جب آپ کے ان ابتدائی حالات و واقعات کا پورا تعلق آپ کے ان اصلی اور حقیقی معیار سے ملحق ہے جنکا ذکر قرآن مجید میں داخل ہے۔ تو باوجود اسکے کہ ان کے حالات عقلی یا عادی ہونے پر بھی کوئی وجہ یا دلیل قائم نہیں کی جاسکتی تو پھر انکو معمولی اخبار، مقامی روایات اور افسانہ و داستان ٹھہرانا بجز عقلی کا انکار اور ناحق کا اصرار ہے۔

اپنے گھر کی گلہ بانی

قوم کے خداؤں کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے یہ اہانت خیز حرکات عام شکایت کے باعث ہوئے تو لوگوں نے آذر کو حضرت ابراہیمؑ کی تنبیہ و تادیب کیطرف توجہ دلائی۔ آذر نے ابراہیم سے یہ خدمت لینی موقوف کردی اور اس ترکیب سے عام شکایت کا دروازہ بند کردیا۔ مگر آذر نے یہ تو کردیا اور گویا باہر کی توہین اصنام سے ابراہیم کو روک لیا۔ مگر اس سے گھر کے اندر

جوان بیٹوں کی ذلت و خرابی ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے آئے گئے دن ہوا کرتی تھی اوسکی اصلاح کیسے ہو سکتی تھی۔ آذر نے بالآخر یہ تجویز ٹھہرائی کہ انکو گھر کی دنبیاں چرانے کی خدمت سپرد کر دی اور تارخ نے بھی یہ دیکھکر کہ ابراہیمؑ کا سن ان اقسام کے خانگی کاموں کے قابل ہو گیا ہے۔ اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو گھر کی دنبیاں سپرد کر دیں۔ اسوقت سے گویا اس ساعی میدان عرفاں اور راعی قوم انسان نے تحصیل معرفت الٰہیہ اور تحقیق وجود لا متناہیہ میں اپنی عملی کوششوں کا پورا موقع پایا۔

چونکہ یہ خدمت خاص انبیاء و مرسلین کی سیرت کا جزو قدیم ثابت ہوتی ہے اسلئے حضرت ابراہیمؑ کے ایسے پیغمبر اولی العزم کی رسالت کا بھی اسکو دیباچہ تسلیم کرنا ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مسرت سے اس خدمت کو قبول کر لیا۔ گھر کی دنبیوں کے گلہ کو لیکر آبادی سے دور پہاڑ کے دامن اور صحرا کے کھلے میدانوں میں لیگئے۔ یہ مقامات گھر سے زیادہ آپکی دلچسپی، دلبستگی اور روحانی فرحت کے باعث ہوئی۔ کیونکہ آپکی خلوت پسند طبیعت کو خدائے سبحانہ تعالیٰ کے وجود۔ اوسکی وحدت و قدرت کے متعلق پورے اطمینان و فراغت سے غور و خوض کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی دوسرا مقام اور موقع نہیں مل سکتا تھا۔ ان حالات و واقعات پر غور کرنے سے ان شغلہ خاص میں آپکا یہ روزانہ دستور العمل معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سویرے سے دنبیوں کو دامن کوہ یا بطن وادی میں لاکر چرنے کیلئے چھوڑ دیتے تھے اور خود کسی غار میں بیٹھکر یا کسی پتھر کی چٹان سے لگکر یا اوس صحرائے ناپیدا کنار کے کسی گوشہ میں جاکر معبود حقیقی کے وجود اور اوسکی وحدت کے مسئلہ میں رات دن پہروں سوچتے سمجھتے اور غور کرتے رہتے۔ وہ میدان ہوتا تھا اور یہ متلاشی عرفاں۔ اکثر اوقات پہاڑوں اور اون کی گھاٹیوں میں اس معرفت الٰہی کے شیدائی کو اپنی فکر و تلاش میں پورے پورے دن گذر جاتے تھے۔ اور محویت کے اسی وجدانی عالم میں اس سرگشتہ عرفاں کو اپنے سر و پا کی مطلق خبر نہیں رہتی تھی۔ سر مبارک زانوئے فکر پر جھکا رہتا تھا حق بیں آنکھیں تصور اور استغراق کے عالم خاص میں کبھی کھلی کبھی جھپکی تھیں۔ تحقیق وجود اور تصدیق توحید کے مسئلہ میں فطرت کیسی فطرت انسانی اور جذبات روحانی کے معاونے اور مجادلے سامنے تھے۔ یہ تنہا اور سنسان میدان۔ دشت و صحرا کا وسیع ریگستان پہاڑوں کے دامن۔ گھاٹیوں کے گوشہ عافیت۔ غاروں کی خلوت کے قدرتی منظر ایسے مجاہد فی سبیل اللہ کی دلچسپیوں کیلئے کافی تھے۔ یہ وہی سامان تھے اور اسباب جنکو رب الارباب ازلی نے انکی تعلیم و ہدایت تسکین و اطمینان اور تحقیق و امتحان کی غرض سے خاص طور پر فراہم فرما دیئے تھے۔ دنبیوں کو اپنے اذوقہ اور چارے کی تلاش تھی اور ابراہیمؑ کو نور معرفت کے نظارے کی۔

دن بھر اسی عالم کیفیت میں اس شیفتہ حقیقت کو گذرتا تھا۔ رات ہوتی تھی تو دنبیوں کو گھر لاتے تھے۔ مگر گھر آنے پر بھی دن بھر کی محویت۔ اوسکی کیفیت اور اوسکے جذبات آنکھوں کے سامنے سے ہٹتے نہیں تھے۔ خوابگاہ استراحت بھی اسی تلاش و سعی کی جولانگاہ بنجاتی تھی اور تمام رات شاہد حقیقی کی جستجو اور خیال میں کٹ جاتی تھی۔

جناب ابراہیم کے ایام طفولیت اسی مشق و ریاضت میں تمام ہوگئے۔ اور اب شباب کا زمانہ شروع ہوگیا جیسے جیسے سن میں ترقی ہوتی تھی اور قواے جسمانی بڑھتے تھے ویسے ویسے احساس و ادراک عرفانی قوی اور مستحکم ہوتے جاتے تھے اور اصول نمو کے مطابق انکی کیفیت اور اہمیت میں نمو پاکر بڑھتی جاتی تھی۔ مشاہدات قدرت اور تدبر انفسیہ نے ان قدرتی مناظر اور انکے سامانوں کو انکی تعلیم و ہدایت تحقیق و تصدیق میں پوری کامیابی کیلئے از حد مفید اور ضروری قرار دے لیا تھا اور یہ آثار و نشانیاں بھی آپکی فطرت صالح اور طبع سلیم کے مطابق اور بالکل موافق ثابت ہوئی تھیں۔ اسلئے ایسے خدا کے شیدائی اور اوسکی یکتائی کے عاشق صادق کو ان ویران مقامات اور سنسان خرابات کے مقابلہ میں نہ شہر کی راحت پسند تھی اور نہ شہر والوں کی معاشرت مرغوب ہوا کہ پورے سن تمیز پر پہونچکر شب کو گھر میں واپس آنیکا معمول بھی ترک کر دیا گیا۔ اور گھر میں کئی کئی دن تک آپکی صورت پر کسی کی نظر بھی نہیں پڑتی تھی۔ جوان ہو ہی چکے تھے۔ ہر قسم کی تمیز و فہم کا بھی مادہ آہی چکا تھا۔ اسلئے گھر والوں کو آپکے آنے یا نہ آنے پر کسی خاص اضطراب و اندیشہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جبتک سن کم تھا۔ تلاش و تحقیق کی مشق و ریاضت بھی کم تھی اور معلمان قدرت بھی سن کے اعتبار سے اس متعلم الٰہی پر تحصیل معرفت کا زیادہ بار ڈالنا نہیں چاہتے تھے جیوں جیوں سن بڑھتا گیا مشق و ریاضت بھی بڑھتی گئی۔ سن شباب پر پہونچ گئے تو تحصیل معرفت بھی حد تکمیل تک پہونچ گئی۔ خدا کی یکتائی اور اوسکی شناسائی کے پیچیدہ اور اہم ترین مسائل پر غور و خوض کی ضرورت ہوئی۔ ان کے رموز و غوامض ایسے نہیں تھے جو گھنٹہ دو گھنٹے یا ایک شبانروز کی تلاش و تحقیق میں حل ہوجاتے انکے لئے بہت زیادہ اور وسیع وقت درکار تھا اور بڑے غور کی ضرورت تھی اور گہری فکر و خوض کی حاجت چونکہ ایسے جوان صالح کے تمام قواے مدرکہ ان معلومات و محسوسات کیلئے کامل طور سے موزوں اور طیار ہو چکے تھے اور تعلیم یزدانی جذبات روحانی کے ذریعوں سے مکرر تائید ہوتا نے کیلئے ہر دم مستعد و مددگار تھی۔ اسلئے حضرت ابراہیم نے گھر کا رہنا ترک کرکے زیادہ تر پہاڑوں اور صحراؤں میں رہنا اختیار کیا۔ دنبیوں کا چرانا اور گلہ بانی انکے لئے نظام قدرت کا ایک ظاہری حیلہ تھی۔ جو آخر میں تحصیل معرفت اور تفویض رسالت کا اصلی وسیلہ ثابت ہوئی۔

شاہد معرفت کی پہلی جلوہ آرائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک پچیس برس کا ہوچکا ہے ایکبار اسی محویت اور وجدانی کیفیت کے خاص عالم میں مسائل معرفت میں غور فرما رہے ہیں کئی دن ہوچکے ہیں کہ گھر کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ خور و نوش بالکل فراموش۔ نہ سونے کا خیال نہ آرام لینے کا ہوش بقائے روح کی ضرورت سے جنگل کے پھلوں اور چشموں کے پانی پر بسر ہوتی ہے جس جگہ بیٹھے ہیں وہیں بیٹھے ہیں جس مقام پر محو فکر ہیں وہیں کے ہو رہے ہیں۔ ایسا عدیم المثال استقلال ہے اور استحکام۔ ایسی تو محویت ہے اور استغراق کہ دنیا کی کوئی خواہش کوئی تعلق اوسے جنبش اور لغزش میں نہیں لاسکتا محویت کے اسی عالم میں کئی دن گذر چکے ہیں اور آجکا دن بھی بلا تصفیہ تمام ہو رہا ہے آفتاب غروب ہو رہا ہے آسمان کے بیشمار ستارے اس کھلے میدان اور صاف و شفاف ریگستان میں اپنی روشنی پھیلاتے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر معرفت الٰہی کے اس شیدائی کو اپنی محویت میں کسی کی بھی خبر نہیں۔ وہ زانوے فکر پر سر غور جھکائے جہاں بیٹھا ہے وہاں بیٹھا ہے۔ یہانتک کہ رات کا حصہ زیادہ آگیا۔ مگر اوسکی محویت میں کمی نہ آئی۔ خدا خدا کرکے اس متلاشی نور معرفت کی آنکھیں تھوڑی دیر کیلئے ادہر اودہر اوٹھیں ادہر معلمان قدرت اور منتظمان مشیت کو اس سرگشتۂ معرفت کی ہدایت کا نہایت آسان اور سہل ذریعہ ہاتھ آگیا۔ نظر اوٹھاتے ہی خدا کے اس عاشق صادق نے ایک اختر تاباں اور کوکب درخشاں کو نہایت آب و تاب سے آسمان پر چمکتا دیکھا اور شاہد معرفت کی جلوہ نمائیوں کی محویت اور کمال اشتیاق میں اوسکی ضیا نمائی کو انوار حقیقت کی جلوہ آرائی سمجھا اور بیساختگی کے غیر متحمل عالم میں هٰذَا رَبِّي پکار اوٹھا تھوڑی ہی دیر میں اوسکی چمک دمک مدہم پڑگئی۔ اور اس متلاشی حقیقت کو اپنی اس بیساختگی کی مبادرت کا فوراً خیال آگیا۔ اور زوال و انقلاب کو وجود ازلی اور نور ابدی کے منافی و مناقض پاکر اوسوقت اپنی مبادرت بیجا یاد آئی اور فوراً اِنِّي لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ کہکر اوس جرم فلکی کی بے حقیقتی کا اظہار اور وجود حقیقت کے غیر متغیر ازلیت اور ابدیت کا اقرار فرمایا۔

اس تدبیر سے ممتحنان قدرت نے اول بار اپنے وجود و معرفت کے اس متجسس کی اس سیرت اکسیر حال کی سے آزمائش کی اور اوس کو کامل پایا۔ ان سامانوں کو دیکھکر اصول عرفان اور وجود یزدان کا یہ متلاشی اور محقق اپنے اس کلیہ سے کہ زوال پذیر وجود ازلی اور ابدی نہیں ہوسکتا اپنا قلبی اطمینان فرماکر پھر اپنی اسی حالت محویت میں محو ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر نظر اوٹھاتا ہے تو ماہتاب کو اپنے پورے کمال کے ساتھ چاروں طرف روشنی پھیلاتا ہوا پاتا ہے اور اوس کی صاف و شفاف روشنی کے مقابلہ میں چھوٹے چھوٹے تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی بالکل مدہم نظر آتی ہے یہ سماں اور اوسکے سامان دیکھکر اس مبتلائے شوق معرفت کے دل پر

پھر وہی کیفیت طاری اور لب زبان پر ھٰذَا رَبِّی کی پھر وہی عبارت جاری ہوتی ہے۔ چشم زدن میں ماہتاب بھی اپنے شرف کی منزلیں طے کرکے آہستہ آہستہ اپنی روشنی میں کمی پیدا کرنے لگا۔ یہ تغیر پذیر حالت دیکھکر پھر انکے دلمیں معبود حقیقی کی معرفت جوش زن ہوئی اور اب کی بار اس محقق عرفان نے اصول حجت کی جگہ درگاہ رب العزت میں اپنی ہدایت کی مسئلت ان الفاظ میں فرمائی لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ اگر میرا پروردگار مجھکو راہ ہدایت نہ دکھلائے گا تو (کہیں میں بھی تو) گمراہوں کی قوم میں ہوجاؤں۔ بارگاہ الٰہی میں یہ استغاثہ پیش فرماکر آپ نے پھر اپنا اطمینان قلب فرمالیا اسی واقعہ سے انسان اپنے تمام کمالات عقلی کی بساط و حیثیت کا اندازہ کرلے۔ عام اس سے کہ اوس کی عقل کے جوہر اوس کی فکر و تلاش کے کمال۔ ترقی کے انتہائی درجہ تک نہ پہونچے ہوں مگر تاہم وہ قادر مطلق کی غیر مرئی تائید و توفیق کا ہر حال میں محتاج بنا رہتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سالہا سال کی تحقیق اور شبانہ روز کی فکر و تلاش۔ قدرت کے امتحان کے وقت لغزشہائے بشری سے آمیز ہوجاتی تھی۔ مگر آپ کی فطرت صالحہ خدائی توفیق و تائید انکی فوراً اصلاح کردیتی تھی جسکا اعتراف و اقرار اوس پیغمبر برحق کی زبانی ابھی ابھی اوپر لکھا جاچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بشریت کو اپنی تلاش حقیقت میں خطور کرتے ہوئے دیکھکر آخر میں ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہنے کیلئے خدائے یکتا سے دعا کی اور سوائے اسکے اپنی ہدایت اور تحصیل معرفت کا کوئی دوسرا وسیلہ اور ذریعہ نہیں پایا۔ یہ بھی اوس خاصہ ربانی کی کامل الایمانی ہے اور کمال خداداد۔

بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس امتحان ثانی کے وقت بھی پوری کامرانی حاصل ہوئی۔ ماہتاب پر وجود رب الارباب کا کچھ یوہیں سا دھوکا ہوگیا تھا وہ بھی آپ کے اوس قلبی اضطراب اور فوری جذبات کے باعث سے تھا جو حصول معرفت کے لاانتہا اشتیاق و تمنا کی شدت میں آپ کے قلب نورانی پر مستولی ہوگیا تھا۔ رفتہ رفتہ ماہتاب بھی غروب ہوگیا اور یہ عالم بھی آپ کے دل سے زائل ہوگیا۔ فضائے عالم میں ماہتاب کے ڈوب جانیکے بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ ستاروں کی دھیمی روشنی اسکی کوئی اصلاح نہ کرسکی۔ خدا کا وہ سچا متلاشی اور اوسکے وجود کا حقیقی جویا انقلابات و تغیرات کے یہ منظر۔ یخرج الظلمت من النور و یخرج النور الی الظلمت کے گوناگوں عالم دیکھتا رہا۔ سمجھتا اور انپر نہایت تحقیق سے غور کرتا رہا اسی محویت۔ خاموشی اور خود فراموشی کے عالم میں اتنا عرصہ ہوگیا کہ رات کا باقی حصہ تمام ہوکر صبح کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ تاروں کی رہی سہی روشنی اور بھی دھیمی پڑنے لگی نسیم سحر کی سبک خیز موجہ جنبانی شروع ہوگئی۔ درختوں پر جانور بولنے لگے۔ صبح کا سپیدا پھیل چلا اور رفتہ رفتہ تمام دنیا روشن ہوگئی۔ اسی عالم میں معرفت الٰہی

سکا یہ شب زندہ دار بھی اپنی محویت سے بیدار ہوا۔ سر اوٹھایا تو آفتاب عالمتاب کو سامنے پایا۔ بشریت کا قیاس فطرت انسانی کا وسواس آگے آیا۔ اور اس حد سے زیادہ روشن اور سب سے بڑے اور عظیم الشان جرم فلکی کی اہمیت وعظمت پر قیاس کرکے اس کی زبان سے هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ کا فقرا نکلا۔ مگر دوپہر ہوتے ہی اسکی تیزی بھی مدہم پڑ گئی۔ وہ حرارت۔ تمازت اور وہ آب وتاب بالکل جاتی رہی۔ اس محقق ربانی کو پھر اپنی تحقیق کی خامی اور حصول معرفت میں اپنی ناکامی کا پورا الیقین ہو گیا۔ اور ایسا یقین کامل کہ دل سے وسواس وقیاس کے تمام خطور جاتے رہے۔ آنکھوں کے سامنے سے مجاز کے حجاب اٹھ گئے۔ شاہد حقیقت کے نور نے اپنا جلوہ دکھلایا۔ معرفت کی تحقیق کامل ہو گئی۔ اور خدا کے وجود و وحدت کی تصدیق حاصل۔ چونکہ اس شیفتہ حقیقت کو اجرام فلکی کے عارضی اور مجازی انوار بار بار دہوکے میں ڈالتے تھے۔ اور پتہروں کے اصنام کے ساتھ ہی ساتھ ملک وقوم میں اجرام فلکی کی پرستش بھی بڑے زوروں سے جاری تہی۔ اسلیئے خدائے واحد کے اس اصلی مصدق نے اپنی تصدیق وتحقیق کے کامل ہو جانیکے بعد اپنے بیجا قیاس کی تردید وتنسیخ میں جو پہلا کلمہ اپنی زبان سے نکالا۔ وہ حقیقت میں گمراہان قوم ہی کیطرف خطاب اصلی تھا جو ان اوہام وقیاسات کے اعتبار پر ان اجرام کو اپنا معبود سمجھ کر پوج رہے تھے۔ جو کلمہ تمام قوم کی تعریض میں ارشاد ہوا تھا وہ یہ ہے۔ يٰقَوْمِ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ اے قوم کے لوگ! تم لوگ جو شرک کے کام کر رہے ہو۔ میں اوس سے بالکل بری الذمہ ہوں۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کی فطرت صالحہ قوم کے ان ناپاک اعمال وافعال سے ہمیشہ سے متنفر تہی۔ مگر جیسا کہ ابھی مذکورہ بالا صورت واقعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ قوم وملک کے اس گمراہانہ اور مشرکانہ رسم ورواج نے ایسے عین تحقیق معرفت کے موقع پر بار بار حائل ہو کر اشتباہ وتشکوک پیدا کرنا چاہا تہا۔ مگر آپ کی فطرت نہ کوئی معمولی فطرت تہی اور نہ آپکی طبیعت کوئی عامیانہ طبیعت۔ صانع عالم نے عالم وجود ہی سے آپ کی طبع مقدسہ کو فطرت صالحہ کے اصول واجزا سے مصنوع ومرتب فرمایا تہا اور آپ کی طبیعت میں تقدیس۔ نیز یہ اتقا اور اصطفا کے تمام بیش بہا جوہر بدر خلقت کے وقت ہی سے ودیعت فرما دیئے تھے۔ اس بنا پر بشریت کے اس ناگزیر اور عارضی اشتباہ اور قاصر عن الانفصال احوال ومواقع پر تائید ربانی اور توفیق یزدانی نے مختصر سے امتحان اور تہوڑی سی آزمائش کے بعد اپنے اس برگزیدہ بارگاہ کی پوری رہنمائی کردی۔ اور پھر چشم زدن میں اوسکے کمال تحقیق اور غایت تصدیق میں ایسا ابدی استقلال واستحکام عنایت فرمایا کہ اوس کامل المعرفت نے بارگاہ رب العزت میں اوسکی عظمت وجلال کا اعتراف اور اپنی عبودیت کا اقرار ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا۔ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ ترجمہ۔ میں نے تو ایک ہی کا ہو کر

اپنا رُخ اوس ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے۔ اور میں تو مشرکوں میں سے (کبھی) نہیں ہوں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی معرفت اور خدا شناسی کے واقعات دُنیا کے کارنامے میں اپنی آپ مثال ہیں۔ یہی وہ واقعات ہیں جنسے ہمارے مذکورہ بالا دعوی کا ثبوت کامل ملتا ہے۔ اس خدا رسیدہ بزرگ نے اپنے پروردگار کی یکتائی اور اوسکی بارگاہ تک اپنی رسائی پانے میں بار بار امتحان و آزمائش کی مصیبتیں اوٹھائیں۔ بشریت و روحانیت کے تمام دشوار گذار مراحل و مسالک طے فرمائے۔ عقل سلیم اور نفس غیر مستقیم کے روزانہ مجادلات و مطالبات فیصل فرمائے قلب کے نورانی اقتباسات اور روحانی جذبات کو انسانی وساوس و قیاسات سے کبھی مغلوب نہ ہونے دیا۔ اشتباہ و اوہام کی تیرگی کو اپنے دل میں انوار حقیقت کے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔ طبیعت کے معمولانہ انداز کو برابر دکا فطرت صالحہ کی ہدایت و ارشاد کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنایا۔ وجود الہی کی تصدیق کی اور اوسکی وحدت کی تحقیق معبود حقیقی کی تلاش و جستجو اپنی حیات و وجود کا اصلی مدعا سمجھا۔ آغاز طفولیت سے لیکر شباب کا پورا زمانہ آگیا۔ مگر اتنی مدت میں ایک لحظہ کیلئے بھی یہ تلاش و خیال کبھی اپنے قلب نورانی سے نہیں نکالا۔ بالآخر سبیل معارف کے اس مجاہد کی روزانہ کوشش اور کد و کاوش نے اسکو ایسا کامل عارف باللہ اور حقیقت آگاہ بنایا جس نے تمام اقطاع میں اپنے فیضان ہدایت اور انوار ارشاد سے معرفت الہی کی روشنی پہونچائی۔ ایسا قدسی نفس حقانیت کا متلاشی۔ وحدانیت کا جویا۔ جو ابتلا و امتحان کے ہر موقع پر کامیاب و کامراں رہکر اپنی صادق الایمانی اور کامل الاعتقادی ثابت کر چکا ہو۔ کیونکر اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر نہیں تسلیم کیا جائیگا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے واقعات حیات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی عمر کا تمام زمانہ ارض بابل سے ہجرت فرمانے اور شام و مصر و کنعان میں قیام رکھنے کی مدت تک خصوصاً تحقیق عرفان اور تصدیق ایمان کے معارض امتحان میں صرف ہو گیا ہے جس کو ہم اپنے سلسلہ بیان میں آگے اپنے اپنے مقام پر پوری تفصیل سے بیان کرینگے۔

مرقومہ بالا حالات وہ واقعات معرفت ابراہیمی کے وہ مکاشفات و مشاہدات ہیں جو قرآن مجید میں داخل ہیں۔ اسلامی مفسرین نے اسی ضمن میں آپ کے کمال معرفت کی ایکدوسری مثال قلمبند فرمائی ہے جسکو ہم ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

انوار حقیقت کی دوسری جلوہ نمائی۔ جناب ابراہیم علیہ السلام حضرت باریتعالی کی تلاش معرفت میں محو تھے۔ اور تحقیق وجود و وحدانیت میں سراپا غرق۔ اسی

محویت اور استغراق کے عالم میں دن بھر گذر گیا۔ رات ہو گئی اور وہ بھی اسی غور و خوض کی کیفیت میں تمام ہونے کی قریب پہونچ گئی۔ متلاشی عرفان کو اوس میدان میں نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ اسی عالم میں صبح ہو گئی۔ سپیدا پھیل چلا۔ مرغانِ سحر کی خوش آئیند آوازیں آنے لگیں۔ دفعتاً کسی خوش آہنگ طیر صحرائی نے عجیب پُر اثر اور دلکش آواز میں یوں نغمہ سرائی شروع کی سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ۔ تسبیح و تقدیس کے قابل وہی پروردگار ہے جو ملائکہ اور تمام ذی روح اشیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ معرفت الٰہی کے اس گوش بر آواز متلاشی نے جیوں ہی ایسا نغمہ سرائی کو اپنے کانوں سے سنا فوراً اپنے مقام سے اوٹھا اور اوس آواز کے پیچھے ہو لیا۔ مگر وہ ایسا ناآشنا کی آواز تھی جو صرف اپنی خوش نما آواز سناتا تھا۔ اور اپنے حسن و جمال کا جلوہ نہ دکھاتا تھا۔ جو اس مشتاق جمال کا اصلی مدعا تھا اور حقیقی تمنا۔ بظاہر وہ طائر بھی ایسا شاطر نکلا کہ قدم قدم پر اپنی آواز تو سنا دیتا تھا مگر صورت نہ دکھلاتا تھا۔ ابھی تھوڑے فاصلہ پر اس کی آواز سنائی دی اور یہ اوسکی آواز پر وہیں جا پہونچا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ غرض اسی طرح جدہر جدہر وہ آواز آتی گئی۔ یہ ادہر ادہر پہونچتے گئے۔ یہاں تک کہ اپنی اس سعی و تلاش میں اپنے مقام سے بہت دور نکل آئے۔ اب اچھی خاصی صبح ہو گئی اور تمام روشنی پھیل گئی۔ تو وہ معجز نما نغمہ سرا میدان سے نکلکر ایک قریب کے پہاڑ پر بولتا ہوا معلوم ہوا۔ متلاشی حقیقت اپنی ہمت اوٹھا کر یہی تحقیق حال کی کوشش سے نہ تھکا اور فوراً اوس پہاڑ کی چوٹی پر آیا۔ اوہر یہ پہاڑ پر پہونچے اودہر اوس نغمہ آرا نے قدرت نے پہاڑ کے دوسری طرف والے دامن میں اپنے خوش آہنگ لہجے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ سنا کے آواز ختم کی یہ متلاشی حقیقت وہاں آیا۔ قدرت کی آزمائش مشیت کا امتحان ختم ہو گیا۔ ممتحنان الٰہی نے اسکی حقیقی کوشش کے کمال و انتہا کا اندازہ کر کے اپنا اطمینان کلی کر لیا۔ تو نظام ہدایت کے اسرار کا اوسکی حقیقت بیں آنکھوں کے سامنے پورے طور سے انکشاف کر دیا۔ اور حقیقت کے اس متلاشی نے دیکھ لیا کہ وہ ہوش ربا اور معجز نما آواز دینے والا نہ کوئی ایسا عجیب و غریب جانور ہے۔ جو اپنی ندرت میں عنقا ہو۔ یا قدر و قیمت میں ہما۔ بلکہ جنگل کا ایک معمولی سیاہ تیتر ہے۔ جو ایسی خوش آوازی سے خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔

یہ دیکھ کر جناب ابراہیمؑ نے اوسکی لاوجودی اور بے مقداری کا یقین تو کر لیا تاہم اسکی خوش آوازی دل سے نہ بھولی چاہا کر اوسکو پکڑ لیں۔ مگر انکے اس ارادہ سے پہلے ہی وہ یہ کہتا ہوا اور گیا کہ اے حقیقت کے متلاشی۔ اس سے زیادہ میرے پیچھے نہ پڑ میں خدا کا فرشتہ اوسکی مشیت کا فرستادہ تھا۔

جو تیری ہدایت اور امتحان و اطمینان کی خاص کیفیت سے بھیجا گیا تھا۔ حیات القلوب جلد اول

سیرت انبیا علیہم السلام کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایسے ہی آسان اور معمولی طریقوں اور ذریعوں سے انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کو معرفت ربانی کی تعلیم و ہدایت کی جاتی ہے۔ اور انھیں ترکیبوں اور تدبیروں سے اونھیں اثبات وجود، مصداق توحید۔ اور اذکار تسبیح و تحمید باریتعالیٰ کے اسرار کا انکشاف کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ تعلیم معرفت کے ساتھ ہی ساتھ خدا سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ بندے کو اپنی عبادت کے آداب اور طریقے بھی بتلا دئے تھے۔ جو حقیقت میں حصول معرفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

ان واقعات میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تحصیل معرفت اور تحقیق وحدانیت کی حقیقت پوری تفصیل سے بیان کر چکے۔ یہ مقدس پیغمبر قدرت کے امتحانوں اور مشیت کی آزمائشوں میں ایسا کامل اترا کہ صحیفۂ قدرت نے اس عارف اور کامل المعارف بزرگ کو وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (خدا نے ابراہیم کو اپنی چند نشانیوں میں آزمایا اور اوس نے اوسکو پورا کیا) کے ایسے صاف اور روشن الفاظ میں تکمیل کی سند۔ اور اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (اور میں نے تجھکو لوگوں کا پیشوا بنایا) کی زریں عبارت میں قابلیت کا تمغا عنایت فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان مشاہدات حقیقت اور تکمیل معرفت کے بعد منصب رسالت پر فائز فرمائے گئے۔ اور شعشم حقیقی کی ان لازوال نعمتوں سے مالا مال ہوکر گھر واپس آ گئے۔ اسوقت آپ کا سن تیس اور چالیس برس کے درمیان تھا۔ تبلیغ رسالت نے اصول الٰہیہ کے مطابق آپ نے اپنی دعوت کا اعلان اور تعلیم و ہدایت کا اظہار اپنے ہی خاندان اور گھر والوں سے شروع کیا۔ اسلامی مورخین و محققین کی تحقیق میں آپ نے اپنی ماں کی ہدایت سے اپنی دعوت کی ابتدا فرمائی۔

آذر کی بی بی سے احتجاج صحرا سے واپس آکر اور بارگاہ رب العزت سے رسالت کا منصب پاکر حضرت ابراہیم نے دو تین دن محض خاموشی اور سکوت میں کاٹے یہ ایسا جلیل القدر منصب کی جبروتی تاثیر ہے جو خاص خشیۃ اللہ سے تعبیر کی جاتی ہے سیرت انبیاء و مرسلین پر نظر رکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ آپکا یہ سکوت یہ خاموشی آپ کی تنہا ذات تک محدود و موقوف نہیں تھی بلکہ آپ سے ماقبل اور مابعد جتنے خاصان الٰہی اس عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوئے ہیں۔ تفویض رسالت کے

وقت اون کی ایسی ہی حالت ہوئی ہے۔ آپ کی یہ خاموشی طبیعت کی کسی کدورت یا ناسازی کا اظہار نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اوس سے ترک تعلق۔ گھر والوں کی صحبت اور اون کے اطوار و کردار سے قطعی ناراضی اور بے سرد کاری ثابت ہوتی ہے۔ قلبی تعلقات کی وجہ سے آپ کے اس سکوت اور بہہ دم کی خاموشی سے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ۔ آپ کی (مجازی) ماں (جو حقیقتاً آپ کے چچا آذر کی بی بی تھیں) متاثر ہوئیں۔ آپ کے پاس آئیں اور پوچھنے لگیں چپ کیوں ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دینے اور وجہ خاموشی بتلانے سے پہلے استفسار فرمایا کہ آپ پہلے مجھے یہ بتلا دیں کہ میرا پروردگار کون ہے۔ جواب ملا تمہارا باپ (یعنی آذر) پوچھا گیا کہ باپ کا پروردگار کون ہے۔ جواب دیا گیا نمرود۔ استفسار کیا گیا کہ نمرود کا پروردگار کون ہے۔ اب تو آذر کی بی بی کی تحقیق انتہا تک پہونچ چکی تھی۔ کیونکہ اوسکے علم عقیدت میں نمرود کے بعد پھر کسی میں یہ عظمت تھی اور نہ قدرت جو پروردگار ہونے کی حیثیت رکھتا ہو۔ ابراہیم سے قوم کے مسلمہ معبود نمرود کی نسبت یہ معترضانہ اور گستاخانہ استفسار سُن کر آذر کی بی بی جھلا اوٹھی۔ اور اوس سے صرف یہ کہکر چپ رہو۔ کیا بکتے ہو کہکر چلی آئی۔

آذر جو اوسوقت تمام خاندان کے افسر تھے اور ابراہیمؑ کے مربی۔ اور تمام گھر بار کے مالک و مختار اتفاق سے وہ بھی چلے آئے۔ اپنی بی بی سے ابراہیم کے استبدادی خیالات معلوم کر کے نہایت طیش میں آئے اور اوسی وقت ابراہیم سے مستفسر حالات ہوئے ابراہیم نے انکے ساتھ بھی وہی استفسار شروع کئے۔ یہ بھی اپنے گمراہانہ عقیدے کے جوابات کو آخر سلسلہ تک پہونچا کر اوسی طرح عاجز آگئے۔ اور سخت ناراض ہو کر انکے پاس سے اوٹھ گئے۔ روضۃ الاحباب جلد اول باسناد مواہب لدنیہ وغیرہما

اِن استفسارات کا حال قرآن مجید میں داخل نہیں ہے۔ مگر اسلام کے قدیم و جدید مفسرین و محدثین انکا ذکر اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں۔ اسلئے زمانہ جدید کے محققین کی اصطلاح خاص میں یہ مرویات عرب مقامی روایات کہی جائینگی۔ مگر باایں ہمہ انکے وقوع میں مشکلات یا محالات کا کوئی سبب اور قرینہ نہیں پایا جائیگا۔ ہم نے اسی کی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کی اس ابتدائی احتجاج سے اپنے سلسلہ کلام کو آغاز کیا ہے اور مناسبت مقام اور سلسلہ کلام میں باہمی ربط و تسلسل قایم رکھنے کیلئے ضرورتاً انکی نقل کو ضروری سمجھا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ اور جناب ابراہیمؑ کے ابتدائی تبلیغ رسالت میں مساوات

تبلیغ رسالت کا پہلا فرض منصبی معرفت الٰہی کی عموماً اوسکے وجود اور وحدت کی تصدیق کرنا ہے اور اوسکا آغاز قربت اور خصوصیت کی وجہ سے اپنے

گھر والوں سے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے تبلیغ رسالت میں بھی یہی اصول و طریقہ قایم رکھا اور اپنے گھر اور خاندان والوں کی تعلیم و ہدایت شروع کردی۔ گھر کے بزرگوں اور سرپرستوں سے جس طرح اسکی ابتدا کی گئی اوس کی صورت اوپر بتلادی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم کی تبلیغ رسالت کی یہ تمہید ہی مماثلت اور مطابقت غور و لحاظ کے قابل ہے۔ سلسلہ ابراہیمی کے اشرف المرسلین اور خاتم النبیینؐ نے اسی تقلید و تاسی میں۔ نزول آیہ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کے موقع پر اوسی طرح اپنے چچا ابولہب کی زجر و توبیخ اور گمراہانہ طعن و تشنیع سُنی تھی جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آغاز تبلیغ میں اپنے چچا آذر کے کلمات حقارت آمیز سُنے۔ آذر بھی ابولہب کی طرح مخالف رسالت اور منکر نبوت بنا رہا۔ اور اسکے گمراہانہ انکار کا سلسلہ برابر قایم رہا۔ آذر کے ساتھ جس احتجاج کا ذکر ہم نے اوپر قلمبند کیا ہے۔ وہ محض ابتدائی تھا۔ اس احتجاج پر آذر نے اوسوقت صرف اتنا خیال کرکے ٹال دیا کہ کسی خاص وجہ سے ابراہیم کے جوانانہ خیالات میں ایک قسم کی غیر متوقع تحریک اور جوش پیدا ہوگیا ہے۔ جو رفتہ رفتہ سن کی طوالت اور قومی اور خاندانی معاشرت کے اثر سے زایل ہوجائیگا۔ حضرت ابراہیم نے بھی اسپر زیادہ اصرار کو ضروری نہ سمجھا اور خاموش ہو رہے۔

حضرت ابراہیم کا یہ سکوت عارضی تھا۔ آپ کو بت پرستی سے فطرتاً جتنی نفرت تھی اتنی ہی آذر کو عقیدت اور محبت۔ اجتماع ضدین ناممکن تھا۔ اس بنا پر جب کبھی باہم گفتگو کا موقع آجاتا تھا تو یہ سکوت جاتا رہتا تھا اور احتجاج کا وہی سلسلہ پھر شروع ہوجاتا تھا۔ حضرت ابراہیم آذر کو بت پرستی سے روکتے اور اس ناپاک عقیدے اور طریقے سے منع فرماتے تھے آذر اپنی جہالت اور ضلالت کی جھلاہٹ میں آپکے مدعائے اصلی کو تفصیل سے کان لگاکر نہ سنتا تھا۔ آذر نہ سمجھتا تھا۔ ابولہب کیطرح ہمیشہ جھلاتا ہوا اور اول فول بکتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اسلئے نہ حضرت ابراہیم کو اطمینان سے آذر کو اپنے اصول ہدایت کے بتلانے کا کافی موقع ملتا تھا۔ اور نہ وہ کبھی ٹھنڈے دل سے آپ کے ارشاد کو سنتا تھا اور نہ سمجھتا تھا۔

آذر سے احتجاج و انکشاف معرفت

اتفاق سے آذر ایک دن ابراہیم کے پاس آیا۔ اوس وقت اوسکا مزاج کسیقدر اعتدال پر تھا۔ حضرت ابراہیم نے اوسکے رُخ سے اعتدال و اطمینان کے آثار ہویدا و آشکار پاکر گفتگو شروع کی۔ یہ مکالمہ پوری تفصیل سے قرآن مجید میں مرقوم ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ

(اور اے پیغمبر!) قرآن میں ابراہیم کا تذکرہ بھی (لوگوں سے) بیان کرو کہ وہ بھی بڑے ہی سچے (بندے) اور نبی تھے جب

وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا

اونہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ (ابا جان آپ کیوں ان (بتوں) کی پوجا کرتے ہیں۔ جو نہ کچھ سنتے ہیں اور نہ کچھ دیکھتے ہیں۔ اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں۔ ابا جان مجھکو (خدا کیطرف سے) ایسے معلومات حاصل ہوئے ہیں جو آپکو نہیں حاصل ہوئے تو اب آپ میرے پیچھے ہو لیجئے۔ تو میں آپ کو سیدھا راستہ بتلا دونگا ابا جان شیطان (کے کہے میں آکر بتوں) کو نہ پوجئے کیونکہ شیطان (خدائے) رحمان سے باغی ہے۔ ابا جان مجھکو اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہو کہ (خدائے) رحمان کیطرف سے آپ پر کوئی عذاب آئے اور آپ شیطان کے ساتھی بنیں۔

آذر اپنی شامت اعمال سے حضرت ابراہیم کے اس خیر خواہانہ مواعظ کا ان کافرانہ انداز میں جواب دیتا ہے۔

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا

ابراہیم کے باپ نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آئیگا تو میں ضرور تجھے سنگسار کردونگا اور اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے دور ہو جا۔

جناب ابراہیم کمال معرفت کے اثر سے پر جلال ہو کر جواب دیتے ہیں۔

قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا

سورۂ مریم رکوع ۳

ابراہیم نے کہا (اچھا تو) میرا اسلام ہے۔ (اس پر بھی) میں اپنے پروردگار سے آپکی مغفرت کی دعا کرونگا۔ (کیونکہ) وہ مجھپر حد درجہ مہربان ہے اور میں نے تم (بت پرستوں) کو اور تمہارے اُن) بتوں کو جنکو تم خدا کے سوا (حاجت پڑنے پر) پکارتے ہو۔ (سبکو) چھوڑا اور اپنے پروردگار کو پکارونگا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگنے میں بے نصیب نہونگا۔

مندرجہ بالا عبارت قرآنی سے احتجاج ابراہیمی کی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اور یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہوگئی کہ اس داعی توحید نے آذر سے ایکبار معرفت اور خداشناسی کے دلائل۔ کفر شرک اور بت پرستی کے نقائص نہایت تفصیل سے بیان کئے تھے اور امید کی تھی کہ آذر انکے سمجھنے میں غصہ و جہالت کی جگہ عقل و فراست سے کام لیگا۔ اور دونوں طریقوں کے نیک و بد پر غور کریگا۔ مگر آذر تھا سخت کافر خدا کا منکر اور بتوں کا عاشق۔ ایکبار بھی پیغمبر حق کی دعوت اور موعظت سے اثر پذیر نہوا۔ اور اپنی ضلالت و جہالت کے طیش میں آکر اُٹھ گیا۔ اور جناب ابراہیم کے اون اخلاق کریمانہ کی بھی کوئی قدر نہ کی جو باوجود اپنی عصبیت کے آپ نے اوسکی مغفرت کیلئے وعدوں کیصورت میں ظاہر فرمائے تھے۔ اور جن سے اُسکے

حقوق پرورش کی صرف ادا کاری مقصود تھی۔ مگر بتوں کی محبت اور بت پرستی کے ساتھ عقیدت رکھنے کے مقابلہ میں آذر کو نہ جناب ابراہیم کا کوئی درد تھا اور نہ کوئی قدر و منزلت۔ اوس پیغمبر برحق اور موحد مطلق نے آذر کی شامت اعمالی کی صورت حال ملاحظہ فرما کر صاف صاف الفاظ میں کہدیا کہ اگر تو مجھ سے اور میری تعلیم و ہدایت سے ایسی نفرت ظاہر کرتا ہے تو میں بھی تجھ سے اپنے تمام تعلقات موقوف و متروک کرتا ہوں

حضرت ابراہیم کا اپنے کمال معرفت پر اصرار و استقلال

قوم مشرکین و کافرین سے احتجاج

آپ کے ساتھ آذر کی آزردگی، ناراضی اور نفرت کو برابر بڑھاتا رہا۔ قرآن مجید میں ان احتجاج و مکالمات کا متواتر مقامات پر ذکر آیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آذر کے ساتھ اوس کی ہدایت کے لئے ایسے احتجاج متواتر قائم فرمائے۔ پہلے تبلیغ رسالت کے اصول کے مطابق اوسکو، پھر اوس کے بعد ساری قوم کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اور قرینہ بھی یہی بتلا رہا ہے کہ آذر نے اپنی غایت درجہ کی ضلالت کیوجہ سے پہلے آپ پھر ساری قوم کے عمائد و اکابر کے ذریعہ سے اس داعی کلمۃ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے امتناع میں گمراہانہ کوششیں ضرور کی ہونگی اکابران قوم حقیقت میں سخت سے سخت کافران قوم تھے۔ ان سے احتجاج کیوقت جس اعلیٰ پیمانہ پر عقلی، اخلاقی اور تمدنی دلائل سے انکی تعلیم و ہدایت فرمائی گئی اور خدا پرستی کی سیدھی اور سچی راہ بتلائی گئی۔ وہ قرآن مجید کے سورۂ انعام رکوع ۵ میں درج ہے۔

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ
هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ
يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ وَ
كَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ
أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَ
أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ
أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا
إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ إِنَّ
رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

سورۂ انعام رکوع ۵

(اے پیغمبر) ابراہیم کی قوم کے لوگ اون سے (اس بات پر) لگے جھگڑنے۔ تو ابراہیم نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کی (وحدانیت کے بارے میں) جھگڑتے ہو۔ حالانکہ وہ تو مجھکو (اپنی توحید کا) سیدھا رستہ دکھلا چکا ہے جن (بتوں) کو تم اوسکا شریک مانتے ہو تو میں کچھ اون سے ڈرتا نہیں (نہ مجھکو وہ کچھ نقصان پہونچا سکیں گے) مگر ہاں میرا پروردگار ہی (مجھکو کچھ نقصان پہونچانا چاہے) تو اوس کی مرضی۔ میرا پروردگار تو اپنے علم کی رو سے سب چیزوں پر حاوی ہے۔ کیا تم (اس بات کا) خیال نہیں کرتے۔ اور جن چیزوں کو تم شریک خدائی بتلاتے ہو۔ میں اوس سے کیوں ڈرنے لگا۔ جبکہ تم اس بات سے (مطلق) نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک خدائی بنا یا جنکے (معبود ہونے کی)

سند خدا نے تمہارے لئے نہیں اوتاری تو ہم دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن کا (و اطمینان سے رہنے کا) حق دار ہے۔ اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو (تو تم ہی آپ سمجھ لو) جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور اونھوں نے اپنے ایمان میں ناانصافی (شرک) کی آمیزش نہیں کی۔ یہی لوگ ہیں جو امن و اطمینان خاطر کے مستحق ہیں اور یہی لوگ راہ راست پر ہیں۔ یہ ہماری سکھی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اونکے قائل معقول کرنے کیلئے بتلائی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں رتبے بلند کرتے ہیں۔ اے پیغمبر تمہارا خدا بیشک بڑا حکمت والا سب کچھ جانتا ہے۔

یہ تھے جناب ابراہیمؑ کے کمال معرفت۔ یہ تھی آپ کی خداشناسی۔ یہ تھے آپکے اقرار عبودیت اور اسکی معبودیت کے اعتراف اسکے اظہار و اقرار میں کسی فانی ہستی یہ مٹ جانیوالے وجود کے ظاہری تعلق کا جزو آیا کلاً۔ کوئی لگاؤ نہیں پایا جاتا۔ نہ کسی کی دولت و ثروت۔ قوت و سلطنت کا خوف و خیال کیا جاتا ہے اور نہ کسی قرابت مند اور خاص اہل و عیال سے ترک تعلق کے جانے پر کوئی رنج و ملال فرمایا جاتا ہے۔ صاف صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تعلقات گو بطور ظاہر کیسے ہی گہرے اور ضروری ہوں مگر خدا ئے واحد کی معرفت اور اوسکے تقرب و توسل کے آگے انکا کوئی وجود ہے اور نہ ہستی۔ دنیا سے فنا ہو جانے والے وجود چاہے کتنے صاحب ثروت و قوت نہ ہو جائیں۔ مگر قادر مطلق کی وحدانیت پر سچے ایمان والے گو کیسے ہی نحیف الجثہ اور ضعیف الاعضا ہوں۔ اون سے ایک لحظہ کیلئے بھی مخوف اور مرعوب نہیں ہوسکتے۔ صرف اسلئے کہ خدا ئے قادر کی قوت کے مقابلہ میں وہ انکی قوت و طاقت کو ذرہ بھر بھی نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک جاننے والا تنہا اوسکے مطیع رہکر نہایت اطمینان و آزادی سے رہتا ہے اور صرف ایک اوسی کی رضا و خوشنودی کی فکر رکھتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں خدا ماننے والے ہمیشہ ردو بدل۔ ترجیح و تفضیل کی غیر مطمئن اور غیر مستقل حالتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور رات دن اپنے کثیر التعداد معبودوں کے راضی و خوشنود رکھنے میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس لئے اون کی زندگی کے ایام نہ امن و آرام کے ایام ہوسکتے ہیں اور نہ اون کا زمانہ اطمینان و آزادی کا زمانہ۔ گمراہان قوم آپ کے اس احتجاج و ارشاد کا کوئی جواب نہ دے سکے اور حقیقت میں عاجز اور قائل ہو کر دل ہی دل میں حضرت ابراہیمؑ کی عقل سلیم اور آپ کے خداداد ذہن و ذکا کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے پاس سے واپس آگئے۔

اب ملک و قوم میں حضرت ابراہیمؑ کے عقائد اور ارشاد و ہدایت کے چرچے ہونے لگے۔ اور ہر شخص آذر کے سلسلے سے جو قوم کے مذہب کا قدیم کاہن تھا ۔ سب سے بڑا حامی۔ اور اوسکے خاص گھر سے۔ جہاں ملک و قوم کے دیوتا خدا بنا کرتے تھے۔ ایسے تو حید کے مذہب شخص کا پیدا ہونا بہت بڑی تعجب کی بات سمجھتا

تھا اور سخت نفرت سے دیکھتا تھا۔ انہیں حالات کے ساتھ یہ بات بھی تمام قوم کے لوگوں کو متیقن ہوگئی
کہ حضرت ابراہیم باوجود اپنی بزرگان قوم کی فہمایش کے بھی اپنے عقائد کو نہ چھوڑیں گے۔ جیسا اون لوگوں
کے مونھ پر بڑے استقلال و استحکام سے وہ کہہ چکے ہیں۔ ان تمام واقعات کی بنا پر جناب ابراہیم کی
دعوت اور تبلیغ رسالت کی نسبت قوم کافرین کا استعجاب ہی نہیں بڑہتا تھا بلکہ اضطراب بھی اور ہر شخص
ان امور کے نتیجہ کا بیچینی سے انتظار کر رہا تھا۔

خلیل اللہ کے وعظ و ارشاد اور کافرین قوم سے بار دیگر احتجاج

پیغمبر برحق۔ کوئی حالت ہو۔ خدمت رسالت کی انجام دہی سے باز نہیں رہ سکتا کس لئے کہ وہ پابند و گفتگو سے
بیگانہ کا عالم ہوتا ہے حقیقت میں کافرین قوم و ملک کے
پاس آپ کی دعوت کی تصدیق و تسلیم کے سوا تکذیب و تردید کا کوئی معقول طریقہ نہیں تھا۔ صرف
نفسانیت۔ خوف سلطنت اور جہالت اونکو حصول ایمان کی سعادت سے روکتی تھی۔ حضرت ابراہیم کسی
وقت ان کی دعوت سے نہ رکے اور ہمیشہ نہایت آزادانہ اور دلیرانہ طور پر ان کے عقائد فاسد کی تکذیب و
تردید اور اصول توحید کی ترویج و تاکید فرماتے رہے۔ ان واقعات کے متعلق آپ کے احتجاج و ارشاد
مواعظ و خطبات۔ زیادہ مطول مفصل۔ اور مدلل ہوتے تھے۔ قرآن مجید کے سورہ شعرا کی مفصلہ ذیل عبارت
سے اوسکی پوری حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ
قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا
فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ
تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا
اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ
تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ
عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ
يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ
ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ
يَوْمَ الدِّيْنِ وَهَبْ لِيْ حُكْمًا وَاجْعَلْنِيْ مِنْ

اے پیغمبر۔ ان لوگوں کو ابراہیم کا حال پڑھکر سناؤ کہ جب انہوں نے
اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ (تم لوگ) کس چیز کو پوجتے
ہو۔ اونہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور انہیں
کی سیوا کرتے ہیں (ابراہیم نے) پوچھا کہ (بھلا) جب تم انکو
پکارتے ہو تو یہ تمہاری سنتے ہیں۔ یا تم کو فائدہ یا نقصان
پہونچا سکتے ہیں۔ اونہوں نے کہا۔ نہیں۔ مگر ہم نے اپنے
بڑوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا (ابراہیم) بولے کہ کچھ خبر بھی ہے
جن چیزوں کو تم اور تمہارے اگلے باپ پوجتے آئے۔ یہ تو میرے
دشمن ہیں۔ ہاں (میرا سچا دوست تو) پروردگار عالم ہے جس
نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری
رہنمائی کرتا ہے۔ اور جو مجھکو کھلاتا اور جو مجھکو (پانی) پلاتا ہے

الصّٰلِحِيْنَ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي
الْاٰخِرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ
النَّعِيْمِ وَاغْفِرْ لِاَبِيْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا
بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ وَاُزْلِفَتِ
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ وَقِيْلَ
لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ
يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ
وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا
يَخْتَصِمُوْنَ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ
نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا
الْمُجْرِمُوْنَ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ
حَمِيْمٍ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ اور جو
مجھکو ماریگا اور مارے پیچھے پھر (وہی) مجھ کو جلائیگا اور جو
(بخشنے والا مہربان ہے اور اوس سے) مجھ کو توقع ہے کہ
(روز جزا) وہ میرے قصور معاف کریگا۔ اے میرے پروردگار
مجھ کو (دین کی) سمجھ عنایت فرما اور مجھ کو (اپنے) نیک بندوں
میں لیجا شامل کر اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری کر
اور آرام کی جنت کے وارثوں میں سے مجھ کو بھی (ایک وارث)
بنا اور مجھکو اور میرے باپ کو بخش کہ وہ گمراہوں میں سے
ہیں اور جب لوگ (دوبارہ جلا کر) اوٹھا کھڑے کئے جائینگے
مجھکو اوس دن رسوا نہ کیجیو کہ اوس دن نہ مال ہی کام آئیگا نہ
بیٹا بیٹی (کام آئیں گے) مگر (ہاں اوسی کی نجات ہوگی) جو
پاک دل لیکر خدا کے حضور میں حاضر ہوگا۔ اور جنت پرہیزگاروں
سے قریب کی جائیگی۔ اور دوزخ نکال کر گمراہوں کے سامنے
لائی جائیگی اور اون سے کہا جائیگا تم خدا کے سوا جن چیزوں
کو پوجتے تھے (اب) وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرسکتے ہیں یا (تمہاری طرف سے) کچھ انتقام لے سکتے ہیں۔ پھر وہ (معبود)
اور گمراہ لوگ (جو اون کی پرستش کرتے تھے) اور شیطان کے لشکر سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں اوتھیل دئے جائینگے۔
اور گمراہ اور اون کے معبود وہاں (آپس میں) جھگڑنے لگیں گے اور (جھگڑتے وقت) گمراہ لوگ (اپنے معبودوں سے) کہیں گے
کہ خدا کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے کہ ہم تمکو پروردگار عالم کے برابر سمجھتے تھے۔ اور ہم کو تو بس (ان دوسرے) گنہگاروں نے
گمراہ کیا۔ تو (اب) نہ ہمارا کوئی سفارش کرنے والا ہے۔ اور نہ کوئی دلسوز دوست ہے۔ کاش ہمکو (دنیا میں) پھر لوٹ کر
جانا ہو کہ ایمان والوں میں (شامل ہوکر) رہیں۔ بیشک ابراہیم کے اس قصہ میں (بھی) ایک بڑی عبرت ہے اور ابراہیم
کی امت میں اکثر ایمان لانیوالے بھی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیم کے اس مکمل اور مفصل ارشاد سے جہاں تک عالم ایجاد میں احکام و فرمان الٰہی کی تعلیم
و ہدایت فرمائی گئی اوسی قدر عالم معاد میں (بھی) جو کچھ معتقدین شریعت خداوندی کو نیک اعمال کی جزا اور
مشرکین و منکرین کو اون کی بداعمالی کی جیسی کچھ سزا و عقوبت اوٹھانی ہوگی۔ اور پھر اوس وقت اون کی
ندامت و انفعال اون کی زبان حال سے جو کچھ کہلوا سکیگا۔ وہ ایک ایک کر کے تمام لفظوں کو سنادیں

کے ساتھ معلوم ہوگیا تبلیغ رسالت کے اس طریقہ سے پیغمبر برحق نے بسائل معرفت۔ وحدانیت اور جبروت و قدرت الٰہیہ اور نیز سزا و عقوبت۔ رحمت و رافت لامتناہیہ کے تمام فضا و عالم دکھلا دئیے ہیں۔ اور انھیں مواعظ کے ساتھ ہی ساتھ اپنی رسالت کی زبان سے اپنی اخلاق کریمانہ کی شان دکھلا کر۔ خدائے قادر و توانا کے سامنے منصب رسالت پر فایز ہونیکے بعد بھی اپنی لاوجودی۔ بےبساطی۔ بیمقداری اور عجز و انکسار کے نہایت سنجیدگی و متانت سے اعتراف و اظہار فرما دئیے ہیں اور پھر حقوق پرورش اور صلہ رحم کے اظہار میں۔ اپنے چچا آذر کیلئے۔ جنکے کفر و شک کا ذاتی علم تھا مغفرت بارگاہ رحمت سے طلب فرمائی گئی۔

سیرت انبیا علیہم السلام پر کافی نظر رکھنے والے حضرات ان تمام ارشادات کو اشرف الانبیا خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفٰی علیہ والہ التحیۃ والثنا کے مواعظ و خطبات سے آیندہ چلکر ملائینگے تو دونوں کے مقاصد و مطالب کا ایک ہی مرکز اور مرجع پائیں گے۔

اسی مضمون کے مواعظ و ارشاد ابراہیمی سورۂ عنکبوت میں بھی مذکور ہیں۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا
إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا
عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ
إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ وَإِن تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ
مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ
أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ
إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ
فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ
الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يُعَذِّبُ
مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ
وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا
لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن
رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

(اے پیغمبر) ابراہیم کے حالات (ان لوگوں سے) بیان کرو جب اونہوں نے اپنی قوم (کے لوگوں سے) کہا کہ خدا کی عبادت کرو۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (مگر) تم تو خدا کے سوا بس بتوں کی پرستش کرتے ہو۔ اور جھوٹی جھوٹی باتیں (دلسے) بناتے ہو۔ خدا کے سوا تم جن (معبودوں) کی پرستش کرتے ہو تمہیں روزی دینے کا ذرا اختیار نہیں رکھتے تو روزی خدا ہی سے مانگو اور اوسی کی عبادت (بھی) کرو۔ اور اوسکی نعمتوں کا شکر بھی بجا لاؤ۔ (کیونکہ) تمکو اوسی کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے اگر تم مجھکو جھوٹا سمجھو تو تم سے پہلے ہی اُمتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمے تو (حکم خدا کا صاف) پہونچا دینا ہے اور بس۔ کیا لوگوں نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ خدا کس طرح مخلوقات کو اول بار پیدا کرکے پھر اوسی طرح کی مخلوقات کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک سہل سی بات ہے۔ (اور ہم نے ابراہیمؑ سے یہ بھی) ارشاد کیا کہ ان لوگوں کو سمجھاؤ کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے کسطرح

پراول بار (مخلوق کو) پیدا کیا پھر (اوسی طرح وہی) اللہ (لوگوں کو قیامت کے دن) آخری اوٹھانا بھی اوٹھائے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے عذاب دے۔ اور جسپر چاہے رحم کرے اور تم سب اوسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤگے۔ اور تم تو نہ زمین میں (چھپکر) خدا کو ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اوڑکر) اور نہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔ اور جو لوگ خدا کی آیتوں کو اور (قیامت کے دن) اوسکے حضور میں حاضر ہونے کو نہیں مانتے۔ یہی لوگ ہماری رحمت سے مایوس ہو بیٹھے ہیں اور یہی لوگ ہیں جنکو (آخرت میں) عذاب دردناک (ہونا) ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کا یہ خطبہ یا قوم سے احتجاج

خدا کی وحدانیت۔ اوسکی معرفت۔ اوسکی معبودیت اور اوس کے کمال قدرت کا تفصیلی دفتر ہے۔ آپ نے ان مسائل الہیہ کے متعلق ایسے قوی اور مستحکم دلائل اونکے سامنے پیش کئے کہ وہ آپکی عقل سلیم اور دلائل و براہین مستقیم کو سنکر حیران ہو گئے۔ اس احتجاج کے ابتدائی حصہ میں تو اونکو اونکے زمانہ حیات میں حصول عرفان اور قبول ایمان کی نسبت دعوت فرمائی گئی تھی۔ اسکے منافع اور مصالح انکو دکھلائے اور بتلائے گئے تھے۔ مگر اسکے آخری حصہ میں عالم معاد اور آخرت کے متعلق خداپرستی۔ خداشناسی اور دنیا سے باایمان اوٹھنے کے تمام راحت و آرام کو بیان فرمایا گیا اور سمجھایا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین ذات الٰہی اور منکرین قدرت لامتناہی کی آخرت میں سزا و عقوبت اور ہلاکت و تباہی بھی ثابت کر دیگئی۔ مگر حقیقت میں پتھر پوجنے والوں کے دل پتھر ہو گئے تھے۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں قلب سیاہ اور عقل زائل اور اسی طرح تمام قوائے مدرکہ غائب ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں اون کی ضلالت۔ جہالت اور شقاوت کے پاس سوائے اسکے اور جواب ہی کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیندہ عبارت سے ظاہر ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ	قوم کے پاس۔ انکی باتوں کا اسکے سوا (اور کوئی) جواب ہی نہیں تھا کہ (آپسمیں) لگے کہنے کہ اسکو مار ڈالو یا جلا ڈالو۔

اونکی یہ شقاوت قلبی اور بیدردی بہت جلد سلسلہ بیان سے آیندہ معلوم ہوگی۔

قوم مشرکین کی اعظم ترین عید کے دن خلیل اللہ کی بت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزنما احتجاج نے قوم مشرکین کے تمام افراد کو غیر متحمل اضطراب میں ڈال رکھا تھا دعوت ابراہیمی کا تذکرہ زبان زد خاص و عام ہو ہی رہا تھا رفتہ رفتہ نمرود کے دربار سلطانی میں بھی جا پہونچا۔ اس لئے آذر سے کئی بار اسکے متعلق استفسار بھی کیا تھا۔ مگر جہاں تک اسکے متعلق اوسکو اطلاع پہونچی تھی وہ ایسی دہشتناک اور خوف کا باعث نہیں تھی۔ اسی

اثنا میں اون کی ایک بہت بڑی سالانہ عید کا دن قریب آگیا آنیوالی عید کے تذکرہ میں دعوت ابراہیمی کا بھی ذکر آگیا۔ یہ تجویز ہوئی کہ اسی عید میں ابراہیم کے تمام مخالف عقاید کا امتحان و انکشاف ہو جائیگا۔ قدیم دستور کے مطابق قوم کے ہر فرد کو عید کے دن حاضر جمعیت ہونے اور مراسم عید بجا لانے کی عام تو ید یکیگئی اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی خاص طور پر مدعو کیا گیا۔

عید کا دن ہوا۔ ہر خاص و عام چھوٹے بڑے اپنے دستور اور رواج کے مطابق اپنی قومی عید منانے کیلئے جمع ہوئے۔ آذر اور اوسکے احباب خواص۔ اکابر و عمائد قوم نے حضرت ابراہیمؑ سے تشریف لے چلنے کے لئے عرض کی۔ آپ نے پہلے اخلاقاً اور اوس کی ستارہ پرستی پر تعریضاً آسمان کے ستاروں کیطرف دیکھکر انی سقیم[51] یعنی میں ناساز ہوں۔ کہکر اپنی مجبوری ظاہر کی اور اون لوگوں کو ٹال دینا چاہا۔ مگر وہ آپ کے انکار پر جہالت کے خواہ مخواہ اصرار کرنے لگے۔ تو آپ نے ترک کیا۔ اوس تمام مجمع کو مخاطب کر کے جس میں چچا آذر بھی تھے احتجاج و استرشاد کا وہی سلسلہ اوٹھا یا گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ قَالَ بَل رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَٰلِكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ وَتَاللَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ

اسکے پیشتر ہم نے ابراہیمؑ کو شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی اور ہم (اون کی سلامت روی سے) خوب واقف تھے۔ جب اونہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ صورتیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو یہ ہیں کیا چیز؟ وہ بولے ہمنے اپنے بزرگوں کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے (ابراہیم نے) کہا کہ تم اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں پڑے تھے وہ بولے تو کیا ہمارے پاس سچی بات لیکر آیا ہے یا دل لگی کرتا ہے (ابراہیم نے کہا دل لگی کی بات نہیں) بلکہ آسمان و زمین کا پروردگار جس نے انکو پیدا کیا۔ وہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اوسکا گواہ ہوں (اور آہستہ سے یہ بھی کہا) کہ خدا کی قسم تمہارے پیٹھ پھیرے اور چلے پیچھے میں تم لوگوں کے ساتھ ایک چال کرونگا۔

اس مکالمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے وجودی اور بت پرستی کی جہالت۔ اسلاف قدیم کی گمراہیت اور کہرائی تقلید۔ خدا کے واحد کی ربوبیت وخالقیت وتقدیس۔ اونپر اور پرسے طور سے ظاہر کردی مگر اون سنگدلوں کیا اپنے کفر و الحاد پر ویسا ہی مصر پاکر سکوت فرمایا۔

ف۵۱ کیا بحالت صحت جناب ابراہیم کا اظہار بیماری کرنا اصول تقیہ یا توریہ کا ثبوت نہیں ہے۔ فافہم فتدبر

اتنی گفتگو کے بعد وہ عید منانے کے مقام مقررہ پر چلے گئے۔ زیادہ رات گئے تک تمام لوگ عیدگاہ کی سیر و تماشہ میں مصروف رہے۔ حضرت ابراہیم وقت کے منتظر تھے۔ موقع پاکر اپنی اوس عملی تدبیر کی تعمیل کیلئے اوٹھے جسکا اشارہ عبارت قرآنی میں موجود ہے۔ اور ہم نے جس پر خطوط کھینچ دئے ہیں۔ اوٹھے شہر تو آدمیوں سے بالکل خالی ہو چکا تھا اور رات گئے کا سناٹا تھا۔ اور سیدھے قوم کے اوس بڑے مندر پر جا پہونچے جس میں اونکے قابل التعظیم اور عظیم الشان بت نصب تھے۔ وہ مقام بھی سنسان اور بالکل ہو کا میدان ہو رہا تھا۔ نہ کوئی محافظ تھا نہ دربان۔ ابراہیم نے مندر کے اندر جاکر چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ اور چپکے سے اپنے گھر چلے آئے۔ سویرے کی صبح کو جب لوگ پوجا کرنے آئے تو حقیقت معلوم ہوئی ابراہیم تو سب کی نظروں میں چڑھے ہی تھے تمام لوگوں نے بالاتفاق انہیں کو بت شکن ٹھرایا۔ کیونکہ اس مجاہد راہ خدا کے سوا۔ اس صفائی کے ساتھ اور کون یہ خدمت کرسکتا تھا۔ سورۂ انبیاء میں یہ واقعہ ان الفاظ الہامی کے ساتھ مذکور ہے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ
يَرْجِعُوْنَ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ
لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ
لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا
بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا
فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ثُمَّ نُكِسُوْا
عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۤءِ يَنْطِقُوْنَ
قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ
شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

سورۃ الانبیاء

ابراہیم نے بتوں کو (توڑ پھوڑ) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ مگر اونکے بڑے بت کو اس غرض سے (رہنے دیا) کہ اوسکی طرف رجوع کریں (جب لوگوں کو بتوں کے توڑے جانیکا حال معلوم ہوا) تو اونہوں نے کہا (ارے) ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی کس نے کی۔ اسمیں شک نہیں کہ اُسنے بڑا ظلم کیا۔ (بعض) بولے کہ وہ نوجوان (آدمی) جس کو ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکو ہم نے برائی کے ساتھ (ان بتوں کا) تذکرہ کرتے سنا ہے (لوگوں نے) کہا تو اوس کو (سب) آدمیوں کے سامنے لاؤ۔ تاکہ (جو کچھ وہ جواب دے) لوگ اوسپر گواہ رہیں (غرض ابراہیم بلائے گئے) لوگوں نے (اون سے) پوچھا کہ ابراہیم کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ (حرکت) تو نے کی ہے۔ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ (بت) بڑا (سب بتوں میں) بڑا ہے۔ اسی نے یہ حرکت کی (ہوگی) اور اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔ اسپر وہ لوگ اپنی جی ہی جی میں سوچے اور آپس میں کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم ہی بے سر ناحق ہیں۔ پھر اپنے سروں کے بل اوندھے (اسی گمراہی میں) دھکیل دئے گئے (اور ابراہیم سے بولے تو یہ بولے) کہ تمکو تو یہ معلوم ہی ہے کہ یہ بت

بولا نہیں کرتے (ابراہیم نے) کہا کیا تم خدا کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو نہ تمکو کوئی فائدہ پہونچا ئیں اور نہ (کسی قسم کا) نقصان ہی پہونچا ئیں۔ تُف ہے تم پر اور اون چیزوں پر جنکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو۔ تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

مشرکین کے اتنے بڑے اور بھرے مجمع میں حضرت ابراہیم کی بت شکنی کے اہم ترین واقعات پر ایسا دلیرانہ احتجاج اور مستقلانہ مجاہدہ۔ آپ کے اوس دعوے کا کامل ثبوت ہے جو ان سے پہلے آپ نے اپنی قوم کے آگے کیا تھا کہ خداے واحد کی راہ میں۔ نہ میں تم سے ڈرنیوالا ہوں اور نہ تمہارے ان بتوں کو خیال میں لانے والا۔ حقیقتاً آپ کا یہ ارشاد و احتجاج ایسا قوی اور کامل تھا کہ قوم مشرکین کے تمام لوگ آپکے مستفسرہ کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور فرط ندامت سے معقول اور لاجواب ہوکر سر بزانو ہو گئے۔ مگر حُبُّ الشَّیءِ یُعمِی وَیُصِمُّ۔ (کسی شئے کی محبت اندھا کر دیتی ہے) اپنے سمجھنے اور شرم اوٹھانے کے بعد بھی بتوں کی محبت اور بت پرستی کی عقیدت اونکے دلوں سے نہ گئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہوکر حضرت ابراہیمؑ کی سزا و عقوبت کرنے پر اونکو اور تاکید کرنے لگی اور آپس کی مشورت سے یہ امر وہیں طے پا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں مرقوم ہے۔ قَالُوا حَرِّقُوهُ کہ ابراہیمؑ کو جلا ڈالو۔

نمرود کے دربار شاہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طلبی

اس کے بعد نمرود کے دربار شاہی میں حضرت ابراہیم کے ان معاملات و حرکات کی اطلاع ہوئی اور انکی بت شکنی کی خاص شکایتوں کے ساتھ یہ استغاثہ بھی پیش کیا گیا کہ ابراہیم ایک ایسے خدا کی دعوت کیطرف تمام قوم کے لوگوں کو بلاتے ہیں جس کو وہ اپنا اور سائر مخلوق اور نمرود کا بھی خالق و معبود بتلاتے ہیں۔ نمرود بتوں کی توہین کا واقعہ سنکر جلا بیٹھا تو تھا ہی۔ اب اپنی خدائی میں بھی بٹا لگانے کا حال سنکر اور بھڑک اوٹھا حضرت ابراہیمؑ کو بلا بھیجا۔ یہاں کیا عذر تھا۔ بلا خوف و ہراس فوراً چلے آئے۔ فیما بین یہ مکالمات شروع ہوئے۔

نمرود سے احتجاج۔ نمرود نے سب سے پہلے خدا کے صفات دریافت کئے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ رَبِّیَ الَّذِی یُحْیِی وَیُمِیتُ۔ میرا خدا مارتا بھی ہے اور جلاتا بھی ہے۔ نمرود بولا یہ تو میں روز کیا کرتا ہوں تم ابھی ابھی دیکھ لو۔ یہ کہکر اوس نے شاہی قیدخانہ سے دو قیدی بلوائے ایک کو تیغ جلاد کے حوالے کر دیا اور ایک کو آزاد۔ ابراہیم سے مخاطب ہوکر بولا۔ لو دیکھ لو ایک مار ڈالا گیا اور ایک زندہ کر دیا گیا۔ ابراہیم نے فوراً تردید میں ارشاد کیا اِنَّکَ اَحْیَیْتَ الْحَیَّ وَلَمْ تُحْیِ الْمَیِّتَ۔ ارے تو نے تو زندہ کو زندہ چھوڑا۔ مردہ کو تھوڑا ہی زندہ کیا۔ علاوہ بریں میرے پروردگار کی یہ قدرت ہے کہ وہ ہمیشہ آفتاب کو پورب سے طلوع کرتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی قوت ہے تو اوسکو پچھم سے نکال دکھلا۔

آتش نمرودی اور خلیل معبودی نمرود کو یہ دلائل سنکر۔ کاٹھ لگ گیا۔ وہ مجسم بت بنگیا۔ خدائے قادر و توانا اوسکے عاجزانہ اور مجبورانہ سکوت کے عالم کو صرف تین لفظوں میں دکھلاتا ہے۔ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔ اسی غصہ۔ جھلاہٹ اور اپنی ندامت و خجالت کی کوکھلاہٹ میں۔ خدا کے اس خاص معترف اور مقدس موحد کی سزا و عقوبت کی نسبت حاضرین دربار سے مشورہ کرنے لگا سب نے یکزبان ہوکر ان الفاظ میں صلاح دی۔ حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ اگر تم کو کچھ کرنا ہے تو ابراہیم کو آگ میں جلادو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ نمرود نے بھی اسی تجویز کو پسند کیا۔

اسلامی مورخوں نے اس خدارسیدہ اور برگزیدہ پیغمبر کے زندہ آگ میں جلادئے جانیکے بڑے بڑے سامان لکھے ہیں۔ جنکا بیان خواہ مخواہ کی طوالت ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کے بہت بڑے الاؤ میں زندہ ڈالدئے گئے۔ مگر اوس حافظ حقیقی کے کرم و افضال نے آپ کو ان شعلہائے سوزندہ سے بال بال بچالیا۔ اور اوس آتشکدۂ نمرودی کو گلزار ابراہیمی بنادیا۔ اسکی نسبت قرآن مجید میں یہ اشارت و تلمیح ہے۔ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ۔ ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم کے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی (کا موجب) بنجا (اور انکو کسی طرح کی ایذا نہ پہونچے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔) اور جن لوگوں نے ابراہیم کے ساتھ برائی کرنی چاہی تھی۔ تو ہمنے اونہیں کو ناکام کیا۔

پھر اس واقعہ کو سورۂ عنکبوت میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ عنکبوت

(ابراہیم کی) قوم کے پاس اسکے سوا (اون کی باتوں کا) جواب ہی نہیں تھا کہ یا تو اسکو مار ڈالو یا (آگ میں) جلا ڈالو (چنانچہ لوگوں نے انکو آگ میں ڈالدیا) مگر خدا نے انکو آگ سے نجات دی۔ بیشک اس (واقعہ) میں بھی اون لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں (قدرت خدا کی بہترین) نشانیاں ہیں۔

معرفت الٰہی میں حضرت ابراہیم کا کمال استقلال حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتلاء و امتحان کے اس منتہائی درجہ میں بھی کامل اُترے۔ آپکے اس امتحان کے متعلق اسلام کے معتبر مفسرین اور مستند محدثین نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جنکے لفظ لفظ اور حرف حرف سے آپ کے کمال عرفان۔ ثبات ایمان قلبی استقلال اور روحانی اطمینان کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ یہ روایات بتلاتی ہیں کہ آگ میں ڈالدئے جانیکے بعد حضرت جبرئیل بغرض امتحان انکے پاس آئے اور دریافت کیا۔ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ آپکو میری کوئی ضرورت ہے۔ کمال استقلال اور آزادی سے جواب ملا۔ أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا۔ خاص تم سے تو کوئی حاجت و ضرورت نہیں۔ جبرئیل نے عرض

کی اگر مجھ سے آپ کی کوئی غرض و حاجت نہیں ہے۔ تو جس سے ہے اوسی سے اپنے مشکل کے وقت میں طلب حاجت فرمائی جاوے۔ نہایت متانت سے ارشاد ہوا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ۔ مجھے اس سے عرض کی بھی ضرورت نہیں وہ میرے حال سے خود واقف ہے۔

عرب کے بہت بڑے معقولی مفسر ابو منصور ثعالبی نے اتنے اور اضافہ کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے کہ جبرئیل کے اس استفسار کا کہ آپ اسی سے طلب حاجت کیوں نہیں کرتے جسکو آپ اپنی ضرورتوں کا پورا کرنیوالا سمجھتے ہیں۔ اوس موحد حقیقی نے یوں جواب دیا کہ وفا و رضا کے خلاف ہوگا۔ شاید اوسکو میرا جلنا ہی منظور ہو۔ پھر حضرت جبرئیل کے تمام مکالمہ کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ لَمَّا قَالَ جِبْرِیْلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لَیْسَ مِنَ النَّفْسِ دَعْوٰی وَلَا مِنْ نُمْرُوْدَ شَكْوٰی وَلَا بِیْ اِلٰی نَارِهٖ بَلْوٰی وَلَا اَطْلُبُ سِوَی الْمَوْلٰی۔ جبرئیل نے جب جناب ابراہیم سے پوچھا آپکو کوئی حاجت ہے تو فرمایا نہ مجھکو نفس سے کوئی حاجت ہے۔ نہ نمرود سے شکایت اور نہ آگ کی حرارت سوزندہ سے ملال۔ سوائے خدا کے میرا کسی سے کوئی سوال نہیں۔

خطاب خلیل اللّٰہی سے سرفراز ہوئے۔ جناب براہیم علیہ السلام آتشِ نمرودی کے ایسے قیامت ناک وقت میں بھی خدائے واحد کی معرفت اور اوسکی شرط محبت و اخلاص پر ایسے مستقل ثابت ہوئے کہ ممتحنانِ قدرت بھی انکے انداز استقلال پر ناز کرنے لگے۔ انکی صداقت مقبولیت کے درجہ پر اور انکا ایمان اجابت الٰہی کے مراتب اعلیٰ پر فائز فرمایا گیا اور وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل (سچا دوست) بنایا۔ کا گرانمایہ خطاب دربار ایزدی سے عنایت فرمایا گیا۔ رسالت کے منصب کے ساتھ خلت (ہمنشین خلوت) کے مراتب کا بھی اضافہ ہوا۔

سیرۃ النبی۔ خطبات احمدیہ۔ ارض القرآن۔ عصر جدید کے محققین نے اپنی اپنی تالیفات میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آگ میں جلائے جانیکے واقعات کا کوئی ذکر و تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اور عموماً آپ کے واقعات کو ہجرت کے وقت سے آغاز کرتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ خاص حضرت ابراہیمؑ کے ابتدائی حالات کو مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں واقعہ احراق کا چونکہ ذکر موجود نہیں ہے۔ اسلیے صرف اسلامی مرویات پر جنکو یہ حضرات مقامی روایات کا خطاب دیتے ہیں۔ اعتبار نہیں کیا گیا۔ توراۃ سفر تکوین میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کی ابتدا ہجرت ہی کے زمانہ سے تقریباً ابتدا کی گئی ہے۔ اس سے قبل کے حالات کچھ بھی نہیں بتلائے گئے۔ (ملاحظہ ہو۔ توراۃ۔ تکوین۔ حالات ابراہام۔) قرآن مجید کا یہ اتنا بڑا احسان ہے جس کی منت گذاری سے دنیا اور اہل دنیا سبکدوش نہیں ہو سکتے حقیقتاً اگر قرآن اس عظیم الشان

پیغمبر کے تحصیل عرفان تکمیل الایمان اور عدیم المثال استحکام و استقلال کو اس تفصیل و تشریح سے بیان نہ کرتا ۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ اوصاف و محامد صفحہ روزگار سے کب کے مٹ گئے ہوتے ۔ قرآن چونکہ تمام کتب قدیمہ کا متمم اور مصحح ہے ۔ اس بنا پر اوس نے جہاں کتب قدیمہ میں انسانی حشویات و لغویات کے اسقاط سے کام لیا ہے ۔ وہاں فروگذاشت و ذہولات کے موقعوں پر صحیح اور اصلی حالات کی اطلاع و اعلان کے اضافات بھی کر دئے ہیں ۔ اور مصحح اور متمم ہونیکے اعتبار سے اوسکے فرائض مخصوصہ میں یہ امور داخل تھے ۔

واقعہ احراق سے بعد کے حالات حضرت لوط کا ایمان لانا ۔

ان تمام مصائب کو برداشت کر کے یہ مجاہد فی سبیل اللہ ارشاد و ہدایت کے ان خدمات کو پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ ادا فرمانے لگا ۔ آپ کی دعوت کی صداقت اور کرامات قدرت کو ۔ منکرین معرفت الہی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے ۔ اور آپ کے دلائل و براہین کو مشرکین ایکبار نہیں کئی بار آپ کی زبان صداقت ترجمان سے سن چکے تھے ۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کفر شعاری اور بت پرستی سے باز نہ آئے ۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ حضرت ابراہیم بھی اون کی تعلیم و ہدایت سے نہ رکے ۔ اور اب تو پہلے سے بھی زیادہ آزادانہ اور دلیرانہ طریقہ سے اونکے عقاید فاسد کی تکذیب و تردید فرماتے رہے اور اصول توحید کی تعلیم و ترویج کرتے رہے قرآن مجید میں مرقوم ہے ۔

قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	(ابراہیم نے قوم سے) کہا کہ تم جو خدا کے سوا بتوں کو مانتے ہو ۔ (تو) صرف دنیا کی باہم دوستی و محبت کی وجہ سے (مانتے ہو) پھر قیامت کے دن تمہارا یہ حال ہونا ہے کہ تم میں سے ایک کو ایک منکر ہے کریگا ۔ اور ایک کو ایک لعنت کریگا ۔ اور دوزخ آخر میں تم سب کا ٹھکانا ہوگا (اور ان بتوں میں سے) کوئی بھی تمہارے مددگار نہیں ہونگے ۔ اسپر صرف ایک (حضرت) لوط ایمان لائے ۔ (ابراہیم

نے) کہا کہ میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کیطرف (جہاں کہیں اوسکو منظور ہو) نکل جاؤنگا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے ۔

قرآن مجید کے الفاظ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ حضرت لوط کے ایمان لانے کی خبر دے رہے ہیں ۔ مگر عرب کے مورخین و محققین کے نزدیک حضرت سارہ ۔ جو رشتہ میں جناب ابراہیم کی چچا زاد بہن ہوتی تھیں آپ پر ایمان لائیں ۔ ہم سابق الایمانی کے اختلاف پر بحث کرنا نہیں چاہتے ۔ بلکہ سلسلہ واقعات کے بیان و تفصیل کو زیادہ ضروری سمجھتے ہیں ۔ عربی مورخین اور اسلامی مفسرین نے جناب سارہ کے ایمان لانے اور

میں آنکے واقعات یوں بیان کئے ہیں۔

حضرت سارہ کا شرف زوجیت اور قبول ایمان کی نعمت سے مشرف ہونا جب حضرت ابراہیمؑ آتش نمرودی سے صحیح وسلامت بچکر گھر میں تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ کی عظمت اور صداقت کا اثر حضرت سارہ بنت ہاران کے قلب پر جاگزیں ہوا۔ اور پھر اس استحکام واستقلال کیساتھ کہ اونہوں نے حضرت ابراہیمؑ سے اوسیوقت اسکا اظہار واقرار بھی کردیا۔ اوسوقت حاضر خدمت ہوئیں اور کہنے لگیں۔ اے ابن عم میں اسی وقت سے تیرے خدا پر ایمان لائی جس نے ایسی آتش سوزندہ کے نقصان وہلاکت سے تمکو بال بال بچا لیا۔ حضرت ابراہیم نے بطریق امتحان ومزید اطمینان جواب دیا کہ سارہ تم ایسا کہتے ہوئے ذرا نہیں ڈرتی۔ اگر گھر والے سن لینگے تو تمہیں مار ہی ڈالیں گے۔ سارہ نے فوراً جواب دیا کہ جس خدا نے تمہیں بچایا وہ میری جان بھی بچا لیگا۔ پھر مجھکو کس کا خوف ہوگا۔

جناب سارا کی یہی صداقت اور حسن عقیدت حضرت ابراہیم کے ساتھ اونکی مزاوجت اور دائمی رفاقت کا باعث ہوئی جناب سارہ حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد اور بنا بر بعض روایات عمہ زاد بہن تھیں۔ اور سن رشد تک پہونچ چکی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن بھی تیس برس سے زیادہ ہوچکا تھا۔ اسلئے باہمی سن کی مساوات اور حقوق قرابت کے اعتبار سے بھی باہمی مزاوجت ومناکحت کا پورا وقت وموقع حاصل تھا اس بنا پر جناب ابراہیم نے اُنسے عقد کرلیا۔

حضرت لوط اور سارہ کے ایمان لانے سے حضرت ابراہیمؑ کے امور میں نوعیہ اطمینان اور قوت مل چلی۔ مگر مشرکین کی نفسانیت اور عداوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگرچہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی اصول کے مطابق حضرت لوط وسارا کے ایمان لانے کی حقیقت بالکل مخفی رکھی گئی۔ اور ایسی کہ باہر والے توکیا گھر والے بھی مشکل سے اسپر علم واطلاع پا سکے۔ مگر تاہم ابراہیمؑ کی دعوت ایمان اور رسالت کے اعلان کی انتہائی سامان مہیا کرنا جیسا گھر والوں نے اپنا فرض قرار دے لیا تھا۔ ویسا ہی باہر والوں نے سب سے ملکر بڑی بڑی کوششیں کیں اور اسکی انتہائی تدبیروں میں اپنی عملی طریقوں سے کوئی طریقہ بھی اوٹھا نہیں رکھا۔ مگر کچھ بھی مفید کارنہ ہوا۔ جناب ابراہیمؑ تبلیغ رسالت میں ویسی ہی مستعد وسرگرم رہے۔

ارض بابل سے ہجرت۔ تمام قوم کافرین نے اپنی کوششوں میں ناکامیاب رہ کر اس نبی معصوم کے خون ناحق کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت لوط کے ذریعہ سے مخالفین کے ان ظالمانہ ارادوں کی خبر لگ گئی۔ اور حقیقتاً مشرکین کی مخالفانہ کارروائیوں کے معلوم ہونے اور

۵؎ روضۃ الاحباب بہ باسناد مواہب لدنیہ۔ تاریخ کامل ابن اثیر اور حیات القلوب جلد اول۔

اپنی جان کو محفوظ رکھنے کا کوئی دوسرا ذریعہ اوس وقت آپ کے لئے سخت دشوار تھا۔ مگر نظام قدرت کا مدعا یہ مشیت یہی ہے اور اوسکے احکام تدبیر کی۔ قدرت انہیں امور مستور سے ظاہر ہوتی ہے۔ کسی کو لوط پر افشائے راز کا گمان بھی نہیں تھا۔ اور وہی اسکے اصلی ذریعہ اطلاع ثابت ہوئے۔ نظام قدرت نے حضرت لوطؑ کو ربقہ ایمان میں لاکر اوس داعی ایمان کی رفاقت و حفاظت کے پورے سامان اور کافی اطمینان فراہم کر دئے۔ حضرت لوطؑ کی یہی خدمت تھی کہ قوم مشرکین کے معاندانہ ارادوں کی خبر حضرت ابراہیمؑ کو پہونچایا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ خبر پاکر اسکے ہر پہلو پر غور فرمایا۔ مگر سوائے ہجرت اور ترک وطن کے حفاظت جان کا کوئی دوسرا طریقہ نظر نہیں آیا۔ تو حضرت لوطؑ کو مخاطب کرکے اپنے اس ارادہ کا۔ جو حقیقت میں حکم الٰہی کا عین اشارہ تھا۔ ان الفاظ میں اظہار فرمایا۔ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ میں تو اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنیوالا ہوں۔ اور وہ سب زبردست اور حکمت والا ہے۔

اس برحق نبی اللہ کا قصد ہجرت سنکر حضرت لوطؑ نے فوراً لبیک کہی اور ایسا ہی سارہؑ نے بھی رفاقت کے لئے اپنا قصد مصمم ظاہر فرمایا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کی رفاقت معلوم کرکے جناب ابراہیمؑ کو پورا اطمینان ہوگیا۔

ہجرت ابراہیمی کو آنحضرت صلعم کی ہجرت سے خاص مماثلت تھی

دعوت ابراہیمی کے ان ابتدائی واقعات کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ الاجمعین کی تبلیغ رسالت کے آغاز حالات سے جس وقت مقابل کیا جاتا ہے تو ان دونوں داعیان شریعت الٰہی کے واقعات میں ایک خاص مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے تھوڑے سے غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت اور تبلیغ رسالت کا آغاز اپنے گھر والوں سے شروع کیا۔ پہلے حضرت سارہ (آپ کی زوجہ) پھر حضرت لوط (آپ پر ایمان لائے) بالکل اسی طرح جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تبلیغ رسالت کو بھی اپنے اہل بیت کی تعلیم و ہدایت سے آغاز کیا۔ سب سے پہلے جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا آپ کی رسالت پر ایمان لائیں اور آپ کے بعد آپ کے ابن عم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان میں آئندہ پوری تفصیل و تحقیق سے معلوم ہو جائیگا۔

بابل سے شہر حاران کیطرف ہجرت اور قیام

ان واقعات سے ظاہر ہوا کہ عادت الٰہی ہمیشہ سے ایسی ہی جاری رہی ہے کہ انبیاء و مرسلینؑ کی تعلیم و ہدایت پہلے ان کے اعزہ و اقارب سے آغاز ہوتی ہے اسلئے کہ قرابت و یکجہتی کی بناء پر

ان کی تصدیق زیادہ اعتبار و اعتماد کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو مشرکین قوم کے ہاتھوں سے اپنی جان جانے کی جب کوئی امید نہیں دکھی تو ایک دن حضرت لوط سے جیسا کہ قران مجید میں اشارہ کیا گیا ہے اپنے ہجرت فرمانے کا قصد ظاہر فرمایا۔ اور جیسا کہ معتبر تاریخوں سے ثابت ہے کچھ رات رہے حضرت لوط اور سارہ کو ہمراہ لیکر شہر حاران کی طرف تشریف لیگئے۔ یہاں پہونچکر حضرت ابراہیمؑ نے ایک معتدبہ زمانہ تک دلجمعی سے اپنی تبلیغ رسالت اور ترتیب معیشت کے ضرورتیں انجام دیں۔ اور اسمیں بھی کلام نہیں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں آپکو اپنے تمام امور میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

کنعان میں قیام۔ تھوڑے زمانہ کے بعد یہاں کی حالت پہلے سے دگرگوں اور اہل زمانہ کی طبیعت بھی ناموزوں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر حاران کی اقامت ترک فرمائی اور وہاں سے اوٹھکر کنعان میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں بھی نہایت دلجمعی اور پوری کامیابی کے ساتھ آپکی رسالت کے امور انجام پاتے رہے۔ مگر ایک سال کنعان اور اوسکے قرب وجوار میں ایسا قحط عظیم پڑا کہ آپکو بالآخر مجبور ہوکر کنعان سے اپنے اہل وعیال کے ہمراہ ملک مصر کیطرف چلا جانا پڑا۔

مصر کی طرف روانگی اور فرعون کے ساتھ معاملات جناب ابراہیمؑ نے دیگر دیار و امصار کی اقامت اختیار کرنے کی جگہ مصر کو خاص طور پر کیوں اختیار فرمایا۔ اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ فرعون مصر جو اوسوقت مصر پر حکمران تھا وہ آپکا ہم قبیلہ اور ایک وقت میں ہموطن تھا۔ اسلئے قحط سالی میں اوسکی استمداد و اعانت کی زیادہ امید تھی۔ اس قرابت و یکجہتی کے مفصل حالات حضرت ہاجرہ کے احوال میں بہت جلد معلوم ہونگے۔

مصر پہونچکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مسافرت اور غربت کے عالم میں ایک سخت مصیبت سے سامنا ہوا۔ فرعون مصر کو حضرت ابراہیمؑ کی آمد کے ساتھ حضرت سارا کی خوش جمالی کی بھی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ اوسنے مشتاق ہوکر حضرت ابراہیم کو بلا بھیجا۔ جب یہ فرعون کے دربار شاہی میں مع حضرت سارہ کے پہونچے تو اوس نے سارہ کے حسن وجمال کو اوس سے بھی زیادہ تعریف کے قابل پایا۔ جیسا کہ وہ سن چکا تھا۔ بادشاہ مصر نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا کہ یہ عفیفہ تمہاری کون ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کے حفظان آبرو کی مصلحتوں پر غور فرماکر ارشاد کیا کہ یہ میری بہن ہیں[۵۱]۔

---

۵۱ کیا وجود تقیہ کی قدامت اور شرائع و مذاہب قدیمہ میں اوسکے جائز العمل ہونے کی نسبت کسی عقل سلیم رکھنے والے کو اب بھی کوئی عذر و کلام باقی رہجائیگا۔ المولف

یہ تو ظاہر ہے کہ عقد ازدواج سے پہلے وہ آپ کی عمزاد بہن تھیں۔ کیونکہ آپ کے باپ تارخ (ترح) کی ایک بہن اپنے قبیلہ میں جس سے بیاہی گئی تھیں اونکا نام بھی ہاران تھا۔ اور حضرت لوط کے باپ جو حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ہوتے تھے۔ اونکا نام بھی ہاران تھا۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی حفاظت جان اور سارہ کی حفظان آبرو کے خیال سے اون کی زوجیت کی موجودہ حیثیت کا کتمان اور اوس کی جگہ اپنی سابق قرابت کا اظہار و اعلان فرمایا۔ جو ایسی ناگزیر حالتوں میں خدا کی طرف سے تمام شریعتوں میں تجویز اور مباح ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ توراۃ میں اس واقعہ کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جب (ابراہیم) مصر کے نزدیک پہونچا۔ تو اوس نے اپنی جورو سرئی (سارہ) سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں بڑی خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اسکی جورو ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالیں گے اور تجھے جیتا رکھیں گے۔ تو کہیو کہ میں اوسکی بہن ہوں۔ تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو۔ اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔ (تکوین باب ۱۲ آیت ۱۰-۱۴)

حضرت ابراہیم کے خیال کے مطابق فرعون مصر کے دل میں سارا کیطرف سے نفسانیت و فساد کے آثار پیدا ہوئے۔ مگر کرشمہ قدرت نے ہر بار اوسکے ارادہ بد کے موقع پر اوسکی کافی تنبیہ فرمائی۔ اور بالآخر وہ اپنے ناہنجار کردار سے سخت پشیمان و نادم ہوا۔ اور پھر ان دونوں بزرگواروں کی ذاتی عظمت و تقدیس کا قائل ہوکر اون کو اپنے ملک سے بڑے اکرام و انعام کے ساتھ رخصت کردیا۔ خصوصاً جناب سارہ کیساتھ اپنی عقیدتمندی کے اظہار میں اپنی لڑکی ہاجرہ نامی کو اون کی خدمت کی غرض سے ہمراہ کردیا۔ توراۃ میں ان واقعات کے متعلق یہ عبارت مرقوم ہے۔

جب ابراہیم مصر میں پہونچا مصریوں نے اوس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون کے امیروں نے بھی اوسکو دیکھا اور فرعون کے حضور میں اوسکی تعریف کی اور اوس عورت کو فرعون کے گھر میں لیگئے اور اوس نے اوسکے سبب ابراہیم پر احسان کیا کہ اوسکو بھیڑ بکری اور گائے بیل اور گدھے غلام اور لونڈی اور گدھیاں اور اونٹ ملے۔ پر خداوند نے فرعون اور اوسکے خاندان کو ابراہیم کی جورو سارہ کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابراہیم کو بلا کر کہا کہ تو نے یہ مجھ سے کیا کیا۔ کیوں نہ کہدیا کہ یہ میری جورو ہے۔ تو نے کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہاں تک کہ میں نے اوسکو اپنی جورو بنانے کیلئے لیا دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے۔ اوسکو لے اور چلا جا۔

(تکوین باب ۱۲ آیت از ۱۴ تا ۲۰)

توراۃ اور اسلامی تفاسیر قرآن فرعون کے ارادہ بد کرنے اور اوسکے بدلہ میں بار بار عقوبت اوٹھانے پر متفق اللفظ ہیں اور حقیقتاً قدرت الٰہی کے یہی تصرفات ہیں اور اوس کی جبروت قدرت کے یہی واقعات حضرت سارہ کے ساتھ فرعون کے کیا قصد تھے اور کیا ارادے اور چشم زدن میں اون بد ارادوں کی جگہ کیسی عقیدت ہوگئی اور کتنی ارادت۔ اب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مطیع اور فرمانبردار مخلص کے متعلق ایسے ارادوں کا وہم و گمان بھی سخت افترا ہے اور صریح بہتان جس عقیدت مند نے اس خاتون مقدس کے ساتھ اتنی بڑی عقیدتمندانہ فیاضیوں کے سلوک کئے ہوں۔ کثیر التعداد مال و جنس۔ اسباب و اثاثہ کے علاوہ اپنی پیاری لڑکی تک خدمت کی غرض سے ہمراہ کردی ہو۔ وہ کبھی ایسی بیجا جرأت اور نازیبا حرکت کے اقدام کا مرتکب تسلیم کیا جاسکتا ہے ایک تو حضرت ابراہیم کی قرابت۔ دوسرے حضرت سارہ کی عظمت اور تیسرے جناب ہاجرہ کی قلبی محبت کے سبب سے فرعون مصر نے اس غربت زدہ نبی اللہ کے تمام اسباب معاشرت کیا اوس چھوٹے سے قبیلہ و خاندان کے تمام آیندہ سامان معیشت کافی طور پر درست و فراہم کردیے عربی توریت کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو

فصعد ابرام من مصر هو وامرأته وكل ما له ولوط معه الى القبلة
وابرام عظيم جدا بالماشية والفضة والذهب۔ حضرت ابراہیم آپ اور اپنی بی بی
اور تمام اموال کے ساتھ مع حضرت لوط کے اپنے قبیلہ (شمال) کی طرف روانہ ہوگئے۔ اوسوقت ابراہیم کے
ساتھ بہت سا اسباب اور سیم و طلا تھا۔ (تکوین باب ۱۳۔ آیت ۱ و ۲)

قیام حبرون۔ جناب ابراہیم نے قحط کی شدت کی وجہ سے جب اپنے اہل و عیال کی گذران کی صورت کنعان قریب فلسطین نہیں دیکھی تو مصر کا سفر اختیار فرمایا تھا۔ مگر خدا مسبب الاسباب نے اون کی خوش حالی اور معیشت کے خاطر خواہ اسباب بلکہ اوس سے الرضا عنہ فراہم فرما دئیے اور آپ کامیاب ہوکر پھر کنعان کے علاقہ میں واپس آگئے۔ اور مقام حبرون میں بود و باش اختیار کی۔ اور پھر اپنی تمام مقدس حیات کا زمانہ یہیں صرف فرما دیا۔ چنانچہ آجتک یہ مقام خلیل مشہور ہے۔ مقام حبرون کی سکونت کے وقت سے آپ کی حالت بہت کچھ قابل اطمینان ہوگئی تھی۔

آپ نے سیرۃ انبیاء و مرسلین کے مطابق اپنی دولت کو تبلیغ رسالت۔ رفاہ عام۔ اکرام ضیف اور عام عطا و ایثار کے نیک کاموں میں صرف فرمانا شروع کیا۔ قرب و جوار کے ریگستان میں متعدد کنوئیں کھدوائے جنمیں سے بیر شبع بہت مشہور ہے اور قادیش اور شور کے بیابان میں مسافرین کے آرام اوٹھانے اور پھل کھانے کی غرض سے ایک باغ بھی لگادیا۔

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۱۴ او ۱۰۔ ۳۰ وایضاً باب ۲۱ درس ۳۳

علاقہ حاران میں حضرت لوط کی رسالت

رفاہ عام کے اعلیٰ خدمات کے علاوہ آپ کی مہمان نوازی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اتنے کثیر امتداد ایام کے بھی خوان خلیل کا نام آجتک زبان زد خاص و عام ہے تبلیغ رسالت کے خدمات بھی خاطر خواہ کامیابی اور ترقی کے ساتھ جاری تھے۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کی تشریف آوری کو حصول سعادت اور نزول برکت کا باعث سمجھنے لگے۔ اور آپ کے ارشاد و ہدایت سے مستفیض ہوکر خدائے واحد کی ربوبیت اور اوس کی وحدانیت کے قائل ہوکر دین حنیف ابراہیمی میں داخل ہونے لگے۔ تبلیغ رسالت کا شہرہ اور عام اخلاق و ایثار کے آثار و اخبار چاروں طرف پھیل گئے۔ علاقہ حران کے لوگ بھی مدت سے متلاشی ایمان تھے۔ اور وہ یہاں سے کسی قدر مسافت پر واقع تھا۔ اسلئے حضرت لوط کو آپ نے وہاں کے لوگوں کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے بھیجا۔ اور وہ ایک نبی متبع کی صورت و نشان میں وہاں تشریف لے گئے حضرت لوط کی کوئی علیحدہ یا خاص شریعت نہیں سمجھنی چاہیئے بلکہ وہی شریعت ابراہیمی تھی جس کی تعلیم و تلقین کیلئے حضرت سے آپ اوس علاقہ میں بھیجے گئے تھے۔

مزاوجت حضرت ہاجرہ اور ولادت حضرت اسمٰعیل

حضرت ابراہیم کا سن اسوقت اسی برس کا ہوچکا تھا۔ مگر اس وقت تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ خدا کے فضل و کرم سے گھر میں سب کچھ تھا۔ ہر طرح کی مقدرت ہر طرح کی آسودگی اور فارغ البالی حاصل تھی۔ ایک اولاد نہ ہونے سے سارا گھر بے چراغ تھا۔ اور آنکھوں میں دنیا تاریک تھی فطرت انسانی کے اصول پر بے اولادی کا اثر حضرت ابراہیم سے زیادہ جناب سارہ کے دل پر مستولی تھا۔ اور یہ دونوں بزرگوار معبود حقیقی کی بارگاہ میں اس حصول نعمت کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہا کرتے تھے اور شب و روز اس تمنا کیلئے متمنی۔

حقیقت میں مشیت الٰہی کو آپ کی دعا کی اجابت تو ضرور منظور تھی۔ مگر اسکے حصول کے ذریعہ کی نسبت جناب سارہ کے مقابلہ میں حضرت ہاجرہ کو اولیت اور سبقت کا امتیاز و اعزاز عنایت فرمانا منظور تھا۔ اسکی تفصیلی کیفیت یہ ہے سن کے اعتبار سے حضرت ابراہیم بھی ضعیف ہو چکے تھے اور جناب سارہ بھی سن رسیدہ۔ اسی بنا پر دونوں حضرات کو حصول اولاد کیطرف سے گویا مایوسی ہوچلی تھی۔ اصول فطرت کے مطابق سارہ کی مایوسی ابراہیم کی ناامیدی سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ اسلئے سارہ نے اپنی طرف سے بالکل قطع امید فرماکر اپنے شوہر عالیقدر کے بے نام و نشان رہ جانے پر کمال حسرت و افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور ایسے برگزیدہ اور خدارسیدہ بزرگ کی قطع نسل ہوجانے کے حسرتناک واقعہ کو ناقابل برداشت خیال کرکے اوسکے مقدس نام و نشان کی بقا و قیام کے سامان اپنے امکان کے مطابق فراہم کرنا ضروری سمجھا۔ حالانکہ اصول فطرت کے مطابق نسوانی طبائع میں ایسا

خیال اور اعتدال کی بہت کم مثال ملتی ہے۔ بخلاف اسکے ہم حضرت سارہ کے دلمیں اسکی ابتدا ا ور وجود کو خدا کے الہام اور نظام قدرت کے القار و مکاشفات یقین کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیر ان خیالات وجذبات کے نسل ابراہیمی کے اوس سرمایۂ ناز اور صاحب اعزاز سلسلہ کی نہ ابتدا قایم ہوسکتی تھی۔ اور نہ بقا جس سلسلۂ مقدسہ اور شجرۂ مبارکہ سے مشیت الٰہی کو جریدۂ نبوت کا خاتم اور سلسلۂ رسالت کا متمم پیدا کرنا تھا۔

چاہے کتب قدیمہ میں اس کی خبر نہو۔ چاہے اہل تاریخ وسیر کی اسپر نظر نہو۔ چاہے دور از قیاس ہو اور خارج از عقل چاہے یہ جنبہ داری کہی جائے۔ یا مولف کی عقیدتمندانہ قلمکاری۔ مگر ہم پوچھیں گے اور لکھکر پوچھیں گے کہ جناب سارہ کو بمقابلہ حضرت ہاجرہ عطاے اولاد میں شرف اولیت اور اعزاز سبقت نہ تفویض فرمانا مشیت کی کس خاص مصلحت اور علت پر مبنی تھا۔ باطن کا ہمکو علم نہیں۔ مگر ظاہر حقیقت اسکی یہی ہے اور ضرور یہی ہے کہ حضرت ہاجرہ کے سلسلۂ مقدس سے مشیت الٰہی کو سید الانبیا ختم المرسلین اور خاتم النبین سلام اللہ علیہ و آلہ المعصومین کا وجود عالم موجود میں لانا مقصود تھا جسکا مقابل اور مماثل حضرت سارہ کے اتنے بڑے کثیر التعداد سلسلۂ انبیا میں ایک بھی نہیں تھا۔ اس فضیلت اور شرف مراتب کے اعتبار سے حضرت واہب العطایا نے اولیت اور سبقت کا شرف مخصوصہ جناب ہاجرہ کو عنایت فرمایا ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء

مشیت نے یہ سامان اور قدرت نے یہ اسباب پہلے سے مرتب کر لئے تو جناب سارہؑ نے اپنے کمال مایوسی کے عالم میں ایک دن حضرت ابراہیم سے آپ کی بے اولادی کے متعلق کمال افسوس ظاہر کیا۔ اپنی ظاہری اور نسوانی ناقابلیتوں کے موجودہ عذر پیش کر کے اپنی ذات خاص کو حصول اولاد کا ذریعہ ہونا دشوار کیا قریب المحال ٹھہرایا جناب ابراہیم کو پہلے تو اون کی خاص مجبوریوں کے اظہار پر اور پھر اپنے آیندہ لاوارثی پر بہت ہی افسوس آیا۔ مگر سارہ نے یہ کہکر اون کے حزن وملال کو رفع کر دیا کہ آپ میرے بے نام ونشان رہنے کا کوئی افسوس نفرمائیں صرف اپنی بقاے نسل کی فکر کریں۔ اور وہ بالکل آپ کے امکان میں ہے اور نہایت آسان۔ ہاجرہ موجود ہیں اون کو اپنی زوجیت کا شرف بخشیں۔ افضال ایزدی کے منتظر رہیں۔ شاید وہ آپ کے لئے ہاجرہ ہی کو حصول اولاد کا ذریعہ قرار دے۔

اب اس واقعہ کو توراۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے مقابلہ کر لینا بھی نہایت ضروری ہے۔

سارا ابراہیم کی جورو کوئی لڑکا نہ جنی اور اوس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور سارا نے ابراہیم سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے جننے سے باز رکھا۔ اب میری لونڈی کے پاس جائیے شاید اوس سے میرا گھر آباد ہو۔ اور ابراہیم نے سارا کی بات مان لی۔ (تکوین باب ۱۶ آیت ۱-۲)

حضرت ابراہیمؑ نے سارا کی تجویز پسند کی اور ہاجرہ کو شرف زوجیت عطا فرمایا۔ مشیت الٰہی کے اسباب درست

ہو چکے تھے اور قدرت لامتناہی کے سامان مرتب اور تیار تھے۔ جناب ہاجرہ حاملہ ہو گئیں۔ خدا کی قدرت اور حکمت نے۔ ابو العرب عراق الشرفی۔ ذبیح اللہ اوّل حضرت اسمٰعیل ابن خلیل اللہ کا وجود ذیجود قائم کر دیا۔

ولادت اسمٰعیل کے متعلق آسمانی بشارتیں

یوں تو جناب ابراہیم ہمیشہ نعمت اولاد سے اپنی محرومی اور ناکامیابی کا خیال کر کے خدائے سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہ میں عطائے اولاد اور بقائے نسل و نام کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور خداوند عالم بھی آپ سے عطائے اولاد کے وعدے فرما کر آپ کی خاطر خواہ تسکین و تشفی فرمایا کرتا تھا جس کو ہم بہت جلد حضرت اسمٰعیل کے خاص حالات میں تفصیل سے بیان کرینگے۔ اس مقام پر ہم صرف انہیں بشارتوں کو ذیل میں لکھتے ہیں جو خدائے سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیل اور ان کی اولاد کے متعلق پہونچائی تھیں۔

فطرت انسانی کا خاص تقاضہ ہے کہ حصول شئے کی امید ہو جانے پر۔ انسان پھر اس شئے مطلوبہ کی بہتری سلامتی اور بقا کا متمنی ہوتا ہے ؎

برایں امید ہائے شاخ در شاخ　　　کرمہائے تو ما را کرد گستاخ

انہیں موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہ کو حاملہ پاکر پروردگار عالم سے صاحب حمل کی سلامتی اور طول عمری کی پروردگار عالم سے دعا تو ضرور مانگی۔ اب چاہے اسے فطرت انسانی کا نتیجہ کہا جائے یا دردِ فرزندی کا تقاضہ۔ خدائے مستجاب الدعوات نے حضرت اسمٰعیل کی ولادت کی نوید دی جن الفاظ میں ابراہیمؑ کے ان مستفسرات کا جواب آیا۔ وہ عربی توراۃ میں اس طرح مرقوم ہیں:۔

قد سمعت دعائک لاسمٰعیل وھا انا بارکتہ واثمرتہ وفضلتہ کثیرا یولد اثنی عشر خلیفۃ واجعلہ جیلاً کبیرا۔ میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی۔ ہاں۔ میں نے اوسے برکت دی۔ اور اُسے بار آور کیا اور اوسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ خلیفہ (امام[۵]) پیدا ہوں گے اور میں اوسکو بڑی قوم کر دونگا۔ (پیدائش کتاب اوّل باب ۱۷ آیت ۲۰)

اسی طرح حضرت ہاجرہؑ کو بھی بشارت عطا فرمائی گئی۔ توریت کتاب پیدائش میں مرقوم ہے:۔

خدا کے فرشتہ نے اوسے (ہاجرہ کو) میدان میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس جو صور کی راہ پر ہے۔ پایا۔ اور اوس نے کہا اے ہاجرہ تو کہاں سے آئی اور کدھر جاتی ہے؟ وہ بولی کہ میں اپنی بی بی سارا کے سامنے سے بھاگ آئی ہوں۔ پھر خداوند کے فرشتے نے اوس سے کہا کہ تو اپنی بی بی کے

[۵] کیا وجود امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ثبوت قدامت میں اب بھی کسی قدیم سند کی ضرورت ہے؟ المولف

پاس چلی جا اور اوسکی تابع رہ پھر خداوند کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتے نے اوس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی۔ اوسکا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دُکھ سُن لیا۔ (تکوین باب ۱۶ آیت ۷ - ۱۱)

ان بشارتہائے خداوندی اور نوید ہائے ایزدی سے حضرت اسمٰعیل کی ذاتی عظمت اور نیز آپ کی اولاد طاہرین کی قدر و منزلت پورے طور سے ظاہر ہو گئی۔ اور اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا کہ اس بشارت سے حضرت ہاجرہ کی تقدیس و تکریم پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ نظام مشیت کے انتظام اپنے وقت مقررہ پر کامل ہوئے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رونق افروز چمنستان عالم ہوئے۔ ایسی دعاؤں اور تمناؤں والے فرزند کی تولید سے حضرت ابراہیم کو کیسی روحی مسرت اور قلبی فرحت حاصل ہوئی ہوگی۔ اوسکا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ خانہ ابراہیمی میں مدت مدید کی تاریکی کے بعد یہ پہلا چراغ تھا۔ جو خدا کے انوار رحمت سے روشن ہوا اور اتنے زمانہ دراز کی ویرانی کے بعد اس گوہر یکتا کے وجود سے خانۂ خلیل اللّٰہی کی آبادی اور رونق قایم ہوئی۔

سارہ اور ہاجرہ میں مشاجرت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت سارہ کی جناب ہاجرہ کی طرف توجہ اور شفقت اصول فطرت نسوانی کے بالکل خلاف تھی۔ مگر قدرت کو اپنا کام نکالنا تھا اور مشیت کو اپنی ضرورت پوری کرنی تھی۔ اوس نے ایک خاص وقت تک سارہ کے دل میں ہاجرہ کیطرف سے خیال مخالفت نہ پیدا ہونے دیا۔ یہاں تک کہ اونھوں نے حضرت ابراہیم سے سفارش و فرمائش کر کے خود ہاجرہ کو اون کی زوجیت کا شرف دلوایا۔ جب اس شرف خاص سے مشرف ہو کر حاملہ ہو چکیں تو سارہ کے دل میں فطرت نسوانی کے اثر خطور کرنے لگے اور ہاجرہ کی طرف سے چیں بجبیں رہنے لگیں۔ یہاں تک ایک بار غصہ میں آ کر ہاجرہ کو گھر سے باہر نکال دیا۔ توریت کی مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت کھلجاتی ہے:

جب اوس نے (ہاجرہ نے) جانا کہ میں حاملہ ہوئی تو اپنی بی بی (سارہ) کو حقیر جانا۔ تب سارہ نے ابراہیم سے کہا کہ نا انصافی جو مجھپر ہوئی تیرے ذمہ ہے۔ میں نے اپنی لونڈی تجھے دی۔ اور اب جو اوس نے اپنے آپ کو حاملہ پایا تو میں اوسکی نظروں میں حقیر ہو گئی۔ میرا اور تیرا انصاف خدا کرے۔ ابراہیم نے سارہ سے کہا کہ تیری لونڈی تیرے ہاتھ میں ہے جو تیری نگاہ میں اچھا ہو۔ سو اوسکے ساتھ کر۔ تب سارا نے ہاجرہ پر سختی کی اور وہ اوسکے سامنے سے بھاگ گئی (اسکے آگے ہاجرہ پر فرشتہ رحمت کا نازل ہونا۔ اور ولادت اسمٰعیل کی بشارت۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوئی، پہونچائی جانا مذکور ہے۔) تکوین باب ۱۶ آیت ۴ - ۶۔

توریت کی مرقومہ بالا عبارت نے پوری حقیقت کھول دی۔ ایسے موقعوں پر فطرت نسوانی کے ایسے ہی اثر اور توہمات پیدا ہوتے ہیں۔ بات میں بات اور شاخ میں شاخ نکالی جاتی ہے۔ ہاجرہ کے حقیر جاننے کا مسئلہ بھی

انہیں توہمات کا اثر خاص سمجھا جائیگا - غرض سے قصور ڈھونڈکے پیدا کئے جفا کے لئے حضرت ابراہیم اس مشاجرت کا کوئی تصفیہ نہ کرسکے - اور حقیقتاً ایسے اوقات میں مرد فیصلہ کُن رائے ظاہر کرنے اور ایکطرفہ حکم لگانے سے بالکل مجبور رہ جاتا ہے - اصول معاشرت اور تاہّل کے یہ روزانہ مشاہدہ ہیں -

حضرت سارہ کے اختلاف کی بنیاد تو اوسی وقت سے پڑی - فرشتہ رحمت کی بشارت اور حکم خداوندی کی ہدایت کے مطابق جناب ہاجرہ پھر گھر میں واپس آئیں - حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے - بڑے ناز و نعم سے پرورش پاتے رہے - تیرہ برس کے سن میں باپ نے بڑی کشادہ دل سے بیٹے کا ختنہ کیا - تکوین باب ۱۷ آیت ۲۳ - یہاں تک کہ اسمٰعیل سولہ برس کے ہوگئے - قدرت الٰہی نے اسی سال اپنی معجز نمائی کی قدرت دکھلا کر حضرت سارہ کے بطن سے جناب اسحاق کو پیدا کیا - اسحاق کی ولادت ہی سے سارہ کے دل میں ہاجرہ کی مخالفت قوت پکڑنے لگی - اور یوماً فیوماً اس میں نمایاں ترقی ہونے لگی - اور آخرکار ہاجرہ کے ساتھ سخت نفرت اور حقارت قایم کردینے کی باعث ہوئی - اس مشاجرت اور مخالفت کا اصلی سبب وہی ہے جو توراۃ کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے -

> سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہیم سے جنی تھی - ٹھٹھے مارتا ہے - تب اوس نے ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اوسکے بیٹے کو نکال دے - کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ وارث نہیں ہوگا - پر اپنے بیٹے (اسمٰعیل) کی خاطر یہ بات ابراہیم کی نظر میں نہایت بری معلوم ہوئی - (تکوین باب ۲۱ آیت ۹ - ۱۱)

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ سارا کو ابراہیم و اسحاق کی باہمی مساوات نہایت ناگوار گذری - اس خیال مساوات کے بعد اون کو آگے چلکر اسمٰعیل کے حقوق وراثت کے اندیشے بھی پیدا ہوئے - اور غایت مآل اندیشی سے انہوں نے اسمٰعیل کا گھر میں رہنا اپنے لڑکے اسحاق کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے سخت مضر اور نقصان دہ ٹھہرایا - اور اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جناب ہاجرہ اور اسمٰعیل کے اخراج کا سکیدم حکم دیدیا -

یہ ضرور نہیں ہے کہ خاندان نبوت کا ہر شخص معصوم ہو - اور نفسانیت - حسد - رشک اور دیگر جزئیات طبع انسانی سے پاک و صاف ہو - اسی اصول کی بنا پر سارہ کی فہمائش کو سمجھنا چاہئیے - وہ اپنے بیٹے اور ہاجرہ کے بیٹے کے درمیان عدالت اور مساوات کے سلوک قایم نہ رکھ سکیں - ایسے سخت اور تکلیف دہ حکم صادر فرمانیکے وقت اگر سارا کے دل میں اسمٰعیل کا درد نہیں آیا تھا تو اون کی ماں - ہاجرہ کی رفاقت - خدمت اور ہر قسم کی راحت رسانیوں پر تو ضرور لحاظ کرنا چاہتا ہے - مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہو چکا تھا - مزاج بدل گیا تھا - حالت دگرگوں ہوگئی تھی - جس طرح ہاجرہ پر پہلے شفقت و مہربانی کی نظر تھی - اوسی طرح اب اون سے عداوت

ہے اور تنفر۔ پہلے سارہ نے بقائے نسل ابراہیمی کی تمنامیں پڑکر خود ہاجرہ کو شرف زوجیت دلوایا اور اونکو اپنے برابر کی بیوی بنوایا تھا اور اب اسحاق کی پیدایش کے بعد تغیر مزاج اور تلوّن طبع نے وہ رنگ دکھلایا کہ اب ایک دم کے لئے بھی ان ماں بیٹوں کی صورتیں گھر میں دیکھنا نہیں چاہتیں۔

حضرت سارہ کی ایک وقت میں اتنی توجہ اور مہربانی اور پھر دوسرے وقت ایسی ناتوجہی اور نامہربانی گوکسی سبب ظاہری پر مبنی بتلائی جائے مگر سبب حقیقی کے متلاشی توان امور کو تصرفات قدرت کے مخفی راز یقین کرینگے۔ ضرورت کے اعتبار سے مشیت نے ان مخالف انداز طبیعت سے اپنے مدعا پورا کرنے کے نظام درست کرلئے۔ توجہ اور مہربانی سے سلسلہ اسماعیلی کا وجود قایم کردیا۔ اور پھر ناتوجہی اور بے مروتی سے بنواسمٰعیل کی اقطاع عالم میں وسیع آبادی پھیلانے کی ترکیب نکال کر اس سلسلہ عالی کو امت عظیم قرار دینے کی بشارت پوری کردی۔

حضرت ابراہیم کو سارہ کی یہ بیجا فرمایش نہایت ناگوار گذری۔ مگر انکے حزن و ملال کی تسکین و تشفی فوراً بارگاہ قدرت سے کردی گئی۔ اور باتفاق جمہور دارالنظام مشیت سے حضرت ابراہیمؑ کو سارا کے کہنے پر عمل کرنے کا حکم ہوا۔ ہم اسکو توریت کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> خدانے ابراہیمؑ سے کہا کہ وہ بات اس لڑکے اور تیری لونڈی کی بابت تیری نظر میں بُری نہ معلوم ہو۔ ہر ایک بات کے حق میں۔ جو سارہ نے تجھ سے کہی اوسکی آواز پر کان رکھ۔ کیونکہ تیری نسل اسحاق سے کہلائے گی اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا۔ اس لئے کہ وہ بھی تیری نسل ہے۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۱۲-۱۳)

اب اس حکم الٰہی کی رُو سے حضرت ابراہیم مجبور ہو گئے اور سارا کی فرمایش پورا کرنے پر مامور۔ اس فرمان ایزدی کی تعمیل فرمائی۔ ہم اس کی کیفیت بھی توریت ہی کی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ کی مقام جبرون سے علاقہ فاران (حجاز) کیطرف ہجرت

> حضرت ابراہیم صبح سویرے اوٹھے۔ روٹی اور پانی کا مشکیزہ لیکر ہاجرہ کو دیا اور اوسکے کاندھے پر رکھ دیا اور لڑکے کو بھی اونہیں دیکر روانہ کیا۔ وہ رخصت ہو کر بیر سبع میں حیران و سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ لوٹے یا مشکیزہ میں جتنا پانی تھا سب چک گیا۔ ہاجرہ نے لڑکے کو ایک درخت کی جڑ کے نیچے لٹا دیا اور خود ایک تیر کے فاصلہ پر اوسکے سامنے جابیٹھیں۔ اس غرض سے کہ اپنے بیٹے کا (پیاس کی شدت سے) مرنا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اوسکے سامنے بیٹھ کر ہاجرہ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگیں۔ خدا نے اون کے بیٹے کی آواز

سن لی اور خدا کے فرشتہ نے ہاجرہ کو آواز دی اور اوس سے کہا کہ اے ہاجرہ - تجھ کیا واقعہ گذرا ہے - تو خوف نکر کہ خدا تعالیٰ نے تیرے بچہ کی وہیں آواز سن لی ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے - تو اٹھ - اور اپنے لڑکے کو اوٹھا لے - اور اپنی گود میں لے لو کیونکہ ہم اوسکو ایک امت عظیم کرنیوالے ہیں - اور خدا نے ہاجرہ کی آنکھوں کو کھول دیا اور اوس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور اوسکی طرف چلی - وہاں پہونچکر اپنا مشکیزہ بھر لیا اور اپنے بیٹے کو پلایا اور خدا اوسکے لڑکے کے ساتھ (ہمیشہ) رہا - یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا اور بیابان میں ساکن ہوا اور بہت بڑا تیر انداز ہوا - اور بیابان فاران میں آباد ہوا - اور اوس کی ماں نے ایک مصری لڑکی سے اوسکی شادی کردی - (تکوین باب ۲۱ آیت ۱۹ - ۲۱)

توریت کی عبارت کو ہم نقل کر چکے - قرآن مجید میں اس واقعہ کی نسبت حضرت ابراہیم کی زبانی صرف یہ فقرہ مذکور ہے - رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ - پروردگار میں نے اپنی اولاد کو تیرے خانہ مقدس کے پاس ایک ناقابل زراعت بیابان میں ساکن کیا ہے -

قرآن کی مرقومہ بالا عبارت سے صرف ہاجرہ اور اسمٰعیل کی جائے سکونت معلوم ہوتی ہے - اس واقعہ کی تفصیل کا انکشاف نہیں ہوتا لیکن مفسرین و محدثین نے اسکی پوری تصریح کردی اور عربی کی قدیم و جدید تاریخوں نے کمال شرح و بسط کے ساتھ اوسکو نقل کیا ہے - ہم ذیل میں تاریخ ابن اثیر - مواہب لدنیہ - روضۃ الاحباب - اور تفسیر کشاف کے خلاصہ ترجمہ سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں -

حضرت ابراہیم علیہ السلام اوٹھے - ہاجرہ اور اسمٰعیل کو ساتھ لیا - اور اوس زمین پر آئے جہاں اب حرم مکہ ہے - اوسوقت اوس قطعہ زمین پر نہ عمارت نہ زراعت نہ پانی اور نہ کسی قسم کی آبادی تھی - کیونکہ حضرت سارہ کی ایک فرمائش بیجا یہ بھی تھی کہ ان ماں بیٹوں کو ایسی جگہ لیجانا چاہیئے اور تنہا چھوڑ دینا چاہیئے کہ جہاں نہ پانی ہو نہ آبادی - اور چونکہ خدا کی طرف سے سارا کی مطابقت اور دلجوئی کے لئے آپ مامور ہو چکے تھے - اسلئے حضرت ابراہیم اونکو اوس مرتفع مقام پر لیگئے جہاں خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت قائم ہے اور وہاں لیجا کر انکو چھوڑ دیا - اور ایک تھیلی میں خرما اور ایک مشک میں پانی ہاجرہ اور اسمٰعیل کیضرورت کیلئے چھوڑ دیا اور خود وہاں سے چلے آئے اور پھر اون کی طرف کوئی التفات نہ فرمائی - ہاجرہ یہ دیکھکر ابراہیم کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں کہ تم مجھکو اور میرے بچے کو اس بیابان میں جہاں نہ کوئی رفیق نظر آتا ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز چھوڑکر کہاں چلے جاتے ہو - مگر ابراہیم ان کے معروضہ اور استغاثہ کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے اور نہ پیچھے پھیر کر ان کی طرف دیکھتے تھے - ان کلمات کو بار بار ہاجرہ نے کئی بار کہا - مگر حضرت ابراہیم نے ایکبار بھی نہ اسکا جواب دیا اور نہ ان کیطرف پھر کر دیکھا - آخرکار ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا خدا نے تمکو ایسا ہی حکم دیا - ابراہیم نے

جواب دیا۔ ہاں۔ اب حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ ابراہیمؑ مجبور ہیں۔ خدا کا حکم ایسا ہی ہے۔ یہ معلوم کر کے ہاجرہ نے رضائے الٰہی پر صبر کر لیا۔ اور یقین کر لیا کہ خدا ہمکو کسی طرح تباہ و برباد نہ کریگا۔ یہ یقین کر کے حضرت ابراہیمؑ کے تعاقب سے واپس آئیں اور اوس کھجورے اور پانی کو اپنی اور اپنے صاحبزادے کی ضرورتوں میں صرف فرماتی رہیں۔ یہانتک کہ وہ خرمے اور پانی بالکل تمام ہو گیا اور اب دونوں حضرات پر بھوک اور پیاس کا سخت غلبہ ہوا۔ حضرت اسمٰعیل بیتاب ہو کر زمین پر تڑپنے لگے۔ ماں سے یہ عالم نہ دیکھا گیا۔ وہاں سے اوٹھیں اور کوہ صفا کیطرف روانہ ہوئیں۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہیں۔ پہاڑ سے اوس وادی کے چاروں طرف دیکھتی رہیں کہ شاید کوئی فریادرس دکھلائی دے۔ مگر کسی کو نہ پایا۔ پھر کوہ صفا سے اتریں۔ چادر زمین پر کھینچتی ہوئی جلدی جلدی دامن وادی کو طے کرتی ہوئیں کوہ مروا پر تشریف لائیں۔ تھوڑی دیر تک ٹھہریں۔ کسی کو نہ پایا۔ چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نظر نہ آیا۔ اسی طرح سات بار آپ نے سعی کی۔ یہ دستور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک حاجیوں میں قایم ہے۔ حضرت ہاجرہ ہر بار حضرت اسماعیل کے پاس آ کر اونکا حال دیکھ جاتی تھیں۔ آخر بار جب بیٹے کے پاس آئیں تو اوس کو قریب ہلاکت پایا۔ مایوس ہو کر گریاں و نالاں پھر کوہ مروہ پر چڑھ گئیں تو ایک آواز اب کی بار ان کے کان میں آئی۔ اوس آواز سے ہاجرہ نے خطاب کر کے کہا کہ میں نے تیری آواز تو سن لی۔ اگر تو حقیقت میں میرا فریادرس ہے تو میری فریاد کو بھی پہونچ اور میری خبر بھی لے۔ حالانکہ وہ آواز خدا کے فرشتہ جبریل کی آواز تھی۔ اور وہ اوسوقت حضرت اسماعیل کے پاس کھڑے تھے۔ ہاجرہ کی ندا سن کر خدا کے فرشتہ نے پوچھا کہ تو کون ہے جو مجھے پکارتی ہے ہاجرہ نے جواب دیا۔ میں ہوں ہاجرہ۔ ابراہیمؑ کی بی بی اور اون کے بیٹے اسمٰعیل کی ماں۔ فرشتہ (جبریل) نے پوچھا کہ ابراہیم نے اس بیابان میں تم لوگوں کو کس پر چھوڑا ہے۔ ہاجرہ نے کہا کہ خدائے سبحانہٗ تعالیٰ پر۔ جبرئیلؑ نے کہا بس وہی تمہارے لئے کافی ہے جس پر تمہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہکر جبرئیلؑ نے اپنے پاؤں سے یا پروں سے اوس زمین پر ضرب لگائی۔ وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ اتنے میں ہاجرہ اسماعیل کے پاس چلی آئیں تو پانی کا ایک اوبلتا ہوا چشمہ نظر آیا۔ ہاجرہ خود بھی سیراب ہوئیں اور اسمٰعیل کو بھی سیراب کیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ یہ پانی بھی چُک نہ جائے اس وجہ سے اوس کے کناروں کو باندھ کر اوسکو ایک حوض کی شکل میں بنا دینا چاہا۔ کہ پانی اوس میں جمع رہا کرے اور پانی کی مشک آسانی سے بھری جایا کرے۔ جبریل نے ہاجرہ کی تسکین کی۔ اور کہا کہ پانی کی کمی کا ذرا خیال نہ کرو اور نہ ڈرو کہ اس وادی کے رہنے والے پیاسے رہیں گے۔ کیونکہ وہ چشمہ ہے جس سے خدائے سبحانہٗ تعالیٰ اپنے مہمانوں کو ہمیشہ سیراب فرمایا کریگا۔ (ابن اثیر مطبوعہ مصر جلد اوّل۔ روضۃ الاحباب باسناد مواہب لدنیہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۵۷ لکھنؤ۔ حیات القلوب مجلسی جلد اول۔

حقیقت کی تلاش کرنے والے اصلیت کے ڈہونڈھنے والے مرقومہ بالا عبارتوں پر غور کرکے خود نتیجہ نکال لیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ اس واقعہ کے متعلق توراۃ میں جو کچھ تحریر ہے۔ تھوڑے سے ہی اختلاف کے ساتھ وہی عربی تاریخ وحدیث کی کتابوں میں بھی مرقوم ہے۔ ہاجرہ اور اسمٰعیل کی ہجرت پر سارا کا اصرار حضرت ابراہیم کا بیحد حزن وملال۔ سارہ کی فرمایش پوری کردئے جانے کیلئے خدا کا مصلحتانہ حکم۔ حضرت اسمٰعیل کی ازدیاد اولاد۔ اور امت عظیم ہونے کی بشارت اور اون کے بابرکت ہونے کی نوید۔ جلاوطنی میں ماں بیٹوں پر تشنگی کی سخت مصیبت۔ بیٹے پر قریب المرگ ہوجانے کی حالت۔ ماں کا لا انتہا اضطرار واضطراب ماں کی جستجوئے آب۔ خدا کے فرشتہ کی ندائے غیب۔ ہاجرہ کے اضطراب میں اُسکے تشفی بخش خطاب وکلمات۔ خدا کا ہمیشہ اسمٰعیل کی امداد پر تیار رہنے کی بشارت۔ پھر ہاجرہ کو چشمہ آب دکھلانا۔ ہاجرہ کا اوس پانی سے بیٹے کو سیراب کرنا۔ اور پھر خدا کا اوسکے بیٹے کیساتھ ہمیشہ رہنا وغیرہ وغیرہ بالاتفاق درج ہے۔

اختلاف ہے تو دو امور میں۔ اول یہ کہ توراۃ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے صرف ان ماں بیٹے کو گھر سے نکالدیا۔ نہ اونکے ساتھ گئے اور نہ پھر اون کی کوئی فکر وتلاش کی۔ وہ مصیبت کے مارے پھرتے پھراتے بیر سبع سے دشت فاران میں آپ پہونچ گئے۔

دوسرے یہ کہ قرآن مجید سے حضرت ابراہیم کا مع ہاجرہ و اسماعیل یکبار چلا آنا معلوم ہوتا ہے۔ توریت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ماں بیٹے بیر سبع میں آئے وہاں سے فاران میں۔ اور فاران کی اصلیت وماہیت میں بہت اختلاف ہے۔

اول اختلاف کی نسبت ہم پوری تفصیل سے انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ہاجرہؑ اور اسمٰعیل کو اپنے ہمراہ لاکر بیابان فاران (حجاز) میں پہونچا گئے۔

سرسید مرحوم خطبات احمدیہ میں بھی توراۃ کی عبارت واقعہ پر اعتبار کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ایسے صاف لفظوں میں اس واقعہ کو تحریر فرماتے ہیں جسکو کوئی مسلمان پسند نہیں کرسکتا۔ حضرت ابراہیم نے ہاجرہ اور اسمٰعیل کو اپنے گھر سے نکالدیا۔

اس انداز تحریر اور الفاظ بیان سے۔ جو متعصبین یہود کی خاص التخاص تقلید اور حاسدین نصاریٰ کی صاف صاف تائید ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے عظیم الشان عمیم الاخلاق والاحسان پیغمبر اور ابوالانبیاء والمرسلین کے مکارم اخلاق اور محاسن عدل وانصاف کے پاک وصاف دامن پر۔ ناانصافی بے مروتی اور بدخلقی کے بدنما اور نازیبا دھبے پڑجاتے ہیں۔ اور نیز ان واقعات سے حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیل کی کسر شان۔ استخفاف حقوق اور اقتصار عظمت وتقدیس ثابت ہوتی ہے جن کی قدر ومنزلت کو

سید صاحب اپنے اکثر مباحث میں قوی دلائل سے۔ یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں اونہیں کے اخبار و اسفا سے ایکبار نہیں کئی بار ثابت کر آئے ہیں۔

توراۃ کا یہ بیان اور سید صاحب کا اوس پر حیرت انگیز اعتبار و اقرار کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بی بی ہاجرہ اور اپنے نوجوان بیٹے اسمٰعیل کو محض یکہ و تنہا گھر سے نکال دیا۔ قولاً اور فعلاً۔ خلاف عقل۔ خلاف قیاس اور خلاف واقع معلوم ہوتا ہے۔ ایک معمولی درجے والے آدمی سے ایسے بداخلاقانہ افعال کا سرزد ہونا جب اوسکی حد درجہ کی شکایت و ملامت کا باعث ٹھرایا جاتا ہے۔ تو ایک ایسے برگزیدہ بزرگوار سے جو منجانب اللہ صاحب شریعت ہو اور بندگان خدا کو تہذیب و اخلاق۔ تمدن و معاشرت کی تربیت و تعلیم کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ ایسے افعال ذمیمہ اور اطوار قبیحہ کا عمل میں لایا جانا ہرگز صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ کیا جناب ابراہیم کی عدالت۔ آپکی شریعت۔ آپ کا اخلاق۔ آپ کی مروت اور عام انسانی ہمدردی۔ جو عموماً ہر فرد بشر کی طبیعت میں قدرت کی طرف سے ودیعت فرمائی گئی ہے۔ اسی کی مقتضی تھی کہ اپنے واجب النفقہ اہل و عیال کو بلا وجہ۔ بے سبب۔ صرف ایک دوسری بی بی کے کہنے سے۔ اس ذلت اور حقارت۔ اس بلا اور مصیبت کے ساتھ گھر سے باہر نکالدیا جاوے۔ پھر بی بی بھی وہ عفیفہ جس کی اطاعت حسن خدمت اور رفاقت بیس برس کے زمانہ دراز تک ہر قسم کا آرام ہر طرح کی راحت پہونچا چکی ہو۔ اور سفر و حضر کے تمام مصائب و نوائب میں شریک و رفیق رہ چکی ہو۔ فرزند بھی وہ فرزند صالح جس کی عظمت اور بزرگی توریت مقدس کی بشارت سے ایک جگہ نہیں کئی جگہ ثابت ہو چکی ہو۔ خود جناب ابراہیم کو وہ فرزند صالح ایک عظیم امت کا مورث اور حضرت ہاجرہ کو بارہ خلفائے ارض کا باپ اور جد اعلیٰ بتلایا گیا ہو۔ کیا کوئی محض محدود اور ادنیٰ عقل رکھنے والا شخص بھی ایک ساعت کے لئے اسکو مان سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگوار (حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیل) حقیقتاً دنیا میں ایسے لاوجود۔ بیکار اور محض بے سود ہستیاں سمجھکر گھر سے نکال باہر کر دئے گئے۔ سید صاحب کے اس بیجا اقرار و اعتراف پر جو اسلامی اخبار و آثار کے بالکل خلاف ہے۔ وقت تحریر سے لیکر آجتک برابر تعریض و تنقید ہوتی چلی آئی ہے۔ صاحب ارض القرآن نے بھی (اگرچہ یہ بحث اونکے موضوع تالیف سے بالکل علیحدہ تھی) جناب ہاجرہ و اسماعیل کے ضمنی تذکرے میں اپنی غیرت اسلامی اور حمایت دینی سے اسکی تنقید و تردید فرمادی ہے ذیل میں اون کی عبارت ملاحظہ ہو۔

توراۃ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ابراہیم بھی ساتھ آئے تھے۔ لیکن کون تسلیم کریگا جو اپنے عزیز بچہ کو جس کی پیدائش کی اوس نے خود دعا کی ہو۔ جس کی زندگی کیلئے اوس نے خدا سے دعا مانگی ہو۔ اوسکو تنہا بے آب و گیاہ

مقام میں ہمیشہ کیلئے جا لئے دے۔

صحیح بخاری میں۔ جو روایات اسلام میں صحیح تر ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ کہ ابراہیم اور اونکی بیوی (سارہ) کے درمیان جو واقع ہوا۔ اوسکے بعد ابراہیم۔ اسماعیل اور اسماعیل کی ماں کو لیکر نکلے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ اُم اسمٰعیل پانی مشکیزہ سے پیتی تھیں۔ اور اوس سے دودھ بچہ کے لئے ہوتا تھا[۵] یہاں تک کہ ابراہیم مکہ پہونچے۔ اور ایک جھاڑی کے نیچے اوسکو رکھدیا۔ پھر ابراہیم اپنے گھر واپس آنے لگے اُم اسماعیل اونکے پیچھے پیچھے کدا ر (مکہ کا ایک مقام) تک آئیں۔ اُم اسماعیل نے پکار کر کہا۔ ابراہیم تم مجھے اس وادی میں جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ کوئی چیز ہے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ (اختلاف روایت) کیا تم خدا کے حکم سے مجھے یہاں چھوڑتے ہو۔ ابراہیم نے کہا ہاں۔ ام اسمٰعیل نے کہا۔ تو پھر خدا ہم کو ضائع نہ کرے گا۔ ارض القرآن ج ۱ ص ۱۵

ہم نہیں سمجھتے کہ عربی تفسیر۔ حدیث اور تاریخ کی کتابیں اور اون کی مقامی اور آبائی روایتیں۔ جو عہد ابراہیمی اور دور اسمٰعیلی سے اہل عرب میں بسلسلہ بسلسلہ اور سینہ بسینہ چلی آتی ہیں اور جن کے لئے وہ تمام قوموں میں نمایاں حکم ممتاز سمجھے گئے ہیں اور خود سید صاحب مرحوم جن کی حقیقت اور صداقت پر اپنے خطبات کے اکثر مقامات پر صاد فرما چکے ہیں۔ صرف توراۃ کے مخالف ہونے کی تنہا جرم میں کیسے ساقط الاعتبار سمجھی جائیں گی اور پھر اس شہادت کے ساتھ کہ اوسکی رُو سے اگرچہ مقدس رسول کی تقدیس و تنزیہ مکارم و مسالک میں تعریض و تنقیص صریح لازم بھی آتی ہو۔ مگر تاہم اونھیں کی صحت کو ترجیح دی جائے گی۔ حالانکہ واقعہ۔ واقعہ کی صورت اور واقعہ کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ایسی سنگدلی۔ بیدردی۔ اور شقاوت نہ کبھی اخلاق الٰہی کی شان کہی جا سکتی ہے اور نہ محاسن خلیل اللّٰہی کے شایاں ہو سکتی ہے۔ اسلئے نہ یہ الفاظ وحی و الہام کہے جا سکتے ہیں اور نہ کسی رسول اور خاصہ خدا کے کلام سمجھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ تمام اسباب و قرائن صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ حضرت اسماعیل اور اون کی ماں کی حقارت اور ذلت ثابت کرنے کے لئے۔ ابراہیم کے ساتھ جانے یا پہونچانے والی عبارت اور اوسکے تمام مضامین۔ جیسا کہ اسلامی اور عربی اخبار و آثار میں اسوقت تک محفوظ و مرقوم ہیں۔ بنت نفسیا کے بندوں نے خدا کی اس کتاب سے نکال دئے۔

اسبار یا توراۃ کافی نفسہا۔ صحیح الاسناد ہونا۔ اسکا یہودی اور عیسائی تو دعویٰ کرہی نہیں سکتے قصیر الاطلاع مسلمان کہاں تک اسکو ثابت کرنے کی کوشش کرینگے۔ اسی مسئلہ میں ایک مثال اطمینان کے لئے کافی ہے۔ توراۃ کے اسواقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمٰعیل اسوقت بچے تھے۔ اور دودھ پیتے تھے۔ اور اوسی توراۃ سے

[۵] یہ مرویات یہود کے نقل کا نتیجہ ہے۔ اسکی اکثر مثالیں اسلامی کتب تاریخ و حدیث میں ملتی ہیں۔ المولف

معلوم ہوتا ہے کہ ولادت اسحاق کے وقت انکا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ باپ ختنہ بھی کرچکا تھا اور توراۃ میں ختنہ کئے جانیکے وقت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا قطعی طور پر بتلایا گیا ہے۔ اور یہ تمام واقعات اخراج ہاجرہ اور ولادت اسحاق کے قبل کے ہیں۔ ولادت اسحاق کے تین برس بعد واقعہ اخراج ہاجرہ پیش آنا لکھا گیا ہے تو اس بنا پر اسمٰعیل کا سن ترک وطن کے وقت سولہ (16) اور سترہ (17) برس کے درمیان میں ثابت ہوتا ہے۔ اسی سے توراۃ کے اختلاف بیانات کی حقیقت کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ اور ایک ہی مسئلہ کی نسبت اوسمیں دو متضاد و مختلف مضامین پے در پے مندرج ہیں۔ ایک سے صاحب واقعہ کی شیر خوارگی اور عالم گہوارگی معلوم ہوتا ہے اور دوسرے سے اوسکے نوجوان اور صاحب ریش و بروت ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ بندوں کی کتاب جب ایسے مخالف اور مناقص کے باعث قابل اعتبار نہیں سمجھی جاتی۔ تو پھر خدا کی کتاب ایسے اختلاف و تضاد کو پہلو میں لیکر کیسے صحیح الاسناد اور واجب الاعتقاد تسلیم کیجائیگی

اپنے بیّن ثبوت اور صحیح مثالوں کے علاوہ۔ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی ذلت و حقارت کے متعلق جیسے جیسے نازیبا اور بیجا الفاظ عبارات توراۃ میں مستعمل اور مرقوم ہیں وہ علی الاعلان بتلا رہے ہیں کہ یہ اوس سچے۔ عادل اور غیر متبدل خدا۔ برحق کے الفاظ و کلمات ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جو اس بی بی کے لئے اپنا فرشتہ رحمت نازل فرما کر اوس کی تسکین و تشفی۔ اوسکے بچہ کی نوید ولادت۔ اوسکے مورث امت عظیم ہونیکی بشارت۔ اوسکے اور اوسکے بچہ کے ساتھ ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرما چکا ہو۔ اور جو مرقومہ بالا عبارات بشارت میں متواتر طور پر اس بی بی اور اوسکے لڑکے کی عظمت و تقدیس کا مُقر ہو چکا ہو۔ تو اس بنا پر ہمکو یور الیقین ہے اور نہ ایقین ہی نہیں ہمارا مسلم اعتقاد ہے کہ توراۃ کے یہ تمام الفاظ مخالف اور مضامین مناقص جن سے اخلاق خلیل الہی کی کسیر عصمت و منزلت ہاجرہ کی توہین اور عظمت و اقتدار اسماعیل کی تنقیص ظاہر ہوتی ہے ہرگز ملفوظات ربانی نہیں ہیں۔ بلکہ بالکل موضوعات انسانی۔ جب توراۃ میں اتنے اختلاف و تضاد کے مواد کا ذخیرہ موجود ہو۔ اور جس کو خود یہودی اور عیسائی اعترافاً للواقع صحیح مانتے ہوں۔ تو پھر ان موضوعات و مصنوعات پر ایک مسلمان محقق کا اعتبار کر لینا اور اوسکو اپنا مختار قرار دے لینا کسقدر شرمناک اور عبرت خیز ہے۔

ہمکو حضرت اسماعیل کے سن مبارک کی نسبت علیحدہ بحث کرنی مقصود ہے۔ اسلئے کہ مرویات اسلامی اور خصوصاً بخاری شریف میں شیر خوارگی کا اظہار کیا گیا ہے جسپر حفظ ماتقدم کے خیال سے ہم اوپر نوٹ (نظر یہ) دے آئے ہیں۔ ہم مسئلہ زیر بحث کو تمام کرکے اپنے آئندہ سلسلہ بیان میں اس مسئلہ کو بار دیگر بہت جلد صاف کرتے ہیں۔

دشت فاران سے ارض حجاز اور حوالی مکہ مراد ہے۔ اب ہمکو دوسرے امر کیطرف رجوع علی التحقیق کرنا ہے اور وہ دشت فاران کی اصلیت حقیقت اور اوس کے موقع و مقام کا انکشاف ہے۔

اہل عرب کے تمام مرویات قدیم اور اسلام کے تمام تالیفات و تصنیفات میں اس مسئلہ کے متعلق بالا اتفاق بالجمہور مرقوم و مذکور ہے کہ جناب ابراہیم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند ارجمند جناب اسمٰعیل کو حکم الٰہی کے مطابق مکہ معظمہ سے ملے ہوئے اوس بیابان میں جو دشت فاران کے نام سے آجتک تمام کتب قدیم میں مرقوم ہے پہونچا گئے

قرآن مجید میں نہ فاران ہے نہ پاران۔ اوس میں مقام سکونت کی نسبت صرف بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ (اپنے خانہ محترمہ کے پاس۔ ناقابل زراعت صحرا میں) لکھا ہے جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابراہیم نے اِن لوگوں کو اوس ناقابل زراعت صحرا میں پہونچا دیا تھا جو مکہ سے ملا ہوا تھا۔ اسلئے تاوقتیکہ یہ ناقابل زراعت صحرا فی الحقیقت میں دشت فاران نہ ثابت کر لیا جائے۔ قرآن مجید کی عبارت توراۃ کی بشارت سے مطابق نہیں ہوتی۔ (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۱)

سفر تکوین باب ۲۱ درس ۲۱ میں فاران کی جگہ ایل فاران لکھا ہے۔ ان دونوں سے لیکن ایک ہی مقام مراد ہے۔ اور جغرافیہ قدیم و حال کے مطابق اس سے وہی کوہستانی سلسلہ مراد ہے۔ جو صفا۔ مروہ۔ بوقبیس وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ اور مکہ کے اردگرد واقع ہیں۔ توریت کے باب ۲۱ آیت ۲۱ میں۔ فاران کے پہلے لفظ آیل آیا ہے۔ جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہور قدرت کا کوئی واقعہ اس سے متعلق ہے یا متعلق ہونے والا ہے۔ اسوجہ سے یہ پہاڑ خدائی پہاڑ کے نام سے خاص طور پر موسوم ہوئے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس عبرانی لفظ آیل کا عربی تالیفات میں بھی کہیں نشان ملتا ہے یا نہیں جب ہم اسکی نسبت تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ کے گردونواح میں جتنے پہاڑ ہیں وہ آجتک آلال مشہور ہیں۔ اور الال صاف صاف لفظ ایل کی جمع ہے۔ جو اہل عرب نے اپنی زبان کے قاعدے کے مطابق بنالی ہے۔ اب یہ مسئلہ زیر بحث بالکل صاف ہوگیا کہ ایل فاران مصرحہ توراۃ یقیناً اوسی کوہستانی سلسلہ کا نام ہے جو مکہ کے آس پاس واقع ہیں۔ اور جن میں صفا۔ مروہ۔ بوقبیس۔ ثور۔ حرا وغیرہ۔ قدیم شعائر اللہ۔ داخل ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی برگزیدہ بارگاہ الٰہی کے حالات و واقعات سے خاص طور پر تعلق رکھتا ہے۔

بُرا ہو یہودیوں اور عیسائیوں کے تعصب و نفسانیت کا۔ جو ایسے واضح اور روشن ثبوتوں کے مقابلہ اور موجودگی میں بھی محض اسلام کی مخالفت کی بنا پر وادی فاران اور وادی مکہ کی مطابقت میں خواہ مخواہ غلط

تاویلیں کرتے ہیں اور سراپا مہمل اور بے اصل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اسلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اون کے ان متعصبانہ اور گمراہانہ قیاسات اور غلط تاویلات کی تردید و تنقید بہی اونہیں کے معتبر اسناد و اشہاد سے پیش کر کے اونکا اور ساری دنیا کا اطمینان کردیں۔

اسمیں شک نہیں کہ دشت فاران کو حجاز اور قرب مکہ نہ ثابت ہو لینے دینے کی ابتدائی کوششیں یہودیوں کے حسد و تعصب کا ضمیمہ ہیں لیکن اونہوں نے اسکے موقع کو کوہ سینا اور فلسطین تک محدود کر رکھا ہے۔ عیسائی ان سے بہی تیز اور شرارت انگیز نکلے۔ اونہوں نے سرزمین حجاز اور حوالی مکہ میں دشت فاران کے واقع ہونے کے متعلق اپنی مسلسل کوششوں سے آسمان و زمین کے قلابے ایک کردئے ہیں۔ اور اس قدر دور از قیاس۔ گمراہانہ اور خودغرضانہ تاویلوں سے۔ اسکے اصلی موقع قایم کرنے ہیں۔ کثرت اقوال اور تعدد آرا کے انبار لگادئے ہیں جن سے دشت فاران جغرافیہ عالم میں عنقائے عرب بنگیا ہے۔ کہیں صحیح نشان ہی نہیں ملتا۔ مگر ہم ان تمام مراحل و منازل کو مفصلہ ذیل بحث میں طے کردیتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ معلوم کرلینا چاہیئے کہ عبرانی لفظ مدبرہ عربی لفظ وادی۔ اور قرآنی لفظ غیر ذی ذرع متحد المعنی اور مساوی المفہوم ہیں۔ یہانتک یہودی۔ عیسائی اور مسلم سب متفق ہیں اور ان تینوں مختلف الفاظ سے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں۔ مگر خاصکر یہودیوں اور عیسائیوں کو جو کلام ہے وہ یہ کہ اس وادی مشتہرہ کا اصلی موقع قریب مکہ نہیں ہے۔ بلکہ جبل سینا اور اوسکے قرب و جوار سے لیکر ارض بابل اور فلسطین تک۔ جو جناب ابراہیم اور اون کی قوم و قبیلہ کا قدیم اور اصلی موطن و مسکن ثابت ہوتا ہے۔ دشت فاران میں شامل ہے۔ اونکے اس اعتراض کی بنا پر تین امور کی مفصلہ ذیل تنقیح و تحقیق نہایت ضروری ہے۔

اول۔ یہ کہ حضرت ابراہیم ع نے ہاجرہ اور اسمٰعیل ع کو کہاں چھوڑا۔

دوم۔ یہ کہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے اس صحرائے غیر آباد کے کس مخصوص مقام پر سکونت اختیار کی۔

سوم۔ یہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل نے جہاں پہلے ٹھیرے تھے وہیں سکونت اختیار کی یا وہاں سے اوٹھکر کسی اور جگہ آباد ہوگئے۔

تنقیح اول کے متعلق ہم اسلام سے قبل یا بعد عرب کی مشہور و معروف روایتوں کو جو اس امر کو ثابت کرتی ہیں اس باعث سے عمداً مرفوع القلم کرتے ہیں کہ مخالف قوم و مذہب کے مقابل ایک متنازع فیہ مسئلہ میں اپنے بیان سے اپنے دعوی کی تصدیق اتنی قابل اعتبار نہیں ہوسکتی جتنی طرف مقابل کی تردید اوسکے اقوال و تحریر سے۔ چونکہ اس مسئلہ خاص میں یہودیوں اور عیسائیوں نے ابتدا ہی سے محض اسلام کی مخالفت اور حضرت اسماعیل کی خاص کسر شان و منزلت کی بنا پر بیجا تاویلیں پیدا کردی ہیں۔

اسلئے اونھیں کی کتابوں سے صحراے فاران کا حقیقت میں مکہ کے آس پاس واقع ہونا ثابت کرنا چاہیئے۔
توریت میں ہے۔

اسماعیل بڑا ہوا۔ اور بیابان میں سکونت پذیر ہوا۔ (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۵) پھر دوسری جگہ تحریر ہے کہ اس نے یعنی اسمٰعیل نے دشت فاران میں سکونت اختیار کی (سفر تکوین باب ۲۱ آیت ۲۱)

اب یہ تحقیق طلب ہے کہ بیابان فاران جہاں جناب اسمٰعیل سکونت پذیر ہوئے کون سا مقام ہے مشرقی جغرافیہ والوں نے تین مقامات کو بنام فاران تحریر کیا ہے۔ اول وہ مقام اور اوسکے گرد و نواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے۔ کیونکہ اوس زمانہ میں یہ مقام صحرا سے بےگیاہ تھا۔ دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے۔ سوم ایک ضلع ہے۔ جو سمرقند کے نواح میں واقع ہے۔ مشرقی جغرافیہ نویسوں کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

فاران المذکور فی التوراۃ فی قولہ جاء اللّٰہ من سیناء و اشرق من ساعیر و استعلن من فاران فساعیر جبال فلسطین وھو انزالہ الانجیل علی عیسیٰ و فاران مکۃ او جبالھا علی ما تشھد بہ التوراۃ و استعلاء بہ منھا انزالہ القرآن علی سیدنا محمد صلعم و فاران قریۃ من نواحی السغد من اعمال سمرقند و قیل فاران والطور کورتان من کور مصر قبلیۃ (مراصد الاطلاع علی الاسماء الامکنۃ و البقاع و معجم البلدان یاقوت حموی)

فاران جس کا تذکرہ توریت کی اس آیت میں آیا ہے کہ خدا سینا سے آیا اور ساعیر سے مشرق ہوا اور فاران سے بلند ہوا۔ ساعیر فلسطین کے پہاڑ ہیں اور وہ مقام ہیں جہاں حضرت عیسیٰ پر نزول انجیل ہوا اور فاران مکہ اور اس کے آس پاس کے پہاڑوں کا نام ہے جیسا کہ توریت کی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اوسکے بلند کئے جانے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول قرآن مراد ہے اور فاران ایک قریہ کا نام ہے۔ جو سمرقند کے علاقہ سغد میں واقع ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ فاران مصر سفلی کے دو شہر فاران و طور کے نام سے معروف ہیں (مراصد الاطلاع علی الاسماء الامکنۃ و البقاع و معجم البلدان یاقوت حموی)

پھر یاقوت حموی اپنی دوسری کتاب مشترک میں لکھتا ہے۔

فاران ثلثۃ مواضع۔ فاران اسم جبال مکۃ و قیل ھی اسم جبال الحجاز ذکر فی التوراۃ یجئ فی اعلام نبوۃ النبی صلعم قال الامیر ابو نصر ابن ماکولا ابوبکر نصر ابن القاسم ابن القضاعۃ القضاعی الفارانی الاسکندری سمعت ان

فاران تین مقامات کے نام ہیں۔ مکہ کے پہاڑوں کا (فاران) نام ہے اور بعض کہتے ہیں علاقہ حجاز کے تمام پہاڑوں کا نام فاران ہے ان کا ذکر توریت میں موجود ہے اور انکا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہوتا ہے۔ امیر ابو نصر ابن ماکولا کا بیان ہے کہ ابوبکر نصر ابن القاسم ابن القضاعۃ القضاعی

ذلک نسبۃ الی جبال فاران وھی الحجاز وفاران قال ابو عبداللہ القضاعی فی کتاب خطط مصر فاران والطور کورتان من کور مصر القبلیۃ و فاران من قرای سمرقند (کتاب المشترک)

الفارانی الاسکندری کی نسبت اوسی جبال فاران سے ہے جس سے حجاز مراد ہے اور ابو عبداللہ القضاعی اپنی کتاب خطط مصر میں لکھتے ہیں کہ فاران اور طور مصر مغربی کے دو مشہور شہر ہیں۔ اور فاران سمرقند کے ایک قریہ کا بھی نام ہے۔ (کتاب المشترک)

ہم نے عربی جغرافیہ نویسوں کے اقوال صرف اس غرض سے یہاں لکھ دئے ہیں کہ محققین کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی مورخین و مولفین نے بمقابلہ یہودی اور عیسائی مصنفین کے پوری صفائی اور خوش نیتی سے جبال مکہ و حجاز کے علاوہ۔ اون تمام مقامات کو بھی لکھ دیا ہے اور بتلا دیا ہے۔ جو فاران کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر اون کی تحقیق اور تحریر بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح خود غرضی اور تعصب پر مبنی ہوتی تو وہ فاران کی تصدیق و تطبیق میں صرف جبال مکہ و حجاز کو بتلاتے اور دوسرے مقامات کی تصریح و تفصیل سے سکوت اختیار کرتے۔ مگر نفسانیت اور خود غرضی سے بالکل علیحدہ ہو کر اونہوں نے اپنی تالیفات میں تمام مقامات کا ذکر کر دیا۔ کیونکہ اون کے ذکر کر دینے سے اونکے مدعا میں کسی طرح کا خلل نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے کہ فاران سے اوسی ایک مقام اور اوسی ایک خاص نام میں خدا سبحانہ تعالی کی عظمت و تقدیس و دلیعت ہے۔ جس کی نسبت توراۃ میں بشارت آئی ہے اور اسی تقدیس و برکت کا اصلی مرکز وہی مقام اور وہی نام قرار پائیگا۔ جہاں سے نور ہدایت جلوہ آرا سے عالم ہوا۔

چونکہ تمام شہود و ثبوت اسپر مجتمع ہو چکے ہیں کہ اس موعودہ ظہور قدرت کی جلوہ گاہ جبال مکہ اور حجاز ہیں نہ دیگر مقامات اسلئے یہودیوں کی کوشش ہے۔ اور عیسائیوں کو کاوش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اصلی مقام کی حقیقت چھپا دی جائے۔ مگر اونھیں کے اعتراف و اقرار متواتر و متکاثر کے مقابلہ میں اون کی یہ عالم فریبی کارگر ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اون کی ان گمراہانہ مغالطہ دہی سے ہمارے دعووں میں کسی طرح نقصان نہیں پہونچ سکتا ہے۔ وہ اقطاع عالم میں ایک نہیں ہزار مقام فاران کے نام سے بتلایا کریں تو اس سے کیا۔ اصلی فاران کی عظمت و تقدیس میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوتی فاران پر منحصر نہیں طور کے ایک نام سے دنیا میں سات مختلف مقامات مشہور ہیں۔ یاقوت حموی مشترک میں لکھتے ہیں۔

الطور سبعۃ مواضع و الطور ایضا علم لجبل بعینہ عند کورۃ تشتمل علی عدۃ قری با رض مصر من جہۃ القبلیۃ بینہا

طور سات مقامات کو کہتے ہیں۔ یعنی طور کے نام کا اطلاق ان پہاڑوں چشموں اور شہروں پر ہوتا ہے۔ اور وہ شہر اون تمام چھوٹے چھوٹے قصبوں پر بھی حاوی ہیں جو مغربی مصر میں واقع ہیں

وبین جبل فاران۔ (مشترک)

اور جو انکو اور جبل فاران کے درمیان حائل ناصل ہیں۔ (مشترک)

اب ان سات مختلف مقامات کی تفصیل۔ علامہ شریف الادریس کی کتاب نزہۃ المشتاق کی عبارت سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۱) طریق آخر علی ساحل البحر القلزم (۲) من مصر الی عین شمس (۳) ثم الی بطن مغیرۃ (۴) ثم الی حرث فاران (۵) وبالقرب فاران موضع صعب اذا سلک والمرحلۃ ایضا مغربا والدیر مشرقا (۶ و ۷) وبینہما جبلان من جبلان الی جبل الطور الی ایلۃ

(۱) وہ وادی یا راستہ جو بحر قلزم کے کنارے جاتا ہے (۲) جو مصر سے عین شمس کو جاتا ہے (۳) جو بطن مغیرہ کو جاتا ہے (۴) جو بیابان فاران کو جاتا ہے (۵) جو فاران کے اوس سنگلاخ مقامات سے قریب ہے جس کے مغرب میں ارنج اور مشرق میں دیور واقع ہے (۶) و (۷) اون دو پہاڑوں کے نام ہیں۔ جو جبل الطور کے سلسلہ میں ایلہ کیطرف واقع ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے سات مقامات طور کے تنہا نام سے مشہور ہونا ثابت ہوگیا۔ مگر اصلی طور وہی طور ہے جہاں سے انوار قدرت کا ظہور ہوا۔ اور وہی ایک آجتک مشہور ہے۔ اور اسکے آگے دوسرے مقامات کی شہرت کوئی عظمت اور وقعت نہیں رکھتی۔ بالکل ایسی ہی فاران کی بھی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

اب ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال واسناد سے۔ بیابان فاران کا صحراے مکہ اور علاقہ حجاز ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اسلام کی مخالفت ہو۔ یا بنو اسحاق کے مقابلہ میں بنی اسمٰعیل کی اظہارت ذلت کیغرض ہو۔ انہیں دو مفسدانہ اور خودغرضانہ ضرورتوں کی وجہ سے۔ یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے فاران کے اصلی موقع اور موضع کی تحقیق و تعین میں جو عالم فریب اور گمراہ کن اقوال لکھے ہیں اور اونکے ثبوت و تصدیق میں جو وہمی اور قیاسی دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ عموماً تین حبہ انکا نہ صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

اول صورت یہ ہے کہ عیسائی مورخین و محققین صحراے فاران اوس قطعہ زمین کو ٹھراتے ہیں۔ جو بیر سبع کی شمالی حد سے لیکر کوہ سینا تک چلا گیا ہے۔ اونکے حدود یوں قائم کرتے ہیں۔ شمال میں کنعان۔ جنوب میں کوہ سینا مغرب میں مصر۔ اور مشرق میں کوہ سعیر

اسکے متعلق جدید تحقیق اور مزید اطلاع یہ ہے کہ اس قطعہ زمین میں صحراے اشور۔ دشت بیر سبع بادیہ التیام۔ بیابان سین۔ ارض زین اور ریگستان عیدام (گویا سارے جہان) کو بھی داخل کرتے ہیں۔ ان تمام طومار سے مطلب۔ صرف اتنا ہے کہ کسی طرح فاران جزیرہ نما ے عرب کے اوس حصہ کی طرف نہ جانے پائے جو حجاز۔ بطحا۔ اور مکہ کے ناموں سے مشہور رہے۔ جہاں سے شیوع اسلام اور ظہور بانی اسلام علیہ السلام

کی بشارتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قادش جہاں حضرت ابراہیم نے ایک کنواں موسوم بہ بیر سبع کھودا تھا۔ وہ اور فاران ایک ہی مقام ہے۔

تیسری صورت یہ نکالی گئی ہے اور فاران اوس مقام کا نام رکھا گیا ہے۔ جو کوہ سینا کے مغربی ڈھلاو کیطرف واقع ہے یہی تین صورتیں جنکی آڑ میں فاران کی اصلی حقیقت کو یہودیوں سے زیادہ عیسائیوں نے چھپانا چاہا ہے۔ اول صورت کے مٹانے کی نسبت جس میں موضع فاران کا غلط نقشوں میں دکھلایا گیا ہے کہ اس میں دشت اشور اور سینا وغیرہ وغیرہ کو داخل کر دیا گیا ہے۔ توراۃ ہی کی چند آیتیں ذیل میں لکھدی جاتی ہیں جن سے ان غلط بیانیوں کی ساری قلعی اوڑ جاتی ہے۔ توراۃ سفر الاعداد باب ۱۰ آیت ۱۲ میں مرقوم ہے۔

(۱) بنی اسرائیل نے بیابان سینا سے کوچ کیا اور بیابان فاران میں قیام کیا۔ اس عبارت توراۃ سے تو بیابان سینا اور بیابان فاران دو جدا جدا بیابان ثابت ہوتے ہیں۔ پھر بیابان سینا میں بیابان فاران کا داخل کرنا یا بیابان فاران میں بیابان سینا کا شامل ہونا کیسے تسلیم کیا جائیگا۔ یا بیابان سینا اور فاران کیسے ایک شئے سمجھا جائیگا۔

توریت کی دوسری آیت سفر تکوین باب ۱۴ آیت ۵ و ۶ میں مرقوم ہے۔

(۲) کدرلاعمر گیا اور وہ بادشاہ جو اوسکے ساتھ آئے تھے۔ (اونکو) اور رفائیوں کو عستارات قرنیم میں اور زوزیوں کو ہام میں اور ایمیوں کو سوی قریتیم میں اور حوریوں کو اونکے کوہ شعیر میں ایل فاران تک جو بیابان کے کنارے پر ہے مارا۔ اور وہ پھر کر (واپس آکر) عین مصفات یعنی قادس میں آئے۔

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جبتک بیابان فاران کو ایک علیحدہ مقام نہ تسلیم کیا جاویگا۔ اس آیت کے معنی بالکل مہمل رہ جائینگے۔ اسی عبارت سے بڑی صاف ہو گیا کہ قادس اور فاران ایک مقام نہیں ہو سکتے کیونکہ اس آیت کا یہ فقرہ کہ دشمنوں کو ایل فاران تک مارا۔ اور واپس ہو کر قادس میں آئے صاف ثابت کر رہا ہے کہ فاران جدا مقام ہے اور قادس علیحدہ۔ پھر انکے ایک مقام ہونیکا دعوی بالکل لغو اور مہمل ہے۔ اس عبارت توراۃ سے عیسائیوں کی دوسری صورت بھی بگڑ گئی۔

توراۃ کی تیسری آیت سفر اعداد باب ۱۳۔ آیت ۱-۲-۳ میں یہ ہے۔

(۳) پھر خداوند نے موسی کو خطاب کر کے کہا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان زمین کی، جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں، جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اونکے آبائی فرقوں سے جو اونمیں سردار ہے۔ بھیجیو سے

چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے مطابق دشت فاران سے اونکو بھیجا۔

اس آیت سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے اور تاوقتیکہ دشت فاران ایک مقام جداگانہ نہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس آیت کے کوئی معنی نہیں نکلتے۔

توراۃ کی چوتھی آیت۔ سفر اعداد باب ۱۳ آیت ۲۶ میں درج ہے۔

(۴) اور پھر کے موسیٰ اور ہارون اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس دشت فاران سے قادس میں آئے اور اونہیں اور ساری جماعت کو آکے خبر دی اور اوس سرزمین کا میوہ اونہیں دکھایا۔

اس آیت سے بھی فاران اور قادس دو علیحدہ مقامات ثابت ہوئے۔

توراۃ کی پانچویں آیت۔ سفر استثنا باب ۳۳ آیت ۲ میں مرقوم ہے۔

(۵) اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اوس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے اونپر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ ہزار ہزار فرشتوں کے ساتھ وہ وارد ہوا۔ اور اوسکے دست راست پر ایک آتشیں شریعت تھی۔

اس سے بھی سینا شعیر اور فاران تینوں علیحدہ علیحدہ مقامات ثابت ہوئے۔

توراۃ کی چھٹی آیت۔ کتاب حیقوق نبی باب ۳ آیت ۲ میں ہے۔

(۶) خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اوسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اوسکی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔

اس آیت سے بھی فاران ایک علیحدہ اور خاص مقام ثابت ہوا۔

توراۃ کی ساتویں آیت کتاب اول ملوک باب ۱۱ آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔

(۷) پھر وہ مدیان سے نکل کے فاران میں آئے۔ اور فاران سے لوگ ساتھ لیکے شاہ مصر فرعون کے پاس گئے۔

اس سے بھی فاران ایک علیحدہ مقام ثابت ہوا۔ اور خاصکر وہ مقام جہاں سے مصر جانیکا راستہ ملتا ہے اور یہ سوائے حجاز کے اور عرب کے کسی قطعہ زمین کو خصوصیت حاصل نہیں ہے جو مصر کے مابین حجاز میں واقع ہے۔

توراۃ کی مرقومہ بالا آیتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ بیابان فاران ایک علیحدہ قطعہ زمین کا نام ہے جسکا شمول کسی دوسرے قطعہ زمین سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر اس میں نفسانیت و خودغرضی کے علاوہ اصلیت اور حقیقت کا ذرا بھی اثر ہوتا تو۔ توراۃ کے مقدس ابواب و آیات میں فاران کی تفریق و تخصیص کیجگہ اسکی تعمیم کا ضرور ذکر ہوتا۔ نہیں معلوم کہ یہودی اور عیسائی اپنے ان تاویلات کی بنا میں کون سی سند پیش کرتے ہیں اور اپنی کس کتاب کو اسکا اصلی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اسلئے یہ امر قطعی طور پر ثابت کردیا گیا کہ صحرائے

فاران کی تفریق و تخصیص دوسرے مقامات کے ساتھ صرف اس غرض و مدعا سے خلط ملط کر دی گئی ہے کہ اصلی موقع اور رسالت محمدیہ کا حقیقی مطلع۔ اشتمال و اشتراک کی ناپاک خاک سے غبار آلود ہو جائے اور بشارت ربانی کے انوار ہدایت دنیا کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہو جائیں۔

عیسائیوں کے اعتراض کے پہلی صورت تو یوں ظاہر ہوئی کہ اونکے اس قیاسی اور وہمی تحقیق کی تکذیب اون کے عہد عتیق کے مندرجہ بالا متواتر عبارتوں نے پورے طور سے کر دی۔ اب دوسری صورت کے متعلق عرض کیا جاتا ہے کہ قادش اور فاران ایک ہی مقام ہے۔ اسکی تردید اگرچہ مرقومہ بالا ایک آیت سے کر دی گئی ہے مگر بار دیگر مزید اطمینان کے خیال سے پھر توراۃ کی دوسری آیت سے مندرج کیجاتی ہے۔ سفر تکوین باب ۱۴ آیت ۶ و ۷ میں مرقوم ہے۔

حوریان کو بھی شکست دی جو کوہ سعیر میں ایل فاران تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہاں سے لوٹکر چشمہ مشپاط پر جو قادش ہے آئے۔

اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ فاران اور قادش ایک مقام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ صحیح طور پر مشپاط اور قادش ایک مقام ہیں۔

یہ صورت بھی بگڑ گئی۔ اب تیسری صورت کا نقشہ ہے اور اوس میں یہ رنگ بھرا گیا ہے کہ فاران کوہ سینا کے اوس نشیب کا نام ہے جو اوسکے مغرب کیطرف واقع ہے۔ اس رنگ آمیزی میں ریورنڈ مسٹر فارسٹر Rev. Mr. Forester بہت ڈوبے ہوئے ہیں۔

خود غرضی ایک سخت بلا ہے۔ اور تعصب قہر خدا۔ ایسا فاضل محقق اور کامل مورخ صرف مذہبی تائید و تقلید کی خود غرضی سے ایسی بیجا اور نازیبا تاویلیں کرے سخت تعجب اور حیرت کا مقام ہے۔ اسکے مان لینے میں کوئی کلام نہیں کہ کوہ سینا کے مغربی نشیب میں ایک مقام ہے جو فاران کے نام سے مشہور ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا یہ فاران وہی بیابان ہے جہاں توراۃ مقدس کی بشارت کے مطابق حضرت اسمعیل اپنی ماں کے ساتھ مقیم ہوئے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہ مقام نہیں ہے تب تو تسلیم کر لینا ہوگا کہ یہ فاران وہ فاران نہیں ہے جو توراۃ کے مطابق حضرت اسمعیل کا دار الاقامت تھا۔

مسٹر فارسٹر کو خواہ مخواہ کا اصرار ہے کہ یہی مقام فاران حضرت اسماعیل کی فرودگاہ ہے۔ اپنے اس دعوٰی کے ثبوت میں وہ توریت کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ جو سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸ میں مندرج ہے۔

وہ لوگ (ہاجرہ اور اسمعیل) (اے ابراہیم) حویلاہ سے شور تک کہ مصر کے آگے سامنے ہے مقیم ہوئے اور اوسکا مسکن اپنے بھائیوں کے مساکن کے پاس واقع ہوا۔

ریورنڈ صاحب اسکے یہ معنی لگاتے ہیں کہ خدا کے وعدہ کی اسی آیت بشارت میں ایفا ہو گئی۔ جبکہ اسماعیلیوں کی آبادی شور سے حویلاہ تک انتہائے عرب میں یعنی سرحد مصر سے لیکر دہانہ فرات تک پھیل گئی۔ فارسٹر صاحب کی ساری کوشش تو یہ ہے کہ بنو اسماعیل چاہے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ثابت ہو جائیں۔ کوئی اعتراض نہیں۔ مگر علاقہ حجاز اور حوالی مکہ میں۔ جو اصل فاران ہے۔ وہاں تک نہ پہونچنے پائیں۔ اور کسی طرح یہ امر ثابت ہونے پائے کہ بنو اسماعیل کا اصلی موطن و مسکن بیابان فاران واقع حجاز تھا۔ کیونکہ اس امر کے ثابت ہوتے ہی جناب ختمی مرتبت علیہ و آلہ الثنا والتحیۃ کے ظہور رسالت کی مندرجہ بالا بشارت ثابت ہو جائے گی۔

مگر افسوس فارسٹر صاحب کی یہ کوشش بھی بیکار گئی۔ فارسٹر صاحب سب کچھ کر لیں گے۔ مگر عرب کے جغرافیہ کو اور اوسکے نقشہ کو کیسے مٹا دیں گے۔ صاحب موصوف نے حویلاہ کو دہانہ فرات پر قرار دیا ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ حویلاہ۔ جو اس شہر کا خاص بانی ہے۔ اور جسکا ذکر توراۃ۔ سفر تکوین باب ۱۰ آیت ۲۹ میں مذکور ہے۔ نواح یمن میں واقع ہے۔ اور اوسکا موقع نقشہ عرب میں شمالی عرض بلد ۱۷ درجہ اور ۳۰ دقیقہ ہے۔ شرقی طول بلد ۴۲ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے۔ اسکی تصدیق عرب کے اوس نقشہ سے ہوتی ہے جو عرب کے جغرافیہ کے مطابق بنایا گیا ہے اور واکر صاحب (Walker) کے نقشہ کلاں سے چھوٹا کرکے بنایا گیا ہے۔

اسکو بھی جانے دیجئے۔ فارسٹر صاحب نے جو دوسری غلطی کی ہے۔ (غلطی کیوں کی بلکہ مغالطہ دہی کی ہے) وہ یہ ہے کہ شور کو عرب الحجر کے مغرب میں قرار دیا ہے۔ ایک نشد دو شد۔ اصل عبری توراۃ میں صرف دو نام آئے ہیں۔ شور اور اشور (بزیادۃ الف) ان دونوں ناموں میں۔ شور سے شام اور اشور سے اسیریا۔ باتفاق جمہور مراد ہے۔

اب اس تصریح موقع مندرجہ توراۃ سے صاف طور پر واضح ہو گیا کہ بنی اسماعیل نے اوسی وسیع قطعہ زمین پر سکونت اختیار کی جو شمالی حدود یمن سے لیکر جنوبی سرحد شام تک منتہی ہوتا ہے۔ یہی ملک اب حجاز کے نام سے مشہور و معروف ہے اور یہی مقام فاران بمشہرہ سے پوری اور صحیح مطابقت رکھتا ہے۔ اور یہی خطہ زمین ٹھیک مصر کے سامنے واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص وہاں سے اسیریا کی طرف جاوے تو وہ معلوم کریگا کہ مصر کے سامنے جو خطہ زمین ہے۔ وہی علاقہ حجاز ہے اور اگر کرہ عالم کے نقشہ میں مصر سے اسیریا تک ایک خط کھینچ دیا جائے تو وہ ٹھیک علاقہ حجاز کے سامنے پڑیگا۔

اب ہمارے اس بیان و ثبوت کو فارسٹر صاحب توراۃ کی مندرجہ بالا عبارت سے جسکو وہ اپنے

استدلال کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ تیرے جانے کے بعد وہ اشور میں۔ جو مصر کے مقابل میں ہے۔ ساکن ہوئے۔ بالیں تو اون کو قطعی طور پر ثابت ہو جائیگا کہ اوسوقت سے لیکر اسوقت تک مصر کے محاذ میں سوائے حجاز کے اور کوئی زمین کا دوسرا ٹکڑا نہیں پایا جاتا ہے اور توراۃ میں بنو اسماعیل کا یہی اصلی مرکز و مسکن بتلایا گیا ہے اور عبارت توراۃ کے مطابق مصر کے برابر یعنی آمنے سامنے واقع ہے۔

فارسٹر صاحب خواہ مخواہ اسکو اصل موقع سے اوٹھا کر دہانہ فرات پر لئے جاتے ہیں اور ساری دنیا کو ایک کھلی اور صاف بات کے سمجھنے میں اینچ پینچ کے مغالطے دیتے ہیں۔ اونہوں نے اپنے غلط استدلال کے ثبوت میں ایک دوسرا حوالہ بھی دیا ہے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی اونکے مفید مطلب نہیں۔ وہ کتاب اول تاریخ ایام باب ۵۔ آیت کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

پورب کی طرف۔ اوس بیابان کے مدخل تک کہ کنارہ نہر فرات پر ہے (بنو اسماعیل) ساکن ہوئے۔ کیونکہ زمین گلعاد میں اونکے گلوں کی فراوانی ہوتی تھی۔ اور شاول کے زمانہ میں اون لوگوں نے ہاگریوں پر دعوی کیا کہ وہ لوگ ان کے قبضہ میں آگئے۔ اور اوس قرب و نواح کے چاروں طرف کی زمین میں۔ جو گلعاد سے متعلق ہے۔ وہ آباد ہو گئے۔

فارسٹر صاحب اسکی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ گلعاد جو نواح دریائے فرات اور خلیج فارس میں واقع ہے۔ حضرت اسماعیل کی ابتدائی سکونت سے مطابق ہوتی ہے۔ ایک عرصہ کے بعد یہیں سے حضرت اسماعیل کی اولاد تمام اقطاع عرب میں پھیل گئی۔ مگر حقیقتاً توراۃ کی ان آیتوں سے بھی فارسٹر صاحب کا کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ کیونکہ اس عبارت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بنو اسماعیل یا بنو ہاجرہ نے خلیج فارس پر شکست کھائی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ یہ شکست حضرت اسماعیل سے آٹھ سو برس بعد ہوئی۔ تو ان آیتوں سے وہ بات۔ جیسا کہ فارسٹر صاحب نے دعوی کیا تھا۔ کہاں ثابت ہوئی کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں پہلے پہلے خود اسمٰعیل ع اور اونکی ماں تشریف لاکر سکونت پذیر ہوئی تھیں۔ واقعہ تو آٹھ سو برس قبل کا ہے اور ثبوت دیا جاتا ہے آٹھ سو برس بعد کا۔ فارسٹر صاحب کا یہ طریقہ استدلال اعجوبہ روزگار ہے۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد البتہ ہم کو بھی اقرار ہے کہ بنو اسماعیل ع دریائے فرات اور خلیج فارس پر کیا۔ تمام عرب میں دور دور تک پھیل گئے تھے۔ چنانچہ اسلامی اور عربی محققین اس پر متفق اور اوسکے معترف ہیں۔ معارف ابن قتیبہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ولما کثر ولد اسمٰعیل ع ضاقت علیہم مکہ فانتشروا فی البلاد لا یدخلون بلدا الا اظہرہم	جب حضرت اسمٰعیل ع کی اولاد بہت کثرت سے ہوگئی اور مکہ میں اونکے رہنے کیلئے گنجایش باقی نہیں رہی۔ تو وہ مختلف شہروں میں جاکر بس گئے

الله علی اهله وهم نفوا العمالیق۔
(معارف ابن قتیبہ)

اور جب شہر میں رہ گئے خداوند عالم نے اونکو وہاں کے باشندوں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ اور انہوں نے قوم عمالیق کو نکال دیا۔ (معارف ابن قتیبہ)

علامہ ارزقی بھی تاریخ مکہ میں ایسے ہی لکھتے ہیں۔

ان بنی اسمٰعیل من ساکنی مکة ضاقت مکة فتفسحوا البلاد والتمسوا المعاش۔

بنو اسمٰعیل ساکنان مکہ۔ مکہ کی تنگی کی وجہ سے مجبور ہوکر مختلف شہروں میں بتلاش معاش نکلکر آباد ہوگئے۔

عرب کے تمام مورخین و محققین برابر تسلیم کرتے آئے ہیں کہ بنو اسماعیل امتداد ایام کے بعد شہر مکہ میں اپنی رہایش کی گنجائش نہ پاکر تمام اقطاع عرب میں اپنی سکونت اور کسب معیشت کی ضرورت سے نکل نکل کر آباد ہوگئے۔ مگر فارسٹر صاحب کے ایسا کوئی مشرقی یا مغربی مورخ و محقق نہیں لکھتا کہ یہ خاص حضرت اسماعیل ہی تھے۔ اور اون کی ماں۔ جنہوں نے ابتدا ہی سے حجاز اور حوالی مکہ کے علاوہ کسی دوسرے قطعہ زمین میں اپنی سکونت اختیار کی۔ مسٹر فارسٹر کا ایسا لکھنا اور لکھکر بتلانا اون کی اوسی خود غرضی نفسانیت اور تعصب پر مبنی ہے جسکو ہم مسئلہ زیر بحث کی ابتدا میں لکھ آئے ہیں۔

اتنا لکھکر ہمکو اس بحث کے متعلق ابھی کچھ اور اضافہ کرنا منظور ہے اور وہ اضافہ یہ ہے کہ فارسٹر صاحب کے اس غلط دعوی کی تردید اونھیں کے ہم طریق اور ہم مذہب مولفین و محققین کے تحریر و اقوال سے کردی جائے۔ اون شہادتوں کے علاوہ۔ جو بیابان فاران کے حوالی مکہ اور علاقہ حجاز میں واقع ہونے کے ثبوت میں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ہم کوارٹرلی ریویو ۱۸۶۹ء کا ایک آرٹکل (An artiele (on Quarterly Reviw of 1869) جو حقیقت اسلام پر لکھا گیا ہے۔ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ جس سے مسئلہ زیر بحث پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ واضح رہے کہ ایڈیٹر کوارٹرلی ریویو ایک زبردست عیسائی عالم ہے اور زبان یہود کا کامل ماہر۔ وہ کوارٹرلی ریویو حقیقت اسلام کے صفحہ ۲۹۹ میں رقمطراز ہے۔

سائیفر (CYPHUR) نے اون خاص آیتوں کی جن میں۔ سینا۔ سعیر اور فاران کی بشارت مذکور ہے۔ اس طرح پر تشریح کی ہے۔ کہ خدا سینا سے نکلا۔ (یعنی عبرانی زبان میں شرع دی گئی جس سے توریت مراد ہے۔) اور سعیر سے چمکا (یعنی یونانی زبان میں بھی شرع دی گئی جس سے انجیل مراد ہے) اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ (یعنی عربی میں بھی شرع دی گئی جس سے قرآن مجید مراد ہے)

اس عیسائی عالم کے قول سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کی منزل اور فاران ایک جگہ ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ قرآن مکہ میں نازل ہوا۔ پھر فاران مکہ سے یا مکہ فاران سے کیسے جدا ہوسکتا ہے۔ چند سطروں کے بعد پھر ایڈیٹر موصوف لکھتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ سینا اور سعیر اکثر بجائے اسرائیل اور عیسیٰ مستعمل ہوتے ہیں اور فاران تو صاف صاف عرب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ان اسناد و اشہاد کو دیکھکر ہر انصاف پسند عیسائی بھی کہہ دیگا کہ ریورنڈ فارسٹر صاحب ایسی صاف صاف اور کھلی کھلی تطبیق و توفیق کو حق ناحق تعصب کی خاک۔ نفسانیت کی گرد ڈالکر چھپانا چاہتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ فاران کو اینچ تان کر کبھی مصر لیجاتے ہیں اور کبھی ارض بابل اور فلسطین تک پہونچاتے ہیں۔

اس سے صاف اور روشن تصدیق توراۃ سامری کے ترجمہ سے ملتی ہے۔ توراۃ سامری کا عربی ترجمہ آرکیونن صاحب نے سنہ ۱۸۵۱ء میں بمقام گلاوفی نیا ورم چھپوایا ہے جسمیں بذیل ذکر بنی اسماعیل یہ عبارت مرقوم ہے۔

وسکن (اسماعیل) ببریۃ فاران (الحجاز) و	حضرت اسماعیل صحراے فاران (الحجاز) میں ساکن ہوئے اور
اخذت لہ امہ امرأۃ من ارض مصر	اونکی ماں نے ایک مصری خاتون سے اونکی شادی کردی۔

ہم اس بحث کے خاتمہ میں ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کے لیے اتنا اور لکھے دیتے ہیں کہ اس بحث کے آغاز سے پہلے ہر شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عرب۔ حجاز۔ مکہ۔ کعبہ۔ یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں۔ اوسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لفظ عرب کو نویں صدی ق م میں پیدا ہوا۔ حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ بعد کا موضوع ہے۔ مکہ کا نام دوسری صدی عیسوی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے مکارابا کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسلئے توراۃ نے اس مقام کا نام اولا صرف مدبار یعنی "بادیہ" بتایا ہے۔ اور قرآن نے اسی کو غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا۔ کیونکہ اسکے سوا اوسکا اوسوقت کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ اور مدت کے بعد لفظ بادیہ۔ صحرا اور وادی غیر ذی زرع اس ملک کا نام پڑگیا۔ لفظ عرب کے معنی بھی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔ اسلئے مدبار۔ بادیہ اور وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں۔ اسلئے توراۃ کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت کی۔ اسکے بالکل یہ معنی ہیں کہ اوس نے عرب میں سکونت اختیار کی۔

حضرت اسمٰعیل ترک وطن کرنے کے وقت ستر برس کے ہوچکے تھے

اکثر احباب معاصر فرمائیں گے کہ اس مضمون کو حضرت اسماعیل کے خاص حالات میں لکھنا مناسب تھا۔ ایک حد تک یہ تجویز صحیح ہے مگر مشرقی و مغربی مولفین و محققین کی جستجو اور تحقیقات ہماری پیش نظر ہیں اون میں حضرت اسمٰعیل کی بحث عمر کو بھی حدود حضرت ابراہیم کے حالات کی تفصیل میں ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ ہم نے بھی سلسلہ بیان کی ناہمواری کے خوف سے اوسمیں

کے طریقہ کو اختیار کیا۔

تمہیداً اتنا لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ خدا کی تاکید اور اوسکے وعدے کی تائید کے مطابق حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس گئے۔ خدا نے مسبب الاسباب نے انکی رہایش و آسایش کے سامان فراہم کر دئے۔ اس واقعہ سے حضرت ابراہیمؑ کے توکل، رضا، اور مطیع خدا ہونے کے کامل ثبوت ملتے ہیں۔ ورنہ اہل و عیال کی جدائی۔ اور خصوصاً ایسے ویران اور بے آب و گیاہ ریگستان اور خوفناک کوہستان کی تنہائی۔ جہاں وہ خود ہی ان بزرگواروں کو پہونچا گئے تھے اور انکی مصیبت و غربت خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ مگر اُف نہ کرتے تھے۔ کیوں؟ صرف اسلئے کہ خدا کا حکم تھا۔ اوسکی رضا تھی۔ آپ کے یہ محاسن اعمال معارف کے کمال کے معیار ثبوت ہیں۔ اور طبقہ انسان میں عام و خاص کا امتیاز قائم کرتے ہیں۔

جناب اسماعیل کا اسوقت کیا سن تھا۔ مغربی و مشرقی مورخین و محققین نے اس امر میں بھی اختلاف کیا ہے۔ مگر تحقیق اور تلاش نے اسکو بھی صاف کر دیا۔ اور حد ثبوت تک پہونچا کر بتا دیا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کا سن مبارک اسوقت ستر۱۷ہ برس کا ہو چکا تھا۔ کیونکہ توراۃ کی عبارتوں سے انکا بہت کمسنی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر پھر اوسی توریت کی عبارتوں کے حقیقی معنوں سے حضرت اسمٰعیل جوان ہفدہ سالہ ثابت ہوتے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

توراۃ کا بیان ہے کہ ہاجرہؑ اسمٰعیل کو سارہ نے علیحدہ کر دینے کا اوسوقت حکم دیا تھا جب اسحاق کا دودھ چھٹ چکا تھا۔ (تکوین باب ۲۱ آیت ۷ و ۱۰) اور پھر اوسی توریت میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسماعیل سے بارہ تیرہ برس بعد اسحاق پیدا ہوئے۔ (تکوین پیدایش اسحاق) پھر اوسی توراۃ میں لکھا ہے کہ اسماعیل کا ختنہ تیرہ برس کے سن میں کیا گیا ہے۔ اوسوقت تک اسحاق پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ (تکوین باب ۱۷ آیت ۲۵) ان تمام مرقومات توراۃ کو جمع کر کے صحیح طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ ترک وطن کرنے کے وقت حضرت اسمٰعیل کا سن پندرہ۱۵ برس سے کم اور ستر۱۷ہ برس سے زیادہ نہیں تھا۔ کیونکہ ایک تو یوں ہی حضرت اسمٰعیل حضرت اسحاق سے تیرہ برس سن میں بڑے ثابت ہوتے ہیں پھر واقعہ اسحٰقؑ کے ایام رضاعت کے ختم ہو جانے کے بعد بتایا جاتا ہے۔ تو کم سے کم دو برس یہ بھی ملا لئے جاویں۔ تو اس حساب سے حضرت اسمٰعیل جوان پانزدہ سالہ پائے جاتے ہیں۔ اس بنا پر توراۃ کی کمسنی اور شیرخوارگی کسی طرح ایک محقق کے لئے قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔

یہودیوں اور عیسائیوں کو قدم قدم پر حضرت اسماعیل کے حالات و واقعات میں دشواری پیدا کر نے

کی عادت پڑگئی ہے۔ اون کی صغر سنی اور نہایت صغر سنی ثابت کرنے پر مٹے جاتے ہیں۔ بفرض محال اگر اون کی صغر سنی ثابت بھی ہوجائے تب بھی اون کی عظمت و تقدیس میں کوئی فرق نہ آئیگا۔ تیرہ برس کے نہیں۔ تیرہ مہینہ ہی کے ہوتے تو کیا۔ تاہم وہ نبی اللہ برحق تھے۔ اور ابن نبی اللہ۔ تیرہ مہینہ کا بچہ تو اچھا خاصا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو گھڑی بھر پہلے کا پیدا ہوا بچہ۔ جو خدا کیطرف سے رسول بنکر آیا تھا۔ اپنے گہوارہ سے تمام قوم و قبیلہ کے عمایدو اکابر کے آگے معرفت الٰہی اور قدرت لاتناہی کے دریا بہا رہا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّاۙ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّاۖ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ٘ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا

(اسپر بچہ) بول اوٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُسنے مجھکو کتاب (انجیل) عنایت کی۔ اور مجھکو پیغمبر بنایا۔ اور کہیں بھی رہوں مجھکو بابرکت کیا اور مجھکو حکم دیا کہ میں جبتک زندہ ہوں نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں۔ اور نیز مجھہ کو میری ماں کا خدمتگذار بنایا اور مجھکو سخت گیر اور بدراہ نہیں بنایا۔

پھر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی نص صریح کی موجودگی پر کسی نبی اللہ کی صغر سنی کو اوسکی ہمقداری اور ناقابلیتی کی دلیل تبلانا محض بیکار اور غیر مفید ہے۔ مخالفین پہلے اسلام کے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور ثابت کرلیں تب اسلامی کتابوں میں اسکی فکر و تلاش کریں۔

توراۃ کے اس اتنے فقرے سے کہ "بچہ کو اوسے (ماں کو) دیکر" یہ اتنا طومار اوٹھایا گیا ہے جس سے بظاہر سمجھا گیا ہے کہ اگر اسماعیلؑ اوسوقت بچہ نہیں تھے۔ تو ہاجرہ کی گود میں کیوں دئے گئے۔ سترہ برس کے بچہ کو ماں کی گود میں دئے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہم واقعات سے تو پیچھے بحث کرینگے۔ ابھی ہم ظاہری اور قیاسی پیرایہ سے اون کی تردید و تنقید استدلال کرتے ہیں۔

پہلے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ سترہ برس یا دس سے کم و بیش سن و سال کے بچہ کا ماں کی گود میں دیا جانا تو خلاف قیاس بتلایا جاتا ہے۔ مگر آگے چلکر۔ اسی سلسلہ کی تیسری پشت میں۔ پندرہ برس کا بچہ حضرت یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق جب دنبیاں چرانے کیلئے جنگل میں بھیجے جاتے ہیں تو اون کی محافظت کے لئے۔ اون کی کمسنی کے خیال سے گیارہ بھائیوں کی پوری جمعیت ساتھ کردی جاتی ہے۔ اور پھر پندرہ[15] برس کے بعد۔ جب تیس برس کا ہوتا ہے۔ تو دشوار سے دشوار اور اہم سے اہم رویا کی صحیح اور سچی تعبیریں بتلاتا ہے۔ اور خدا کیطرف سے یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ کا خطاب پاتا ہے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عزیز مصر ہوجاتا ہے سبحان اللہ عظم شانہ

حضرت اسمٰعیل کی کمسنی تو توراۃ کے اس فقرے سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی - مگر اوس کتاب مقدسہ کے مندرجات پر ذرا بھی توجہ نہ فرمائی گئی - ریورنڈ فارسٹر کے ایسا مخالف اسلام محقق بھی اس مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہمکلام اور ہمزبان ہے وہ اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں -

کہ حضرت اسمٰعیل کی ٹھیک ٹھیک عمر یوں بآسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ تیرہ برس کے سن میں انکا ختنہ ہوا تھا - اسحاق اوسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے - بلکہ اوسکے اگلے سال پیدا ہوئے ہیں اور ہاجرہ اور اونکے بیٹے کے بیابان بھیجے جانے سے پیشتر - اسحاق کا دودھ چھوٹ چکا تھا - فارسٹر جغرافیہ عرب ص ۱۷۶

اس حساب سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں حضرت اسمٰعیل کچھ کم سترہ ۱۷ برس کی عمر کے ثابت ہو گئے - فارسٹر صاحب کے علاوہ توراۃ وانجیل کے بہت بڑے مشہور و معروف عالم جے - پی - کوک J. Pecoke اور ریورنڈ ملر Rev Muller صاف صاف لکھتے ہیں -

حضرت اسمٰعیل کی عمر اوسوقت سترہ ۱۷ برس کی تھی - اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہاجرہ نے اونھیں کاندھے پر لیا ہو -

ان دونوں یوروپین محققین کی مختار سے توراۃ کی یہ عبارت ہی ساقط از اعتبار ثابت ہوتی ہے - جو یہ بتلاتی ہے کہ ہاجرہ نے انکو اپنے کاندھے پر لیا - اور جسپر یہودیوں اور عیسائیوں نے یہ ہوائی قلعہ باندھے ہیں - انہیں دونوں سابق الذکر محققین کے ایسا ایک دوسرا یوروپین مصنف و محقق - اس عبارت کو داخل توراۃ ہی نہ سمجھکر اپنے رائے کا یوں اظہار کرتا ہے -

کہ اس جملہ کو (کندھے پر رکھ دیا) خطوط ہلالی کے اندر رکھ دینا چاہیئے - جیسا کہ بشپ کڈر اور اسٹک ہاوس (Bishop Kidder. Steakhouse) اور بایل نے کہا ہے (جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ توریت میں نہیں ہیں ۔) تو یہ آیت مشتبہ ہوتی (خطبات احمدیہ)

کیا اب بھی یہودیوں اور عیسائیوں کو اس فقرہ توراۃ کے تدلیس و تلبیس کا یقین نہ آئیگا - کیا اب تک وہ اس جملہ کو موضوعات انسانی کی جگہ ملفوظات ربانی سمجھیں گے - ایک اور منصف مزاج مصنف - یوروپ کے کامل محقق - اس مسئلہ کی تحقیق میں لکھتے ہیں -

حضرت اسمٰعیل گو اوسوقت بچہ کہلاتے تھے - مگر سولہ ۱۶ یا سترہ ۱۷ برس سے کم کے نہونگے اور اسلئے وہ اپنی ماں کی مدد کے قابل ہونگے جس طرح کہ اونہوں نے بعد کو کی (خطبات)

مندرجہ بالا شہود و ثبوت لکھکر ہم نے کافی طور پر عیسائیوں کے غلط معنی لگانے اور غلط واقعہ دکھلانے

کی کامل تردید و تکذیب اونہیں کے مختار و اقرار سے تحریر کردی اور ثابت کردیا کہ باپ کے مکہ میں پہونچانے کے وقت حضرت اسمٰعیل کا سن سترہ برس کا ہوچکا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کو ہاجرہ کیطرف سے ایک گونہ یہ اطمینان تو ضرور ہوگیا تھا کہ ضرورت اور تکلیف کے وقت ماں کے ساتھ جوان اور سن تمیز کو پہونچا ہوا لڑکا۔ اوس کی حمایت اور اعانت کو موجود ہے۔ میری اس رائے کی تائید یوروپین محقق کی اوس مختار سے کامل طور پر ہوجاتی ہے۔ جسکو ہم نے ابھی ابھی اوپر نقل کیا ہے اور جو اس امر کا مقر ہو اور معترف کہ گو حضرت اسمٰعیل بچہ کہلاتے ہوں۔ مگر وہ سولہ یا سترہ برس کے ہونگے۔ اسلئے اپنی ماں کی مدد کرنے کے قابل ہوں گے۔

اسی کے ضمن میں ہم اعترافاً للواقع۔ یہ بیان کردینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلامی مورخین و محدثین نے بھی حضرت اسمٰعیل کی طفولیت کا اظہار کیا ہے۔ اور صحیح بخاری تک میں انکی کمسنی کی حدیثیں مختلف طریقوں سے آئی ہیں۔ ان اسلامی تاریخوں میں طفولیت کا اظہار پاکر عیسائیوں کو اپنے دعوے میں تازہ قوت ملگئی ہے۔ مگر اون کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی مولفین و مصنفین نے خصوصاً اخبار قدیمہ اور حالات قبل از اسلام کے بیان و نقل میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کے مرویات و منقولات سے کام لیا ہے۔ ایسا نئے اسلامی مورخین کے بیانات کے ماخذ اصلی پھر وہی یہود و نصاریٰ کے تالیفات ثابت ہونگے۔ اور صورت واقعہ پر ؎[15] اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست کا مضمون صادق آئیگا۔

اب رہی یہ بات کہ صحیح بخاری میں ایسا ہی مذکور ہے۔ تو یہ کوئی استدلال کا طریقہ نہیں ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اور امام بخاری صاحب کا جو تاریخ میں پایہ ہے وہ اس قابل نہیں ہے جو آنکو مورخین کے سب سے آخر والی صف میں بھی کھڑے ہونیکے قابل بنائے۔ اسلئے تمام مورخین و محققین کے آگے بخاری صاحب کا لکھنا کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ سر سید مرحوم نے خطبات احمدیہ میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے۔ صحیح بخاری کی ان تمام حدیثوں کو اونکے مختلف طریقوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور جمع کرنے کے بعد انپر جو تنقیدانہ رائے قایم کی ہے وہ بلفظہ ذیل میں نقل ہے۔

مذکورہ بالا روایتوں سے ظاہر ہے کہ وہ مستند نہیں ہیں یعنی حضرت ابن عباس نے اوسکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا۔ نہیں معلوم کہ ابن عباس نے کس سے سنا اور کس بنیاد پر اونہوں نے اسکو بیان کیا۔ بخاری کا ادب[1] اس بات کا مقتضی ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ابن عباس نے اسکو سعید ابن جبیر سے

؎[15] نہایت حیرت ہے اور سخت تعجب کہ صحت صحیح بخاری کا کیسا غلط خیال تمام مسلمانوں میں عالمگیر ہورہا ہے۔ اور مرحوم سید صاحب

سنا۔ اور سعید ابن جبیر نے اور لوگوں سے۔ جن سے بخاری تک یہ روایت پہونچی۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ابن عباس نے اس روایت کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا۔ (خطبات احمدیہ ۹۹-۱۰۳) مطبوعہ لاہور

ہم نے اس بحث میں سرسید ہی کی تحقیق پر بس نہیں کی ہے۔ بلکہ عربی کے قدیم ماخذوں میں بھی اسکی تلاش کی ہے تو ہمکو ثابت ہوا ہے کہ عربی مورخین نے صغر سنی والی روایتوں کو لکھکر۔ اون روایتونکو بھی لکھ دیا ہے جس سے حضرت اسمٰعیل کا سن بلوغیت کے قریب پہونچا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۲۴ مطبوعہ جرمن ہے۔ ہم اس مقصد میں دو روایتیں حسب ذیل لکھتے ہیں۔ جنسے ہمارے بیان کا پورا ثبوت ہوجائیگا۔

اخبرنا اسماعیل بن عبداللہ ابن ابی اویس المدنی حدثنی ابی عن ابی الجارود الربیع بن قریع عن عقبہ ابن بشر انہ سأل محمد ابن علی من اول تکلم بالعربیۃ قال اسمٰعیل ابن ابراہیم وھو ابن ثلاث عشرۃ

اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی اویس المدنی نے اپنے باپ سے اوس نے ابی الجارود الربیع ابن قریع سے اوس نے عقبہ ابن بشر سے روایت کی ہے کہ بشر نے کہا کہ میں نے محمد ابن علی (امام محمد باقر ع) سے پوچھا کہ سب سے پہلے کس شخص نے زبان عربی میں کلام کیا۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ اسماعیل ابن ابراہیم ع اور وہ تیرہ (۱۳) برس کے تھے

اس روایت سے ترک وطن اور عزم مکہ کے وقت حضرت اسماعیل کا سن تیرہ برس کا ثابت ہوتا ہے۔

طبقات ابن سعد کی دوسری روایت

اخبرنا موسی بن داود اخبرنا عبداللہ ابن لھیعۃ عن حی ابن عبداللہ قال بلغنی ان اسماعیل النبی صلعم اختتن وھو ابن ثلاث عشرۃ سنۃ۔

موسیٰ ابن داؤد عبداللہ ابن لہیعہ سے اور وہ حی ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حی کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ حضرت اسماعیل نبی علیہ السلام کا ختنہ تیرہ برس (۱۳) کے سن میں کیا گیا تھا۔

یہ روایت بالکل توریت والی روایت کے مطابق ہے۔ جب ختنہ کے وقت انکی عمر تیرہ برس کی باتفاق

بقیہ عبارت حاشیہ زیرین صفحہ گذشتہ۔ بھی باوجود اس کے کہ اوس کی ہم ۳ حدیثوں کو صحت کے درجہ سے اوتارکر مرسل کے زینہ تک لارہے ہیں اور اوسکے صحیح و مرفوع ہونے کی جگہ اون کے مراسیل ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن پھر بھی ایسی مشتبہ اور مشکوک الصحت کتاب اور اوسکے مصنف کو ادب کے قابل سمجھتے ہیں۔

المولف سید اولاد حیدر عفی عنہ

جمہور ثابت اور اسحاق کے ولادت سے ایک سال کا واقعہ ہے۔ اور ہجرت وطن۔ ولادت اسحاق سے دو یا تین برس بعد واقع ہوئی تو پھر اسباب ورود مکہ کے وقت ستر ہ برس کے سن کی تسلیم ہیں کس کو کلام ہو سکتا ہے طفولیت۔ کمسنی اور شیر خوارگی کا عالم یہاں کیسا لغو اور کتنا مہمل ثابت ہوتا ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن حضرت اسماعیل کی شیر خوارگی کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہوئے۔

بخاری کی کتاب الرؤیا اور کتاب الانبیاء میں جو حدیث اسمٰعیل کی شیر خوارگی کے متعلق ہے وہ مرفوع نہیں ہے۔ یعنی اوسکا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہونچتا بجز چند خاص ضمنی فقروں کے اسلئے وہ حضرت ابن عباس کے اسرائیلیات میں سے ہے۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۴۹

مکہ میں قرب زمزم آباد ہونا اور قبیلہ جرہم کو بھی سکونت کی اجازت۔

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب ابراہیم حضرت ہاجرہ اور جناب اسمٰعیل کو راضی برضائے الٰہی چھوڑ کر مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور کرشمۂ قدرت نے ان دونوں نفوس مقدسہ کے آرام و آسائش کے سامان بھی اپنی خاص رحمت سے مہیا فرما دئے جیسا کہ سابق سلسلہ بیان سے ثابت ہو چکا۔ صاحب ارض القرآن بخاری۔ کتاب الانبیاء سے اسکے آگے لکھتے ہیں۔

اتفاقاً جرہم کے کچھ آدمیوں کا ادہر گذر ہوا۔ پرندوں کو منڈلاتے دیکھکر بولے کہ پانی یہاں ہے۔ ایک آدمی کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ تو پانی پایا۔ آکر خبر کی۔ وہ لوگ بھی آگئے۔ اور اُم اسمٰعیل سے یہاں رہنے کی اجازت چاہی۔ ام اسمٰعیلؑ نے کہا رہو لیکن پانی میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُم اسماعیلؑ کو یہ بات پسند آئی۔ اسلئے کہ وہ آبادی اور معیت چاہتی تھیں۔ وہ لوگ بھی رہنے لگے۔ لڑکا جب جوان ہوا۔ اور اون سے عربی سیکھی جب جوان ہوا۔ تو اون لوگوں (جرہم) کو بہت پسند آیا۔ بالغ ہونے پر اپنی ایک لڑکی اس سے بیاہ دی۔

ہم بخاری کی مجمل اور مختصر بیان واقعہ کو مواہب اللدنیہ اور ابن اثیر کے مفصل روایات سے حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

بنی جرہم کا قبیلہ۔ جو عرب العاربہ کے سلسلہ میں بہت مشہور و معروف ہے۔ اسطرف آگیا۔ ان لوگوں کے لئے پانی سے بڑھ کر نہ کوئی دولت عزیز تھی اور نہ دنیا کی کوئی نعمت۔ ان لوگوں نے چشمۂ زمزم کے صاف اور ستھرے پانی کو خصوصاً ایک حوض کی صورت میں جمع کیا ہوا دیکھا تو اپنی بیحد مسرت میں فوراً اوسکی طرف دوڑ پڑے۔ یہاں آکر اون کی نظر ایک عفیفۂ مقدسہ (حضرت ہاجرہ) پر پڑی۔ وہ اوس حوض کے پاس ایک چھوٹے

سے خیمہ کے در پر بیٹھی ہوئی تھیں وہ خیمہ بالکل اوس حوض پر آب سے متصل کھڑا ہوا تھا حقیقت یہ ہے کہ اوس چشمہ کو چاروں طرف سے حضرت ہاجرہ نے گھیر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق صحیح بخاری میں عبد اللہ ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر ام اسمٰعیل اوسکو چاروں طرف سے گھیر نہ دیتیں تو وہ چشمہ ہمیشہ کھلا ہوا بہتا رہتا حضرت ہاجرہ اوسوقت در خیمہ پر بیٹھی ہوئی حضرت اسمٰعیل کا انتظار کر رہی تھیں اور وہ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے بنی جرہم تھے تو جاہل۔ اور جرہم پر کیا منحصر ہے عموماً تمام عرب کا عرب اوسوقت تک جاہل تھا۔ مگر پانی کیلئے اوسکی ندرت۔ کمیابی اور قدر و عزت کی وجہ سے۔ اون میں زمانہ دراز سے یہ بہذبانہ دستور چلا آتا تھا کہ بغیر اوسکے مالک یا متصرف بالاختیار کے پوچھے یا اجازت حاصل کئے وہ کسی غیر کے پانی کو صرف نہیں کر سکتے تھے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ پانی پر بے اذن و اجازت کے متصرف ہو جانے سے اکثر قوموں و قبیلوں میں ایسی ایسی خونریزیاں واقع ہو چکی تھیں جن سے قوم کی قوم۔ قبیلے کے قبیلے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اسی احتیاط اور حفظ ما تقدم کی بنا پر آجتک عرب میں کسی چشمہ۔ حوض۔ تالاب یا کنوئیں کو۔ جو کسی شخص کی ملکیت خاص ہو۔ کوئی غیر شخص۔ قوم یا قبیلہ۔ بغیر اوس کی اذن و اجازت کے استعمال نہیں کر سکتا۔

اسی لئے بنی جرہم نے حضرت ہاجرہ سے اوس حوض کے پانی لینے کی اجازت مانگی خلیل الرحمان کی کی مہمان نواز بی بی نے بغیر کسی اعتراض و اغماض کے اہلاً و سہلاً کہہ کر پہلے اونکو بلایا اور پھر حَیّیٰنا کُم فرما کر اونکو اوس چشمۂ قدرت و رحمت کا پانی پلایا۔

ریگستان عرب کے پیاسوں کو جہاں پانی ملگیا۔ وہیں کے ہو رہے۔ یہ لوگ پانی پیکر اپنے مقام و مسکن کو لوٹے تو اوس چشمہ کی کیفیت اپنی قوم و قبیلہ کے لوگوں سے کہی۔ چونکہ اونکے موطن و مسکن میں پانی کا ہمیشہ قحط شدید رہا کرتا تھا۔ اسلئے وہ تمام لوگ اپنے مقام سکونت کو چھوڑکر حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کے اذن و اجازت سے یہیں آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں برابر آکر اہل وعیال کو دیکھ جاتے تھے۔

جناب ابراہیم نے اپنے اہل وعیال کو مکہ میں چھوڑ کر خدا کے حوالہ کر دیا تھا۔ مگر انکے ساتھ دائمی مفارقت نہیں اختیار کی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے سمجھا ہے۔ اور محض گمراہانہ اور مغویانہ طریقہ سے ساری دنیا کو سمجھانا چاہا ہے وہ کون بے درد ہوگا۔ جو اس شقاوت اور بیرحمی کے طریقہ کو ایک نبی اللہ برحق کا جزو اخلاق سمجھیگا۔ یہودیوں کو اور اون کی تقلید میں عیسائیوں کو تو ہاجرہ اور اسماعیل سے قلبی عداوت ہے۔ اور اون کی ذلت و حقارت کو وہ اپنا نصب العین قرار

دے چکے ہیں۔ عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک بار نہیں تین بار مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ بال بچوں کو دیکھا بھالا۔ پوچھا بتلایا اور چلے گئے۔ اول بار آپ اوس وقت تشریف لائے جب حضرت اسمٰعیلؑ کی شادی ہو چکی تھی۔ مگر آپ نے اس توصل و پیوند کو ناپسند فرمایا اور اسکے قطع فرمانیکا حکم دے گئے۔ دوسری بار آئے تو حضرت اسمٰعیل کی نئی شادی اور توصل کو مستحسن اور مبارک بتلایا۔ تیسری بار آئے تو خانہ کعبہ کی تعمیر، مناسکات۔ حج کی تعلیم و تشہیر اور دیگر ارکان ارشاد و ہدایات کی تلقین فرمائی۔ ابن سعد کی روایت میں اسکا اجمالاً یوں ذکر ہے۔

اخرج ابراھیم صلعم الی مکۃ ثلاث مرات ودعا الناس الی الحج فی اخرھن

طبقات

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں تین بار تشریف لائے اور آخر نوبت میں آپ نے لوگوں کو ادائے حج کے لئے دعوت کی۔

(طبقات)

اس روایت سے کوئی تفصیل نہیں معلوم ہوئی سوائے اسکے کہ حضرت ابراہیمؑ تین بار مکہ میں آئے اور آخر بار آپ نے حج کیلئے لوگوں کو بلایا۔ اگرچہ تیسری بار تشریف لانے کی ایک گونہ وجہ و کیفیت معلوم بھی ہوئی تو اس سے قبل دو بار تشریف لانے کی حقیقت کچھ بھی نہیں معلوم ہوئی۔ اسلئے ہمکو اول دو بار کی تصریح و تشریح ضروری ہے۔ ہم اول اور دوم بار آپکے تشریف لانیکی کیفیت صحیح بخاری اور تاریخ طبری جلد اول سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

فنکح (اسمٰعیل) امرأۃ فیھم قال ثم بدا لابراھیم فقال لاھلہ انی مطلع ترکتی قال فجاء فسلم فقال این اسمٰعیل فقالت امراتہ ذھب یصید قال قولی لہ اذا جاء غیّر عتبۃ بیتک فلما جاء اخبرتہ فقال انت ذلک فاذھبی الی اھلک قال ثم انہ بدا لابراھیم فقال لاھلہ انی مطلع ترکتی فجاء فقال این اسمٰعیل فقالت امراتہ ذھب یصید فقالت الا تنزل فتطعم وتشرب فقال وما طعامکم وما شرابکم فقالت اللحم طعامنا وشرابنا الماء قال اللھم بارک لھم فی طعامھم وشرابھم قال فقال

پھر انہیں کے قبیلہ میں اسماعیل کی شادی کر دی۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ جب جناب ابراہیم آئے تو پوچھا کہ اسماعیل کہاں ہیں اون کی بی بی نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ جب وہ آئیں تو اون سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کیواڑ بدل ڈالیں۔ جب اسمٰعیل آئے تو اونکی بی بی نے اون سے یہ واقعہ دُہرایا۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا کہ وہ (کیواڑ) تمہیں ہو، تم اسی وقت میرے گھر سے اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ پھر جب جناب ابراہیم (دوسرے بار) تشریف لائے تو پھر اسمٰعیل کو پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ اون کی (موجودہ) بی بی نے جواب دیا شکار کو گئے ہیں۔ اتنا کہکر اوس خاتون نے عرض کی کہ آپ گھر میں تشریف لائیں تو ہم آپ کو کھلائیں پلائیں۔ ابراہیم

نے پوچھا تمہارے پاس کھانے پینے کو کیا ہے۔ اسماعیل کی بی بی نے کہا کہ کھانے کو گوشت ہے اور پینے کو پانی یہ سنکر حضرت ابراہیم	ابوالقاسم برکة بدعوة ابراھیم

نے فرمایا کہ خدا تمہارے کھانے پینے میں برکت عطا فرمائے ابن عباس کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے اونکے لئے عام دعا مانگی تھی۔

حضرت اسمٰعیل کی جرہمی اور مصری بی بی ہونے کی تحقیق

مندرجہ بالا عبارت سے حضرت ابراہیمؑ کا دوبار کنعان سے مکہ معظمہ اپنے اہل وعیال کے تفحص احوال کیغرض سے تشریف لانا۔ اور حضرت اسمٰعیل کا اپنے پدر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق پہلی بی بی کو طلاق دینا اور ایک دوسری بی بی سے نکاح کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں بیبیاں جرہم کی لڑکیاں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ توراۃ کی روایت کے خلاف ہے۔ اوس میں انکی بی بی کا مصری ہونا صاف صاف لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ عربی مورخین نے اپنے مدعا سے زائد سمجھ کر اس مسئلہ میں زیادہ تحقیق وتفتیش نہ کی ہو۔ اور سرسید مرحوم نے توراۃ والی روایت کی تائید میں جو اپنا مختار قایم کیا اور جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ صحیح ہو۔

> ہم کو اس بات کے یقین کرلینے کی پوری وجہ ہے کہ مذکورہ بالا روایت میں۔ جو پہلی بی بی کا جرہم سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ پہلی بی بی ایک مصری عورت تھی۔ اور یہی وجہ ہوگی کہ اس عورت سے نکاح کرنا حضرت ابراہیم نے ناپسند کیا ہوگا۔ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ابتدا میں جرہم نے اپنی قوم کی لڑکی حضرت اسمٰعیل کے نکاح میں دینے سے انکار کیا ہو۔ کیونکہ وہ اسمٰعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہونگے۔ مگر پھر ایک معتد بہ زمانہ تک باہم سکونت پذیر ہونے سے یہ خیال جاتا رہا ہو۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ان کی دوسری بی بی جرہم کی قوم سے ضرور تھیں۔

ہمکو اس بحث کے متعلق زیادہ تحقیق وتفتیش کیضرورت نہیں۔ کیونکہ ہمارے مدعائے تالیف کو۔ حضرت اسمٰعیل کی اوسی بی بی کے حالات سے تعلق ہے جس سے سلسلہ بنو اسماعیل کی ابتدا ہوئی اور وہ بالاتفاق اونھیں بی بی سے شروع ہوا جو قبیلہ جرہم سے تھیں۔ اور جنکا نام محمد ابن اسحاق نے سیرت ابن ہشام میں۔ رعلہ بنت مضاض بن عمر الجرہمی بتلایا ہے۔ اور کلبی نے رعلہ بنت یشجب ابن یعرب لکھا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس خاتون معظمہ کا نام ایک ہے۔ فرق ہے تو سلسلہ نسبی میں۔ اور وہ بھی عند التحقیق متحد الاصل ثابت ہوتا ہے۔ اسی تحقیق کی تفصیل میں یہ بھی دریافت کرلینا ضروری ہے کہ غیر جرہمی کوئی عورت اسمٰعیلؑ کے عقد میں۔ جس کو توراۃ نے مصری لکھا ہے۔ آئی تھی یا نہیں۔ اگر

آئی تھی۔ تو عرب کی قدیم روایتوں میں اوسکا کہیں ذکر ہے یا نہیں ہم اسکے متعلق طبقات ابن سعد کی مرقومہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:۔

قال الکلبی وکانت لاسمٰعیل امراۃ من العمالیق ابنۃ صیدی قبل الجرھمیۃ وھی التی کان جاءھا ابراھیم فخفنۃ فی القول ففارقھا اسمٰعیل ولم تلد لہ شیئاً

کلبی لکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی ایک بی بی قوم عمالیق سے تھیں صیدی کی لڑکی۔ اور یہ وہی تھیں۔ جنکے جا کر نکالا ابراہیم نے اسمٰعیل کو حکم دیا تھا اور اسمٰعیل نے جا کر دیا تھا۔ اس عورت سے اسماعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس روایت سے اسماعیل کی ایک بی بی کا غیر جرہمیہ ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر وہ عمالیق سے تھیں نہ توراۃ کی تصریح کے مطابق زن مصریہ تھیں۔ توراۃ کے مفسرین و مترجمین کو غالباً عمالیق کے لفظ و نام نے شبہ میں ڈالا ہے اور وہ عمالیق سے قوم عمالیق ساکن مصر سمجھے ہیں اور اس بنا پر اس عورت کو مصری لکھتے ہیں۔ مگر یہ صریح غلط فہمی ہے۔ یہ عمالقہ مصر کی قوم سے نہیں بلکہ عمالیق مکہ کے قبیلہ کی لڑکی تھی کلبی نے اسکا سلسلہ اپنی پہلی روایت میں اسطرح لکھا ہے۔ دعلہ بنت لشحب ابن یعرب۔ یہ شخص لشحب ملک یمن کا بادشاہ تھا۔ اور وہاں کے مشہور و معروف بادشاہ دبار اکبر کا۔ مورث اعلیٰ۔ اسی کے سلسلہ میں ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے مشہور تھا۔ جو جرہم کے بعد مکہ میں آباد ہوا۔ (ابن ہشام و ابو الفدا و ابن اثیر)

لشحب کی ماہیت معلوم ہوئی اب یعرب کی اصلیت یہ ہے کہ یعرب وہی شخص ہے جسکا دوسرا نام جرہم ہے۔ امور بالا کو اکثر مقامات پر سرسید مرحوم نے خطبات میں تحریر کیا ہے۔ اون کی مندرجہ عبارات تصدیقی حسب ذیل ہیں۔

مغربی اور مشرقی مورخین کی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ یعرب اور جرہم سے ایک ہی شخص مراد ہے۔ اور اولاد یعرب کی بہت سی شاخیں یعنی جرہم میں داخل ہیں۔ خطبات احمدیہ ص ۷۰ مطبوع لاہور۔

دوسرے مقام پر تحریر ہے۔

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل قحطان اور قحطان سے چلی ہے اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں داخل ہیں۔ حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے۔ او بنی حمیر ہی میں ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے مشہور تھا جو مکہ میں بستا تھا۔ خطبات ص ۲۱۵ مطبوعہ لاہور۔

ان اسناد و اشہاد سے۔ عرب کی قدیم تاریخوں کا یہ لکھنا کہ ان کی دونوں بیبیاں جرہمیہ تھیں مبنی بے اصل اور دعویٰ بے دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ کلبی نے زوجہ اولیٰ اسماعیل کو عمالیقی بتلایا ہے۔ وہ بھی تو اصلاً جرہمیہ ثابت ہوتی ہے توراۃ کے مصری عورت ہونے پر اگر زیادہ اصرار کیا جاویگا تو ہم اوس کو بھی

عربی الاصل ثابت کرنے پر تیار ہیں۔ صاحب ارض القرآن اس مسئلہ کے تحقیق میں عبارت ذیل تحریر فرماتے ہیں

حضرت اسماعیل کی بی بی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس عہد میں بھی عرب مصر کے حکمران قبائل تھے۔ اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہو سکتی ہے۔ اور مصری بھی۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۵۲۔

ہمکو صاحب ارض القرآن کی رائے سے پورا اتفاق ہے اور سر سید مرحوم کے مختار سے بالکل اختلاف جنہوں نے زوجہ اول حضرت اسمعیل کے کسی نوع سے جرہمیہ ہونے کو غلط مانا ہے۔ حالانکہ ہم اونھیں کے اقرار و اعتراف سے ثابت کر آئے ہیں کہ وہ عورت عام اس سے کہ مصری ہو یا عمالیقی۔ عربی الاصل اور جرہمی النسل ضرور مانی جائیگی۔ یہ صرف سید صاحب کا ضرورت سے زیادہ مرویات توراۃ پر اعتماد و اعتقاد رکھنے کا نتیجہ ہے۔ جو اون کی تالیفات و تصنیفات کے اکثر مقامات سے ہویدا و آشکار ہے۔

تعمیر خانہ کعبہ مشرفہ دو بار جناب ابراہیم علیہ السلام کی مکہ میں تشریف لانے کے متعلق ہم تفصیل سے حالات و واقعات لکھ چکے تیسرے بار تشریف فرما ہونے کی ضرورت یہ ہے۔

ابکی بار آپ کی تشریف آوری کے واقعات بتلا رہے ہیں کہ پہلے دو بار تو آپ اپنے روحی تعلقات اور قلبی جذبات کے زیر اثر ہو کر اپنے اہل و عیال کے تفقد احوال کی غرض و ضرورت سے تشریف لائے تھے مگر اب کی بار مکہ معظمہ میں آپ کا نزول اجلال خدائے لایزال کے ایک واجب التعمیل حکم کی بجا آوری کے باعث سے تھا۔ اور اسی حکم الہی کی تعمیل سے عبادت و اطاعت خداوندی کی تعلیم و ترویج تمام اقطاع عالم میں قائم کرنی تھی۔ اور حقیقت میں اسی حکم الہی کی تعمیل آپ کی حیات مسعود و آیات کا وہ واقعہ ہے جس سے آپ کے کمال معرفت۔ خلوص للہ اور عبادت خداوندی کے بے مثال جوہر ثابت ہوتے ہیں ہم اس واقعہ کی تفصیل میں صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت کے باقی حصہ کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ثم انه بدا لابراهيم فقال لاهله انی مطلع ترکتی فجاء فوافق اسماعیل من وراء زمزم يصلح نبلا له فقال يا اسماعيل ان ربك امرنی ان ابنی له بيتا قال اطع ربك قال امرنی ان تعيننی عليه قال اذا افعل او كما قال فقاما فجعل ابراهيم يبنی واسماعيل يناوله

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جب پھر حضرت ابراہیم آئے اور اسمعیل کو تلاش کیا۔ تو جناب اسماعیل کو پشت زمزم پر جہاں آب زمزم ہی بنا ہے زمزم کی مرمت کرتے ہوئے پایا۔ حضرت ابراہیم نے اسمعیل سے کہا کہ میرے خدا نے مجھکو حکم کیا ہے کہ میں اوسکے لئے گھر بناؤں حضرت اسمعیل نے کہا کہ آپ حکم خدا کی تعمیل و اطاعت کیجئے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اوس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کام میں تم

الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم قال حتی ارتفع البناء وضعف الشیخ عن نقل الحجارۃ فقام علی حجر المقام فجعل یناوله الحجارۃ ویقولان ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

میری مدد کرو۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حضرت اسمعیل نے ویسا ہی کیا جیسا اونکے پدر بزرگوار نے ارشاد کیا۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دونوں باپ بیٹے اوسوقت اٹھ کھڑے ہوگئے حضرت ابراہیم گھر بناتے تھے اور جناب اسمعیل پتھر ڈھو ڈھو کر دیتے جاتے تھے اور دونوں بزرگوار فرماتے جاتے تھے۔ پروردگار تو ہم دونوں کی ان خدمات کو قبول فرما کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یہانتک کہ بنیادیں اتنی اونچی ہوگئیں کہ ابراہیم کھڑے ہوکر پتھر نہ رکھ سکے۔ تو ایک پتھر پر کھڑے ہوکر جس کو آجتک مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ دیوار پر پتھر رکھنے لگے اور اسمعیل اونکو اوٹھا اوٹھا کر پتھر دینے لگے۔ دونوں بزرگوار (کام کرتے جاتے تھے) اور کہتے جاتے تھے۔ پروردگار تو ہم دونوں کے ان خدمات کو قبول فرما۔ کیونکہ تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اسلامی مورخین نے انواع و اقسام کے طریقوں سے بناے کعبہ کے متعلق روایات لکھکر اپنے خلوص و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ مگر ہم اونکو اپنے مدعا کے لیے زاید اور غیر ضروری سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں۔ اور ذیل میں خانہ کعبہ کی اوس سادی اور بلا تکلف عمارت کو۔ جو ان دونوں برگزیدگان الہی نے اپنے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے بنائی تھی اور اوسکو جس شکل و حیثیت میں اوسوقت قایم کیا تھا علامہ ازرقی کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

بنا البیت وجعل طوله فی السماء تسعة اذرع وعرضه فی الارض اثنین وثلاثین ذراعا من الرکن الاسود الی الرکن الشامی الذی عند الحجر من وجهه وجعل عرضها ما بین الرکن الشامی الی رکن الیمانی الذی فیه الحجر اثنین وعشرین ذراعا وجعل طول ظهرها من الرکن الغربی الی رکن الیمانی احد وثلاثین ذراعا وجعل عرض شقها الیمانی من الرکن الاسود الی الرکن الیمانی عشرین ذراعا۔

(کتاب اخبار مکہ ازرقی ص ۳۱)

خانہ کعبہ بننا شروع ہوگیا۔ اونچائی اوس کی ۹ گز تھی۔ اور چوڑائی (ایک طرف کی) ۳۲ گز کی۔ رکن اسود سے لیکر رکن شامی تک۔ اور یہ مقام حجر سے ملا ہوا ہے۔ اور چوڑائی دوسری طرف کی۔ رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ گز ہے اور اس سے بھی حجر ملا ہوا ہے اور چوڑائی پشت کی رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ گز اور دوسری طرف رکن یمانی سے لیکر رکن الاسود تک ۲۰ گز تھی۔

(کتاب اخبار مکہ علامہ ازرقی ص ۳۱)

مندرجہ ذیل نقشہ جو مرقومہ بالا پیمایش کے حساب سے مطابق کرکے تیار کیا گیا ہے۔ خانہ کعبہ کی عمارت

ابراہیمی کے آسانی سے سمجھ جانے کے لئے کافی ہوگا۔

حرم محترم کی عمارت بس اتنی ہی تھی جس کی نہ چھت پاٹی گئی تھی۔ اور نہ اوسمیں چوکھٹ بازو۔ کواڑ اور کنڈی وغیرہ کی شرکت ضروری سمجھی گئی۔ خدائے واحد کا یہ پاک و صاف گھر انتہا درجہ کی سادگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جس کا معمار خلیل اللہ تھا۔ اور مزدور ذبیح اللہ۔ خانہ کعبہ کے اندر ایک ندر گڈھا کھود دیا گیا تھا جس میں نذر و نیاز اور دوسرے چڑھاوے کی چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ اسی کو بیر کعبہ کہتے تھے۔ چونکہ یہ عمارت۔ باوجود اسکے کہ چوگوشہ ضرور تھی۔ مگر مساحت کے اصول سے اسکے چاروں ضلع برابر نہیں تھے۔ اسلئے مربع نہیں کہلا سکتی تھی۔ مربع کی جگہ کعب کہی گئی اور کعبہ کی وجہ تسمیہ یہی ہوئی۔

ارکان حج کی تعلیم و اعلان

جب یہ عمارت قریب تیاری کے پہونچی تو جیسا کہ تاریخ ازرقی میں لکھا ہے حضرت ابراہیم نے اسمعیل سے فرمایا۔ (ابْغِنِي حَجَرًا أَضَعُهُ حَتَّى يَكُونَ عَلَمًا لِلنَّاسِ يَبْتَدِئُونَ مِنْهُ الطَّوَافَ) اے اسمعیل۔ ایک ایسا پتھر لاکر مجھے دو کہ میں اوسکو اس غرض سے نصب کردوں کہ وہیں سے لوگ کعبہ کا طواف شروع کریں۔ (اخبار مکہ ص ۲۹)

مقدس حجر الاسود کی یہی تاریخی حیثیت قائم ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ جتنی روایتیں حجر الاسود کے متعلق اسلامی کتب و تفاسیر میں منقول ہیں۔ وہ اعتقاداً کتنی ہی صحیح اور قوی ہوں مگر تاریخی حیثیت کے اعتبار سے قابل الذکر نہیں ہوسکتیں۔

جب خانہ خدا کی یہ عمارت بن چکی تو مصدر قدرت سے خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ حکم صادر ہوا۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ

میرا گھر طواف کرنیوالوں۔ قیام کرنیوالوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے پاک کرو۔ اور تمام لوگوں کو حکم کرو کہ میرے گھر کا طواف کرنے آئیں۔ پیدل بھی اور لاغر اونٹوں پر بھی۔ وہ ہر دور و دراز گوشہ ملک سے آئینگے۔

یہ حکم پاتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لبیک کہی اور اوسوقت سے آجتک عرب میں لبیک کہنے کا۔ جب وہ

خانہ کعبہ کے سامنے یا قریب پہونچ جائیں۔ دستور قائم ہوگیا۔ اسی کو تلبیہ کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اعلان حج کا یوں انتظام کیا کہ مقام ابراہیم پر (اور بنا بر بعض روایات کوہ عرفات پر چڑھ کر) کھڑے ہوکر تمام لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف کیلئے بلایا۔ سب سے پہلے جس قوم و قبیلہ کے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول فرمایا وہ بنی جرہم تھے طبقات ابن سعد میں ہے۔ فَاَوَّلُ مَنْ اَجَابَہٗ جُرْھُمْ۔ انکی قبول دعوت کے بعد قوم عمالیق ایمان لائی۔ قبل العمالیق ثم اسلموا ان کے بعد قوم عمالیق اسلام لائی۔ انکے اسلام لانے کے بعد حضرت ابراہیم نے اون تمام قوم و قبیلہ کے لوگوں کو جو حوالی مکہ میں آباد تھے۔ دین ابراہیمی کی تلقین اور مناسکات حج اور طواف بیت الحرام وغیرہ کی کامل تعلیم فرمائی۔

یہ دین حنیف کی ابتدائی تعلیم تھی اور اوس کی تعلیم کے حالات و واقعات جو اوپر قلمبند کئے گئے۔ اسی ضمن میں ہمکو یہ بھی لکھدینا بہت ضروری ہے کہ یہ عبادتگاہ الہی بہت جلد قربانگاہ قرار پاگئی۔ پھر اس استقرار اور استمرار کے ساتھ کہ اوسوقت سے لیکر آجتک اور آج سے ابدالآباد تک نسل ابراہیمی کے ایثار و انداز اور اور دین حنیف کا سچا معیار قائم ہوگئی۔

اپنے پہلوٹے اور سب سے بڑے بیٹے اسمٰعیل کی راہ خدا میں قربانی

قرآن مجید میں اس واقعہ کی کیفیت یوں مذکور ہے۔

قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ
قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ
وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا
الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔

(ابراہیم) نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ چلونگا کہ وہ مجھ کو ہدایت فرمائے پروردگار مجھ کو ایک نیکو کار فرزند عطا فرما تو ہم نے اوسکو ایک سمجھدار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ لڑکا اوسکے ساتھ چلنے پھرنے (کام کرنے) لگا۔ تو ابراہیم نے اس سے کہا۔ اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ اوس لڑکے نے جواب دیا۔ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے (بلا تامل) آپ اوسکی تعمیل کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں (باپ بیٹے) تعمیل حکم پر آمادہ ہوگئے اور باپ نے (حلال کرنے کے لئے) بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا تو (ہمکو اون کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کر دکھلایا۔ اب ہم تمکو بڑے بڑے مرتبے دینگے اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بیشک یہ کھلی آزمایش تھی اور ہم نے عظیم قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔

تفسیر بیضاوی اور ربیع الابرار زمخشری سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ رویا ء صادقہ جسدن حضرت ابراہیم کو دکھلایا گیا وہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ تھی۔ اسی لئے آٹھویں ذی الحجہ کو مصطلحات فقہیہ عملیہ میں یوم الترویہ کہتے ہیں

جو رویت سے مشتق ہے۔ نویں ذی الحجہ کی رات کو مقام عرفات میں پھر ایسا ہی خواب دکھلایا گیا۔ اور اسی دن آپ نے حضرت اسمٰعیل سے اپنے خواب کو دہرایا۔ اکثر علما کی رائے میں نویں تاریخ کو احکام عملیات میں یوم العرفہ کہے جانے کی یہی وجہ تسمیہ ہوئی۔ اوس رات کو بھی جناب ابراہیم غالباً مناسکات عرفات بجالانے اور قوم و قبائل کے تمام لوگوں کو خدائے واحد کی معرفت۔ اوسکی عبادت کے طریقہ۔ اوس خانہ مقدس کے آداب و مناسکات حج بجالانے کی مشغولیت کے سبب سے اس امر جلیل کی تعمیل نہ فرما سکے۔ دسویں کی رات کو سو گئے تو پھر وہی خواب دیکھا۔ اب تو خدا کے اس خالص شیدائی کی عقیدت ایسی جوش میں آئی کہ اپنے پہلوٹے اور بڑی منت والے بیٹے کو قربان گاہ منیٰ میں لیجا کر چھری کے نیچے رکھ ہی تو دیا۔ اور آفرینش عالم کے وقت سے لیکر اس وقت تک خدا کے نام پر۔ خدا کی راہ میں۔ ایک ایسی نذر۔ ایسی قربانی اور ایسے ایثار نفسی کی تعمیل کا پورا قصد کر لیا جس کی مثال پھر دنیا کے کارنامہ میں نہ قائم ہو سکی۔ حضرت ابراہیم کے صبر و رضا کے کمال اور راہ رضائے الٰہی میں آپکی استقامت اور استقلال کا اس سے پہلے کئی بار امتحان ہو چکا تھا اور ہر موقع پر آپکا جگر مصیبت میں بہ خاصہ الٰہی کامل اور کامیاب ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی معرفت اور حسن اطاعت کا یہ آخری امتحان تھا اور آزمائش و ابتلا کا سخت ترین معرکہ۔ اور حقیقتاً ایسا قیامت خیز عالم اور عبرتناک تلاطم تھا کہ آخر امتحان قدرت بھی اسکے مشاہدے اور نظارے کی تاب نہ لا سکے۔ اور قربان گاہ منیٰ سے صدا آئی اوسکے اَنْ یّٰاِبْرٰھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ اے ابراہیم بیشک تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ بنایا۔

تبلیغ رسالت کے متعلق ایسے پر اثر مقدر اور مافوق البشر خدمات انجام دیکر حضرت ابراہیم نے نظام شریعت اور احکام قدرت کے تمام مقاصد پورے کر دئے۔

مکہ معظمہ سے مراجعت اور جناب ابراہیم علیہ السلام کی رحلت

تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک سو برس سے متجاوز ہو چکا تھا۔ حضرت اسمٰعیل کا سن اوس وقت تیس برس کا بتلایا جاتا ہے۔ تعمیر کعبہ تعلیم شریعت۔ اعلان و تلقین مراسم حج اور دیگر امور تبلیغ رسالت کو انجام تک پہونچا کر حضرت ابراہیم نے مکہ سے شام کی طرف مراجعت فرمائی۔ اور وہاں پہونچکر تھوڑے دنوں کے بعد داعی اجل کو لبیک کہی اور دفعتاً انتقال فرمایا۔ آپ کی وفات کے متعلق اکابرین محدثین اسلامی تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک بار حسب العادت حضرت ابراہیم نے بہت آدمیوں کی دعوت کی جب مہمانوں کی کثیر التعداد جماعت

خوانِ خلیل اللّٰہی پر جمع ہو گئی اور حلقہ باندھکر کھانا کھانے لگی تو حضرت ابراہیم کی نظر ان مہمانوں میں ایک نہایت کبیر السن شخص پر پڑی اور آپ نے اوسکو ایسی پیرانہ سالی کی حالت خاص میں مشاہدہ فرمایا کہ اوسکے تمام بدن میں رعشہ ہے اور وہ اپنے رعشہ دار ہاتھ سے لقمہ اوٹھا کر کھانا چاہتا ہے۔ تو خلاف عادت حرکت رعشہ کی وجہ سے لقمہ اوسکے منہ تک نہیں پہونچتا بلکہ کبھی اوسکی پیشانی کبھی رخسار اور کبھی چہرے کے دوسرے مقامات پر جا لگتا ہے۔ اسکے ساتھ ایک اور آدمی بیٹھا ہوا ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی ضرورت اور خدمت کیلئے ہمیشہ اوسکے ساتھ رہتا ہے۔ بالآخر اوسکے رفیق نے اپنے ہاتھ سے اوسکو کھلانا شروع کر دیا تب وہ غریب کبیر السن شخص کھانا کھا سکا۔

اس مشاہدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں طول عمری کیطرف سے سخت نفرت پیدا ہوئی۔ اور آپ نے فوراً بارگاہ مجیب الدعوات میں شیخوخیت اور کہولیت کے ان گری گذری حالتوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جانے کی دعا مانگی۔ چونکہ وہی وقت آپکی اجل موعود کا تھا۔ اسلئے ادہر آپ کی دعا کیلئے حکم اجابت آیا۔ اودہر فرمان قضا در حلت کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات و سعود و آیات کے متعلق جستہ جستہ تمام واقعات و حالات بیان کر دیئے۔ پڑھنے والے اور ان پر غور کرنے والے آسانی کے ساتھ نتیجہ نکال لیں گے کہ اس اصلی اور حقیقی موحد اور دین حنیف کے موجد نے جس خلوص اور عبدیت کا وعدہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ ان الفاظ میں کیا تھا کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ میری نماز، میرے تمام مناسکات، میری حیات اور میری ممات۔ (سب کچھ) خالص خدا کے واسطے ہے۔ جو دو عالم کا پروردگار ہے۔ اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ و دان امور کے لئے مجھے حکم دیا جا چکا ہے اور میں (بیشک) ان امور کے تسلیم کرنیوالوں میں ہوں۔ لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً پورا کر دیا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہو چکا۔ اور قادر شناس ان قدرت نے بھی وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی کے الفاظ مصدقانہ نازل فرما کر آپ کے محاسن خدمات کی ایجابی اعتراف کا اظہار کر دیا۔

سب سے پہلے دین ابراہیم اسلام کے نام سے موسوم ہوا ہے

اسلام کی قدامت اور اصلیت قرآن مجید کی اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ۔	تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب ہے۔ اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے۔

یہ آیہ بتلا رہی ہے کہ اسلام پر منحصر نہیں تمام مذاہب جو رسالت ابراہیمی کے بعد دیگر کتب سماوی کے ذرائع سے

نازل فرمائے گئے۔ وہ سب ملت ابراہیمی کے متبع سمجھے جائیں گے اور دائرہ اسلام میں آنے اور مسلمان کہلانے کے مستحق کہلائیں گے۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسکی خصوصیت کیسی؟

اصلیت کے اعتبار سے تو یہود و نصاریٰ اور مسلم سب کے سب ملت ابراہیمی کی شاخیں اور متبع قومیں سمجھی جائیں گی مگر اتباع و عقیدت اور عملی اطاعت و مطابقت کے اصول پر جب ان امم مختلفہ کے ہر اہم عبادت اور اخلاقی۔ تمدنی اور قومی مراسم و دستورات پر نظر ڈالی جائے گی اور تحقیق سے کام لیا جائیگا تو ان تمام مختلف فرقوں میں سوائے ایک اسلام کے پھر کوئی دوسرا فرقہ نہیں پایا جائیگا جس کے مذہبی قومی۔ تمدنی اور اخلاقی طریقوں میں شریعت ابراہیمی کا کوئی جزو یا شعبہ پایا جاتا ہو۔

اسلام کو ملت ابراہیمی کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ اس بنا پر ہے کہ شریعت اسلامی میں اس وقت تک شریعت ابراہیمی کے احکام اسکے عملیات واجبات و مستحبات میں داخل ہیں اور ان کو آجتک ہر مسلمان اسی عظمت و تقدیس اور احترام و اکرام کے ساتھ ادا کرتا ہے جس طرح خلیل اللہ نے تعلیم فرمائے تھے۔ جیسے تکریم کعبہ۔ مناسکات حج۔ ختنہ۔ وضو و مجامعت غسل جنابت۔ عقد نکاح وغیرہ وغیرہ۔

شریعت ابراہیمی اور دین حنیف خلیل اللّٰہی کے متلاشی دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی کو اور تنہا اسلام ہی کو ایک ایسا مذہب پائیں گے جس میں شریعت ابراہیمی کے آثار و احکام اب تک قائم ہیں اور وہی اسکے اتباع کا تنہا دعوی کرسکتا ہے۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کی غلطی

تسمیہ اسلام کی تصحیح و ترمیم

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی۔ اپنی تصنیف میں کہ شریعت محمدی کا نام اسلام اور اسکے متبعین کا نام مسلمان کیوں مشہور ہوا رقمطراز ہیں:-

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بلا عذر گردنیں جھکا دیں۔ یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم رکھا۔ (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۰۶)

یہ آپ کی ذہانت کا ایک نکتہ ہے اور جودت طبع کا نمونہ۔ مولوی شبلی نے بہت بعد کے واقعہ سے اسکی وجہ تسمیہ قائم کی ہے اور آیہ ذبح میں الفاظ فلما اسلما کو اسکا اصل ماخذ و مرجع بتلایا ہے۔ جو حیات ابراہیمی کا آخر واقعہ ہے۔ یہ شمس العلماء صاحب کی کوتہ نظری ہے۔ اگر قرآن مجید میں اس مسئلہ کی

تحقیق میں دیگر آیات و واقعات پر محققانہ طریقہ سے غور فرمایا گیا ہوتا تو شمس العلما صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ اس واقعہ سے بہت پہلے حضرت ابراہیمؑ کے صبر و رضا کا کارنامہ دار النظام قدرت میں پیش ہو کر قبولیت و اجابت الٰہی کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ قرآن مجید کے سورہ بقر کی مفصلہ ذیل آیت سے اسکی حقیقت کا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جب اوس (ابراہیم) سے خدا نے کہا کہ ہماری فرمانبرداری کرو تو اوسنے کہا کہ میں پروردگار دو عالم کا فرمانبردار ہوا۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ معرفت اور تصدیق الٰہی جس طریقہ اور جن الفاظ سے حضرت ابراہیم نے کی اوسی کا نام اوسی وقت سے اسلام رکھا گیا۔ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اپنی معرفت و تصدیق کا حکم بھی ابراہیم کو اوسی لفظ کے ساتھ دیا اور ابراہیم نے اوسکی تعمیل بھی انہیں الفاظ میں کی۔ پھر ایسے نص صریح کی موجودگی میں ہم اسلام کا مبتدا اسی آیہ کو ضرور قرار دیں گے اور سورہ حج کے آیہ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے پہل تمہارا نام مسلمان رکھا) کو اس مبتدا کی خبر ٹھیرائیں گے۔ جس سے مدعائے حقیقت پورے طور سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ آیہ اول میں اسلام کی اولیت قدامت اور ابتدا۔ اسکی وجہ و سبب کے ساتھ بتلائی گئی ہے۔ پھر آیہ دوم میں مسلمانوں کو اون کے طریقہ کا نام اسلام رکھے جانے اور اون کو مسلمان کہے جانے کی بھی خاص وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے کہ بمقابلہ دیگر مذاہب کے۔ چونکہ پیروان شریعت محمدیہ کو طریقہ ابراہیمی کے صحیح اور حقیقی اتباع کا شرف حاصل ہے۔ اس بنا پر اون کی شریعت اور اونکا نام بھی وہی رکھا گیا جو پہلے سے اونکے مورث اعلیٰ کے طریقہ کا نام رکھا گیا تھا۔

اسلام کی حقیقت تو اتنی قدیم ثابت ہوتی ہے مگر شمس العلما صاحب اسلام ابراہیمی میں تاخیر کا نقص پیدا کر رہے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تجویز سے اپنی شریعت کا نام اسلام رکھا اور اپنے پیروان ملت کا نام مسلم مگر قرآن مجید کی بشارت خبر دیتی ہے کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے اس مبارک نام سے آپ کو اور آپ کے پیروان و متبعان ملت کو یاد و مخاطب فرمایا ہے ذیل کا آیہ وافی ہدایہ اسکے ثبوت کو کافی ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا	ابراہیم (حقیقتاً) نہ یہود تھے نہ نصاریٰ۔ بلکہ وہ تو خالص مسلمان تھے۔

مندرجہ بالا نصوص قرآنیہ کے رو سے مولوی شبلی صاحب کے یہ دونوں قیاس اور تجاویز (۱) کہ حضرت

ابراہیم و اسماعیل کے الفاظ اَسْلَمْنَا کہنے کے باعث ہے۔ اور پھر (۲) شعار تسلیم و رضا پر قائم و مستقل رہنے کی وجہ سے۔ ابراہیم کے پیرو اور متبع مسلم کہلانے کے اہل ثابت ہوئیں۔ اور ثابت ہو گیا کہ حقیقت میں خداوند عالم نے سب سے پہلے آپ کو مسلم اور آپ کے تبعین کو مسلمین کے مبارک نام سے موسوم کیا۔

شریعت اسلامی میں ملت ابراہیمی کے مراسم اسوقت تک محفوظ وموجود ہیں

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ دنیا کے موجودہ مذاہب میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو باوجود اس کے کہ سب سے آخر میں آیا۔ لیکن اوسکے تمام مذہبی۔ اخلاقی قومی اور تمدنی احکام میں ابھی تک شریعت خلیل اللہی کی اتباع اوسی خلوص عقیدت کیساتھ کی جاتی ہے جس طرح حضرت ابراہیم اسکے انجام دہی اور تعمیل کے اصول تعلیم فرما گئے اور اسکے نصاب بتلا گئے تھے علاوہ واجبات حج اور ادائے قربانی کہ جو اب صرف اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مخصوص و محدود رہ گئی ہے۔ ہم ذیل میں آپ کے احکام اور اسلام کے فرمان نقل کرتے ہیں۔ جو شریعت اسلامی میں اسوقت تک اگر واجبات کا حکم نہیں رکھتے تو استحباب کی اہمیت تو ضرور رکھتے ہیں۔

حجامت بنوانا (۲) مونچھوں کے لب کٹوانا (۳) مونھ دھونے کے وقت مسواک کرنا (۴) کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرنا۔ (۵) زیر بغل اور زیر ناف کے بالوں کو مونڈنا۔ (۶) ختنہ کرنا۔ (۷) ناخن ترشوانا اور (۸) غسل جنابت کرنا۔ آجتک اسلام کے مستحبات اور عملیات یومیہ میں داخل ہیں اور آخر طہارت کا حکم (غسل جنابت) تو وجوب کی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ جس کے بغیر کوئی مسلمان نماز ہی نہیں پڑھ سکتا۔

ان مرقومہ بالا احکام ابراہیمی میں باستثناء چند ایسے احکام ہیں کہ صرف اہل اسلام ہی اون پر عمل پیرا نہیں ہیں بلکہ دنیا کے تمام قوم و ملت کے لوگ۔ اگر اہل اسلام کی طرح مذہبی نقطۂ خیال سے نہیں تو اخلاق۔ تہذیب اور حفظان صحت کے لحاظ سے ان کو ضروری سمجھ کر ان پر عامل ہیں۔

حضرت ابراہیم تمدن اخلاق اور تہذیب انسانی کے اول موجد اور معلم تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام دین حنیف اور شریعت اسلامی ہی کے صرف موجد اور معلم نہیں ثابت ہوتے ہیں۔ بلکہ تاریخوں سے طبقہ انسانی میں تمدن اخلاق اور تہذیب کے ابتدائی اصول قائم کرنیوالے اور انکے طریقے بتلانے والے بھی آپ ہی پائے جاتے ہیں مراسم اخلاق اور آئین معاشرت سب سے پہلے آپ ہی نے جاری فرمائے۔ اور تمام دنیا کی قوموں میں مہمانی۔ ضیافت ذوی القربیٰ ہمسایہ اور دیگر مستحقین کی دعوت کے نیکوترین اور فیاضانہ مراسم کی آپ سے ہی ایجاد ہوئی

اکرام ضیف اور ضیافت کے احکام و آداب آپ ہی نے بتلائے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے۔ اپنے مال سے زکوٰۃ کی رقم نکالی۔ اور خدا۔ خدا کے رسول اور رسول کے ذوی القربیٰ کے حقوق۔ ہمسایہ۔ فقرا اور مساکین کے استحقاق اور اونکے مراتب انصاب قایم فرمائے۔

سب سے پہلے راہ خدا میں ہجرت اختیار فرمائی۔ قوم عملیق مصر سے جہاد فی سبیل اللہ کیا۔ اور ترتیب فوج و تعین منصب لوا بھی آپ ہی کے اولیات میں داخل ہے۔ لباس میں پیراہن اور تہ بند کی ایجاد بھی آپ ہی سے ہوئی اور عبادت الٰہی کی حالت میں ستر پوشی کے آداب نہایت شدت سے واجب قرار دئے۔ توحید خالص کی تعلیم آپ ہی سے شروع ہوئی اور انہیں میں انسانی بدعنوانیوں سے ایسی خراب و برباد ہوگئی کہ آخر اسلام اسی نام اور اونھیں احکام کے ساتھ توحید خالص کی تجدید و احیا کیلئے نازل فرمایا گیا جس سے ملت ابراہیمی کی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے اس آیت کا مل طور پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۔	اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقہ سے انحراف کرے مگر وہی جس کی عقل ماری گئی ہو۔ اور بیشک ہم نے اونکو دنیا میں بھی انتخاب کرلیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکار بندوں کے زمرے میں ہوں گے۔

عہد ابراہیمی میں عرب کا بینظیر تمدن۔

ان تمام احکام پر غور و تعمق کی نظر ڈالنے سے ہر شخص کو بآسانی معلوم ہوجائے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وقت میں تنہا دین الٰہی ہی کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اقطاع عالم کے مختلف قوم و قبائل میں اخلاق، تہذیب اور معاشرت کے اصول قایم کئے اور آداب و طریقے بتلائے۔ عہد ابراہیمی کے تاریخی حالات اخبار و آثار عرب سے جہاں تک معلوم ہوئے ہیں اون سے ثابت ہوتا ہے کہ اوسوقت اہل عرب تمدن کے اعتبار سے دوسری قوموں سے کہیں آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ عرب کی تاریخ میں اون کی ترقی اور فروغ تمدن کا زمانہ خاندان سبا اور سلاطین حمیر کے عہد میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور تاریخ عالم کے مطالعہ سے سلسلۂ آل سبا اور بنو حمیر کا زمانہ عہد ابراہیم سے قریب اور متصل پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مرحوم سر سید نے ان دونوں سلسلوں کے معاصرین کی مطابقت اور اوس کی تفصیل پوری وضاحت کے ساتھ خطبات احمدیہ میں کی ہے۔ جسکی نقل ذیل میں مندرج کی جاتی ہے۔

جرہم کے بعد اوس کا بیٹا یشجب ابن یعرب تخت پر بیٹھا۔ اوسکے بعد اوسکا بیٹا عبد الشمس ملقب بہ سبا اکبر تخت نشین ہوا۔ یہی شہزادہ سلطنت سبا کا بانی ہوا۔ اور اوسی نے شہر سبا اور مارب

بسائے اوسکے بعد اوسکے بیٹے حمیر نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اب چونکہ حمیر یقطان سے چوتھی پشت میں تھا۔ اور ترح (تارخ۔ پدر ابراہیم) بھی فالغ سے چوتھی پشت میں تھے اسلئے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ حمیر کی اولاد ترح کی پیدائش سے زیادہ دور نہیں ہوگی یعنی سنہ ۱۸۸۸ دنیوی یا سنہ ۲۱۲۶ ق م میں اوس کی ولادت ہوئی ہوگی۔ ترح کے تین بیٹے تھے۔ (ناحور، نور اور ہاران (پدر لوط) اور حمیر کے بھی تین بیٹے تھے۔ وائل۔ عوف اور مالک اسلئے ترح اور حمیر کی اولاد کو ہمعصر ماننا چاہیئے یعنی کہ وہ سنہ ۱۹۱۸ دنیوی یا سنہ ۲۰۵۶ ق م میں تھے۔ وائل کا بیٹا سکسک اور عوف کا بیٹا فاران ہوا۔ اب اول اوس مدت پر جو ایک پشت کے واسطے عموماً قرار دی گئی ہے لحاظ کرکے اور بعد ازاں تاریخ پیدائش لوط پسر ہاران پر غور کر کے سکسک اور فاران کی ولادت کی تاریخ قرار دینی چاہیئے جو سنہ ۱۸۷۸ دنیوی یا سنہ ۲۱۲۶ ق م یا تیس برس قبل ولادت حضرت ابراہیمؑ قرار پائی ہے۔ خطبات مطبوعہ لاہور ص ۱۷

اس مقام پر یہ بتلا دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ یہی فاران ابن عوف وہ شخص ہے جو یمن سے علاقہ حجاز میں آیا اور اسکے گرد ونواح میں آباد ہوکر اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور جبل فاران اور بیابان فاران جو قدیم آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں اور جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین کی بشارت نبوت اور تبلیغ رسالت کے خاص مقامات بتلائے گئے ہیں۔ وہ اسی شخص خاص کی طرف منسوب ہیں اور اسی کے نام سے موسوم ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوگیا کہ بنی حمیر کی سلطنت اور جناب ابراہیمؑ کی تبلیغ رسالت کا زمانہ بالکل قریب تھا بلکہ دونوں کو ایک ہی کہنا چاہیئے۔ بنی حمیر کی عہد سلطنت میں عرب کی تمدنی حالت دنیا کے اور ملکوں سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کسی تاریخ میں کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر عرب میں رسالت ابراہیمی کی تبلیغ کے وقت عموماً اور عرب کے علاقہ یمن میں اوسوقت خصوصاً ملک کی تمدنی حالت پوری ترقی پر تھی۔ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی بھی اسکی تصریح کرتے ہیں۔ ذیل میں اونکی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ مانسو لیبانا مرنساومی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہونچا ہوا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب وتمدن تک نہیں پہونچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہونچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔ (یمن کے شہر قلعوں اور دیگر آثار تمدن و امارت کا ذکر ہے۔ جن کو ہم تفصیل سے اس کتاب میں اوپر لکھ آئے ہیں۔)

ان تفاصیل کے بعد تحریر ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اسکے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے۔ اون کے لیے عربی زبان میں خاص الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سکہ کے لیے ایک لفظ بھی نہیں درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہوگیا۔ چراغ ایک معمولی چیز ہے تاہم اسکے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو سراج کرلیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا مصباح۔ یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے۔ کوزہ کیلئے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوز کر لیا۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں۔ جو آبریز کا معرب ہے۔ تست فارسی لفظ تھا۔ اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ یہ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ پاجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جب ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے اشیاء کے لیے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کے تہذیب و تمدن سے متاثر ہوکر کی تھی۔ اسلئے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے۔ اون ہی اصلی حالت پر تھے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک عیش و عشرت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کی شان نزول میں بخاری وغیرہ میں منقول ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جا ضرور نہ تھی مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اوس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسی کو پھونک کر اوڑاتے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہ جلتے تھے۔ ابوداؤد میں ایک صحابی کی روایت ہے کہ میں آنحضرت صلعم کی صحبت میں تھا۔ لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہیں سنا۔ اگرچہ اس حدیث کی شرح میں

محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ نہیں لازم آتا کہ واقع میں آنحضرت صلعم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے۔ تاریخ اور ادب کی کتابوں میں ہے کہ عرب گھونس چوہا، گوہ، گرگٹ، سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اول از ص ۵۸ تا ص ۱۶۸

ملکی زبان میں الفاظ خاص کی کمی ملک و قوم میں عدم تمدن کی دلیل نہیں ہوسکتی

مولوی شبلی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوگیا کہ یمن اور دیگر اقطاع عرب جو حدود شام و ایران سے قریب واقع ہیں، تہذیب و تمدن میں پورا کمال حاصل کرچکے تھے۔ اور باعتبار زمانہ کے اگلی تہذیب و کمال کے ایام عہد ابراہیمی سے بالکل ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ تاریخی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کی اس معترفانہ تحریر سے کہ "عرب کے وہ مقامات بھی جو ایران و شام سے متصل تھے تہذیب و تمدن سے خالی نہیں تھے" میرے مدعا کی پوری تصدیق ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جناب ابراہیم کی سکونت کا صدر مقام زیادہ تر ملک شام اور علاقہ فلسطین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہمارا یہ دعویٰ کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں کم سے کم عرب کے ان حصوں میں جو علاقہ شام سے قریب تھے تمدن اور تہذیب با ترقی پر تھی، جو ملک و قوم کے اخبار و آثار کے علاوہ حضرت ابراہیم کے احکام و ارشاد سے بھی ہویدا و آشکار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا عرب کے قدیم تمدن و تہذیب کو خاص مقامات تک محدود کردینا، اور چند الفاظ خاص نہ ہونے کی وجہ سے عربی زبان کی تنگی اور کوتاہی کو تمام عرب کے غیر متمدن قوم ہونے کا باعث بتلانا جیسا کہ وہ اپنی اس بحث کے نتیجہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے، تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آئے" ہمارے نزدیک ذرا بھی قابل توجہ نہیں۔

شبلی صاحب کا یہ قیاس ان کی تاریخی واقفیت کی کمی پر مبنی ہے۔ دنیا کے تمدن، تہذیب اور ترقی کی تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ اقطاع عالم میں تہذیب و تمدن کی ابتدا پہلے ایک خاص مقام سے شروع ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ملک و قوم کے ہر حصہ اور طبقہ میں پھیل جاتی ہے۔ اس بنا پر یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ شام و ایران سے ملے ہوئے عرب کے حصے، یمن اور اوس کے حوالی و مضافات جس طرح اوس زمانہ میں اپنی تہذیب و تمدن میں مشہور تھے ویسے عرب کے اور حصے نہیں۔ مگر یہ حصے بھی مسلّم ہے کہ اونھیں تمدن اور تہذیب کے علاقوں کے زیر اثر آچکے تھے جس کا باعث آمد و رفت اور کاروبار کے باہمی تعلقات ثابت ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ایک حد تک

اُن میں بھی تہذیب و تمدن ضرور موجود تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد بھی۔ فرزندان اسماعیل کے وقت میں فتوحات و ملک داری کے ابواب کھُل گئے۔ اور مصاص و قیدار ابنائے اسمٰعیلؑ کی نمود اریوں نے تمام عرب میں سلسلہ ابراہیمی اور نسل اسماعیلی کی تہذیب و تمدن کے کمال کا ڈنکا بجا دیا۔ جیسا کہ بہت جلد ہمارے آیندہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ اس بنا پر شبلی صاحب کی اس تجویز و قیاس سے کہ عرب میں چند مقامات کے علاوہ کہیں تمدن و تہذیب کا نام بھی نہیں تھا۔ تاریخ ملکی و قومی سے اون کی بے خبری اور عدم واقفیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اونکا قیاس کہ زبان عرب میں چند الفاظ خاص نہیں اسلئے اونکے ملک میں نہ تمدن تھا نہ تہذیب۔ دُور از قیاس سمجھا جائیگا۔

اگر تھوڑی دیر تک شبلی صاحب کے اس قیاس اور حُسن ظن کو ہم مان بھی لیں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ الفاظ عرب کے اون مقامات میں بھی تو مستعمل نہیں تھے۔ جہاں آپ کے اقرار و اعتراف کے مطابق تہذیب و تمدن پورے کمال تک پہونچا ہوا تھا۔ یعنی قریب شام و ایران رہنے والے عرب بھی تو چراغ کو سراج وغیرہ بولتے تھے۔ تو اس بنا پر آپ کو اون کے تمدن و تہذیب سے بھی انکار کرنا پڑیگا۔ کیونکہ اس عبارت تصدیقی سے کہ معرب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے۔ تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کیلئے کہاں سے لفظ آتے۔" آپکی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ الفاظ تمدن رکھنے پر کسی ملک و قوم کے حصول تمدن کے اصول قایم ہوتے ہیں۔ اور جب یہی اصول آپ کے مسلمہ ہیں۔ تو دُور دُور والے عربوں کو تو ابھی دور رکھئے۔ آپ کے تسلیم کردہ متمدن عرب شام و یمن بھی اس اصول سے بالکل غیر مہذب اور غیر متمدن ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی چراغ کو سراج۔ کاسہ کو کاس۔ شلوار کو سروال وغیر امثالہا کہتے تھے۔ اور اگر آپکی تحقیق میں اونکی زبان میں انکے لئے دوسرے الفاظ تھے تو تاریخ و لغت کی کتابوں سے حوالہ دیجئے۔

علامہ فیروز آبادی کی قاموس اللغات۔ عربی کی تمام کتب لغت میں نہایت مشہور و معروف ہے۔ اُس کے صفحہ ۹۴۳ (مطبوعہ کلکتہ) میں لکھا ہے السراج م (معروف) والشمس وعَلَم۔ اسکے لغوی معنی آفتاب کے ہوئے۔ لفظ معروف ہے۔ اور اسم عَلَم ہے۔ شمس العلما صاحب اب خود بتلائیں کہ آپ کا یہ قیاس کسقدر مضحکہ انگیز ہے۔ عربی لغت سے تو اسکے اصل زبان کا لفظ معروف (جس کو ہر شخص بلا تامل و تکلف جانتا ہی) ہونا۔ اور اصول قواعد کے روسے اسم عَلَم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر آپ خواہ مخواہ اسے فارسی کے لفظ چراغ کا معرب بتلاتے ہیں۔ شاید قاموس میں لفظ سراج کے آگے م لکھا ہوا دیکھکر تو اسکے معرب ہونیکا وہم آپکو پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی اصلاح کیلئے قاموس کا مقدمہ پڑھا جاوے اور دیکھ لیا جاوے کہ حرف (م) معروف کی علامت قرار دی گئی ہے یا لفظ معرب کی۔ فاضل فیروز آبادی مقدمہ قاموس کے صفحہ ۴ میں

(مطبوعہ کلکتہ) ان علامات حرفیہ کی تفصیل و توضیح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

وما سوى ذلك فاقيّده بصريح الكلام غير مقتنع بتوشية القلم مكتفيا بكتابة ع د ة ج م عن قولي موضع وبلدة وقرية والجمع و معروف فتلخص

اس کے ماسوا میں نے تصریح کلام کو پیش نظر رکھ کر قلمی تحریر کی ضرورت پر قناعت کرکے اپنے اقوال میں حروف ع د ة ج اور میم کی صرف اشارہ و کتابت پر کفایت کی ہے (اس لئے ع سے) موضع (د سے) بلدہ (ة سے) قریہ (ج سے) جمع اور (میم سے) معروف میرے اقوال میں مراد ملحوظہ ہیں۔

افسوس ہے کہ شمس العلما کے ایسا مشہور عالم اور محقق ایسے لفظ معروف کی حقیقت سے بھی واقف نہو۔ اور ادب و لغت کی کتابوں کے خلاف اپنے وہم و قیاس سے کام لے۔

ہم کہتے ہیں کہ الفاظ کی کمی و زیادتی کو کسی ملک و قوم میں تمدن و تہذیب کے ہونے یا نہونے سے واسطہ نہیں ہے۔ لٹریچر اور کمال زباندانی کی تاریخ اور تمام اخبار و آثار ادبیات بتلا رہے ہیں کہ زبان کی ترقی۔ درستی وسعت اور ترکیب کے مختلف ذریعے ہوتے ہیں۔ انہیں ذریعوں میں سے کسی زبان خاص کا غلبہ و استیلاء پاجانا بھی ایک بہت بڑا قوی سبب ہوتا ہے اور یہی وجہ اس غالب زبان کو، مغلوب زبانوں میں داخل ہو جانے کی بھی ہوتی ہے۔ انکے علاوہ۔ دو مختلف ملک و قوم کے ساتھ تعلقات۔ کاروبار اور سلسلہ آمد و رفت بھی اسکا باعث ہوتا ہے۔ ان تمام ذریعوں کو تاریخی واقعات کے علاوہ روز مرہ کے مشاہدات بھی ثابت کر رہے ہیں۔ مثال کے لئے دیکھا جاوے ممالک مشرقیہ میں زبان سنسکرت تمام زبانوں پر غالب تھی اس کے بولنے والے (آرین) دور دراز ملکوں میں اپنے فتوحات۔ کاروبار اور آمد و رفت کے مختلف ذرائع رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ زبان قریب قریب تمام اقطاع عالم کی زبانوں میں مل جل گئی تھی۔ یہاں تک یوروپین زبانوں میں بھی خلط ملط ہو گئی۔ اور ایسی کہ آجتک لاٹن۔ گریک اور جرمن زبانوں میں اس کے صدہا الفاظ زبان زد خاص و عام ہیں اور اپنی مادی۔ غیر مادی۔ اصلی اور مصنوعی ترکیبوں اور تلفظ کی مختلف صورتوں میں بولے جاتے ہیں اور جن کے لئے آجتک علماء یورپ نے اپنی زبان میں مترادف الفاظ موضوع نہیں کئے ہیں۔ تو کیا اس باعث سے انکی مشہور و معروف تہذیب و تمدن سے بھی انکار کیا جائیگا۔

اسی طرح آجکل یوروپین زبانیں تمام دنیا کی زبانوں میں داخل ہیں اور قریب قریب دنیا کے تمام ملکوں میں بولی جاتی ہیں۔ یہ کیوں ؟۔ اسوجہ سے کہ اول تو یورپ والوں کو فی زمانناً بمقابلہ دیگر ممالک و اقوام کے ملک داری میں غلبہ حاصل ہے دوم انکو دنیا کی تمام قوم و ملک کے ساتھ کاروبار اور آمد و رفت کے ذریعہ سے پورا تعلق حاصل ہے۔ یہی دو اصلی اور قوی ذریعہ ہیں جن کے سبب سے یوروپین زبانیں دوسری

زبانوں میں مل جل گئی ہیں۔ اس وجہ سے دوسری زبانوں کی تنگی اور نا قابلیت کے معنی لگانا بالکل مہمل ہے
پھر زبان عربی پر خاصکر مولوی شبلی کا یہ الزام لگانا تو اور بھی لغو ہے۔ جو اپنی کتاب کے آغاز میں تمدن
عرب کے متعلق زبان عرب کی خوبیوں کو بمقابلہ اور السنہ متداولہ کے تسلیم فرما چکے ہیں۔ ہم تھوڑی دیر کے
لئے۔ مولوی صاحب کے کمی الفاظ والے استدلال قیاسی کو مان بھی لیں تو پھر ہم عرض کرینگے کہ زمانہ موجودہ
میں تو فی الحال عرب اور اہل عرب کی تہذیب۔ اونکا تمدن۔ قدیم زمانہ سے کہیں زیادہ ہے اور ترقی یافتہ۔
پھر کیا وجہ ہے کہ ٹیلیگراف۔ پوسٹ اور کالسکہ وغیرہ وغیرہ غیر زبانوں کے الفاظ کیلئے آجتک اپنی
زبان کے خاص الفاظ نہ پیدا کئے گئے۔ بلکہ تیلیغراف۔ البوستہ۔ اور الکالسکہ محض تھوڑے سے تغیر
کے ساتھ۔ ویسے ہی الفاظ قائم رکھے گئے۔ دو ہزار برس پہلے عرب میں تہذیب و تمدن نہیں تھا۔ الفاظ کی
بھی کمی تھی۔ اب تو خدا کے فضل سے کسی کی بھی کمی نہیں۔ پھر الفاظ کی کمی کیوں ہے۔ کیا مولوی صاحب
سلطان حسین کے شاہ حجاز تسلیم کر لئے جانے کے واقعات کے بعد بھی عرب اور اہل عرب کو غیر مہذب اور
غیر متمدن قوم کہنے کی جرات کرینگے۔

عرب سے قطع نظر فرما کر ٹرکی کیطرف جو فی الحال اسلامی دار المعارف قیاس کیا جاتا ہے۔ توجہ کی جائے۔
تو عرب سے زیادہ یہاں کی ملکی زبان میں یورپ کی مختلف زبانیں جرمنی۔ فرنچ۔ انگریزی۔ یونانی۔ بلغاری
اور رومانی مخلوط پائی جائینگی۔ اسکے ثبوت کیلئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ شبلی صاحب نے اپنی
کتاب کے آخر میں جو ملک عرب کا نقشہ لگا کر لگایا ہے۔ وہ حکومت عثمانیہ کے دفتر نظامیہ سے۔ غالباً سفر
قسطنطنیہ کے دوران میں مولف کو ملا ہے۔ اوس میں تمام مقامات کے ناموں کے وہی تلفظ ہیں جو یورپین
زبانوں سے اونکے لئے نکلے ہیں۔ بلکہ اکثر مقامات کے قدیم نام جو سابق میں مشہور تھے۔ اون کی جگہ بھی
اب وہی نام جو یوروپ والوں نے رکھ لئے ہیں مندرج کئے گئے ہیں۔

ٹرکی سے ایران میں آئیے۔ تو یہاں آش درکاسہ۔ اللہ اللہ کبھی اسکے عروج و اقتدار کا وہ زمانہ تھا
کہ عراق۔ ماوراء النہر۔ اور وسط ایشیا سے لیکر کابل و ہندوستان تک۔ اور پھر ہندوستان سے لیکر جزائر
بحر ہند۔ جاوا اور سماٹرا تک۔ فارسی ہی فارسی تھی اور آج اسکے زوال و ادبار کی یہ عبرتناک صورت ہو رہی
ہے کہ دیگر ممالک کا کیا ذکر۔ خاص ایران اور تمام علاقہ فارس کی زبان میں نصف سے زیادہ ترکی اور روسی
الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔

سو کیا شبلی صاحب۔ ترکی اور ایران میں غیر زبانوں کے مخلوط ہو جانے کو انکے بھی اونکے تمدن اور تہذیب
کی کمی پر محمول فرمائینگے۔ شبلی صاحب۔ یہ اون زبانوں کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ آپکی کوتہ فہمی۔

کعبہ معظمہ بالتحقیق بیت العتیق ہے

اسلام کی کوئی ادا نہ یہودیوں کو پسند ہے نہ عیسائیوں کو یہودیوں کو تو اون کی کمزوری اور زمانہ کی پامالی گلو گیر ہو رہی ہے۔ مگر عیسائیوں کا عروج ہے اور اقتدار۔ وہ کیوں چپ رہیں۔ قرآن مجید نے کعبہ کو بیت العتیق بتلایا ہے۔ دونوں اعتبار سے کہ اس میں جس نے پناہ لی وہ مامون و محفوظ ہو گیا اور نیز اسوجہ سے کہ خدا کا سب سے پہلا گھر دنیا میں یہی بنایا گیا۔ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا۔ پہلا گھر جو بندوں کی عبادت خدا کرنے کیلئے مکہ مبارکہ میں بنایا گیا

حالانکہ نزول قرآن سے پہلے کی رومی اور یونانی تالیفات و تصنیفات اسکی قدامت کی تصدیق کر چکی ہیں اور اون کی تصدیقی عبارتوں کو ایک بار نہیں ہزار بار یہ حضرات برآۃ العین مشاہدہ بھی فرما چکے ہیں۔ مگر تاہم اس مغویانہ اور متعصبانہ کوششوں میں کہ اوس کی قدامت کسی طرح بیت المقدس سے زیادہ قدیم نہ ثابت ہونے پائے۔ وہ طرح طرح کی بے اصل تاویلیں اور لغو دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں۔ صاحب ارض القرآن مسٹر ڈوزی (MR DOZE) کے ایسے فاضل مستشرق اور محقق جو جرمن پروفیسر ہیں جامع علوم و فنون مانا جاتا ہے۔ ایک عجیب و غریب اور مضحکہ انگیز رائے جو اوس نے کعبہ کے متعلق تحریر کی ہے۔ نقل فرما کر نہایت متانت اور سنجیدگی سے اوسکی غلط فہمی کی ترمیم و تصحیح فرماتے ہیں اونکی عبارت حسب ذیل ہے۔

مسٹر ڈوزی جو عربی کا بہت بڑا عالم جرمنی میں گذرا ہے اوس نے کتاب بنی اسرائیل کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بنی اسرائیل شام سے بھاگ کر حجاز کے شہر میں آکر آباد ہو گئے تھے اور کعبہ انہیں کا بنایا ہوا معبد ہے جس کو اونھوں نے ہبل (بعل) دیوتا کے نام سے جس کو وہ اکثر گمراہی کے زمانہ میں پوجا کرتے تھے تعمیر کیا تھا۔

عربوں میں اسی دیوتا کا نام ہبل مشہور تھا۔ اور جو محمد کے زمانہ تک خانہ کعبہ میں نصب تھا۔

پروفیسر ڈوزی کی تاریخ مسلمانان اسپین کا مقدمہ۔ ترجمہ انگریزی

صاحب ارض القرآن کی رائے۔

پروفیسر موصوف کے اس نظریہ سے گو جرمنی کے اکثر یہودی علما میں برافروختگی پیدا ہو گئی ہے لیکن ہم مسلمانوں کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس رائے میں صرف جزئی ترمیم چاہتے ہیں۔ کہ یہ بنی اسرائیل نہیں۔ بلکہ اسرائیل کے عمزاد بھائی بنی اسمٰعیل آکر آباد ہوئے تھے۔ اس گھر کو اسرائیل نے نہیں بلکہ اون کے دادا ابراہیم نے تعمیر کیا تھا وہ ہبل کے نام سے نہیں بلکہ خدائے عزوجل کے نام سے

بنایا گیا تھا۔ ارض القرآن جلد دوم ص ۲۰۰

افسوس ہے کہ پروفیسر ڈوزی کے تبحر علمی کی یہ شہرت اور اون کی تاریخی واقفیت کی یہ حقیقت کہ آجتک پروفیسر صاحب کو مکہ اور مدینہ کا فرق و امتیاز بہی معلوم نہیں۔ عدم واقفیت کی یہ صورت ہے کہ پروفیسر صاحب اتنا نہیں جانتے کہ گریختگان بیت المقدس حملات بخت نصر سے عاجز آکر یثرب (مدینہ میں) پناہ گزین ہوئے تھے یا مکہ میں اقامت گزیں۔ نہیں معلوم کہ پروفیسر صاحب کی دنیا سے یہ نرالی ترکیب کی تحقیق کہ کعبہ اونہیں کا بنایا ہوا معبد ہے۔ کس تاریخ سے ماخوذ ہے۔ اگر سچے ہوتے تو پروفیسر صاحب اپنی تحقیق کی سند پیش کرتے۔ مگر اونھوں نے کوئی سند پیش نہیں کی اسلیئے یہ اون کی ایک متعصبانہ اور محض مکرانہ تحریر ہے جس پر نہ کوئی توجہ کی جاسکتی ہے اور نہ اوس کا کوئی اثر ہوسکتا ہے۔ مسلمان تو بحمد للہ اس سے کسی طرح متنبہ ہوہی نہیں سکتے۔ پروفیسر صاحب کے خلاف امید۔ یہود ان جرمن بہی جیسا کہ صاحب ارض القرآن کا بیان ہے۔ ان کی اس انوکھی تحقیق سے بیحد خفا ہوکر انکی مخالفت پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنی دانست میں تو کی اون کی خیر خواہی۔ مگر وہ۔ افسوس۔ اولٹکر بدخواہی ثابت ہوگئی۔ پروفیسر صاحب سمجھ لیں کہ یہ جھوٹ بولنے کا نتیجہ ہے۔

ایسی ہی سر ولیم میور صاحب کو بہی اولٹی سوجھی تہی۔ سر سید مرحوم نے اونکی بہی اصلاح کردی خطبات احمدیہ کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

ملکی اور مذہبی روایتوں کے سوا غیر مذہب مورخوں کی تحقیقات سے بہی کعبہ کا نہایت قدیم زمانہ سے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر گبن (MR. GIBBON) جیسا کہ وہ نہایت مشہور مورخ ہے ویسا ہی نہایت بڑا عالم اور فلسفی ہے۔ اوس نے اپنی تاریخ میں کعبہ کے ذکر میں بیان کیا ہی کعبہ کی صحیح قدامت سنہ عیسوی سے پہلے کی ہے۔ ساحل بحر احمر کے ذکر میں ڈایوڈروس (DIEDRAIUS) یونانی مورخ نے تھیموبٹ (ثمود) اور سبین (ضیا بین) کے بیان میں ایک مشہور و معروف معبد (یعنی کعبہ) کا ذکر کیا ہے جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے" (قدامۃ الیہود)

اگر ڈایوڈورس کے زمانہ میں (یہ یونانی مورخ بہت قدیم ہے) کعبہ ایک مشہور و معروف معبد تھا جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام عرب تعظیم کرتے تھے۔ تو ہمکو اس کی اصلیت کو در حقیقت ایک نہایت ہی قدیم زمانہ (ابراہیم کے زمانہ) سے منسوب کرنا چاہیئے۔

سر ولیم میور صاحب (SIR W. MUIR.) اس پر ایک معترضانہ تقریر لکھتے ہیں کہ جو کچھ ڈایوڈورس نے لکھا ہے۔ اوس سے عرب کی اس روایت کی صحت پر کہ کعبہ اور اوسکے تمام مراسم

کی ابتدا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے ہے۔ کیونکر قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب کی یہ روایت مسلمانوں کی بنائی ہوئی نہ تھی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے بہت پہلے اہل مکہ کی عام رائے تھی۔ ورنہ قرآن میں بطور ایک حقیقت مسلمہ کے اسکا ذکر نہ ہوتا اور نہ بعض مقامات کے نام جو تمام کعبہ کے گرد و نواح میں ابراہیم و اسمٰعیلؑ سے متعلق کئے جاتے جیسا کہ وہ متعلق کئے گئے ہیں (میورس لائف آف محمدؐ)

مگر ہم (مولف خطبات احمدیہ) سمجھتے ہیں کہ سر ولیم میور نے بلاشبہ یہاں غلطی کی ہے۔ جو کچھ ڈاکٹر ڈوزی نے لکھا ہے اوس سے عرب کی اوس قدیم روایت کی صحت کا ثبوت ہوتا ہے اس بات سے کہ مذہب اسلام سے پیشتر اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ کعبہ کو اور اون تمام مراسم کو جو کعبہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ابراہیمؑ سے تعلق ہے۔ اوس کی صحت اور اصلیت نہایت مضبوطی سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ اہل عرب نے اور نیز جرہم اور عرب کی تمام مختلف قوموں نے اسکو ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے منسوب کیا تھا۔ عرب ایک بت پرست قوم تھی۔ اور ابراہیم بت شکنی میں ایک مشہور شخص تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ تمام عرب کی قومیں ابراہیم و اسماعیلؑ سے نفرت کرتیں اور کبھی اپنے معبد کو ابراہیم یا اسماعیلؑ سے منسوب نہ کرتیں۔ باوجود اس مغائرت اور منافرت کے تمام عرب کی قوموں کا اس بات کو تسلیم کر لینا کہ کعبہ اور اُسکے تمام مراسم کو ابراہیم و اسماعیلؑ سے تعلق ہے۔ علانیہ اوسکی صحت و اصلیت کی دلیل ہے نہ اوسکے برخلاف۔ جیسا کہ سر ولیم میور نے تصور کیا ہے۔ اس روایت کا اسلام کے زمانہ سے پیشتر بطور حقیقت مسلمہ کے تسلیم ہوتا چلا آنا ہمارے لئے دلیل ہے نہ ہمارے مخالف کیلئے خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص (۵۰۷)

حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ ابن حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہؑ

جناب اسمٰعیل حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے صاحبزادے اور اولاد اکبر تھے۔ بڑی دعاؤں اور تمناؤں والے تھے۔ حضرت ابراہیم کے ذکر میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کہ ایک مدت مدید تک حضرت سارہ کے بطن سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس محرومی سے دونوں بزرگوار از حد ملول رہتے تھے۔ اور اس نعمت کے حصول کیلئے ہمیشہ بارگاہ رب العزت میں دست بدعا رہتے تھے۔ چونکہ ظہور حکم قدرت اور صدور امور مشیت کیلئے خاص وقت مقرر ہوتے ہیں اسلئے ان حضرات کی اجابت دعا اور حصول تمنا میں تاخیر تھی۔ اسی عالم میں سارا کو حصول اولاد کیطرف سے ایسی مایوسی ہوگئی کہ آخر کار اونہوں نے حضرت ابراہیم کو اونکے کمال محبت و الفت کے تقاضہ سے۔ جناب ہاجرہؑ کے ساتھ مزاوجت فرمانے کی اجازت دیدی۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ سارا کی یہ اجازت۔ خلاف فطرت نسوانی۔ بہت بڑا ایثار تھی۔ اجازت دینے کے وقت سارا کا ابراہیمؑ سے یہ کہنا شاید

مجھ سے نہیں۔ انہیں (ہاجرہ ؑ) سے خدائے سبحانہ تعالیٰ تمہاری نسل کو جاری اور قائم فرمائے۔ اپنی طرف سے بکمال مایوسی اور حضرت ابراہیم کی طرف سے اونکے بدرجۂ مفرط درجہ کے اخلاص و محبت ثابت کرتا ہے۔

حضرت ہاجرہ شرف مزاوجت پر فائز ہوئیں اور حضرت اسمٰعیل اونکے بطن سے پیدا ہوئے حضرت اسمٰعیل ؑ نام رکھا گیا

اسماعیل کی وجہ تسمیہ اسماعیل کی وجہ تسمیہ کے متعلق عربی مورخین اور عموماً تمام مستشرقین یوروپ متفق ہیں کہ اسمٰعیل ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ توراۃ۔ سفر تکوین آیت ۱۶ و ۱۸ میں ہے۔

اسحاق خدا کے وعدے اور عہد کا مظہر ہے اور اسماعیل ابراہیم کی دعا کا۔ یعنی باپ کی دعا سے پیدا ہوئے۔

اس بنا پر اسمٰعیل نام ہوا۔ جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی سننے کے ہیں۔ اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی ابراہیم کی دعا خدا نے سن لی

اسمٰعیل ؑ کے متعلق توراۃ کی متواتر بشارتیں توریت کتاب اول از آیت ۲۰ تا ۲۵ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کی نسبت مفصلہ ذیل بشارتیں مندرج ہیں۔

خدا نے ابراہیم ؑ سے کہا کہ اسمٰعیل کے بارے میں۔ میں نے تیری دعا سن لی۔ ہاں میں نے اوسے برکت دی اور اوسے بارآور کیا اور اوسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ سردار (امام) پیدا ہونگے اور میں اوسکو ایک بڑی قوم کرونگا۔

مندرجہ بالا توراۃ کی عبارت و الفاظ الہامی سے۔ جناب اسمٰعیل کی ولادت بشارت الٰہی کے متعلق ہونا۔ پورے طور سے ثابت ہوگیا۔ اور آپ کا پاکیزہ وجود۔ پاکیزہ خلقت کی عظمت اور قدر و منزلت کما حقہٗ ظاہر ہوگئی۔ اور پھر ایسے صحیح اسناد اور قوی شہادت کے طریقے سے کہ عرب کے مورخین کا کوئی قول یا اون کی کوئی قومی روایت اسکے متعلق نہیں لکھی گئی ہے۔ جو کچھ ہے وہ توراۃ کے مقدس الفاظ و عبارت سے۔ ہم اسی سلسلہ میں توراۃ سے ایک دوسری بشارت بھی نقل کرتے ہیں۔ کتاب اول (تکوین) آیت ۱۲۔ ۱۳ و ۲۰ میں ہے۔

ابراہیم سے خدا نے کہا کہ تیری نظروں میں برا نہ معلوم ہو۔ اس لڑکے اور اس لونڈی کی وجہ سے۔ جو کچھ تجھے سارا کہتی ہے اسکی بات مان لے۔ کیونکہ اسحاق سے تیری نسل کہلائے گی۔ اور اس لونڈی کے لڑکے کو بھی میں ایک قوم کرونگا کیونکہ وہ بھی تیری نسل ہے۔

اسحٰق کی اسمٰعیل پر ترجیح کا غلط مسئلہ یہود تو یہود - عیسائی بھی اونکے دیکھا دیکھی اور کچھ اپنی حسد و لغضِ شیتی اور مخالفت اسلام کے باعث سے بھی ایسی صاف اور روشن بشارتوں کی موجودگی میں بھی - کہتے ہیں کہ خدا نے اسمٰعیلؑ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اوسکی اولاد میں بارہ سردار ہونگے چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا بارہ سرداروں کے تھے - پیدا ہوئے - اور جس برکت دینے کا وعدہ اسمٰعیلؑ سے کیا گیا تھا وہ دنیاوی برکت تھی - روحانی برکت نہیں مراد تھی - مگر یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں -

ہر ایک منصف مزاج ان آیتوں کو پڑھکر معلوم کریگا کہ ان میں جدا جدا تین لفظ استعمال ہوئے ہیں - اول یہ کہ میں نے اسکو برکت دی دوم یہ کہ میں نے اوسے بارآور کیا اور بہت کچھ فضیلت دی - سوم یہ کہ میں اوسکو بڑی قوم کرونگا - اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان آیتوں میں جدا جدا تین لفظوں اور فقروں کے ایک ہی معنی ہیں ؟ یعنی اولاد کا زیادہ ہونا - اب مساوات کی حقیقت ملاحظہ ہو -

حضرت اسحاق جب بیرشبع پر پہونچتے ہیں تو خواب میں خدا اونسے فرماتا ہے -

اے اسحاق - میں تیرے باپ کا خدا ہوں - تو مت ڈر میں تیرے ساتھ ہوں - میں تجھکو برکت دونگا اور اپنے بندے ابراہیم کے سبب سے تیری نسل کو بہت کرونگا - توراۃ تکوین ۲۶ - ۲۴ -

جس مضمون کا وعدہ حضرت اسمٰعیل سے کیا گیا اور جو لفظ برکت کا اسمٰعیل کے وعدے میں استعمال کیا گیا - اوسی مضمون کا وعدہ اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدے میں بھی کہا گیا - پھر یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسمٰعیلؑ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی تھا اور اسحاق سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ روحانی تھا -

اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کیا وعدہ کیا تھا - توراۃ میں ہے -

جب ابراہیم کنعان میں پہونچے تو خدا نے اونسے کہا کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے - میں تیری اولاد کو دونگا (تکوین باب ۱۲ آیت ۷)

پھر جب حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ سے جدا ہوئے تو پھر خدا نے ابراہیم سے کہا کہ :-

اے ابراہیم آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہ زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا اور تیری اولاد کو زمین کی ریت کے مانند کرونگا - جو کوئی ریت کو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکے گا -

(تکوین باب ۱۵ آیت ۵)

پھر خدا نے ایکبار ابراہیم سے کہا :-

خدا نے ابراہیم سے پختہ وعدہ کیا کہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے تارے۔ جنکو کوئی گن نہیں سکتا

(تکوین باب ۱۳-۱۴-۱۵-۲۰)

پھر خدا نے ابراہیم سے ارشاد کیا :-

خدا نے ابراہیم سے وعدہ کیا کہ یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دوں گا۔

(تکوین باب ۱۵/۱۸)

جب ابراہیم ننانوے (۹۹) برس کے ہوگئے، تو خدا نے اون سے کہا :-

مجھمیں اور تجھ میں وعدہ ہوتا ہے کہ میں تجھ کو زیادہ سے زیادہ کروں گا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا۔ تجھ سے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھ سے بادشاہ نکلیں گے۔ اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد ہوگا۔ اور کنعان کی زمین تو تجھے وراثت دائمی میں دوں گا۔ (تکوین باب ۱۷ آیت ۱-۲-۳-۴-۵-۰۰۰-۷-۸)

یہ تو وہ وعدے تھے۔ جو خدا نے ابراہیم سے کئے تھے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا نے اسحاقؑ و یعقوبؑ سے کیا کیا وعدے کئے تھے۔

معراج یعقوبؑ کے ذکر میں توراۃ کا بیان ہے :-

جب یعقوب بیر شبع سے حاران کیطرف روانہ ہوئے تو ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھکر سو گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی آسمان تک لگی ہوئی ہے اور خدا کے فرشتے اوسپر چڑھتے اوترتے ہیں۔ اُس (سیڑھی) پر خدا نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم و اسحاق کا خدا ہوں۔ یہ زمین جس پر تو سوتا ہے تجھ کو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیلے گی۔ (تکوین باب ۲۸، آیت ۱۲-۱۳-۱۴)

زبور داؤدی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا نے ابراہیم سے جو وعدہ اور عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قائم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا وعدہ تھا۔ چنانچہ زبور میں خدا کا کلام اسطرح لکھا ہے :-

جو عہد میں نے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اوسکی قسم کھائی اور یعقوب کے ساتھ بمنزلہ قانون مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھے دیتا ہوں۔ تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو

(زبور آیات ۱-۵-۹-۱۰-۱۱)

اب دیکھنا چاہیئے کہ اسی وعدہ کا پورا کرنا خدا نے بتلایا تھا۔ اسکی نسبت توراۃ میں لکھا ہے۔

جب حضرت موسیٰ موآب کے جنگل میں۔ بنو پہاڑ پر چڑھے۔ جو یریحو کے سامنے ہے۔ تو خدا نے موسیٰ سے کہا کہ یہ وہ زمین ہے جس کی نسبت میں نے بقسمیہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے وعدہ

کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دونگا میں یہ زمین میں تجھے آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں۔ مگر تو وہاں نہیں جانے گا۔ (کتاب پنجم باب ۳۴)

الغرض۔ یہ تمام وعدہ جو خدا نے ابراہیم۔ اسحاق۔ اور یعقوب سے کئے تھے۔ ہم نے منتخب کر کے ہر منصف مزاج پڑھنے والے کے سامنے رکھدئے ہیں۔ اب اسکے بعد ہم دو سوال کرتے ہیں۔

اول یہ کہ جو وعدے خدا نے ابراہیمؑ کی اولاد کے لئے کئے ہیں۔ وہ وعدے اسماعیل اور اسحاق دونوں کے حق میں کیوں نہیں سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ خود خدا نے ہی کہا ہے کہ اسماعیل بھی ابراہیم کی اولاد سے ہے۔ جیسا کہ تکوین باب ۲۱ میں مذکور ہے۔ اور بہت بڑی دلیل مشترک ہونے کی یہ ہے کہ بشارت کے تمام الفاظ عموماً اولاد کا لفظ خاص بتلاتے ہیں جس سے اسحاق و اسماعیل بدرجہ اولیٰ اور تمام اولاد ابراہیمی بمرتبہ اُخری مشترک اور مشتمل سمجھی جائے گی۔ اِن بشارتوں سے خاص اولاد اسحاق بتلانے والوں کو لازم ہے کہ اپنی اس تخصیص کے لئے وہ مرقومہ بالا عبارات توراۃ میں پہلے خاص اسحاق یا آل اسحاق کا نام لکھا ہوا ثابت کریں۔ بغیر اسکے وہ ہرگز تخصیص ثابت نہیں کر سکیں گے۔ ہمیشہ اس سے تعمیم ہی مراد ہوگی جو عین مدعائے الہام ہے۔

دوم یہ کہ جو وعدہ خدا نے اسحاق و یعقوب سے کیا تھا۔ یعنی ملک کنعان کا دینا اور اولاد کا زیادہ کرنا۔ ان میں وہ کیا ایسی چیز ہے جس سے یہ روحانی قسم کا وعدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو وعدہ اسمٰعیل کی نسبت کیا گیا ہے اُس میں کس چیز کی کمی ہے جس سے وہ دنیاوی سمجھا جاوے۔

جو لوگ انصاف سے اِن باتوں پر نظر کرتے ہیں وہ بہ یقین جانتے ہیں کہ خدا نے اسحاق سے بھی برکت کا وعدہ کیا۔ اون کی اولاد میں انبیا پیدا ہوئے۔ ملک فتح کئے۔ کنعان بھی فتح کیا۔ اسی طرح اسمٰعیل کی اولاد میں بھی جیسا کہ خدا نے اون سے بھی برکت کا وعدہ کیا تھا۔ پہلے شعیبؑ پھر ایوبؑ اور سب سے آخر پیغمبر آخر الزماں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پیدا ہوئے تمام دنیا اوس کی برکت سے بھر گئی۔ اسمٰعیل کی اولاد نے بھی ملک فتح کئے۔ کنعان کو جو غیر خدا پرستوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ پھر فتح کیا اور پھر ابراہیمؑ ہی کی نسل میں اوس ورثہ کو لے آئے۔ اور جب تک خدا کی مرضی ہے وہ ابراہیم کا ورثہ اونکے حصہ میں رہیگا۔ اگرچہ بقا سے اصلی صرف خدا ہی کی ذات کو ہے اِنَّا کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْهَ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

یہ بحث ہم نے مرحوم ڈاکٹر سر سید کی خطبات احمدیہ سے نقل کی ہے۔ سر سید کے اس اختیار سے مجھے وہیں تک اتفاق ہے جہاں تک لائق مصنف نے حضرت اسحاق و اسمٰعیل کی روحانی عظمت و اقتدار اور ذاتی شرف و افتخار میں باہمی مساوات ثابت کی ہے اور مخالفین اسلام کی اون تاویلات مہملہ اور توہمات باطلہ کی

تردید فرمائی ہے۔ جو اپنے تعصب مذہبی اور نفسانیت ذاتی کی بنا پر خواہ مخواہ حضرت اسحاق کو جناب اسمٰعیل پر ترجیح دئے جانے کیلئے مٹے جاتے ہیں۔ ہاں مجھ کو سید صاحب کے موجودہ مختارہیں اُن مطالب مقاصد سے ہرگز اتفاق نہیں ہوسکتا جنکو اونھوں نے اپنی تحقیق کی کمی محققین یورپ کی بیجا تقلید اور بے ضرورت عقیدت کیوجہ سے تحریر فرمائے ہیں۔ جن کی تنقید و تصحیح بہت جلد ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگی۔

مرحوم سید صاحب مخالفین اسلام کو اتنا بتلانا ضرور بھول فرما گئے ہیں کہ شواہد مرقومہ بالا کچھ احکام ربانی اور الہام یزدانی ہونے کا تنہا شرف نہیں رکھتے۔ بلکہ اوسوقت سے لیکر اس وقت تک تاریخی واقعات میں داخل ہوگئے ہیں۔ اور وہ اسطرح کہ فی الحال اولاد اسحاق و اسماعیل سے کرہ زمین کا کوئی حصہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں بتلایا جاسکتا۔ اور اون کی لاتعداد کثرت اولاد میں شمار کرکے کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اسحاق کی اولاد زیادہ ہے یا اسماعیل کی۔ تو پھر اسماعیل کی اولاد اسحاق کی اولاد کے مقابلہ میں کیسے کم سمجھی جائیگی۔ اور پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسحاق کے ساتھ جو عمدہ برکت تھا وہ روحانی تھا اور جو اسماعیل کے ساتھ تھا وہ دنیاوی تھا۔

توراۃ کی مذکورہ بالا بشارتیں۔ جو حضرت ابراہیم اور اونکے صاحبزادوں کے متعلق ابواب و اسفار کے آیات میں متواتر مرقوم ہیں۔ صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ باعتبار ذاتی اقتدار و عظمت اور افتخار منزلت۔ اسحاق و اسمٰعیل دونوں حضرات مساوی فی الدرجات ہیں۔ اور ایسے کہ ایک چنے کی دو دال۔

حضرت اسمٰعیل کی پرورش

یہاں تک ہم اوپر لکھہ کر بتلا آئے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل جناب ابراہیم کی خاص دعا سے پیدا ہوئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اور بالکل اصول فطرت کے مطابق کہ جس ماں باپ کے ہاں ایسا ارمانوں والا بچہ ہوگا وہ اونکو کتنا عزیز ہوگا۔ اور پھر وہ بچہ بھی کیسا۔ جس کی عظمت اور فضیلت کی خبر بشارت خداوندی پہلے سے دے چکی ہو جس کی مقدس نسل سے بارہ سردار (امام) پیدا ہونے والے ہوں جس کی مبارک صلب سے عظیم ترین قوم وجود میں آنیوالی ہو جس کی نسل اولاد ارض اللہ کی وارث ہونے والی ہو۔ اور اقوام و ممالک مختلفہ پر حکمرانی کرنے والی ہو اور جہانبانی۔ جس کے اعقاب و اخلاف سے مشاہیر اور اکابر۔ علما و فضلا۔ صلحا اور عقلا وجود پذیر ہونے والے ہوں اور ان سب کے علاوہ۔ اُسی کی مقدس نسل اوسی کی مطہر صلب سے۔ رسالت کا خضر آخر۔ نبوت کا متمم۔ اور دعوت الٰہی کا خاتم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ظہور پذیر ہونیوالا ہو۔

حضرت ابراہیم خود اسکے برحق رسول تھے اور سچے پیغمبر۔ وہ اسماعیل اور اونکے اعقاب و اخلاف کے متعلق منجانب اللہ بشارت پاچکے تھے۔ ان تمام امور سے واقف ہوکر حضرت ابراہیم کے دل میں ایسے ذلیلہ

اور عالی منزلت صاحبزادے کی کیسی اور کتنی محبت ہوگی۔ اسکے بیان و اندازہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت اسماعیل سترہ برس تک اپنے والد بزرگوار کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ اور اپنی والدہ گرامی قدر کے آغوش مبارک میں آرام و آسایش ان کی خاطرداری اور نازبرداری کچھ ابراہیمؑ و ہاجرہ ہی تک موقوف نہیں تھیں بلکہ ولادت اسحاق کے پہلے حضرت سارہ کے اشفاق و توجہ بھی ایسی ہی تھی، مگر مشیت کو اسماعیل سے بڑے بڑے کام لینے تھے۔ اور اوسکے نامحدود نظام کو ان کے ذریعہ سے اوس قطعۂ زمین کی آبادی منظور تھی۔ جہاں انسانی بود و باش کا تصور بھی گویا اوسوقت محالات و ناممکنات سے تھا اس ضرورت سے۔ خدائے مقلب القلوب نے حضرت سارا کے دل میں ولادت اسحاقؑ کے بعد ہی اسماعیل کی طرف سے محبت کی جگہ نفرت پیدا کردی۔ اور اون کے خصائص ذاتی کو اوسوقت بالکل معمولی طبیعت کے انداز و پیمانہ پر معطوف فرما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا کہ حضرت ابراہیم کے حالات میں اوپر قلمبند ہو چکا ہے کہ بالآخر حضرت ابراہیم نے سارا کے اصرار پر اصرار اور خدا کے ارشاد و استرضا کے مطابق اسماعیلؑ اور اون کی ماں کو بادل گراں اور باچشم گریاں شہر کنعان سے مکہ معظمہ پہونچا دیا۔ مگر کس حال میں؟ حزن و ملال کے ایسے نامحدود اور غیر متحمل عالم میں کہ کسی طرح اپنی محترم بی بی اور مفتتم فرزند کی مفارقت کا صدمہ برداشت کے قابل نہیں تھا مگر رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ کے اصول مسلمہ پر قائم رہکر اون کی جانگزا مفارقت پر صبر کر لینا تھا چنانچہ آپ کے اس صبر و شکیبائی کی تصدیق توراۃ نے ان الفاظ میں فرمائی۔

سارہ کی یہ فرمایش۔ بی بی اور بچہ کی خاطر سے ابراہیم کو سخت ناگوار معلوم ہوئی اور خدا نے اوسی وقت یہکہ کر ابراہیم کی تسکین و تسلی فرمائی کہ سارا کا کہنا تمکو بی بی اور بچہ کی خاطر سے ناگوار نہونا چاہیئے۔

ذبیح اسماعیل کا واقعہ

مکہ میں سکونت فرما ہونیکے وقت سے لیکر واقعہ قربانی تک کے سارے واقعات پوری تفصیل سے جناب ابراہیم کے حالات میں اوپر درج ہو چکے ہیں۔ اون کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قربانی کا واقعہ جناب ابراہیم و اسماعیل کے زمانہ کا عظیم الشان واقعہ ہے اور ان دونوں حضرات کے کمال معارف اور انتہائے صبر و رضا کا عدیم النظیر کارنامہ جس کی تفصیل بھی تمہیداً عہد ابراہیمی میں اوپر بیان ہو چکی ہے مگر اوسکے متعلق ایک تحقیق تنقیح طلب ہے اور وہ میرے لئے نہایت ضروری ہے۔

قربانی کا مسئلہ قدیم سے اسلام اور غیر اسلامی مذاہب میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ یہود اور اونکی کورانہ تقلید اور مغویانہ تائید میں عیسائی اسحاق کو ذبیح قرار دیتے ہیں۔ اور اسلامی مورخین علی الاکثر اسماعیل کو مخالفین اسلام تو واقعہ ذبح کے متعلق اسماعیل کا تصریحاً و کنایتاً نام بھی نہیں لیتے۔ مگر اسلامی مورخین و محدثین

میں اسکی نسبت دو فرقے ہوگئے ہیں۔ ایک اسحاق کو ذبیح اللہ بتلاتا ہے دوسرا اسماعیل کو۔ ان باہمانہ اختلاف سے غیر اسلامی مورخین کے غلط استدلال میں قوت آگئی ہے۔

اسی وجہ سے ڈاکٹر سر سید احمد خاں حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ لکھتے ہی نہیں بلکہ ضرورت سے زاید مصر ہیں سید صاحب کے اس مختار پر جہاں تک نظر ڈالی گئی ہے اور غور کیا گیا ہے جس کو انہوں نے اپنے غلط اصرار کے تقاضہ سے خطبات احمدیہ کے متواتر مقالات پر زیب قلم فرمایا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اونکی اس رائے کی بنا اسلامی مورخین و محدثین کے مختلف مرویات پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمامتر توراۃ کی عبارات اور یہود و نصاریٰ کی تحقیقات اور یکطرفہ فیصلجات پر قایم ہے۔ اور چونکہ سید صاحب کا استدلال ہمیشہ سے کتب قدیمہ اور غیر اسلامی مورخین و محققین کا اخبار و آثار سے مستنبط و مستخرج ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ سے انھیں کے اقوال و اسناد کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اسلئے اونھوں نے واقعہ قربانی میں بھی حضرت اسحاق ہی کو ذبیح اللہ تسلیم کرلیا۔

سید صاحب کی اس غلط فہمی کی ہم پیچھے اصلاح و ترمیم کریں گے۔ ابھی ہم غیر اسلامی اقوام کے اس دعویٰ کی کہ اسحٰق ہی ذبیح اللہ حقیقی تھے تردید و تنقید پیش کرتے ہیں۔ اس بحث پر مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبی میں جو محققانہ رائے قایم کی ہے۔ اوس سے ہمکو پورا اتفاق ہے اور ہم اوسی کی نقل کو اپنے ادائے مدعا کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اون کی عبارت منقول عنہ یہ ہے۔

ذبیح کون ہے

توراۃ اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط۔ اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہوگئی ہے اور خصوصاً حضرت خاتم کے متعلق اسمیں جو تصریحات و تلمیحات تھیں یہود کے دست تصرف نے اونکو بالکل برباد کردیا ہے۔ تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں توراۃ میں گو تصریحاً حضرت اسحاق کا ذبیح ہونا لکھا ہے۔ لیکن مطاوے کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں۔ کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) شریعت سابقہ کے رو سے قربانی صرف اسی جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو۔ اسی بنا پر بنی اسرائیل نے جن بیٹوں کی قربانی کی تھی وہ سب پہلوٹے بچے تھے۔ خدا نے حضرت موسیٰ سے۔ جہاں لاویوں کے متعلق احکام ارشاد فرمائے۔ وہاں فرمادیا ہے۔

قدس لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبہائم — کیونکہ بنی اسرائیل میں۔ آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔

(توراۃ کتاب الاعداد - آیت ۱۲ و ۱۳)

(۲) پہلوٹے بچے کی فضیلت کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتی۔ توراۃ میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں

ایک مرغوبہ ہو اور ایک غیر مرغوبہ۔ تو فضیلت اوسی اولاد کو ہوگی جو پہلوٹی ہو۔ گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو۔ فانہ اول قدرتہ له حق البکوریۃ (سفر تثنیہ۔ اصحاح باب ۲۱۔ آیت ۱۵-۱۷)

(۳) جو اولاد خدا کو نذر کر دیجاتی تھی اوسکو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ توراۃ میں ہے۔

فی ذلک الوقت افرز الرب سبط لاوی لیحملوا تابوت عهد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیخدموہ ویبارکوا باسمه الی هذا الیوم لاجل ذلک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب مع اخوته الرب هو نصیبه

تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اوٹھائے۔ اور تا کہ خدا کے آگے کھڑا ہو تا کہ وہ خدا کی خدمت کریں۔ اور اوسکے نام سے آجتک برکت لیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ اور ترکہ نہیں ملا کیونکہ انکا حصہ خدا ہے (توراۃ تثنیہ اصحاح باب ۱۰ / ۸ و ۹)

(۴) جو شخص خدا کے نذر کیا جاتا تھا وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا جسطرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں۔ توراۃ میں ہے۔

فها انک تحبلین وتلدین ابنا ولا یعلو موسی راسه لان الصبی یکون نذیرا لله۔

(توراۃ قضاۃ۔ اصحاح باب ۱۳ / ۵)

اب تو حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنیگی۔ اور اوسی کے سر پر استرا نہ پھیرا جائے۔ کیونکہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائیگا۔

(۵) جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا۔ اوسکے لئے۔ خدا کے سامنے کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔ توراۃ سفر عدد ۶-۱۶ و ۲۰-۳ و سفر تکوین ۱۷-۱ و سفر تثنیہ ۱۰-۸)

(۶) حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اسمیں قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جاوے۔ جو اکلوتا ہو اور محبوب ہو۔ (توراۃ تکوین۔ اصحاح ۲۲ آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو۔ لیکن پہلے یہ بتلا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر چڑھانا۔ ایک بات تھی۔ یعنی دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو تو اوسکے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کیلئے گھر سے الگ کر دیا جائے۔ لیکن یہ لفظ جب جانوروں کیلئے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے۔ توراۃ میں خدا کی زبان سے مذکور ہے۔ لانّ لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبهائم۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے۔

اسی اصحاح میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل میں سے بنی لاویوں کو لو اور اونکو خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کیلئے خاص کر دئے جائیں اور یہ لوگ دوگانیوں کے سر پر ہاتھ

رکھ دیں جو قربانی کی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی جو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کیلئے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اسلئے اسکی بعینہ تعمیل کرنی چاہی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے بیٹے کو خانہ خدا کی خدمت کیلئے خاص کر دیا اور جو ظاہری قربانی کی تھیں قائم رکھیں۔

بیان مذکورہ بالا کو ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) حضرت اسحاق کی ولادت حضرت اسمٰعیل ع کے بعد ہوا اس بنا پر حضرت اسحاق ع اکلوتے بیٹے نہیں۔ اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے۔ اسلئے حضرت اسحاق کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاق کو حضرت ابراہیم نے اپنا تمام ترکہ دیا بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کو اور انکی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا۔ یہ اس بات کی دلیل کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیل کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے حج میں احرام کے زمانہ تک سر نہیں منڈاتے۔ یہ اسی سنت اسمٰعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کیلئے لغت ابراہیمی میں استعمال کئے جاتے تھے۔ وہ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کے لئے استعمال کئے نہ حضرت اسحاق کیلئے۔ توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے ابراہیم کو اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے کہا۔

لَیْتَ اِسْمٰعِیْلَ یَعِیْشُ اِمَامَکَ || کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) اسی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے محبوب ترین اولاد تھے۔ توراۃ جو تمام تر حضرت اسحاق کی یکطرفہ داستان ہے اسمیں حضرت اسحق اور حضرت اسماعیل کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیل دعوت ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے۔ اس بنا پر خدا نے انکا نام اسماعیل رکھا۔ کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں۔ یعنی خدا نے ابراہیم کی دعا سن لی۔ توراۃ میں ہے کہ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو اس موقع پر بھی حضرت اسماعیل کو

یاد کیا۔ غرض چونکہ ابراہیم کو قربانی کا حکم ہوا تھا۔ اسمیں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو اسلئے اسماعیل ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ حضرت اسحاق۔

(۶) حضرت اسحاق کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ یہ بھی بشارت دی کہ میں اسکی نسل سے ابدی عہد باندہوں گا۔ توراۃ میں ہے۔

پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور تو اوسکا نام اسحاق رکھے گا۔ اور میں ابدی عہد اوس کی نسل سے قایم کرونگا۔ (توراۃ تکوین باب ۱۷ آیت ۱۸)[1]

اس اجمال کی تفسیر یہ ہے کہ توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتے نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو، تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے۔

خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا میں تجھ کو برکت دوں گا۔ اور تیری نسل کو آسمان کے تاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دونگا۔ (تکوین باب ۲۲ آیت ۱۵)

اب غور کرو۔ کہ خدا نے جب حضرت اسحاق کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ میں اسکی نسل قایم رکہوں گا۔ تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جسوقت تک حضرت اسحاق کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی۔ اون کی قربانی کا حکم ہوتا۔ لیکن حضرت اسمٰعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسماعیل اکبر اولاد تھے محبوب تر تھے۔ قربانی کے وقت بالغ یا قریب بلوغ تھے۔ قربانی سے پہلے انکی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی۔ توراۃ میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا۔ اسلئے اس بیٹے کے کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا۔ یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تہی۔ اسلئے ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ حضرت اسحاق کی تکثیر نسل کا وعدہ تو اون کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا۔ جو کسی انعام وصلہ کے معاوضہ میں نہ تھا۔

(۷) مقام قربانی مکہ معظمہ تھا۔ جب قربانی اسماعیل کے واقعہ ہی سے انکار رہے تو پھر اوسکے موقع اور موضع سے بھی انکار مخالفین اسماعیل کے لئے ضروری تھا۔ اسلئے توراۃ میں قربانی گاہ کا جو موقع بتلایا گیا ہے وہ مریا ہے۔ یہودی کہتے ہیں یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا۔ عیسائی کہتے ہیں۔ اوس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی۔

لیکن یوروپ ہی کے محققوں نے ان دونوں دعووں کی تغلیط کی ہے۔ سر اسٹانلی SIR STANLEY

---

[1] تکوین ۱۷-۱۸ [2] تکوین باب ۱۵ [3] تکوین باب ۱۸/۱۶

[4] یہ مسلم ہے حضرت اسحاق کی اولاد حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد پیدا ہوئی۔ (تکوین باب ۲۵۔ آیت ۱۱)

لکھتے ہیں:-

حضرت ابراہیم صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکلکر اوس مقام پر گئے جہاں خدا نے انکو حکم دیا تھا. لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے۔ نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے۔ یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ ابعد مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفاۃ ہے۔ غالباً یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر ہے اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے۔

اول تو یہ غلط ہے۔ مسلمان عرفاۃ کو نہیں بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہیں۔ خیر ہر قومہ بالا عبارت سے اتنا تو ثابت ہوا کہ موریا کے یقین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے غلط ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ اسکی تحقیق آگے آتی ہے۔

موریا کی تعیین میں جو اختلاف پیدا ہوا اوس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا۔ یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے یا وصفی معنی رکھتا ہے۔ بہت سے مترجموں نے اسکو ایک مشتق لفظ سمجھا ہے اور اسلئے اسکا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخوں میں بلوطات عالیہ اور بعض میں زمین بلند اور بعض میں مقام الرویا کیا ہے۔ لیکن زیادہ صائب الرائے لوگوں نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اسی لئے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ بحال خود رہنے دیا۔ لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی مُریا کا مورہ ہو گیا۔ خصوصاً اسوجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا املا قریب قریب ہے۔

مورہ کی نسبت توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے۔ توراۃ میں ہے:-

وکان جیش المدیانیین شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی۔ (قضاۃ۔ باب ۷ آیت ۲)	اور مدیانیوں کی فوج۔ شمال کی جانب۔ مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع ہے)

تمام قرائن اور واقعات کو پیش نظر رکھا جاوے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے۔ جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

عرب کی روایات۔ قرآن مجید کی تصریح۔ احادیث کی تعیین۔ تمام چیزیں اس قیاس سے اسقدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں تفصیل اسکی یہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے مروہ کیطرف اشارہ کر کے فرمایا۔ قربانی گاہ یہ ہے۔ اور مکہ کی تمام

---

[۱] مدین عرب کی سرزمین ہے اور عرب کو اکثر مدیانیوں بھی کہتے ہیں۔ اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں جو قطورا سے تھے۔ ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴۔

پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں۔ (موطاے امام مالک)

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم آنحضرت صلعم نے مروہ ہی کو قربانگاہ اصلی فرمایا۔ یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسماعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآن مجید میں ہے۔

ثم محلها الى البيت العتيق	پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے
هديا بالغ الكعبة	قربانی جو کہ کعبہ میں پہونچے۔

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اسکے قریب ہے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہی تھی لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منی تک وسعت دیدی گئی۔

قربانی کی یادگار

یہودی حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اسلئے اگر حضرت اسحاق ذبیح ہوتے تو انکی کوئی یادگار انکے ہاں موجود ہوتی بخلاف اسکے حضرت اسماعیل کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں جو حضرت اسماعیل کی روحانی اولاد ہیں۔ قربانی کی تمام رسمیں آجتک موجود ہیں۔

اولاد اسماعیل میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں۔ اور حج جو ایک بڑا فریضہ اسلام ہے۔ تمامتر اسی قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا اے ابراہیم حضرت ابراہیم نے کہا لبیک) میں حاضر ہوں (تکوین باب ۲۲) حج میں مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے جاتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جسکا ترجمہ وہی ہے۔ میں حاضر ہوں۔

(۲) شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑہاتے تھے۔ یا خدا کے آگے نذر دیتے تھے۔ وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔

(۳) نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔ حج میں یہی دستور ہے جب احرام اتارتے ہیں۔ تب بال کترواتے یا منڈاتے ہیں۔ خود قرآن مجید میں ہے۔

محلقين رؤوسكم او مقصرين	سروں کے بال منڈائے ہوئے یا کتروائے ہوئے۔

(۴) حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے۔ یہ وہی حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر [illegible] میں فرمایا ہے۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ

حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی

یہ تو دلائل توراۃ کی تصریحات وکنایات کی بنا پر تھے۔ قرآن مجید کی رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیل کا ذبیح ہونا ثابت ہے۔ اگرچہ بہت سے مفسروں نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ

اور حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاؤنگا وہ مجھ کو راہ راست دکھلائیگا۔ خدایا مجھ کو اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو۔ تو ہم نے اوس کو ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی۔ پھر جب وہ لڑکا اوسکے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھکو ذبح کر رہا ہوں۔ تیری کیا رائے ہے۔

آیات بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے اولاد کیلئے دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کیلئے پیش کیا گیا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی لئے اونکا نام اسماعیل رکھا گیا کہ خدا نے اونکے بارے میں حضرت ابراہیم کی درخواست سنی۔ اسی بنا پر اس آیت میں جسکا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیل ہیں۔ اسحاق نہیں۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہے۔ اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جسکا ذکر اوپر ہوا وہ حضرت اسحاق نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت اسمٰعیل ہیں۔

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا۔ یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیم نے ایجاد کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ

تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو قربانی کرنا چاہا اور اون سے کہا کہ خدا کا یہ حکم ہوا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ تو حضرت اسماعیل نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے۔ اس موقع پر خدا نے اَسْلَمَا کا لفظ استعمال کیا کہ جو اسلام سے ماخوذ ہے اور اسکے معنی تسلیم اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا

پھر جب دونوں نے اپنے آپکو ہمارے حوالہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب قربانی کا حکم

ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکادیں - یہ وصف مقبول بارگاہ الٰہی ہوا - اور پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا یہی شعار مذہبی قرار پایا - حضرت ابراہیم نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم[۵] رکھا -

قربانی - ایثار - اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں - یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا - اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے - تو یہ لقب اونکی اولاد یا اونکی امت کو ملتا -

قربانی کی حقیقت

اس مسئلہ کی حقیقت اوسوقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب اسپر غور کیا جاوے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا - اوس سے اصل مقصود کیا تھا - قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں - یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی - مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا لیکن یہ سخت غلطی ہے -

اکابر صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں - دو قسم کے ہوتے ہیں - عینی اور تمثیلی - عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے - تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے - حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھلایا گیا تھا اوس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کیلئے نذر چڑھادیں - یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کردئیے جائیں - توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے -

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اوس کی تعمیل کرنی چاہی - مگر یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیا سے ہوسکتی ہے - مگر یہ غلطی قائم نہیں رہتی - بلکہ خدا اوسپر متنبہ کردیتا ہے - اس بنا پر گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دئیے گئے - لیکن خدا نے اون کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا :-

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ	تونے خواب کو سچا کردکھلایا - ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں -

بہرحال یہاں اس تفصیل سے یہ مقصود ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا تھا - نذر چڑھانے

[۵] مولوی شبلی صاحب کا یہ قیاس اور ذاتی مختار ہے - ہم اسکی تحقیق و تنقید حضرت ابراہیم کے خاص حالات میں قلمبند کرآئے ہیں اور ثابت کرآئے ہیں کہ اس واقعہ سے کہیں پہلے حضرت ابراہیم کے لئے اسلم کا لفظ قرآن میں آچکا ہے - اسلئے قربانی کا واقعہ اسکا باعث تسمیہ نہیں ہوسکتا - اسلام کا نام خدا نے رکھا نہ حضرت ابراہیم نے هو الذی سمّٰکم کا مطلب منسوب ہے جس کی علی الاکثر مثالیں ادب و قواعد کی متداول کتب موجود ہیں - المولف عفی عنہ -

کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا۔ توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔ لیت اسمٰعیل یعیش امامك۔ کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔

اسی خواہش کے مطابق اون کو خواب کے تمثیلی پیرایہ میں حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں حضرت اسحٰق کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ (سیرۃ النبیؐ جلد اول از صفحہ ۹۸ تا صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ کانپور)

اُس حدیث کی تنقید جس کو سرسید نے ذبیح اسحاق کی تائید میں لکھا ہے۔

مولوی شبلی صاحب نے مسئلہ زیر بحث میں اپنے مرقومہ بالا دلائل و براہین کو بڑی تحقیق و تفتیش سے حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ جن کو دیکھ کر اور پڑھ کر ہر شخص باسانی سمجھ لیگا۔ کہ واقعہ قربانی حقیقت میں حضرت اسماعیل سے متعلق ہے اور جناب اسحٰق سے اس کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ صرف یہودیوں اور عیسائیوں کی نفسانیت اور تعصب ہے۔ جو خواہ مخواہ واقعہ قربانی اور اوس کے حقیقی موعود لہ اور اصلی مقام قربانی کو طرح طرح کی عالم فریب تاویلوں سے خلط ملط کر کے بدل رہے ہیں۔ شخص خاص کی شخصیت موقع کی اصلیت۔ سب کی ادہر سے اودہر کر رہے ہیں۔ اون مقامات کے ایسے نام و نشان بتاتے ہیں جو نہ قدیم جغرافیہ میں پائے جاتے ہیں اور نہ حال کے جغرافیہ میں۔ سر اسٹانلی (SIR STANLEY) کی رائے جو اصلی قربانگاہ کے متعلق مولوی شبلی نے نقل فرمائی ہے۔ وہ میرے بیان کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔

سرسید مرحوم بیر شبع۔ کوہ فاران وغیرہ کی نسبت۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے متعدد اور مختلف اقوال لکھ کر انکے اغوا اور عالم فریبی کے طومار لکھ چکے ہیں جس کو ہم اوپر اونہیں کی تحریر سے نقل کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ باوجود اتنی تردید و تنقید کے بھی سید صاحب کبھی کبھی اون کی تصدیق و تائید فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ قربانی سید صاحب کے موضوع تالیف میں نہیں تھا۔ تو یہ بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ سید صاحب نے تو خطبات میں اون تمام مسائل کا خاص طور پر انکشاف فرمایا ہے۔ جو اسلام اور غیر مذاہب میں متنازع فیہ تھے قربانی کا مسئلہ اعظم ترین واقعہ ہے۔ جو بارگاہ رب العزت میں حضرت اسماعیل کی قربت منصوصہ اور عظمت مخصوصہ ثابت کرتا ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جو ضبط ابراہیمی۔ اور صبر اسماعیلی کی عدیم النظیر یادگار قائم کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ مقدس باپ اگر التابع لامر اللہ تھا تو اوسکا مبارک فرزند الراضی لمرضات اللہ پھر ایسے عظیم ترین واقعہ کو جس کی عظمت نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے۔ سید صاحب کے الیاالسلام کا شفیق محقق

بغیر تحقیق کے چھوڑ دے۔ نہیں۔ سید صاحب نے اسکی تحقیق ہی فرمائی۔ مگر سوء اتفاق سے اس مسئلہ خاص میں اون کی توجہ اور خیالات زیادہ تر اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی تقلید و تائید کیطرف منعطف ہو گئے۔ اور آپ نے مخالفین کی اس عالم فریبی اور اغوا میں پڑ کر وہی طریقہ اختیار کیا جو آپ سے پہلے اکثر اسلامی محدثین و مورخین اختیار کر چکے تھے۔ سید صاحب نے حقیقتاً کوئی نئی بات نہیں کی۔ بلکہ وہی جو قبل میں اکثر علماء کر چکے ہیں۔ سید صاحب سے جو فروگذاشت ہوئی وہ یہی اور اتنی ہی ہے کہ آپ نے اپنے دستور و عادت کے خلاف اپنے محققانہ سعی و کوشش سے اس مسئلہ خاص میں کام نہیں لیا۔ صرف نقل ہی پر اکتفا فرمائی۔ اگر ذرا سے تعمق اور غور سے کام لیا جاتا تو کتب قدیمہ کے انہیں اسفار و اخبار سے جسے وہ حضرت ابراہیم۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کے متعلق خطبات میں قلمبند کر چکے ہیں۔ اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاتا۔ اور اصل واقعہ کی حقیقی صورت صاف صاف جلوہ گر ہو جاتی۔

مخالفین اسلام کے علاوہ۔ محدثین و مورخین اسلام کے مختلف آرا اور مختارات سے اسکی تحقیق و تفتیش فرمائی جاتی تو ثابت ہو جاتا کہ حقیقت کیا ہے۔ مگر سید صاحب کے مختار پر اس مسئلہ خاص میں جہاں تک غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے ذبیح اسماعیل کی نسبت مسلمانوں کے استدلال اگر پوری تفصیل سے نہیں تو بالاجمال ضرور لکھ دئے ہیں۔ مگر نہ اون کے اقوال کی تصدیق کی اور نہ اونکے مختار کی تائید بلکہ ان سے قطع نظر کی۔ وہی کتب قدیمہ کی تقلید اور ذبیح اسحاق کے موئدین و محدثین اور مورخین کی تائید کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ سید صاحب کے خلاف مولوی شبلی نے اس مسئلہ میں کسی قدر زیادہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ چونکہ روئے سخن اونکا زیادہ تر مخالفین اسلام سے ہے نہ متبعین اسلام سے اس بنا پر اونہوں نے کتب سابقہ کے اونہیں اخبار و آثار سے حضرت اسماعیل کا ذبیح اللہ ہونا ثابت کیا ہے۔ جن میں سے اکثر کو سید صاحب خطبات میں لکھ چکے ہیں اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وہ مخالفین اسلام کے مغویانہ اور لغویانہ دلائل کی قطع و برید اور تردید کیلئے کافی ہیں۔

اگر مخالفین کی کتابیں صحیح۔ اونکے مرویات سچے اور اونکی بشارتیں برحق ہیں تو پھر اسماعیل کی ذبیح اللہ تسلیم کرنے میں مسلمانوں سے زیادہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سرگرم اور پرجوش ہونا چاہئیے۔ اور اگر حقیقت میں اونکو واقعہ کی صحت سے نہیں۔ بلکہ انصاف پسندی اور حق فہمی سے انکار ہے اور حسد و تعصب اور اسلاف کی کورانہ تقلید پر اصرار ہے تو پھر نہ آج اس مسئلہ میں اون کی تشفی ممکن ہے اور نہ پھر قیامت تک اون کا اطمینان ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک مخالفین اسلام کی غلط فہمیوں کی اصلاح مولوی شبلی صاحب کے مندرجہ بالا استدلال

سے پورے طور پر ہوگئی۔ ہمکو اسمیں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اسلامی مورخین و محدثین کے باہمی اختلاف و انتزاع کی تفصیلی کیفیت اور حقیقت حال دکھلا دینی ہمارے لئے لازمی ہے۔ اسلئے میں ان حضرات کے مختلف مختارات سے اصل واقعہ کی پوری کیفیت ذیل میں قلمبند کرتا ہوں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب کے ایسا شبلی صاحب نے بھی اسلام کے اتنے بڑے اعظم ترین مسئلہ کو اپنے طریقہ استدلال میں صرف اشارے اور کنایے سے بتلایا ہے۔ اور اسکے متعلق خصوصاً علمائے اسلام میں اختلاف و انتزاع واقع ہونے کی کوئی تفصیلی وجہ و کیفیت نہیں بتلائی۔ حالانکہ مولوی صاحب کا یہ فرض تھا کہ جسطرح مخالفین اسلام کے مختار کی تردید و تنقید اونہیں کے اخبار و اسفار سے کر دی گئی تھی۔ اسی طرح علمائے اسلام کے اختلاف پر بھی تنقیدانہ نظر ڈالکر اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف فرما دیا جاتا۔ اس سے عام اہل اسلام کو اطلاع و واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ مخالفین اسلام کے معترضانہ استدلال میں بھی آیندہ کوئی تائیدی قوت نہ پیدا ہوتی۔ مگر با ایں ہمہ یہ ہم ضرور کہیں گے کہ سید صاحب کے زیادہ شبلی صاحب نے مسلمانوں کے اظہار دعوی اور استقرار حقوق کی طرف اپنی توجہ منعطف فرمائی ہے اور اس مسئلہ میں اپنا وہی مختار قائم کیا ہے جس پر اسلام کے تمام طریقوں کے علمائے اعلام اور محدثین کرام کا اتفاق عام ہو چکا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کی متلاشی طبیعت صرف اس لکھہ دینے کو کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ اوس کی پوری تفصیل اور تحقیق کا کافی طور سے معلوم کرنا اونکا اصلی مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے طالبان تحقیق کی خاطر خواہ تشفی و اطمینان کے لئے اس واقعہ کی تفصیل ارباب تحقیق کا فرض منصبی قرار پاجاتی ہے۔

ہمنے جہاں تک ان دونوں محققین کے اقوال و مختار کو اس بارے میں دیکھا ہے۔ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اسلامی علما و محدثین کے مختلف اقوال وارشاد کو اس مسئلہ کے متعلق دیکھا ضرور ہے۔ بخلاف سید صاحب کے جنکی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونہوں نے اس بحث کے اصل موضوع کو اپنے علما و محدثین کی تالیفات میں دیکھا بھی نہیں۔ اور اگر دیکھا بھی ہے تو کتب قدیمہ کی تائیدی روایتوں کو۔ اور اپنی رائے میں اونہیں کو ترجیح دیکر خاصکر اونہیں علما کی تقلید اختیار فرمائی ہے جو آپ کے ہمخیال تھے۔ یہ موقع تقلیدی تحقیق کا نہیں تھا بلکہ تنقیدی تفتیش کا۔ سید صاحب نے اپنے استدلال میں پہلے ذبیح اسمٰعیل کو اسلام کا مختلف فیہ مسئلہ بتلایا ہے اور اوسکے ثبوت میں علامہ مسعودی کا یہ قول دکھلایا ہے۔

قد تنازع الناس فی الذبیح فمنهم من ذهب الی انه اسحٰق ومنهم من ذهب الی انه اسمٰعیل فان کان الامر وقع بمنی فالذبیح اسمٰعیل لان

مسئلہ ذبیح میں لوگوں کو اختلاف ہے بعض کی رائے ہے کہ ذبیح اسمٰعیل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اسحاق۔ پس اگر واقعہ ذبح منی میں واقع ہوا ہے تو ذبیح اسمٰعیل ہیں۔ کیونکہ اسحاق کا حجاز میں

اسحٰق لم یدخل حجاز و کان الامر بالذبح وقع بالشام فالذبیح اسحاق لان اسمعیل لم یدخل الشام بعد ان حمل منہ (مروج الذہب مسعودی)

اسکا ثابت نہیں ہے۔ اور اگر واقعہ ذبح شام میں واقع ہوا ہے تو ذبیح اسحاق ہیں۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیل کا (حجاز میں آکر) پہر شام میں جانا ثابت نہیں۔

مسعودی کے اس بیان سے یہ مسئلہ اختلافی تو ضرور ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کو سب کو اقرار ہے مگر میرے نزدیک تو مسعودی کا یہ بیان سید صاحب کی رائے سے زیادہ شبلی صاحب کے مختار کا موید ہے۔ کیونکہ علامہ مسعودی صاف صاف کہتے ہیں کہ اگر واقعہ قربانی مقام منیٰ علاقہ حجاز میں واقع ہوا ہے تو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ابھی ابھی موریا کے اصلی مقام قربانی ہونے کی تحقیق میں پورے طور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ مقام مروہ ہے جو حوالی مکہ میں واقع ہے اور جس کو جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اصلی قربانگاہ بتلایا ہے۔ تو پہر مسعودی ہی کے شرط پر حضرت اسماعیل ذبیح اصلی ثابت ہو گئے۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے موریاہ کی تحقیق کو اوٹھایا ہی اور اوسکی نسبت مسلمانوں کے دعوے بہی لکھدئے مگر چونکہ موریاہ کا استقرار مقام سید صاحب کے مختار و مدعا کے خلاف ثابت ہوتا تہا اسلئے آپ نے اپنی تحقیق کو محض ناقص چہوڑکر اس بحث خاص کو گومگو کی حالت میں چہوڑ دیا۔ سید صاحب کی تصنیف کی عبارت یہ ہے۔

یہ اختلاف توریت مقدس کی اوس آیت کے مبہم اور غیر مصرح ہونے کی وجہ سے ہے جس میں اوس مقام کا ذکر ہے۔ جہاں مذکورہ بالا قربانی کا عمل میں آنا تجویز ہوا تھا۔ وہ آیت یہ ہے۔ توراۃ ترجمہ فارسی۔

خدا ابراہیم را امتحان کرد وبا او گفت اے ابراہیم وے گفت اینک حاضرم و خداوند گفت کہ حال پسر یگانہ خود اسحاق را کہ دوست میداری بگیر و در زمین موریاہ برو۔ (عربی ترجمہ میں بجائے موریاہ کے ارض الرقیا لکھا ہے اور ترجمہ سامری عربی میں ارض المختارۃ والمرشدہ لکھا ہے) و در انجا اورا از کوہہائے کہ بتو می گویم از برائے قربانی و سوختنی تقریب نما۔

خدا نے ابراہیم کا امتحان لیا اور اون سے کہا اے ابراہیم۔ اوس نے کہا میں حاضر ہوں۔ خدا نے کہا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کہ اسحاق ہے اور تو اس کو دوست رکہتا ہے۔ اپنے ساتھ لے۔ اور زمین موریاہ میں جا۔ اور اسکو وہاں کے پہاڑوں میں سے جو میں تجہے بتلاتا ہوں قربانی کر اور جلا۔ (تکوین باب ۲۲/۱-۲)

بعض مسلمانوں نے اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اوس کے پہاڑ بتلائے ہیں۔ اور بعض نے مکہ معظمہ کے پہاڑ قرار دیا ہے۔ وہ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ لفظ عبرانی برکم جس کے معنی جبال کے

میں تثنیہ اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے وہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مکہ معظمہ کے مشہور
دو پہاڑوں صفا اور مروہ میں سے ایک مراد ہے۔

تعجب ہے کہ سید صاحب کے ایسا محقق اس مقام کو آجتک گمنام سمجھے۔ حالانکہ اسکا تعین اسلامی
مورخین کے علاوہ خود کتب توراۃ میں مرقوم ہے جس کے وثوق پر آپ نے اپنی راے قایم کی ہے۔ توراۃ
قضاۃ باب ۷ آیت ۱ میں صاف طور سے لکھا ہے۔

وکان محلۃ المدیانیین شمالیھم عند تل مورہ فی الوادی

مدیانیوں کی فوج شمال کی طرف مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی۔

(ضمیمہ کتاب بائبل ص ۱۱۴)

اسکے علاوہ ہمارے سید صاحب تو خود مدین کو عرب میں کیا خاص حجاز میں تسلیم کر چکے ہیں خطبات احمدیہ
مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۲۶ میں تحریر ہے۔

کتاب اول سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۸ میں مرقوم ہے۔ ھدد اور اس کے ہمراہیوں کے مصر میں
جانے کے حال میں لکھا ہے کہ وہ مدیان سے نکلے اور فاران میں آئے اور وہاں سے آدمی ساتھ لیکر مصر کو
گئے۔ مدیان وہ شہر ہے جس کو عرب میں مدین کہتے ہیں۔ اور ساحل بحر قلزم پر جو حجاز کے جانب ہے
تبوک سے تخمیناً چھ منزل جانب جنوب واقع ہے۔ یہ شہر وادی فاران میں واقع تھا جو کہ ملک حجاز ہے۔

خطبات ص ۲۲۶۔

مندرجہ بالا شواہد توراۃ سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ جبل مورہ یا موریا یا مورہ۔ جو حقیقی قربانگاہ بتلایا گیا ہے وہ
مدین سے قریب تھا اور مدین شہر ملک حجاز میں واقع تھا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ تھے۔ تو اب اس سے مسعودی
والی شرط کہ اگر حجاز قربانگاہ ثابت ہو جاے تو اسماعیل ذبیح اللہ حقیقی تسلیم کئے جاویں گے۔ پوری ہو گئی کیونکہ
حضرت اسماعیل کا وہاں مع اپنی والدہ اور آیندہ اپنی اولاد و اعقاب کے ساتھ ہمیشہ کیلئے آباد ہونا جمہور کا مسلمہ
ہے بخلاف اسکے حضرت اسحاق کا حجاز کیا عرب کے کسی قطعہ زمین پر تشریف لانا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔
پھر انکا ذبیح ہونا کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے جب انہوں نے اصلی مذبح میں باوام الحیات قدم تک نہ رکھا اور کبھی
اسکی صورت بھی نہیں دیکھی۔

حضرت اسحاق کا عرب میں آنا نہ کسی اسلامی مورخ نے لکھا ہے اور نہ کسی یہودی یا عیسائی محقق نے
بلکہ حضرت اسماعیل کا ہجرت کے بعد عرب سے شام میں تشریف لیجانا تو خود سید صاحب کے اعترافات
سے ہے خطبات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت اسماعیل ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے رہے۔ اور حضرت ابراہیم بھی اکثر انکے پاس

آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ حضرت اسماعیل جن کی عمر اسوقت نواسی برس
کی تھی، بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے پاس موجود تھے۔ خطبات ص ۴۰

پھر حاشیہ زیرین صفحہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کے بعد گھر سے نکال دیا تھا۔ اس وقت
سے حضرت اسمٰعیل جب جلاوطن ہوئے تھے، تو سولہ برس کے تھے۔ حضرت ابراہیم کا ایک سو پچہتر (۱۷۵)
برس کے سن میں انتقال ہوا اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق، دونوں نے ملکر مکپیلاہ کے غار
میں دفن کردیا۔ (تکوین باب ۲۵/۹)

سید صاحب کی اس عبارت سے تو حضرت اسماعیل کا متواتر شام میں جانا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر مسعودی کے اس مختار کو وہ کیوں تسلیم کرتے ہیں۔ جو کہتا ہے کہ ہجرت کے بعد سے اسمٰعیل کا شام میں جانا ثابت نہیں۔ ذبیح کے مسئلہ میں آپ نے اسی مسعودی کے قول کو، جو ذبیح اسحاق کی نسبت اس نے لکھا ہے۔ صحیح مانا ہے۔ اور وہی آپ ہی کی تحقیق اور تحریر سے مقطوع الاسناد و قصیر الاطلاع اور ناقابل اعتبار ثابت ہوتا ہے

سید صاحب کے مرقومہ بالا عبارت توراۃ سے ایک اور بات بڑے فائدہ کی معلوم ہوئی اور وہ یہ ہے کہ توراۃ کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں (اسحٰق و اسماعیل ع) میں خلوص و اتحاد کے باہم مراسم جاری تھے اور اپنے کہ جانبین کے مسالک سے مخالفت الیقینی کے اختلاف و انتشار کا کوئی اثر اور نشان نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حقیقت تو یوں ہے کہ ان دونوں بھائیوں میں خلوص و اتحاد کے تمام مراسم ہمیشہ قائم تھے۔ یہ تو بعد کی نسلوں کے حسد و نفسانیت نے باہمی اختلافات و منافرت کے نقشے جمائے ہیں۔ اور مخالفت اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے باعث سے یہودیوں اور عیسائیوں نے خوب خوب ڈھکوسلے گھڑے ہیں۔

مسعودی کی اصل حدیث کی تنقید

یہاں تک تو ہم نے اس مسئلہ میں جزئیات سے بحث کی تھی اب ہم اسکے اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اور زرقانی کی شرح مواہب لدنیہ سے ان تمام حدیثوں اور ان کے طریقوں کے اسماء و ابہام کو ذیل میں علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں، جو حضرت اسحاق کو ذبیح بتلاتے ہیں۔

(۱) الدارقطنی عن ابن مسعود و ابن مردویہ والبزار عن ابن عباس وفیہ المبارک بن فضالۃ ضعفہ الجمہور

دارقطنی نے ابن مسعود اور ابن مردویہ اور بزار سے عبداللہ ابن عباس کے طریقہ سے روایت کی ہے۔ اسکے راویوں میں مبارک ابن فضالہ ایک راوی ہے جسکو جمہور محدثین نے ضعیف کہا۔

(۲) پھر اسکو رواہ الحاکم من طرق عن العباس وقال صحیح علی شرطہما

حاکم نے اسکو عباس کے طریقہ سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ موجودہ (اور قبل (مبارک ابن فضالہ کے طریق) دونوں طریق سے صحیح ہے۔

(۳) قال مسعودی ذهبی صحیح

مسعودی نے بھی اسی طریق سے لکھا ہے اور صحیح کہا ہے۔

(۴) رواہ ابن مردویہ عن ابی هریرة

ابن مردویہ نے اسکو ابو ہریرہ سے بیان کیا ہے۔

لیکن ابن کثیر الشامی ان تینوں طریقوں کی تنقید و تردید فرماتے ہوئے بتلاتے ہیں۔ فیہ الحسن ابن دینار متروك وشيخه منكر۔ اسکے رواۃ میں حسن ابن دینار متروک ہے (اس سے حدیث نہیں لی جاتی) اور اوسکا شیخ منکر الحدیث اوسکی حدیثوں سے سب کو انکار ہے۔

(۵) رواہ ابن ابی حاتم مرفوعًا ثم رواہ عن فضالہ بن مبارك موقوفا وهو اشبه واصح

ابن ابی حاتم نے پہلے اسکو بطریق مرفوع لکھا۔ پھر اسکو فضالہ ابن مبارک سے روایت بطریق موقوف کردی اور اس طرح کس کو مشتبہ کہا جائے اور کسکو صحیح۔

ان تمام حدیثوں کو جمع کرکے علامہ زرقانی رقمطراز ہیں:۔

وتعقبه السيوطي بان مبارك قد رفعه مرة فاخرجه البزار عنه مرفوعا وله شواهد عنده وعند الديلمي عن العباس مرفوعا فی حدیث بلفظ واما اسحق فبذل نفسه للذبح والطبرانی وابن ابی حاتم عن ابی هريرة بسند ضعيف والطبرانی ايضا بسند ضعيف عن ابن مسعود اسناد صحیح موقوف

اسکی تعقیب سیوطی نے کی ہے کہ مبارک سے یہ بطریق مرفوع مروی ہے اور بزار نے بھی اسکو بطریق مرفوع روایت کی ہے اور ایسکے شواہد اوس کے پاس ہیں اور دیلمی نے اسکو بطریق عباس سے اسی لفظ کے ساتھ لکھا ہے کہ اسحق نے اپنے نفس کو واسطے ذبح کے دیڈالا۔ اور ابن حاتم نے بھی ابو ہریرہ سے اسکو بطریق مرفوع لکھا ہے لیکن بروایت ضعیف لکھا ہے اور امام طبرانی نے بھی اسکو بسند ضعیف ابن مسعود سے لکھا ہے اور معجم کبیر میں اسی مضمون کو آخر میں ابی الاحوص سے لکھا ہے۔ اسکے اسناد صحیح ہیں مگر موقوف۔ زرقانی ص

ہمنے ذبح اسحاق کی حدیثوں اور اونکے طریقوں کو جمع کردیا۔ اور زرقانی کی زبانی اونکی تنقیدی کیفیت بھی دکھلادی جن سے ظاہر ہوگیا کہ ان حدیثوں کا کوئی طریق بھی خدشہ۔ شبہ۔ یا سقم سے خالی نہیں۔ اسلئے یہ حدیثیں صداقت کے معیار پر پوری نہیں اوترتی۔

اب انکے خلاف جو حدیثیں ذبیح اسمٰعیل کی نسبت مقبول ہیں اونکی حیثیت بھی ملاحظہ ہو۔

(۱) روی علی ما عند الزمخشری فی الکشاف فی سورة والصافات استدلالا على ان الذبيح اسمعيل انه صلى الله عليه واله وسلم قال انا ابن الذبيحين

زمخشری نے اپنے اسناد سے اسکو اپنی تفسیر کشاف میں بذیل سورہ الصافات حضرت اسمعیل کے ذبیح اللہ ہونیکے ثبوت میں استدلالاً لکھا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

(۲) وعند الحاکم فی المستدرک وابن جریر و ابن مردویہ والثعلبی فی تفاسیرھم عن معاویہ ابن ابی سفیان قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتاہ اعرابی فقال یا رسول اللہ خلفت البلاد یابسۃ والماء یابسا وخلفت المال عابسا ھلک العیال وضاع المال فعد علی مما افاء اللہ علیک یا ابن الذبیحین قال المعاویہ فتبسم رسول اللہ صلعم ولم ینکر علیہ

مستدرک میں حاکم نے اور ابن جریر اور ابن مردویہ اور ثعلبی نے اپنی تفاسیر میں معاویہ ابن ابوسفیان سے منقول کیا ہے کہ ہم ایکبار خدمت رسول صلعم میں بیٹھے تھے کہ ایک مرد اعرابی آیا اور عرض کی کہ عام طور سے تمام شہروں میں قحط پڑا ہے۔ پانی بالکل کم ہوگیا ہے اور لوگوں کی آمدنی موقوف ہوگئی۔ جائداد تباہ اور اہل وعیال خاک سیاہ ہو رہے ہیں آپ ہماری اُس مال سے امداد فرمائیں جو خدا نے آپ کو عطا فرمایا ہے اے دو ذبیحوں کے مبارک فرزند۔ یہ سنکر آپ متبسم ہو گئے۔ اور آپ نے اوس کے اس خطاب کا انکار نہیں کیا۔

زرقانی مرقومہ بالا حدیث کی زبانی لکھتے ہیں۔ فافاد انہ اسمٰعیل۔ اسمیں صریح افادہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے وھذا احتج بہ معاویۃ علی من قال انہ اسحاق اوراسی سے معاویہ نے اون لوگوں پر اپنا احتجاج قائم کیا ہے جو اسحاق کو ذبیح کہتے ہیں۔

(۳) عند الحاکم عن الصنابحی حضرنا مجلس معویۃ فتذاکر القوم اسمٰعیل واسحاق فقال بعضھم اسمٰعیل الذبیح وقال بعضھم بل اسحاق فقال معویۃ سقطتم علی الخبیر وذکر الحدیث ھذا یعنی بالذبیحین عبد اللہ واسمٰعیل ابن ابراھیم کما قالہ جماعۃ من الصحابۃ والتابعین ورجحہ جماعۃ وقال ابوحاتم انہ الصحیح و البیضاوی انہ الاظھر

مستدرک میں امام حاکم نے امام صنابحی کے اسناد سے یوں کہا ہے کہ ہم معویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ حضرت اسماعیل و اسحق کا ذکر پیش آیا۔ بعض لوگ اسمٰعیل کو ذبیح اللہ کہتے تھے اور بعض اسحاق کو معاویہ نے کہا تم لوگوں کو ابھی خبر نہیں ہو سکی پھر اور پھر پوری حدیث بیان کی اور کہا ذبیحین سے مراد عبد اللہ و اسماعیل ہیں۔ زرقانی کہتے ہیں یہ وہ قول ہے جسکو صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور اسی کو ایک جماعت علما نے ترجیح دی ہے۔ ابوحاتم نے اسکو صحیح بتلایا ہے اور بیضاوی نے اظہر قول شمار کیا ہے۔

علامہ ابن القیم نے مسئلہ زیر بحث پر مفصل اور مستحکم طریقہ سے بحث کی ہے۔ اونکی پوری تفصیل کو موجب تطویل سمجھکر ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ مگر اوسکے ضروری مقامات کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

وما یدل علی ان ذبیح اسمٰعیل انہ لا ریب ان الذبیح کان بمکۃ ولذالک جعلت القرابین

جو امور حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ذبیح کا واقعہ بیشک مکہ میں واقع ہوا۔ کیونکہ

یوم النحر کما جعل السعی بین الصفا والمروۃ ورمی الجمار تذکیراً لشأن اسمٰعیل وابیہ وامہ واقامۃ لذکر اللہ تعالیٰ ومعلوم ان اسمٰعیل وامہ ھما اللذان کان بمکۃ دون اسحاق

وہیں تمام مراسم قربانی بشمول روز نحر اور سعی مابین مروہ اور صفا اور رمی الجمرات۔ صرف اس غرض خاص سے ادا کی جاتی ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی مادر گرامی قدر کی شان و منزلت اُن کی شہرت اور ذکر و عبادت خدا میں اونکا استقلال و استقامت ظاہر اور ثابت ہو۔ اور یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور اون کی ماں مکہ میں رہتی تہیں نہ اسحاق۔

پھر اسکے آگے اونکا سلسلہ احتجاج یہ ہے۔

ولو کان الذبح بالشام کما یزعم اہل الکتاب ومن تلقی عنہم لکانت القرابین والنحر بالشام لا بمکۃ

اگر واقعہ ذبح شام میں ہوتا جیسا کہ اہل کتاب کا زعم ہے تو اونسے جو اب طلب ہوگا کہ مراسم قربانی و نحر وغیرہ آجتک شام میں ہوا کرتے۔ نہ کہ مکہ میں۔

پھر سلسلہ استدلال یہ ہے۔

فان اللہ سمی الذبیح حلیماً (فی القرآن) لانہ لا احلم ممن سلم نفسہ الذبح طاعۃ لربہ ولما ذکر اسحٰق سماہ علیماً۔

خدا نے (قرآن میں) ذبیح اللہ کو حلم کے نام سے موسوم کیا ہے اس بنا پر کہ اوس نے پورے اعتراف و امتیاز سے محض طاعۃً للہ اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا تسلیم کر لیا اور جہاں حضرت اسحاق کا ذکر کیا ہے وہاں اونکو صرف جاننے والے کی صفت سے موصوف بتلایا ہے۔

پھر اسی طریقہ کلام میں ارقام طراز ہیں۔

وان اللہ تعالیٰ اجری العادۃ البشریۃ ان بکر الاولاد احب الی الوالدین ممن بعدہ وابراھیم لما سأل ربہ الولد ووھبہ لہ تعلقت شعبۃ من قلبہ بمحبتہ واللہ تعالیٰ قد اتخذہ خلیلاً والخلۃ منصب یقتضی توحید المحبوب بالمحبۃ وان لا یشارک فیھا فلما اخذ الولد شعبۃ من قلب الوالد جاءت غیرۃ الخلۃ تنزعھا من قلب الخلیل فامر بذبح المحبوب فلما قدم علی ذبحہ وکانت محبۃ اللہ عندہ اعظم من محبۃ الولد خلصت الخلۃ حینئذ من شوائب المشارکۃ فلم یبق

اور نیز اس طرح سے بہی کہ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ سے عادت انسانی ایسی ہی جاری فرمائی ہے کہ والدین اپنی اولاد اکبر کو بمقابلہ دوسری اولاد کے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے جب خدا سے عطاے اولاد کی دعا فرمائی فطرت انسانی کے اعتبار سے اونکے قلب میں اس بچہ کی محبت ہوگئی۔ مگر خدا نے ابراہیم کو مرتبہ خلت عنایت فرمایا تہا اور اپنا خلیل گردانا تہا۔ اور مراتب خلت کے معنی یہ ہیں کہ محبوب کی محبت کے ساتھ پہر غیر کی محبت کا کوئی لوث نہ رکہا جائے تو جب آپ کے دل میں لڑکے کی محبت پیدا ہوگئی تو گویا محبت کی وحدت میں شرکت ہوگئی۔ اس بنا پر نظام قدرت نے امتحاناً حضرت ابراہیم کو اپنے محبوب کے ذبح کا حکم دیا۔ لیکن جب آپ اس امر

فی الذبح مصلحۃ اذ کانت المصلحۃ انما ھی العزم وتوطین النفس وقد حصل المقصود فنسخ الامر وفدی الذبح وصدق الخلیل الرؤیا۔

کے لئے پورے امادہ اور تیار ہو گئے۔ تو ثابت ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ کی محبت آپ کے دلمیں آپ کے اُس فرزند کی محبت سے کہیں زیادہ بڑہی ہوئی تہی۔ اسی وقت آپ کی خلت کا بہی محبت غیر کی خلش مشارکت سے تصفیہ کامل ہو گیا اور اس واقعہ ذبح میں آپ کے ارادہ دل کا امتحان۔ استقلال اور اطمینان نفس کی آزمائش مقصود تہی۔ اور وہ مقصود حاصل ہو گیا تو وہ امر امتحان و آزمائش بہی فسخ قرار دیا گیا اور اس ذبح کے لئے صدقہ اور بدلہ قبول کر لیا گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب بہی سچا دکہلا دیا گیا۔

امام ابن القیم نے مندرجہ دلائل عقلی اور نقلی سے مسئلہ ذبح کو بالکل صاف کر دیا اور ذبیح اسمٰعیل کی حقیقت اور اصلیت اُن مشاہد بدیہات سے ثابت کر دیا ہے جس کے مان لینے میں نہ پہر کسی اہل اسلام کو عذر ہو سکتا ہے نہ کسی اہل کتاب کے فرقہ کو عذر و اعتراض۔ یہ بالکل صحیح اور برواقع ہے کہ اگر جناب اسحٰق ذبیح اصلی ہوتے۔ اور یہ واقعہ ملک شام یا بیت المقدس میں ظہور پذیر ہوا ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ اسحٰق کی اولاد اور اون کے قوم و ملک کے لوگوں میں اون کے اتنے بڑے عظیم ترین ایثار نفس کی یادگار اگر پورے طور سے نہیں تو تہوڑی بہت تو آج تک ضرور قایم رہتی۔ مگر اسکے خلاف۔ اون کی اولاد۔ اونکی قوم اور اونکے ملک و وطن میں تو کہیں اونکی اتنی بڑی عظیم الشان یادگار کا آج کوئی نام و نشان بہی نہیں بتلاتا۔ اور سوا اسکے کہ اونکی مقدس کتابوں میں حضرت اسحاق کی اس جانفروشی کا ذکر لکہا ہے۔ اُن لوگوں میں کہیں اسکا ذکر و مذکور بہی نہیں ہے اور شاید اُن میں سے فیصدی ننانوے (۹۹) ایسے نکلیں گے جو اس واقعہ سے واقف بہی نہیں ہونگے بخلاف بنی اسحٰق کے نسل اسمٰعیل کا بچہ بچہ ہزاروں برس کی مدت مدید گذر جانے کے بعد بہی آجتک اس واقعہ کو ایسی صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے گویا کہ وہ قربانی کے منظر قدرت کو اپنی آنکہوں سے دیکہ چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے سلسلہ اسمٰعیلی میں وہ تمام مراسم جو اس واقعہ عظیمہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ۔ اونکی زوجہ مطہرہ حضرت ہاجرہؑ اور اونکے خلف الصالح جناب اسمٰعیل نے خاص شہر مکہ معظمہ۔ حرم بیت اللہ اور اسکے متصل مقامات مختلف میں ادا فرمائے تہے۔ آجتک ہر سال بلا ناغہ اوسی طریقہ سے بجا لائے جاتے ہیں اور اونکی تعمیل میں اتنی احتیاط برتی جاتی ہے اور اتنی پابندی پیش نظر رکہی جاتی ہے کہ کسی طریقہ ادائے مناسکات میں سر مو فرق نہ آنے پاوے اور ادائے مراسم کا کوئی شعبہ نہ چہوٹ جاوے۔

نسل اسمٰعیل میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک یہ شب و روز کے واقعات اور مشاہد اس امر کے تسلیم کر لینے اور مان لئے جانیکے لئے پورے طور سے کافی ہیں کہ اگر حضرت ذبیح اللہ اسمٰعیل نہوتے تو پہر اہل عرب کو یا اون کے تمام قوموں کو جو اونکی نسل سے ہونیکا شرف رکہتی ہیں۔ ان مراسم اسمٰعیلی کو آجتک اس گرمجوشی۔ احتیاط اور اتنی پابندی سے قایم رکہنے کی کوئی ضرورت نہیں تہی۔ مگر نہیں۔ یہ اونکے نمایاں شرف کا سبب اور اونکے فخر و مباہات کا

مخصوص باعث تہا اور اون کے لئے اس عظیم الشان اور واجب الاحترام واقعہ کی یادگار جاری و قائم رکھنی ایسی ضروری تھی کہ خداے سبحانہ تعالی نے اوسکے تمام مراسم و مناسک کی تعمیل اونکے لئے فرض کردی۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر سر سید احمد خان نے اپنی تحقیق کو زیادہ تر اہل کتاب کے منقولات تک محدود رکھا۔ اور اسلامی محققین کے دائرہ میں بہی اتفاق سے اونہیں علما کے استدلال معقول سے آگے نہ بڑہے جنکو سید صاحب سے ہزار ہا برس پہلے اہل کتاب کے بہی مغویانہ منقولا و معقولات دہوکہ میں ڈال چکے تہے۔ سید صاحب حقیقت واقعہ کی تفتیش میں تہوڑی زحمت اور گوارا فرماتے اور اہل کتاب کی کتب قدیمہ کی طرح محققین و متکلمین اسلامی کے مختلف مختارات و آرا کا ملاحظہ فرماتے تو اونپر اصلیت اور حقیقت واقعہ کا پورا انکشاف ہوجاتا اور معلوم ہوجاتا کہ اس مسئلہ پر دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں متکلمین اسلام علما سے یہود سے اس مسئلہ خاص کی نسبت محاکمہ اور تبصرہ کر چکے ہیں علما کے اہل سنت میں ابن حجر عسقلانی نے مواہب لدنیہ میں۔ زرقانی نے اپنی شرح میں اور علامہ ابن القیم نے استدلال شدید بشرح زرقانی میں۔ اور علماے شیعہ میں سے ملا محمد باقر مجلسی نے حیات القلوب جلد دوم میں اس تبصرہ اور محاکمہ کی پوری کیفیت درج کی ہے۔ ہم مواہب لدنیہ کی اصل عبارت اسکو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وروی فیما ذکرہ المعافی[*] بن زکریا بن یحیی ان عمر بن عبد العزیز سال رجلا اسلم من علماء الیہود ای ابنی ابراہیم امر بذبحہ فقال واللہ یا امیر المومنین ان الیہود لیعلمون انہ اسمعیل ولکنہم یحسدونکم معشر العرب ان یکون اباکم الفضل الذی ذکرہ اللہ عنہ فہم یجحدون ذلک ویزعمون انہ اسحاق لان اسحاق ابوہم فانظر ایہا الخلیل ما فی ہذہ القصۃ من السر الجلیل وہو ان اللہ تعالی یری عبادہ الخبر

معافی ابن زکریا ابن یحیی نے لکھا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز نے ایک عالم یہودی سے جو حال میں مشرف باسلام ہوا تھا دریافت کیا کہ حضرت ابراہیم کے دونوں بیٹوں میں سے کون تھا جسکے لئے ذبح کا حکم خدا نے دیا تہا۔ اوس نے کہا کہ اے امیر المومنین یہود اسکو خوب جانتے تہے کہ وہ آپکے صاحبزادے حضرت اسمعیل تہے لیکن اونہوں نے قوم عرب کے ساتھ حسد کیا کہ تمہارے جد اعلی کے ساتھ وہ فضل و مراتب نہ مذکور و مشہور ہوں جو خداے سبحانہ تعالی نے اونہیں عنایت فرمائے تھے۔ اس بنا پر اونہوں نے انکار کیا۔ اور اپنے زعم میں ذبیح اسحاق

[*] توثیق المعافی: المعافی بن زکریا بن یحیی بن حمید الحافظ العلامۃ المفسر الثقۃ النہروانی الجریری کان علی مذہب ابن جریر مات سنۃ تسعین وثلثمایۃ۔ معافی بن زکریا بن یحیی بن حمید۔ حافظ۔ عالم مفسر اور ثقہ تہے نہروانی مسکنًا اور جریری مذہبًا تہے۔ وہ علامہ جریر کے طریق پر تہے۔ اونکی وفات ۳۹۰ھ میں واقع ہوئی۔ زرقانی جلد اول ص ۱۲۰

بعد الکسر و اللطف بعد الشدۃ فانہ کان عاقبۃ صبر ھاجر و ابنھا علی البعد و الوحدۃ و الغربۃ و التسلیم لذبح الولد الی ما الت الیہ من جعل اثارھما و مواطی اقدامھما مناسک لعبادۃ المومنین و متعبدات لھم الی یوم الدین و ھذہ سنۃ اللہ تعالی فیمن یرید رفعتہ من خلقہ بعد استضعافہ و ذلہ و انکسارہ و صبرہ و تلقیہ القضآء بالرضآء فضلا منہ قال اللہ تعالی و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ

کو قرار دیا۔ اسلئے کہ وہ اونکے جا اعلی تھے اسو اقعہ میں غلبہ و خلوص خلیل قابل ملاحظہ ہے اور ایک سر جلیل لائق مشاہدہ اور وہ یہ ہے کہ اس واقعہ سے خدائے سبحانہٗ تعالی کا مدعا یہ تھا کہ وہ اپنی قدرت کا ملہ سے ضعف و ناتوانی کے بعد اوسے قوت و توانائی اور رنج و تکلیف کے بعد آرام و اطمینان کے مناظر دنیا کو دکھلائے اور حقیقتاً حضرت ہاجرہؑ اور اونکے فرزند ارجمند جناب اسمٰعیل کے صبر و تحمل کا یہی صلہ تہا اور یہی اجر اون تمام تکالیف و مصائب کا جو ترک وطن۔ اختیار غربت۔ حصول بیکسی و ناداری کی مختلف صورتوں میں ان بزرگواروں کو پیش آئیں اور اُن پر ان حضرات نے صبر کامل فرمایا اور آخر میں انکے اس صبر و تحمل کا درجہ ایسا رفیع کر دیا گیا کہ اون کے مراسم و مناسک تمام مومنین کے لئے عبادت و طاعت الٰہی کے خاص معیار قرار دئے گئے۔ اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ عادت الٰہی یہی ایسی ہی جاری ہوئی تہی۔ کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اونکے ضعف و انکسار تکلیف و دقت کے بعد رفعت راحت اور اطمینان عطا فرماتا ہے۔ اور اونکے صبر و سکوت کا یوں اجر عطا فرماتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ نُرِیدُ اَن نَّمُنَّ عَلَی الَّذِینَ الخ کی عبارت ظاہر ہے۔ (ملخص از شرح زرقانی جلد اول مطبوعہ حیدرآباد دکن از صفحہ ۱۱۶ تا صفحہ ۱۲۱)

بہرحال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے کے ثبوت میں اتنے متواتر شواہد تاریخی محققین و مورخین کے مختلف اسناد و اشہاد سے مندرج کر دئے ہیں کہ پھر کسی تصدیق و توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ مگر اسکے ضمن میں ہمکو یہی اتنا لکھدینا اور باقی ہے کہ صورت واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت حال وہی ہے۔ جو ایک نو مسلم عالم یہود نے عمر ابن عبد العزیز کے دربار میں بیان کی ہے۔ ہمارے سید صاحب خود ہی خطبات کے اکثر مقامات پر یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی تحریفات و تلبیسات کو دکھلا چکے ہیں چنانچہ خطبات میں بذیل تحقیق موقع بیابان فاران اور مقام سکونت حضرت اسماعیل۔ اور نیز تحقیق بشارت نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے متعلق۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی توریت و انجیل کی اصل عبارات اور ترجموں میں ایک نہیں کثیر التعداد تحریفات اور غلط معانی جس سے بشارت نبوت آنحضرت صلعم نہ ظاہر ہوسکے۔ یا کم سے کم اوسکے اصل مقاصد و مطالب مشتبہ اور مبہم ہوجائیں۔ بتلا چکے ہیں اور ثابت کرچکے ہیں تعجب ہے کہ باوجود اپنی معلومات کے بہی سید صاحب مرحوم نے اس مسئلہ خاص کے متعلق اونہیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تصدیق و توثیق فرمائی اور تصدیق فرماتے وقت اونکے ان خود غرضانہ اور معنویانہ تحریفات کا کوئی خیال نہ کیا۔

اِن دلائل سے قطع نظر کرکے اگر سید صاحب نے اہل عرب کے۔ اوسوقت سے لیکر اسوقت تک کے صرف اون شعار واخبار کیطرف اعتنا فرمائی ہوتی۔ جو ذبح اسمٰعیل کے متعلق۔ اتنی کثرت۔ شہرت۔ قدامت اور عقیدت کے ساتھ اونہیں اور اون کی نسل اور سلسلوں ہیں۔ جو عرب کے ماسوا اور تمام اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تو ہمکو یقین ہے کہ پھر سید صاحب کو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

لطف تو یہ ہے کہ مرحوم سید صاحب نے مناسکات حج وغیرہ کی نسبت۔ انکے ارشاد ابراہیمی اور آثار اسمٰعیلی ہونیکا پورا اعتراف فرمایا ہے۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں کے انکار کی تردید ہیں۔ انکی قدامت۔ شہرت اور کثرت ہی کی بناپر استدلال کیا گیا ہے۔ مگر ان تمام مناسکات کے شعار ابراہیمی اور آثار اسمٰعیلی مان لینے کے بعد بھی صرف اسکے ایک شعبہ یعنی واقعہ قربانی کے متعلق۔ اسکا تعلق حضرت اسماعیل سے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہمارے نزدیک سید صاحب کا یہ طریق استدلال بالکل ضعیف ہے۔ آپنے جب اصول شریعت شہرت اور قدامت سے تمام واقعات میں استدلال فرمایا ہے اسی اصول وطریقہ کو تمام مبحث میں جاری وقایم رکھنا آپکے لئے ضروری اور لازمی تھا۔ نہ یہ کہ بعض طرق مبحث میں تو ایک اصول سے بحث کی جائے اور دوسرے طرق مبحث اور جزو مسئلہ میں وہی اصول ناکافی اور غیر معتبر سمجھے جاویں۔ یہی دَور ہے جو علما ے منطق علم کلام میں سخت معیوب بتلاتے ہیں۔ ہم ذیل میں سید صاحب کے ان تغیرات فی المختارات کی مثال لکھکر دکھلا دیتے ہیں۔ جسے دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص سمجھ لیگا کہ سید صاحب نے عرب کے قدیم شعار اور رسم ورواج تک کو کس یقین۔ وثوق اور اعتبار کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے سکوت یا انکار کے مقابلہ میں اونکو کیسا معتبر اور کتنا مستند تسلیم کیا ہے۔

> جو ملکی روایتیں عرب کی مختلف قوموں کی تقسیم کے باب میں ہیں وہ نہایت معتبر ہیں۔ کیونکہ عرب اپنے رسوم آبائی اور اوضاع واطوار کے بدرجہ غایت پابند تھے۔ اور اونکو کبھی ترک کرنا یا تبادل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے نسب نامہ کو یاد رکھنا قریب قریب اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ہر ایک قوم نہیں بلکہ ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا جدا جدا نام رکھتا تھا۔ اور اس ذریعہ سے ہر شخص اپنی قوم وقبیلہ کو خوب جانتا تھا۔ اور اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر کرتا تھا۔　　　خطبات مطبوعہ لاہور ص ۳۵۔

پھر اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

> ملک عرب کی ملکی روایتیں نہایت عمدہ اور صحیح ذریعہ ملک عرب کے حالات دریافت کرنیکی ہیں اونکے رسوم کا علم مندرجہ ذیل امور سے ہوتا ہے۔ (۱) بعض اوقات جب کسی بے قوم کی راے میں کوئی جرم

سرزد ہوتا تھا۔ تو اوسکی پاداش میں اوسکی ساری قوم کے لوگوں کو جرمانہ دینا ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں کوئی جنگ اور بدون اسکے کہ حریف سے اپنا حسب نسب باواز بلند نہ دریافت کرلے۔ تنہا لڑائی میں مصروف نہیں ہوسکتا تھا۔ (۲) کسی عام مہم میں ہر شخص اپنی ہی قوم کے سردار یا رئیس کے جھنڈے کے نیچے قیام کرتا تھا۔ عرب میں جرمانہ کا رسم نہایت قدیم ہے اور آجتک اَلدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلِ کی اصطلاح خاص سے مشہور و معروف ہے۔ خطبات ص ۳۷

پھر اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی عمر جبکہ اون کے باپ نے اونکو گھر سے نکال دیا تھا۔ توریت کے مطابق سولہ[16] کی تھی اور یہ عمر ایسی تھی جو روایتیں اونہوں نے اپنے والد سے سُنی تھیں اونکے سمجھنے اور تمیز کرنے اور یاد رکھنے کے قابل تھیں۔ اسکے سوا وہ ہمیشہ اور متواتر اپنے والد سے ملاقات کرتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم بھی اکثر اونکے پاس آتے جاتے تھے۔ انجام کار سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ حضرت اسمٰعیل جن کی عمر اسوقت نواسی[89] برس کی تھی۔ بروقت وفات حضرت ابراہیم اپنے والد کے۔ اون کے پاس موجود تھے۔ یہ سب باتیں ہر ذی فہم اور غیر متعصب شخص کے ذہن نشین کرنے کو کافی ہونگی کہ یہ تمام روایتیں جو مختلف عرب میں اسقدر شائع ہیں۔ لوگوں کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل سے پہونچی ہیں۔ اور یہ امور ایسے بدیہی اور ذہن نشین ہونے کے لائق ہیں کہ اگر پھر کوئی شخص یہ کہے کہ اہل عرب کو یہ روایتیں یہودیوں کی وساطت سے پہونچی ہیں تو اوسکو سنکر کچھ کم تعجب نہ ہوگا۔ خطبات ص ۳۹

پھر آئندہ صفحہ میں مرقوم ہے:۔

عرب کے قدیم رہنے والوں نے اپنی جبلی عادت سے اپنی اصلی روایتوں میں بھی کوئی روایت اضافہ نہیں کی تھی اور تمام غیر قوموں سے وہ بالکل علیحدہ رہتے تھے۔ یہانتک کہ جب حضرت اسماعیل اور انکے ہمراہی وہاں آکے آباد ہوئے۔ تو قدیمی عرب اون کو نظر حقارت سے دیکھتے تھے اور ذلیل لقب مستعربہ سے اونکو ملقب کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل اور خصوصاً اہل عرب سے بنی اسمٰعیل کو ہمیشہ دو مختلف قومیں سمجھتے تھے۔ اور قدیم عرب نے اپنی روایتوں کا ان سے مبادلہ نہیں کیا اور اسی لیے بنی اسرائیل کے پاس عرب کی قوموں اور عرب کے انبیا کی نسبت زبانی خواہ تحریری کوئی روایت نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات فرمائی کہ جمیع انبیائے بنی اسرائیل برحق تھے اور اونپر ایمان لانا چاہیئے۔ اوسوقت سے بنی اسرائیل اور اون کے نبیوں کی روایتیں اور قصّے عرب کی روایتوں اور قصوں میں مخلوط ہوگئیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں عرب کی کچھ روایتیں

نہیں تھیں اسلئے عرب کی روایتیں بجائے خود ہمیشہ برقرار رہیں۔ (خطبات ص ۴۰)

پھر دوسرے مقام مندرجہ ذیل عبارت قلمبند ہے:۔

کسی راوی نے یہودیوں کی روایتیں بیان کیں اور سننے والے نے غلطی سے اوسے حدیث سمجھ لیا اور اسی ذریعہ سے یہودیوں کی روایات کا اختلاف مسلمانوں کے ہاں منتقل ہوگیا۔ اگلے نبیوں اور بزرگوں کے قصے جن سے ہمارے ہاں کی تاریخیں اور تفسیریں سیاہ ہیں سب انہیں ذریعوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ خطبات ص ۲۵۰

پھر آگے تحریر فرمایا جاتا ہے:۔

مخالفین اسلام نے جو اوس زمانہ میں زیادہ تر یہودی اور مشرکین تھے۔ ان لوگوں نے بہت سی باتیں سچ اور جھوٹ آنحضرت صلعم کی نسبت مشہور کر رکھی تھیں اور وہ عرب میں پھیل گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ بطور روایت کے بیان ہونے لگیں۔ اور لوگوں نے غلطی سے انکو حدیثوں میں شمار کر لیا۔ (خطبات ص ۲۵۱)

عبارات توراۃ اور انجیل کی غلطیوں کے اعتراضات میں تحریر ہے:۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے توریت کی عبارت اور الفاظ میں غلط طور سے تعبیر کئے اور اس سبب سے وہ غلطیاں ہوئیں کہ خود توریت کے قدیم نسخوں میں جو کوڈیسس کہلاتے تھے اور قلمی تھے متعدد وجوہ سے غلطیاں رہ گئی تھیں اور پھر جن لوگوں نے مقابلہ کر کے اونکو صحیح کیا اون کی تصحیح بھی غلطیوں سے خالی نہ تھی۔ اور سب سے بڑا سبب ان غلطیوں کا یہ ہوا کہ وہ تاریخی واقعات جو انسانوں نے بغرض تسلسل مطالب حضرت موسیٰ کے کلام کے ساتھ جدا لکھے تھے۔ اور جن میں بلاشک بہت سی غلطیاں تھیں۔ اونکو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے مقدس تحریر سمجھا تھا۔ پس اگر اسلام نہوتا تو ان پیغمبروں اور نبیوں اور خدائے پاک کے بندوں یعنی حضرت ابراہیم۔ حضرت لوط اور اونکے بیٹوں۔ اور حضرت اسحاق حضرت یہودا اور حضرت یعقوب کے پوتوں اور بیٹوں اور ہارون۔ اور داؤد و سلیمان کی دنیا میں ایسی مٹی خراب رہتی۔ جیسے ایک بدکار آدمی کی خراب ہوتی ہے۔ تمام دنیا کی نظروں میں ویسے ہی حقیر ہوتے۔ جیسے کہ ایسے جرموں کے مجرم حقیر ہوتے ہیں۔ جنکو دائم الحبس کر کے کالے پانی بھیجتے ہیں۔ یا اونکو اونکے گناہوں کی سزا کیلئے اونکو سولی پر چڑھاتے ہیں۔ صرف یہ اسلام ہی کا احسان ہے۔ جس نے ان تمام بزرگوں کی بزرگی اس حد تک دنیا میں پھیلائی جسکے وہ مستحق تھے۔ (خطبات ص ۲۹۳)

سرسید کی مرقومہ بالا تحقیقات سے اہل عرب کی روایت کا وثوق اور اعتماد کما حقہ ثابت ہوگیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ساتھ اونکی معلومات کا تسلسل اور نسلاً بعد نسلاً اس انتظام احتیاطی کے ساتھ قوافلت قبائل و عشائر میں اونکا محفوظ رکھنا کہ اون کی اصلیت اور حقیقت میں کوئی خود غرضانہ اضافہ ناممکن ہو۔ کافی تفصیل کے ساتھ معلوم

ہوگیا۔ باوجود ان تحقیقات اور اعترافات خاص کے بھی اس مسئلہ میں نہیں معلوم سید صاحب نے اہل عرب کی مرویات کو پھر کس وجہ سے ناقابل اعتبار سمجھا اور اون کے بیان پر کوئی توجہ نفرمائی۔ بخلاف ان کے یہودیوں اور عیسائیوں کی مغویانہ مرویات کو آمنّا و صدّقنا کہہ کر تسلیم کرلیا جن کے لغویات اور جہلات کو خصوصاً انبیا علیہم السلام کی پاک سیرتوں کے متعلق اس زور وشور سے اپنے تنقیدانہ مضامین تحقیق میں ابھی ابھی خود تحریر فرماچکے ہیں۔ اسکا باعث جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں اوپر لکھہ چکے ہیں سوائے اسکے کچھہ اور نہیں معلوم ہوتا کہ سید صاحب نے اہل کتاب کے اتفاق اور مفسرین ومحدثین کے اختلاف کی بنا پر اپنی رائے قایم کی ہے جنمیں سے ہم دونوں شبہوں کی تردید وتنقید پورے طور سے اوپر مندرج کرچکے ہیں۔

اول تو ہم نے توراۃ کی اصلی عبارات سے جو ثبوت مستنبط کئے ہیں وہی کافی طور سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ ثابت کرتے ہیں۔ گو اونپر اغوا اور عالم فریبی کے غلاف ضرور چڑہائے گئے ہیں۔ مگر جب تحقیق کا متلاشی ان قرائن کو واقعات اور اصلی حالات سے ملائیگا تو۔ توراۃ کی بشارتیں اور اون کے تمام قرائن حضرت اسماعیل کے ساتھہ منطبق پائیگا۔ نہ جناب اسحٰق علیہ السلام کے ساتھہ۔

دوسرے اون اصول کے مطابق جو سید صاحب نے علم تفسیر حدیث سیر تاریخ وغیرہ وغیرہ کی تحقیق وتنقید کے متعلق اپنے خطبات میں بڑے بڑے علمائے متکلمین کے اقوال سے نقل فرمائے ہیں۔ اتفاق اہل کتاب کے مسئلہ خاص کی حیثیت اونھیں علماء کے مختار سے خود سمجھہ لیں کہ تمام علمائے محدثین کا مسئلہ ہے کہ الاتفاق اہل الکتاب لیس لہ اعتبار۔ اتفاق اہل کتاب قابل اعتبار نہیں۔　　　(زرقانی جلد اول)

اب سید صاحب مرحوم۔ ایسے پکّے مسلمان ہوکر اس اتفاق پر اعتبار فرمائیں تو اسکو اونکی تحقیقات کی خامی اور حقیقت امری سے ناکامی کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اتفاق اہل کتاب کی تو یہ کیفیت تھی۔ علمائے اسلام کے اختلاف کا باعث ہم اوپر لکھہ کر بتلا آئے ہیں جس شبہ میں سید صاحب پڑگئے ہیں۔ اسی مغالطہ میں وہ مفسرا بھی گرفتار ہوچکے ہیں۔ اونکے تمام مرویات کی تنقید پوری تفصیل کیساتھہ اوپر قلمبند ہوچکی ہے اور اونکی رواۃ کی بجا احیاد التضعیف بھی لکھہ چکی گئی ہے۔ اور مرحوم سید صاحب بھی اسکے اصلی باعث کو سمجھہ چکے ہیں۔ اور لکھہ چکے ہیں کہ شیوع اسلام سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال کا تو مرویات عرب میں کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا ہاں ظہور اسلام کے بعد جب سے بانی علیہ السلام نے انبیاے سابقین علیہم السلام کی تصدیق فرمائی اسوقت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال اسلام میں نقل ہونے لگے۔

اسی ضمن میں حضرت اسحٰق کی قربانی کا مصنوعی واقعہ بھی حضرت اسمٰعیل کے صحیح اور اصلی واقعہ قربانی کیساتھہ خلط ملط ہوگیا اور نقل کرنیوالے نے بکمی تحقیق اور عدم واقفیت کیوجہ سے اسکو بھی حدیث رسول ہی سمجھہ لیا اور اپنی

اپنی تصنیفات و تالیفات میں ایک نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے نقل کر دیا۔ بعض علمائے اہل اسلام کو حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ حقیقی ہونے میں جو شبہ واقع ہوا۔ اسکی وجہ یہی تھی۔ جو اوپر لکھی گئی۔

قربانی کی حقیقت میں مولوی شبلی صاحب کی نئی اور قیاسی تاویل

ہم سید صاحب کی غلط فہمی کی کامل تنقید و تصحیح ختم کر کے اب ہم شمس العلما مولوی شبلی صاحب کی ایک تازہ تخئیل اور جدید تاویل کی تفصیل و تحقیق کیطرف متوجہ ہوتے ہیں

مولوی شبلی صاحب (چار ہزار برس کے بعد تقریباً) اس واقعہ قربانی کو خدا کا امر تمثیلی قرار دیتے ہیں اور اپنے موجودہ مختار کو قربانی کی حقیقت کے خاص عنوان سے مفصلہ ذیل عبارت میں ظاہر فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت اوسوقت اور بھی واضح ہوجاتی ہے جب اسپر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے اصلی مقصود کیا تھا قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنی اولاد کو اپنے معبود پر بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر صوفیہ نے لکھا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو جو خواب دکھلائے جاتے ہیں دو قسم کے ہوتے ہیں عینی اور تمثیلی عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو ادا کرنا ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھلایا گیا اوس سے مراد یہ تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں۔ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دئے جائیں۔ توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اوسکی تعمیل کرنی چاہی۔ گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی۔ جو انبیا سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی بلکہ خدا اسپر اونھیں متنبہ کر دیتا ہے) اس بناپر گو حضرت ابراہیم اس فعل سے روک دئے گئے۔ لیکن خدا نے اون کے حسن نیت کی قدر کی۔ اور فرمایا کہ قد صدقت الرؤیا انا کذالک نجزی المحسنین۔ تو نے اپنے خواب

۱؎ سخت افسوس ہے کہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب کو۔ باوجود اتنی استعداد و جامعیت کے جو اونکی نسبت مشہور کی جاتی ہے۔ قدرت نبوت اور قوت اجتہاد کا فرق مابہ الامتیاز ابھی تک معلوم نہیں۔ وہ اصول اسلامیہ اور معتقدات ایمانیہ کے بالکل خلاف نبیؐ کو مجتہد سمجھتے ہیں۔ تب ہی تو حضرت ابراہیم کے اس حسن تعمیل کو معمولی علما کیطرح خطائے اجتہادی سے تعبیر فرماتے ہیں اور اتنا نہیں جانتے ہیں کہ نبی کے ذریعہ معلومات بالکل وہبی طریقہ سے ہوتے ہیں۔ اور مجتہد کے وسیلہ اطلاع تعلیم و تدریس کے کسبی طریقے ہیں۔ فافہم فتدبر۔ المولف عفی عنہ

کو سچا کر دکھلایا۔ ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

بہرحال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانے کے لئے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل ہوئے تھے۔ خدا کے سامنے تھے توراۃ میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی۔ لیت اسمٰعیل لیعیش امامک۔ کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔ اسی خواہش کے مطابق اونکو خواب تمثیلی کے پیرایہ میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربانی کریں۔

(سیرۃ النبی ص ۱۰۶ و ۱۰۷ جلد اول)

یہ ہے ہمارے مولوی شبلی صاحب کی طبعزاد تخئیل اور نو ایجاد تاویل۔ جو اون کے اوس مورخانہ مختار و معیار سے بالکل خلاف ثابت ہوتی ہے جس کو اونہوں نے اصول تاریخ و سیرۃ نویسی کی نسبت اپنے دیباچہ کتاب میں نہایت شد و مد اور بڑی حد و کد سے قائم فرمایا ہے۔ اور یہ التزام و انتظام صرف زبانی دعووں میں ظاہر طور پر اپنی کتاب میں قائم رکھے جانیکا اقرار فرمایا ہے کہ کوئی واقعہ تاریخی جب تک کسی حدیث سے نہ ملالیا جاوے اور حدیث بھی کون۔ صحیح و مرفوع اور وہ صحیح و مرفوع بھی کون۔ وہ جو کتب صحاح میں وارد ہو۔ کتب صحاح میں کون کتاب۔ صحیحین شریفین اور صحیحین شریفین میں بھی کون۔ صحیح بخاری (مطلب سعدی ہمیں بود) میں ہو۔ تب تک وہ واقعہ اسلامی تاریخ میں درج کئے جانیکے قابل نہیں ہو سکتا۔

مگر جہاں تک آپ کے اس شرط و اقرار پر غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی کیا اس کہانی ادھیڑنے کے بعد بھی شبلی صاحب نے اپنے اسناد و استشہاد کیلئے کوئی حدود و قیود قائم نہیں رکھے۔ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید میں جہاں سے اور جس کسی سے بھی آپ کو اپنے مطلب کی بات ملگئی۔ آپ کے لئے بس وہی وحی آسمانی ہوگئی۔ پھر اوس وقت نہ صحیح بخاری سے تحقیق کی ضرورت رہی اور نہ صحیح مسلم سے تصدیق و تطبیق کی حاجت۔ مثال کے لئے اکا دکا صوفیہ کی بلا سند اور غیر مقید اقوال کو خاصکر ایک ایسے مبحث اور مقصد کا اصل الاصول قرار دینا کافی ہے۔ جو اوس وقت سے لیکر اسوقت تک تمام فقہائے اسلامی میں سے کسی فرقہ اور مذہب کے عالم اور محدث نے کہیں بھی نقل نہیں کیا ہے اور جو بالکل معانی و مطالب قرآنی کے مخالف اور ارشاد و اقوال رسول صلعم کے معارض ثابت ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ فاضل محقق نے کہاں تو اپنی تحقیق و تفتیش کے حدود اعتباط کو مقدمہ کتاب میں اسقدر تنگ محدود کر دیا تھا کہ وہ اپنے ماخذوں میں سوائے چند قدیم عربی تاریخوں اور چیدہ چیدہ کتب صحاح کے اور کسی اسلامی تاریخ۔ حدیث اور سیر کی کتابوں سے استنباط و استخاذ کو گویا حرام فرما دیا ہے۔ کہاں اپنی اتنی بڑی اعلی اور یکتا تحقیق میں۔ ادہر اودہر کے بے نام و نشان اسناد کی بھرتی کر لینے لگے کہ اونکا شمار صحیح۔ موثق اور حسن و غیرہ

میں کہاں تک ہوگا۔ مرسل۔ غریب۔ ضعاف اور احاد میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی کوئی سند ہے کہ "اکابر صوفیہ کا قول ہے"۔ استغفر اللہ۔ یہ اوس پایہ کے شخص کی سند ہے جو تمام مستندین کے مقابلہ میں اپنی تحقیق و تلاش کو سب سے زیادہ معتبر و مستند بتلاتا ہے۔ اور جو اپنے مقدمہ کتاب میں اپنی ظاہری شوکت الفاظ سے اور صرف زبانی سخن آرائیوں سے کسی تاریخ واقعہ کو تاوقتیکہ احادیث مسندہ صحیحین سے منطبق نہ کر لے۔ قابل اندراج نہیں سمجھتا۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بہرحال مولوی شبلی کو اپنے اختیار کردہ طریقہ استخراج و استنباط کے بدلتے وقت اپنے اصل مدعائے حقیقت کو اگر نصوص الٰہی اور منشور حضرت رسالت پناہی سے منطبق کر لینے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔ تو کم سے کم اونکو علماء محدثین اکابر مفسرین اور عمائد مورخین ہی کے اقوال و آرا سے ملا لینا تو ضرور تھا۔ اور اگر کسی تفسیر۔ مسند۔ سنن اور صحیح میں دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی تو اپنے مدعا کی تلاش صرف صحیح بخاری ہی میں کر لی گئی ہوتی۔ کیونکہ آپ کی تمام کائنات تحقیقات و معلومات تو اوسی کتاب پر ختم ہے۔ مگر نہیں معلوم۔ مولوی صاحب کو اکابر صوفیہ کے اس بلا سند قول پر کیسا فوق البشری جوش عقیدت آگیا کہ اوس تلاطم خیز عالم وجد میں۔ قرآن۔ حدیث اور اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری بھی بالکل نسیاً منسیاً ہو گئی۔

علماء کرام اسلام میں فریقین کے تمام متقدمین مفسرین۔ محدثین اور مورخین سے لیکر متاخرین تک کی کثیر التعداد۔ قوی الاسناد تالیفات و تصنیفات اسوقت میرے پیش نظر ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اونمیں سے کسی ایک کو بھی مولوی شبلی کا ہمخیال نہیں پاتے۔ کسی بھی مفسر۔ محدث اور مورخ نے اوسوقت سے لیکر اسوقت تک قربانی کے واقعہ میں عینی اور تمثیلی کی دو جداگانہ شاخیں نہیں نکالیں۔ اور اوس نبی برحق۔ حکمت الٰہی کے مصدق پر۔ اصل مطالب و مقاصد وحی کے سمجھنے میں غلطی کا الزام نہیں لگایا۔ اور نہ اپنے کسی عقلی و نقلی بیان میں کسی ضعیف سے ضعیف اور احاد سے احاد طریقہ روایت سے بھی اشارتاً و کنایتاً ذکر نہیں فرمایا۔

تخطئہ انبیا علیہم السلام کا مسئلہ مولوی صاحب کے ہاں کا ایک اختلافی مسئلہ ضرور ہے۔ مگر قاضی عیاض اور امام فخر الدین رازی اسکو بہت کچھ صاف بھی کر چکے ہیں۔ ایسا اختلاف اور اشتباہ بین النفی والایجاب کی رو سے۔ اگر شبلی صاحب حضرت ابراہیم کے خطا کرنے کے قائل ہیں۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور مجھے اون کے خاص عقاید میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ مگر جو کچھ کلام ہے اور جو کچھ افسوس ہے وہ مولوی شبلی صاحب کی اسلامی عقائد سے عدم واقفیت پر ہے جو آجتک انبیا اور مجتہد کا بھی فرق نہیں جانتے ہم انکی یاد دہانی کے لیے۔ اونہیں کی کتاب الکلام سے صرف دو شہادتیں جو صفات نبوت کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں۔ علم الکلام حصہ دوم میں شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ امام غزالی نے احیاء العلوم

کے شروع میں ایک ضمنی بحث میں لکھا ہے۔

وَكَيْفَ يُنْكَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِيْزَةِ وَلَوْلَاهَا لَمَا اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي فَهْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا اِلٰى بَلِيْدٍ لَا يَفْهَمُ بِالتَّفْهِيْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِيْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَاِلٰى ذَكِيٍّ يَفْهَمُ بِاَدْنٰى رَمْزٍ وَاِشَارَةٍ وَاِلٰى كَامِلٍ تَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِهٖ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ بِدُوْنِ التَّعْلِيْمِ كَمَا قَالَ تَعَالٰى يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اِذْ يَتَّضِحُ لَهُمْ فِيْ بَوَاطِنِهِمْ اُمُوْرٌ غَامِضَةٌ مِنْ غَيْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَيُعَبَّرُ عَنْ ذٰلِكَ بِالْاِلْهَامِ وَعَنْ مِثْلِهٖ عَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ

فطرت کی تفاوت کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ یہ تفاوت نہ ہوتی تو علوم کے سمجھنے میں اختلاف مراتب کیوں ہوتا۔ اور یہ بات کیوں ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہیں جو اوستاد کے سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں تو مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ ذرا سے اشارہ میں سمجھ جاتے ہیں اور بعض ایسے کامل ہوتے ہیں کہ خود اونکی طبیعت سے حقایق امور پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے یکاد زیتھا یضیء ولو لم تمسسہ نار۔ اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے۔ ان کے دل میں دقیق باتیں خود بخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہو جاتی ہیں اور اسی کو الہام کہتے ہیں اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسطرح تعبیر فرمایا ہے کہ روح القدس نے میری روح میں پھونکا۔ علم الکلام ص ۱۰۰

امام غزالی کے قول کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلم و تعلیم کے علم حاصل کرے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

فَصَحَّ اَنَّ النُّبُوَّةَ فِي الْاِمْكَانِ وَهِيَ بَعْثَةُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْفَضِيْلَةِ لَا لِعِلَّةٍ اِلَّا اَنَّهٗ شَآءَ ذٰلِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللّٰهُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِيْ مَرَاتِبَ وَلَا طَلَبٍ لَهٗ وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ اَحَدُنَا فِي الرُّؤْيَا فَيَخْرُجُ صَحِيْحًا

یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے اور نبوت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور اونکو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔ نہ کسی علت کی وجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کی وجہ سے خدا ان کو علم سکھلاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے جس طرح ہم لوگ خواب میں کچھ دیکھتے ہیں اور صحیح نکل آتا ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں محدث ابن حزم کا بقیہ قول لکھا ہے:۔

فَوَجَبَ بِالضَّرُوْرَةِ اَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ اِنْسَانٍ وَاحِدٍ فَاَكْثَرَ عَلَّمَهُمُ اللّٰهُ ابْتِدَآءً كُلَّ هٰذَا دُوْنَ مُعَلِّمٍ

تو یہ بات ضروری ٹھیری کہ ایک یا ایک سے زیادہ ایسے شخص کہ لوگ پائے جائیں جنکو خدا نے یہ علوم و صنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے

لَکِنْ یُوْحٰی حَقِیْقَۃً عِنْدَہٗ وَھٰذِہٖ الصِّفَۃُ النُّبُوَّۃِ ـ	خود اپنی وحی سے نکھلا ہے اور یہی نبوت کی صفت ہے ـ علم الکلام ص ۱۰۲

کیا شبلی صاحب کسی مجتہد کو ان اوصاف مخصوصہ اور کمالات مخصوصہ کے ساتھ موصوف ہونا قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں ـ لا واللہ ـ

افسوس ہے کہ ابھی تک شبلی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انبیا علیہم السلام کی ان فرو گذاشتوں کو اصطلاح شرعیہ میں کیا کہتے ہیں ـ اور معمولی علما و مجتہدین کی عام غلطیوں کا کیا نام ہے ـ یہاں تک تو فریقین کا مسلم ہے کہ انبیا علیہم السلام مجتہد نہیں ـ کیونکہ اونپر بلا فضل و واسطہ وحی الٰہی اوترتی ہے ـ اور اونکے تمام معلومات احکام و ارشاد ـ افعال و اقوال تعلیم وحی کے مطابق ہوتے ہیں ـ وہ سوا ئے روحانی اور آسمانی بشارتوں کے کسی انسانی ذریعہ و واسطہ کے متبع اور محتاج نہیں ہوتے ـ انکے معلومات وہبی ہوتے ہیں ـ نہ کسبی ـ مجتہد تو نبی اور اوسکے بعد انکا تا اون تمام جائز الخطا انسانی ذریعوں اور بے شمار طریقوں کے نقل و اتباع کا متبع اور مقلد ہے ـ جس نے اپنے معلومات کو غیر مفید اور غیر محفوظ الخطا ذرائع و وسائل سے حاصل کیا ہے ـ اگر شبلی صاحب کے ایسے انبیا کو مجتہد تسلیم کر لیا جائے ـ تو تمام دنیا کے علما و مجتہدین کو گھر بیٹھے نبوت مل جاوے اور پھر نبی اور مجتہد کا فرق مابہ الامتیاز دشوار و محال ہو جائے ـ

افسوس ہے کہ مناسبت مقام ہمکو ـ مناصب نبوت ـ مدارج رسالت اور درجہ اجتہاد کے باہمی امتیاز و اختلاف اور اون کی حقیقت و ماہیت جداگانہ کی تفصیلی کیفیت درج کرنے کی فی الحال اجازت نہیں دیتی ـ ورنہ ہم مولوی صاحب کو حقیقت حال کا پورا مکاشفہ اور مشاہدہ کرا دیتے ـ

قبل اسکے کہ ہم شبلی صاحب کی اس غلط تاویل پر تنقید و تردید کا قلم اوٹھائیں ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مولوی صاحب کے ایسے جدید محقق کے ایسی عامیانہ غلط فہمی کا اصلی سبب دریافت کرلیں ـ ہم آپ کی اس غلط تاویل کی جب پوری عبارت پڑھتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کی اس غلط فہمی کا باعث بھی وہی اہل کتاب کی کورانہ تقلید اور علمائے تصوف کے ظنیات کی بے موقع تائید ہے ـ

جب اہل کتاب کے متعلق تبدیلی واقعات اور تغیر حالات کی وجہ تحقیق کی جاتی ہے تو پورے طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو نکہ بیت المقدس پر چڑھانے ـ یا اوس کی خدمتوں کے لئے وقف کر دئے جانے کے رسم و رواج یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں جاری تھے ـ اور اونکے انہیں اصول مرسومہ سے ـ محرر ـ مجرد اور محصور کے جداگانہ طبقے اور فرقے قایم ہوئے ـ اور آگے چلکر انہیں کی بنا پر رہبانیت شریعت عیسوی میں جزو مذہبی قرار پا گئی ـ اس لئے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس قربانی کو بھی انہیں معنوں میں سمجھا

اور دنیا کو سمجھایا۔ اور خصوصاً اپنے تعصب و نفسانیت کی وجہ سے خاص کر ایسی غلط تاویل کے لئے وہ مجبور ہوئے
کیونکہ حضرت اسحاق کے متعلق کسی طرح واقعہ ذبح ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ اصل واقعہ قربانی کو اونسے کوئی
واسطہ تھا اور نہ اونکے متعلق سعی۔ طوف اور رمی الجمرات وغیرہ کے مناسکات کو اون سے کوئی تعلق تھا۔
یہ دیکھ کر یہودیوں اور عیسائیوں نے کہ اصل واقعہ کو جزواً یا کلیتاً حضرت اسحٰق سے کوئی مناسبت
یا مطابقت نہیں ہے۔ اصل واقعہ کی عملی صورت سے انکار کر دیا اور اوسکو ایک دوسری صورت خاص
میں بدل دیا۔ مگر دروغگو را حافظہ نباشد۔ اس غلط تبدیلی واقعہ کے وقت اسکا خیال ہی نہیں رہا کہ
قربانی کی یہ صورت تو حضرت ابراہیم سے ڈیڑھ ہزار برس بعد۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیانی
زمانہ کی ایجاد ہے۔ اس سے قبل تو توراۃ میں بھی کہیں اسکا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ پھر ایک ایسی
صورت حال کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق کے زمانہ کی طرف منسوب کرنا سوائے
تعصب اور جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حقیقت حال سے ناواقفکاروں اور تعصب و نفسانیت کے قلمکاروں نے۔ ذبح و قربانی کی اصلی
اور عملی صورت کو۔ انذار اور احرار کی صورت و شکل میں تبدیل کر دیا۔ جو بمقابلہ ذبح۔ عام فہم اور بالکل
قریب الامکان تھی۔ حسن اتفاق سے اہل تصوف نے بھی اپنی ظاہری ترک تعلق کی پرجوشیوں میں تجرد
اور رہبانیت کے طریقوں کو اختیار کیا۔ اور لَا رَھْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَام کی تاکید پر کوئی اعتنا۔ نہ قربانی
نہ خدا کے حکم و ہدایت پر کوئی توجہ کی۔ اور نہ رسول کی خاص سیرت پر کوئی نظر۔

شبلی صاحب نے اہل کتاب اور اہل تصوف کے اس غلط اتحادی الخیال سے یہ دھوکا کھایا ہے۔
ورنہ۔ اگر مولوی شبلی کورانہ تقلید چھوڑ کر آزادانہ تحقیق سے کام لیتے تو وہ فوراً سمجھ جاتے کہ حریت یا خدمت
کعبہ کے لئے وقف کر دئے جانے کی خدمت اور عملی صورت نص الٰہی اور حکم رسالت پناہی سے مستنبط و مستخرج
ہوتی اور جواز کا حکم رکھتی تو آپکا رسول آپ کا نبی برحق۔ جو مذہب ابراہیمی کا مروج اور شریعت اسمٰعیلی کا
اصلی مجدد تھا۔ اور جس نے اسلام کو مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ الَّذِیْ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (اسلام) تمہارے
باپ ابراہیم کا مذہب ہے۔ اوسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا) کی بشارت پہونچا کر شریعت ابراہیمی اور اسلام کو
فی الاصل ایک ہی بتلایا تھا۔ تو اوسکے لئے ضرور تھا کہ اوسنے اپنے عہد رسالت میں جس طرح شریعت ابراہیمی
کے اور ارکان۔ قربانی مناسکات۔ حج اور دیگر اخلاقی اور مذہبی مراسم و عقائد کو از سر نو زندہ کر کے اسلامی
شریعت میں داخل فرمایا تھا۔ اوسی طرح خدمت کعبہ کے لئے وقف اولاد کا مسئلہ بھی تعلیم فرمادیتا اور
اپنے اقوال و ارشاد میں جناب ابراہیم کی اس غلطی اور سوء فہمی (معاذ اللہ) کو اشارتاً کنایتاً بیان کر کے

واقعہ ذبح کی حقیقت الامری کا (شبلی صاحب کی طرح) پورا انکشاف کردیا۔ مگر نعوذ باللہ رسول سے بھی اتنی رہ ہی گئی جس کو شبلی صاحب اور اون کے اکابر صوفیہ نے خیر پوری کردی۔ مگر ہم کہتے ہیں رسول سے کیا معاذ اللہ خدا سے بھی رہ گئی کہ اوس نے (نعوذ باللہ) یہ سمجھ کر بھی کہ ہمارا محدود عقل والا رسول علم الرؤیا کے اقسام و اصناف اور اون کے اختلاف کی تمیز و معرفت نہیں رکھتا تا ہم اوسکو مدعا حقیقت اور منشاے قدرت سے مطلع اور آگاہ نہ کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کا شیدائی اپنی غلط فہمی اور لاعلمی سے اپنے بڑے خلاف فطرت انسانی قتل اولاد کی شقاوت و بیدردی پر جرأت کر بیٹھا۔ تب اوسوقت خدا کو رسول کی فروگذاشت کے ساتھ اپنی خاموشی اور عدم اطلاع حقیقی کا خیال آیا۔ اور اوسکو قتل عمد کے ارتکاب سے روک دیا۔ مگر روک دیتے جانے کیوقت بھی خدا کو اصل حقیقت کے انکشاف فرما دیئے جانیکا خیال نہ آیا۔ ارشاد ہوا تو یہ قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین۔ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس سے بھی خواب تعبیری اور تمثیلی کی حقیقت بتلائی جانیکی کوئی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔

خدا کا فرض تھا کہ اس قیامت خیز منظر کے وقت اپنے رسول کو سمجھا دیتا اور بتلا دیتا اور رسول پر واجب تھا کہ اپنے نذر چڑھائے ہوئے بیٹے کو اوس دن سے کیا اوسی وقت سے خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دیتا اور اوس مقدس چار دیواری کے اندر لاکر بٹھلا دیتا اور پھر اوسکو سوا ے خدمت کعبہ کے اور کسی شغل میں مصروف نہ ہونے دیتا جیسا کہ مولوی شبلی نے مطابقت احکام توراۃ۔ نذر یا قربانی چڑھائے ہوئے لوگوں کے اصول و قواعد بتلائے ہیں۔

مسلّمہ بالا واقعات و حالات میں سے ایک واقعہ بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کے احوال معاشرت کے متعلق اہل عرب کے کسی اخبار و آثار میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور کسی محدث یا مورخ نے اشارتاً یا کنایتاً بھی ان لغویات و مہملات کا۔ جو شبلی صاحب کی جدت و جودت کا تازہ نمونہ ہے۔ ذکر نہیں کیا ہے اگر واقعہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مولوی شبلی نے اکابر صوفیہ کے کلام سے انکا استنباط سے اقتباس فرمایا ہے تو پھر حضرت اسمٰعیل کے طرز معاشرت بھی ایسے ہی معلوم ہوتے جیسے قوم بنی اسرائیل میں محررین بیت المقدس کے طرز زندگی معلوم ہوتے ہیں۔

بخلاف اسکے جب ہم حضرت اسمٰعیل کے حالات پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ۔ استغفر اللہ۔ نہ محرر تھے نہ مقدس۔ ایک چھوڑ دو دو بی بیاں والے تھے۔ چنانچہ اون کی پہلی شادی تو بروایت توراۃ۔ خود حضرت ہاجرہ نے کردی تھی۔ دوسری بی بی حضرت ابراہیم کے حکم و ہدایت سے کی تھی۔ چنانچہ ہم اسکا پورا واقعہ صحیح

بخاری کی عبارت سے اوپر لکھ چکے ہیں۔ اور خلاصہ ترجمہ اُسکا بقدر ضرورت پھر ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کی غیبت میں تشریف لائے اور انکی پہلی بی بی کے اکرام ضیف اور دیگر خوش اخلاقیوں میں کمی پائی۔ تو اون کی بی بی سے فرما گئے کہ جب اسمٰعیل شکار سے واپس آئیں تو اون سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کے کواڑ بدل ڈالو۔ حضرت اسمٰعیل کی واپسی پر اون کی بی بی نے حقیقت حال اون سے بیان کر دی۔ حضرت اسمٰعیل نے اون سے کہا کہ کواڑ کی تبدیلی کا حکم نہیں ہے بلکہ تمھاری تبدیلی کا فرمان ہے اوسی وقت اونکو جدا کر دیا۔ اور بنی جرہم سے ایک معظلہ کو اپنے عقد ازدواج میں لائے۔

انہیں بی بی سے آپ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ جیسا کہ توراۃ میں اون کی یہی تعداد اونکے ناموں کے ساتھ درج ہے۔ اسکے علاوہ توراۃ میں خدا نے حضرت ابراہیم کو پہلے ہی سے آپ کے کثیر الاولاد اور پھر اونکے امت عظیم ہونے کی بشارت دیکا تھا پھر آپ کا مجرد رہنا۔ جو نذر کردگان خانہ مقدس کے شرائط میں ایک ضروری اور واجب التعمیل شرط تھی حضرت اسمٰعیل پر کیسے منطبق کیجائیگی۔ آپکا طریق معاشرت خدمان بیت المقدس کی عادت و سیرت کے بالکل خلاف ثابت ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اوسوقت تک مجرد رہنے کی شرط اسکے لئے خاص نہیں ہوئی تھی اور یہ بعد میں لازمی قرار پائی جیسے یحییٰ اور مریم علیہما السلام کے لئے۔ تو ہم اسکو بھی تھوڑی دیر کے لئے مانکر یہ کہلائیں گے کہ جیسا کہ شبلی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مراد یہ ہے کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھاویں یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیئے جائیں۔ کا حضرت اسمٰعیل نے اسکی بھی تو مطلق تعمیل نہیں کی اور نہ کبھی ان قیود پر اعتنا فرمائی۔ واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ کعبہ اور کعبہ کی تمام خدمات کو چھوڑکر دن دن بھر باہر شکار کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دونوں بار تشریف لانے کے وقت آپ صبح سے شکار کو گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ بخاری کے الفاظ ذہب یصید سے ظاہر ہے۔ تو اب مولوی شبلی کی یہ مقررہ شرط و قید کہ وہ کسی اور شغل میں مصروف نہوں حضرت اسمٰعیل کی نسبت کہاں ثابت ہوئی ہے۔ شبلی صاحب کی قیاسی اقتباسات کے خلاف حضرت اسمٰعیل تو ان حالات مندرجہ بخاری شریف سے شکار کار شکار ان اشیا کے ایسے مشغول کاروبار اور لہو و لعب میں روزانہ مصروف و مشغول پائے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے۔ یہ کیسے خادم کعبہ تھے اور اونکی خدمت کیسی خدمت کعبہ تھی۔ اس سے زیادہ تعجب تو حضرت ابراہیم کے تغافل و تساہل پر ہوتا ہے جو اپنے قربان شدہ اور وقف کردہ لڑکے کو ایکبار نہیں کئی بار خدمت کعبہ کو چھوڑ کر شکار کے ایسے لہو و لعب میں مصروف و مشغول سنکر اور پاکر بھی۔ اون کے منع کرنے اور باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اور اسکے

ایسے صریح خلاف معاہدہ و شرائط احوال و افعال سے منکر تنبیہہ بھی فرمائی تو یہ کہ تمہاری یہ بی بی اچھی نہیں دوسری بدل ڈالو۔

حضرت اسماعیل کے مشاغل صید و شکار میں مصروفیت۔ آپکے طرز معاشرت کے ساتھ ایسی مخصوص اور قدیم ہے کہ توراۃ میں بھی اسکی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ حضرت اسماعیل کے حالات میں یہ عبارت مسطور ہے۔

خدا اوس لڑکے (اسمٰعیلؑ) کے ساتھ تھا۔ وہ بڑا ہوا اور بیابان میں آباد و مقیم ہوا اور (بہت بڑا) تیر انداز ہوا۔ سفر تکوین باب ۲۱۔ آیت ۹ لغایتہ ۲۱

اسکے علاوہ۔ حضرت اسماعیل کا ایک زمانہ دراز تک۔ دیگر انبیا علیہم السلام کیطرح دنبیاں چرانا تمام تاریخوں سے ثابت ہے۔ یہ مشاغل بھی شرائط انذار اور قواعد احرار کے سراسر مخالف ہیں۔

الغرض حضرت اسمٰعیل کے حالات زندگی پر غور کرنے سے۔ آپ کے طرز معاشرت بھی بالکل انبیا و مرسلین کی عادت و سیرت سے مطابق اور موافق پائے جاتے ہیں۔ اور اونمیں کسی قسم کا کوئی اختلاف اور کوئی نوعیت سر مو پائی نہیں جاتی۔ عبادت الٰہی۔ تبلیغ رسالت۔ ہدایت امت کے روزانہ اشغال کے ساتھ فکر معاش بھی ہے۔ اور خبر گیری اہل و عیال بھی۔ اور یہ امور بھی انسانی فرائض میں دیگر واجبات کی طرح داخل ہیں۔ ان تمام فرائض منصبی کے ساتھ بناے کعبہ کے وقت سے۔ کعبہ کی خدمات مثل طواف۔ سعی ہدی اور رماۃ وغیرہ وغیرہ جنکی تعلیم حضرت ابراہیم خود آپ کو دے چکے تھے۔ آپ سے متعلق تھیں۔ مگر یہ تمام خدمات ایام حج کے ساتھ مخصوص تھیں۔ کسی روزانہ خدمت کعبہ کا آپ سے متعلق ہونا جس سے انذار و احرار کے انداز مترشح ہوں۔ اور اوس خدمت مخصوصہ کو آپ کا روزانہ بجالانا۔ نہ کسی اسلامی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اور نہ توراۃ سے ثابت۔ نہ اسکی تخصیص کسی محدث اور مورخ کی تصنیفات و تالیفات میں پائی جاتی ہیں اور نہ کسی اکابر صوفیہ اور نہ کسی شیخ الطائفہ کے ملفوظات سے۔ ایسی حالت میں شبلی صاحب کے اس بے نام و نشان اور مفقود الاسناد قیاس و اقتباس کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے۔

مولوی شبلی کی یہ تاویل صریح مخالف قرآن اور معارض حدیث ثابت ہوتی ہے۔ خدا تو اپنے خاص لفظوں میں وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ کہکر خاص ذبح کیصورت قائم کرے اور پھر اس سارے واقعہ کو اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ۔ ظاہر ترین امتحان قرار دے۔ اور آپ اور آپ کے بزرگ صوفیہ ایسی تصریح کامل اور تشبیہہ عینی کو تمثیلی صورت قرار دیکر ناقص کردیں اور (نعوذ باللہ) اسکو رسول کی اجتہادی غلطی پر محمول فرمائیں۔

شمس العلماے نعمانی نے۔ افسوس ہے کہ عبارت قرآنی کو نظر انداز فرماکر الفاظ توراۃ کو اپنے استدلال کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ (توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ سیرۃ النبی صفحہ ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے اس دعویٰ کا ثبوت قرآن مجید کی عبارت سے نہیں دے سکتے۔ عجب یہ صورت ہے نہ تعجب ہے کہ آپ کیسے قرآن کو تمام کتب سابقہ کا ناسخ مانکر منسوخ شدہ کتاب اور اسکی عبارت کو اوسکے ناسخ پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیا شبلی صاحب تفضیل مفضول کے محالات کے قائل نہیں ہیں۔ شبلی صاحب تو بہت بڑے اسلامی عالم تھے۔ اور عالم بھی کون شمس العلما مشہور و معروف محقق بڑے پایہ کے مؤرخ مگر اس بحث خاص میں تو آپ کے عقاید ایسے فاسد اور قرآن و حدیث کے مخالف پائے جاتے ہیں کہ شاید کوئی جاہل سے جاہل اور بے پڑھا لکھا مسلمان بھی ایسے عقاید نہ رکھتا ہوگا۔ اور قرآن کی عبارت و بشارت کے مقابلہ میں توراۃ و انجیل کی منسوخ شدہ عبارتوں کو کبھی ترجیح نہ دیتا ہوگا۔

بہرحال اتنا لکھکر ہم قرآن مجید کی اوس آیت کو۔ جسے شبلی صاحب نے اپنے مطلب نکالنے کیغرض خاص سے قطع و برید کرکے لکھا ہے۔ ذیل میں لکھتے ہیں۔

قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ

(جب ابراہیم کو بادشاہ بت پرست کے خوف سے باپ نے گھر سے نکال دیا) تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں (کسی طرف کو) چلا جاؤنگا۔ وہ مجھے (کسی اچھے ہی ٹھکانے) لگا دے گا۔ اور (ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی) اے میرے پروردگار مجھکو (نیک روحوں میں سے ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرما تو ہم نے اوسکو بردبار لڑکے (اسمعیل کے پیدا ہونے کی) بشارت دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا۔ اور اوسکے (ابراہیم کے) ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ (جیسے) میں تمکو ذبح کر رہا ہوں پس تم (بھی تو اپنی جگہ) سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ (ترجمہ مطابق ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد)

چونکہ مولوی صاحب اپنی خود غرضانہ ضرورت سے اس آیت کے یہیں تک لکھنے پر مجبور تھے۔ اسلئے یہیں تک لکھکر رہ گئے مگر ہم ذیل میں یہ پورا آیہ کریمہ نقل کرکے حقیقت حال اور صورت واقعہ کا پورا انکشاف کر دیتے ہیں۔

قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا

(جب ابراہیم کو بادشاہ بت پرست کی خاطر سے باپ نے گھر سے نکالدیا) تو ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے پروردگار کی راہ میں (کسی طرف کو) چلا جاؤں گا۔ وہ مجھے (کسی اچھے ہی) ٹھکانے لگا دیگا۔ اور (ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی) اے میرے پروردگار مجھکو (نیک روحوں میں ایک نیک روح بطور فرزند) عطا فرما تو ہم نے اوسکو ایک بردبار لڑکے (اسماعیل کے پیدا ہونے کی)

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ

خوشخبری دی۔ پھر جب لڑکا جوان ہوا اور وہ اسکے (ابراہیم کے) ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا کہ میں خواب میں (کیا) دیکھتا ہوں (دیکھتا ہوں) کہ میں تمکو ذبح کر رہا ہوں پس تم (بھی تو اپنی جگہ) سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے (بیٹے نے) کہا ابا جان آپکو جو حکم ہوا ہے (بلا تامل) اوسکی تعمیل کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھکو بھی صابر (ہی) پائیں گے۔ پھر جب دونوں باپ بیٹے تعمیل حکم پر آمادہ ہوگئے اور باپ نے (حلال کرنے کیلئے) بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا تو (ہمکو اون کی فرمانبرداری نہایت ہی پسند آئی) اور ہم نے ابراہیم سے پکار کر کہا کہ ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ (اب ہم تمکو بڑے بڑے مراتب دینگے) اور نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں بیشک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بڑی قربانی کو اسماعیل کا فدیہ بنایا اور (ابراہیم کے بعد) آنے والی امتوں میں انکا ذکر خیر باقی رکھا۔ (الصافات۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب مطبوعہ دہلی ص ۷۱۹)

اس آیۂ قرآنی پر غور کرنے سے پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ شبلی صاحب نے لفظ ذبح کے معنی، خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کے بتلائے ہیں اور آپ کو لفظ ذبح کے یہی صحیح معنی، اصلی مراد اور منشائے دعا سے بھی ہونے پر اتنا یقین کامل ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ کے نزدیک جناب ابراہیم بھی اسکی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور آپ سمجھ گئے۔ تو اس بنا پر شبلی صاحب کے نزدیک کسی کو ذبح کر دینا، اور کسی کو کعبہ کی خدمت خاص کیلئے علیحدہ کر دینا گویا ایک بات ہوئی جسمیں تفاوت رواہ رکھا جاتا نہیں گیا۔ کہاں کسی کا ذبح کیا جانا کسی کی جان لیجانا، گو وہ خدا ہی کے نام پر کیوں نہ ہو۔ کسی کی زندگی کو ہمیشہ کیلئے تمام کر دینا اور کہاں ایک شخص خاص کا ایک خدمت خاص کے لئے مخصوص اور مقرر ہو کر ہر شخص سے بے تعلق، گوشہ نشین اور بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا۔

شبلی صاحب کی روح خوش ہو۔ وہ کون ایسا العقل انسان ہوگا جو ان دونوں متضاد طریقوں کو مساوی اور یکساں سمجھیگا۔ اور وہ کون فاتر العقل ہوگا جو ان دونوں مختلف الفاظ کو مترادف اور متجانس بتلائیگا۔ اتنا کہدینا کافی ہے کہ اس بحث کا آیندہ سلسلہ بیان ملاحظہ ہو۔

اس آیۂ کریمہ کے دو مقامات پر ذبح کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ ایک جگہ انی اذبحک کی صورت میں۔ اور دوسری جگہ بذبح عظیم کی سالم اور غیر مشتق صورت میں۔ پہلی جگہ جیسا کہ شبلی صاحب کے ہمعصر شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے ثابت ہے۔ خدا کے بتلانے اور سمجھانے سے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ میں تمکو (گویا) ذبح کر رہا ہوں۔ دوسری جگہ یہ معنی ہو سکتے کہ ہمنے بڑے ذبح کو اسماعیل کا فدیہ بنایا۔

یہ تو خدا کے معنی ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کے یہ معنی ہوسکے۔ پہلی جگہ یہ کہ میں تمکو خدمت کعبہ

کیلئے نذر یا وقف کر رہا ہوں - دوسری جگہ یہ معنی ہوئے کہ ہم نے بڑے وقف کو اسماعیل کا فدیہ بنایا - اور پھر آگے چلکر خدا اسکے ذبح عظیم اور مولوی صاحب کے وقف عظیم والے بندہ کی خبر آخر فقرہ آیت وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سے یہ نکلی کہ ہمنے آنیوالی امتوں میں - اسکا ذکر خیر باقی چھوڑا -

اب نتیجہ سے شبلی صاحب خود سمجھ لیں کہ آنے والی امتوں یا قوموں میں اس واقعہ کی یاد اور اس ایثار ابراہیمی کا احیاء آجتک ذبح کی عینی صورت میں کیا جاتا ہے - یا وقف و نذر خدمت کعبہ کے تمثیلی پیرایہ میں - کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ کبھی اوس نے موسم حج میں جانوران قربانی کو ذبح کرنے کی جگہ اپنی اولاد و احفاد میں سے کسی کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کرکے اپنے مناسکات حج کو تمام کردیا ہے - یا کوئی اسلامی عالم یا فقیہہ - یا اگر خود شبلی صاحب بقید حیات ہوتے تو من حیث الفقیہ والعالم کسی مرد مسلم کو قربانی کے عوض اپنی اولاد کو خدمت کعبہ کے لئے وقف کردینے کا فتوی دے سکتے تھے -

اب مرقومہ بالا آیہ کریمہ میں جو ذبح اسماعیل کی تفصیل ہے اور جس کو ہم نے ترجمہ کے ساتھ اوپر لکھہ دیا ہے - شبلی صاحب کے کہیں ان مطالب نو ایجاد اور مقاصد طبعزاد کا نام و نشان تک پایا جاتا ہے - اور اوسکے کسی لفظ اور کسی حرف سے شبلی صاحب کے بتلائے ہوئے معنی متعلق ہوتے ہیں - بلکہ بخلاف اُنکے بتلائے ہوئے معنی کے - اس آیہ وافی ہدایہ کے الفاظ تو صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ خواب میں جناب ابراہیم کو حضرت اسماعیل کے ذبح ہی کا خاص حکم دیا گیا تھا - اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے خدا یا خانہ خدا کیلئے وقف یا تعین کئے جانیکا -

ہم تھوڑی دیر کے لئے شبلی صاحب کے اس قیاس کو مان لیتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں جو ذبح کا لفظ ہے وہ ابراہیم کی زبانی ہے - اور حضرت ابراہیم (نعوذ باللہ) غلطی سے اسکو ذبح کی اصلی صورت سمجھے تھے اور اسی وجہ سے اونھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ وہ تمام امور عمل میں لائے جو ایک ذابح ذبیحہ کے ساتھ عمل میں لاتا ہے - مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں تعجب سے تعجب ہے کہ ابراہیم سے زیادہ تو ابراہیم کا خدا بے درد نکلا - جو باوجود اس علم مطلق کے کہ ابراہیم انسان ہے - انسان کی سمجھ کتنی - اپنی غلط فہمی سے میرے حکم کے مدعائے اصلی کے خلاف - ذبح فرزند کی ایسی بیدردی کر رہا ہے - مگر وہ خدا جو ارحم الراحمین ہے - خیر الحافظین ہے - جس کے اوصاف ارحم الشیخ الکبیر بتلائے جاتے ہیں اور رازق الطفل الصغیر وہ ان تمام خونی منظروں کو آنکھہ سے دیکھتا ہے - مگر تاہم نہ اسکو اوس کی غلطی پر ٹوکتا ہے اور نہ اوسکے ذبح کنندہ ہاتھہ کو روکتا ہے -

بہرحال - بفرض محال - (نعوذ باللہ) اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ نہ ابراہیم اسکی حقیقت کو سمجھے اور

نہ ابراہیم کا خدا اون کے سمجھا دیتے کو اوسوقت مصلحت سمجھا تو پھر اوس خدا نے اس واقعہ کی تفصیل فرمانے کے بعد صورت واقعہ کو اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (کھلے ہوئے امتحان) سے کیوں تعبیر فرمائی۔ یہ تو حضرت ابراہیم کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ خدائے سبحانہ کے خاص الہامی الفاظ و مکالمات ہیں جب شبلی صاحب کے قیاس کے مطابق یہ واقعہ صرف وقف اولاد کا معاملہ تھا تو اِنَّ هٰذَا لَهُوَ کی تاکید اور البلاء المبین کی تخصیصی تعریف سے اسکی اہمیت اور عظمت کیوں بڑھائی گئی۔ ان الفاظ قرانی نے ہمکو صاف صاف بتلا دیا کہ یہ واقعہ ذبح وقف اولاد کے معانی و مقاصد میں ہرگز نہیں تھا۔ اگر ہوتا۔ تو کبھی بلاء کے لفظ سے تعبیر نہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ معمولی سے معمولی عقل والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ بیٹے کا ذبح کرنا باپ کیلئے بلاء و مصیبت کہلائے گا یا اوسکے بیٹے کا کسی معبد کی خدمت کیلئے علیحدہ کر دیا جانا اوسکے لئے اندوہ و آفت کہلائے گا۔ اگر بلا کے معنی باعتبار ظاہر بلاء و مصیبت کے نہ لئے جاویں اور جیسا کہ حافظ صاحب کے ترجمہ میں ہے۔ آزمائش و امتحان ہی کے معنی سمجھے جاویں۔ تب بھی تو بیٹے کے قتل پر ہمت کرنا بلاء مبین ہی کہلائے گا۔ یا اوسکو خدمت کعبہ کے لئے وقف کر دینا یا نذر چڑھا دینا اعظم ترین امتحان بتلایا جائیگا۔ وہ کون ایسا سادہ لوح اور کودنی عقل والا مسلمان ہوگا۔ جو قرآن مجید کے ایسے واضح الفاظ انی اذبحک اور وفدینا بذبح عظیم کے مقابلہ میں حلال کرنے۔ اور ذبح کئے جانیکے صریح اور صحیح معنیوں کو چھوڑ کر آپ کے بتلائے ہوئے وقف خدمت کے مطلب لگائیگا جو نہ قرآن کے الفاظ آیات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نہ کسی حدیث کی عبارت اور نہ اہل عرب کی کسی مقامی روایت سے ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اسکا جواب شبلی صاحب کے ذمہ ہے۔ وہ بتلائیں کہ آپکے اس غلط معنی جاہل ترکیب اور بیجا اور نازیبا تاویل کو کون مانے اور کیسے مانے۔

آپکو یا آپکے اکابر صوفیہ کو ایسی غلط تاویل کرتے وقت یہ بھی خیال نہ آیا کہ اسکے معارض قرآن اور مخالف حدیث ہونیکے علاوہ کسی جاہل سے جاہل عرب نے بھی تو آجتک آپکی تعلیم کی مطابق قربانی کی تعمیل نہیں کی۔ آپ تو بڑے پایہ کے مورخ شمار ہوتے ہیں۔ اور اعلی درجہ کے محقق۔ آپ تو خود اپنی اس غلط فہمی کی اصلاح حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب کے واقعہ کو دیکھکر اور پڑھکر کر سکتے تھے۔ جو معمولی سے معمولی اسلامی تاریخوں میں عام طور سے درج ہے۔ کیونکہ اگر آپکی تحقیق کے مطابق حقیقت میں۔ واقعہ ایسا ہی تھا تو جناب عبد المطلب کو اپنے اپنے محبوب ترین اور حامل نور سید المرسلین فرزند کو۔ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاسی و تمثیل میں ذبح فرمانے۔ اور آپکے تمام اعزہ و اقارب خصوصاً حضرت ابوطالب کو جو عبد اللہ کے برادر عینی تھے۔ آپکے منع کرنے اور باز رکھنے اور بالآخر۔ فدیہ کی قرعہ اندازی ذخیرہ کی کوشش فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہ معلوم کہ باعتبار قدامت اور خصوصیت کے حضرت

عبدالمطلب اور سائر قوم قریش اور دیگر اقوام عرب کو اس موقعہ کی صحت کا زیادہ علم تھا یا مولوی شبلی کو یا اونکے شیوخ صوفیہ کو۔ وہ کون حقیقت سے ایسا ناآشنا ہوگا۔ جو اوس زمانہ کے بزرگواروں کو۔ جو قرن اولی سے سمجھ ہی پہلے تھے۔ علم و اطلاع پر مولوی شبلی کی اس جدت اور اختراع کو ترجیح دیگا۔

بہرحال ہمارے موجودہ استدلال عقلی اور نقلی سے شبلی صاحب کی طباعی کی حقیقت کا پورا انکشاف ہوگیا۔ اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ اون کی یہ تاویل بالکل غلط ہے۔ یہ معنی بالکل مہمل اور بیکار ہیں۔ صحیح وہی ہے جو قرآن نے اپنے ظاہر اور صاف الفاظ میں بتلایا ہے اور اوسی کی مطابقت میں بالکل اسی طرح اوسکے سمجھے اور برحق رسول صلعم نے اور اوسکے بعد تمام علماے اسلام نے ہمکو بتلایا ہے شبلی صاحب کے اگر دیدۂ بصیرت وا اور گوش حقیقت شنوا ہوتے تو وہ آپ دیکھ لیتے اور سمجھ لیتے کہ علماے اسلام نے باوجود اسکے کہ حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کے ذبیح اللہ ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ کسی نے اسحاق کو اور کسی نے اسماعیل کو ذبیح اللہ بتلایا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ مگر ذبح کی صورت میں کسی نے آپ کی طرح تمثیلی اور عینی کی تفریق و تخصیص نہیں قائم کی۔ پھر شبلی صاحب کے اس نرالی اور لا اُبالی ترکیب والی معنی و مطلب کو کون سمجھ سکتا ہے۔

اسکے بعد ہم مولوی صاحب کو دکھلاتے ہیں کہ وقف خدمت بیت اللہ کے ذکر سے آپ کا قرآن مجید بھی خالی نہیں ہے۔ بیت المقدس کی خدمت کے لئے اولاد کا نذر کردیا جانا۔ جو ظہور اسلام سے پہلے شریعت موسیؑ کے زمانہ میں رائج تھا۔ سورۂ آل عمران رکوع ۱۱ میں موجود ہے۔ اگر تھوڑی سی زحمت گوارا کرکے اوسکے الفاظ و معانی پر غور فرما لیا گیا ہوتا تو شبلی صاحب کی تشفی ہو گئی ہوتی۔ مگر افسوس کہ اسکی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ جناب مریم علیہا السلام کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے۔

اذ قالت امرءت عمران انی نذرت لک ما فی بطنی محررا فتقبل منی	ایک وقت تھا کہ عمران کی بی بی نے (خدا کی خدمت میں) عرض کی کہ اے پروردگار میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اوس کو میں

(دنیا کے تمام کام کاج سے) آزاد کرکے تیری نذر کرتی ہوں۔ تو میری طرف سے یہ (نذر) قبول فرما۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس واقعہ نذر اولاد کے ذکر میں جو الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ وہی واقعہ قربانی اسماعیل میں بھی آئے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ شبلی صاحب کے اعتقاد میں تو دونوں واقعہ کے مقاصد و مطالب ایک ہیں۔ تو اس اصول سے قرآن مجید کے الفاظ۔ دونوں واقعات کے متعلق متحد المعنی یا کم سے کم قریب المعنی ہونے چاہیئے۔ مگر جب ہم دونوں واقعات کی آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ تو دونوں آیتوں کے الفاظ میں آسمان زمین کا فرق پاتے۔ واقعہ قربانی کے متعلق ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ

لفظ ذبح دو جدا گانہ مقامات پر آیا ہے۔ اور مذبوح کی توصیف تعریف من الصابرین بتلائی گئی ہے۔ اور واقعہ نذر اولاد میں۔ نذر کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اور اوس نذر کردہ اولاد کی محرر بتلائی گئی ہے۔ موٹی سے موٹی سمجھ والے مسلمان بھی دونوں کے فرق کو فوراً سمجھ کر کہدینگے کہ ذبح کے معنی حلال کرنے اور نذر کے معنی ہدیہ کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب کے ترجمہ سے بھی یہی معنی نکلتے ہیں۔ اسی طرح مذبوح کی تعریف جان کے ایسی بیش بہا چیز دینے پر صبر کرنا ہے اور نذر کردہ اور موقوف کی تعریف ہے کہ وہ دنیا کے تمام تعلقات سے آزاد اور محض بے سروکار ہو کر خدمت معبد کے لئے مخصوص ہو۔ پہلے فرصت ہو گئی۔ حلال اور ذبح ہونے والا صابر کہلایا۔ اور وقف یا نذر کیا ہوا شخص آزاد۔ حقیقت معلوم ہو گئی کہ صبر کرنے والا ذبح کر دیا گیا یا کر دیا جانے والا تھا۔ مگر کسی طرح سے بچ گیا۔ اور وقف شدہ شخص دنیاوی تعلقات سے آزاد اور بے سروکار رکھا گیا۔ اب شبلی صاحب کی تاویل کے خلاف۔ ان دونوں واقعات میں قرآن مجید کے الفاظ سے اتحاد ثابت ہوتا ہے یا اختلاف۔ پھر کیسے کوئی مسلمان آپ کی غلط تاویل پر ایمان لائے گا۔

ہاں مولوی شبلی صاحب بھی تحقیق کے کامل اور عربی کے بہت بڑے فاضل۔ ان الفاظ قرانی کے ظاہری معانی کے علاوہ۔ شاید اسکے لغوی اور مادی معنوں میں کوئی باریک اور رنگین معنی ایسے ہوں جن سے آپنے اپنی نو ایجاد تاویل کو مستخرج کیا ہے اور جو آجتک عام اہل اسلام کی موٹی نظر اور موٹی عقل میں نہ آئے ہوں۔ اس بنا پر ہمیں ضرور ہے کہ ہم عربی کی لغت سے بھی ان الفاظ کے باہمی اختلاف کو پورے طور سے دکھلا دیں کہ آیندہ پھر کسی کو شبلی صاحب کی اس تاویل کے غلط ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

قاموس میں بذیل لفظ ذبح تحریر ہے۔ ذَبَحَہٗ کمنعہ۔ ذَبحًا و ذُباحًا۔ شقّ و فتق و نحر و خنق یعنی ذَبَحَ بروزن مَنَعَ۔ ذَبحًا یا ذُباحًا۔ یا الف تنوین۔ اس سے مصادر مشتق ہوئے ہیں جس کے معنی شگاف کرنا۔ پھاڑنا یا پھٹنا۔ حلال کرنا۔ اور خون بہانا ہیں۔ پھر اسکے فاضل فیروز آبادی لکھتے ہیں۔

الذبیح المذبوح اسمعیل علیہ السلام وفی الحدیث انا ابن الذبیحین لان عبد المطلب لزمہ ذبح عبد اللہ لیمینہ ففداہ بمائۃ من الابل۔

دیکھئے۔ قاموس مطبوعہ کلکتہ ص ۲۶۲

ذبیح المذبوح سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ حدیث وارد ہوا ہے کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اسلئے کہ حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ اپنے فرزند کو ذبح کرنیکی نذر کرلی تھی اور پھر ان کے عوض میں سو اونٹ

اب النذر کی تحقیق لفظی و لغوی حسب ذیل ہے:-

النذیرۃ - ما یعطیہ - وہ چیز جو کسی کو عطا کی جاوے - والولد الذی یجعلہ ابوہ قیما او خادما للکنیسہ ذکرا او انثی - اور وہ بچہ جسے اوسکے باپ نے کسی معبد میں ہمیشہ کے لئے قیام کرنے یا اوس کی خدمت کرنے کیلئے مقرر کر دیا ہو عام اس سے کہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی - قاموس ص ۴۹۷-

اب الاحرار کی لغوی تحقیق یہ ہے-

اَلْحُرُّ بالضم - خلاف العبد - خیار کل شی - الفرس العتیق - غلام کا متضاد ہے - اس سے معنی نیک ترین اشیاء - اور اسپ آزاد کے ہیں - قاموس - ۴۹۷-

ہم نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں ان تینوں لفظوں کے علیحدہ علیحدہ معنی لکھ دئے ہیں - جو آیات قرانی متعلقہ واقعہ قربانی حضرت اسمٰعیل اور نذر جناب مریم میں اپنے اپنے مقام پر آ گئے ہیں - اب ان مختلف اور جداگانہ معنیوں کے الفاظ کو پڑھکر ہر شخص آسانی سے سمجھ جائیگا کہ واقعہ قربانی اسماعیل میں ذبح کا خاص لفظ آیا ہے اور وہ واقعہ نذر جناب مریم میں نہیں آیا ہے - اسی طرح واقعہ نذر حضرت مریم میں نذر کا خاص لفظ مستعمل ہوا ہے اور وہ واقعہ جناب اسمٰعیل میں نہیں لایا گیا - اس بنا پر ہر شخص بلا کسی تحریک کے خود سمجھ لیگا کہ ذبح کے معنی نذر کے نہیں ہو سکتے - کیونکہ ذبح کے معنی سوا ے حلال کرنے یا خون بہانے کے اور دوسرے نہیں ہو سکتے - اسیطرح نذر کے معنی کسی لڑکے یا لڑکی کو کسی معبد کیلئے نامزد کر کے علیحدہ کر دینے اور دیگر مشاغل و تعلقات سے آزاد کر دینے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے-

---

جب یہ دونوں الفاظ آپس میں اپنے متغائر متخالف اور متضاد ثابت ہوتے ہیں تب شمس العلماء نعمانی کا ذبح کے معنی کو نذر کے مطلب میں بتلانا اور نذر کے مقصد کو ذبح کے معنی میں سمجھانا - اونکی خاص منطق معکوسی اور اونکے کار صوفیہ کی ترجیح کا برسی سمجھی جائے گی - اگر حقیقتاً یہ دونوں الفاظ متحد المعنی ہوتے تو ضرور تھا کہ واقعہ اسماعیل کے متعلق قرآن مجید میں انی اذبحک کی جگہ انی انذرک اور فدیناہ بذبح عظیم کی جگہ فدیناہ بنذر عظیم نازل فرمایا جاتا - اور اسیطرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی انا ابن الذبیحین کی عوض انا ابن المنذورین ارشاد فرمایا ہوتا - و علی ہذا القیاس - اہل لغت نے کبھی ذبح کے معنی - ذبح کئے جانے کے عوض - لڑکے کو خدمت معبد کے لئے وقف کر دیا جانا لکھا ہوتا - غرضکہ شمس العلماء صاحب کی جدید تعلیم کے مطابق پہلے سے تلاوت تک کے ادب، تفسیر، حدیث، تاریخ، لغت غرض تمام علوم و فنون کے دفتر کے دفتر الٹ دئے جائیں غلط کر دئے جائیں اور مٹا دئے جائیں تب کہیں آپکی اس لطیف تاویل کا لطیفہ سمجھ میں آوے-

بہرحال ہم نے اپنی مندرجہ بالا طول طویل اور بالتفصیل بحث میں شبلی صاحب کی اس غلط تاویل کی کامل تردید و تنقید کردی ہے جس کو اونہوں نے بلا سند اور بلا نام و نشان۔ اپنے چند اکابر صوفیہ کے غیر مقبولیہ اقوال سے بغیر درست صرف اپنی جدت طبع کا نمونہ بنا کر اپنی کتاب میں لکھی تھی۔ اور واقعہ قربانی کی اصل مدعا کو ایک ایسے غلط اور موضوع منشاء کے ساتھ تبدیل کرنا چاہا تھا۔ جو قرآن کا مخالف۔ حدیث کا معارض اور تمام روایت و درایت کے واقعات کے خلاف اور صریح متضاد تھا۔ ہم نے عمداً اس بحث میں طوالت کا ذرا بھی خوف و خیال نہیں کیا۔ اور اسکے تمام جزئیات کو عقل اور نقل کے دونوں طریقوں سے استدلال سے مختلف اور متواتر اسناد و اشہاد کے ساتھ اس غرض خاص سے بیان کردیا ہے کہ آئندہ پھر کسی اہل اسلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ ذبح کو اوسی طرح جس طرح قرآن مجید کے الہامی الفاظ میں حضرت ابراہیم کی زبانی۔ اور نیز منصوص پیرایہ میں مندرج ہے۔ وقوع پذیر ہونے کے متعلق کوئی عذر و کلام اور شکوک و اوہام باقی نہ رہیں۔

اتنا لکھ کر ہم پھر مولوی صاحب کے اس مخالفانہ منشاء پر اپنی خلاف رائے دیکر بغیر نہیں رہ سکتے ہو آپ نے اپنے اوس مختار تحقیق اور معیار تالیف کے خلاف اختیار فرمایا ہے جس کو آپ نہایت سختی اور احتیاط کے ساتھ اپنی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرما چکے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تمام تاریخی واقعات کے اسناد کو اوسی طرح مرفوع متصل اور صحیح اور اون کے تمام رواۃ کو تمام تر معتبر اور ثقاۃ ہونا مشروط فرماتے ہیں جس طریق و اصول پر تفسیر۔ حدیث اور فقہ و کلام کی تدوین کی جاتی ہے۔ کہاں تو آپ کی یہ احتیاط۔ یہ تاکید و تنقید۔ اور کہاں یہ بے احتیاطی اور آزادی کہ مسئلہ زیر بحث میں بلا سند اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے اور نہ قائل قول کا نام و نشان بتلایا جاتا ہے کہ اوسکی حیثیت معلوم ہوسکے۔

اس سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دیباچہ کی عبارت میں آپ نے اپنی تماشی تحقیق اور ظاہری احتیاط کا جو کچھ طمطراق اور لام قاف باندھا ہے وہ غریب مسلمانوں کو مرعوب بنانے کی غرض خاص سے ہے۔ ورنہ اوس میں اصلیت اور حقیقت کا کوئی شائبہ نام کو بھی موجود نہیں ہے۔

وفدیناہ بذبح عظیم کا حقیقی مقصود
اور
وترکنا علیہ فی الآخرین کا اصلی مفہوم

اب ہم شبلی صاحب کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ نے واقعہ ذبح اسماعیل کے متعلق تو دور از عقل اور خارج از قیاس تاویلات و معانی کا انبار لگا دیا۔ اور ان جملات کے بتلانے اور سمجھانے میں بڑی کوشش اور کدوکاوش سے کام لیا۔ مگر کبھی آپ کو وفدیناہ بذبح عظیم کے اصل مطالب و مقاصد کی تحقیق اور اسکے اصلی

مفہوم قایم کرنے بتلانے اور سمجھانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اسکی طرف نہ کبھی آپ کا خیال گیا اور نہ آپکی نگاہ۔ استغفراللہ
حقیقتاً شبلی صاحب اور اون کے اسلاف سے ایسے صاف اور با انصاف تحقیق و تفتیش کی کیا امید کی
جاسکتی ہے۔ کیونکہ ایسی محققانہ اور منصفانہ تاویل و معانی تو اونکے اور اون کے اسلاف کے اصول عقاید میں
گویا معصیت ہے۔ اسی تعصب اور خود غرضی کی بنا پر سواد اعظم کے مفسرین، محدثین اور مورخین کا ایسکے
سچے صحیح اور برواقع معانی و مطالب بتلانے کے لئے نہ توفیق کا قدم اوٹھا اور نہ تحقیق و تفصیل کا قلم کیونکہ
ایسی تفسیر و تفصیل سے اس ذات مقدس کے خصائص اور فضل و مناقب کا اظہار ہوتا تھا۔ جو ابتدا
ہی سے آپکی عقیدت و معرفت کے دفتر میں مرفوع القلم ہو چکا تھا۔ واعظین اور ذاکرین پر اسکا ذکر
کرنا اور سامعین پر اوسکے ذکر کو سننا حرام کر دیا گیا تھا۔[۵] جب شبلی صاحب کی شریعت کے احکام اور حکومت
کے نظام، دونوں متفقہ قوتوں سے اسکے استخفاف و استیصال پر ابتدا ہی سے آمادہ اور کمربستہ ہوں۔
تو انکشاف حقیقت کی امید آپ سے کیا ہو سکتی ہے۔

مولوی شبلی صاحب اس آیہ وافی ہدایہ کی اصلی معنی بتلائیں اور حقیقی مفہوم سمجھائیں محال ہے اور
خیال ہی خیال۔ مگر ہم اونکو اور اونکے ہم خیال حضرات کو بتلاتے اور سمجھاتے دیتے ہیں کہ واقعیت اور
حقیقت کسی شئی کی کسی کے چھپانے سے چھپ سکتی اور نہ مٹانے سے مٹ سکتی ہے۔ اصلیت پر چاہے
کتنی مدت تک سخت سے سخت پردے نہ ڈالے جائیں مگر حقیقت چمک جاتی ہے اور صداقت صاف
جھلک جاتی ہے۔

مفسرین اہلبیت علیہم السلام نے وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ کے صحیح معنی اور اصلی مفہوم عام اہل اسلام
کو ایک بار نہیں ہزار بار بتلایا اور سمجھایا۔ مگر سواد اعظم اسلام نے اپنے عقاید موضوعی اور مقاصد مصنوعی
کے مخالف پاکر اس حقیقت نمائی پر کوئی توجہ اور اعتنا نہ فرمائی۔ اور کیونکر اعتنا فرماتے مفسرین اہلبیت
کا اون کی نگاہوں میں کوئی اقتدار ہی باقی نہیں رہا تھا۔ تو اون کے ارشاد و ہدایات اور اخبار و آثار کا
کیا اعتبار کیا جاسکتا تھا۔ اوس وقت سے لیکر اس وقت تک سواد اعظم میں ان حضرات کے لئے اعتباری
اور غیر اعتمادی کی وہی صورت قائم ہے۔

مگر بااینہمہ۔ باوجودیکہ ذبح عظیم کے اصلی مفہوم و مقصود سے سواد اعظم کی عدم واقفیت اور
حق فراموشی کا وہی عالم ہے مگر پھر بھی اس واقعہ الہامی کی حقانیت اور اس سچی قربانی کی روحانیت

---

۵ حرام علی الواعظین ذکر مقتل الحسین اکو سر العالمین امام غزالی۔

کی تاثیر نے بالآخر۔ اونہیں محدثین و محققین میں سے اکثر کو اوسکے اصلی مفہوم سمجھنے اور تسلیم کرنیکی کی بھی توفیق دی۔ اور ایک مدت کے بعد جب اون کے خیالات میں انصاف پسندی۔ حقگوئی اور حقیقت جوئی اور آزادی کے جوہر پیدا ہوئے اور جب اون کی نگاہوں کے سامنے سے تعصب۔ نفسانیت اور خود غرضی کے حجاب اوٹھا دئے گئے۔ اور جب اون کی گردنیں متعصب حکومتوں اور ظالم سلطنتوں کے زبردست پنجوں سے چھوٹ گئیں تو اونہیں ان اسرار مخفیہ کے متعلق اپنے محققانہ انکشافات اور منصفانہ اقتباسات کا موقع ملا۔ اور اونہوں نے جب اس آیہ کریمہ کے اصلی مقصود پر تحقیق کی نظر ڈالی اور کامل غور و خوض سے کام لیا تو اونکو صورت واقعہ اور حقیقت حال پوری معلوم ہوگئی اور وہ سمجھ گئے کہ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ سے حقیقی طور پر وہ گوسفند بہشتی۔ جو بطور مشہور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک برابر منقول و مذکور چلا آتا ہے صحیح طور سے مراد و مقصود ہوسکتا ہے۔ اور نہ اون بیشمار گوسفندوں اور لاتعد و لاتحصیٰ مختلف اقسام جانوران۔ اونٹ۔ گائے۔ وغیرہ کی قربانیاں حقیقی طور پر تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ جو ایام حج میں اس واقعہ عظیمہ کے احیا و یادگار کے خیال سے ہر سال خدا کے نام پر کیجاتی ہیں۔ یہ کیوں؟

اسلئے کہ قرآن مجید میں لفظ فدا مستعمل ہوا ہے۔ اور فدا کی تعریف خاص یہ ہے۔ کہ اول وہ فدیہ مِنْ تَمَامِ الْوُجُوْهِ وَالْحَيْثِيَّةِ اپنے مبدل منہ سے بہتر ہو۔

دوم یہ کہ اگر مبدل منہ سے اوس فدیہ و بدل کا اولیٰ تر ہونا مقدور و میسّر ہونا ممکن نہ ہو تو بدل اور بدل منہ میں مِنْ تَمَامِ الْوُجُوْهِ وَالْحَيْثِيَّةِ مساوات ضرور ہو۔

بدل و فدیہ کے اصول مرقومہ بالا کے ثبوت ذیل کے الفاظ الہامی اور ارشاد قرآنی میں ملاحظہ ہوں۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا جزو چہارم سورۂ نسار	(اگر تمکو کوئی شخص) ہدیہ دے تو تمکو اوس سے بہتر ہدیہ دینا چاہئے اور اگر (اوس سے بہتر میسر نہو) تو اوسکے ایسا واپس کرنا (اور بھیجنا) لازم ہے۔ خدا تمام چیزوں کا حساب لینے والا ہے۔

یہ نہ کوئی ایسا باریک مسئلہ ہے اور نہ کوئی ایسا دقیق نکتہ۔ جو سمجھ میں نہ آسکے۔ بلکہ یہ تو ایسا کھلا ہوا اور سلجھا ہوا آسان اخلاقی مسئلہ ہے جو عام طور سے ہر شخص کے روزمرہ کی ضرورتوں میں برابر پیش آیا کرتا ہی

اب اس اصول و مقدار سے اس واقعہ کی عظمت اور اہمیت پر غور کیا جاوے۔ صورت واقعہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ خدائے عزوجل اور اوسکے ایک معتبر اور معتمد ترین نبی مرسل کے فیمابین وعدہ وعید کے معاملات پیش ہیں۔ مشیت الٰہی کو صبر خلیل اللّٰہی کا امتحان منظور ہے۔ اگرچہ اسکے قبل بھی ان کی بڑی بڑی آزمائشیں ہوچکی ہیں۔ آگ میں زندہ جلا دینے تک کی مصیبتیں اوٹھانی پڑی ہیں۔ مگر ابھی قدرت کی تسکین اور مشیت

سکا اطمینان نہیں ہوا ہے۔ وہ اب ایک مافوق البشری طریقہ سے امتحان لینا چاہتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارمان اور تمناؤں والے۔ نوجوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے اپنے صبر و استقلال اور معرفت کے کمال کا امتحان دے۔ یہ وہ طریقہ امتحان ہے جو صبر و تحمل انسانی کے حدود امکان سے بالکل باہر ہے۔ ایسی عدیم النظیر قربانیت کے نظیر سے دُنیا کے تمام کارنامے خالی ہیں۔

باپ کون ہے؟ وہی بزرگ مقدس جس نے اسی بیٹے کے عطا فرمائے جانے اور پیدا ہونے کی آرزو و تمنا میں مدت تک دن دن بھر رات رات بھر دعائیں مانگی ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں برابر الحاح و زاری کی ہے۔ یہاں تک کہ اسی حسرت و تمنا میں جوانی ختم ہو گئی ہے۔ شباب جا تا رہا ہے۔ بڑھاپا آچلا ہے۔ خدا خدا کر کے۔ خدا نے اب سُنی ہے اور والدین کو یہ نعمت غیر مترقبہ عنایت فرمائی ہے۔ ماں باپ نے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔ اور اب وہ کامل جوان ہونیوالا ہے۔

باپ کو بیٹا بھی کیسا ملا ہے؟ الولد سر لابیہ کا کامل مصداق۔ اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ مقدس باپ کی تقدیس و عظمت کا نمونہ حسنات و برکات اور جملہ صفات پدری کا تیار مجسمہ جس کی قدر و منزلت کی نسبت مصدر قدرت سے ولادت ہی کے وقت تو بشارت آچکی ہے۔ اور خطیب مشیت ان الفاظ کے ساتھ کیسا خطاب فرما چکا ہے کہ خدا اس بچہ کے ساتھ ہے۔ یہ امت عظیمہ کا مورث اور بارہ سرداروں (اماموں) کا جد اعلیٰ ہے اسکو برکت دیگئی ہے۔ (اسفار توراۃ سے ان بشارتوں کے حوالہ اوپر نقل ہو چکے ہیں)

ایسے برگزیدہ بیٹے کو اوسکا عاشق اور گرویدہ باپ اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے والا ہے کیوں؟ کس لئے؟ اسلئے کہ وہ رویائے صادقہ کے ذریعہ سے۔ جو وحی ربانی اور الہام یزدانی کا ایک جزو خاص ہے اس امر فوق البشری کے اقدام و ارتکاب پر مامور ہو چکا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ وہ امتحان گاہ دنیا میں اپنی صبر و استقامت کا امتحان دے اور آماجگاہِ عالم میں اپنے تصفیہ قلب۔ استقلال دل و تسلیم و رضا کے کمال دکھلا کر ثابت کر دے کہ باوجود اسکے کہ جس فرزند کو اوس نے اپنی آرزو و تمنا سے پایا ہے اور ایسی محنت۔ ریاض اور الفت و محبت سے پالا ہے۔ مگر تاہم رضائے الٰہی اور اطاعت ایزدی کے مقابلہ میں وہ ایک معمولی جانور سے بھی زیادہ عزیز نہیں۔ باوجود اسکے کہ اوس کی صورت ہمیشہ آنکھوں میں اسکی یاد ہمیشہ دل میں اوس کی خبر گیری۔ دلجوئی اور راحت رسانی کے تمام سامان نگاہوں میں رہا کرتے ہیں۔ مگر جب قدرت کا حکم مشیت کا فرمان۔ اوس سے مفارقت اور جدائی اختیار کرنیکے لئے صادر ہوتا ہے۔ تو اوس سے ایسی بے تعلقی اور بے سروکاری ثابت کی جاتی ہے کہ گویا باپ بیٹوں میں گویا کوئی

علاقہ اور واسطہ ہی نہیں تھا۔

صاحب مواہب لدنیہ نے اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم اونکی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وابراہیم لما سأل ربہ الولد ووہبہ لہ تعلقت شعبۃ من قلبہ بمحبتہ واللہ تعالیٰ قد اتخذہ خلیلا والخلۃ منصب یقتضی توحید المحبوب بالمحبۃ وان لا یشارک فیہا فلما اخذ الولد شعبۃ من قلب الوالد جاءت من غیرۃ الخلۃ تنزعہا من قلب الخلیل فامر بذبح المحبوب فلما قدم علی ذبحہ وکانت محبۃ اللہ عندہ اعظم من محبۃ الولد خلصت الخلۃ حینئذ من شوائب المشارکۃ فلم یبق فی الذبح مصلحۃ اذ کانت المصلحۃ انما ہی العزم وتوطین النفس وقد حصل المقصود

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حصول فرزند کی دعا فرمائی اور خدا نے اونکو فرزند (اسماعیلؑ) عطا فرمایا تو حضرت ابراہیم کے ایک گوشہ دل میں محبت فرزند بھی جاگزیں ہوئی۔ اور اس سے قبل ایزد سبحانہ تعالیٰ آپ کو مرتبہ خلّت پر فائز فرما چکا تھا۔ اور خلّت وہ منصب عالی ہے جو محبوب کی محبت بالکل خالص اور بلا شرکت رکھے جانیکا مقتضی ہوتا ہے اور حقیقتاً اوسکا اصلی مدعا اور غایت منشا یہی ہوتا ہے کہ محبوب کی محبت بلا شرکت سہیم قایم رکھی جاوے۔ مگر جب ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ سا بیٹا ملگیا تو آپ کا ایک گوشہ دل بیٹے کی محبت سے پُر اور مملو ہوگیا اور گویا خلاف اصول خلّت باپ کے دل کا وہ گوشہ خدا کے سوا دوسرے کا ہوگیا لہذا خلّت کی صفت قلب ابراہیم میں مشترک ہوگئی۔

اسلئے خدا نے آپ کو ذبح محبوب کا حکم دیا اور جب آپ اسکے اقدام پر کامل طور سے تیار ہوگئے تو ظاہر ہوگیا کہ آپ کے دل میں خدا کی محبت بیٹے کی محبت سے زیادہ ہے۔ اس سبب سے آپ کی خلّت اوسی وقت شائبہ مشارکت سے پاک وصاف ہوگئی۔ اب کوئی مصلحت قربانی کی باقی نہیں رہی۔ اور اگر کوئی مصلحت الٰہیہ تھی تو وہ جناب ابراہیم کے استقلال قلب اور اطمینان نفس کا امتحان تھا اور یہی حاصل مقصود تھا۔

مندرجہ بالا عبارت بتلا رہی ہے کہ ذبح اسمٰعیل کا یہ عظیم الشان اور عدیم المثال واقعہ ایک طرف تو اسرار و حکمت ربانی کا مظہر تھا اور دوسری طرف صبر و استقلال انسانی کا منظر۔ خدا سبحانہ تعالیٰ امر ذبح کا امتحان آمر ہے اور پیغمبر حاضر (ابراہیمؑ) ذابح تھا اور پیغمبر لاحق (اسمعیلؑ) مذبوح۔ مقام ذبح۔ یا مذبح بیت اللہ یا بیت اللہ ہے یہ واقعہ اپنے قدرتی عظمت واقتدار اور نیز اپنے مامورین کی ذاتی اور صفاتی قدر و منزلت کے اعتبار سے جب ایسا مہتم بالشان ثابت ہوتا ہے تو اسکا وہ فدیہ خاص جو منجانب اللہ اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اور اسوقت سے لیکر ابد الآباد تک تمام متبعین شریعت ابراہیمیہ اور سائر امت اسلامیہ میں قایم فرمایا گیا ہے۔ وہ اصول فدیہ اور قواعد اخلاق کے مطابق اپنے مبدل منہ سے من حیث الوجوہ اول تو بہتر ہو نہیں تو

برابر مساوی اور ہمپایہ تو ضرور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ارشاد الہی کے بتلاتے ہوئے نصاب فدیہ و ہدیہ کے علاوہ روزمرہ کے اخلاقی مراسم ہمکو بتلا رہے ہیں کہ اقوام انسان میں جب ارسال ہدیہ یا ادائے فدیہ کیلئے۔ مِنْ اَفْضَلِ شَیْءٍ بِالْعَطِیَّةِ اَوِ الْهَدِیَّةِ کی خاص شرط پائی جاتی ہے اور ہر شخص بقدر امکان اسکی پیروی کرتا ہے اور سالانہ تعمیل۔ تو ذات جناب باری عز اسمہ جس کی استغنا کا کمال اِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ خدا کی ذات غنی اور قابل ستائش ہے۔ اور تم لوگ (بندے) غریب فقیر ہیں سے ظاہر و ثابت ہے۔ اپنے بندہ ہمقدار کے بدلہ دینے اور اوسکے فدیہ عطا کرنے میں کتنی لا انتہا فیاضی اور بخشش سے کام لیگا اور اس بدلہ یا فدیہ دینے میں اپنے مبدل منہ سے احسن ہونے یا اوسکے ساتھ مساوی اور برابر ہونے کی کیسی احتیاط قایم رکھی ہوگی۔ کیونکہ تمام فطرت انسانی اسکی تعمیل پر اس سختی اور احتیاط کے ساتھ عمل پیرا ثابت ہوتی ہے۔ تو عادت الہی جو تمام مخلوق کی عادات و عملیات کی معلم ہے۔ کیونکر اسکی عامل اور آمر نہ سمجھی جاوے گی۔ یہ مشاہد اور قراین بتلا رہے ہیں کہ آیہ وافی ہدایہ وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ میں وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یہ معمولی دنبیوں یا اور قسم کے حیوانوں اور لاکھوں قسم کے جانوروں کی قربانی نہیں ہے۔ جو اس واقعہ عظیمہ کی یادگار میں اوسوقت سے لیکر اسوقت تک ہر سال خدا کے نام پر کی جاتی ہے مگر حقیقت بین آنکھیں معرفت آگین قلوب خوب جانتے اور پہچانتے ہیں کہ ایک نبی اللہ کے کیا مراتب ہیں۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کی جانوں کا اوسکے مقابلہ میں کیا وجود ہو سکتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں نبی اللہ کے ایک قطرہ خون کی کیا قدر و عظمت ہے۔ اور ایک جانور یا بیشمار جانوروں کے دریا ئے خون کی کیا ہستی ہے اور کیا مقدار۔

حقیقت میں جن لوگوں نے ذبح عظیم سے سالانہ دنبوں کی قربانی مراد لی ہے۔ وہ حقیقتاً انبیا و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کے خون مطہر کی قدر و قیمت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور اگر واقف ہیں اور اپنی کسی خود غرضی سے اسکے اظہار میں تغافل و تساہل اختیار کرتے ہیں تو حقیقتاً ایسے لوگ ان مقدسین مرسلین کی تحقیر و ذلت اور استخفاف مراتب و مدارج کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تحقیق کی زیادہ نظر ڈالی جائے تو اس خیال اور عقیدے والے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

عبداللہ ابن عمر صحابی کی مجلس کا مندرجہ ذیل استفسار جسکو ہم صحیحین کے اسناد سے لکھتے ہیں۔ اسکی حقیقت کا پورا انکشاف کرتا ہے۔ اور اس خون مطہر کی عظمت کا کامل اعتراف۔ صحیح بخاری باب المناقب الحسن والحسین میں مرقوم ہے۔

عبداللہ ابن عمر سے کسی عراق کے رہنے والے نے حالت	حدثنا محمد ابن بشار قال حدثنا شعبہ عن

محمد ابن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعم قال سمعت عبد اللہ ابن عمر سئلہ رجل عن المحرم قال شعبہ احسبہ یقتل الذباب فقال اھل العراق یسئلون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلعم

احرام میں مچھر کے مارڈالنے کا مسئلہ دریافت کیا۔ عبد اللہ عمر نے کہا اہل عراق قتل ذباب کا مسئلہ تو مجھ سے دریافت کرتے ہیں درانحالیکہ انہیں لوگوں نے رسول خدا صلعم کے نواسے کو قتل کر ڈالا۔

(خلاصہ ترجمہ)

اس واقعہ اور مستفسر سے اگر اور کچھ نہیں تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اس خون مطہر کی نسبت عظمت اور حرمت کا خیال قرن اول ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ کیسا ہی زبانی اور ظاہری نہ ہو۔ کیونکہ دنیاوی ضرورتیں اور تعلقات اور تحصیل مال و دولت اور فکر و تلاش معاش کی کشمکش کچھ ایسی مجبوریاں۔ پاؤں کی بیڑیاں اور زبان کی قفل بنجاتی تھیں کہ آدمی کا اپنے ایک خیال اور اعتقاد پر قایم رہنا سخت دشوار تھا۔ یہی بزرگ (عبد اللہ عمر) جو حسین علیہ السلام (روحی لہ الفدا) کے خون مطہر کو اس عظمت و حرمت کا مستحق قرار دیتے ہیں وہی ذات شریف اون کے قاتل یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے ہیں اور مدینہ کے مسلمانوں میں سب سے پہلے اوسکی بیعت فرماتے ہیں۔ اور جو اوسکی بیعت سے انکار کرتا ہے اوس پر بغاوت۔ غدر اور شق عصائے امت کا حکم لگاتے ہیں۔ (طبری۔ ابن اثیر)

وہ حکم بھی حضرت عبد اللہ ابن عمر کا تھا۔ اور اب یہ فرمان بھی آپ ہی کا ثابت ہوتا ہے۔ تو اب متبعین اور عام گروہ مسلمین ان دونوں مخالف اور معارض میں سے کس حکم کو اختیار کریں۔ بینوا و توجروا

بہرحال جب آغاز ہی سے متقدمین صحابہ اور تابعین کی۔ ان معاملات میں یہ مذبذب حالت پائی جاتی ہو۔ تو ان کی زبان و قلم سے اہلبیت طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے اصل معارف و مشارف کی حقیقت نویسی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ اور اون کے متعلق اصل واقعات کیسے معلوم ہو سکتے ہیں۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سابق سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم اپنی بحث میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ ایک جانور کیا بیشمار جانور۔ عام اس سے کہ وہ زمین سے لائے جائیں۔ یا آسمان سے۔ اون کی پرورش شبستان عالم میں ہوئی ہو۔ یا گلستان ارم میں کسی صحیح دماغ اور سلیم عقل والے کے نزدیک۔ ایک انسانی زادہ کے ہمسر اور برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر ضرور یہ ہوا کہ حضرت اسمٰعیل کا فدیہ اور بدل موعود بھی ایسا ہی عظیم المرتبہ ہو جو اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے آپکا ہمپایہ ہمسر اور ہمشان ثابت ہوتا ہو۔

جب ہمارے استدلال کے تمام عقلی اور نقلی دلائل اور سارے قرائن۔ اور ان سب کے ساتھ اس واقعہ عظیمہ کی صورت حال یہی۔ فدیہ اور بدل میں باہمی مساوات اور مماثلت کو ضروری اور لازمی قرار

دیتی ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ تاریخ و سیر کے بالاستیعاب سیر کرنے والے اور ہر واقعہ کو تحقیق و تنقید کی نظر سے پڑھنے والے ہمیں بتلا دیں کہ اس واقعہ عظیم الشان کے بعد خاندان ابراہیمی اور دودمان اسمٰعیلی میں وہ کون سی قربانی خدا کے نام، خدا کی راہ اور خالص امر حق کے اظہار و استقرار کے لئے عمل میں لائی گئی ہے۔

اسکی تلاش و جستجو میں مثلاً شیعہ سنی کو کسی کم دو ہزار برس تک کے تاریخی واقعات دیکھنے پڑینگے اور اس مدت میں ایک واقعہ بھی اسکی مثال میں نہیں ملیگا۔ مگر ہاں۔ اس سلسلہ عالیہ میں حضرت عبدالمطلب کے عہد امارت میں، آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا ایک واقعہ ملیگا۔ اور اسمیں کوئی کلام نہیں کہ حضرت عبداللہ کی قربانی کے معاملہ کو فدیہ اسمٰعیل ہونیکا پورا حق حاصل تھا۔ کیونکہ بدل اور مبدل منہ میں باہمی مساوات بھی موجود تھی۔ مگر جیسا کہ تمام اسلامی مفسرین، محدثین اور مورخین کا متفق علیہ بیان ہے۔ اس قربانی میں بھی اس مصلحت خاص سے فدیہ اور بدل کا حکم آگیا کہ جناب عبداللہ کی ذات بابرکات سے جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود فیض موجود قائم ہونیوالا تھا۔ اس لئے حضرت عبدالمطلب نے جناب عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کا فدیہ دیا

واقعات کی اصلی حقیقت جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کے واقعہ قربانی میں فدیہ اور بدل واقع ہونے کی جو مصلحت مضمر تھی وہی مصلحت اور ضرورت حضرت عبداللہ کے واقعہ ذبح میں بھی لاحق ہوئی۔ اور مدبر قدرت کو دونوں معاملات میں مناسبت ہونے کی وجہ سے ایک ہی طریقہ کا فیصلہ دینا پڑا۔

بہرحال ہمارے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ واقعہ ذبح حضرت عبداللہ۔ جو حضرت اسمٰعیل کے واقعہ ذبح کی تنہا مثال تھا۔ وہ بھی فدیہ اور بدل واقع ہو جانے سے ناقص اور ناکامل ثابت ہو گیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو الفاظ فدیہ اسمٰعیل کی تعریف میں آئے ہیں وہ "وفدیناہ بذبح عظیم" کی تفصیل و تشریح میں آئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اسمٰعیل کا فدیہ ذبح عظیم کی صورت میں دیا جا چکا۔ جو کہ حضرت عبداللہ کے واقعہ میں بھی ذبح واقع نہیں ہوا۔ اسلئے وہ بھی فدیہ اسمٰعیل ہونیکا شرف حاصل نہیں کر سکا۔

اب تاریخ و سیر کے ماہرین اور محققین بتلا دیں کہ پھر یہی مبارک اور مقدس سلسلہ اسمٰعیلی میں کوئی شخص کوئی فرد واحد سوائے ذبیح کربلا، قتیل نینوا، سید الشہداء و خامس آل عبا، ابی عبداللہ الحسین علیہ التحیۃ والثنا کے فدیہ اسمٰعیل ہونے کی مفاخرت اور فضیلت رکھنے کا مستحق اور دعویدار ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ذبح عظیم کے خاص دونوں الفاظ۔ جو فدیہ اسمٰعیل کے تعریف میں بطور منصوص آئے وہ ہر پہلو اور ہر قرینہ سے

واقعۂ عظیمہ کربلا کے ساتھ پورے پورے منطبق ہو جاتے ہیں۔ اور ذبح اور عظیم، دونوں صفات مذکورہ کی اصلی اور حقیقی شکل وصورت پوری تفصیل وتکمیل کے ساتھ اس ایک واقعہ میں قائم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس واقعہ کے بعد آج تک کسی دوسرے واقعہ کا ایسا عظیم اور شاید نہیں واقع ہونا ثابت کر رہا ہے کہ سوائے اس ایک واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ذبح عظیم کا مقابل ہوا ہے اور نہ کامل، اور نہ سوائے اس کے ان الفاظ ربانی سے نہ کوئی دوسرا مستفاد ہو سکتا ہے اور نہ مراد۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ناظرین کتاب کو بتلا دیں کہ شبلی صاحب کی طرح میرا یہ بیان میری خاص طباعی نہیں ہے نہ شعر نہ تشبیہ پرستم کہ حدیث خواب گویم۔ بلکہ اس کی صحت اور حقیقت کی سند میں ایک ایسے محقق اور قابل نقاد فن کا قول و مختار پیش کر دیں جو فی الحال سواد اعظم میں شریعت اور طریقت۔ دونوں طریقوں کی جامعیت اور اعلمیت کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نواب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں مولف تاریخ احمدی وغیرہ وغیرہ۔ اپنے رسالہ البلاء المبین میں رقمطراز ہیں۔

حضرت اسماعیل کی قربانی کا واقعہ تو سب کو معلوم ہے جس کی نسبت خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ ان ہذا لہو البلاء المبین کے معنی تو صاف ہیں کہ فی الواقع یہ ایک روشن امتحان ہے۔ لیکن وفدیناہ بذبح عظیم کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے کس ذبح عظیم یعنی قربانی بزرگ کے بدلے حضرت اسمٰعیل کو بچا لیا۔ فی الحقیقت وہ ذبح عظیم جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہے۔ وہی تھا جو عاشور محرم کو کربلا کے میدان قیامت خیز میں بروز جمعہ بوقت عصر واقع ہوا۔ اور ابراہیم کے فرزند کی ناتمام قربانی کو ان کے لخت جگر حسینؑ نے کامل کر دیا۔ تھوڑا غور کرنے سے سمجھ میں آ جا سکتا ہے کہ ذبح گوسفند کی یہ حقیقت نہیں تھی کہ حضرت اسماعیل کے مقابلہ میں ذبح عظیم کے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب حسب منشاء حکم باری عز اسمہ حضرت اسمٰعیل کو قربانی کرنا چاہا اور بعدہ بموجب ارشاد باری اس عمل سے باز رکھے گئے۔ تو آپ کو حزن وملال کے ساتھ یہ خیال پیدا ہوا کہ جس قربانی کے لئے کئی بار شدید تاکید کے ساتھ مامور کئے گئے۔ اوس سے کیوں باز رکھے گئے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ یعنی واقعی یہ بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہم نے اسمٰعیل کو ایک بڑی قربانی سے بچا لیا حضرت ابراہیم نے بڑی قربانی کو دریافت کیا۔ تو ارشاد ہوا کہ تیرا فرزند حامل نور ختم المرسلینؐ ہے اس وجہ سے ہم نے تیرا امتحان لیکر اسمٰعیل کو بچا لیا۔ پھر حق سبحانہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کی نظروں سے رفع حجاب فرمایا کہ آپ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اون کی آل باصفا کا رتبہ جلیلہ مشاہدہ فرمائیں۔ جب آپ نے یہ منظر عالی منزلت ملاحظہ فرمایا۔ تو بہت ہی محظوظ

ہوئے اور حسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو دیکھکر فرمایا یہ کون ہیں۔ جواب آیا کہ یہ اسمٰعیل کے فرزند و لختِ جگر یعنی دخترِ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کا بیٹا حسین ہے۔ اے ابراہیم اپنی ذریت کو دوست رکھتا ہے یا محمدؐ کو۔ اپنے فرزند اسمٰعیل کو دوست رکھتا ہے یا محمدؐ کے فرزند حسینؑ کو۔ ابراہیمؑ نے عرض کی کہ خداوندا میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے اور امام حسین علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل کی ذات سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا اسماعیل کا فدیہ عظیم یہی ہے۔ اشقیائے امت اس کو مع اسکے اطفال خُردسال کے تین دن کا بھوکا پیاسا۔ غربت اور بیکسی کی حالت میں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید کرینگے جس کو دیکھکر شجر و حجر۔ آسمان و زمین اور وحش و طیور روئینگے۔ جب جناب خلیل اللہ نے یہ واقعہ سنا۔ شدتِ قلق سے آپ پر عالم گریہ طاری ہوا۔ اور سرشک غم دیدہ ہائے مبارک سے جاری ہوئے خطاب آیا۔ اے ابراہیمؑ حسینؑ پر رونا اوسی ثواب کے برابر ہے۔ جو اسماعیل کی قربانی سے حاصل ہے۔ مناہج الطالبین قزوینی۔ روضۃ الشہداء ملا حسین واعظ کاشفی صاحب تفسیر حسینی۔ حبیب السیر معارج النبوۃ ملا معین ہروی۔

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کو گھر سے لے چلے اور حضرت ہاجرہ نے چھری اور رسّی لینے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک گوسفند قربانی کرنا ہے پس حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک گوسفند قربانی بھیجکر اپنے برگزیدہ نبیؐ کے قول کو پورا کر دیا۔

اس سِرِّ عجیب کو تو دیکھو کہ باوجود صدہا زخموں کے جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کی روح مبارک نے جسد اطہر سے اوسوقت تک مفارقت نہیں کی جب تک کہ آپ کے گلوئے تشنہ پر خنجر جفا پھر کر لفظ ذبح کا مصداق نہ ہو لیا۔ اور اسی لفظ ذبح کی رعایت تھی کہ آپ کے قاتل بھی اسلام کے مدعی تھے کیونکہ ذابح کے لئے کلمہ گو ہونے کی شرط ہے گو وہ زبانی ہی کیوں نہو۔ اور چونکہ شہادت کبریٰ کی تکمیل بھی منظور الٰہی تھی۔ لہذا یہی اشرار و ملاعین جو برائے نام اسلام کا دم بھر رہے تھے لیکن کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول (خدا سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد پھر کفر اختیار کیا اور رسول پر شہادت دینے کے بعد پھر کافر ہو گئے اونکو خدا کیسے ہدایت فرما سکتا ہے) کفار ناہنجار سے بدتر اور نابکار ہو گئے کما قال اللہ تعالیٰ ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الظلمون۔ (جیسا کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کے بعد پھر کفر اختیار کیا تو اونہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔ اون کی توبہ کبھی قبول نہیں اور وہی لوگ ظالم ہیں) پس گویا قدرت نے ذبح اور شہادت کے دونوں پہلوؤں کو ایک ہی واقعہ سے ثابت

کر دیتا ہے۔

(۳) حضرت اسماعیل ع کے نازک گلے پر چھری پھیرنے والا ہاتھ بھی تھوڑی دیر کیلئے اگرچہ قاتل ہی کا ہاتھ کہلائے گا۔ مگر پھر بھی حقیقتاً وہی باپ کا وہی ہاتھ تھا۔ جو اس سے قبل شفقت اور محبت کے غیر متحمل تقاضوں سے اسماعیل کے سر اور پشت پر ہزار بار پھر چکا تھا۔ مگر حسین ع اور ان کے جوان۔ کمسن اور شیر خوار بچوں پر ان خونخوار۔ ظالم و بیرحم قاتلوں کی تلواریں اور خنجر پھیر دیئے گئے۔ اور ان ہاتھوں نے پھیرے۔ جن کے قلب لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے اور ان سے رحم و مروت اور رعایت کی امید کرنا قطعی محال تھا۔ مگر حضرت کے جوان بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا اور شکر کا سجدہ ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ حسین نے بالآخر ان فوق البشری مصائب پر کیا کیا صبر کیا اور اپنے جوان صالح کے مارے جانے اور فائز شہادت ہونے پر خدا کا شکر کیا۔

(۴) ان کے علاوہ۔ غربت۔ مسافرت کا عالم۔ تپش اور قیامت کی گرمی کا موسم۔ سینکڑوں کوسوں کا سفر۔ دن دن بھر کی دھوپ۔ رات رات بھر کی شبنم۔ ہر منزل پر کیا۔ ہر ہر قدم پر قتل و غارت کی دہشت بال بچوں کا ساتھ پانی کی کمی۔ غلہ کا کال۔ پھر داخلہ کربلا کے بعد پانچ دن بعد آب و دانہ کی قطعی بندش چوبیس پہر کی پیاس۔ مجبور اور شکستہ پا خواتین اور بچوں کی بیتابی اور بیقراری۔ اور پھر روز عاشورہ صبح سے عصر تک اٹھارہ عزیز اور چوہتر رفقا کا سامنے قتل کیا جانا۔ وہ قیامت کا منظر تھا جن میں سے ایک شائبہ بھی حضرت ابراہیم و اسماعیل کے پیش نظر نہیں تھا۔ مگر حسین ع اپنے کمال استقلال سے ایک ایک کر کے ان تمام مصیبتوں کو اپنی تنہا جان پر کھیل گئے۔ یہ چند واقعات ہر قرینہ اور ہر طریقہ سے حسین کے واقعہ ذبح کو اسمٰعیل کے واقعہ ذبح سے عظیم ترین ثابت کرتے ہیں۔ یہ وہ مقامات تھے جن میں ایک بھی نہ ابراہیم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور نہ اسماعیل کی جان پر گزرے۔ اسی بنا پر وحی الہی نے اس کو مخصوص طور پر لفظ عظیم سے تعبیر کیا۔

اسی کے ساتھ ایک دوسرے امر پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ آخر فقرہ آیہ مبارکہ جس پر واقعہ ذبح اسماعیل کی بشارت تمام ہوتی ہے یہ ہے۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ۔ جس کے ظاہر معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم نے اسکا ذکر آئندہ نسلوں میں یادگار چھوڑا۔ اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ جس واقعہ کے ہمیشہ ذکر قائم رکھے جانے کی بشارت دیجاتی ہے وہ ذبح اسماعیل کے ذکر سے متعلق ہوتی ہے یا ذکر شہادت حسین ع سے۔ جب ہم اس بشارت کی عملی صورت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ذبح اسماعیل ع کے متعلق تمام دنیا کے مسلمان سوا اسکے کہ قربانی والے دن۔ سال میں ایک مرتبہ (دسویں ذی الحجہ) قربانی کر دیا۔ اور نہ کبھی آپ کا کوئی ذکر

کرتا ہے اور نہ آپ کے واقعات و حالات کا تذکرہ۔ میرے خیال میں اکثر کو تو ابتک اصل واقعات کی خبر بھی نہیں۔ بخلاف اسکے، ذکر حسین۔ آپ کے ابتلا و امتحان کے حالات و واقعات۔ باوجود اسکے کہ وقت وقوع سے۔ اسکے موقوف کرنیکی بیشمار تدبیریں، چھپانے اور مٹانے کی لاکھ لاکھ ترکیبیں کیگئیں لیکن پھر بھی مسلمانوں پر کیا منحصر ہے، غیر اقوام و ملت کے لب و زبان پر کمال شرح و بسط کے ساتھ آجتک جاری ہیں۔ اور اسکے ذکر کیلئے ایام مخصوصہ اور وقت مقررہ کی بھی کوئی تخصیص اور شرط ضروری نہیں تھی۔ یہ وہ ذکر ہے جو ہر وقت تازہ ہے اور ہمیشہ جاری مسلمانوں کے ان گنی گروہ نفوس کے علاوہ۔ جو اس ذکر کے احیا کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ اسلام کے تمام فرقے اور شعبے بھی اسکے ذکر و اذکار سے غافل نہیں ہیں، بلکہ اسکی حقیقت اور اصلیت کے خارجی اور ظاہری اثر سے متاثر ہو کر غیر اقوام و ملت کی کثیر التعداد جماعت اسکے ذکر و احیا سے خاص ہمدردی اور دلچسپی رکھتی ہے۔ اور اکثر اسکو ارادت و عقیدت میں داخل کرلیتی ہیں۔ الغرض جہانتک تحقیق اور غور سے کام لیا جاتا ہے اور روزانہ مشاہدات سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ذبح اسماعیل کے ذکر سے شہادت حسین کا ذکر کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ تو ذبح عظیم و ترکنا علیہ فی الآخرین کا اصلی مدعا اور حقیقی منشار ذکر حسین سے پورا ہوتا ہے نہ ذکر اسماعیل سے۔ تو پھر اس بشارت کے مطابق۔ ایسا اتنے بڑے ذکر مشہور کے ہوتے ہوئے۔ جو صرف تمام اقطاع عالم اور ہر قوم و ملت میں ہمیشہ آجتک دائم اور شائع ہے۔ کیونکر عقل سلیم اوس واقعہ کے ذکر کو عظیم تسلیم کریگی۔ جو باعتبار ذکر و شہرت کے نہ اتنا مشہور ہے اور نہ ایسی کثرت سے مذکور۔

اگر زبانی ذکر سے یہاں مقصود نہیں ہے۔ بلکہ تحریر و نقل اور اتحفاظ بین الآخرین مراد ہے تو ہم دکھلا سکتے ہیں کہ کثیر التعداد دفتر اور بڑے بڑے کارنامے مقتل حسین کے ذکر و تفصیل میں دنیا اور دنیا کے ہر گوشہ میں نکلے ہیں اور ان کے مقابلہ میں عشر عشیر کتابیں بھی حضرت اسماعیل کے شرح و ذکر و اقعات میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ روز روشن کے مشاہدے ہیں اور امور مسلمہ جس سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تحریری اور تقریری دونوں طریقوں سے اس بشارت ایزدی کے اوس ذکر موعود کا اصلی مقصود واقعہ کربلا ہی کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔

عبارت قرآنی کی ترکیب بھی بتلا رہی ہے کہ علیہ کی ضمیر واحد غائب قاعدہ قربت و اتصال کے مطابق ذبح عظیم کی طرف راجع ہونی چاہیے گی نہ واقعات ذبح اسماعیل کیطرف راجع۔ کیونکہ ضمیر متصل کی ضرورت صریح اور موقع مناسب کے ہوتے ہوئے۔ اسکو ضمیر منفصل سمجھنا دلیل جہل ہے۔

فدیناہ بذبح عظیم کی بشارت قرآنی کا جو حقیقی مفہوم و مقصود تھا۔ وہ عقلی اور نقلی دلائل و قراین سے پورے

طور پر ثابت کر دیا گیا۔ اب نصوص الٰہیہ کے بعد احادیث و اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی اہمیت اور عظمت کی شان دیکھنی چاہیئے۔ اس امر کی تلاش و تحقیق میں ہمکو صحاح۔ مسانید اور سنن میں۔ غرض تمام اقسام کتب احادیث سے۔ اتنی کثیر التعداد اور صحیح الاسناد حدیثیں ملتی ہیں۔ جن سے تنہا یہی نہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلعم نے مقتل حسین ع کی خبر اپنی زبان صداقت ترجمان سے تمام اہل اسلام کو پہونچائی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی خبر کو منجانب اللہ ایکبار نہیں کئی بار۔ ایک ملک مقرب کے ذریعہ سے نہیں بلکہ مختلف فرشتوں کی وساطت سے پہونچایا گیا ہے۔ ہم اگر ان تمام حدیثوں کی تفصیل کیسی صرف نقل اجمالی کا قصد کریں تو پھر یہ جزو تالیف ہمارا مقتل کی ایک تیار اور کامل جلد ہو جائے گی۔ جو ہمارے موضوع تالیف سے زاید ہے۔ اسلئے ہم شریعت کے مقتدا طریقت کے رہنما مرحوم صاحبزادہ حسن میاں صاحب پھلواروی کی کتاب۔ شہادت حسین مطبوعہ لاہور سے۔ صرف اون راویوں کے نام۔ جنہوں نے آنحضرت صلعم سے اس واقعہ عظیمہ کی پیشین گوئیوں کو منجانب اللہ ہوتا بیان کیا ہے۔ اور انہیں بزرگوں کے ساتھ اون مفسرین محدثین مورخین اور اون کی کتابوں کے نام بھی ذیل میں درج کئے دیتے ہیں۔ جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات میں قلمبند فرمایا ہے۔

صحابہ کبار میں — حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی۔ (خود) حضرت امام حسین۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس۔ حضرت انس۔ ابو الدرداء اور زید ابن ارقم۔

امہات مومنین میں — حضرت عائشہ۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش۔

خواتین صحابیہ — حضرت ام الفضل مادر حضرت عبد اللہ ابن عباس۔ اسماء بنت عمیس اور سلمٰی نے اسکی پیشینگوئی کی روایت کی ہے۔

مفسرین محدثین اور مورخین — ہر طبقہ کے علما و محدثین اسکو اپنی کتابوں میں مستند کرتے آئے ہیں۔

امام احمد ابن حنبل[1]۔ ابن ابی شیبہ[2]۔ عبد ابن حمید کشی[3]۔ ابوداؤد[4]۔ ترمذی[5]۔ ابن ماجہ[6]۔ طبری[7]۔ حاکم[8]۔ عبد الرزاق[9]۔ ابو نعیم[10]۔ ابو یعلی[11]۔ ابن عساکر[12]۔ طبرانی[13]۔ خطیب بغدادی[14] اور بیہقی[15] وغیرہم۔

متاخرین علما و محدثین — اور پھر ان سے اکابر محدثین و علمائے محققین نقل کرتے آئے ہیں۔

ابن تیمیہ[16]۔ ابن قیم[17]۔ نووی[18]۔ ابن صلاح[19]۔ سبکی[20]۔ ابن سبکی[21]۔ قاضی عیاض[22]۔ بیضاوی۔ غزالی۔ ابن عربی۔ قرطبی۔ ذہبی۔ مزی۔ ابن اثیر۔ ابن حجر عسقلانی۔ ابن حجر مکی۔ عینی۔ سخاوی۔ سمہودی۔ شعرانی۔ جلال الدین سیوطی۔ شیخ علی متقی

شیخ عبدالحق[۳۸]۔ شاہ ولی اللہ[۳۹] اور شاہ عبدالعزیز[۴۰]۔
علمائے اندلس اکابر محدثین و علمائے اندلس مثل ابو عمر[۴۱]۔ قرطبی[۴۲]۔ ابن حزم[۴۳]۔ حمیدی[۴۴]۔ ابن عربی[۴۵] مالکی ابن عربی[۴۶] صوفی۔ ابن عبدربہ[۴۷]۔ اور مقریزی[۴۸] وغیرہم بھی واقعہ شہادت کو اپنی کتاب میں درج کر چکے ہیں شہادت حسین مطبوعہ امرتسر صفحہ ۴۰۔

جب اتنے صحابہ کبار اور اتنے کثیر التعداد محدثین مفسرین اور مورخین کی جماعت اس واقعہ کی الہامی ہونے کی تصدیق و توثیق میں ہمکلام و ہمزبان ہے۔ تب خود غرضی تقلید اسلاف وغیرہ کو تھوڑی دیر علیحدہ رکھکر۔ اس واقعہ عظیمہ کی نسبت و فدیناہ بذبح عظیم کے سچے مفہوم اور اصلی مقصود تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اور کیا کلام۔

ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ مگر اسکے ساتھ ہی۔ اسکے کسی پہلو کو ناتمام اور غیر منفصل بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ اب ہم اسی کے ضمن میں شبلی صاحب کی اوس غلط تاویل کو جو اونھوں نے حقیقت قربانی کی تفصیل میں تمثیلی اور عینی کی اصلیت کھولنے کی غرض سے قلمبند فرمائی ہے یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب کو اس خیالی تاویل کی جگہ۔ ذبح اسماعیل کے تذکرہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صحیح اور قریبی تمثیل یاد آئی ہوتی۔ مگر افسوس جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک زمانہ سے یہ حضرات اور انکے واقعات مصالح ملکی کی مخالفت ہونے کے باعث۔ مرفوع القلم ہو چکے ہیں۔ اور بالکل نسیاً منسیاً۔ ان کے کوئی محاسن محامد اور مشارف نہ قابل ذکر ہیں نہ لایق غور و فکر منقولات معقولات۔ قرائن۔ قیاسات۔ اسناد و اشہاد صحیحہ سے اقتباسات انکے فضائل و مناقب میں دکھلائے جائیں۔ بالکل موضوعات اور مجہولات ٹھرائے جائینگے۔ پھر ایسی نفسانیت کے تیرہ و تار عالم میں ہمکو شبلی صاحب یا اون کے ہم عقیدہ حضرات سے اس واقعہ کی عظمت اور حرمت کی کیا امید ہو سکتی ہے جس کا سننا گناہ اور ذکر کرنا معصیت۔

ہمارے مرقومہ بالا استدلال نے اس مسئلہ کو کامل طور سے ثابت کر دیا کہ ذبح عظیم سے موجودہ رسم قربانی جانوران نہ عقلاً مراد ہو سکتی ہے نہ نقلاً۔ اسی طرح ترکنا علیہ فی الآخرین سے ذکر واقعہ اسماعیل مقصود نہیں ہے بلکہ ذکر شہادت حسین اور لفظاً فدینا۔ اور ذبح عظیم کا اصلی اور حقیقی مفہوم سوائے قتل حسین کے کوئی اور دوسرا واقعہ نہیں ہو سکتا۔

توریت کے نقبائے اثنا عشر

ہم اپنے موجودہ استدلال کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کرتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کے حالات و واقعات میں شبلی صاحب اور نیز سر سید مرحوم نے توریت مقدس کے حوالے اور اسناد پیش کئے ہیں۔ اول ان اسناد و اشہادات اس واقعہ کی

قیامت ثابت کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ مخالفین کو اپنے منشا پر دیکھ کر عذر کا پہلو باقی نہ رہے میں کہتا ہوں۔ دونوں حضرات کی توجیہات صحیح ہیں اور بالکل مناسب۔ مگر اس کے ساتھ اتنی عرض ضروری ہے کہ ان اسناد و اشہاد کے تمام کلیات و جزئیات سے استفادہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یا صرف انہیں اسناد و جایات سے فائدہ اٹھانا چاہیے جن سے آپ حضرات کے مطالب نکلتے ہوں۔

سید صاحب اور شبلی صاحب۔ دونوں صاحبوں نے توراۃ کتاب اول باب ۱۷، آیت ۲۰ سے حضرت اسمٰعیل ؑ کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے۔

> اے ابراہیم میں نے تیری دعا اسماعیل کے حق میں قبول کی ہاں میں نے اوسے برکت دی اور اوسے بار آور کیا اور اسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اوس سے بارہ امام (سردار) پیدا ہوں گے اور میں اوس کو بڑی قوم بناؤں گا۔

دونوں حضرات نے بارہ امام یا سردار کے مفہوم کو باعتبار ظاہر اولاد کے بارہ بیٹوں کی تعداد سے مطابق پاکر منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ حضرات اگر ذرا بھی حقیقت کی نگاہوں سے اس مسئلہ کو دیکھتے تو ان کو خود معلوم ہو جاتا کہ یہی الفاظ مخصوص ہے خداوند عالم نے حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہ اوس وقت اس نام و لقب سے مشہور ہوا۔ اور نہ ابھی تک کوئی ایسا نام و لقب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور نہ خود توراۃ میں ان کے امام پیشوا یا سردار ہونے کی کہیں تصریح ہے یا کسی نسبت ان القاب و آداب کا ذکر و مذکور ہے۔ اور نہ ان مناصب و مراتب کے متعلق ان کے کوئی احکام، اقوال یا ارشاد کہیں پائے جاتے ہیں۔ پھر کیسے کوئی عقل سلیم رکھ کر ان لوگوں کو خطاب و القاب مندرجہ توراۃ کے صحیح معنوں میں تسلیم کرے گا۔ سید صاحب اولاد اسمٰعیل کی بشارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

> جو لوگ ہمارے مخالف (یہود و نصاریٰ) ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے اسماعیل سے وعدہ کیا تھا کہ اوس کی اولاد میں بارہ سردار ہوں گے چنانچہ حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹے جو بمنزلہ بارہ بادشاہوں یا سرداروں کے تھے پیدا ہو گئے۔ اور جس برکت دینے کا وعدہ کیا گیا تھا وہ دنیاوی تھی نہ روحانی۔

اس بحث کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

> جس مضمون کا وعدہ کہ حضرت اسماعیل سے کیا گیا تھا اور جو لفظ برکت کا حضرت اسماعیل کے وعدے کے متعلق استعمال ہوا۔ اسی مضمون کا وعدہ حضرت اسحاق سے بھی کیا گیا اور وہی لفظ برکت کا اسحاق کے وعدہ میں بھی لایا گیا۔ پھر یہ کہنا کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اسماعیل سے جو وعدہ تھا وہ تو دنیاوی تھا اور جو اسحاق سے تھا وہ روحانی تھا۔ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۵۹۵۔

سید صاحب نے اپنے استدلال میں صرف لفظ برکت پر توجہ فرمائی ہے اور اسی پر اپنی تمام استدلالی قوت صرف فرمادی ہے صرف اتنا کہا ہے کہ اولاد اسماعیل میں برکت روحانی کا عطا ہونا تسلیم کر لیا ہے۔ یہیں پر سید صاحب کو اپنا ضعف استدلال بھی سمجھ لینا لازم تھا کیونکہ آگے چل کر جن لوگوں کی نسبت آپ روحانی برکت سے مستفیض ہونا یقین کرتے ہیں۔ اونکے حالات و واقعات سے اونکے صفات روحانی ثابت نہیں کر سکتے۔ وہ دعویٰ جسکا ثبوت نہ موجود ہو مہمل ہے اور بیکار۔ اولاد اسماعیل میں صفات روحانی نہ ہونے کی وجہ سے توراۃ کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسماعیل سے صرف دنیاوی وعدہ تھا۔ وہ اسی طرح پورا ہوا کہ اون کے بیٹے اقوام و قبائل کے رئیس و سردار ہوئے۔ ریاست اور سرداری دنیاوی نام و نمود ہیں انکو روحانی حظ سے [illegible] واسطہ نہیں۔ اسلئے اسماعیل کے ساتھ دنیاوی برکت کا وعدہ ہونا صحیح ثابت ہوتا ہے اور روحانی وعدہ ہونا غلط۔

بارہ امام یا سردار کے متعلق سید صاحب نے کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ ایسے سمجھا جاتا ہے کہ اسکی نسبت آپ نے مخالفت کے قول کو صحیح سمجھ لیا ہے تو اس بنا پر گویا امام اور بادشاہ ایک ہی ہیں حضرت شبلی صاحب کے سکوت کا بھی یہی عالم ہے۔ اور کیونکر ہو۔ ان دونوں صاحبوں کے اصول جدا جدا ہیں۔ بہرحال امام اور بادشاہ کو ایک سمجھنا قطعاً غلط ہے اور مخالف قرآن بھی ہے ابراہیم کو کسی مسلم یا غیر مسلم محقق اور مورخ نے بادشاہ نہیں مانا۔ مگر قرآن انکو اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھکو آدمیوں کا امام (پیشوا) بنادوں) امام بناتا ہے۔ سید صاحب وغیرہ کے اصول کے مطابق۔ امام ہونے کی رعایت سے ماننا پڑیگا کہ وہ بادشاہ وقت بھی تھے جو درایۃً اور روایۃً دونوں طریقوں سے خلاف ہے۔ اگر اولاد انبیاء کو سلاطین کہلانے کی عادت الٰہی کا بھی دستور اور قاعدہ خاص مان لیا جائے تو پھر ہر رسول اور نبی کے صاحبزادے کو حکمران زمانہ اور سلطان وقت ثابت کرنا ہوگا۔

حقیقت تو یوں ہے کہ امام کو ملکی حکمران کے معنوں میں تسلیم کرنا عقل کی غلطی ہے جو اہل کتاب کو پہلے اور اہل اسلام کو پیچھے۔ انکا نام سلطنت کی غرض خاص سے ضرور ہی معلوم ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ اسی نے امراء پرستی کا نقص و عیب انہیں پیدا کر دیا اور جس طرح کاہنین اور راہبین عموماً بنی اسرائیل میں سلاطین بنی اسرائیل کو واجب الاحترام اور واجب الاتباع سمجھتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی علماء دین نے سلاطین اور فرمانروایان سلطنت کو امام مفترض الطاعت سمجھ لیا۔

خدا نے سبحانہ تعالیٰ نے جن معنوں میں حضرت ابراہیم کی نسبت لفظ امام کا استعمال فرمایا ہے وہ روحانی پیشوا اور مقتدا کے ہیں اور انہیں معنوں کے ساتھ اولاد میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ کیونکہ ابھی ابھی سید صاحب حضرت

اسحٰق و اسمٰعیل کی مساوات فی المدارج کی بحث میں دعائے برکت کو روحانی ہونا، دونوں کے حق میں بمراتب
مساوی ثابت کر آئے ہیں۔ پھر یہاں روحانی معنی کی جگہ دنیاوی مراتب کیسے مراد لئے جاوینگے۔

بہرحال لفظ امام کی حقیقت کھولکر ہم اسکی اہمیت اور عظمت بتلاتے ہیں کہ منصب امامت ایسا عظیم الشان
تھا کہ حضرت ابراہیم نے جب اپنی اولاد و ذریت کے لئے اسکے عطا کئے جانے کی دعا خداوند عالم سے کی تو
مشروط بالشرط ہوئی (حضرت ابراہیم کی استدعا ومن ذریتی (اور میری اولاد کو بھی امام بنائیگا) اور خدا تعالیٰ
کی اجابت مشروط تھی لاینال عہدی الظالمین (ہاں مگر میں ان میں ظالموں کے ساتھ اپنا وعدہ پورا نہ کروں گا)
قرآن مجید میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہے جسکو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ ذریت ابراہیمی میں
عموماً ہر فرد بشر خدا کے آگے منصب امامت کے قابل نہیں ہے مگر وہی جو بارگاہ احدیت میں اسکا اہل ثابت ہوتا
ہو۔ وہی الفاظ ہم توراۃ میں بھی پاتے ہیں تو پھر یہاں کیوں اسکے معنوں میں وہی تخصیص کیوں نہیں قائم کی
جاتی اور تعمیم کو خواہ مخواہ کیوں داخل کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا عنوان بیان سے ثابت ہوگیا کہ سلسلہ ابراہیمی میں منصب امامت کو عام کر دینا اور
تمام ابنائے اسمٰعیل کو اسکا اہل قرار دینا مخالف قرآن ہے اور جو مخالف قرآن ہے اسکو کوئی مسلمان
تسلیم نہیں کر سکتا۔ جب سلسلہ اسمٰعیلی میں آپ کے بارہ بیٹوں کی امامت ثابت نہیں ہوتی۔ تو ہمکو آپ کی
اولاد و اعقاب میں ان ذوات عالیہ اور نفوس قدسیہ کا سراغ لگانا ضروری ہوا جنکا الفاظ بشارت
مندرجہ توراۃ و قرآن سے کوئی زمانہ خاص انکے لئے مقرر نہیں کیا ہے جس کی بابت مقررہ اور زمانہ مخصوص
کے اندر ہم اپنی تلاش و تحقیق کو محدود کر سکیں۔ جب ہم اسکی تحقیق کرتے ہیں تو ہمکو صاف صاف معلوم ہو جاتا
ہے کہ جس طرح سلسلہ اسمٰعیلی میں دو ہزار برس کے بعد ہمکو منصب رسالت و نبوت کے متعلق توراۃ کی اولیت
مستفاد اور متواتر آسمانی بشارتوں اور روحانی برکتوں کے کامل ثبوت اور صحیح نشان جناب ختم المرسلین صلعم کی
ذات قدسی صفات میں ملتے ہیں اسی طرح اولاد اسمٰعیل میں ان بارہ امام کی بشمول تعداد حضرات ائمہ
اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین پر تمام ہو جاتی ہے جو بحکم خدا اور ارشاد رسول کے مطابق پیشوایان امت
تھے اور جانشینان شریعت۔

ہمکو اس مقام پر سلسلہ بیان کے اعتبار سے یہ بھی بتلا دینا نہایت ضروری ہے کہ توراۃ میں جس طرح
جناب اسمٰعیل کے بیٹوں کی نسبت بارہ امام ہونیکی بشارت دی گئی ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کے
زمانہ میں حضرت ہارون کے بیٹوں کی نسبت بھی توراۃ و قرآن کی ایسی ہی بشارت مرقوم ہے۔ قرآن مجید کے
الفاظ بشارت یہ ہیں۔ وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا (ہم نے ان میں سے بارہ پیشوا بنائے)

ان حضرات کے حالات پر بھی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بارہ بزرگواروں سے کوئی بھی دنیاوی فرمانروا یا حکمران وقت نہیں مانا گیا۔ سب کے سب خدا کی طرف سے روحانی پیشوا سے امت بنائے گئے ہیں اور مقتدا سے شریعت۔ اب حضرات ائمہ اثنا عشر سے انکی کامل مماثلت بھی ملاحظہ ہو۔

حدیث منزلت یا علی انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا لا نبی بعدی (اے علی ترجمہ تمہاری منزلت ایسی ہے جیسی ہارون کی موسیٰ کے ساتھ۔ اگرچہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) کی ایسی معتبر اور مستند حدیث ہے اسلام کا فرقہ فرقہ اور بچہ بچہ واقف ہے۔ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا مماثل اور حضرت علی مرتضیٰؑ کو حضرت ہارون کا مماثل بنایا تو ضرور ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کے صاحبزادے بھی حضرت ہارون کے صاحبزادوں کے ہم رتبہ اور ہم شان ہوں۔ اس مماثلت اور مشابہت کا بھی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی زبان صداقت ترجمان سے اعلان فرما گئے ہیں۔ مناقب امام احمد بن حنبل۔ سنن ابوداؤد۔ صحیح ترمذی۔ سنن دارقطنی۔ سنن امام بیہقی۔ مستدرک امام حاکم۔ ذخائر العقبیٰ طبری۔ معجم طبرانی اور تاریخ ابن عساکر میں مرقوم ہے۔

قال علي عليه السلام لما ولد الحسن سميته حربا فجاء رسول الله صلعم قال اروني ابني ما سميتموه قال حربا قال وهو حسن فلما ولد الحسين سميته حربا فجاء رسول الله صلعم قال اروني ابني ما سميتموه قلنا حربا فقال هو حسين وقال انما سميتهم بولد هارون شبر وشبيرا

علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب امام حسن پیدا ہوئے تو میں نے اونکا نام حرب رکھا۔ آنحضرت صلعم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھلاؤ تم نے میرے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے میں نے عرض کی حرب۔ ارشاد فرمایا اسکا نام حسنؑ ہے۔ پھر جب امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ تو میں نے انکا نام بھی حرب رکھا پھر آنحضرت صلعم تشریف لائے۔ اور مجھ سے فرمایا میرے بیٹے کو دکھاؤ۔ تم نے اسکا کیا نام رکھا ہے۔ میں نے کہا حرب۔ آپ نے کہا اسکا نام حسینؑ ہے۔ میں نے ان دونوں کے نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھے ہیں۔

اب ان ناموں کی نسبت ہم تجویز رسالت پناہی صلعم کو عین تجویز الٰہی پاتے ہیں۔ فضائل الخلفاء میں علامہ ہمدانی ایک طولانی حدیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

ثم هبط جبرئيل فقال يا محمد صلعم العلي الاعلى يقرئك السلام ويقول لك علي منك بمنزلة هارون من موسى لكن لا نبي بعدك فسم ابنك هذا باسم ولد هارون فقال ما كان اسم ولد هارون

پھر جبرئیل آئے اور کہا اے محمد (صلعم) پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ علی تمہارے نزدیک ایسے ہیں جیسے ہارون موسیٰ کے نزدیک ہے۔ لیکن تمہارے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ آپ اپنے بیٹے کا نام ہارون کے بیٹوں کے نام پر رکھیں

یا جبرئیل فقال شبر فقال ان لسانی عربی فقال سمہ الحسن۔	حضرت نے کہا ہارون کے بیٹوں کا کیا نام تھا۔ جبرئیل نے کہا کہ شبّر۔ حضرت نے فرمایا میری زبان عربی ہے۔ جبرئیل کہنے لگے آپ

انکا نام حسن رکھیں۔

اس روایت کو مستدرک۔ شرف النبوۃ اور مناقبات السادات میں بھی لکھا ہے۔

طبقات ابن سعد میں اسکی تصدیق و توثیق یوں مرقوم ہے۔

عن عمران بن سلیمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الحسن والحسین اسمان من اسماء الجنۃ ما سمیت العرب بھما فی الجاھلیۃ	عمران ابن سلیمان سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن اور حسین (علیہما السلام) دو اسم ہیں اسمائے جنت سے۔ کبھی عرب نے یہ نام ایام جاہلیت میں نہیں رکھے تھے۔

آخر توثیق بھی ملاحظہ کر لی جائے جس میں سبط کا لفظ۔ جو اسباط موسیٰ کے ساتھ مخصوص ہے بعینہ موجود ہے۔ امام ابو حاتم ایک طولانی حدیث کے خاتمہ میں آنحضرت صلعم کی زبانی لکھتے ہیں۔

وقال حسین منی و انا من الحسین احب اللہ من احب حسینا وحسین سبط من الاسباط	فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا اوسے دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھتا ہے حسین اسباط میں

سے ایک سبط ہے۔

میری دانست میں کیا کسی کی عقل میں بھی۔ توراۃ کے مندرجہ الفاظ۔ بارہ[12] امام یا سردار۔ بارہ[12] نقبا اور اسباط کی مشابہت اور مشاکلت کے ثبوت اس سے زیادہ مناسب مطابق اور معتبر اور کیا ہو سکتے ہیں۔ ہم انہیں کو اپنے ثبوت مدعا کیلئے حد سے زیادہ کافی سمجھتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیہ کریمہ وبعثنا ھم اثنا عشر نقیبا کے استدلال کرنے سے جو میرا خاص مدعا تھا وہ یہی کہ باوجود ایسے صریح اشہاد و اثبات فضائل و مدارج اہلبیت علیہم السلام کے جو صاف صاف قرآن مجید کی الہامی عبارتوں میں موجود ہیں کسی صاحب کی نظر توجہ اس کی نقل و تحریر کیطرف معطوف نہیں ہوتی۔ اور ہوتی بھی ہے تو شبلی صاحب کی طرح۔ ایسی تاویل کی طرف جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایسے اولی العزم رسول اور معصوم پیغمبر پر غلط فہمی اور خطاء اجتہادی کے نقص والزام وارد ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ سید صاحب نے خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور میں صفحہ ۲۰۰ سے لیکر ۲۰۵ تک میں جناب موسیٰ اور جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے فیما بین مختلف دلیلوں اور طریقوں سے کامل مماثلت اور مشابہت ثابت کی ہے۔ مگر اون تمام دلائل میں نہ کہیں آیہ مذکورہ بالا وبعثنا ھم اثنا عشر نقیبا سے استدلال کیا

ہے۔ اور نہ حدیث رسول اور خاص ارشاد پیغمبر بہ حدیث منزلت کی عبارت سے اون دونوں صاحبان شریعت اور مبلغان رسالت کی باہمی مساوات اور مماثلت دکھلائی ہے۔ اِن حضرات کی عدم توجہی اور فروگذاشت کے ثبوت میں ایک یہی مثال بہت کافی ہے۔

اگر سید صاحب اسوجہ سے قرآن وحدیث کے استنباط کو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ناقص سمجھتے ہیں۔ کہ اونکے مخالف عیسائی جو اونکے خاص مخاطب ہیں وہ اسکو نہیں تسلیم کرینگے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگ آپ کے پیش کردہ قیاسی اور زبانی دلائل کو کب ماننے لگے۔ ہاں اگر آپ نے اپنے ثبوت استدلال میں اونھیں کے اقرار واقوال سے کام لیا ہوتا تو البتہ اونکو عذر وکلام کی گنجایش نہوتی۔ اور جب ایسا نہیں اور صرف زبانی الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ تو کس کام کا۔ اس سے تو نقل عبارات کلام الٰہیہ اور احادیث صحیحہ نبویہ کا قدیم طریقہ استدلال بدرجہا مستحسن تھا جس سے مخالفین اسلام چاہے فائدہ اوٹھاتے یا نہ اوٹھاتے لیکن عام مسلمان تو آپ کی تحقیق سے پورے طور پر مستفید و مستفیض ہوجاتے مگر نہیں سید صاحب کا قلم اسوجہ سے تو تھوڑا ہی رکا ہے۔ بلکہ اون کے سکوت بیان اور سقوط تحریر کا اصلی باعث وہی ہے جسکو ہم اس بحث کے آغاز ہی میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

پر ہم کہتے ہیں کہ غریب سید صاحب یا بیچارے شبلی صاحب کا کیا وجود اور کیا ہستی ہے۔ جو اِن فروگذاشتوں اور استخفاف استحقاق کی شکایتوں کا اونپر الزام لگایا جاوے جب ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین ہی کے قدیم ایام سے اِن واقعات کے استیصال و استخفاف کی اسوقت تک مسلسل کوشش جاری ہے۔

بہرحال۔ ہم اِن مستحقین کے مراتب و مدارج جنکا استخفاف و استیصال منظور ہے۔ ذیل میں امام قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ کے اوس مختار اور تحقیقی معیارت تلمبند کرتے ہیں۔ جو اونہوں نے ائمہ اثنا عشر کی خاص تنقیح اور تخصیص کی بحث میں حدیث بعدی اثنا عشر خلیفۃ کے متعلق لکھی ہے۔

قال بعض المحققین ان الاحادیث الدالّة علی کون بعدہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اثنا عشر قد اشتہرت من طرق کثیرة فبشرح الزّمان وتعریف الکون والمکان اعلم ان مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من حدیثہ ھذا الائمّة اثنا عشر من اھل بیتہ

بعض محققین کا قول ہے کہ یہ حدیث اسکی دلیل ہے کہ بعد آنحضرت صلعم آپ کے بارہ خلفا ہیں پس طریقہ کثیرہ اور ہر زمانہ اور وقت ومقام کی شرح وبیان سے یہ مشہور ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مراد بارہ خلفا سے ائمہ اثنا عشر ہیں جو آپ کے اہل بیت اور عترت طاہرہ سے ہیں کیونکہ ان سے آپ کے صحابہ جو آپ کے بعد خلیفہ ہوئے

وعترته اذ لا یمکن ان یحمله علی الخلفاء بعده من اصحابه عن اثنا عشر و لا یمکن ان یحمل هذا الحدیث علی الملوك الاموية لزیادتهم علی اثنا عشر و لظلمهم الفاحش الا عمر ابن عبد العزیز و لکونهم غیر بنی هاشم لان النبی صلی الله علیه و اله عن جابر اخفاصوته صلی الله علیه واله وسلم فی هذه القول یرجح هذه الروایة لانهم لا یحسنون خلافة بنی هاشم ولکن لا یمکن ان یحمله علی الملوك العباسیة لزیادتهم علی العدد المذکور و لقلة رعایتهم لایة قل لا اسئلکم اجرا الا فی المودة القربی و حدیث الکسا فلا بد من ان یحمل هذا الحدیث علی الائمة الاثنا عشر من اهل بیته و عترته صلی الله علیه واله وسلم لانهم کانوا اعلم زمانهم و اجلهم واورعهم واتقاهم و اعلاهم نسباً و افضلهم حسباً و اکرمهم عند الله وکان علومهم عن آبائهم متصلة بجدهم صلی الله علیه واله وسلم بالوراثة واللدنية کذا عرفهم اهل العلم والتحقیق و اهل الکشف والتوفیق و یوید هذا المعنی ای ان مراد النبی صلی الله علیه واله وسلم الائمة الاثنا عشر من اهل بیته و یشهده و یرجحه حدیث الثقلین و الاحادیث المتکثرة المذکورة فی هذا الکتاب وغیرها۔

مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ اون کی تعداد بارہ[12] سے کم تھی۔ اس حدیث کا ملوک امویہ پر بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اونکی تعداد بارہ[12] سے زیادہ تھی دوسرے مظالم و فواحش اونکے اسکے لئے مانع تھے جن میں سے عمر ابن عبد العزیز مستثنیٰ ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم اور سب اون میں سے بنی ہاشم ہیں۔ مگر عبد الملک نے جابر سے جو روایت کی ہے اوسمیں ہے کہ آپ نے اس موقع پر اپنی صدا کو روک لیا جس سے معلوم ہوا کہ اس امر کے لئے تمام بنی ہاشم بھی مراد نہیں تھے۔ پھر ملوک عباسیہ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اول اس سبب سے کہ اون کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے دوسرے یہ کہ اونہوں نے آیۂ مودت۔ قل لا اسئلکم اجراً الا فی المودۃ القربیٰ اور حدیث کسا کے حقوق کی رعایت نہیں کی پس اب بجز اسکے کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ اس حدیث سے ائمہ اثنا عشر مراد لئے جاویں۔ جو آپ کے اہلبیت اور عترت طاہرین سے تھے۔ اور یہی حضرات اپنے اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ صاحب علم صاحب ورع۔ اور صاحب تقویٰ تھے اور تمام اہل زمانہ سے باعتبار نسب کے عالی نسب اور باعتبار حسب کے افضل تھے۔ اور سب لوگوں سے زیادہ خدا کے آگے صاحب عزت واکرام تھے۔ اونکے علوم اونکے آبائے طاہرین کے ذریعہ سے بطریقہ متصل اونکے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے حاصل تھے اور وراثت اور لدنیہ دونوں طریقہ حصول علم اونکو حصول تھے انہیں صفات و کمالات سے اہل علم و تحقیق نے ان حضرات کی معرفت پائی ہے۔ اور اہل کشف و توفیق نے انہیں صفات سے انکو پہچانا ہے اور اس معنی کی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مراد ائمہ اثنا عشر کی اپنے اہلبیت میں سے تھی تائید تصدیق اور ترجیح حدیث ثقلین اور کثیر التعداد حدیثوں سے جو اس کتاب اور نیز دوسری کتابوں میں مذکور ہیں پورے طور سے ہوتی ہے۔ ینابیع المودۃ فی القربیٰ امام سلیمان القندوزی مطبوعہ ...

اب اس فاضل محقق اور کامل محدث کے مختار سے تو ائمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کی حقیقت پورے طور سے معلوم ہوگئی۔ باوجود کہ حقیقت پر اتنا پردہ ڈالا گیا۔ اصلیت اور واقعیت اتنی چھپائی گئی۔ مگر پھر بھی اسکی حقیقی اہلبیت رکھنے والوں کے نام جنکو قرآن و توراۃ نے۔ امام نقیب اور اسباط کے الفاظ و القاب مبارک سے خطاب فرمایا ہے متلاشیان حقیقت اور محققان معرفت کے لب و زبان پر آہی گئے۔

بہرحال ہم ذبح اسماعیل ع کے متعلق اپنے مرقومہ بالا سلسلہ بیان میں۔ فدنیاہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الآخرین۔ کے حقیقی مقصود اور اصلی مفہوم کو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے ثابت کرچکے۔ اب ہم اپنے موجودہ استدلال میں اس سے کسی اور زائد اضافہ کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور اس مبحث کے خاتمہ پر اپنے ذی استعداد اور صاحب سواد معاصر نواب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس کی وہ تحریر نقل کرتے ہیں جس میں اونھوں نے ذبح حسین ع کو ذبح اسماعیل ع کا تکملہ منشاء قدرت اور انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین کی خاص سیرت بتلایا ہے۔ عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

اسمیں کوئی کلام نہیں کہ خداوند عالم نے اپنی مکرم مخلوق میں جس کو جیسا رتبہ عالی عطا فرمایا اوسی قدر اوس کو انتقامی تکلیف کا مورد بھی بنایا۔ چنانچہ انبیائے عالیشان اور بانیان ادیان نے اپنوں یا بیگانوں کے ہاتھوں سے جو جو مصیبتیں اوٹھائیں اونکا احصار تاریخی دُنیا کے سیر کرنے والے مشکل سے کرسکتے ہیں۔ ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کی خلقت اور بعثت سے ہدایت اور دین الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایکطرف سے آدم ع انسانی نسلوں کے موجب ہوکر ہمارے لئے قانون الٰہی لائے دوسری جانب سے ستارہ بلاؤ امتحان طالع ہوا۔ گویا مذہب اور آزمائش دونوں ایک ہی روز جلوہ افروز عالم ہوئے۔ ضروری تھا کہ بانیان دین الٰہی اور رہبران ہدایت حق معرض امتحان و آزمائش میں لائے جائیں۔ کیونکہ سونا اگرچہ آگ میں جلنے سے پہلے ہی سونا ہے مگر آگ میں پڑنے سے وہ ثابت کردیتا ہے کہ میں آزمائش میں کھرا ہوں اور کامل ہوں ۔۔۔ خوش بود گر محک تجربہ آید بمیان ؛ تا سیہ روئے شود آنکہ درو غش باشد۔ گو ہمارے ناقص اور کمزور خیالات اس ابتلا و آزمائش کو غیر ممدوح معنوں سے تعبیر کریں لیکن روحانی اخلاق کی بنا پر اس قسم کی آزمائش افضال خداوندی اور برکات لاتُعد ہی ثابت ہوتی ہے۔ حضرت آدم کے بعد حضرت نوح۔ حضرت ہود۔ حضرت صالح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحٰق۔ حضرت یعقوب۔ حضرت ایوب۔ حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت یونس۔ حضرت یحییٰ۔ حضرت عیسیٰ حضرت جرجیس وغیرہم صلوات اللہ علی نبینا والہ وعلیہم اجمعین کو مخالفین کے ہاتھوں جو ناقابل برداشت اذیتیں اوٹھانی پڑی ہیں وہ قطعی طور پر ثابت کررہی ہیں کہ مردان خدا کو

خدا کی راہ میں کس کس قسم کے دشمنوں سے مجاہدہ اور مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ خود ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اُمت کی بدولت جن جن مصائب کے سامنے ہوئے اون کی شرح و تفصیل کی حاجت نہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کل انبیا و مرسلینؑ کے سردار اور جمیع شرائع کے متمم تھے لہذا ضرور تھا کہ اون کا امتحان اور بلا بھی اون کے مرتبہ اعلیٰ کے مطابق ہو۔ چنانچہ وہ اُن کے پیارے فرزند کے ساتھ مخصوص ہوا جس کے ماتم کے لئے قصر عالم عزاخانہ مخلصین و فادار بن گیا اگرچہ وجہ شہادت فی الاصل ابتلا ر رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک انتہائی شعبہ تھا لیکن اوس کی قرعہ اندازی حسین ابن علی علیہما السلام روحی فداہا کے نام گرامی پر ہوئی۔ یوں تو جس طرح حضرت نبی محترم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخالفین کی بدولت تکلیفیں جھیلنی ہوئیں۔ اوسی طرح ان کے خاندان عظیم الشان کا ہر ایک رکن رکین شیاطین امت کے ہاتھوں مبتلاے مصیبت و آلام رہا۔ لیکن درحقیقت ایک تخصیصی آزمائش اور کامل ابتلا کا مرتبہ خامس آل عبا کی ذات بابرکات پر ختم ہو گیا۔ علامہ اجل شاہ عبد العزیز دہلوی نے اپنی کتاب سر الشہادتین میں واقعہ شہادت کی جو تمہید زیب قلم فرمائی ہے اوسکا خلاصہ مضمون یہ ہے۔

جتنے کمالات جدا جدا کل انبیا میں تھے وہ سب ذات سرور کائنات میں مجتمع ہو گئے۔ فقط ایک کمال شہادت باقی رہ گیا تھا جس کے حاصل ہونے کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنفس نفیس شہید ہو جاتے تو شوکت اسلام ٹوٹ جاتی اور عوام کے نزدیک دین میں خلل پڑتا۔ پس حکمت الٰہی نے چاہا کہ یہ عظیم الشان منصب اور کمال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اون کے اہلبیت میں سے ایسے عزیز و قریب تر کے ذریعے پہونچے جو بمنزلہ فرزند حقیقی کے ہو تاکہ اوسکا یہ تحکک شہادت جناب رسول خدا کی ذات میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ عنایت ایزدی نے حسنین علیہما السلام کو اونکے نانا کا نائب اور قائمقام بنایا اور دونوں کو دو آئینے پر تو کمال محمدیؐ اور رخسارے جمال مصطفویؐ کے ٹھیرا کر ان دونوں صاحبزادوں کے توسط سے یہ کمال بھی ذات آنحضرت صلعم میں داخل کر دیا۔

فی الحقیقت جناب شاہ صاحب کی یہ تحقیق اور یہ ندرت ذکاوت اون کے اتباع کے لئے سرمایہ فخر و ناز ہو سکتی ہے لیکن اس قدر افسوس ضرور ہے کہ شاہ صاحب نے حسینؑ ابن علی کی قائمقامی اور نیابت مصطفویؐ کو فقط اون کے قتل ہی تک محدود و مخصوص کر دیا بمصداق قول شاعر؎ از صحن کعبہ تا بسر بام ازاں من ۔ وز سقف خانہ تا بثریا ازاں تو۔ مؤلف

(صاحب رسالہ البلاد المبین) کہتا ہے کہ کربلا کا معرکہ شہادت معنوی طور پر وہ عظیم المرتبہ امانت تھی جس
کو قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے حضرت اسماعیل کے خاندان میں سپرد کیا تھا اور
سنہ ۶۱ ہجری میں عاشورہ کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت ہی استقلال اور ثابت قدمی
سے ادا کر دیا۔ یہ وہی ودیعت تھی جو خاندان اسماعیل میں چلی آتی تھی اور جس کے ادا کرنے اور بار اوٹھا
کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا تھا بالآخر اوسکے سچے امین نے نہایت خوشی سے تسلیم و رضا کے ساتھ ذبح عظیم
کی پیشین گوئی پوری کر دی اور بی بی ہاجرہؑ کی مبارک نسل کا وعدہ بی بی فاطمہ کی مقدس نسل نے کامل طور
سے وفا کر دیا۔ یعنی دہم محرم کو حسین ابن علی علیہ السلام نے اوس وعدہ کی تکمیل کر کے اپنے دادا اسمٰعیل
ابن ابراہیم علیہما السلام کو سبکدوش کر دیا بمضمون احادیث متواترہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ
آلہ وسلم کو شہادت حسین علیہ السلام کا مکرر پہونچنا ثابت کر رہا ہے کہ خداوند عالم کا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو اسواقعہ سے مطلع کرنا یوہیں بے معنی نہیں تھا۔ بلکہ یہ وہی وعدہ تھا جو حضرت
ابراہیم اور حضرت اسماعیل علی نبینا و الہ و علیہما السلام سے لیا گیا تھا اور گویا یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ
جس قربانی کی بنا حضرت اسماعیل سے ہوئی۔ خاندان مصطفویؐ اور دودمان مرتضویؑ کے چشم و
چراغ جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات پر ختم اور کامل ہو گئی۔ دیکھو اگر امام حسین علیہ السلام چاہتے
تو فقط یزید ملعون سے بیعت کر کے اپنی اور اپنے اہلبیت کی گلو خلاصی کرا لیتے۔ امام حسین علیہ السلام
کی آنکھوں کے سامنے وہ منحوس سماں اور نامبارک منظر پیش نظر تھا جس میں وہ بے خانماں ہو کر
جام شہادت پینگے وہ بخوبی جانتے تھے کہ اون کے بعد اونکے اہلبیت اور ذریت کے ساتھ ظلم و
ستم میں دشمنان دین کوئی کمی نہیں کرینگے۔ بچوں کی آہ و زاری۔ عورتوں کی بے قراری۔ ایسا
مقام۔ جہاں بجز ذات باری نہ کوئی مونس و معین۔ نہ ہمدم و ناصر۔ اپنی جماعت قلیل اور اشقیا
کی کثرت۔ آفتاب کی تمازت۔ پانی کا مطلق بند ہونا۔ یہ سب باتیں کیا اس امر کے لئے کافی نہیں
تھیں۔ کہ ایک انسان کا دل ہلا کر اوسکو امور مخالف طبع کے قبول کر لینے پر آمادہ کریں۔ کیا کوئی آدمی
اپنی بشری ہستی میں ایسی سختیوں اور بلاؤں کا متحمل ہو کر اپنی وجدانی صداقت اور ایمانی قوت پر
قائم رہ سکتا ہے۔ مگر ہاں فاطمہ زہراؑ کے فرزند حسینؑ نے یہ ساری مصیبت اور صعوبت اپنے سر
لے لی اور آنکھوں کے سامنے ننھے ننھے بچے اور عزیز قتل ہو گئے۔ جس دریا سے چرند و پرند سیراب
ہوتے تھے۔ وہ اوس سے محروم رکھے گئے تھے۔ دہوپ کی تکلیف اوٹھائی۔ بھوک پیاس کے صدمے
اوٹھائے۔ خیمہ جلائے گئے۔ خود جسم پر بے شمار زخم کھائے۔ لیکن ودیعت اسماعیلی کے ضامن

اور امانت ابراہیمی کے امین نے ھ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ دم مارنا کیسا یہ بھی تو زبان سے نہ نکلا کہ خدایا اس بلا سے مجھے نجات دے یا یہ آزمائش مجھ سے ٹال دے۔ مگر باوجود ہزار مصائب کے ذرا بھی بیقرار نہوا۔ اور تمام شب اس بار کے اوٹھا لینے اور امتحان میں پورا اوترنے کی دعاؤں میں مشغول رہا۔ واقعی امام حسین علیہ السلام کیوں بیقرار ہوتے۔ وہ ایسے نہ تھے کہ اپنے داوا کی امانت کو ادا نہ کرتے اور اپنے نانا کی امت کی کشتی نجات کو گرداب ضلالت میں ڈوبنے دیتے۔ بلکہ اونہوں نے اوس جوش کو پورا کر دیا۔ جو حضرت ابراہیم کے دل میں پیدا ہوا تھا اور اس طوفان سے بچا دیا۔ جس میں امت محمدیہ غرق ہو چلی تھی۔

(از رسالہ البلاغ المبین)

عرب میں اسماعیل کی تبلیغ رسالت کی ضرورت

ذبح اسماعیل کے عظیم الشان واقعہ کو اوسکی تمام تفصیلی جزئیات اور کلیات کے ساتھ بیان کر کے ہم اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں اور جناب اسماعیل علیہ السلام کے بقیہ حالات کو قلمبند کرتے ہیں۔ جناب اسمٰعیل کے طرز معاشرت اور آپ کے مقدس حالات کے متعلق جہانتک کتب معتبرہ سے تفحص کیا گیا ہے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ اپنے تمام اوصاف و کمال میں اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ تھے۔ خلق و مروت۔ محبت و شفقت۔ اکرام ضیف۔ لطف و مدارا کے صفات سے خاص طور پر برادر مشہور تھے اور مشہور نزدیک و دور۔ اور یہ تمام امور اسی سے ثابت ہیں کہ قبیلہ جرہم اور عمالقہ یمنی کے تمام قبائل و عشائر۔ جو ایک زمانہ دراز سے خانہ بدوشی اور پریشان حالی میں ادہر اودہر زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ کے اخلاق و اشفاق کے گرویدہ اور زیر احسان ہو کر ہمیشہ کے لئے مکہ میں آ کر اس طرح بس گئے کہ پھر اپنے اصلی موطن و مسکن کی طرف رخ بھی نہ کیا اور اسمیں بھی کوئی کلام نہیں کہ قبیلہ جرہم کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل کو بھی اپنی ضروریات میں بہت سی آسانیاں اور سہولیت حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

جناب اسماعیل بھی حضرت ابراہیم ہی کے زمانہ حیات سے تبلیغ رسالت کے درجہ پر فائز تھے۔ مگر حضرت لوط کیطرح تا روز وفات حضرت ابراہیم۔ اپنے پدر بزرگوار کی شریعت کے تبع تھے۔ خاصکر قوم عرب کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جہاں حضرت صالح کے بعد سے سلسلہ ہدایت وارشاد اور ذریعہ تعلیم و تلقین معرفت الٰہی گویا مسدود و مفقود ہو چکا تھا۔ اور نظام مشیت کو ان بادیہ نشین قوموں کو بھی اپنی معرفت و ہدایت کے فیوض پہونچانے منظور تھے۔ اور نہایت ضرور۔ اسلئے کہ یہی ذلیل اور حقیر ترین قوم

ایک زمانہ میں بہت بڑی کامل المعرفت اور عظیم الشان قوم ہونے والی تھی۔ اور تمام امم سابقہ کے مقابلہ میں خیر الامۃ اور امت مرحومہ کے خاص خطاب و القاب پانیوالی۔

جناب اسماعیل علیہ السلام وہ پہلے مقدس بزرگوار ثابت ہوتے ہیں۔ جنہوں نے امم ثمود کے بعد از سر نو عرب کے نیم وحشی قوموں کی تعلیم و ہدایت کا ذمہ اوٹھایا۔ اور اونکو دینی۔ قومی اور اخلاقی۔ آداب و تمدن بتلائے۔

اوس وقت عرب کے کیا عقاید تھے۔

اوسوقت جاہل عرب کی قوموں کے کیا عقاید تھے مشکل سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ مگر جو کچھ بھی جستہ جستہ حالات۔ قدیم کتابات۔ علماے اثریات کی جدید تحقیقات اور اکتشافات یا ایام عرب کے قدیم اشعار سے پائے جاتے ہیں۔ اون سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی آوارہ اور سر بصحرا قومیں کسی خاص عقیدہ کی پابند نہیں تھیں۔ جس طرح اون کے جدا جدا قبیلے اور قومیں تھیں اوسی طرح اون کے مرسومات اور معتقدات بھی جدا جدا تھے۔ مدینہ۔ وادی القری اور علاقہ تیما کے قرب و جوار کی بادیہ نشین عربوں کا کوئی خاص مذہب تحقیق نہیں ہوتا۔ صحرائی اور کوہستانی عرب اوہام پرست تھے یمن کی قومیں اکثر ستارہ پرست تھیں اور باقی بت پرست ظہور اسلام تک اوہام پرستیوں کے اثر باقی تھے۔ غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ کے متعلق مورخین و محققین اسلام نے جہاں اور مختلف اقوال لکھے ہیں۔ وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اس مقام پر رقاع نامی ایک بہت بڑا قدیم درخت نہایت مشہور و معروف تھا جس کو اہل عرب پوجتے تھے اوس سے دعائیں مانگتے تھے۔ اور اوسپر چیتھڑے چڑھاتے تھے۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۵

حضرت اسماعیل علیہ السلام انہیں نیم وحشی عربوں اور صحرائی قوموں میں۔ خدا کا وجود۔ اوس کی وحدت محض۔ اور اوس کی عبادت کی تعلیم و ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور خداے سبحانہ تعالی نے تبلیغ رسالت کی انجام دہی میں اون کے مساعی جمیلہ کو کامیاب فرمایا۔ اور اوسکے ثبوت میں تھوڑے ہی دنوں کے بعد عرب کے اون صحرائی قوم و قبائل کا خدا کے وجود۔ اوسکی وحدت اور قدرت کا قائل ہوکر ایام حج میں اوس کے مقدس گھر کے قریب جمع ہونا۔ خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور اپنا معبد سمجھنا اور حضرت اسماعیل کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق۔ اوس کی عظمت۔ حرمت اور آداب کے اظہار میں مناسکات حج کا ہر سال بجالانا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ تعلیم و ہدایت اسماعیلی کے فیضان نے۔ اونکے پتھریلے دلوں میں خدا کے وجود۔ عظمت اور معبودیت کے اثر قائم کردئے تھے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ رسالت میں۔ حضرت لوط۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحق علیہم السلام

ایک شریعت ابراہیمی کے متبع مبلغ۔ اور واعظ ثابت ہوتے ہیں اور دیگر انبیاء و مرسلین کی آنے والی شریعتوں میں اسکی بہت کم مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اسی سے شریعت ابراہیمی کی عظمت اور اوسکے تبلیغی دائرہ کی وسعت ثابت ہوتی ہے اور کیونکر نہ ہوتی۔ ارض شام اور بابل سے لیکر مصر اور ممالک عمالیق تک ایکطرف اور پھر عراق عرب سے لیکر حجاز و یمن تک کے تمام قطعات ملک میں انکی دعوت کے اعلان بلند تھے۔ ان ملکوں کے تمام قبائل و عشائر آپکی نبوت کو تسلیم کر چکے تھے۔

حضرت لوط۔ حضرت اسمٰعیل و اسحاق سے پہلے علاوہ حاران میں شریعت ابراہیمی پھیلا رہے تھے حضرت اسحاق ع فلسطین اور ممالک مصر سے ملے ہوئے مقامات میں رسالت ابراہیمی کی تبلیغی خدمات انجام دے رہے تھے اور حضرت اسمٰعیل ع ملک عرب اور علاقہ یمن میں باپ کیطرف سے تعلیم و ہدایت پر مامور تھے۔

طرز معاشرت | یہاں تک تو ہمنے نبوت اور ہدایت امت کے متعلق حضرت اسمٰعیل ع کے حالات قلمبند کئے۔ اب آپکے طرز معاشرت اور دیگر حالات کی نسبت جہانتک تفحص کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ورود مکہ کے وقت سے آپکی حیات کا ابتدائی حصہ شبانی اور گوسفند رانی میں صرف ہوا ہے۔ اسی کے ضمن میں صید و شکار کے مشاغل بھی داخل ہیں اور یہ خدمت جمیع انبیاء و مرسلین کی مبارک سیرتوں کے متعلق اس کثرت سے پائی جاتی ہے کہ اکثر محققین محدثین اور مورخین اسکو حصول نبوت اور رسالت کا مقدمہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اور عموماً سیرت انبیاء علیہم السلام پر ظاہری نظر ڈالنے سے ان مقدسین عظام کے دائرے میں کوئی فرد واحد اس خدمت اور مشغلہ سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔

اکثر محققین نے اسکے متعلق یہ مختار قائم کیا ہے کہ اس خدمت میں ان بزرگواروں کو بیابانوں ریگستانوں اور کوہستانوں میں۔ استغراق فی وجود اللہ کی نسبت۔ خلوت اور قدرت الوہیہ کے علم و حکمت کے مشاہدہ کرنے کا ہمیشہ اور آسان ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جو ہر نبی اور رسول کی سیرت کا جزو ضروری ہے اور بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آغاز حالات میں پوری تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

جناب اسمٰعیل علیہ السلام کے اس زمانے اور معرفت الٰہی کی مشق و ریاضت کے متعلق ایک قدیم روایت اوس زمانے کے بہت بڑے عابد مرتاض کی زبانی اسلام کی اکثر تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس کو ہم حیات القلوب جلد اول کی اصل عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

روزے حضرت ابراہیم علیہ السلام رفت بیرون و در شہرہا می گشت کہ از مخلوقات خدا عبرت گیرد۔ پس بگذشت بہ بیابانے۔ ناگاہ دید شخصے را کہ ایستادہ است

ایک روز جناب ابراہیم علیہ السلام گھر سے باہر سفر پر گئے اور مختلف شہروں میں مخلوقات خدا کے مشاہدات سے عبرت حاصل کرنے کیلئے سیر فرماتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک صحرا

دنماز میگذارد۔ وصدائش باسمان بلند شدہ است و
جامہائش از موست پس ابراہیم نزد او ایستاد و از نماز
او تعجب کرد۔ پس نشست تا او از فارغ شود چون
بسیار طول انجامید او را بدست خود حرکت داد و گفت
من بسوئے تو حاجتے دارم سبک کن نماز خویش را
پس او سبک کرد نماز را و با ابراہیم نشست پس
ابراہیم از او پرسید کہ برائے کہ نماز میکردی گفت
برائے خدائے ابراہیم۔ ابراہیم گفت خدائے ابراہیم
کیست گفت آنکہ خلق کردہ است ترا و مرا ابراہیم
گفت طریق تو مرا خوش آمدہ و من دوست میدارم
کہ با تو برادری کنم از برائے خدا پس بگو منزل تو کجا است
کہ ہرگاہ بخواہیم ترا ملاقات کنم و زیارت نمائیم۔ تو انم
کرد۔ گفت تو بآنجا نمی توانی آمد۔ زیرا کہ درمیان دریا
است کہ از آنجا عبور نمیتوان کرد۔ ابراہیم گفت تو
چگونہ میروی گفت من بر روئے آب می روم
ابراہیم گفت شاید آنکس کہ آب را برائے تو مسخر
کردہ است برائے من نیز مسخر گرداند۔ برخیز برویم
و امشب با تو در یک اطاق باشیم پس چون بآب
رسیدند آنمرد بسم اللہ گفت و بر روئے آب روانہ
شد ابراہیم نیز بسم اللہ گفت و بر روئے آب روان
شد پس آن مرد تعجب کرد۔ چون بمنزل رسیدند
ابراہیم گفت تعیش تو از کجا است گفت میوہ این
درخت را جمع میکنم و در تمام سال بآن معاش میکنم
ابراہیم گفت کدام روز عظیم تر است از ہمہ روزہا
عابد گفت۔ روزے کہ خدا جزا دہد خلائق را بر کردار

میں پہونچے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔
اوسکی نماز پڑھنے کی آواز (گویا) آسمان تک جاتی تھی۔ وہ
بالوں کے کپڑے جسم پر پہنے ہوئے تھا ابراہیم اوسکے پاس کھڑے
ہوکر اوسکی نماز پر تعجب کرنے لگے اور پھر بیٹھکر اوسکے نماز سے
فارغ ہونیکا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب زیادہ دیر ہوگئی تو آپ
نے ہاتھ بڑہاکر اوسکے جسم کو حرکت دی اور ارشاد کیا کہ نماز کو
کم کرو مجھکو تم سے کچھ حاجت ہے۔ اوس نے اپنی نماز کو کم
کردیا اور ختم کرکے ابراہیم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے پوچھا کہ
تمنے کس کی نماز پڑہی ہے۔ اوس نے کہا کہ ابراہیم کے خدا کی
ابراہیم نے پوچھا ابراہیم کا خدا کون ہے۔ کہا وہی ہے جس نے
مجھکو اور تجھکو پیدا کیا ہے۔ یہ سنکر ابراہیم نے کہا کہ تیرا طریقہ مجھے
بہت پسند آیا۔ میری خواہش ہے کہ راہ خدا میں میں تیرے
ساتھ اخوت (بھائی چارہ) اختیار کردوں۔ اب بتلاؤ تمہارا گھر
کہاں ہے۔ کہ میں جب چاہوں وہاں آکر تم سے ملاقات
کروں۔ اوس نے جواب دیا تم وہاں نہیں آسکتے۔ کیونکہ درمیان
میں دریا ہے۔ جسے تم عبور نہیں کرسکتے۔ ابراہیم نے پوچھا تم
کیسے جاتے ہو۔ جواب دیا کہ میں تو پانی پر چلتا ہوں۔ ابراہیم نے
کہا کہ جس نے پانی کو تمہارے اختیار میں کردیا ہے وہی پانی
کو میرے اختیار میں بھی کردے گا۔ یہ کہکر ابراہیم نے کہا کہ
اوٹھو اور آج کی رات ہم تم ایک جگہ ساتھ رہیں۔ اسکے بعد
وہ اوٹھکر چلے جب دریا پر آئے تو اوس مرد عابد نے بسم اللہ
کہی اور پانی پر چلا گیا۔ ابراہیم نے بھی بسم اللہ کہی اور اوسی طرح
پانی پر چلے گئے۔ اوس مرد عابد نے تعجب کیا۔ جب گھر میں پہونچ
گئے تو ابراہیم نے پوچھا کہ تم یہاں کھاتے پیتے کیا ہو۔ اوس نے
کہا اس سامنے والے درخت کے میوے۔ اسکے میووں کو

ایشاں۔ ابراہیم گفت بیا دست بدعا بردا ریم و دعا کنیم
کہ خدا ما را از شر آں روز نگہدارد یا باں را۔ و در روایت
دیگر آمدہ کہ ابراہیم گفت کہ دعا کن تا من آمین گویم یا من
دعا میکنم و تو آمین بگو۔ عابد گفت از برائے چہ دعا
کنیم ابراہیم گفت از برائے آمرزش گناہان مومناں
عابد گفت نہ ابراہیم پرسید چرا عابد گفت از برائے
اینکہ سہ سال است کہ دعا میکنم و ہنوز مستجاب نشدہ
است و دیگر شرم میکنم کہ از خدا حاجتے بطلبم تا آں ہم
مستجاب نشود ابراہیم گفت خدا ہرگاہ بندہ را
دوست میدارد دعایش را حبس میگرداند کہ از او
مناجات کند و سوال کند و از او طلب کند و چوں
بندہ را دشمن میدارد دعایش را زود مستجاب میکند
کہ باز صدایش بسمع قدرت نیاید یا در دلش چناں
یاس می افگند کہ دعا نمی کند پس ابراہیم پرسید کہ چہ
مطلب است کہ دریں مدت از خدا طلبیدہ عابد
گفت روزے دراں جا نماز میکردم ناگاہ طفلے در
نہایت حسن و جمال گذشت کہ نور از جبینش ساطع بود
و کاکلے از قفا انداختہ بود و گاوے چند می چرانید گویا
روغن انہا بر مالیدہ بودند و گوسفند چند نیز ہمراہ
داشت در نہایت فربہی و خوش آیندگی مرا از آنچہ
دیدم بسیار خوش آمد و گفتم اے کودک زیبا از کیست
ایں گاو ہا و گوسفندہا گفت از من است گفتم تو کیستی
گفت من اسمٰعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ ہستم پس
دعا کردم و از خدا سوال کردم کہ خلیل خود را بمن نماید
پس ابراہیم گفت منم ابراہیم خلیل اللہ و آں پسرم

ایکبار جمع کر لیتا ہوں اور اونھیں کو سال بھر کھایا کرتا ہوں۔
ابراہیم نے کہا کہ تمام روزوں سے عظیم تر کون روز ہے اوسنے
جواب دیا کہ وہ دن سب دنوں سے عظیم تر ہے جس دن خدا
سب بندوں کو جزا و سزا ے اعمال کیلئے طلب فرماوے۔
ابراہیم نے کہا کہ آؤ ہم تم ملکر تمام مومنین گناہگاراں کے لئے اس
روز کے عذاب سے محفوظ رکھے جانے کی دعا مانگیں اور ایک
روایت میں یوں آیا ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ میں دعا کروں اور تم
آمین کہو یا تم دعا کرو میں آمین کہوں۔ عابد نے پوچھا کیا دعا کرو
ابراہیم نے کہا کہ عاصیان مومنین کے لئے۔ عابد نے کہا نہیں
میں تو دعا نکروں گا۔ ابراہیم نے کہا کیوں۔ عابد نے کہا اسلئے کہ
تین برس ہو گئے میں نے خدا سے ایک امر کے لئے دعا مانگی تھی اور
وہ ابھی تک قبول نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے مجھے خدا سے اب
دعا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کہیں یہ بھی مستجاب نفرمائی جائے
ابراہیم نے جواب دیا کہ خداوند عالم جس بندہ کو دوست رکھتا ہے
اوسکی دعا کو اسلئے تاخیر اجابت میں رکھتا ہے کہ وہ بار بار دعا کرے
اور خدا بار بار اپنے دوست کی صدا کو سنے اور جس کو دشمن رکھتا ہے
اوسکی دعا کو جلد مستجاب کر دیتا ہے کہ اوس کی بد آواز کو پھر نہ سنے۔ یا
نہیں تو۔ اوسکے دل میں ایسی مایوسی پیدا کر دیتا ہے کہ وہ طلب
دعا کرتا ہی نہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تو نے کس مطلب
کے لئے خدا سے دعا مانگی تھی۔ عابد بولا حال یہ ہے کہ ایک دن
میں اسی جا اپنی نماز پڑھتا تھا کہ اتنے میں نہایت قبول صورت
اور وجیہہ ایک لڑکا نمایاں ہوا جس کی پیشانی سے نور ہویدا و
آشکار تھا اور ایک کاکل بھی اوسکے پیچھے پڑی تھی اور چند گائیں
چراتا تھا۔ فربہی سے گاوں کا یہ عالم تھا جیسے کہ اونکے بدن پر
روغن مل دیا ہے۔ اوسکے ساتھ چند بھیڑیاں بھی تھیں اور وہ

اسماعیل است عابد گفت الحمد للہ رب العالمین کہ
دعاے او مستجاب شد پس آن شخص ہر دو دست و
روے ابراہیم را بوسید و دست در گردن او در آورد و
گفت التماس دعا کن تا آمین بر دعاے تو گویم پس دعا
کرد ابراہیم مومنین و مومنات را از آن روز تا قیامت
تا آنکہ گناہان ایشان را بیامرزد و از ایشان راضی
بشود عابد آمین گفت بر دعاے ابراہیم۔ نام آن عابد
ماریہ ابن اوس بود و عمرش ششصد و شصت
سال بود۔

بھی نہایت خوش اور بحال تھیں میں نے اوس سے پوچھا کہ یہ
گائیں اور بھیڑیاں کس کی ہیں۔ اوس نے جواب دیا میری ہیں
میں نے پوچھا تم کون ہو۔ وہ بولا میں اسماعیل پسر ابراہیم خلیل اللہ
ہوں۔ یہ سنکر میں نے اوسوقت خدا کی درگاہ میں دعا کی کہ پروردگا
تو اپنے خلیل کی زیارت مجھے کرا دے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم نے
ارشاد فرمایا کہ میں ہی خلیل اللہ ابراہیم ہوں۔ اور وہ میرا فرزند
اسماعیل تھا۔ یہ سنکر عابد بولا۔ الحمد للہ رب العلمین کہ میری دعا
مستجاب ہوئی۔ یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اوٹھا اور حضرت ابراہیم
کے دست و جبیں کے بوسے لئے اور پھر اپنے ہاتھ اون کی
گردن میں ڈال کر عرض کی کہ اب آپ دعا فرمائیں میں آمین
کہوں گا۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم نے تمام مومنین و مومنات کی امرزش گناہان کے لئے اوسوقت سے لیکر قیامت تک کے دن
کے لئے دعا مانگی اور اون سے راضی و خوشنود رہنے کی مسئلت فرمائی۔ وہ عابد آپ کی دعا پر برابر آمین کہتا رہا۔ اوس عابد کا نام
ماریہ ابن اوس تھا اور عمر اوس کی چھسو ساٹھ (۶۶۰) برس کی تھی۔

(حیات القلوب جلد اول ص ۱۱۲)

واقعہ مذکورہ بالا سے حضرت ابراہیم کی عظمت کے ساتھ جناب اسمعیل کی عام شہرت۔ دنبیوں کی گلہ بانی
جو بقول شبلی صاحب حقیقت میں جہانبانی کا دیباچہ ہے ثابت ہو گئی۔ اور یہ وہ منصب روحانی ہے جو انبیاء و
مرسلین کے طبقہ کرام میں ہر بزرگوار کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اسی بنا پر یہ امر کامل طور سے متحقق ہو گیا کہ نزول مکہ معظمہ
کے وقت سے آپکا ابتدائی زمانہ پہلے معرفت الٰہی کے اسی مقدمہ سے شروع ہوتا ہے چنانچہ روایت مذکورہ بالا
میں ماریہ ابن اوس نے بکمال خصوصیت حضرت ابراہیم سے اسی خدمت کا ذکر کیا ہے اور جناب ابراہیم نے
بھی اوسکو بغایت رضا و پسندیدگی تسلیم فرمایا۔

اسی مشغلت کے بعد صید و شکار کا شغل بھی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایات سے اوپر نقل ہو چکا کتب
قدیمہ کے اخبار و آثار سے بھی جس کے حوالہ و اعتبار پر مغربی تحقیقات کے زیر اثر آ گئے ہوئے حضرت اسوقت
بضرورت لبیک کہنے کو تیار بیٹھے ہیں حضرت اسمعیل کے ان مشاغل کا پورا پتا ملتا ہے۔ اور توراۃ کے نسخوں
میں متواتر مقامات پر آپکی تیر اندازی اور آپ کا ایک مشہور تیر انداز ہونا مذکور ہے۔ اسلامی محققین کا بھی
یہی مختار ہے کیونکہ یہ فنون اور اون کی مشق شجاعت و دلیری کا نتیجہ خاص ہے اور یہ دونوں اوصاف جرأت

ہوتا اور تبلیغ رسالت کے لیے ضروری ہیں۔

معاشرت کے متعلق ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی جرہم نے آپ کو کافی مدد پہونچائی اور حقیقتاً یہی لوگ آپ کی معاشرت کی درستی اور ترتیب کے باعث ہوئے۔ اور کیونکر نہ ہوتے جناب اسمٰعیل نے کبھی تن و تنہا فقط آپ کی شفقت مصیبتوں سے کیا اٹھائیں کے لیے وہ تمام دشت و بیابان میں پریشان و حیران تھے۔ اسی عالم پریشانی میں جناب اسمٰعیل اور ان کی مادر گرامی قدر کا اپنے اوس قدرتی چشمہ پر سکونت ہونے کی بلا عذر اجازت دیدینا۔ جو خدا نے وہاں عطا پانے اونھیں مخصوص عطا فرمایا تھا پھر وہیں ان کے قیام کرنے اور ہمیشہ رہنے کیلئے بلا تامل راضی ہو جانا۔ وہ احسانات تھے جو بنی جرہم ہمیشہ کے لیے کبھی بھولنے والے نہیں تھے۔ اسی بنا پر ان لوگوں نے اپنے ایسے فیاض اور مہربان حال محسنین کی نصرت و حمایت کا اپنا فرض سمجھ لیا۔ حیات القلوب کی مفصلہ ذیل عبارت سے اس کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

با جرہم بنا بر حسن ساخت کہ نزدیک ایشان فرود آمدند و ایشان سے خود زن و ہاجرہ و اسمٰعیل با ایشان انس گرفتند۔ و در مرتبہ سوم کہ ابراہیم بدیدن ایشان آمد کثرت مردم را دانی در دور ایشان دید و شاد شد پس اسمعیل نشو و نما کرد و در قبیلہ جرہم و ہر یک از ایشان یک گوسفند باسمعیل بخشیدند تا آنکہ گوسفندان بسیار شد و باعث تعیش ایشان گردید

حضرت ہاجرہ نے بنی جرہم کو اجازت دی۔ وہ قریب انکے آباد ہو گئے اور اپنے خیمے نصب کر لئے۔ اور بیٹھتے بیٹھتے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ ان کو انس ہو گیا۔ تیسری بار جب حضرت ابراہیم پھر آئے تو آدمیوں کی کثرت اور آبادی دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل نے انھیں لوگوں میں نشو و نما پائی۔ اور ان میں سے ہر ایک شخص نے ایک ایک بکری اسمٰعیل کو دی۔ یہاں تک کہ بڑا گلہ ہو گیا اور وہی باعث معاشرت و ذریعہ معاش ہوا۔ (ص ۱۲۹ ج ۱)

بنی جرہم میں شادی مذکورۂ بالا اسناد سے حضرت اسمٰعیل کی درستی اور ترتیب معیشت میں بنی جرہم کا پورا پورا ہمدردی سے حصہ لینا ظاہر ہو گیا۔ آگے چلکر انکے محبت اخلاص قرابت کے اختصاص سے تبدیل ہو گئے حضرت اسمٰعیل نے قبیلہ جرہم کے رئیس مضاض ابن عمر الجرہمی کی لڑکی رعلہ نامی سے عقد کر لیا۔ مگر انکا یہ دوسرا عقد تھا جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ابن سعد طبقات میں۔ اسلام کے امام الانساب کلبی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

وکانت لاسمعیل امرءۃ من عمالیق ابنۃ صیدی قبل الجرھمیۃ وھی التی کان ما عوھا

کلبی لکھتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کی پہلی بی بی قوم عمالیق سے تھیں صیدی کی لڑکی۔ اور یہ انکی جرہمیہ بی بی سے پہلے تھیں۔ یہ وہی

ابراھیم فحفتہ فی القول ففارقھا اسمعیل و لم تلد لہ شیئاً
(اس سے اسمٰعیل کی کوئی اولاد نہیں ہوئی (طبقات ج ۱ ص ۲۵)

تھی جس کے سامنے ابراہیم آئے تھے اور اوسکی شکایت حضرت اسمٰعیل سے کر گئے تھے۔ اسی بنا پر اسمٰعیل نے اسے طلاق دیدی

صحیح بخاری اور طبقات کی عبارتوں سے حضرت اسمٰعیل کی دو بیبیوں کا ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے۔ مگر بخاری سے دونوں بیبیوں کا جرہمیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اور یہ خلاف مشہور و جمہور ہے۔ طبقات کی عبارت اوپر لکھ چکی گئی ہے کلبی کا قول نقل ہو چکا ہے تمام محققین و مورخین اسلام کا قریب قریب یہی مختار ہے۔ توراۃ کی عبارت سے بھی۔ جو سر سید نے خطبات احمدیہ میں نقل فرمائی ہے اور جس کو ہم حضرت ہاجرہ کی ہجرت کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کا پہلے ایک مصری لڑکی سے شادی کرنا ثابت ہوتا ہے۔

سید صاحب نے بلا تامل اسی کو صحیح تسلیم کر لیا ہے اور اپنی ذاتی رائے و قیاس کی اصابت پر اعتبار کر کے اسی کو استدلالاً پیش کیا ہے جب آپ کے استدلال پر نظر ڈالی جاتی ہے تو سوائے توراۃ کی تقلید کے کوئی اہمیت نہیں پائی جاتی توراۃ کا فارسی ترجمہ جو نقل کیا گیا ہے۔ اسمیں مصری عورت کا لفظ ضرور ہے مگر نقل کے ساتھ سید صاحب کو عقل سے بھی تحقیق کر لینا ضرور تھا کہ وہ مصری عورت اوسوقت حجاز میں اور خاصکر مکہ میں آئی کہاں سے ہو کیونکہ کوئی تاریخ اور کوئی سیر اوسوقت حجاز اور مصر میں آمد و رفت جاری رہنے کا پتا نہیں بتلاتیں۔ اور کیونکر بتلا سکتی ہیں حجاز تو ذریت ابراہیمی کی تشریف آوری کے وقت ایسا غیر آباد اور ویران بیابان ثابت ہوتا ہے۔ جہاں انسانی آبادی کا ممکن ہونا ہی قریب المحال ہے۔ اس بنا پر ایک محقق مشکل سے اس عورت کا مصری ہونا تسلیم کر سکتا ہے۔ اس لئے کلبی کا وہ قول جو طبقات ابن سعد کے حوالے سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ زیادہ تر اعتبار کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ امرۃ من عمالیق قوم عمالیق کی ایک عورت لکھتے ہیں اور یہ تاریخی مشاہدے سے بالکل مطابق ہے کیونکہ تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہو چکا ہے کہ سب سے پہلے مکہ کی آبادی بنی جرہم سے ہوئی۔ اور اونکے بعد قبیلہ عمالیق کے لوگ یمن سے آکر آباد ہو گئے۔ حضرۃ ہاجرہ و حضرت اسمٰعیل کی شادی جو اپنے زمانہ میں کی اور جو توراۃ میں بھی مذکور ہے۔ وہ اسی عمالیق یمن کی لڑکی تھی جس کے باپ کا نام کلبی نے صید ہی بتلایا ہے۔

اب اس مقام پر سید صاحب کا قیاس بھی صحت تاریخی سے قریب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ خطبات ص ۱۳۱ میں تحریر کرتے ہیں۔

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ بنی جرہم نے ابتدا میں اپنی قوم کی بیٹی کو حضرت اسماعیل کے نکاح میں دینے سے تامل کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ حضرت اسماعیل کو غیر قوم اور غیر جنس خیال کرتے ہوں گے۔ مگر با ہم

سکونت پذیر ہونے سے وہ خیال جاتا رہا ہوگا اور اسی سے یقین ہوتا ہے کہ انکی دوسری بی بی جرہم کی قوم سے تھیں۔"

اب مصری کی جگہ سید صاحب اگر عمالیقی لکھ دیں اور تسلیم کرلیں تو پھر اون کے اور جمیع محققین و محدثین اسلامی کے اقوال و مختار میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ شاید سید صاحب کو اس میں تامل ہو۔ تو ہم بتلا دیتے ہیں کہ مترجمان توراۃ کو ترجمہ کرتے وقت ضرور سہو ہوا ہے۔ وہ عمالیق سے عمالقہ مصر سمجھے ہیں اور اسی لئے اونہوں نے اس عورت کی قومیت کے اظہار کی جگہ صرف اوس کی سکونت بتلا دی ہے۔ اور قومیت کی حقیقت نہیں بیان کی۔ حقیقت یہ ہے کہ عمالقہ مکہ میں سے ایک عورت تھی اور یہ عمالقہ بھی وہی تھے جو یمن سے آکر جرہم کے بعد مکہ میں آباد ہوگئے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اگر اس تحقیق پر بھی اطمینان نہو اور یہ تعریض پیش کی جائے کہ عمالقہ یمن بھی عمالقہ مصری کی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ یہ بھی ثبوت طلب ہے۔ مگر ہم اونکے بتلانے کو تیار ہیں کہ مصر کی تمام قومیں بھی آخر میں اُمم سامیہ کی ذریات اور اعقاب واخلاف ثابت ہوتی ہیں جو اصلًا اور نسلًا خاص الخاص عرب تھے۔ جیسا کہ اُمم سامیہ کے ذکر میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔

فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے اسکی بحث میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے ہمکو اوس سے پورا اتفاق ہے اور ذیل میں ہم اوسکو نقل کر دیتے ہیں۔

"حضرت اسماعیل کی بی بی کا جرہمی یا مصری ہونا کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے۔ اس عہد میں بھی عرب مصر کے حکمران قبائل تھے۔ اس بنا پر وہ عورت جرہمی بھی ہوسکتی ہے اور مصری بھی۔ نیز مسلمانوں (بخاری) اور یہودیوں (تالمود) کی روایت میں مذکور ہے کہ اسماعیل نے دو بیویاں کی تھیں ممکن ہے کہ ایک مصری ہو اور ایک جرہمی" ارض القرآن ص ۵۲

وفات اسماعیل ؑ۔ حضرت اسمٰعیل کے تمام حالات قریب قریب اپنے مندرجہ بالا سلسلہ بیان میں ختم ہو چکے آخر میں ہمکو اتنا بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ آپ نے اپنی مقدس حیات کا زمانہ تبلیغ رسالت کی خدمات اور اوس کی انجام دہی میں صرف فرمایا۔ آپ کی تبلیغ و دعوت کا دائرہ علاقہ حجاز سے اوٹھکر ممالک یمن و حضر موت تک پہونچا ہوا تھا۔ اس بنا پر ظاہر ہوتا ہے کہ یمن اور اوسکے سرحدی اقوام و قبائل میں بھی شریعت ابراہیمی اور دعوت اسمٰعیلی جاری ہو چکی تھی اور جناب اسمٰعیل جس طرح حجاز اور اوس کے حوالی و اطراف کی بسنے والی قوموں کی ہدایت کیواسطے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح یمن اور حضر موت کے رہنے والوں کی تعلیم و تلقین پر بھی منجانب اللہ مامور تھے۔

جناب اسمٰعیل نے ایک سو سینتیس برس کی عمر میں بمقام مکہ انتقال فرمایا اور اپنی والدہ ماجدہ جناب ہاجرہ کے پہلو میں بمقام حجر مدفون ہوئے۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

توفی اسمعیل بعد ابیه فدفن داخل الحجر مما یلی الکعبة مع امه هاجر	حضرت اسمٰعیل نے اپنے پدر بزرگوار کے بعد انتقال فرمایا اور اپنی ماں کے پاس مقام حجر میں مدفون ہوئے (طبقات ج ۱ ص ۲۵)

ام اسمٰعیل حضرت ہاجرہؑ

ہم اپنے سلسلۂ بیان میں قبل اس کے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد و اعقاب کا ذکر آغاز کریں جناب ہاجرہ کے حالات کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کی طرح ان خاتون مطہرہ کو بھی متعصب یہودیوں اور عیسائیوں نے توہین و تحقیر کے غلط واقعات بیان کر کے ساری دنیا کو گمراہ کر دیا ہے۔ عبری زبان میں حضرت ہاجرہ کا نام ہاقان تھا۔ اور عربی میں آجر بقول ابن اثیر تھا۔ ام اسمٰعیل طبقات ج ۱ ص ۲۴۔ مگر آگے چلکر بالتدریج۔ پہلے آجر سے ہاجر ہوا۔ پھر ہاجر سے ہاجرہ ہو گیا۔ ہاجرہ ہونیکی اصلی وجہ تسمیہ حجاز میں ہجرت فرمانے کی رعایت سے ہے۔ اسلامی تاریخیں ہاجرہ کی ابتدائی حالات میں بالکل خاموش ہیں اور کچھ نہیں بتاتیں۔ اسلئے لامحالہ یہود و نصاریٰ کی کتب کے ذریعہ سے آپ کے آغاز احوال کا تفحص و تجسس ضروری ہوا۔ مگر ان کی حالت معلوم ہے۔ وہ شروع ہی سے انکی توہین و تحقیر پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ بیشک یہ آندھی سخت آئی لیکن حقیقت کے چہرہ سے اصلیت کی نقاب اٹھی اور حق کے طالب اپنی نیک نیتی کی کوششوں میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ ہم نے جناب ہاجرہ کے متعلق بہت سے مضامین پڑھے اور قدیم و جدید محققین کی مختلف رائیں دیکھیں۔ مگر ان تمام عقلی اور نقلی مباحث و بیان میں وہ بحث جسکو سید مرحوم نے مولوی عنایت رسول صاحب چریاکوٹی کی استناد ذات سے اپنے خطبات کے ص ۱۴۳ میں تحریر فرمائی ہے اور جس کو القضیة الباهرة فی طهارة هاجرہ کے عنوان سے شائع فرمایا ہے سب سے زیادہ مفصل اور مکمل سمجھتے ہیں۔ ذیل میں اوسی کے اقتباسات کو بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ کے ابتدائی حالات سفر الیشار میں جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے لکھا ہے کہ شہر بابل دار السلطنت نمرود میں جہاں تارخ یعنی آزر اور ابراہیمؑ اور ان کے تمام خاندان کے لوگ رہتے تھے۔ ایک شخص نہایت ہنرمند، ذکی الطبع، حکیم، فطین جو علم نجوم و صنائع و بدائع میں کمال رکھتا تھا۔ بستا تھا اور اسکا نام رقیون تھا۔ مگر وہ بہت مفلس، محتاج اور مفلوک الحال تھا۔ تنگدستی اور سختی سے وطن میں رہنا نامناسب سمجھکر اس نے ملک مصر کی راہ لی۔ جب وہاں پہونچا اور اوسکی لیاقت و دانشمندی

باشندگان مصر پر ظاہر ہوگئی۔ تو بادشاہ مصر نے اوسکو براہ قدردانی اعیان سلطنت میں داخل کرلیا۔ رفتہ رفتہ وہ بالکل کاروبار شاہی پر حاوی ہوگیا۔ بالآخر وہاں کا بادشاہ ہوگیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس کا لقب فرعون ہوا۔ اسی فرعون کے زمانہ بادشاہی میں بوجہ قحط سالی جناب ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مع اہلبیت کے مصر میں تشریف لیگئے۔ رقیون اور ہاغان دونوں عبری لفظ ہیں۔ اور اس سے استدلال ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں عبرانی یعنی بنی عبر تھے اور کیا عجب ہے کہ اوسی قبیلہ کے ہوں جس قبیلہ کے حضرت ابراہیم ہوں اور ظاہراً اس خیال سے کہ بادشاہ مصر ان کا ہموطن یا ہم قبیلہ ہے اس قحط و مصیبت میں حضرت ابراہیم نے مصر میں جانیکا خیال و قصد کیا ہو۔ جیسا کہ ہر ایک انسان کو ایسے موقع پر اس قسم کا خیال ہوسکتا ہے۔ غرض جب حضرت ابراہیم مصر میں پہونچے اور انھوں نے حضرت سارہ کا اپنی بی بی ہونا ظاہر نہ کیا۔ بلکہ بہن ہونیکا جو رشتہ تھا وہ ظاہر کیا تو فرعون نے حضرت سارہ سے شادی کرنی چاہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دیکر حضرت سارہ کو بقصد شادی کے اپنے گھر لے گیا اس واقعہ سے بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ فرعون بادشاہ مصر کو بسبب ہونے ہمقوم کے زیادہ تر حضرت سارہ سے شادی کرنے کی رغبت ہوئی تھی۔ غرضکہ ابھی شادی نہ ہونے پائی تھی کہ مختلف قسم کے صدمات فرعون پر واقع ہوئے اور اون کے سبب سے فرعون نے حضرت سارہ کے حال کی زیادہ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بی بی ہیں اوسی وقت فرعون نے اونکو حضرت ابراہیم کے پاس بھیجدیا اور ہاجرہ اپنی بیٹی کو بھی اونکے سپرد کردیا۔

یہودیوں کے ایک قدیم اور معتبر تاریخ سے۔ ہاجرہ علیہا السلام کا جنکا اصلی نام ہاغان تھا۔ رقیون نامی۔ بادشاہ مصر کی بیٹی ہونا ثابت ہوگیا۔ یہیں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اس گمراہانہ اور مغویانہ نقل و تحریر کی اصلیت۔ جو وہ جناب ہاجرہ علیہا السلام کی مجہول النسبی کی نسبت تمام دنیا میں پھیلائے ہوئے ہیں۔ کہاں تک اعتبار کے قابل ہے۔ ہم اسی کے ایسے اون کے اور اعترافات آئندہ سلسلہ بیان میں نقل کرتے ہیں۔

لیکن ان واقعات کے بیان سے پہلے خطبات احمدیہ کی مندرجہ بالا عبارت کے متعلق ہم چند مشتبہ امور کا فیصلہ کرلینا مناسب سمجھتے ہیں جو اسلامی شریعت اور انبیا و مرسلین کی پاک سیرت کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔

ناموس رسول صلعم کی توہین

واجب الاحترام رسول پر الزام

مرقومہ بالا عبارت میں دو امور مشتبہ اور تنقیح و تنقید طلب ہیں۔ اول یہ کہ فرعون حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت کچھ دے لیکر حضرت سارا کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا۔ دوم یہ کہ ہنوز شادی نہ ہونے پائی تھی کہ فرعون پر مختلف اقسام کے صدمات واقع ہوئے اگر یہ اوس یہودی مورخ کا قول ہے اور مختارہ تو یہ کیا۔ اس سے اور بہکر

اتہام وہ حضرت ابراہیم پر لگائے ہمیں نہ کوئی تعجب ہوگا اور نہ شکایت۔ کیونکہ اونکے علم و عقیدہ میں نبوت کی مقدار اور رسالت کی شان جس اندازہ پر پائی جاتی ہے وہ ظاہر ہے۔ مخالفین اسلام کی جگہ اگر یہ سر سید کا قول ہے یا مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی کا مختار۔ تو نہایت شرم اور افسوس کے قابل ہے۔ اور میرے خیال میں مخالفین اسلام کی تقلید و تائید میں بیجا افراط و تفریط اختیار کرنے کا یہی نتیجہ ہے۔ اگر اونکی تقلید و تائید کے خیال کے ساتھ ہی کم سے کم انکو اپنے اخبار و آثار سے مقابل کر لیا گیا ہوتا تاہم حقیقت حال کا بہت کچھ انکشاف ہوگیا ہوتا۔ مگر یا تو اپنے اخبار و آثار سے بالکل لاعلمی یا اون کی طرف سے کمال ناتوجہی کے باعث سے ایسے غلط اور فطرت انسانی اور اصول اخلاقی کے بالکل خلاف واقعات کی نقل و تحریر پر جرأت کیگئی اسلامی تاریخوں میں اس واقعہ کو اگرچہ مختلف طریقوں سے لکھا ہے مگر بالاخر مفہوم و مقصود سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرعون مصر کی زبردستیوں سے جان و آبرو کے بچنے کی کوئی دوسری صورت نہیں دیکھی تو اپنی ذاتی عظمت اور جناب سارہ کی عصمت کو حافظ حقیقی کی امانت و حفاظت میں دیکر سارہ کو فرعون کے پاس بھیجدیا اور خود نماز میں مشغول ہوکر حفظ ناموس کی دعائیں مانگنے لگے طبقات ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں۔

مر ابراهیم بسارة علی جبار من الجبابرة فاخبر الجبار بها فارسل الی ابراهیم فقال من هذه معك قال اختی فلما خرج من عند الجبار دخل علی سارة فقال لها ان هذا الجبار سالنی عنك فاخبرته انك اختی وانت اختی فی دین الله فان سالك فاخبریه انك اختی فارسل الیها الجبار

جب ابراہیم اور سارہ کا ایک بادشاہ جبار کے ملک میں گذر ہوا۔ تو اوسکو ان لوگوں کے آنیکی خبر لگ گئی۔ اوس نے حضرت ابراہیم کو بلا بھیجا اور اون سے حضرت سارا کی نسبت پوچھا کہ یہ تمہاری کون ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا میری بہن ہے۔ جب حضرت ابراہیم بادشاہ کے پاس سے لوٹکر سارہ کے پاس آئے تو اون سے کہا کہ اوس نے مجھ سے تمہاری نسبت پوچھا تو میں نے اس سے کہدیا کہ وہ میری بہن ہیں اور ظاہر ہے کہ دینی اعتبار سے تم میری بہن ہو۔ اگر تم سے اسکے متعلق وہ پوچھے تو تم بھی کہدینا کہ میں اونکی بہن ہوں۔ یہ کہکر سارہ کو اوسکے ہاں بھیجدیا۔

بالفاظہ انتہی (تاریخ ۱۰) اسمیں نہ تھوڑا سا مال لیکر حضرت ابراہیم کے راضی ہوجانے کا حال مرقوم ہے نہ بہت سا مال لیکر اور نہ اس بار روایت کے کسی ایک لفظ سے بھی حضرت ابراہیم کی اس لین دین کی خبر ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مخالفین اسلام کے اخبار و آثار کے نقل کرنے وقت اپنی کتابوں میں ان واقعات کے ملانے اور مقابلہ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی اور کیونکر ہو سکتی تھی اسلئے کہ تحقیقات جدید اور یوروپین محققین کی تائید

ے کیا اب بھی اس شعار و نظائر ابراہیمی سے جواز تقیہ کی قدامت اور صحت ثابت نہیں سمجھی جائے گی۔ (المولف عفی عنہ)

ہیں اسلامی محققین و مورخین کی تمام رائیں اور مختار بیکار اور بالکل ساقط الاعتبار ہیں۔ مگر آخر میں اس بدعنوانی اور مطلق العنانی کا نتیجہ کیا ہوا۔ وہ یہ کہ ایسے عظیم المرتبت اور جلیل الشان رسول کے آداب اخلاق پر ناموس فروشی کا بدنما دھبہ لگ گیا۔ اور آپ حضرات کے باغیرت ہاتھ اور حیادار قلم نے آنکھ بند کر کے بلا تامل یہ فقرہ لکھ دیا کہ

فرعون حضرت ابراہیم کو بہت کچھ دیکر حضرت سارا کو بقصد شادی اپنے گھر لے گیا۔ خطبات مطبع لاہور ص ۱۶۴

حضرت ابراہیم تو بڑی عظمت اور منزلت کے بزرگ تھے۔ یہ مسئلہ تو ایسا عام ہے اور یہ واقعہ ایسا معمول کہ ایک ادنیٰ طبقہ اور حیثیت کا آدمی۔ ایک منٹ کے لئے بھی اس ننگ و عار کو اختیار نہ کرے گا۔ افسوس اپنے مقدس پیمبر پر ایسا شرمناک اتہام لگانے سے پہلے آپ نے اس داد و ستد کے معاملہ کی حقیقت اپنے اخبار و آثار سے معلوم کر لی ہوتی تو آپکو ثابت ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم کی خدمت میں فرعون نے جو کچھ مال و متاع ہدیتاً پیش کیا تھا وہ جبروت قدرت کی اون جلوہ آرائیوں کے بعد تھا۔ جو اوسکے متنبہ کرنے کی غرض خاص سے مشاہدہ کرائی گئیں تھیں۔ اور جو صدمات بقول سید صاحب فرعون پر گذرے تھے۔ وہ اوسکی بے ادبی کی سزا تھی۔ اور اسی مدعائے قدرت امتناع حرکت اور اطلاع معصیت تھا۔ اسی ظہور قدرت سے قبل حضرت ابراہیم کے ساتھ کوئی داد و ستد کے معاملات پیش نہیں ہوئے تھے جس کو خود سید صاحب اپنی آئندہ عبارت میں اعتراقاً لکھ آئے ہیں۔ اور ہم بھی اسکو پوری وضاحت سے آئندہ بیان کرینگے۔

عقل سلیم رکھکر کوئی کیسے اس بیان کو صحیح مان سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) فرعون مصر نے حضرت ابراہیم کو کچھ یا بہت کچھ دیکر حضرت سارہ سے اپنا عقد کر لینے پر راضی کر لیا۔ یا حضرت ابراہیم فرعون مصر سے تھوڑا یا بہت سا مال لیکر اپنی بی بی سارہ کا عقد اوس سے کر دئے جانے پر رضامند ہو گئے۔ (استغفر اللہ) کیا اسلام نے رسالت اخلاق۔ انبیاء و مرسلین کی معاشرت اور اون کی حیا و غیرت کے یہی طریقے اور یہی سے قائم کئے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ جب یہ لغویات اور حشویات ان ذوات مقدسین و مطہرین کی عادات کے بالکل مخالف پائے جاتے ہیں۔ تو افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک مسلمان کے قلم سے یہ الفاظ کیسے نکلے۔ یا کم سے کم اسکی نقل کرتے وقت وہ مخالفت کے ایسے صریح اتہام کی تردید و تنقید سے کیوں رکا اور خاموش رہ گیا۔

اب اسکی حقیقت حال اسلامی مرویات میں ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد میں تحریر ہے۔

فرجعت الی ابراھیم صلعم وھو یصلی و یدعو اللہ فقالت ابشر فقد کف اللہ ید الکافر الفاجر واخدم منی ھاجر۔	جب سارا بادشاہ مصر کے دربار سے لوٹ کر حضرت ابراہیم کے پاس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور خدا سے (حفظ ناموس) کی دعا میں مانگ رہے تھے۔ سارا نے فرمایا۔ ابراہیم تمکو بشارت ہو کہ خدا نے اوس

کافر فاجر کے ہاتھ سے میری کفایت کی اور میری خدمت کیلئے ہاجر کو دیا۔

اب اس عبارت کو پڑھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم اگر اس وقت قدرت سے پہلے سارا کے معاملات میں بہت سامال لیکر (نقل کفر کفر نباشد) فرعون سے انکا عقد کر دئے جانے پر راضی ہو گئے تھے۔ تو پھر آپکو اضطرار و اضطراب کی جگہ پورا اطمینان ہونا چاہتا تھا۔ نماز پڑھنے اور دعائیں مانگنے کی ضرورت کیا تھی۔ رضا کا سودا تھا۔ زبردستی تو تھی ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم کا نماز پڑھنا اور دعا مانگنا بتلا رہا ہے کہ آپ کو اپنے حفظ ناموس کا خیال کیسا دل سے لگا تہا۔ کہ حفظ حرمت کی جب کوئی صورت نہیں دیکھی تو فطرت انسانی کا جیسا ہمیشہ دستور ہوتا ہے آپ نے بھی اس بادشاہ جابر کی زبردستیوں کے مقابلہ میں اس حافظ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے استحفاظ ناموس کی استدعا پیش کی اور اوسکی حمایت و کفایت کے مستدعی ہوئے۔

اسی طرح جناب سارا کا صحیح و سلامت اور باعصمت و عفت اس ظالم کے دربار سے واپس آکر حضرت ابراہیم کو اس امر کی خاص بشارت پہونچانا کہ خدا نے اونکو اوس کافر کے ظلم سے بچا لیا۔ ثابت کر رہا ہے کہ یہ معاملات (نعوذ باللہ) جانبین کی رضامندی پر مبنی نہیں تھے۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ غایت مجبوری۔ نہایت معذوری اور انتہا بیکسی و بےبسی کی ایسی حالتوں میں جب آبرو و جان کے حفظان و امان کی نہ کوئی امید باقی تھی نہ کوئی عنوان تب حضرت ابراہیم نے خدا کی حمایت پر قناعت و توکل فرما کر حضرت سارہ کو بادشاہ مصر کے پاس بھیج دیا تھا لیکن باوجود اسکے کہ خدا کی تائید اور اوسکی حمایت و حفظان پر پورا الیقین و اطمینان تہا۔ مگر تاہم دلی انتشار اور قلبی اضطراب کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی حیا و غیرت کے غیر متحمل جذبات کو نہ سنبھال سکے۔ بالآخر نماز پڑھکر حفظ حرمت کی دعائیں مانگنے لگے۔ جیسا کہ ہم اس بحث کے آغاز میں لکھ آئے ہیں۔ پھر ایسا مقدس معصوم۔ جو اوسوقت ایک مستغیث مظلوم کی سچی شان میں ایسے صریح ظلم و جور کا استغاثہ خدا کی درگاہ میں پیش کرے اور اوس عادل حقیقی کی عدالت سے کچھ شنوائی نہو۔ کیا معنی۔ اس مظلوم کے استغاثہ پر استجابت کا فوری حکم ہوا۔ اور پھر جبروت قدرت کو عملی طور پر جو مظاہر و مآثر دکھلانے تھے وہ دکھلائے اور وہ اتنی مدت مدید گذر جانے کے بعد بھی آجتک دنیا کے تمام کارناموں میں مذکور و محفوظ ہیں جل جلالہ و جل شانہٗ۔

حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب معجزات کے قائل نہیں معجزے کا جہاں نام آگیا۔ آپ کی روح تھرا گئی۔ وہ انبیاء و مرسلین کے معجزات یا خوارق عادات کو خلاف معمول تصرفات سمجھکر محالات میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک دیندار مسلمان اور قائل قرآن کبھی انبیاء و مرسلین سے صدور معجزات کا انکار کرہی نہیں کرسکتا۔ وہ معجزات اور عام تصرفات کے حدود و فاصل کو خوب پہچانتا ہے اور محالات اصلی یا مادی۔ اور غیر ممکنات عادی اور سببی کی فرق و اقسام کو خوب جانتا ہے۔ چونکہ ہمکو یہاں معجزے کے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ اسلئے اس سے بالکل قطع نظر کرکے ہم اپنے اصلی بیان مدعا کیطرف آجاتے ہیں۔

سید صاحب ان آثار قدرت کو مختلف قسم کے صدمات لگا کر مخفی کرتے ہیں۔ آپ کی اس ترکیب سے خدا کی تمام قدرتوں کے قائل، رسول کی عظمت اوسکے تقدس اور اوسکے مجیب الدعوت ہونے پر ایمان رکھنے والوں کی تشفی اور اطمینان کیا ہوگا۔ ہزارہا اقسام و انواع کے شکوک، اشتباہ اور اوہام دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اسلئے ضرور ہے کہ ہم اسلام کی معتبر اور مستند اسناد سے ان صدمات کی تفسیر و تفصیل قلمبند کر دیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس یہودی تاریخ سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔ اوسکی عبارت میں کہیں اسکی تفصیل نہیں ہے۔ مگر قرائن بتلا رہے ہیں کہ اصلی عبارت میں ان معجزات الہیہ اور کرامات قدسیہ کا ضرور ذکر کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ ص ۱۹۶ میں توریت مقدس کے عربی ترجمہ میں یہ عبارت لکھی گئی کہ لما رای الایات التی احدثت بسارۃ۔ خود اسکا ترجمہ کرتے ہیں "(فرعون نے) جب دیکھا کرامات جو بوجہ سارا واقع ہوئی" اب نہیں معلوم کہ سید صاحب کا قلم اعتقاد اوسوقت کہاں تھا جو کرامات کا لفظ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ بوجہ حضرت سارا واقع ہوا۔ نہ دیکھ بھالے اور بے سمجھے بوجھے لکھ گیا۔ یہی معجزہ ہے اور یہی کرامت۔ اب تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی ان ایات و کرامات کا ذکر توراۃ کی عبارات میں ضرور داخل تھا۔ مگر آپ حضرات نے اپنی خاص مجبوری کی وجہ سے نہیں لکھا۔

بہرحال جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں ان معجزات الہیہ کا پوری تفصیل سے ذکر موجود ہے تو ہم مخالفین کے ماخذوں سے اسکے لئے خوشہ چینی کیوں کریں۔ اسکی مفصل کیفیت طبقات ابن سعد کی عبارت سے حسب ذیل ہے۔

فلما ارسل الیها الجبار دخلت علیه دعت الله یکفه عنها قال ایوب فضرب بیده الی و اخذ اخذة شدیدة فما هدها الی ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله فخلی عنه ثم هم بها الثانیة فاخذ اخذة هی اشد من الاولی فما هدها ایضا الی ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله فخلی عنه ثم هم بها الثالثة فاخذ اخذة هی اشد من الاولیین فما هدها الی ان خلی عنه لا یقربها فدعت الله تعالی فخلی عنه فقال الذی ادخلها اخرجها عنی فانک ادخلت علی شیطانا ولم یدخل علی انسانا

سارہ کو جب اوس بادشاہ جابر نے بلا بھیجا اور جب یہ اوس کے پاس پہونچیں تو آپ نے خدا سبحانہ تعالی سے اپنی حفاظت و حمایت کی دعا مانگی۔ ایوب راوی حدیث کا بیان ہے کہ اوس بادشاہ جابر نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو پکڑنا چاہا تو قدرت خدا سے اوسکا ہاتھ شل ہو گیا یہ دیکھکر اوس نے سارا سے کہا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھل جائیگا تو وہ پھر آپ کے ساتھ ایسی حرکت نکریگا۔ سارا نے دعا کی، ہاتھ کھل گیا پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تو اگلی بار پہلے سے بھی زیادہ ہاتھ شل ہو گیا۔ پھر اوس نے ویسے ہی آپ کے ساتھ اقرار کیا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھل جائیگا تو وہ آپ کے ساتھ ایسی حرکت نہ کریگا۔ حضرت سارا نے پھر دعا فرمائی۔ ہاتھ کھل گیا۔ پھر تیسری بار پھر اوس نے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا

واخدمها هاجر طبقات ابن سعد مجلد الاولی صفحہ ۲۳

اور پھر تیسری بار اوسکا ہاتھ سابق دفعات سے کہیں زیادہ شل اور بیکار ہو گیا۔ تو پھر اوس نے آپ سے اقرار کیا کہ اگر اوسکا ہاتھ کھلجائیگا تو پھر وہ ایسی حرکت اور قصد نکریگا حضرت سارہ نے پھر دعا کی۔ اوسکا ہاتھ کھل گیا۔ تو اوس نے اوس شخص سے جو آپکو لے آیا تھا بلا کر کہا کہ انکو ہمارے پاس سے لیجاؤ کہ تو نے مجھپر تو شیطان کو داخل کردیا ہے نہ انسان کو۔ پھر سارا کی خدمت کیلئے ہاجر کو ساتھ کردیا۔

یہی وہ قدرت کے آیات اور جبروت مشیت کے تصرفات ہیں جنہوں نے اپنے اظہار و اختیار سے خدا کے جلیل القدر پیغمبر کے دامن ناموس پر دھبہ نہ آنے دیا اور اونکی عزت کو بال بال بچالیا۔ حقیقتاً یہ ایسے نازک موقع ہیں جو انسان کو اوسکی بے انتہا درجہ کی بیکسی اور بیبسی کے خاص عالم میں پیش آجاتے ہیں اور جن سے وہ بغیر خدا کی تائید و توفیق کے کسیطرح بچ نہیں سکتا۔

آیات الہی تو ملاحظہ فرمالئے گئے۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اخلاق اہلبیت۔ جو اصلاً اور حقیقتاً اخلاق الہیہ کے خاص پرتو ثابت ہوتے ہیں۔ ضرور پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ صاف ظاہر ہے کہ انبیا و اہلبیت نبوت علیہم السلام کے ساتھ یہ اخلاق کریمانہ مخصوص کئے گئے ہیں کہ وہ ذوات مقدسہ باوجود متواتر ظلم و جور کے اظہار و وقوع کے بھی ظالم کی دعا اور قاتل کی بھی خواہی اور طلب آمرزش سے باز نہیں آتے جس کی ابتدا آل ابراہیم سے ہوتی ہے اور انتہا آل محمد پر ثابت ہوتی ہے۔ (اللهم صل وسلم علی محمد وآل محمد کما صلیت و بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک انت حمید مجید۔ (خدایا درود بھیج محمد و آل محمد جیسا کہ تو نے درود اور برکت بھیجی ابراہیم اور آل ابراہیم کیونکہ تو ہی قابل ستائش ہے اور بزرگ برتر)

مرقومہ بالا دونوں شبہات کو پورے طور سے رفع کرکے ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

حضرت ہاجرہ پر کنیزی کا غلط الزام

سفر الیشار کی عبارت۔ حضرت ابراہیم اور حضرت سارا کی سرگذشت جو اوپر لکھی گئی ہے اوس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حقیقتاً جناب ہاجرہ۔ رقیون نامی بادشاہ مصر کی بیٹی تھیں۔ بادشاہ مصر حضرت سارہ کی وجہ سے ان اسرار الہیہ اور اعجاز قدسیہ کو ایک بار نہیں کئی بار مشاہدہ کرکے اپنے دل میں ان کی عظمت و جلالت کیطرف سے ایسا مرعوب اور متاثر ہوا کہ اس نے اپنی لڑکی کو انکی خدمت کیلئے دیدیا۔

اسی خدمت کے نقطے نے قیامت ڈھادی۔ سلسلہ اسماعیل کے مخالفین کو جناب ہاجرہ کے مجہول النسب مشہور کرنے پر تنہا تیار نہیں کردیا۔ بلکہ اون مقدسہ کو عام خادمہ اور معمولی لونڈی قرار دینے پر قوی اور مطلق العنان بنادیا۔ مخالفین کو اپنے تعصب اور نفسانیت سے سلسلہ ابراہیمی میں جتنی حضرت اسحاق کی مدح سرائی مقصود تھی اتنی

ہی حضرت اسمٰعیل کی تحقیر، ذلت اور رسوائی جیسا کہ ابھی ابھی واقعہ ذبح میں حضرت اسحاق اور حضرت اسمٰعیل کی باہمی مماثلت اور مساوات کی بحث میں انکے متعصبانہ اقوال وخیال لکھے گئے ہیں۔

اس بناء پر پہلے یہودیوں نے پھر عیسائیوں نے حضرت ہاجرہ پر کنیز اور حضرت اسمٰعیل کو کنیز زادہ مشہور کر دیا حالانکہ یہودیوں ہی کے اقرار و اظہار سے رقیبوں کا عبری سلسلہ سے ہونا اور ہاجرہ کا اوسکی لڑکی ہونا ثابت ہوتا ہے مگر تاہم وہ اپنی بے ادبانہ تحریر اور گستاخانہ تحریک سے باز نہیں آتے اور اپنے کذب و افترا سے توبہ نہیں کرتے ہمکو اعتراف ہے کہ اسلامی کتابوں میں بھی جناب ہاجرہ کی نسبت خدمت کا لفظ آیا ہے اور اوسی روایت میں جس کو ہمنے طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے واخدمنی ھاجر کا فقرہ موجود ہے۔ اس فقرہ کا مفہوم جب استفہام استعجابیہ کے معنیوں میں لیا جاوے گا تو ظاہر ہو جاویگا کہ حضرت سارہ کس بشاشت سے کمال استعجاب کی حالت میں حضرت ابراہیم کو خبر دیتی ہیں کہ ہاجرہ کی ایسی عالیمرتبہ اپنی بیٹی) میری خدمت کیلئے دی۔ خدمت کے لئے دیا جانا۔ یا خدمت کرنا۔ یا محض خادمہ ہونا نہ اوسوقت عیب کی بات تھی اور نہ اسوقت ہے اسلئے اسلام کی معتبر کتابوں میں خادمہ کا لفظ پایا جانا نہ انکی کنیز ہونے پر دلیل ہوسکتا ہے اور نہ اوس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اہل اسلام بھی ان کی عام کنیز اور معمولی لونڈی ہونے کے ویسے ہی قایل ہیں جیسے یہود اور عیسائی۔ اسلامی کتابوں میں جہاں جہاں آپکی نسبت خدمت یا خادمہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اوس سے صرف خدمت میں رہنا۔ آداب و ترتیب حاصل کرنا مراد ہے۔ اور صرف اتباع مقصود ہے مشرقی تہذیب معاشرت اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اسی اصول پر قایم ہے کہ گھر کا بڑا بوڑھا مرد۔ گھر کے اور مردوں کے لئے واجب الاتباع ہوتا ہے۔ وہ مخدوم ہوتا ہے اور سب اوسکے زیر فرمان اور محکوم۔ اسی طرح گھر میں بڑی بوڑھی عورت واجب الاتباع ہوتی ہے اور سب بہو بیٹیاں اوس کے زیر حکم رہتی ہیں۔ صحیح بخاری میں خود آنحضرت صلعم سے مروی ہے۔ واخدمھا ھاجر۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے ہاجرہ سارا کی مطیع تھیں اور خدمت گزار۔

اگر رقیبوں نے جیسا کہ یہودی اور عیسائی قائل ہیں۔ اپنی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی ہاجرہ نامی کو سارہ کیخدمت اور اونکا کام کاج کرنے کیلئے ساتھ کر دیا تھا تو پھر ہاجرہ کے ساتھ اتنا مال جال۔ لاؤ لشکر اور سوار پیادے دیکر اوسکو اپنے گھر سے رخصت کرنیکی کیا ضرورت تھی۔ تمہاری اسی معتبر تاریخ سفر الیشا میں اس قصہ کے سلسلہ میں یہ تحریر ہے۔

بعد اسکے جب حضرت ابراہیم مع ہاجرہ فرعون کی بیٹی کے۔ وہاں سے چلے تو فرعون نے اون کے ساتھ پیادے مامور کر دئیے کہ بحفاظت تمام پہونچادیں۔ چنانچہ یہ لوگ مع احمال و اثقال اور لونڈی غلام وغیرہ کے۔

جو بادشاہ مصر نے انکو دئے تھے اپنے ملک میں جہاں اونہوں نے سکونت اختیار کی تھی بخیر و خوبی پہونچگئے

اب مخالفین اسلام سے سوال ہے کہ تمہاری تحریر اور اقوال سے جب یہ سامان ظاہر ہوتے ہیں تو تمہیں بتلا دو کہ یہ گھر کی لونڈی دینے کی شان ہوتی ہے یا گھر کی لڑکی دینے کے سامان۔ اس سوال کے جواب میں تمکو کہنا پڑیگا کہ یہ تو گھر سے لڑکی کے رخصت کئے جانیکے سامان ہیں۔ پھر دیکھو تو تمہارا ایسی اولو العزم اور ایسی عالی تربیت خاتون کو معمولی لونڈی سمجھنا ترک ادب نہیں معصیت نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ ان تمام مشاہد و قرائن کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ کے متعلق سر سید نے جو رائے قائم کی ہے وہ ضرور ماننے کے قابل ہے ہم ذیل میں اوسکو نقل کئے دیتے ہیں۔

فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سارہ کے ساتھ کر دیا۔ ظاہرا اسکے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں ابراہیم اور سارا کی نیکی اور بزرگی۔ اور اونکا اور فرعون و ہاجرہ کا ہمقوم ہونا۔ اس باعث سے بڑی رغبت ہوئی ہوگی کہ فرعون اپنی بیٹی کو اون کی تعلیم اور تربیت اور صحبت میں سپرد کرے۔ کیونکہ مصری اون کی قوم اور اونکے قبیلے سے نہیں تھے۔ علاوہ اسکے اُس زمانہ میں اور اوس خاندان میں ہمکفو ہونیکا بہت خیال تھا۔ مصر میں رقیون۔ فرعون مصر کے خاندان کا کوئی شخص نہیں تھا اور یہ بہت بڑی رغبت اس بات کی تھی کہ ہاجرہ سارہ کے سپرد کر دیجاوے تاکہ اون کی تربیت میں رہے اور کہیں کفو میں اونکی شادی کر دی جاوے رخصت کے وقت فرعون نے اپنی بیٹی ہاجرہ کو سمجھایا کہ تیرا رہنا اون کے ساتھ تیرے لئے میرے پاس رہنے سے بہتر ہے۔ اس سمجھانے سے یہی ظاہر ہے کہ کس خیال سے فرعون نے اپنی بیٹی اُنکے سپرد کی تھی (خطبات احمدیہ ص ۱۴۵)

ہم سید صاحب کی مرقومہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و سارہ کے ساتھ خیال ہموطنی اور ہمقومی کے علاوہ فرعون کو ان بزرگواروں کی روحانی عظمت و اقتدار کا بھی تو بچشم العین مشاہدہ ہوچکا تھا اسلئے ایسے باخدا اور نیکو کار ہمقوم و قبیلہ حضرات کی ہمراہی میں اپنی لڑکی کو تعلیم و تربیت پانے آداب معاشرت سیکھنے اور اون کی صحبتوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض خاص سے دیدیا۔ اسی سفر الیشار میں یہی یہودی مورخ تھوڑی دور آگے جاکر اپنے سلسلہ بیان میں لکھتا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

هي كانت بنت فرعون لما رأى الآيات التي
صنعت لسارة قال ما مطلب ان تكون بنتي
خادمة في بيت هذا ولا ان تكون سيدة في
بيت آخر (عبرانی ترجمہ سفر الیشار)

(ہاجرہ) یہ فرعون کی بیٹی تھیں۔ فرعون نے جب وہ کرامات دیکھیں جو سارا کی وجہ سے واقع ہوئیں۔ تو فرعون نے کہا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں (ابراہیم کے گھر میں) خادمہ بنکر رہنا۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ اور گھر میں بااختیار رسیدہ بنکر رہے

اب شعصبین یہود و نصاری کی جہالت و تعصب کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ وہ صریح طور پر حضرت ہاجرہ

کو فرعون مصر کی بیٹی ہونیکا اقرار بھی کرتے ہیں اور پھر اقرار کے بعد انکار بھی۔ سر سید مرحوم خطبات میں لکھتے ہیں۔

سنہ ۱۸۵۵ء میں بمقام کلکتہ اسی بات کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور اکثر یہودیوں نے اسبات کو تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں تھیں۔ بلکہ بادشاہ مصر کی لڑکی تھیں۔

سر سید اس چشم دید مناظرہ کی حقیقت لکھکر ایک معقول طریقہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خاص توراۃ کے الفاظ سے بھی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اونکی عبارت یہ ہے۔

لفظ امۃ کی زبان عبری سے تحقیق و تنقید

توریت مقدس سے بھی ہاجرہ کا لونڈی ہونا ثابت نہیں۔ نہایت صاف اور روشن بات یہ ہے کہ اوسوقت کے حالات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں لونڈی غلام دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جو بیع شری سے یعنی بیع لیکر جاتے تھے دوسرے وہ جو غنیمت سے حاصل ہوتے تھے یعنی وہ لڑائی میں اسیر ہو کر آتے تھے پہلی قسم کی لونڈی غلاموں کو جو خریدے جاتے تھے۔ مقنت کہتے تھے اور دوسری قسم کے لونڈی غلام جو لڑائیوں میں اسیر ہو کر آتے تھے وہ شبوت حرب۔ یعنی غنیمت جنگ کہلاتے تھے۔ انکی اولاد بھی لونڈی غلام کہلاتی تھی اور یلید بایت۔ یعنی ولید البیت۔ خانہ زاد۔ مگر حضرت ہاجرہ ان باتوں سے پاک تھیں۔ پھر وہ کیونکر لونڈی ہو سکتی تھیں۔ اونکو لونڈی کہنا محض بہتان ہے خطبات ص ۱۶۷

مندرجہ بالا عبارت میں اتنا اضافہ ضروری ہے کہ اگر یہودی اور عیسائی حضرت ہاجرہ کی لونڈی بتلاتے ہیں سچے ہیں تو اونکا فرض ہے کہ پہلے وہ ہاجرہ کو مندرجہ بالا دونوں اقسام میں سے کسی ایک قسم کی کنیز ہونا ثابت کر لیں توراۃ اور اوسکے بعد کی تمام کتابوں میں سے کسی ایک کتاب سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ فرعون مصر نے جناب ہاجرہ کی خریداری کی تھی۔ یا بطور غنیمت وہ بذریعہ جنگ لائی گئی تھیں۔ جب ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کا ایسا بیان سراپا افترا ہے اور سراسر بہتان۔

اب اس بحث کے متعلق یہ امر تنقیح طلب ہے کہ پھر یہودی اور اون کی تقلید میں عیسائی حضرت ہاجرہ کو کیوں لونڈی کہتے ہیں؟ اول تو اسکا سب سے بڑا اور قوی سبب وہی ہے جیسا کہ آغاز بیان میں بیان ہو چکا ہے کہ یہودی حضرت ابراہیم کے سلسلہ میں سوائے حضرت اسحاق کے حضرت اسمٰعیل کی تعظیم و حرمت نہیں کرتے اون کی تعظیم و حرمت نکرنے ہی تک اکتفا کی جاتی تو ہمکو کسی شکایت کی مجبوری نہیں تھی۔ مگر حسد و نفسانیت کی بنا پر حضرت اسماعیل کی تحقیر و ذلت شروع کر دیگئی اور پھر اسی کد و ضد کے ساتھ کہ خود تو خیر، دوسروں کو بھی اپنے اس افترا اور اغوا میں شریک اور رفیق بنا لیا گیا۔ عیسائی باوجود اسکے کہ عقاید میں یہودیوں سے بالکل مخالف ہیں مگر بدقسمتی سے اس مسئلہ میں اونکے ہمزبان ہیں اور ہمداستان۔ ایک سبب قوی تو یہ ہے جو مسرتا پا

اون کی نفسانیت اور تعصب پر مبنی ہے۔

دوسرا سبب عبارت توریت کے خواہ مخواہ غلط معنی سمجھنے اور سمجھانے سے پیدا ہو گیا ہے متعصبین یہود نے الفاظ الہامی کے غلط معنی لگا کر مغویانہ خیالات پہلے خود پیدا کئے اور پھر اور لوگوں میں یہ گمراہانہ عقاید پھیلا کے عبارت توریت کی سند و شہادت پر جو غلط استدلال قایم کیا گیا ہے۔ وہ بالکل ترجمہ توراۃ میں تحریف ہے جس کو ہم توریت کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حضرت سارا اولاد سے بیبہرہ گئی تھیں اور اونکی اولاد نہوتی تہی اسلئے اونہوں نے حضرت ہاجرہ کو زوجہ بنانے کی (حضرت ابراہیم کو) اجازت دیدی کہ شاید اونہیں سے کوئی اولاد پیدا ہو چنانچہ ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہو گئے۔ اسکے چند روز بعد حضرت سارا بھی حاملہ ہوئیں اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق کئی برس کے ہو گئے۔ انکا دودھ بھی چھوٹ گیا۔ حضرت اسمٰعیل اون سے عمر میں بڑے تھے۔ دونوں میں ایک دن کچھ تکرار ہو گئی۔ جیسا کہ دو بچوں میں ہوا کرتی ہے۔ حضرت سارا کو یہ بات بُری معلوم ہوئی اور اُس لڑائی جھگڑے میں حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور اسکے لڑکے کو نکال دو۔

اس مقام پر جو حضرت سارا نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی کہا تو اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ وہ حقیقت میں لونڈی تھیں۔ بلکہ جس طرح عورتیں لڑائی اور غصہ میں خصوصاً جب اون دونوں عورتوں بلکہ سوکنوں (سوتوں) میں کچھ تکرار ہوتی ہے تو ایکدوسرے کو سخت اور حقارت کے کلمات کہہ اوٹھتی ہیں اسی طرح جب سارا نے یہ لفظ امۃ یعنی لونڈی کا حضرت ہاجرہ کی نسبت کہا اس سے کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ درحقیقت لونڈی تھیں۔ مگر یہودیوں کو اور جو لوگ یہودیوں کی پیروی کرتے ہیں (یعنی عیسائیوں کو) اونکو ایک موقع ہاجرہؑ کو لونڈی کہنے کا مل گیا۔ حضرت سارا کی اس بات سے حضرت ابراہیم بہت ناراض ہوئے مگر خدا نے اون کی تسلی کی اور کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کیوجہ سے رنج مت کرو۔ اونکو نکال دو۔ میں اس لونڈی کے بچہ سے ایک قوم پیدا کرونگا۔ اس مقام پر جو خدا نے لونڈی کہا وہ ابیدرہ سارہ کے قول کی نقل ہے یعنی سارہ نے جس کو حقارت سے لونڈی اور لونڈی کا بچہ کہا ہے اوسی سے میں ایک قوم پیدا کرونگا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی لایق آدمی کو کہے کہ یہ نالایق کیا کام کرتا ہے پس اس دوسرے شخص کا بھی اوسکو نالایق کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ درحقیقت وہ شخص نالایق ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ہاجرہ بیٹی رقیون بادشاہ مصر کی تہیں بلکہ ہم قوم و ہموطن ابراہیمؑ کی تھیں اور جو دعوٰی رقیت (کنیزی) کے اوس زمانہ میں تھیں اون سے بھی حضرت ہاجرہ بری تہیں تو صرف ان الفاظ سے جو لڑائی اور جھگڑے اور غصہ میں بولے گئے ہیں کسی طرح اونکا لونڈی ہونا

مراد نہیں ہو سکتا۔ خطبات ص ۱۷۰۔

سید صاحب کے اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارا نے آمتہ کا لفظ رنج و غصہ کی خاص اور غیر متحمل حالتوں میں استعمال کیا ہے اور توریت میں بالکل اوسی کی نقل سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہ واقعات ارباب عقل و نقل کے روزمرہ مشاہدات اور بدیہیات میں داخل ہیں اور مشاہدات و بدیہیات سے کسیکو انکار نہیں۔

اب لفظ امتہ کی خاص حقیقت سید صاحب۔ توراۃ کے مفصلہ ذیل اسناد سے پیش کرتے ہیں۔

لفظ آمتہ مجازاً محاورے میں زوجہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ دختر کا باپ بوقت شادی دختر بعوض دختر کے پسر کے باپ سے کچھ روپیہ لے لیا کرتا تھا تب بیٹی دیتا تھا جیسا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی بعض قوموں میں دستور ہے اور اس دستور کو بیٹی کا بیچنا کہتے تھے مگر وہ لونڈی نہوتی تھی بلکہ زوجہ شرعی ہوتی تھی اور حقوق زوجہ کے اوسکو بالکل حاصل ہوتے تھے۔ ایسی زوجہ پر بھی لونڈی کا مجازاً اطلاق ہوا ہے۔ چنانچہ توریت مقدس کی دوسری کتاب باب ۲۱ آیت ۷ میں لکھا ہے۔

خدا نے کہا اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کو بیچے آمتہ ہونیکے لئے تو وہ لونڈیوں کی طرح نکل نہ جائیگی اگرچہ وہ اپنے مالک میں ناپسند ہو جس سے اوس نے زفاف نہیں کیا تو فدیہ دیگا بوجہ ناپسند ہونے کے تاہم کسی اجنبی قوم کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا۔ اور اگر پسر کی خلوت میں دیدیا ہو تو لڑکیوں کی طرح برتاؤ ہوگا۔ اور اگر اسکے اوپر دوسری کر لی تو حقوق زوجیت یعنی کھانا کپڑا اور خلوت کم نہ کرے گا۔ اور اگر یہ تینوں امر اسکے ساتھ نہ کیے جاویں تو بلا زر وہ چھوٹ جائیگی۔

چونکہ ان آیتوں سے مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں اسلئے علماء یہود نے اسمیں بہت غور کیا ہے۔ کل مباحثہ لکھنا طول ہے۔ مگر جس قدر کہ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے مختصراً لکھا جاتا ہے۔

ان تینوں آیتوں میں لفظ آمتہ سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی۔ اول تو انہیں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لونڈی سے زوجہ شرعی مراد ہے۔ دوسری یہ کہ یہ آیتیں بنی اسرائیل کی شان میں ہیں۔ جیسا کہ سیاق عبارت دلالت کرتا ہے اور بموجب توراۃ کے لونڈیوں کی طرح سے بنی اسرائیل کی بیع و شری جائز نہیں۔ چنانچہ اسکی تفصیل توریت مقدس کی تیسری کتاب باب ۲۵ اور دوسری کتاب باب ۲۲ آیت ۳ میں مندرج ہے۔

بنی اسرائیل چوری کے جرم میں یا دشمن کے قید میں سے چھڑا لینے کے لئے خریدے جا سکتے تھے اور صرف ساتویں برس تک ایک مالک کے بطور غلام کے خدمت کرتے تھے حضرت یوسف کے بھائی بھی چوری کی علت میں بطور غلام کے لئے گئے تھے مگر وہ غلام نہیں تھے اور اگر فرض کریں کہ ان میں جو احکام ہیں وہ غیر بنی اسرائیل کے لئے بھی ہیں تو بھی آیت کے معنی درست نہ ہوں گے۔

کیونکہ غیر بنی اسرائیل لونڈی اور غلام پچاسویں برس از خود آزاد ہو جاتے تھے اور آیت میں حکم ہے وہ آزاد نہوں گے۔ اس مقام پر تفسیر رشی کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے مطلب مذکور ثابت ہوتا ہے اوسکا عربی ترجمہ یہ ہے۔

وان قبحت بعین بعلها لانه لخلوتها ما هو الذی لم یزفها ولو کان له ان یزفها ویخلی بها للتزویج وثمن شرابها هو ثمن نکاحها وفی الایة کنایة بامر النکاح وبانه لا یجوز مع الغیر عرسها

اگر بری ہے اوس کی نگاہوں میں یعنی خاوند کی نگاہوں میں (تفسیر) کہ اوسے رغبت نہ ہوئی اوسکے ساتھ خلوت کی (توریت) جس نے زفاف نہ کیا (تفسیر) کہ اوسکو مناسب تھا اوس سے زفاف۔ اوسکے ساتھ خلوت کرنا۔ جوڑ کرنے کیلئے اور قیمت اوس خرید کی قیمت ہے اوسکی شادی کی اور یہاں کنایہ ہے کہ آیت میں حکم شادی کا ہے اور کنایہ ہے کہ وہ دوسری سے شادی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس موقع پر اس بات کا بھی خیال کہ جس طرح ایسی بی بی پر جس کی بابت بغرض شادی روپیہ دیا گیا ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا اوسی طرح ایسی بی بی پر بھی جو بطور ڈولہ کے آئی ہو مجازاً لونڈی کا اطلاق ہوا ہے۔ جیسا کہ ابی غائل حضرت داؤد کی بی بی پر لونڈی اور خادمہ دونوں کا اطلاق ہوا ہے۔ جسکا ذکر عنقریب آتا ہے اور چونکہ یہ امر حضرت ہاجرہ کے حال سے بھی نہایت مناسب تھا اسلئے مجازاً ان کی نسبت بھی آمہ یعنی لونڈی بولا گیا۔ مگر جبکہ رقیت کسی طرح ثابت نہیں ہے تو اس لفظ سے حقیقی لونڈی ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ ان مقاموں میں بھی بی بی مراد ہے مگر سُرّیّہ۔ تو یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ اسلئے کہ جب بنی اسرائیل کی لڑکیاں لونڈیاں ہو ہی نہیں سکتی نہیں تو سُرّیّہ کیونکر ہو سکتی تھیں۔

اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جن مقاموں کا بیان کیا گیا ہے وہاں قرینہ ہے جس سے لونڈی مراد نہیں ہو سکتی مگر جہاں حضرت ہاجرہ کی نسبت آمہ کا اطلاق ہوا ہے وہاں کیا قرینہ ہے جس سے حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جاویں۔ تو اس شبہ کے رفع کرنے کو ناظرین کو ذرا توجہ کی تکلیف دیجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بلکہ اوسکے بعد بھی یہ دستور تھا کہ لونڈی میراث نہیں پاتی تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے لیا اور راخیل یعقوب علیہ السلام کی بیویوں نے اون سے کہا کہ کیا اب ہمارے لئے اپنے باپ کے گھر میں کچھ حق میراث نہیں ہے۔ کیا ہم اجنبیہ نہیں شمار کی گئیں۔ کیونکہ بیچ ڈالا ہمکو اور قیمت بھی کھا گیا۔ (پیدائش باب ۳۱ ۱۴ و ۱۵)

اور لونڈی کی اولاد جو دوسرے سے ہو وہ بھی لونڈی غلام ہوتی تھی۔ اونکے لئے بھی میراث نہ تھی چنانچہ یہ حکم موسیٰ کو بھی دیا گیا اور لونڈی کی اولاد جو مالک سے ہو وہ بی بی کی اولاد کے ساتھ میراث نہیں پاتی تھی جو کچھ اونکو باپ اپنی زندگی میں دیدے وہی اون کو ملتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطورا کی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دیکر الگ کر دیا جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۵ میں مندرج ہے۔

جبکہ قاعدہ سے یہ معلوم ہو گیا تو اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کہ جب سارا نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اس لونڈی اور بچہ کو نکال دو تو اسکی وجہ یہ بیان کی کہ میراث نہ پاوے لونڈی بچہ میرے بیٹے اسحاق کے ساتھ۔

اس میں صاف ظاہر ہے کہ سارا کو اندیشہ ہوا تھا کہ اسمٰعیل اسحاق کے ساتھ میراث پاویں گے نہیں اگر ہاجرہ لونڈی ہوتیں یا اسمٰعیل لونڈی بچہ ہوتے تو میراث پانے کا خیال کیونکر ہوتا بلکہ اسوقت کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ زوجہ مطلقہ میراث نہیں پاتی تھی اور جس لڑکے کو عاق یعنی ساقط المیراث کر دیا جاتا تھا وہ بھی میراث سے محروم ہو جاتا تھا اسلئے حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے درخواست کی تھی کہ ہاجرہ اور اونکے لڑکے کو نکال دو یعنی ایک کو طلاق دو اور دوسرے کو عاق تاکہ دونوں مستحق میراث نہ رہیں۔

یہی قرینے ہیں کہ ان آیتوں میں آمتہ کا لفظ جو غلط فہمی واقع ہوا ہے اوس سے اوسکے مجازی معنی مراد ہیں اور حقیقی نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ان کے اور بھی قوی قرینے ہیں۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

لفظ عبری شفحہ کی تحقیق

یہ لفظ امتہ کے سوا حضرت ہاجرہ کی نسبت توراۃ میں آمتہ (لونڈی) کا لفظ اور کہیں نہیں آیا ہے۔ بلکہ شفحہ کا لفظ آیا ہے اور شفحہ کے معنی لونڈی کے نہیں ہیں۔ افسوس یہودی نے جس نے توریت کا ترجمہ کالڈی زبان کیا ہے شفحہ کا ترجمہ آمتہ جو معنی آمتہ (عربی) کے ہیں۔ کر دیا ہے اور اس سبب سے اکثر مترجموں نے توریت کے اور ترجموں میں بھی جو اور زبانوں میں کئے ہیں۔ اوس لفظ کا لونڈی ترجمہ کر دیا ہے۔ حالانکہ لونڈی کو عبری زبان میں آمہ کہتے ہیں جو عربی لفظ آمتہ کا مرادف ہے۔ اور شفحہ کے معنی خادمہ کے ہیں۔ ہم تفرقہ بتلانے کے لیے سموئیل باب ۲۹ آیت ۴۱ نقل کرتے ہیں اسی سے شفحہ کا فرق ظاہر ہو جائیگا کتاب سموئیل کا عربی ترجمہ یہ ہے۔

وقالت نعم انا امة له خادمة تغسل رجل عبيد سيدها - اور کہا۔ ہاں اسکی لونڈی خادمہ ہے۔ اپنے سردار کے خادموں کے پاؤں دھونے کیلئے۔

یہ قول ابی غائیل حضرت داؤد علیہ السلام کی بی بی کا ہے جبکہ حضرت داؤد کے ہاں آئیں تھیں شفحہ کے اصلی معنی جیسا کہ اہل لغت کہتے ہیں قبیلہ کی عورت کے ہیں۔ اور مادہ اس لفظ کا اور مشافحہ کا جسکے معنی قبیلہ کے ہیں ایک ہی ہے۔ لیکن عرف میں اسکے معنی خادمہ کے ہیں۔ پھر اس سے لونڈی سمجھنا یا تعصب یا غلطی ہے

تیسرا مقام جہاں سے اون کی لونڈی ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت پہلی سے لیکر ۶ آیت تک جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور ابراہیم نے پھر عورت کی جس کا نام قطورہ تھا۔ اور اوس سے زمران یقشان۔ مدان۔ مدیان۔ یشباق۔ شوحہ پیدا ہوئے۔ یقشان کے شبا اور ودان پیدا ہوئے۔ ودان کی اولاد اشوریم۔ لطوشیم۔ لامیم۔ مدیان کی اولاد۔ عیفا۔ عیفر۔ حنوخ۔ ابیدع اور الدعا۔ یہ سب قطورہ اور دیا ابراہیم نے جو کچھ اون کے پاس تھا۔ اسحاق کو۔ اور سریہ کی اولاد کو ابراہیم نے اپنی حیات میں کچھ دیکر اسحاق کے پاس سے نکال دیا پورب طرف شرقی عرب میں

یہاں چھٹی آیت میں واقع ہے۔ لبنی ہفیلغشیم جس سے استدلال کرتے ہیں۔ پیلغش یا پلغش جسے کلدی زبان میں پیلقتا یا پلقتا کہتے ہیں یا لحینتا بولتے ہیں۔ اسکے معنی بےشبہ سریہ ہیں۔ اور اوس کی جمع موافق قاعدے کے پیلغشیم آتی ہے۔ ربی سلیمان ابن اسحاق کہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے کتبہ صداق یعنی کابین نامہ ہوا۔ اوسے ناشیم کہتے ہیں۔ اور جس کیلئے کابین نامہ نہوا اوسے پیلغشیم کہتے ہیں۔

بہر نوع یہ امر ثابت ہو کہ پیلغش سریہ ہے۔ استدلال یہ ہے کہ آیت میں پیلغشیم بلفظ جمع ہے اور اس سے مراد ہاجرہ اور قطورہ ہیں۔ کیونکہ سارا کے سوا یہی دو بیویاں حضرت ابراہیم کی ثابت ہیں اسلئے یہ سریہ ہونگی یہ شبہ فقط پیلغشیم کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ حال یہ ہے کہ عبری میں جمع ین اور یم سے آتی ہے۔ لہذا جمع پیلغشیم ہونا چاہیئے لیکن توریت میں اس مقام پر پیلغشیم بدون ے کے واقع ہوا ہے پیلغشیم نہیں ہے۔ اس لفظ پر مفسرین نے بحث کی ہے۔ بعض نے اسکو جمع مانا ہے اور ے کے نہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ ابراہیم کی ایک ہی سریہ تھی۔ اسلئے ے کو گرا دیا۔ "شی" مقصور لکھا گیا ہے۔ کیونکہ ایک ہی سریہ تھی۔ ساتھ ہی ایسے مفسرین نے یہ بھی لکھدیا ہے کہ وہ سریہ ہاجرہ تھیں اور وہی قطورہ تھیں۔ یعنی ہاجرہ اور قطورہ ایک ہی نام ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی جیسا کا بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح اکثر مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ سریہ ابراہیم ایک ہی تھی۔ لہذا پیلغشیم سے جمع مقصود .....

نہیں اور نہ بصورت جمع ہے۔ تو اسی وجہ سے اونقلوس نے جو قدیم مترجم ہے۔ اس لفظ کے ترجمہ میں پلیگیشم کا بلفظ واحد اختیار کیا ہے۔ اس حالت میں اوس سے استدلال کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مدار حجت جمعیت تھی۔ اور وہ غیر مسلم ہے۔

حضرت ہاجرہ اور قطورہ کو ایک قرار دینا غلط اور مہمل تاویل ہے

باقی رہی یہ بات کہ وہ سریہ جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے وہی ہاجرہ ہیں۔ اس بیان سے کہ ہاجرہ ہی کا نام قطورہ ہے۔ دعویٰ بے دلیل ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ اس باب میں صرف قطورہ اور اونکی اولاد کا ذکر ہے اور آیت اونہیں کو سریہ بتلاتی ہے۔ علاوہ اسکے سفر التواریخ اول باب کی ۳۲ آیت میں جہاں سب کے نسب نامے لکھے ہیں اور جو اہل کتاب میں بڑی معتبر ہے لکھا ہے۔ ترجمہ۔ اور بنی قطورہ سریہ ابراہیم فلاں اور فلاں یہ وہی شخص ہیں جنہیں پیدائش کے باب ۲۵ میں قطورہ کی اولاد گنا یا ہے اور فلسطین کی پورب سکونت کی اجازت دی ہے۔ ان سے قطورہ کا سریہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور اسی مقام پر ۳۳ آیت میں لکھا ہے یہی سب قطورہ کی اولاد ہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قطورہ ہاجرہ نہیں تھیں ورنہ اسماعیل بھی اونہیں میں شمار ہوتے۔ بلکہ اسی باب کی ۲۶ آیت میں لکھا ہے اور گنایا ہے۔ ابراہیم کے بیٹے اسحاق اور اسماعیل ؑ۔ اوسوقت یہ دستور تھا یعنی اکثر یہ محاورہ کہ بیان نسب میں سریہ کی اولاد کو ماں کی طرف نسبت کرتے تھے۔ اور بی بی کی اولاد کو باپ کی طرف۔ اسلئے نسب نامہ اسمٰعیل ؑ کو ابراہیم کی طرف منسوب کیا اور قطورہ کی اولاد کی نسبت ابراہیم کیطرف نہیں کی بلکہ قطورہ کی طرف

علاوہ اسکے ہاجرہ کی اولاد پاران میں بسی اور قطورہ کی اولاد فلسطین کے پورب۔ جیسا کہ توریت میں واقع ہوا ہے۔ باوجود ان سب تباین اور تغایر کے دونوں کو (ہاجرہ اور قطورہ) ایک کہنا بناوٹ ہے۔

علاوہ اسکے ابراہیم نے ہاجرہ کو طلاق دی تھی۔ اور ائمہ کو زن مطلقہ سے نکاح جائز نہیں چنانچہ موسیٰ کی شریعت میں یہ حکم منصوص ہے تو اگر یہی حکم شریعت ابراہیم میں بھی تھا۔ جیسا کہ یہود دعویٰ کرتے ہیں تو یہ کہنا کہ قطورہ اور ہاجرہ ایک ہیں۔ بالکل خلاف ہے۔ اور اگر ابراہیم کے وقت یہ شریعت بھی رہی تو خلاف دستور انبیا کے ہے۔ سوائے نبی آخر الزماں علیہ السلام کے زن مطلقہ سے نکاح کرنا ثابت نہیں ہے۔

اب ہم رجوع کرتے ہیں پیلغشیم کے لفظ اور اوس آیت کے معنی کی طرف۔ اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہ لفظ جمع ہے۔ جیسا اب نسخہ موجودہ مطبوعہ لندن اور اسٹرڈم وغیرہ میں دیکھا گیا ہے۔ اونمیں

سے اور میم کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو خلاف بیان مفسرین کے پایا جاتا ہے تو یہی مدعا مستدل کا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جائز ہے پیلیغشیم جمع اسم منسوب کی ہو۔ جیسا کہ جمع اسم منسوب کی اس وزن پر شعارت ہے پیلیغشی کے معنی سریزادے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ابراہیم نے سریزاد لڑکوں کو کچھ دیکر وہاں سے رخصت کر دیا۔ اور اون کو فلسطین کے پورب بسنے کی اجازت دی۔ لیکن اون میں اسمٰعیل نہ تھے۔ بلکہ اسی باب کی نویں آیت میں لکھا ہے کہ دفن کیا ابراہیم کو اسمٰعیل اور اسحاق اوسکے لڑکوں نے غرض توریت اور اوس کی تفسیر دیکھنے والوں پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ حضرت ہاجرہ کا لونڈی ہونا کتب مقدسہ سے کسی طرح ثابت نہیں۔

(ملخص از خطبات احمدیہ از صفحہ ۱۷۳-۱۷۷)

اس طول وطویل استدلال میں یہودیوں اور عیسائیوں کے جملہ اشکال و احتمال کا بال بال علیحدہ کر دیا گیا ہے اسمیں کوئی کلام نہیں کہ مرحوم سرسید اور اونکے تتبع مولوی عنایت رسول صاحب نے جناب ہاجرہ کا ایک صحیح النسب اور شریف النسل اور آزاد خاتون ثابت کرتے ہیں پھر اس لطف کے ساتھ کہ اون کے استدلال کے تمام اسناد و اشہاد مخالفین ہی کی کتب مقدسہ سے مستنبط و مستخرج فرمائے گئے ہیں۔ بہت بڑی عالمانہ تحقیق سے کام لیا ہے۔ جسکے لئے تمام اہل اسلام کو اونکا ممنون ہونا چاہئے۔

مرقومہ بالا بحث کو دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص یہودیوں اور عیسائیوں کے بیجا تعصب اور لاانتہا نفسانیت کی پوری حقیقت معلوم کر لیگا۔ اپنے اس ایک گمراہانہ خیال کے پیچھے کہ حضرت اسحاق پر حضرت اسمعیل کو ترجیح نہ دی جاسکے کتنا سر مارا ہے۔ اور ایک بات میں کتنی شاخیں اور ایک شاخ میں کتنے شگوفے نکالے ہیں۔ پہلے تو جناب ہاجرہ کے کنیز ہونے میں انتہی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن جب اونہیں کی کتابوں سے اوس مخالف کا شاہزادی ہونا ثابت ہو گیا۔ تو اونکو اور قطورہ کو جو حقیقتاً حضرت ابراہیم کی سریہ تھیں۔ ایک ہی عورت ٹھہرایا۔ ان متعصبین کو ایسے مہمل اور سراپا غلط استدلال پیش کرتے وقت اسقدر بھی خیال نہ رہا کہ اونکا موجودہ استدلال تو کتب مقدسہ توراۃ کی اون تمام عبارتوں کو پامال کر ڈالیگا جنمیں ہاجرہ اور قطورہ کے واقعات علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ ہاجرہ کی اولاد اور اونکا موطن و مسکن علیحدہ بتلایا گیا ہے۔ اور قطورہ اور اون کی اولاد کے مساکن و اماکن جدا دکھلائے گئے ہیں اب ان بے بصیروں سے کوئی پوچھے کہ تمہارا خدا، تمہارے خدا کی کتاب جس پر تم ایمان لائے ہو۔ وہ تو ہاجرہ اور قطورہ کو دو علیحدہ عورتیں اور دونوں کی اولادوں کو دو جداگانہ قومیں اور پھر ان دونوں کے مقام سکونت دو مختلف اور متفرق مقامات میں صحیح اور صاف طور سے بتلا رہی ہے۔ مگر تم ہو کہ اپنی خودغرضی اور نفسانیت میں گرفتار ہوکر دونوں کو ایک سمجھتے ہو اور سمجھاتے ہو۔ اب تمہیں کہو کہ تمہارے خدا اور اوس کی صحیح اور صریح بشارتوں سے مقابلہ

میں تمہارے ان لغویات کو ایک منٹ کیلئے بھی کوئی ماننے گا نہیں کبھی نہیں۔

جب اس سے بھی انکا مطلب نہ نکلا تو جناب ہاجرہؑ کو زن مطلقہ اور حضرت اسمعیلؑ کو پسر عاق شدہ (نعوذ باللہ) ٹھہرایا مگر اونہیں کی کتب مقدسہ کے مندرجہ واقعات بتلاتے ہیں کہ یہ زن مطلقہ حضرت ابراہیم کی آنکھ میں ایسی وقیعہ اور قابل قدر تھی۔ اور یہ عاق کردہ فرزند اونکو اتنا پیارا تھا کہ باوجود اس افتراق کے آغاز فرقت سے لیکر وقت وفات تک سال بھر میں ایکبار نہیں کئی بار اون کے دیکھنے کو شام سے حجاز میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور کافی طور سے اونکا تفقد حال فرمایا کرتے تھے۔ ابراہیم کے وہی طلاق داد اور عاق کردہ اہل وعیال ہیں۔ جن کی دلبستگی اور راحت وآرام کے لئے بنی جرہم اور بنی عمالیق قبیلوں نے کبھی کو وہاں آباد ہونے کی اجازت دی یہ ابراہیم کے وہی برگزیدہ اور خدا رسیدہ اہل وعیال ہیں جن پر توریت مقدس کی متعدد اور متواتر بشارتوں سے خدا اور خدا کے فرشتوں کا براۃ العین ظاہر ہونا اور اونکو اون کے موجودہ اضطرار واضطراب میں تسکین وتشفی دینا ثابت ہے۔ اور پھر ان کی ہجرت اور ترک وطن کے واقعات کے بعد بھی ان بزرگواروں کے لئے مختلف اور متعدد بشارت اور وصایا سے ابراہیمی اونہیں کی کتب معتبرہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان اسناد وشواہد کے مقابلہ میں جو مخالفین کے خاص معترفات ہیں۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی عقل والا آدمی بھی کبھی اپنے محبوب ترین اہل وعیال کو کسی شریف۔ مرد آدمی کی گھر سے نکالی ہوئی ذریت یا طلاق دی ہوئی عورت قرار دیگا۔

حقیقتاً اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابراہیم کیوں ان حضرات سے ترک تعلق فرمانیکے بعد اپنے تعلقات بڑھاتے اور ان سے ملنے جلنے کیلئے علاقہ شام سے ملک حجاز میں بار بار آتے جاتے۔ اور اگر بفرض محال۔ خدا کے حکم سے نہیں محض سارہ کے اصرار ہی سے۔ ایسے شرعی مفارقت اور دائمی جدائی اختیار فرمائی گئی تھی تو پھر خلاف مرضی خدا اور بلا رضامندی سارہ۔ ان کے پاس آپکا جانا اور برابر دیکھ بھال آپکس غرض سے تھا۔ اگر حکم خدا سے مفارقت کیگئی تھی۔ اور پھر آمد ورفت جاری رکھی تھی تو معاذ اللہ آپ کا یہ فعل حکم خدا کے صریح خلاف تھا۔ اور اگر صرف سارہ ہی کے اصرار سے بقاعدہ شرعیہ طلاق دیگئی تھی۔ تاہم بعد طلاق اجرا سے رسم وراہ اور بقا سے تعلقات قطعی ممنوع ومعیوب تھا۔ ان عیوب ونقائص کے لئے عام انسان قابل الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اتنا بڑا اولی العزم پیغمبر۔

ان تمام دلائل وقرائن کو پیش نگاہ رکھکر باسانی سمجھ لیا جائیگا کہ حضرت ہاجرہ اور جناب اسمعیل کے سے قطع تعلق کئے جانے کی نسبت یہودیوں اور عیسائیوں نے عام گمراہی اور عالم فریبی کے جو طوفان باندھے ہیں وہ بالکل اونکے تعصب اور نفسانیت پر مبنی ہیں۔ اونہوں نے صاف صاف لفظوں میں حضرت ابراہیم پر اتہام لگایا ہے جسکا کوئی وجود اور کوئی اثر اون کی کتب مقدسہ سے خود ثابت نہیں ہوتا۔

حقیقت حال وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ولادت اسمٰعیل کے بعد ہی سے ہاجرہ کے ساتھ سارہ کو رشک و حسد پیدا ہوا۔ پھر چند دنوں کے بعد حضرت اسحاق کے ولادت نے اون کے خیال کو اور قوی کر دیا اور وہ یہ تھا کہ معمولی عورتوں کے انداز میں اون کی طبیعت نے یہ بیجا اصرار پیدا کیا کہ اسحاق کے ساتھ اسماعیل وراثت میں شریک و سہیم نہ ہونے پاوے۔ اس خیال نے اصرار کے ساتھ قوت پکڑی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ سخت تاکید وں میں اسکا اظہار کیا گیا۔ خداوند عالم نے بھی رفع فساد کی مصلحت خاص سے حضرت ابراہیم کو سارہ کی ہٹ رکھ لینے جانیکا حکم فرما دیا۔ ورنہ حقیقتاً حضرت ابراہیم کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ ان تمام مصالح پر نظر فرما کر جیسا کہ آینکے اپنے موقعوں پر ایسی ہی انتظام مفید ثابت ہوتے ہیں حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور ہاجرہ کو بحکم الہی کے مطابق مع اون کے فرزند اسمٰعیل کے اوس مقدس مقام پر پہونچا دیا گیا۔ جو بارگاہ مشیت سے ان حضرات کیلئے عظمت و جلالت اور تقدیس و تعظیم کا مرکز قرار پا چکا تھا۔

لفظ ساراسین کی تحقیق

Saracene یہودیوں کی تقلید میں عیسائی متعصبین نے بھی حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کی صرف تاہین و تحقیر کے قصد و خیال سے ان کی اولاد و ذریات کو ساراقین کے حقیر نام سے موسوم کیا ہے اسکی عصبیت اور نفسانیت کی کیفیت جبتک زمانہ موجودہ کی کامل تاریخی تحقیقات اور کافی اطلاعات حاصل ہوجانے پر بھی انکو اپنی اس غلط بیانی پر یقین نہیں آتا چنانچہ یورپین قوموں میں آجتک اہل عرب کو جو بالکل صحیح طور سے آل اسمٰعیل ہونیکا شرف رکھتے ہیں ساراقین کہتی ہیں متعصبین یہود و نصاریٰ کا عرب کے تمام اقوام و قبائل کو ایسے نام سے موسوم و مشہور کرنا اون کی کہلی کہلی غلطی ہے اور مغالطہ وہی ہم اس لفظ کی منصفانہ تحقیق ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

اس مغویانہ اور متعصبانہ تسمیہ کی ابتدا تو یونانیوں سے ہوئی جنہوں نے پہلے پہلے چند عرب کے خاص قبائل کو اس نام سے موسوم و مخصوص کیا۔ پھر غایت تعصب و نفسانیت کی وجہ سے یہود و عیسائی جزیرہ نماے عرب کے تمام باشندوں کو عام طور سے اسی نام سے پکارنے لگے۔ اس غلط تسمیہ کی اصلیت اور کیفیت تو اتنی ہے اسکی کثرت اور وسعت اشاعت کا سبب تو صرف حسد و عداوت معلوم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ریورنڈ مسٹر پوکاک Revd Mr Pecoke جو گذشتہ صدی کے بہت بڑے عیسائی پیشوا ہوئے ہیں اور کتب قدیمہ کے مشہور عالم۔ اقوام و قبائل عالم کے بہت بڑے محقق اور مستند مورخ ہیں۔ اپنی کتاب موسومہ تاریخ عرب میں لفظ ساراسینس کی خاص تحقیق کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

اس مضمون پر ہمارے مصنفین نے اسوقت تک جو کچھ شائع کیا ہے اون میں ہم کسی جگہ اس امر کی تائید

اطمینان دلیل نہیں پاتے کہ وہ لوگ جو پہلے عرب کہلاتے تھے۔ آخر میں سارا سینس کیوں موسوم ہوئے۔ جن لوگوں نے اس نام کو سرق سے مشتق سمجھا ہے۔ اون کی کامل تردید کردی گئی ہے اب عموماً یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ نام سرقا (چوری) سے نکلا ہے جس سے ایک وحشی اور لٹیری قوم صریح مراد ہے۔ مگر یہ نام اونکو کہاں سے ملا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ نام خود اونکے (عرب) کے ہاں سے شروع نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی اور قوم کی زبان سے یہ لفظ لیا گیا ہے۔ کیونکہ عرب ایسے نام کو جو موجب رسوائی اور ذلت کا ہے اپنے لئے کیوں گوارا کرتے۔ اب محققین کو یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ آیا اون لوگوں کے نام جو عام طور پر اور علانیہ قزاقی اور رہزنی کے لئے مشہور ہیں۔ لفظ سرق سے مشتق کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔ جس کے معنی خفیہ چوری کرنیکے ہیں۔

اب اگر کوئی سراسینس کی تحقیق میں میری متابعت کرنا چاہے تو اوسکو اپنی آنکھیں مشرقین کیجانب کھولنی چاہئیں۔ کسواسطے کہ سارا سینس اور سراسینی نام کی آواز میں شرقی اور اوسکے جمع شرقیوں اور شرقیین کی نسبت کیا فرق ہوگا۔ جس کے معنی اہل شرق یعنی باشندگان مشرق کے ہیں۔ جسطرح کہ سابق میں عربوں کو خصوصاً یہودی خیال کرتے تھے کیونکہ اوس زمین کا شرقی حصہ حسب قول علماء یہود ملک عرب سے محدود ہے۔ اسی طرح توریت مقدس (سفر تکوین باب ۱۰) میں یقطان کی اولاد کو جو عرب سے مشرق میں بیان کرتے ہیں یعنی ساحل کے اوس حصہ پر جو بین الشام اور سفار کے مشرق میں ایک پہاڑ ہے۔ واقع ہے۔ اگر ارساڈیاس۔ قابل اعتبار ہو من مکۃ الی [illegible] مدینۃ الجبل الشرقی یعنی مکہ سے وہاں تک کہ تم اوس مشرقی پہاڑ کے شہر تک آؤ۔ جیسا کہ مسودہ کوڈکس میں مرقوم ہے۔ الی مدینۃ الشرقی یعنی مشرقی شہر تک (جس سے میری دانست میں مدینہ منورہ مراد ہے سر سید مرحوم) جو جانب شرق واقع ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی عقل تمام اہل شرق کی عقل سے بڑھکر خیال کی گئی ہے۔ یعنی (حسب بیان اوس یہودی کے۔ گو وہ کوئی ہو جس نے [illegible] کا عربی میں ترجمہ کیا ہے) سراسین یا عربی کی عقل ہے۔ اسی طرح یرمیاہ نبی (باب ۲۹/۲۸) میں اعراب بنی قیدار کو اہل الشرق کہتے ہیں۔ علامہ گردگرشتش بیان کرتا ہے کہ عیسایان سابق کی یہ رائے تھی کہ وہ [illegible] جو حسب بیان متی حواری (باب ۲) پرستش کو آئے تھے۔ ملک عرب سے آئے تھے۔ اور اوسکا خود یہی عقیدہ تھا۔ سناسونس (فولیس میں) لکھتا ہے کہ میں نے اپنی سفارت کی خدمت جو بجانب بنی عشوقیہ، بنی حمیر، اور سارا سینس اور دیگر اقوام پرستش کنندہ کے تھی تکمیل کردی۔ اسلئے سارا سینس کا اور مشرقی اقوام کے زمرے میں شامل ہونا صرف اسوجہ سے تھا کہ وہ مشرق میں آباد تھے۔

مجدالدین فیروزآبادی صفی الدین اور دیگر لوگوں کا بیان ہے کہ مشرق کے چند اور مقامات بھی ہیں وجہ کہ وہ مشرق کے اور حصوں میں واقع تھے۔ بنام الشرقہ یا المشرقیہ موسوم تھے اور یہ بھی اونکا بیان ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ ان مقامات کے باشندے اہل الشرق کہلاتے ہیں۔ ایسی ہی دلیلوں سے اون لوگوں کو بھی جو ایسے ملک میں بستے ہوں کہ بلحاظ اور ملکوں کے الشرق یعنی پورب کہلاتا ہو۔ اوس نام سے ملقب کیوں نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ وہ اپنے اور اون لوگوں کے درمیان جو اپنی بولی میں اپنے آپ کو مغربی باشندے (جزیرہ موریتانیا) کہتے ہیں کس طرح پوری تمیز کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے۔ جیسے کہ باشندہائے ملک مغرب المغاربہ کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو عرب میں متوطن ہیں۔ المشارقہ یا سارا سینس کہے جاسکتے ہیں۔ اور یہ نام اونکے عادات و اوضاع کے لحاظ سے نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح تم اوس مشہور و معروف حکیم بوعلی سینا کی اوس نامی کتاب کا نام۔ سارا سینک فلاسفی یعنی الفلسفۃ الشرقیہ۔ کچھ اوسکی جہالت کی وجہ سے نہیں کہتے ہو۔ بلکہ اوس کے مشرقی ہونے کی وجہ سے۔ رہی یہ بات کہ عربی حرف "شین" کا یونانی کے مانند تلفظ ہوا ہے۔ اس سے کوئی دشواری نہیں ہوتی کیونکہ وہ (یونانی) عبرانی حروف کا بھی اسی طرح تلفظ کرتے ہیں۔

ماخوذ از خطبات احمدیہ از صفحہ ۱۶۱ - ۱۴۶)

تعصب کا مقتضا ہے کہ حقیقت چھپائی جاے۔ حسد اور نفسانیت کا مدعا ہے کہ اصلیت پر پردہ ڈالا جائے یا کم سے کم واقعیت پر غلط بیانی کے حاشیے چڑھا کر اصلی مضامین کو تبدیل کر دیا جاوے۔ اس انگریزی محقق کی تحریر سے کامل طور پر متعصبین یہود و نصاریٰ کی مغویانہ قلمکاریوں کی قلعی کھل گئی۔ اور ثابت ہو گیا کہ ان خود غرض۔ حاسد اور کینہ پرور فرقے کو اپنی نفسانیت اور خود غرضی کے مقابلہ میں۔ اخفائے حق۔ تحریف۔ تبدیل الفاظ و معانی اور غلط بیانی کی بد اخلاقیوں سے نہ کوئی غیرت ہوا اور نہ کوئی شرم۔ ایک محض معمولی لفظ کے اصلی معانی اور مدعا میں تو حسد و نفسانیت سے اتنے مفاسد پیدا کئے گئے۔ اور پھر اہ فطرت کے تقاضہ سے تمام دنیا کے لوگ سخت مغالطہ میں ڈالدیے گئے۔ تو پھر کتب الہیہ سے اہم ترین ذخائر و ذخائر کے اصلی ترجموں اور اونکے دقیق مسائل کی تشریح و تحقیق میں ان سے راستبازی یا صداقت شعاری کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

تولیت کعبہ کے متعلق مخالفین اسلام کے اعتراضات کی تردید مع دیگر حالات

ہم اپنے سلسلہ بیان میں جناب ابراہیم علیہ السلام جناب اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہم السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ قلمبند کر چکے۔ حضرت ہاجرہ نے مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا اور مقام حجر میں جو خانہ کعبہ سے ملحق ہے مدفون ہوئیں۔ اسی ضمن میں مناسبت مقام کی ضرورت ہمکو

شہر مکہ اور عمارت مکہ کی قدامت اور اس معبد مقدس کی اولیت کے مسئلہ کی انکشاف حقیقت کی طرف توجہ دلانی ہے اور ہم اسکو اپنے تالیف کے موضوع کا جزو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مخالفین اسلام نے اسکی قدامت کے مسئلہ پر بھی اعتراضات وارد کئے گئے ہیں۔

تعمیر کعبہ کے حالات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہم جناب ابراہیم کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔ اسلئے اسکے متعلق ہمکو اعادہ اور اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اسکی قدامت کے مسئلہ کو ہم نے وہاں طوالت اور اصل مدعا سے بیان سے دور جا پڑنے کے خوف سے بیان نہیں کیا۔ مگر اب چونکہ اون تمام مقدس حضرات کے حالات کو ہم تمام کر رہے ہیں جو اس بنائے ربانی کے اصلی بانی ہوئے۔ اس ضرورت سے اسکے متعلق تمام حالات و واقعات کو بھی تمام کر دینا ہمارے لئے ضروری ہے۔

قرآن مجید میں کعبہ معظمہ کی قدامت کے متعلق یہ عبارت مندرج ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ	آدمیوں کی عبادت اور دو عالم کی ہدایت کی غرض سے۔ پہلا گھر جو دنیا میں بنایا گیا وہ شہر مکہ میں ہے۔

علمائے اسلام اس کی قدامت کو حضرت آدم کے وقت سے بتلاتے ہیں۔ اون کا بیان ہے کہ اسکی پہلی عمارت حضرت آدم ؑ کے عہد میں تیار ہوئی تھی۔ مگر امتداد ایام کی وجہ سے وہ گر کر بالکل منہدم ہوگئی۔ تعمیر ابراہیمی اوس مقدس عمارت کی تعمیر ثانی ہے۔

اونیسویں صدی کے اسلامی جدید محقق اور مؤرخ مغربی تحقیق و تعلیم کے مقلد اور مؤید۔ اس بیان کو دور از قیاس سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی خوش عقیدگی کا محض اضافہ ٹھہراتے ہیں۔

میری خیال میں ہبوط آدم کے مسئلہ اور متفقہ واقعہ سے تو دنیا بھر میں کسی قوم کسی فرقہ کو کیا کسی بنی آدم کو بھی انکار نہ ہوگا۔ پھر اگر دنیا میں حضرت آدم آئے۔ اور وہ دنیا کی ہدایت و تنظیم کے لئے من جانب اللہ آسمان سے زمین پر بھیجے گئے اور اونھوں نے خدا کی عبادت کے لئے ایک گھر بنایا۔ اور وہ گھر ایک مدت گزر کر ایسا منہدم اور نیست و نابود ہوگیا کہ ایک زمانہ دراز تک کسی کو اوسکے نشان و آثار کا کوئی علم باقی نہیں رہا۔ پھر ایک عرصہ بعید کے بعد انھیں کی مبارک نسل میں ایک نبی برحق نے خداوند عالم کے حکم سے اوس معبد اعظم اور یادگار آدم کی بار ثانی تعمیر کی۔ تو یہ تمام واقعات۔ افسانجات و قیاسات اور محالات و ناممکنات کیسے سمجھے جائیں گے۔

محالات و ناممکنات کیسے۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ امور تو روزمرہ کے حالات اور آئے گئے دن کے معاملات ہیں۔ جو ہر شخص کے شبانہ روز کے مشاہدات میں داخل ہیں۔ تمام شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں عموماً یہ دستور قدیم سے چلا آتا ہے کہ پرانی عمارتوں کے افتادہ قطعات زمین کئی پشتوں تک۔ خاندانوں کی مالی کمزوریوں اور دیگر

مجبوریوں کی وجہ سے ایسے ویران اور غیر آباد حالتوں میں پڑے رہتے ہیں کہ دیکھنے والے مشکل سے وہاں کسی مکان یا عمارت کا قیاس کر سکتے ہیں۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اسی مقام پر ایک خوش نما عمارت اور محلسرا تیار ہو جاتی ہے تو کیا حقیقت میں وہاں موجودہ عمارت سے قبل کسی مکان کا وجود بیان کیا جانا محال اور ناممکن تسلیم کیا جاویگا۔ ہمکو انہیں مشاہدات روزمرہ کے اصول متذادلہ پر عمارت مکہ مشرفہ کو حضرت آدم کے وقت بنایا جانا تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہوگا۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کے متعلق لکھنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمکو اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں خانہ کعبہ کے متعلق اس سے زیادہ تفصیلی حالات و واقعات قلمبند کرنے ہیں اور مخالفین اسلام کے ان اعتراضات کی تنقید و تردید کرنا ہے جو خواہ مخواہ اسکی قدامت اور عظمت سے انکار کرتے ہیں۔

ہم کو ان کے اعتراضات کی کوئی شکایت نہیں۔ تعجب ہے اور حیرت ہے تو انکے اقرار کرنے اور پھر مکر جانے پر اور باانیہمہ تمام دنیا سے اپنی کامل اور سچی تحقیق کا دعویٰ بھی۔ اوس تحقیق کی یہ حالت کہ ابھی ایک امر کی تحقیق کی اور ابھی آپ ہی اوس کی تردید پر طیار ہو بیٹھے۔

بہر حال علماء اسلام حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے وقت سے اسکی قدامت بتلاتے ہیں۔ آخر الذکر زمانہ پر جمہور کا اتفاق ہے۔ یہود و نصاریٰ کو اسکی قدامت و عظمت سے انکار ہے۔ عظمت و حرمت سے اونکا انکار تو ہمارے لئے قابل شکایت ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ اہل اسلام کی طرح اونکا معبد نہیں۔ پھر وہ اسکی حرمت عظمت کیلئے مجبور نہیں کئے جا سکتے۔ باقی رہا اسکی قدامت سے انکار تو یہ اونکا صریح تعصب ہے۔

ہمکو یہی سمجھ کر اپنا اطمینان کر لینا چاہیئے کہ اسلام کے معتقدات اور محرمات میں سے وہ کون سی ایسی چیز ہے جن کے ساتھ یہ مخالف اسلام فرقے اپنی حد درجہ کی نفرت اور توہین و حقارت کا اظہار نہیں کرتے۔ پھر کعبہ معظمہ کی نسبت اون کا انکار یا کسی بے ادبی کا اظہار ہمارے لئے کیوں تعجب خیز ہوگا۔ مخالفین اسلام اسکو آدم کی عمارت کہاں تک تسلیم کرینگے اسکو عمارت ابراہیمی بھی تسلیم کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی اتنی قدیم عمارت نہیں۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی میں مارگیولوس (Marcoliotl.) جرمن مستشرق کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی"۔ مولوی شبلی صاحب اس قول کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرگولوس نے اسکے ثبوت میں اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ہمکو اسکے صحت سے انکار نہیں ہے اصابہ میں جو تصریح ہے وہ یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید یا سعد بن عمر نے تعمیر کی

لیکن مارگیولس کو یہ معلوم نہیں کہ مورخین عرب نے جابجا یہی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارت بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے۔ اسلئے عمارتیں نہیں بنوائیں۔ بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا۔

سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۱۱

شبلی صاحب سے مجھ کو پورا اتفاق ہے۔ صاحب اصابہ کا لکھنا ہی صحیح ہے۔ مگر مارگیولس کو نہ اسلام کی مذہبی تہذیب اور نہ اوسکے دینی آداب کی کوئی اطلاع ہے اور نہ وہ اسکے تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت سے واقف ہے۔ اسلئے اصابہ کی تحریر بظاہر اپنے مدعا کے مطابق پاکر اوس نے آنکھ بند کر کے نقل کر دی۔ نہ وہ واقعہ کی اصلیت تک پہونچ سکا اور نہ صاحب اصابہ کے مدعائے حقیقت کو سمجھ سکا۔

مخالفین کا یہ اعتراض اور دعویٰ کہ شہر مکہ اور عمارات کعبہ کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے قدیم اخبار و اسفار سے اسکا سراغ نہیں ملتا۔ اونکا انکار بعد الاعتراف ہے۔ باوجود اتنی کامل اور وسیع تحقیق کے بھی محققین یورپ کے واقعات سے اتنی کوتہ نظری اور بے خبری پر سخت تعجب ہوتا ہے اور بڑی حیرت آتی ہے۔ لیکن اس پر بھی ہم کہنے کو تیار ہیں کہ نہ وہ کوتہ نظر ہیں اور نہ لاعلم و بے خبر۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علمای متقدمین کی تحریر اور اون کی تقلید کی قدیم لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ اور تقلید اسلاف کے اسی غلط اور کورانہ طریقہ نے اون کی چشم حقیقت کو کوتاہ کر دیا ہے۔

ان کا پہلا اعتراض کہ کعبہ کی قدامت کا مسئلہ مسلمانوں کی خاص ایجاد ہے کبھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمہاری ہی کتب مقدسہ اور اخبار و اسفار قدیمہ سے اسکا وجود پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل اسلام اس معبد الٰہی کی اولیت اور صداقت کے اس بنا پر مدعی ہیں کہ قرآن مجید میں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسکے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

اِنّ اول بیت وضع للناس لَلّذی ببکّۃ مبارکًا وھدی للعٰلمین۔	یہ پہلا گھر ہے جو آدمیوں کے لئے عبادت خدا اور ہدایت عالمین کی غرض سے مکہ مبارکہ میں بنایا گیا۔

اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ شہر مکہ (بکہ) کا وجود قرآن کے سوا اور دیگر کتب قدیمہ میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتب قدیمہ پر ایمان رکھنے والوں کو اس شہر مبارک کی قدامت کا ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور قرآن مجید کی یہ عبارت اون کی کتابوں کی بشارت سے بالکل مطابق ہو جائے گی۔ اس مدعا کی تحقیق اور اس دعویٰ کی تصدیق میں ہم مولوی شبلی کی سیرۃ النبی سے ذیل کے ثبوت نقل کرتے ہیں۔

کتاب زبور باب ۸۴ آیت ۶ میں ہے کہ وہ بکہ کے وادی میں گذرتے ہوئے۔ اوسے ایک کنواں

بتاتے۔ برکتوں سے مورۃ کو ڈھک لیتے۔ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس عبارت میں جو بکہ کا لفظ آیا ہے وہی مکہ معظمہ ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے اسم مشتق قرار دیں تو اسکے معنی رونے کے ہونگے۔ اور یہ وہی لفظ عربی بکار ہے جس کے معنی رونے کے ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے ہیں اسلئے اون کے مترجمین نے عبارت مذکورہ میں (خواجسکر) بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے۔ لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بکا کے کیا معنی ہوں گے؟

زبور کی عبارت مذکورہ میں اوپر کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تشبید میں حضرت داؤد نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربانگاہ اسمٰعیلی کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ حضرت داؤد خدا سے کہتے ہیں اے فوجوں کے خدا۔ تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں۔ میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے۔ اے خدا تیری قربانگاہ میرے مالک اور خدا ہیں۔ مبارک ہو اون لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں۔ اسکے بعد مکہ والی آیتیں ہیں۔ اب غور کرو حضرت داؤد جس مقام کے پہونچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں وہ اوس مقام پر صادق آسکتا ہے جس میں ذیل کی باتیں پائی جاتی ہوں۔

(۱) قربانگاہ ہو (۲) حضرت داؤد کے وطن سے دور ہو کہ وہاں تک سفر کرکے جائیں (۳) وادی بکہ کہلاتا ہو۔ (۴) وہاں مقام مورۃ بھی ہو۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا۔ کہ "بکہ" وہی مکہ معظمہ اور "مورۃ" وہی "مروہ" ہے۔ اسکے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو جائیگا کہ یہودی کس طرح الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس (Dr Hastings) نے ڈکشنری آف دی بائبل (Dictionary of the Bible) میں وادی بکار پر جو آرٹیکل (Article) لکھا ہے اوسکا خلاصہ یہ ہے۔

اس لفظ سے اگر واقعی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس سے ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی الغور ہے۔ جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴۔ ۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رفائیم ہے۔ جو سموئیل دوم۔ باب ۵۔ آیات ۱۸۔ ۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے۔ اس راستہ کی آخری منزل ہے۔

(دیکھو رینان (Renan) کی کتاب حیات مسیح باب ۴)

لیکن عجیب بات ہے۔ ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتا نہیں لگتا۔

مصرع۔ ہماں ورق کہ سیہ گشتہ مدّعا اینجاست۔

حیرت پر حیرت تو یہ ہے کہ جن جن وادیوں کے نام لئے ہیں اون میں ایک کو بھی بکّا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں بخلاف اسکے بکّا اور مکّہ بالکل ایک لفظ ہیں۔ فرق اسی قدر ہے کہ جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید انسائیکلوپیڈیا (NEW ENCYCLOPIDCA) میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ مرگیولس کا لکھا ہے۔ اوس میں مکہ معظمہ کی نسبت تحریر ہے۔

قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا بجز اسکے کہ زبور (۸۴-۶) میں وادی بکّہ کا لفظ مذکور ہے۔

لیکن مارگیولس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ڈوزی (PROFESSOR DOZIE) جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی داں عالم ہے۔ لکھتا ہے کہ

بکّہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ داں ماکروبہ کہتے ہیں۔

لیکن کارلائل صاحب (CARALAYALS) نے اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ (HEROES AND HEROES WORSHIP) میں لکھا ہے کہ

رومن مورخ سسیلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے۔ اور یہ ولادت مسیحؑ سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے موجود تھا تو مکہ بھی قریباً اوسی زمانہ کا ہوگا۔ کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اوسی کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے۔ (ملخص از سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۱۲-۱۱۰)

اس عیسائی محقق (کارلائل) نے تو صاف صاف لفظوں میں کعبہ مشرفہ کی قدامت او شرافت بالتصریح والترجیح کا اظہار و اقرار کر دیا۔ اگرچہ اس سے پہلے پروفیسر ڈوزی اور کسیقدر مارگیولیس نے بھی اسکا اقرار کیا تھا۔ وہ بزبان دیگران کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلئے اوسکو قطعی اور واقعی نہیں کہہ سکتے تھے۔ کارلائل نے سائیلس کے ایسے قدیم مورخ کے مختار تحقیق سے یہود و نصاریٰ کے اپنے قدیم استخفاف حقایت کا پورا انکشاف کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ مستشرقین یورپ کا یہ استخفاف۔ اور انکار بعد الاعتراف کسقدر منصفانہ ہے اور شرمناک ہے سقف کعبہ اور غلاف کعبہ اس مضمون کی نسبت ہم اس سے زیادہ تفصیل کو مناسب نہیں سمجھتے اور

کعبہ مشرفہ کے دوسرے حالات و واقعات کی تصریح و بیان کو آغاز کرتے ہیں ہم اس معبد مقدس اور قبلہ مشرفہ
کے تعمیر ہونے کے تمام و کمال حالات اوپر لکھ آئے ہیں۔ اون کے یہاں اعادہ یا اضافہ کی ضرورت نہیں ہے
مورخین و محدثین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے سعد ابن تبع حمیری۔ بادشاہ یمن نے عمارت
کعبہ پر غلاف چڑھایا اور قصی ابن کلاب نے اسکو مسقف اور مقفل کر دیا۔ قدیم محققین و محدثین کے علاوہ حال
کے مورخین کا بھی یہی مختار ہے۔ لیکن علماے اہلبیت علیہم السلام کے اخبار سے ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ کی عمارت
حضرت اسمعیل ہی کے زمانہ میں مسقف ہو گئی تھی اور اسپر غلاف بھی چڑھا دیا گیا تھا۔ اور جس عقیدتمند اور
اخلاص شعار خاتون معظمہ نے تعظیم شعائر اللہ کی یہ اول اول رسم ایجاد کی اور پوشش کعبہ مقدس کی وہ جناب
اسماعیل کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ حیات القلوب کی مندرجہ ذیل عبارت سے اسکے پورے حالات محقق ہوتے ہیں

آن زن حاملہ با اسمعیل گفت کہ آیا مرا اذن میدہی
دو پردہ بیاویزم یکی از اینجانب و یکی از آنجانب
گفت بلی۔ دو پردہ ساختند کہ طول آن دوازدہ
ذراع بود و بیاوردند و آویختند پس آن زن را خوش
آمد آن پردہ ہا گفت آیا مرا [illegible] کعبہ جامہ بیافیم کہ
ہمہ کعبہ را بپوشانیم کہ این سنگہا بد نما است اسمعیل
گفت بلی پس بسرعت متوجہ کار شد و پشم فرستاد و بسیار
قبیلہ خود ریسمی چون [illegible] کہ آنہا را برای او ریسندند و از آنوقت
در میان زنان سنت شد کہ از یکدیگر
مدد طلبیدند در ریسمان پس بسرعت میکردند و بافتند
از قبیلہ و خویشان خود مدد طلبید و از ہر طرفی کہ فارغ
می شدند می آویختند۔ پس چون موسم حج رسید یک طرف
مانده بود کہ جامہ اش تمام نشده بود۔ با اسمعیل گفت چہ کنیم
اینجانب را کہ جامہ اش تمام نشده است پس برای
آن طرف از برگ خرما جامہ ترتیب داده بیاویختند
عرب بنا بر عادت آمدند و دیدند کہ چیزہای تازه آمده و امر
چندی مشاہده کردند کہ ایشان را خوش آمد پس گفتند

زوجہ حضرت اسماعیل نے کہا کہ کعبہ کے دروازے کے
دونوں جانب ہم دو پردے لٹکا دیں۔ اسماعیل نے کہا ہاں
لٹکا دیے جائیں۔ دو پردے بارہ گز لمبے بنائے گئے اور لٹکائے
گئے۔ زوجہ اسمعیل کو یہ آرائش پردے بہت خوش نما معلوم
ہوئے تو پھر اسمعیل سے پوچھا کہ اگر آپ کہیں تو پورے خانہ کعبہ
کے لئے ہم ایک کپڑا یا پوشش تیار کر دیں کہ یہ پتھر
جو بدنما معلوم ہوتے ہیں چھپ جائیں۔ حضرت اسمعیل
نے اجازت دیدی۔ وہ خاتون اوسی وقت سے انتہا بعجلت
تمام اسکی طرف متوجہ ہوئیں اور بہت سا اون کیا اپنے قبیلہ
میں بھیجا کہ اسکو کات کر جلد بھیجدیں اوسی وقت سے
غلاف کعبہ کے لئے عورتوں میں اون کاتنے کا رواج ہوا۔
اس کام میں انہا معظمہ نے بہت جلدی کی اور آپ اور اپنے
عزیز و اقارب سے اسمیں مدد لی۔ اور جس سمت کا غلاف
یا پوشش تیار ہو جاتی تھی وہ اوس سمت کی دیوار پر چڑھا دی
جاتی تھی۔ ہر طرف کا غلاف تیار ہو کر چڑھ گیا۔ صرف ایک طرف
کا رہ گیا۔ اور حج کا موسم آگیا۔ تب انہوں نے اسمعیل سے
پوچھا کہ اب کیا کیا جائے۔ ایک طرف کی پوشش تیار

سزاوار نیست کہ برائے عمارت کنندہ این خانہ ہدیہ
بیاوریم۔ پس از آں روز ہدیہ برائے خانہ کعبہ مقرر شد
پس ہر قبیلہ از قبیلہ ہائے عرب ہا ہدیہ برائے خانہ کعبہ
آوردند از زر و چیزہائے دیگر تا آنکہ مال بسیار جمع شد
پس آں لیف خرما را برداشتند و خانہ کعبہ را اتمام کردند
و در دور کعبہ او نچیدند و کعبہ سقف نداشت۔ اسماعیل
ستونہا گذاشت۔ مانند این ستونہا کہ می بینید از چوب
سقف آنرا بچوبہا و جریدہا راست کرد و گل بر آں مالید
پس چوں سال دیگر عرب آمدند و داخل کعبہ شدند
دیدند کہ عمارت کعبہ زیادہ شدہ است گفتند سزاوار
است کہ برائے عمارت کنندہ ہدیہ زیادہ کنیم۔ پس
سال آئندہ ہدیہ بسیار آوردند و اسمعیل ندانست کہ
آں ہدیہ را چہ کند۔ پس حق تعالیٰ باو وحی نمود کہ بکشد
اینہا را و طعام کند حاجیاں را۔

(حیات القلوب ملا مجلسی جلد اول ۱۳۱ لکھنؤ)

نہیں اور حج کے دن آ گئے۔ اس لئے خرمہ کی چھال سے اسکا
عارضی کی پوشش مرتب کردی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسکا
سال ہر برس سے زائد عرب حج کعبہ بجا لانے کی غرض سے
آئے اور پوشش کعبہ کی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آپس
میں کہنے لگے کہ اسکے بنانے والے کیلئے ہم لوگوں کو ہدیے
لانے چاہئیں اوسی زمانہ سے خانہ کعبہ کے واسطے ہدیہ لانے
کا دستور قائم ہوا۔ یہ ہدیہ نقد و جنس سب اقسام کے ہوتے
تھے۔ یہاں تک کہ بہت سا مال اس رقم میں جمع ہو گیا۔ وہ
لیف خرما کا غلاف اوتار دیا گیا اور پوشش کعبہ اونکی گرانی
کی مرتب کردی گئی۔ اسوقت تک کعبہ کی چھت نہیں تھی حضرت
اسمٰعیل نے ستون کھڑے کئے اور انپر شہتیر اور کڑیاں رکھیں
اور اوپر مٹی ڈال دی۔ آئندہ سال جب عرب آئے اور
خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا عمارت میں نمایاں اضافہ
ہوا ہے۔ سب کہنے لگے کہ ہم لوگوں کو اس عمارت کے
تعمیر کنندہ کیلئے پہلے سے بھی زیادہ ہدیے لانے چاہئیں
دوسرے سال وہ لوگ بہت زیادہ ہدیے (تحفے تحائف) لائے
حضرت اسمعیل نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا کیا جائے خداوند عالم نے انکو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ ان سب کو ذبح کر کے حاجیوں
کی ضیافت کردو۔ (یعنی رفادہ ہے)

مندرجہ بالا عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل کی زوجہ مطہرہ نے آپ کی استرضا و اشتراک
سے پوشش کعبہ ایجاد کی اور اسکے نذر کئے جانے کی ابتدا کرائی۔ اسی طرح جناب اسمعیل نے خانہ کعبہ کی عمارت
کو اپنے دست مبارک سے اپنے ہی وقت میں مسقف فرما دیا ہے۔ اس بنا پر جیسا کہ اقوال و ارشادات ائمہ طاہرین
سلام اللہ علیہم اجمعین سے مستفاد ہوتا ہے بیت اللہ زاد اللہ شرفہا کی یہ ضرورتیں اوسی وقت پوری ہو چکی تھیں
اور اس کی اولیت اور ایجاد بھی اوسوقت کے موجودہ اہلبیت علیہم السلام سے آغاز ہوئی تھی۔ اور کسی دوسرے
لوگوں سے بالکل نہیں اور قریب العقل ہے کہ قصی نے اپنے وقت میں بار دیگر اسکی چھت بنوائی ہو اور اسیطرح
سعد ابن تبع حمیری نے اسکے بعد خواب دیکھا ہو اور اوس کی تعمیل میں پردہ کعبہ نذر چڑھایا ہو۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر سعد ابن تبع کا زمانہ حضرت اسمٰعیل سے قبل تھا تو البتہ سعد کے اول غلاف چڑھانے والا واقعہ ماننے میں کوئی تامل نہو گا۔ اور اگر مابعد ہے تو قرینہ غالب یہ ہے کہ سعد نے حضرت اسمٰعیل کے بعد یہ خدمت ادا کی ہو۔

سلسلہ سلاطین حمیریہ کی تفصیل جو ہم نے تاریخ ابو الفدا اور دیگر عربی ماخذوں سے آغاز کتاب میں لکھی ہے۔ اوسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد ابن تبع کا زمانہ حضرت اسمٰعیل سے بہت پیچھے ہے۔ حضرت اسمٰعیل کیا وہ تو ملکہ بلقیس سے بھی کئی پشتوں بعد کا آدمی سلسلہ حمیری میں ثابت ہوتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سبا ابن عبد الشمس اول کے زمانہ کے بزرگوار ہیں۔ جو تمام قبائل و ملوک یمن کا جد القبیلہ اور سلاطین حمیری کا مورث اعلیٰ پایا جاتا ہے اس اعتبار و شمار سے حضرت اسمٰعیل کے متعلق اس خدمت کی شہادت موجود ہوتے ہوئے اس کی ایجاد اور اولیت کو کثیر التعداد پشتوں کے بعد ایک محض غیر تعلق اور بیواسطہ شخص کیساتھ منسوب کرنا سیاق تحقیق اور معیار تصدیق کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح عمارت کعبہ کے مسقف کئے جانے کے واقعات کو بھی سمجھنا چاہئیے ممکن ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد قصی ابن کلاب نے اسکی بار دیگر چھت بنوائی ہو اور کامل مرمت کرائی ہو۔ اسی طرح مرقومہ بالا روایت سے نذر و ہدی کے مراسم کی اولیت بھی حضرت اسمٰعیل ہی زمانہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سر سید نے کعبہ کے حال میں اتنا تسلیم کیا ہے کہ تعمیر ہی کے وقت سے کچھ نذر و نیاز کعبہ پر چڑھائے جانے کی خدمت شروع ہو گئی تھی۔ اون کی عبارت یہ ہے۔

> اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جسکو خزانہ کعبہ کہتے تھے اور جو کچھ نذر و نیاز کعبہ میں آتی تھی وہ اسی میں رکھ دیتے تھے۔ تاکہ چوری سے محفوظ رہے۔

سید صاحب پر موقوف نہیں۔ نذر و ہدی اور اطعام حجاج کعبہ کے خدمات کی ایجاد ابراہیمی ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے اور ویسا ہی مندرجہ بالا روایت اہل بیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ حضرت اسمٰعیل کے وقت میں خانہ کعبہ کے مسقف کئے جانے اور اسپر غلاف و پوشش چڑھائے جانیکی ایجاد و اولیت کی نسبت ہے۔ سر سید نے عمارت کعبہ کے ذکر میں ایک نظری نقشہ بنا کر عمارت ابراہیمی اور موجودہ عمارت کے فرق مابہ الامتیاز کو اپنی مندرجہ ذیل عبارت کیساتھ دکھایا ہے۔ ہم نقشہ اور عبارت کو بجنسہ و بلفظہ نقل کرتے ہیں۔
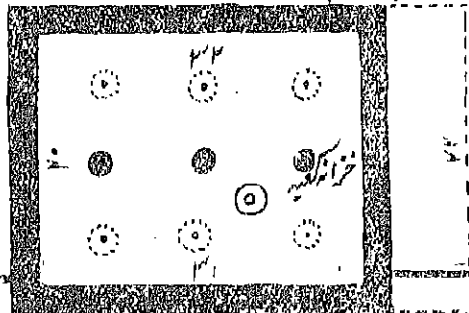
نوٹ: خطوط سیاہ کے تمام علامات عمارت ابراہیمی ہے اور نقطہ دار نشانات اضافات قریش اور موجودہ ہیئت عمارت کو بتلاتے ہیں۔ بائیں طرف جو حصہ نقطوں سے گھرا ہوا ہے حضرت ابراہیم کے وقت میں وہ بھی کعبہ میں داخل تھا۔ قریش نے تعمیر کے وقت اوس قدر چھوڑ دیا تھا کعبہ کے اندر جو نقطہ دار نشان ہیں وہ اون ستونوں کے ہیں جو قریش نے بنائے تھے۔ وہ اب نہیں ہیں بعوض اوسکے عبداللہ ابن زبیر نے تین ستون بنائے ہیں جن کے سیاہ نشان بیچ میں ہیں۔

سید صاحب کی عبارت متعلقہ کعبہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے یہ ہے۔

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں دیواریں ہی دیواریں تھیں چھت نہیں تھی اور دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا اور اوسمیں نہ کواڑ چڑھے تھے اور نہ کنڈی لگی تھی۔ اور بلا شبہ اوس زمانہ کی حالت ایسی ہی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں گو وہ خدا ہی کا گھر بنایا گیا ہو کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ خطبات ۵۱۹

بہرحال سید صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ تعمیر ابراہیمی اور تعمیر قریش کے درمیان جس سے تمام تر تعمیر قصی ابن کلاب مراد ہے اور کوئی دوسری تعمیر نہیں ہوئی۔ سید صاحب پر منحصر نہیں۔ اکثر اسلامی مورخین کو یہی شبہ ہوا ہے حالانکہ ان دونوں تعمیرات کے درمیان دو اور تعمیروں کا ذکر اکثر تاریخوں میں موجود ہے لطف یہ ہے کہ سید صاحب نے خود ان دونوں تعمیروں کا ذکر علامہ عبدالرزاق کی تاریخ مکہ سے لکھا ہے جسکا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ایک فرانسیسی مورخ نے اپنی کتاب متعلق احوال مکہ میں حضرت علیؑ کی روایت سے لکھا ہے کہ پہلے بنی جرہم نے اور اونکے بعد عمالیق (عمالیق ثانی) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ خطبات ۵۲۲

مرحوم سید صاحب کی عادت تھی خواہ مخواہ یوروپین ماخذوں کے حوالہ دینے کی۔ حالانکہ بنی جرہم اور عمالیق دونوں کی تعمیرات کا ذکر عام طور سے عربی کی تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور خود آپ ہی نے تاریخ مکہ کے حوالہ سے خطبات میں درج فرمایا ہے دونوں تعمیرات کے متعلق آپ کی بلفظہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

قالوا و توفی اسمٰعیل و دفن فی الحجر کانت امہ قد دفنت فی الحجر ایضا و ترک ولد اسمٰعیل من رعلۃ ابنۃ مضاض اما ولد اسمٰعیل وکلھم لانھم بنوا ابنتہ فلم یزل امر جرھم یعظم بمکۃ ویستفحل حتی ولوا البیت وکانوا ولاتہ لاھکام بمکۃ فجاء سیل فدخل البیت فانھدم فاعادتہ جرھم علی بناء ابراھیم وکان

کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت اسمٰعیل اور انکی اولاد رہے جب انکا انتقال ہوا تو بنی جرہم کو اسمیں مداخلت ہوئی کیونکہ وہ انکے قریبی رشتہ دار تھے اور بنی اسمٰعیل کے خیرخواہ و محافظ تھے۔ مضاض ابن عمر جرہمی جو نانا اسمٰعیل کے بیٹوں کے تھے انہوں نے اپنے ہاتھ میں سب اختیار لے لئے بنی جرہم کے اقتدار کے زمانہ میں پہاڑی نالہ آیا اور کعبہ میں پانی چڑھ گیا اور کعبہ ڈھ گیا۔ جس کو بنی جرہم نے انہیں بنیادوں پر جو ابراہیم

طولہ فی السماء تسعۃ اذرع (از کتاب اخبار مکہ صفحہ ۴۸)

نے بنائی تھیں اور اوسی صورت پر پھر بنایا۔ اوسکی بلندی زمین سے نو ذرعہ تھی۔ (کتاب اخبار مکہ ص ۴۸)

(منقول از خطبات احمدیہ ص ۵۲۱)

سید صاحب تاریخ مکہ مندرجہ بالا اقتباس کو لکھکر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمکو کسی تاریخ سے اس تعمیر کا زمانہ نہیں معلوم ہوا اور اسی سبب سے ہم کوئی زمانہ اسکی تعمیر کا قرار نہیں دے سکتے۔

سید صاحب کے ایسے کامل محقق سے ایسا عاجزانہ عذر کتنا تعجب انگیز ہے۔ اسکے ایسے لا معلوم الایام اور غیر معلوم الوقت واقعات کے صحیح ایام وقوع تو اسی خطبات میں آپ نے مختلف قرائن و دلائل عقلیہ سے معلوم کرکے لکھ دئیے ہیں اور حقیقتاً وہ قابل قبول بھی ثابت ہوتے ہیں مگر اس ایک واقعہ کی نسبت جسکا زمانہ وقوع قریب قریب بالکل معلوم ہے۔ آپ اپنا عجز اور مجبوری ظاہر فرماتے ہیں۔ علامہ ازرقی اصل عبارت میں توفی اسمعیل لکھکر اور آپ اسکے ترجمہ میں کہ حضرت اسمعیل کے بعد۔ تحریر فرماکر اسکے وقوع کا زمانہ گویا بتلا چکے اور قائم فرما چکے۔ یوں سمجھ لیا جاوے کہ اس عبارت مذکورہ بالا سے تعمیر جرہم کا زمانہ بعد وفات اسمعیل ظاہر ہوتا ہے آپ ہی کی تحریر سے اسکے سن وقوع کا بھی اندازہ ہم بتلا دیتے ہیں۔ خطبات ص ۳۵۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسمعیل سنہ ۲۰۹۴ دنیوی مطابق سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح کے پیدا ہوئے پھر خطبات ص ۴۰ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا ایکسو پچہتر (۱۷۵) برس کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔ اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق دونوں نے ملکر مکفیلاہ کے غار میں دفن کیا تھا (توریت سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۹) اسلئے حضرت اسمعیل کی عمر اوسوقت نواسی (۸۹) برس کی تھی۔ اب اسی سے حساب لگا لیا جاوے۔ اسمٰعیل کی عمر بالاتفاق ایک سو سینتیس (۱۳۷) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ تو اس حساب سے سن وفات سنہ ۱۷۷۳ قبل مسیح ہوتا ہے۔ اسی کے بعد سے مکہ میں عہد جرہمی شروع ہوتا ہے۔ تو قرینہ غالب ہے کہ سولہویں صدی اور سترہویں صدی کے زمانہ میں تعمیر جرہمی عمل میں لائی گئی۔ یہ تو بالکل کھلا ہوا اور صاف حساب ہے۔ پھر سید صاحب اسکے علم و تعین زمانہ سے اپنی مجبوری اور عجز کیوں ظاہر فرماتے ہیں۔ یہ تو تعمیر جرہمیہ کی نسبت سید صاحب کے اقتباسات تھے تعمیر عمالیقی کے متعلق آپ کے حسب ذیل مکاشفات ہیں:—

عرب العاربہ کی وہ قومیں ہیں جن کی نسل یقطان یا قحطان سے چلی ہے۔ اور تمام قبائل عرب اسی نسل میں ہیں حمیر بھی انہیں کا ایک قبیلہ ہے اور بنی حمیر میں بھی ایک قبیلہ عمالیق کے نام سے تھا جو مکہ میں بستا تھا اس جنگلی قوم نے بنی جرہم پر غلبہ پا لیا تھا۔ اور کعبہ کی مختار ہوگئی تھی۔ اوس زمانہ میں اس قوم عمالیق نے کعبہ کو پھر بنایا۔ جو غالباً پہاڑوں کے نالے چڑھ آنیسے ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔

بعض مورخوں نے ان دونوں قوموں میں تمیز نہیں کی اور عرب البائدہ میں جو قوم عمالیق تھی اوسکی نسبت تعمیر کعبہ کو خیال کیا اور چونکہ وہ قوم بنی جرہم سے پہلے تھی اسلئے لکھہ دیا کہ عمالیق نے قبل بنی جرہم کے تعمیر کعبہ کی تھی۔ حالانکہ اوس زمانہ میں نہ ابراہیم تھے نہ کعبہ تھا۔

اسکے بعد سید صاحب عمالیق ثانی کی تعمیر کا واقعہ ایک فرانسیسی مؤرخ کی کتاب سے حضرت علی کی زبانی لکھکر جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں۔ اپنا یہ مختار قایم فرماتے ہیں۔

عمالیق ثانی کی تعمیر کا زمانہ بہی نہیں معلوم ہوسکتا۔ لیکن اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی سے ایک صدی پیشتر وہ لوگ مکہ پر قابض ہوگئے تھے اسلئے کہ جذیمہ بادشاہ دوم خاندان حیرہ کی ایک نہایت سخت لڑائی عمالیق سے ہوئی تہی جسمیں عمالیق نے شکست فاش کہائی تہی اور یہ واقعہ سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر ہوا تھا۔

بہرحال ہمکو تعمیر عمالیقی سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہمکو تو تعمیر جرہمی سے علاقہ ہے اور وہی ہمارا موضوع بحث ہے ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح غلاف کعبہ کے متعلق اسکی ایجاد و اولیت کا شبہ سعد ابن تبع حمیری کیطرف ہوا ہے۔ حالانکہ روایت مندرجہ بالا اور دیگر قرائن و دلائل قویہ سے اوس کی اولیت حضرت اسمٰعیل کی زوجہ مطہرہ کی نسبت ثابت کی گئی۔ جو جرہمی الاصل تہیں۔ اوسی طرح ہمارے قدیم مورخین کو سقف کعبہ کی اولیت کی اصل حقیقت نہیں معلوم ہوسکی اور اونہوں نے قصی بن کلاب کو جو بقول سر سید جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیتہ سے کل دوسو برس پہلے تھے کعبہ کا پہلے پہل مسقف اور دیگر مراسم و مناسک حج وغیرہ کا مقرر کرنیوالا بتلایا ہے۔ حالانکہ وہی حضرات۔ باستثنا سقف کعبہ۔ نذر۔ ہدی اور رفادہ وغیرہ شعارات کعبہ کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے زمانہ کے مرسوم و دستور لکھتے اور بتلاتے آتے ہیں جیساکہ ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا اور تسلیم کرلینا کتنا قریب العقل بلکہ صحیح ہوجائیگا کہ اس واقعہ میں بہی اصل حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے متقدمین نے سقف اسمٰعیلی کے جزوی حالات تعمیر جرہمی کے واقعات کلی کے ساتھ ضم کرکے دونوں کو ایک سمجھہ لیا ہے۔ اور یہ بہی ممکن ہے کہ سقف کعبہ پر کیا منحصر ہے پوری عمارت کعبہ سیلاب آب کے باعث سے جرہمیوں کے عہد میں گرگئی ہو۔ جیساکہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے۔ بنی جرہم نے پھر از سر نو اوسکو مع سقف کے اوٹھایا ہو۔

سید صاحب کا یہ بیان کہ چار دیواری کے اندر ایک گڈھا اس غرض سے کھودا تھا اور اوسمیں نذر کعبہ کے رقوم اس لحاظ سے رکھے جاتے تھے کہ چوری سے محفوظ رہیں۔ صاف صاف اوس عمارت کے مسقف کرنے کی ضرورت کو بتلا رہا ہے۔ ورنہ محض چار دیواری کھڑی کرکے۔ مالی رقوم کو اگرچہ ایک گڈھے ہی میں کیوں نہو

چھوڑ دینا اور پھر اوس کے چوری سے محفوظ رہنے کا خیال بھی ساتھ ساتھ رکھنا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نہ کوئی عقل والا اسے قبول کر سکتا ہے۔ یہ قرینہ بتلا رہا ہے کہ وہ عمارت اوسی وقت یا اسکے بہت بہت قریب زمانہ میں چھت پاٹ کر محفوظ کر دیگئی ہوگی۔

اب رہا سید صاحب کا یہ عذر کہ اوسوقت کا موجودہ تمدن ایسا ہی تھا جیسا کہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں دیواریں دیواریں تھیں۔ چھت نہیں تھی۔ دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا۔ اسمیں کواڑ چڑھے تھے نہ کنڈی لگی تھی۔ اور بلاشبہ اوس زمانہ کی حالت ہی ایسی تھی کہ اس سے زیادہ تعمیر مکان میں۔ گو وہ خدا ہی کیلئے گھر بنایا گیا ہو۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔" بالکل خلاف واقع ہے۔ اوسوقت عرب کا تمدن یقینی اس سے کہیں زیادہ تھا۔ ہم اوسوقت کے تمدن کو پوری تفصیل سے سید صاحب کے ہمعصر و ہمنوا شبلی صاحب کے اسی اعتراض کے متعلق اوپر لکھ آئے ہیں جس سے پوری طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے زمانہ میں خصوصاً حجاز کے اہل عرب کا تمدن۔ اگرچہ یمن کے تمدن کے برابر نہیں تھا تاہم وہ اتنا پیچھے اور خراب حالت میں بھی نہیں تھا۔ جیسا کہ ان حضرات نے صرف اپنے قیاس کی بنا پر خیال کر لیا ہے۔ حالانکہ یوروپین محققین جو انکی تحقیقات کے سرمایہ ناز ہیں۔ ان کے خلاف اوسوقت میں عربوں کے متمدن قوم ہونے کا اعتراف ظاہر کرتے ہیں (دیکھو تمدن عرب)

ان دلائل و قرائن کے علاوہ اگر زمانہ کے اعتبار سے بھی اسکی اولیت پر غور کیا جاوے تاہم یہ واقعہ صحیح اور برواقع مانا جاتا ہے۔ تمام تاریخوں کا اسپر اتفاق ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ کا سن سو برس کا تھا۔ سعدیہ نے حضرت ابراہیمؑ کا سن وفات کے وقت ایکسو پچھتر (۱۷۵) برس کا بتلایا ہے۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر وہ تیس برس کی بتلاتے ہیں وفات ابراہیمی کے وقت اونکا سن (۸۹) نواسی برس کا لکھتے ہیں اور مجموع عمر آپ کی بالاتفاق ایکسو پچاس (۱۵۰) برس کی بتلائی جاتی ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر) اس حساب سے حضرت اسمٰعیل اپنے والد ماجد کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے۔ اس بنا پر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں عمارت کعبہ مسقف نہیں ہوئی تھی تو جناب اسمٰعیل کے شصت سالہ مدت میں جیسا کہ روایت مندرجہ سے مستفاد ہوتا ہے۔ اوسکو مسقف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے اپنے زمانہ میں عمارت کی موجودہ ضرورت کو کامل فرما دیا۔

یہ تمام واقعات۔ یہ تمام قرائن اور یہ تمام دلائل۔ جو اوپر لکھے گئے ہیں۔ مرقومہ بالا روایت کی کامل تصدیق و توثیق کرتے ہیں اور صاف صاف بتلاتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کے زمانہ میں کعبہ کا مسقف کر دیا جانا کبھی خلاف واقع اور بلاسند نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اس روایت کی دیگر خدمات کعبہ کی تفصیل قدیم اور جدید

محققین اوسی زمانہ کی ایجاد تسلیم کررہے ہیں۔

اب رہا یہ شبہ اور اوسکا جواب کہ قدیم محدثین و مورخین عرب نے اس روایت کو کیوں نظر انداز کیا۔ تو اسکا نہایت واضح اور صاف صاف باعث اصلی یہی ہے کہ اس روایت کے رُواۃ اور اس کے تمام ماخذوں پر شروع ہی سے اہل اسلام نے نہ اعتبار رکھا اور نہ کوئی علاقہ اور نہ سروکار۔ حالانکہ اھل البیت ادری بما فی البیت (گھر والے اپنے گھر کی اندرونی حالت جانتے ہیں) کے مسلمہ کی بنا پر ان مقدسین سے زیادہ ان امور کا جاننے والا تمام ملک عرب میں اور کون ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سلسلۂ ابراہیمی اور خانوادۂ اسماعیلی ہیں۔ یہی وہ نفوس برگزیدہ ہیں جن پر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک اہل البیت کا الہامی اور روحانی خطاب اپنے حقیقی معنیوں کے ساتھ صادق اور مطابق آتا ہے جس طرح پہلے پہلے یہ خطاب خاصکر آل ابراہیم کے لئے الہام خداوندی اور احکام ایزدی کے مطابق مستعمل ہوا تھا اور اسی باہمی مشابہت و مماثلت کے ثبوت میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اہل اسلام کو تعلیم درود کی ترکیب میں یہ کلمات تلقین فرمائے تھے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

تولیت خانۂ کعبہ　خانۂ کعبہ زاد اللہ شرفہا کے متعلق مندرجہ بالا خدمات کے علاوہ ایک عظیم الشان اور عظیم المرتبت خدمت اس معبد مقدسہ اور غلبۂ مطہرہ کی تولیت تھی۔ اور جسکا جلیل القدر عہدہ اور گرانمایہ منصب منجانب اللہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم اور اون کے بعد لقباً عدہً تو ریثاً حضرت اسماعیل کو تفویض فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس معبد شرفہ کو خدا نے بیت (اوّل بیت وضع للناس) کے نام سے موسوم کیا ہے اسی رعایت سے اسکے محافظین اور متولیین کو اھل البیت کے القاب مخصوص اور خطاب منصوص سے مخاطب فرمایا۔ اور اوسوقت سے لیکر اسوقت تک ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں ان حضرات کی تکریم عظمت اور تعظیم تسلیم کی گئی۔ اور یہ وہی وعدۂ الٰہی ہے اور بشارت خلیل اللہی جو نسل حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کے متعلق خداوند عالم نے ان حضرات کی ہجرت فرمانے کے وقت حضرت ابراہیم سے کیا تھا۔ اور جو متواتر مقامات پر کتب قدیمہ اور نیز قرآن مجید میں موجود ہے۔

تولیت کعبہ کا مسئلہ بہت بڑا قدیم اور عظیم مسئلہ ہے۔ جو نہ تنہا مذہب اسلام میں عظمت و احترام سے دیکھا جاتا ہے بلکہ تمام ادیان و مذاہب قدیمہ میں اسکی تکریم و تعظیم کا ہمیشہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ تولیت کے جلیل القدر منصب کی تفویض بھی تجویز انسانی کے متعلق نہیں ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ قطعی طور پر تجویز و تائید مشیت ربانی پر منحصر ہے۔ جن لوگوں کو مذاہب سابقہ کے اخبار و آثار کے مطالعہ کی توفیق ہوئی ہے وہ مسئلہ تولیت کی اہمیت اور اس کی اصلی حقیقت سے خوب واقف ہیں۔

مشاہدہ تاریخی اور کتب سماویہ کے متواتر اخبار و آثار صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ کعبہ مشرفہ اور اوسکے بعد کے اور عبادات مطہرہ کی تولیت اور خدمت کا عہدہ جلیلہ امم سابقہ میں بڑی عظمت و حرمت سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ہر زمانے اور ہر امت میں اسکا تعین اور تقرر منجانب اللہ ہوتا تھا۔

تولیت کعبہ کی خاص عظمت کی تفصیل سے تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر کے ہم اسکے بعد والے معبد اعظم بیت المقدس اور اوسکی تولیت کے احترام و اکرام کو بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بیت المقدس کی بنا، کعبہ ابراہیمی سے تقریباً دو ہزار برس بعد حضرت داؤد کے زمانہ نبوت و امارت میں قائم ہوئی۔ اور تکمیل تعمیرات کے وصی و وارث حضرت سلیمان عہد حکومت و رسالت میں ہوگئی۔ اور پھر اوسوقت سے لیکر بخت نصر کی غارتگری کے وقت تک ہمیشہ اور برابر ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کے بعد تولیت بیت المقدس کے گرانمایہ منصب پر ممتاز ہوتا چلا آیا۔ اور وہی اسکا محافظ بھی تھا۔ اور وہی اسکا ملازم و خادم بھی۔ اسفار توراۃ کے مطالعہ سے حضرت عیسیٰ تک یہ سلسلہ مسلسل اور مکمل ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ولادت حضرت مسیح کے زمانے میں حضرت ذکریا کی تولیت تھی۔ وکفلہا ذکریا شاہد ہے یہ ایسے واقعات مسلم ہیں اور تاریخی مشاہدات محکم اور مشہور ربین الجمہور کہ ان کی تصدیق و توثیق کے لئے ہمکو کسی ثبوت یا شہود پیش کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اوس زمانہ میں خانوادہ نبوت و رسالت میں ایک ایسا ستودہ صفات بزرگ اس منصب اعلیٰ کیلئے منجانب خدا انتخاب کیا جاتا تھا جو اوصاف رسالت و نبوت سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوا کرتا تھا۔ دستور الٰہی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ منصب اور خدمت بھی جزو رسالت و امامت قرار پا جاتی ہے اور اسکے لئے مشیت ایزدی اونھیں چیدہ افراد اور برگزیدہ اشخاص کو منتخب کرتی ہے۔ جو اوسکے نزدیک اس جلیل القدر اور مہتم بالشان خدمت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بیت المقدس کی تولیت کی عظمت و شان کو بیان کر کے ہم جناب موسیٰ ابن عمران اور اون کے وقت کے معبد قبۃ الزمان۔ اوس کی تولیت اور خدمت کے خاص احترام و اہتمام کو اپنے سلسلہ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

جن لوگوں نے توریت کے کتاب الاعمال کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ وہ قبۃ الزمان کی حقیقت سے خوب واقف ہوں گے۔ قبۃ الزمان حضرت موسیٰ کی اوس عبادتگاہ اور قربان گاہ کا نام ہے جو آپ نے دوران سفر میں عبادت الٰہی بجا لانے کیلئے بنا فرمائی تھی۔ یہ اصل میں ایک خیمہ نہایت وسیع اور تمام قوم کے خیموں سے رفیع تھا ہمیشہ سفر میں ساتھ رہتا تھا۔ اور منزل پر جہاں تمام قوم کے خیمے ڈیرے کھڑے کیے جاتے تھے وہاں یہ خیمہ مقدس ایک اچھی اور پاک و پاکیزہ جگہ پر نصب کیا جاتا تھا۔ اس میں شریعت موسوی کی قرارداد تمام اشیا اور سامان عبادت بڑے سلیقے اور قرینے سے رکھے جاتے تھے اور اسکی زیب و زیبائش اور حسن و آرائش بھی بڑی عقیدت

اور ادب سے کیجاتی تھی۔ اس میں سونے اور چاندی کی متعدد شمعیں۔ طلائی اور نقرئی بڑے بڑے کاسے اور طرح طرح کے خوشبودان اور دیگر قیمتی اور بیش بہا ظروف اپنے اپنے مقامات مقررہ پر سجے ہوئے تھے بنی اسرائیل کے تمام اقوام وقبائل یہیں آکر خدا کی عبادت اور اوسکے مراسم بجا لایا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت موسیٰ کو قوم عمالقہ اور قبطیین سے زمانہ دراز تک جنگ کرنی پڑی اور اس ضرورت سے سالہا سال سفر میں رہنا ہوا۔ اس لئے اس عبادت گاہ کی بنا قایم کی گئی اور ایک خیمہ مراسم عبادت بجا لانے کی غرض سے علیحدہ کر دیا گیا اور اوسکا نام قبۃ الزمان رکھا گیا۔ اس معبد کی خدمت اور تولیت کیلئے اولاد ہارون ہم مخصوص کر دی گئی۔ عبادت نذر اور قربانی کے تمام مراسم وارکان کی بجاآوری اور انجام دہی خاص طور پر انہیں حضرات سے متعلق کر دی گئی۔ اور اون کی اس تخصیص میں کسی طریقہ یا ذریعہ سے کسی شائبہ تعمیم کی کوئی مداخلت جائز نہیں رکھی گئی۔ (سفر اخبار باب ۱۶)

قبۃ الزمان کے سب یا اکثر سامان عبادت اور صندوق الواح وغیرہ یہی چیزیں تھیں جو اولاد ہارون اور دیگر بنی لاویوں سے حاصل کر کے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بیت المقدس کے معبد میں سابق ترتیب اور ترکیب کے مطابق رکھیں تھیں۔

ہم نے معبد ابراہیمی کے بعد معبدوں کی تولیت اور اونکی خصوصیت کو یہاں اسوجہ سے لکھدیا ہے کہ اس جلیل القدر منصب کا تعین انتخاب قدرت پر منحصر ہونا پہلے ہی سے یقین کر لیا جاوے۔ نہ جناب ابراہیمؑ کی محبت اولاد پر جسکا ثبوت ذیل کے آیہ قرانی سے پورے طور پر ملتا ہے۔

واذ ابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن قال انى جاعلك للناس اماما قال ومن ذريتى قال لاينال عهدى الظالمين۔

جب ابراہیم کو اونکے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور اون میں اونکو پورا پایا تو خدا نے فرمایا کہ ہم تمکو لوگوں کا امام بنانیوالے ہیں۔ عرض کی۔ اور میری اولاد میں سے ؟ ارشاد ہوا (ہاں مگر) ہمارے (اس) اقرار میں وہ داخل نہیں جو برسر ناحق ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ عوام الناس کو چھوڑ کر سلسلہ ابراہیمی کے خواص میں بھی علی الاکثر ایسے حضرات ہیں جن میں تولیت اور دیگر خدمت معبد الہی کی۔ جو اصل امامت کے فروع ہیں۔ صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے اور اسی لئے خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کی اس دعا و مدعا کو بطور تعمیم مستجاب نہیں فرمایا اور اوس میں تخصیص کی ترمیم کر دی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب عام حضرات میں پیشوائی امت اور منصب امامت کی صلاحیت موجود نہوگی تو وہ عبادت الہی اور دیگر اوامر و مناہی دینیات کی تعلیم وتلقین کیسے پوری کر سکیں گے۔ اسمیں شک نہیں کہ حضرت ابراہیم نے اس منصب کو اپنی اولاد کے ساتھ محدود و مخصوص کرنا چاہا تھا۔ اور یہ اصول فطرت کے بالکل مطابق ہے۔ مگر مشیت نے اس تخصیص کو بھی اون کے عام سلسلہ میں عام کر دینا مصلحت کے خلاف

پایا۔ اور اس میں بھی اپنے انتخاب و تعین کی قید لگادی۔ اور یہی اصول خانہ کعبہ کی آغاز تولیت سے لیکر ما بعد کے معبدوں کی تعیین تولیت اور انتخاب امام و امامت کے متعلق مشیت الٰہی کی طرف سے ہمیشہ قایم رہے
ابھی ابھی قبلۂ زمان اور بیت المقدس کے خدمات کے متعلق لکھکر بتلادیا گیا ہے کہ اس عہدۂ جلیلہ کی انجام دہی میں تعلیم و ہدایت امت بھی خاص طور پر شامل تھی اور تمام لوگوں کی عبادت، عملیات اور اوامر و مناہی کی خبرگیری داخل۔ اسلئے اسکی ذمہ داری اور ادا کاری کی بھی انھیں نفوس مخصوص سے خاص طور پر متعلق کیگئی۔ جو امام اور پیشوا لے امت ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ خانوادۂ ابراہیمی سے لیکر آل ہارون۔ آل داؤد اور آل عمران تک ان تمام مبارک سلسلوں میں تولیت کعبہ کی عظیم الشان خدمت انھیں خاص بزرگواروں کے متعلق کردی گئی جو امت کے امام و پیشوا اور عوام الناس کے رہنما بننے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔

اسلام نے بھی اس منصب گرامنمایہ کے حفظان مراتب کا شرع سے لحاظ رکھا۔ بلکہ اگر زیادہ تحقیق و غور سے دیکھا جاوے تو اسکی قدر و منزلت میں شریعت سابقہ سے زیادہ اضافہ کیا۔ اگرچہ ان برگزیدہ اور پسندیدہ حضرات کے ناموں میں اپنی طرف سے کوئی نوعیت اور تبدیلی نہیں کیگئی اور اہلبیت کے مبارک و مقدس القاب جیسا کہ زمانہ ابراہیمی میں مخاطب کئے جاتے تھے۔ اوسی القاب خطاب ہی سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام نے بھی ان حضرات کو ملقب اور مخاطب فرمایا۔ اور کتب قدیمہ کے اصول بشارت کے مطابق۔ الہام و احکام قرآنی نے بھی ان مقدسین کے فضائل و مراتب سے تمام اہل اسلام اور کافہ انام کو واقف و مطلع فرماکر انکی نسبت تعلیم و ارشاد ابراہیمی کو از سر نو زندہ کردیا۔ انھیں احکام ربانی کی تعمیل و اجرا میں بانی اسلام علیہ السلام نے یہاں تک اصرار فرمایا کہ ان برگزیدگان الٰہی کے ساتھ محبت و مودت رکھنے کو اپنی تبلیغ رسالت کا اجر و معاوضہ قرار فرمادیا

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ	میں تم سے اجر تبلیغ رسالت کچھ نہیں مانگتا بجز اسکے کہ تم میری اقربا کے ساتھ محبت رکھو۔

اللھم صل و بارک علیٰ محمد و آل محمد کما صلیت و بارکت علیٰ ابراھیم و آل ابراھیم انک حمید مجید۔

انہیں شاہد تاریخی سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جسطرح عہدۂ جلیلہ امامت آپکے اہلبیت کے ساتھ مخصوص و منصوص تھا۔ اوسی طرح امامت کے متعلق تمام جزوی اور کلی خدمات بھی انہیں حضرات سے مخصوص تعلق رکھتے تھے۔ اور منصب امامت کے متعلق جیساکہ ہم اوپر اپنے سلسلہ بیانمیں ثابت کرآئے ہیں تولیت کعبہ کی خدمت بھی اسی جلیل القدر عہدہ کا جزو ضروری تھی۔ مگر جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد آپکے اہلبیت طاہرین سے جہاں تمام اختیارات و حقوق منتزع کرلئے گئے اونھیں کے ساتھ یہ حقوق اور منصب بھی ضبط ہوگئے اور تخت سلطنت کے پایہ کے نیچے دبادئے گئے۔

حجرالاسود۔ اسلامی کتابوں میں صحاح وسنن سے تاریخ وسیر تک کی تمام مشہور و معروف کتابوں میں اس حجر مقدس کی قدامت اور عظمت کی نسبت انواع واقسام کے روایات قلمبند ہیں۔ جو شاہد تاریخی میں اگرنہ داخل ہوسکیں تو عقائد اسلامی میں شامل ہونے کے تو ضرور قابل ہیں۔

مرویات اسلامی اور روایات عرب عموماً اس پتھر کا حضرت آدم کے ساتھ نزول من اللہ ہونا بتلاتے ہیں۔ جدید محققین منہ آتے ہیں اور اسکو متقدمین کی قدامت پرستی ٹھہراتے ہیں۔ مگر مسٹر برٹن (Mr. BURTON) اپنے مشاہدات میں اتنا ضرور بتلاتے ہیں کہ اس پتھر کے اجزا معمولی حجریت سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ اسمیں شہاب ثاقب کے ایسے اجزا ترکیبی پائے جاتے ہیں۔ برٹنس گولڈ مائن آف مدنیان (BURTON'S GOLD MINES) اب جدید محققین خود تصفیہ فرمالیں کہ شہاب ثاقب یا دیگر اجرام فلکی کا حرکت ثقلی کے ذریعہ سے آسمان سے زمین پر نازل ہونا ثابت ہے کہ نہیں۔

تاریخی حیثیت سے اس مقدس پتھر کی عظمت وحرمت یہانتک ثابت ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت اسی پتھر کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم نے استادہ ہوکر کعبہ کی اونچی دیواروں کا کام پورا فرمایا تھا۔ اور اختتام تعمیر کے بعد پھر اپنے مبارک ہاتھ سے اسکو دیوار کعبہ میں نصب فرمادیا۔ اہل اسلام آجتک اسکے استیلام کو ارکان حج میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور اسکا یہ احترام حقیقتاً اس شعر کا پورا مصداق معلوم ہوتا ہے ؎

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کے تمام متعلقات کو کافی اور کامل تفصیل سے بیان کرکے ہم اپنے آیندہ سلسلہ بیان میں حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے حالات اور انکی سکونت کے مختلف مقامات کو بیان کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے

حضرت اسماعیل کے بارہ (۱۲) بیٹے اور اونکے نام یہ ہیں۔
نبایوت[1]۔ قیدار[2]۔ ادبئیل[3]۔ مبسام[4]۔ مشماع[5]۔ دوماہ[6]۔ مسا[7]۔ تیما[8]۔ یطور[9]۔ نافیش[10]۔ قیدماہ[11]۔ حدر[12]۔

ان میں سب سے بڑے بیٹے نبایوط اور ان سے چھوٹے قیدار تھے۔ اور یہی دونوں آیندہ تاریخ عرب میں سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے اور چچازاد بھائی کے بیٹوں یعنی فرزندان مدین کے ساتھ ملکر یمن و حجاز سے شام و مصر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور دیگر عرب تاجروں کیطرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔ (تکوین باب ۳۷ آیت ۲۶)

خوشبو کی چیزیں یمن سے حجاز کی راہ سے مصر و شام کو جاتی تھیں۔ شام اور یمن کے بیچ میں درمیانی منزل شہر مکہ تھا۔ اسلئے بنو اسمٰعیل تجارت میں بہت جلد فروغ حاصل کر سکے ہوں گے۔ بنو اسرائیل اسماعیلیوں کو کبھی اسماعیلی اور کبھی ان کی نسبت سے ہاجری کہتے ہیں۔ اور توراۃ میں انہیں ناموں سے انکا ذکر ہے۔ بنو اسماعیل کا توراۃ میں سب سے پہلے حضرات ابراہیم کے پوتے یعقوبؑ کے زمانے میں (تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م) تجارت کی حیثیت سے نام آیا ہے۔ حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف کو بھائیوں نے ایک کنوئیں میں ڈالدیا تھا اتفاقاً ایک کاروان کا گذر ہوا جس نے یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا۔ اور مصر میں ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ یہ کاروان اسمٰعیلی اور مدیانی تھے۔ تاریخ میں تجارت کا یہ سب سے پہلا قافلہ نظر آتا ہے۔ (تکوین باب ۳۷)

حضرت موسیٰ کے عہد میں (تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م) بنی اسماعیل تمام حجاز میں یمن (حویلہ) سے شام (اشور) تک پھیل گئے تھے۔ (تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸) حضرت موسیٰ کے بعد قضاۃ بنی اسرائیل کے زمانہ میں (تقریباً سنہ ۱۳۰۰ ق م) وہ عمالیق و مدین کے پہلو بہ پہلو بیابانہ جوہر کے ساتھ بنی اسمٰعیل پر چھاپہ مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سات برس کامل تک متصل بنی اسرائیل اسماعیلیوں کے پنجہ میں گرفتار رہے۔ سال میں جب فصل تیار ہوتی۔ اسماعیلی برق و باد کی طرح آتے اور سب کاٹ کر لیجاتے۔ آٹھویں برس بنی اسرائیل میں جدعون نامی ایک پہلوان پیدا ہوا اوس نے اسماعیلیوں کو شکست فاش پہونچائی۔ (قضاۃ ۶-۷-۸)

اس زمانہ میں بنی اسمٰعیل کا نہایت دولتمند قوموں میں شمار تھا۔ کانوں میں مرد سونے کے زیور پہنتے تھے۔ اونٹوں کے گلے میں سونے کے قلادے ڈالتے تھے۔ اس جنگ میں بنی اسرائیل کو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اُس میں صرف کان کے زیوروں کے سونے کا وزن سترہ سو (۱۷۰۰) مثقال تھا۔ (قضاۃ باب ۸ آیت ۲۶)

شاؤل (طالوت) کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۰۵۰ ق م) بنو اسمٰعیل حجاز سے نکلکر بادیہ شام اور بادیہ عراق میں پھیل گئے تھے۔ عموماً مورخین عرب کا بیان ہے کہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو نجد و حدود عراق و غیرہ ممالک میں پھیل گئی (معارف ابن قتیبہ و سیرت ابن ہشام) اس کی تائید روایات یہود سے بھی ہوتی ہے اسی زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک ٹکڑا بھی نہر فرات کے قریب بادیہ عراق میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ آخر بنو ہاجرہ سے سامنا ہوگیا۔ بنی اسرائیل نے لڑکر بنو ہاجرہ کو نکال دیا۔ اور اون کے خیموں میں جاکر خود آباد ہوگئے (ایام باب ۵ آیت ۱۰)

اس واقعہ کے چالیس (۴۰) برس بعد بنو اسمٰعیل (بنو ہاجرہ) شمالی عرب و حدود شام کے قبائل سے متحد ہوکر حضرت داودؑ کے عہد میں (غالباً سنہ ۱۰۰۰ ق م) بنی اسرائیل پر حملہ کی تیاریاں اور مشورے کر رہے ہیں (زبور باب ۸۳ آیت ۶ و ۷) سنہ ۷۴۰ ق م میں جلعاد اور حدود شام میں جنگ آزما اسرائیلی دوبارہ بنو ہاجرہ سے برسر مقابلہ ہوتے

ہیں اور اونکو شکست دیتے ہیں۔ مال غنیمت میں اونکو پچاس ہزار اونٹ ڈہائی لاکھ بھیڑ، دو ہزار گدہے اور ایک لاکھ قیدی ہاتھ آتے۔ (۲-ایام باب ۵ آیت ۲۰-۲۱) اسکے بعد سنہ ۶۰۰ ق م میں وہ زمانہ آتا ہے جب بنو خذ نادر (بخت نصر) آندہی کی طرح اسیریا سے اوٹھتا ہے اور تمام شام و عرب کی خاک اوڑا دیتا ہے۔

اور پہر ہمیشہ کے لئے بنو اسرائیل اور آل اسماعیل کی فیاضانہ حوصلہ مندیوں پر پردہ پڑجاتا ہے۔ یہ بنو اسمٰعیل کی اجتماعی تاریخ تہی۔ اب تفرق و انتشار کے بعد ہر ایک کی اولاد اور نسل کی تاریخ کے متعلق ہمکو جو کچھ معلوم ہے علیحدہ علیحدہ بہ ترتیب اہمیت و امتیاز لکہتے ہیں۔

(ملخص از کتاب ارض القرآن جلد دوم ص ۵۷-۵۸)

(۱) نبیاہم ابن اسمٰعیل انکے اور اونکے خاندان کے متعلق کوئی حالات نہیں معلوم ہوتے۔ محققین یورپ بہی تلاش و فکر سے تہک گئے۔ ریورنڈ مسٹر فارسٹر (Rev.d Mr. Forestor) لکہتے ہیں۔ اس اسماعیلی شخص کے نام و نسل کے آثار بہ نسبت اسکے اور بہائیوں کے کمتر اور بالکل ضعیف ہیں۔ پورا نام نہ قدیم جغرافیہ عرب میں ملتا ہے اور نہ جدید جغرافیہ میں۔ (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ا ص ۶۸)

(۲) اوبائیل ابن اسمٰعیل عرب مورخین کو اسکے متعلق کوئی واقفیت نہیں۔ توراۃ میں اسکا کہیں ذکر نہیں ہے۔ فارسٹر کا بیان ہے کہ یہودی مورخ یوسیفوس نے لکہا ہے کہ یہ اسماعیلی آبادیوں۔ یعنی (نیل و فرات) کے درمیان یہ خاندان آباد تہا۔ (جغرافیہ عرب ج ا ص ۲۷۴)

(۳) مشماع ابن اسمٰعیل عبرانی اسکو مشماع لکہتے ہیں۔ یونانی ترجمہ توریت میں مسما لکہتا ہے یوسیفوس نے مسماؤس لکہا ہے اور بطلیموس نے مسمانیس قرار دیا ہے۔ عرب اسکی اولاد کو بنی مسما کہتے ہیں۔ اور یہ امر محقق ہے کہ یہ قبیلہ نجد کے قریب آباد تہا۔ (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ا ص ۲۸۵)

(۴) مسا ابن اسمٰعیل یونانی اور عرب جغرافیہ نویسوں کی شہادت کی بنا پر حدود عراق میں اس خاندان کے آثار نظر آتے ہیں پلینی (رومن مورخ) نے مسیا (Misaie) اور بطلیموس نے میسانی (Masani) کے نام سے ان اطراف میں بعض قبایل کا ذکر کیا ہے۔ (فارسٹر ج ا ص ۲۸۵)

عرب جغرافیہ نویسوں میں سے زکریا قزوینی۔ مشان نام ایک مختصر آبادی کا یہیں پتہ دیتا ہے۔ (آثار البلاد قزوینی ص ۳۰۶) یاقوت حموی اسی مقام پر واسط و بصرہ کے مابین۔ میسان نام ایک شہر کا ذکر کرتا ہے۔ یہودی اس شہر کا نہایت احترام کرتے ہیں اور اسی کو حضرت عزیز علیہ السلام کا مدفن قرار دیتے ہیں۔ عہد اسلام میں بہی زیادہ تر یہاں یہودیوں کی آبادی تہی۔ (معجم البلدان ج ۸ ص ۲۲۴ مصر) سفر ایام نے جن بنو ہاجرہ کا بادیہ عراق میں ذکر کیا ہے شاید وہ

یہی خاندان ہو۔ (۲ ایام باب ۵ آیت ۱۲)

مسا کے متعلق سید صاحب خطبات میں تحریر کرتے ہیں کہ مسٹر فارسٹر نے غلطی سے ان کی سکونت عرب کے عصہ المجزائر میں بتلائی ہے۔ حالانکہ حقیقتاً یہ اور ان کی اولاد علاقہ یمن میں جاکر آباد ہوئی اور یمن کا مشہور و معروف مقام موسا انہیں کے آثار قدیمہ کا یادگار ہے۔ لیکن اسانید متذکرہ بالا کے رو سے تو مسٹر فارسٹر صاحب نے نہیں غلطی کی ہے۔ بلکہ سید صاحب کو خود دھوکا ہو گیا ہے۔

(۵) حدر یا حدد ابن اسمٰعیل سفر تکوین میں اس کا املا حدر اور سفر ایام میں حدد ہے۔ حدر کے آثار عرب میں متعدد جگہ پائے جاتے ہیں تیما کے پاس حدد نام ایک پہاڑی ہے نجد میں بھی ایک قطعہ زمین کا نام حدد ہے (معجم البلدان ج ۳ ص ۲۲۲) جوہری عرب کے ایک قبیلہ کا نام بھی حدد بتلاتا ہے۔ نیوبہر (NIEUBUHR) انیسویں صدی کا ایک یورپین سیاح عرب۔ شہر حدیدہ واقع یمن کو بھی اسی حدد سے متعلق سمجھتا ہے لیکن مشرقی نگاہ میں حدد اور حدیدہ میں نہایت عظیم فرق ہے۔ لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ عربی مورخ، زبیری اور مسٹر فارسٹر دونوں اس قول پر متفق ہیں کہ شہر حدیدہ آج تک ادنھیں کی یادگار رہی۔ (خطبات احمدیہ)

(۶) یطور ابن اسماعیل یطور ساؤل کے زمانے میں (سنہ ۱۰۵۰ ق م) حدود شام کے صوبہ حوران میں نظر آتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی جماعت سے برسر پیکار ہوتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں (سفر ایام باب ۵ آیت ۱۲) لیکن یونانی جغرافیہ نویس اسٹرابو (سنہ ۲۴ ق م) تک ان کی یاد قائم رہتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

وہ تمام سلسلہ کوہ جو لبنان اور بصرے کے درمیان نظر آتا ہے عربوں سے اور یطوریوں سے آباد تھا

(فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰)

یونانی میں یطور جیطور ہو گیا ہے۔ اس بنا پر برکھارڈ (BURKHARD) ایک یورپین سیاح شام کے شہر جدور کو اسی جیطور سے نسبت دیتا ہے (فارسٹر ج ۱ ص ۲۱۰) یہ شہر مشرقی جغرافیہ نویسوں سے بھی مخفی نہیں۔ (معجم البلدان ج ۳ ص ۷۷) لیکن اگر جدور ہی کو یطور کا مسکن قرار دینا ہے تو یہی نام ہمکو حجاز میں مدینہ منورہ سے چند میل کی مسافت پر نظر آتا ہے لیکن ایک عام فہم مشرقی بھی جانتا ہے کہ یطور کی شکل کسی صورت میں جدور نہیں ہو سکتی۔

(۷) یافیش ابن اسماعیل سفر ایام ثانی باب ۵ آیت ۱۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ یطور کے ساتھ یہ خاندان بھی حوران ہی میں آباد تھا اور بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک تھا۔

(۸) دوماہ ابن اسمٰعیل - اس خاندان کا مسکن اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ دومۃ الجندل شمالی عرب

ہیں مدینہ و شام کے درمیان ایک مشہور مقام ہے عرب جغرافیہ نویسوں نے تصریح کی ہے کہ دومۃ الجندل اسی دوما کیطرف منسوب ہے۔ پچھلے زمانہ میں یہاں نصاریٰ آباد تھے۔ (معجم ج ۴ ص ۱۰۶)

(۹) یطور ابن اسمٰعیل حدود عرب و شام میں اس خاندان کے انتساب سے ایک قدیم آبادی ہے یوشع نبیؑ کے زمانہ میں اس خاندان کو کسی قدر فوجی اہمیت حاصل تھی (سفر ایوب ۵-۱۹) میں یطور کے سواروں کا ذکر ہے۔ اشعیاہ نبیؑ نے بھی (دمشق میں) سرزمین یطور کا نام لیا ہے (۲۱-۱۴) زمانہ اسلام میں یہاں یہود آباد تھے۔

(۱۰) قیدماہ ابن اسمٰعیل فارسٹر صاحب نے قیدماہ کو کاظمہ (واقع خلیج فارس) کا مرادف سمجھا ہے اور اس لئے اوسکو خلیج فارس پر جگہ دیتے ہیں کاظمہ یقیناً انگریزی لب لہجہ میں "کیڈما" ہو جائیگا لیکن ہر مشرقی لب و لہجہ کا واقفکار اس پر ہنس دیگا کہ قیدماہ اور کاظمہ ایک چیز ہے۔ قرآن مجید میں ایک قبیلہ کا نام اصحاب الرس مذکور ہے بعض مورخین کا بیان ہے کہ قیدماہ ہی کا نام اصحاب الرس تھا ہمارے ہاں مفسرین اصحاب الرس کی تعیین میں نہایت مشکوک الرائے ہیں۔ امام طبری نے ارباب روایت کی تین رائیں نقل کی ہیں۔

(۱) رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ ایک امت نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں ڈالدیا تھا۔ اس لئے اوسکو اصحاب الرس کہتے ہیں۔

(۲) رس ملک اذربائیجان کے پار ایک آبادی کا نام ہے (شاید روس سے مقصد ہو)

(۳) رس غار کو کہتے ہیں اور اس سے مراد اصحاب الاخدود ہیں۔

لیکن مورخ مسعودی بلا تزلزل رائے لکھتے ہیں۔

اصحاب الرس کانوا من ولد اسمٰعیل وهم قبیلتان یقال لاحدهما قدمان وللاخری یامین و قیل دعویل وذلک بالیمن (مروج الذهب)

اصحاب الرس بنو اسمٰعیلؑ تھے۔ اور اونکے دو قبیلے تھے۔ ایک قدمان کہلاتا تھا اور دوسرا یامین بعضوں نے اسکو دعویل بھی لکھا ہے۔ اور یہ یمن میں تھے۔

قیدمان قیدماہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اصحاب الرس کا اسکے علاوہ کوئی اور حال نہیں معلوم۔ قرآن مجید نے دو مقام پر اصحاب الرس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کوئی حال بیان نہیں کیا۔ صرف گنہگار قوموں کی فہرست میں ان کا نام آیا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ (فرقان)

عاد۔ ثمود اور اصحاب الرس کو

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ

انسے پہلے نوح کی قوم۔ اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا

اصحاب الرس کا بنو اسمٰعیل ہونا ثابت ہوگیا اور اسی کے ساتھ انکا امت مذموم ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ ان اسناد و شہادت سے ہمارے اوس استدلال کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے جس کو ہم ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں آپ کی اوس دعا کے متعلق لکھ آئے ہیں کہ اونکی تمام اولاد و ذریات میں امامت اور پیشوائی امت کا منصب تفویض فرمایا جاوے جس کے جواب میں خداوند عالم نے وَاللّٰہُ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ ارشاد فرماکر اہل، نااہل، عادل اور ظالم کی تفریق و تخصیص ظاہر فرما دی۔ اور حضرت ابراہیم پر حقیقت حال کا صاف صاف انکشاف فرما دیا گیا کہ آپ کی دعا آپکی اولاد و ذریات میں ذوات عادلین کیلئے مستجاب کیجاتی ہے۔ غیر عادلین اور ظالمین کے لئے نہیں۔ اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اس منصب عظیم میں تعمیم کا اصول قائم ہوتا۔ تو اصحاب الرس جو بلا شبہہ کل تمام ذریات و اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تو ظالمین اور گروہ کافرین میں نہ شمار کیے جاتے۔

(۱۱) نبایوط یا نبط یا نابت ابن اسمٰعیل ع۔۔۔ (اصحاب الحجر)

نبایوط کو اہل عرب عموماً نابت کہتے ہیں۔ ان کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسمٰعیل کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابت کے حصہ میں آئی (اخبار الدول ابو حنیفہ دینوری و حیات القلوب ملا مجلسی) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوط نے حجاز ہی میں قیام کیا لیکن بعض حوالوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوط عراق میں موجود تھے لیکن اصل یہ ہے کہ یہ بہ تبدیل زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔

تحریری حیثیت سے نبایوط کا نام ساتویں صدی ق م میں نظر آتا ہے۔ حزقیال نبی پیشین گوئی کرتے ہیں کہ نبایوط کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی۔ (۶۰-۷) اشور بانیپال۔ اسیریا کا بادشاہ جس کا بھی تقریباً یہی زمانہ ہے اپنے مفتوحین کی فہرست میں نباطی قوم کا نام لیتا ہے۔ یوسیفوس یہودی۔ جو پہلی صدی مسیحی میں تھا لکھتا ہے۔

ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں ہے جن کے سبب سے اسکا نام ملک نباطینہ پڑ گیا ہے۔ (حوالہ آتا ہے)

اسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو نبطی عربوں سے اون کی مڈبھیڑ ہوتی ہے اور شام و عرب کے حدود پر اون کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔ اہل عرب بھی ان نبطیوں سے واقف تھے۔ انہی لفظ نبط کی جمع عربی میں انباط ہے۔

انباط اور روایات عرب

مورخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط کے نام اور اون کے مسکن مشہور سے البتہ واقف ہیں انکا نام کبھی نبط اور

کبھی آرامی بتلاتے ہیں اور انکا مسکن شام و عراق ظاہر کرتے ہیں ابن خلدون نے لکھا ہے۔

واول ملک العرب بالشام فیما علمنا العمالقه ثم لبنی ارم بن سام و یعرفون بالارمانیین

جہانتک ہمکو معلوم ہے عربوں کی پہلی حکومت شام میں عمالقہ کی تھی۔ پھر ارم بن سام کی۔ جو ارمانی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں

اس عبارت کے ساتھ حمزہ اصفہانی کی عبارت ذیل ضم کرو۔

الارمانیون نبط الشام والاثریون نبط العراق

ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہے اور اردوانی عراق کے نبطیوں کا

انباط نے چونکہ ایک متمدن و غیر بدوی زندگی اختیار کرلی تھی اسلئے عربوں کے محاورہ میں۔

اما النبط فکل من لم یکن راعیا او جندیا عند العرب من ساکنی الارضین (یاقوت ص۲۲۳)

نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے۔ جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہل عرب عموماً نبط کو اصلاً و قوماً غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اون کے نزدیک عرب و عجم جس طرح دو متقابل نام ہیں اسیطرح نبطی و عربی کو بھی باہم متقابل سمجھتے ہیں۔ اسکا سبب صرف معاشرت، طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے۔ ورنہ درحقیقت نبط بھی اسمٰعیلی عرب ہیں۔ لیکن چونکہ اونھوں نے عموماً حدود عرب اور زیادہ تر عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن اختیار کیا اسلیے وہ اپنا نسب نامہ محفوظ نہ رکھ سکے حضرت عمر فرماتے ہیں۔

تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدهم عن اصله قال من قریة کذا (عقد الفرید ج۳ ص۲۷)

نسب نامہ سیکھو۔ عراق کے نبط کی طرح نہ بنجاؤ کہ جب ان میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان کے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔

ہمارے مورخین کے معلومات انباط کے متعلق صرف اسی قدر ہیں، لیکن انباط کی خود معاصر قوموں نے انکے حالات کو سیاسی تعلقات کی بنا پر بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اور اب اکتشافات اثریہ نے بھی ان معلومات میں کسی قدر اضافہ کردیا ہے۔

انباط اور نبایوط اور نابت کا ترادف سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ انباط جن کی تاریخ کا مفصل تذکرہ یونانی اور مورخین نے کیا ہے اور نبایوط پسر اسمٰعیل جنکا توراۃ میں ذکر ہے اور نابت بن اسمٰعیل جن سے عربوں کو ہم نسبی کا دعویٰ ہے کیا درحقیقت ان مختلف الفاظ سے ایک ہی مفہوم مراد ہے؟ ہمارا جواب اثبات میں ہے۔ اہل عرب انباط کو عربوں سے الگ ایک بیرونی قوم سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ درحقیقت ایک مدت تک کے تباعد اور تفرق کا نتیجہ ہے۔ جن یونانی اور رومی مورخین نے انباط کا ذکر کیا ہے اونہوں نے متفقاً ان کو عرب لکھا ہے سب سے بڑی معتبر شہادت یہودی مورخ یوسیفس کی ہے۔ جو انباط کا معاصر اور نسل و وطن کے اعتبار سے بھی اون کے قریب تھا۔ اسلیے یقین ہے کہ اوسکے متعلق

اوس کی شہادت پایہ اعتبار سے ساقط نہو گی وہ بتصریح تمام لکھتا ہے کہ انباط اسمٰعیلی عرب از نسل نبایوط ہیں (حوالہ آتا ہے) مؤرخ طبری بھی لکھتے ہیں۔

ومن نابت وقیدار نشر اللہ العرب۔ قوم عرب کو نابت اور قیدار کی نسل سے خدا نے پھیلایا (ج ۱ ص ۳۵۲)

یاقوت حموی نے (لفظ عربہ کے تحت میں) ایک نئی بات لکھی ہے کہ عرب ہر اوس قوم کو نبط کہتے ہیں جو گلہ بان اور سپاہی نہو۔ دوسرے الفاظ میں اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کر لی تھی اسلئے بادیہ نشینان عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مرادف سمجھ لیا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اونکا نسب نامہ پوچھا تو اونھوں نے کہا کہ ہم کوثی (واقع عراق) کے نبط ہیں اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ وہ اسماعیلی قریشی (ہاشمی) عرب تھے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پہنچے تھے۔

نابت کی بقیہ اولادیں خود اندرون ملک میں بھی تھیں۔ اور متعدد وجوہ سے ہماری یہ رائے ہے کہ عرب شمالی کی وہ اکثر قومیں جو غلطی سے قحطانی کہلاتی ہیں وہ دراصل نبطی ہیں منجملہ دیگر قبائل کے غسان اور اوس و خزرج کے متعلق تو بتصریح ثابت ہے کہ وہ قحطانی نہیں بلکہ نابتی ہیں تفصیل آتی ہے۔

انباط کا عہد حکومت انباط ایک مدت تک دیگر قبائل عرب کی طرح بحر احمر سے لیکر بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے۔ اس بدویت کا زمانہ سنہ ۲۰۰۰ ق م (عہد اسمٰعیل) سے سنہ ۷۰۰ ق م تک قرار پاتا ہے۔ توراۃ نے نبایوط کا فرزندان اسماعیل کے ضمن میں سنہ ۲۰۰۰ ق م میں پہلی بار نام لیا ہے۔ اور آخر حزقیال نبی نے جو کم و بیش سنہ ۶۰۰ ق م میں تھے نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ نبط (نبایوط) کی بھیڑیں نذر کی جائیں گی (۶۰ - ۷)

کتبات میں نبط کا نام اشور بانیپال شاہ اسیریا کے کتبہ میں تقریباً اسی عہد یعنی سنہ ۶۵۰ ق م میں نظر آتا ہے وہ اپنے مفتوحین کی فہرست میں ناتان شاہ نبط کا ذکر کرتا ہے (تاریخ بابل از جرس امریکانی جلد دوم صفحہ ۲۷۶) حزقیال کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبط اوس وقت چوپانی یعنی بدوی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن یہ اسیری کتبہ ایک نبطی حکومت کی اس عہد میں خبر دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ بادشاہ مقصود ایک نبطی بدوی شیخ ہو۔ بہر حال نبطی کی تاریخ از روئے تاریخ یونانی و کتبات نبطی سنہ ۳۱۲ ق م سے پہلے روشن نظر نہیں آتی۔ آخری تاریخ سنہ ۱۰۶ ق م ہے جبکہ رومی حکومت انکو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔

انباط کا رقبہ وحکومت۔ انباط کی حکومت کے حدود اولاً وہ قطعہ ملک تھا جس کو یونانی عرب

سنگستان (ARABIA PATERIA) کہتے ہیں اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبہ سے بحر میت تک
ڈائیڈورس (Diedorius) (سنہ ق م) بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں اسٹرابو
(STRABO) (سنہ ۲۴ء) ایک ضمنی تذکرہ میں کہتا ہے کہ اہل ادوم انباط ہیں (گولڈ ہینس آف مدین ص ۲۲۵)
لیکن ادوم سے آگے بڑھکر اب وہ عرب اباوان پر بھی قابض ہو گئے تھے مصنف مذکور لکھتا ہے کہ اہل ادوم و
سبائی جو شام کے اوپر واقع ہیں جنہوں نے عرب آباوان (ARABIA FLEX) پر قبضہ کیا ہے۔ یوسیفوس
جو پہلی صدی مسیحی میں تھا بیان کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ عربستان ریگستان (ARABIA DESERT)
تک پھیل گئے تھے۔ اوس کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ملک بحر احمر سے نہر فرات تک اسمٰعیل کے بارہ بیٹوں کے قبضہ میں تھا جن کے سبب سے اسکا نام
ملک نباطینہ (NABATINA) پڑ گیا ہے۔ اس کی سرحد (مغرب میں) مصر اور
عرب سنگستان (PETRIA) سے ملتی ہے اور بہت سے بیابانوں اور پہاڑوں و فراز و نشیب
کو شامل ہے جو مشرق کیطرف خلیج فارس تک منتہی ہوتی ہے۔ عموماً اس ملک کے باشندوں
کا نبا بوط (NEBAJATH) عرب ہے (انٹی کوئیٹی ج ا ص ۱۲)

ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحر احمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا
اور اوسکے درمیان تمام ممالک یعنی عرب سنگستان و عرب ریگستان و بعض قطعہ عرب اباوان پر قابض تھے۔
لیکن اس طویل و عریض ملک میں انباط کی اصل آبادی خلیج عقبہ (ایلہ) کی اطراف میں تھی۔ ڈائیڈورس
کا بیان ہے

اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) (LAINAITIES GULF) میں داخل ہو گے جس کے
حدود پر اون عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط (NABATAISI) کہتے ہیں۔ یہ
لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ پر قابض ہیں بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دور تک پھیل گئے ہیں کیونکہ
زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔ (گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۸۲)

تخصیص کیساتھ ملک انباط کے دس شہروں کے نام بطلیموس (انٹی کوئیٹی ۱۴ باب ۱ بند ۴) میں مذکور ہیں۔
لیکن یونانی تلفظ نے عربی رنگ و روغن اونکے چہروں سے بالکل اڑا دیا ہے وہ شہر یہ ہیں۔ میداب۔ بنالو۔ لیبس۔ تمراہ
اغالہ۔ اثوان۔ صدرہ۔ ادرون۔ مرسیہ۔ برودہ۔ لوسہ۔ عروبہ۔ ان کے علاوہ رقیم (پٹرا) اور حجر مشہور شہر تھے۔

انباط کا دار الحکومت۔ انباط کا ملک جن حدود پر مشتمل تھا وہ حقیقت میں تین قدیم ممالک کا مجموعہ تھا ملک ثمود (وادی القریٰ)
جسکا دار الحکومت حجر تھا۔ ملک مدین جسکا پایہ تخت خاص شہر مدین تھا اور ملک ادوم جسکی حکومت کا مرکز شہر رقیم تھا (پٹرا) انباط کا پایہ تخت

پہلے شہر قدیم تھا (پٹرا) جہاں اب تک اونکے آثار باقی ہیں۔ لیکن پہلی صدی ق م میں جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کیا تو رفتہ رفتہ وہ پٹرا (رقیم) پر بھی قابض ہو گئے۔ اسٹرابو (سنہ ۲۴ء م) بیان کرتا ہے کہ اب (سنہ ۲۴ء م) انباط اور شامی دونوں رومیوں کی رعایا ہیں (گولڈ مائینس آف مدین ص ۱۸۲) اس مفتوحی سے مقصود پٹرا یعنی رقیم کی مفتوحی ہے۔ ورنہ نفس حکومت تو سنہ ۱۰۶ء تک باقی تھی پٹرا (رقیم) سے ہٹ کر انباط نے اب حجر کو اپنا مرکز قرار دیا تھا۔ چونکہ ثمود میں واقع تھا اسی لئے قرآن میں انکو اصحاب الحجر سے یاد کیا ہے (تفصیل آگے آتی ہے)

حجر جس صوبہ ملک میں واقع ہے۔ عربوں کے ہاں اوسکا نام وادی القری ہے۔ اسکے لفظی معنی آبادیوں کی وادی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں عہد قدیم میں نہایت کثرت سے آباد تھا۔ اس کی تصدیق اب معاصر مورخین کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ ابھی ڈائیوڈورس کا بیان گذر چکا ہے جو کہتا ہے کہ حدود ایلہ پر انباط کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ اور وہ نہایت کثرت سے آباد ہیں۔ اسٹرابو بھی انباط کی نہایت گنجان آبادی کا ذکر کرتا ہے۔ (کتاب مذکور ص ۱۸۲)

شاہان انباط

اشوری کتبہ کی شہادت کی بنا پر گو شاہان نبط کا ابتدائی سلسلہ سنہ [illegible] ق م سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ ناتان۔ شاہ انباط۔ بادشاہ اسیریا۔ اشور بانیپال کی خدمت میں نذر پیش کرتا ہے (تاریخ بابل و اشور ج ۲ ص ۲۷۶) لیکن یونانی تاریخ اور موجودہ نبطی آثار اور سکے سنہ ۱۷۰ ق م سے پہلے کسی نبطی بادشاہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اسکے اسباب بھی واضح ہیں یونانیوں کو اس سے پہلے انباط سے سروکار نہ تھا۔ اور نہ خود انباط اس سے پہلے متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔

بہر حال تاریخ و آثار نے اب تک جو انکشاف حال کیا ہے اوسکی اعانت سے اب تک ڈوسو (DASSAU) نام ایک فرنچ مستشرق نے ان بادشاہوں کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے (فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل سنہ ۱۹۰۴ء) یہ فہرست سنہ ۱۶۹ ق م سے شروع ہو کر سنہ ۱۰۶ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ اسمیں ایک نام مالک اول کا اضافہ ہم خود یوسیفوس کے حوالہ سے کرتے ہیں (قدامت یہود کتاب ۱۲ باب ۵ بند)

نمبر	نام بادشاہ	سال حکومت	[illegible]
۱	حارثہ اول	سنہ ۱۶۹ ق م	مالک چہارم سنہ ۱۰۱ء سنہ ۱۰۶ء
۲	زید ایل	سنہ ۱۴۶ ق م	
۳	مالک اول	سنہ [illegible] ق م	
۴	حارثہ ثانی	سنہ ۱۱۰ ق م سنہ ۹۶ ق م	

۵	عبادہ اول	سنہ ۹۰ ق م
۶	ربال اول بن عبادہ اول	سنہ ۸۷ ق م
۷	حارثہ ثالث بن ربال	سنہ ۸۷ ق م سنہ ۶۲ ق م
۸	عبادہ ثانی بن حارثہ ثالثہ	سنہ ۶۲ ق م سنہ ۴۷ ق م
۹	مالک دوم بن عبادہ ثانی	سنہ ۴۷ ق م سنہ ۳۰ ق م
۱۰	عبادہ ثالثہ بن مالک دوم	سنہ ۳۰ ق م سنہ ۹ ق م
۱۱	حارثہ رابع بن مالک دوم	سنہ ۹ ق م سنہ ۴۰ ع
۱۲	خلدو (خالدہ) زوجہ حارثہ	
۱۳	شقیلہ زوجہ حارثہ	
۱۴	مالک سوم بن حارثہ	سنہ ۴۰ ع سنہ ۷۵ ع
۱۵	شقیلہ زوجہ مالک	
۱۶	ربال ثانی بن مالک ثانی	سنہ ۷۵ ع سنہ ۱۰۱ ع
۱۷	جمیلہ زوجہ ربال	

انباط کے تمدنی حالات ۔ ہر شائستگی کی ابتدا رعہد بداوت ہے۔ انباط کی ابتدائی زندگی عام قبائل عرب کی سادہ اور غیر مصنوع زندگی تھی۔ جن کی دولت کا تنہا خزانہ مواشی تھی (خیقیال ۲۰۰۷) لیکن جب مغربی قوموں نے انہیں اپنے تمدن و شائستگی کے بل پر شکست دینی چاہی تو ان کو بھی مجبوراً متمدن بننا پڑا۔ مورخین یونان میں ڈائیڈورس (سنہ ۵۰ ق م) اور اسٹرابو (سنہ ۲۴ ع) نے انباط کے آداب معیشت و تمدن کو سب سے بہتر بیان کیا ہے۔

وہ یعنی انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت ہوا میں رہتے ہیں اونکے ملک میں نہ کوئی دریا ہے اور نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اوٹھا سکیں۔ اونکا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلہ کی زراعت کریں اور نہ درخت لگائیں نہ شراب پیئیں اور نہ گھر بنائیں۔ جو شخص اسکے خلاف کرتا ہے اوسکو سزا سے موت دیجاتی ہے۔

بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر بسر کرتے ہیں اور بعض بھیڑ اور بکری کے گوشت پر۔ صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں لیکن دولت میں انباط سب سے زیادہ ہیں اور اپنے ہمسایوں کا اونکو امتیاز حاصل

ہے گو کہ اون کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اون کا ملک پانی سے بالکل خالی ہے، اسلیئے
پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں جنکا منھ باہر سے تنگ اور اندر چوڑا رہتا ہے اور اون کی
لمبائی ۵۰ فیٹ تقریباً ہوتی ہے۔ ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے اون کو چھپا دیتے ہیں اور اون
پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا پانی پلاتے ہیں۔ انباط
گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں جنگلی شہد (من) بھی اونکو ملتا ہے جس کو پانی میں
گھول کر پیتے ہیں، ان میں عرب کے غیر نبطی قبائل بھی شامل ہیں۔ جنمیں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھر
میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں۔ (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ا ص ۲۲۶)

یہی مصنف پھر لکھتا ہے۔

آگے بڑھ کر ہم خلیج ایلانہ (عقبہ) میں داخل ہو گئے۔ جو اون عربوں کے بہت سے گاؤں سے محدود
ہے۔ جن کو لوگ نباطینہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف ساحلی مقامات کے بڑے حصہ پر قابض ہیں بلکہ وہ
اندرون ملک میں بھی دور تک پھیلے ہیں کیونکہ یہ زمین آباد اور نہایت شاداب ہے۔

زمانہ سابق میں اپنے قوانین انصاف کے مطابق اپنے گلوں اور جانوروں پر مطمئن رہکر زندگی بسر
کرتے تھے لیکن جب اسکندریہ (مصر) کے یونانی بادشاہوں نے خلیج کو تجارت کے لئے جہازرانی
کے قابل بنایا تو ان نبطیوں نے شکستہ جہازوں کے ملاحوں کو جمع کیا اور چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر
بحری ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ آخر کار اون پر حملہ کیا گیا اور اون کے استحقاق کے مطابق اون کو سزا دیگئی
(گولڈ ہائکس ص ۱۸۳)

اسٹرابو (سنہ ۲۴ء) جو ڈایوڈورس کی طرح انباط کا معاصر تھا۔ ان کے متعلق دلچسپ واقعات بیان کرتا
ہے۔

شہر پٹرا (رقیم) جو عمدہ قوانین رکھتا ہے۔ اسپر شاہی خاندان میں سے ہمیشہ ایک بادشاہ حکومت
کرتا ہے۔ وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔ اسلئے اوس کو بھائی کہکر
پکارتے ہیں انباط کفایت شعار از ذخیرہ ملکیت کے شائق ہیں۔ جماعت اونپر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی
دولت ضائع کرتے ہیں اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اوس کو انعام دیتی ہے۔ انباط کے پاس غلام کم
ہیں، اکثر اون کی خدمت اونکے متعلقین کرتے ہیں یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔ یا ہر شخص
اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ بادشاہوں تک جاری ہے۔ جو جمہور کی رضامندی کے اسقدر آرزومند
ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے

ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔

لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ آدمی مل کر کھاتے ہیں بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی دعوتیں دیتا ہے اور شاہی عمارتوں میں جشن دعوت بپا کرتا ہے۔ مہمانوں کی ہر جماعت میں دو مغنی رہتے ہیں۔ ہر مہمان کو گیارہ جام سے زیادہ شراب پینی ہوتی ہے۔ یہ جام سونے کے ہوتے ہیں۔ جبّہ یا کرتہ پہننا یہ لوگ نہیں جانتے۔ کمر میں تہبند لپیٹتے ہیں پاؤں میں کھڑاؤں پہنتے ہیں۔ مکانات عالیشان اور سنگین ہیں۔ آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں۔ ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے۔ تاہم وہاں زیتون نہیں ہے (جانوروں کی پیداوار کا بیان ہے)

گھوڑے نہیں ہوتے۔ اون کے بجائے اونٹ مصرف میں لائے جاتے ہیں۔ بعض اشیائے تجارتی کی درآمد بھی یہاں ہے اور بعض چیزیں خود ملک میں ہوتی ہیں۔ جیسے سونا چاندی اور بہت سے خوشبو مسالے۔ لیکن لوہا، تانبا، ارغوانی کپڑے، زعفرانی، عود، قسط، سنگتراشی، نقاشی اور تصویروں کی چیزیں مجسمے ملک میں نہیں پائے جاتے۔ انباط مردوں کی لاش کھاد کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ بادشاہوں تک کی لاشوں کو بھی زمین میں دفن کرتے ہیں۔ مذہباً یہ سبائی دیوتا آفتاب کی پوجا کرتے ہیں اس دیوتا کا ہیکل یا قربانگاہ مکانات کی چھتوں پر بناتے ہیں اور اوس پر شراب چڑھاتے ہیں اور اندر روز بخور جلاتے ہیں) گولڈ اسمتھ ص ۲۲۸)

سیاسی حالات

انباط ہم کو سب سے پہلے ۵۶۳ ق م میں سیاسی میدان میں نظر آتے ہیں۔ اسیریا اور بنی قیدار (برادران انباط) کے درمیان اس عہد میں جنگ برپا ہوتی ہے۔ بنی قیدار کا شیخ شکست کھا کر انباط کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ لیتا ہے۔ پھر انباط اور بنی قیدار کی متحدہ فوج اسیریا کے مقابلہ میں آتی ہے لیکن سوء قسمت سے نانان شاہ انباط گرفتار ہو جاتا ہے[1] (راجرس تاریخ بابل جلد ۲ صفحہ ۲۷)

بابل کے بعد ایران و یونان کی قوت دنیا کی تاریخ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انباط جہاں آباد تھے وہ مقامات تھے جو اہل فارس اور یونانی کی دائمی جنگ کے طبعی راستے تھے۔ اس بنا پر دو فریق ان شمالی عربوں کی دوستی اور ہمدردی کے طالب تھے جنگی اعانت کے بغیر ان خشک و بے آب ریگستانوں کا طے کرنا ناممکن تھا سکندر سے پہلے چوتھی صدی ق م کے اواسط میں تھا عموماً اہل فارس کا پلہ یونانیوں سے بھاری تھا۔ اس بنا پر شمالی عرب (جو اس عہد میں نجیان میں تھے) میدان جنگ میں اہل فارس کے دوش بدوش تھے۔ ۳۳۲ ق م میں سکندر نے ایرانیوں کو شکست فاش دی، اور عراق سے لیکر مصر و شام تک اسکے فتوحات کا جولانگاہ بن گیا۔ ہندوستان سے واپس آکر عرب کی فتح کا عزم تھا کہ وہ خود موت کے ہاتھ مفتوح تھا

سکندر کے بعد ممالک مفتوحہ سکندر کے مختلف سرداروں میں منقسم ہوگئے۔ بطلیموس نے مصر و شام پر قبضہ کیا۔ انٹی گونس نے ایشیائے کوچک لیا۔ سلوکوس (سلاقس) نے بابل و فارس و ترکستان پر استیلا حاصل کیا۔ یہ تینوں بادشاہیاں بیچ میں حدود عرب پر آکر ملتی تھیں۔ انٹی گونس ایک بہادر تھا بلند حوصلہ۔ اوس سے اپنی قسمت پر قناعت نہ ہو سکی۔ سب سے زرخیز اور قریب تر شام کا ملک تھا اوس نے شام پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن درمیان میں نبطی حائل تھے۔ اونکو اپنا شریک بنانا ضرور تھا لیکن وہ بطلیموس کے طرفدار پہلے ہی بن چکے تھے نتیجہ جنگ و محاربہ تک پہونچ گیا۔

انٹی گونس نے ۳۱۲ قبل مسیح میں اپنا ایک سردار اتھیناوس (ATHENAEUS) کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی جس نے گو بےخبری میں رقیم (پیٹرا) کو برباد کیا لیکن اوسکا ایک سپاہی بھی دشمنوں کے ہاتھ سے بچکر واپس نہ آیا۔ ناچار انٹی گونس نے اپنے بیٹے ڈیمیٹریوس (DEMMITRIUS) کی زیر قیادت ایک دوسری جماعت روانہ کی۔ اب کے سرداران نبطی عرب میدان میں مقابلہ نہ کر سکے اور قلعہ بند ہو گئے۔ یونانیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس قید سے تنگ آکر ایکدن ایک نبطی عرب نے ڈیمیٹریوس کو ان الفاظ میں مخاطب کیا۔

اے بادشاہ ڈیمیٹریوس تم کس غرض سے اور کس کے حکم سے ہم سے لڑتے ہو۔ ہم صحرا میں رہتے ہیں جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے نہ شراب ہے اور نہ ضرورت کی کوئی چیز ہے۔ صرف ہم نے اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے۔ تمہیں ہم نے ستایا نہیں۔ تم ہمیں کیوں ستاتے ہو۔ خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ ہمارے تحائف قبول کرو۔ اور واپس جاؤ۔ اور آج سے ہمیں اپنا دوست سمجھو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے تمکو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اور تم ہمکو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پالیا تو تمہارے ہاتھ لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تم کچھ نہیں پاؤ گے۔

ڈیمیٹریوس اس گفتگو سے بیحد متاثر ہوا اور صلح قبول کر لی۔ اس اچانک حملے نے ان نبطی عربوں کو ایک منتظم سیاسی جمعیت کے قالب میں بدل جانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونانی نبطی اور رومتہ الکبری اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی ایسکے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں۔ آگے کے واقعات سمجھنے کے لئے یونان، روم اور یہود کی تاریخ کے بعد بھی چند فقرے پڑھ لینے چاہئیں۔

انٹی گونس کی حوصلہ شکنی اس شکست سے کوئی صدمہ نہیں پہونچا اس نے رفتہ رفتہ بطلیموس سے شام سلوکیوس سے بابل (عراق) لڑکر چھین لیا۔ ناچار سلوکیوس اور بطلیموس دونوں نے متحدہ طاقت سے

سنہ ۳۰۱ ق م میں انٹی گونس کی مملکت مقبوضہ کے حصے بخرے کرکے آپس میں بانٹ لئے۔ اس تقسیم کی رو سے شام سلوکیوس کو اور مصر و قبرص بطلیموس کو ملا۔ مورخین عرب خاندان سلوکیوس کو سلوقیین اور خانوادۂ بطلیموس کو بطالسہ یا بطالمہ (جمع بطلیموس) کہتے ہیں۔ سلوقیین اور بطالمہ نے ان ممالک پر ایک مدت تک حکومت کی۔

شام میں بنی اسرائیل کی پہلی حکومت کو شاہان بابل نے برباد کردیا۔ بابل پر فارس کی حکومت نے جب غلبہ حاصل کیا تو ان کو سنہ ۵۵۰ ق م میں پھر آزادی نصیب ہوئی اور فارس کے زیر اقتدار بنی اسرائیل کے ایک خاندان یہود نے جن سے یہود کی بنیاد پڑتی ہے۔ ایک نیم آزاد حکومت پھر قائم کی لیکن سنہ ۳۳۲ ق م میں سکندر نے اسکا بھی خاتمہ کردیا۔ اسکے بعد مملکت یہودیہ (بیت المقدس) بطلیموس، انٹی گونس اور آخر سلوقیین کی ماتحت ہوکر فنا ہوگئی۔ دوسری صدی ق م میں جب یونانیوں کی پیر سال قوتیں نوجوان رومی قوت سے ہر جگہ شکست کھاکر اسکے لئے جگہ خالی کررہی تھیں۔ یہودیہ کی ابدی الموت زندگی نے آخری بار بدن کو جنبش دی اور مکابیین کے نام رومیوں کے بل پر سنہ ۱۶۸ ق م میں ایک حکومت یہودیہ میں قائم ہوئی۔

مکابیین اولاً مذہبی کاہن کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن آخر بادشاہ بن بیٹھے حصول سلطنت کیلئے ہمیشہ اس خاندان کے ارکان باہم نبرد آزما رہے۔ رومی آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کرتے جاتے تھے۔ پہلے یہودیہ سے ادوم میں حکومت منتقل کردی اور اسکے بعد پامپی رومی نے سنہ ۲۴ء میں ہمیشہ کیلئے اس تماشہ گاہ پر پردہ ڈال دیا۔

یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گوناگوں تعلق رکھتی ہے۔ ملک یہودیہ نباطیہ سے ہم سرحد تھا۔ دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔ سلوقی خاندان ابھی صرف سو برس شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ سنہ ۱۶۷ ق م میں یہودا مکابی۔ بانی خاندان یہود نے بغاوت کی۔ یہود خود عرب گئے۔ اور نبطی عربوں سے شرکت و اعانت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکالدیں (قدامت الیہود ج ۲ کتاب ۱۲ باب ۸ فقرہ ۳) سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ان عربوں کو طرف ہاتھ بڑھایا (فقرہ ۴) اوسوقت غالباً حارث اول۔ انباط کا بادشاہ تھا جسکا زمانہ سنہ ۱۶۹ ق م ہے۔

زبدیایل نبطی کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمٹریوس سلوقی کے درمیان دعوے تخت کی بنا پر نزاع پیدا ہوئی۔ ڈیمٹریوس کے طرفدار نبط تھے اور یہود سکندر کے حامی تھے۔ سکندر نے شکست فاش کھائی اوسوقت عرب کی آزاد زمین کے سوا اسکو کوئی مامن نظر نہ آیا۔ لیکن درحقیقت اوسکی روح اوسوقت حقیقی مامن کی تلاش میں نکلی تھی۔ زبدیایل نے سکندر کا سر کاٹکر بطلیموس کے پاس بھیجدیا (قدامت الیہود ج ۲ ۱۳-۴-۸)

زیار بابل کے بعد مالک اول تخت نشین ہوا۔ اسکندر سلوقی کا بیٹا انطیا خوس اسی معرکہ میں انباط کے ہاں قید ہو کر پرورش پا رہا تھا۔ یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے، مالک سے درخواست کی کہ انطیا خوس کو باپ کی جگہ حکومت کے لئے آزاد کر دیا جائے۔ شدید اصرار کے بعد مالک نے یہ درخواست قبول کی (قدامت ج ۲-۱۴-۵-۱)

یونانیوں کی اس کشمکش نے یہود و انباط میں منازعت پیدا کر دی۔ یاناتانی سکابی رئیس یہود۔ جس کی قوت یونانیوں کے ضعف سے نشو و نما پا رہی تھی، اوس نے اچانک نبطیوں پر حملہ کیا اور اون کو نقصان پہونچایا۔ (قدامت ج ۲-۱۳-۵-۱)

حارث دوم کے زمانہ میں یونانیوں نے غزہ کے یہودیوں پر حملہ کیا۔ حارث اوسوقت انباط کی قوت کا مالک تھا۔ اپنے عہد کا ممتاز بادشاہ تھا۔ اس لئے یونانیوں سے اعانت کا وعدہ کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ عربوں کی کمک پہونچے یونانی خود خانگی منازعات میں مبتلا ہو گئے۔ (قدامت ج ۲-۱۳-۱۳-۳)

حارث دوم کے بعد عبادہ اول مملکت انباط پر تخت نشین ہوا۔ اسکے عہد میں سکندر سکابی جو یہود کا ایک مجنون رئیس تھا۔ انباط پر حملہ آور ہوا۔ اور گو وہ جنگ میں نبطیوں کے ہاتھ سے بمشکل جانبر ہو سکا۔ تاہم صوبہ مواب اور جلعاد کے ۱۲ شہر اون سے چھین لیگیا۔ (۱۳-۱۳-۵ اور ۱۴-۱-۴) لیکن یہود اس فتح سے خوش ہوئے اور اونہوں نے سکندر کو مجبور کیا کہ وہ مواب اور جلعاد کے علاقے عربوں کو واپس کردے کہ وہ دشمنوں کے شریک نہ بن سکیں۔ (۱۳-۱۴-۲)

حارث سوم (۸۶ تا ۶۲ ق م) حکومت انباط کا سلطان اعظم تھا۔ انطیا خوس ڈیانیسوس سلوقی اسوقت ملک عرب پر حملہ آور تھا۔ حارث کی فوج خالص عرب شجاعت کے ساتھ یونانیوں کے مقابل تھی۔ پہلے حملہ میں وہ پسپا ہو رہی تھی کہ دفعتاً حارث دس ہزار سواروں کے ساتھ میدان جنگ میں نمودار ہوا۔ انطیا خوس بہادری سے لڑتا رہا۔ اور عین اوسوقت میں جبکہ جلوۂ فتح اسکے سامنے تھا۔ لڑائی میں کام آیا۔ اوسکے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اوکھڑ گئے۔ حارث کیلئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوقیین کا پایۂ تخت تھا کوئی روک نہ تھی، اور خود بطلیموس و سلوقی خاندان باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہونچا اور سکندر اعظم کے جانشینوں (سلوکیوس) کا تخت اوسکے پاؤں کے نیچے تھا (۱۳-۱۵-۱)

پہلی صدی ق م کے اواسط میں اسکندر سکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کیلئے منازعت ہوئی ایک نے بھاگ کر حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کر دیا گیا تو جن بارہ عربی شہروں پر اوسکا باپ قابض ہو گیا تھا واپس کر دیگا۔ (قدامت ج ۲-۱۴-۱-۴) حارث پچاس ہزار سپاہ کے ساتھ اوٹھا، فہیم

(پٹرا) سے نکلا۔ یہودیوں نے میدان میں شکست کھائی۔ اور یروشلیم میں قلعہ بند ہو گئے۔ یروشلم کا محاصرہ کئے
ہوئے حارث پڑا تھا کہ توشاب رومیوں کی فوج سامنے سے نمودار ہوئی جس نے ۳۰۰ ٹالنٹ (۲۵ لاکھ روپیہ)
پر یہودیوں سے جنگ خرید لی۔ ناچار حارث کو پیچھے ہٹ آنا پڑا۔ (بحوالہ سابق باب ۲ فقرہ ۱-۲) اور اسی کے سپہ سالار
سکاروس (SACARIEUS) نے پہلی صدی ق م کے اواسط میں بار بار رقیم (پٹرا) پر حملہ کیا۔ لیکن راستہ
کی دشوارگزاری ہمیشہ کیلئے قلعہ ثابت ہوا کی۔ ناچار سکاروس نے ادہر اُدہر شہروں کو جلانا اور برباد کرنا شروع کر دیا۔
آخر ۳۰۰ ٹالنٹ یعنی تقریباً ۲۰ لاکھ روپئے ایک ادومی سردار انٹی پٹر کی دلالی سے اپنے وحشیانہ اعمال کی قیمت
لیکر واپس گیا۔

یہ واپسی رومیوں کی تخیل میں عظیم الشان فتح تھی اس کی یادگار میں ایک سکہ جاری کیا گیا جس میں
دکھایا گیا کہ حارث سرنگوں ہے۔ ایک ہاتھ میں اونٹ کی مہار اور دوسرے میں ایک خوشبودار درخت کی
ٹہنی (جو ملک عرب سے شاید عبارت تھی) لئے کھڑا ہے۔ سکاروس کے بعد گیبینوس (GABINIEUS)
اوسکی جگہ پر آیا۔ اوس نے یہودیہ رومیوں کی خیرخواہی کے معاوضہ میں انٹی پٹر ادومی کے حوالہ کیا اور خود فتح
انباط کے ارادہ سے نکلا اور کہتے ہیں کہ غالب آیا (بریٹنیکا طبع یازدہم ج ۲۴ ص ۲۰۵)

عبادہ ثانی کے عہد کا کوئی واقعہ نہیں معلوم ہوا۔

مالک ثانی (۴۷ تا ۳۰ ق م) کا زمانہ بعض حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ ہے۔ انٹی پٹر مر چکا
تھا۔ اوس کے بجائے ہیرود۔ یہودیہ کا رئیس تھا۔ روم میں سیزر اعظم (قیصر) کے قتل کا معاملہ درپیش تھا اور
انٹونی اپنے حریف (قاتلین قیصر) پر غالب آرہا تھا۔ مصر میں خاندان بطلیموسی کی آخری شہزادی کلیوپٹرا
تخت نشین تھی۔ ہیرود رومیوں کی تھپلی دیکر رومیوں سے بادشاہ یہود کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی غرض
سے مالک کے پاس جانا چاہا کہ اوس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ حاصل کرے۔ لیکن مالک نے ملاقات
سے انکار کر دیا کہ فارس کی ہمسایہ حکومت اسکو پسند نہیں کرتی۔ ہیرود رنجیدہ ہوکر روم واپس گیا۔ (قد ۱۴، ۱۴ ۱۴۱
۱۴۱-۱۴-۱) لیکن عرب جن کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی ہے اون سے کب تک اعراض
ہو سکتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کیلئے نبطی عربوں کی اعانت کی حاجت محسوس ہوئی
روم سے چلکر انٹونی اب مصر و شام کا فرمانروا تھا۔ عرب گو میدان میں مفتوح نہیں ہوئے تھے تاہم رومیوں کی
سیاسی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔ انٹونی سب کچھ جو اوسکا تھا کلیوپٹرا کو نذر کر چکا تھا۔ وہی ان ممالک سے
خراج وصول کرتی تھی۔ یہودیہ اسکے لئے تیار تھا لیکن عرب نبطیہ اسکی محکومی کے لئے تیار نہیں تھے۔ شاہ یہود کے
توسط کے بعد بھی مالک خراج دینے پر آمادہ نہوا۔ آخر الامر یہود نے رومیوں کی محبت اور کلیوپٹرا کی نازبرداری میں

عربوں پر حملہ شروع کیا۔ بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں، جن میں طرفین سے ہزاروں آدمی کام آئے اور یہودی مؤرخ
یوسیفوس کے مطابق اکثر عربوں کو شکست ہوتی رہی (قدامت ۱۵ باب ۴-۵-۲)

عبادہ ثالث (سنہ ۹ تا سنہ ۹ ق م) گو ایک سست طبع اور ناکارہ تھا لیکن اسکا وزیر نہایت ہوشمند اور
چالاک تھا۔ یونانی تلفظ میں اسکا نام سائلیوس (SYLIEUS) تھا (اصل شاید سائل یا سائیل ہو)
سائلیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ سازشوں سے یہودیوں اور رومیوں کو زک دیتا رہا (قدامت ۱۶ ۔۔ باب
۹ ۱۱،۷،۸،۲) سنہ ۱۸ ق م میں رومیوں کو فتح عرب کے خواب دکھ رہے تھے جو کچھ ہی آپ صحرا میں
جس طرح ان کی ہمت کو شکست دیکر واپس پھرا لیا۔ وہ اب تک ہر رومی اور یورپین مؤرخ کے قلم کے لئے
سرمایہ غم و ندامت ہے۔ واقعہ کی تفصیل "حجر" کے ذکر میں اس سے پہلے گذر چکی ہے۔

حارثہ رابع (سنہ ۹ ق م تا سنہ ۴۰ ع) حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا معاصر تھا۔ اسکا
پہلا نام اینیس تھا۔ عبادہ کی وفات کے بعد جب یہ بادشاہ ہوا تو اپنے لئے شاہی نام حارثہ اختیار کیا۔

ہیرودس شاہ یہود، حارثہ کا داماد تھا۔ یہ شخص نہایت بدکار اور ستم دوست تھا۔ اپنے بھائی کے مرنے پر
اپنی بھاوج سے جو اسکی علاتی بھتیجی بھی ہوتی تھی شادی کر لی۔ حضرت یحییٰ اندنوں پند و موعظت کے پیغمبرانہ
اثر سے قلوب کو مسخر کر رہے تھے۔ ان کی روحانیت یہود میں جتنی ترقی کر رہی تھی اتنی ہی ہیرودس کی قدر گھٹتا جاتا
تھا۔ حضرت یحییٰ نے ہیرودس کو اس شادی پر ملامت کی۔ خون آشام بادشاہ سے ضبط نہ ہو سکا، حضرت یحییٰ کا سر
کاٹ کر منگوا لیا۔ ہیرودس کی پہلی بیوی بنت حارثہ اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔ عرب کا بادشاہ، حارثہ اپنی اس خاندانی
اہانت پر غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ فوراً یہود پر فوجکشی کی تیاری کر دی اور اسقدر زور و شور سے حملہ آور ہوا کہ ہیرودس
تاب نہ لا سکا۔ اور شکست پر شکست اوٹھا کر بھاگ گیا۔ یہودی سمجھتے تھے کہ یہ شکست حضرت یحییٰ کے قتل کا پاداش
عمل تھا (قدامت ۱۸: ۵)۔ حارثہ سیاہ دمشق پر قابض ہو گیا۔ پولوس سینٹ پال (ST PAUL)
موجودہ عیسائیت کا بانی اسی حارثہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید ہوا تھا۔ آخر ہی ڈوری لٹکا کر اسکے سہارے
قید خانہ سے نکل کر بھاگ گیا۔ (۲۔ اسپال بنام قرنتیوں ۱۲ و ۳۳) رومی ہیرودس کی مدد کے لئے آئے لیکن اتفاقاً اسی
اثنا میں (سنہ ۳۷ ع) میں خود قیصر مر گیا۔ حارثہ کئی برسوں تک دمشق پر قابض رہا۔

حارثہ کے بعد دولت انباط رومی اقتدار کے پردے میں بالکل چھپ گئی۔ گویا حارثہ کا وجود اس چراغ
کا آخری سنبھالا تھا۔

انباط کے مٹنے کے بعد پھر شمال عرب کے قبائل اندرون ملک سے خالی جگہ کو بھرنے کیلئے نکل آئے
جن میں زیادہ مشہور آل غسان ہیں جو انباط کے ہم نسب تھے۔

تقریباً ۵۳۰ برس کے بعد جب اسلام آیا تب بھی انباط دنیا سے معدوم نہ تھے۔ ملک شام میں ان کا پیشہ غلہ و روغن فروشی رہ گیا تھا (زرقانی ج ۱ و صحیح بخاری غزوہ تبوک) اور کئی شہر تدمر، معان، بصریٰ وغیرہ آل غسان کے ہاتھ میں۔ اور حجر، تیمار، خیبر وغیرہ جو نبطیوں کے گھر اور قلعے تھے۔ ان سب پر یہود قابض تھے نبطیوں کی بقیہ آبادی قومی حیثیت کھو کر یہودیوں، یونانیوں اور رومیوں میں اس طرح گھل مل گئی تھی کہ عہد اسلام میں ان اطراف میں جب عرب پہنچے تو کوئی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکا۔ عربوں نے ہمیشہ انکو ایک اجنبی قوم سمجھا اور یہ خود بھی اپنے کو نبطی کہتے تھے۔ انھیں میں سے حسان نبطی ہے۔ جو ہشام ابن عبدالملک کا درباری تھا (ابن خلکان تذکرہ خالد القسری)

اصحاب الحجر

اس عظیم الشان قوم کا عروج و زوال، حیات و موت، زندگی و فنا ہمہ قوم عرب کیلئے کسقدر سبق آموز ہو سکتی ہے تعجب ہوتا اگر قرآن مجید اس عبرتناک تاریخ سے خالی ہوتا۔

تم نے اوپر پڑھا ہے کہ انباط کے مرکز حکومت دو تھے۔ رقیم (پٹرا) متصل شام اور حجر (اجرا) اندرون عرب قرآن مجید نے انکو اسی قریب بہ شہر کے مالک کہکر پکارا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ

اہل حجر نے پیغمبروں کو جھٹلایا (یعنی گذشتہ اور معاصر پیغمبروں کی ہدایت قبول کیں) ہم نے انکو اپنی نشانیاں دیں۔ اور ان سے منہ پھیر لیا۔ یہ پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے تھے جنمیں امن و آرام کے ساتھ رہتے تھے۔ انکو عذاب نے صبح ہوتے ہی لے لیا پھر انکے کاموں نے انکو کوئی فائدہ نہ بخشا۔

تمام مفسرین نے اصحاب الحجر سے ثمود مراد لیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ ثمود کا دار الحکومت بھی یہی شہر تھا۔ لیکن قرآن مجید کا طرز ادا بتاتا ہے کہ اصحاب الحجر سے ثمود کے علاوہ انکے بعد کی آبادی مراد ہے۔ قرآن مجید نے ثمود کا ۲۶ جگہ ذکر کیا ہے۔ لیکن ہر جگہ انکا نام لیا ہے۔ اس اجمال کے ساتھ یعنی "حجر والے" کہہ کر کہیں نہیں بیان کیا ہے۔

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ ثمود کی تعمیر و سنگتراشی کا قرآن میں جہاں ذکر ہے وہاں مقام کا نام بھی بتا دیا ہے۔ یعنی وادی القریٰ "وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ" ثمود جنہوں نے وادی القریٰ میں پتھر تراشے اور یہاں حجر والے کہکر ان کی تعمیر و سنگتراشی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اشارہ یہ ہے کہ ان کی سنگین عمارتیں حجر میں واقع تھیں انکے نشان اور آثار اب تک موجود ہیں۔ ان پر جو کتبات منقوش ہیں ان میں بانی اپنا نام نبطی بتاتا ہے۔ جس کو ہر نبطی خط و زبان کا عالم ہر وقت پڑھ کر تصدیق کر سکتا ہے۔ انہیں سے یہ بات

پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ اصحاب الحجر انہیں انباط کا لقب تھا۔ صحیح بخاری اور احادیث وسیر کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم تبوک کو تشریف لیجاتے ہوئے مقام حجر سے گذرے تھے۔ اس موقع پر بھی اکثر روایتوں میں ثمود کا نام نہیں۔ یہ فقرہ مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا۔

لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ إِلَّا أَن تَكُونُوا بَاكِينَ أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ	ان اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والوں کے گھروں میں روتے ہوئے چلو ایسا نہو کہ جو مصیبت انپر آئی تمپر بھی آئے۔

یہ روایت امام بخاری نے باب غزوۂ تبوک۔ تفسیر سورۂ حجر اور ثمود کے ذکر میں درج کی ہے۔ اسمیں ثمود کا مطلق نام نہیں۔ ایک روایت میں بھی حدیث بزیادت الفاظ اس طرح مروی ہے۔ ان الناس مع رسول اللہ نزلوا ارض ثمود الحجر۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حجر ثمود کا بھی ملک تھا۔ اور اس سے ہمکو انکار نہیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کم از کم سنہ ۱۶۹ ق م سے ۱۰۶ ع تک انباط ان مقامات پر قابض تھے۔ اڈیاڈورس اور پلینی کی شہادتوں کو باہم پیش نظر رکھو۔ ڈایڈورس (سنہ ۸۰ ق م) کہتا ہے۔

اوپر گذرتے ہوئے تم خلیج ایلہ (عقبہ) میں داخل ہو گے جس کے حدود پر اون عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں۔ جنکو لوگ نبط کہتے ہیں۔ یہ نہ صرف سواحل کے بڑے حصہ ملک پر بلکہ اندرون ملک میں بھی دور دور تک پھیل گئے ہیں۔ (دیکھو فصل "انباط کا رقبۂ حکومت")

مؤرخ پلینی (سنہ ۷۹ ع) اسی خلیج ایلہ کے ذکر میں کہتا ہے۔

خلیج کے اندرونی گوشے میں جہاں ایلانی لوگ بستے ہیں جن کے سبب سے اس خلیج کا نام ایلہ ہوا (یہ تحقیق بالکل غلط ہے۔ بلکہ واقعہ برعکس ہے یعنی سکونت خلیج ایلہ کی خصوصیت سے انکو ایلی کہتے ہیں) اور سوداگر (حجر) اپنے شاہی شہر میں بھی رہتے ہیں۔ (طلا سے مدین۔ یعنی گولڈ مائنس آف مدین ص ۲۱۲)

قرآن مجید نے انکی سنگی عمارتوں کا ذکر کیا ہے گو اون کے آثار اب تک حجر۔ تیمار اور علا وغیرہ میں موجود ہیں لیکن انباط کی معاصر تاریخ بھی اسکے ذکر سے خالی نہیں۔ اسٹرابو لکھتا ہے۔

انکے مکانات عالیشان اور پتھر کے ہوتے ہیں۔ (معادن طلا سے مدین ص ۲۲۸)

مسلمان جغرافیہ نویسوں نے ان عمارتوں کو تیسری چوتھی صدی میں دیکھا تھا۔ اصطخری بیان کرتا ہے۔

الحجر قریۃ صغیرۃ قلیل السکان وھو من	حجر وادی القریٰ سے ایکدن کی راہ پر پہاڑوں کی بیچ میں

وادی القریٰ علی یوم بین جبال وبہا کانت منازل ثمود ورأیت المساکن مثل بیوتنا فی اضعاف الجبال (یاقوت۔ الحجر)

ایک کم آباد گاؤں ہے۔ یہاں ثمود کے گھر تھے ہم نے اپنے گھروں کے برابر ان گھروں کو پہاڑوں کے سلسلوں میں دیکھا ہے۔ (یاقوت الحجر)

جہاں اب تک یہ عمارتیں موجود ہیں۔ ان میں اکثر مقبرے ہیں۔ جو پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں ان عمارتوں پر نبطی خط اور آرامی زبان میں مذہبی کتبے لکھے ہیں۔ ان میں انباط کے بتوں کے نام بھی ہیں۔ جنہیں قیس۔ ذوالشریٰ۔ مناۃ مشہور دیوتا ہیں۔ موجودہ عمارات میں ایک عمارت قصر البنت کے نام سے آجتک مشہور ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مضمون حجر)

۱۲ قیدار ابن اسمٰعیل

ملۃ ابیکم ابراھیم

قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا دوسرا بیٹا تھا۔ شہرت اور اعزاز میں اپنے تمام بھائیوں سے ممتاز تھا۔ لفظ قیدار کے عبری میں معنی۔ سیاہی اور غم کے ہیں۔ عربی میں بھی لفظ "کدر" کہ وہ ورثہ کا موجود ہے۔ شاید حضرت اسمٰعیل نے یہ نام باپ سے جدائی اور صحرا نوردی کے غم کی یادگار میں رکھا ہو۔ قیدار بربنائے روایات توراۃ و عرب حجاز میں آباد ہوا تھا۔ فارسٹر صاحب جن کی موافقانہ شہادت نہایت مشکل سے میسر آسکتی ہے لکھتے ہیں۔

> "اشعیا نبیؑ نے قیدار کے جس ملک کا اقرار و ذکر کیا ہے۔ اوسکو ہر شخص جو جغرافیہ عرب سے واقف ہے فوراً کہہ دیگا کہ وہ عرب کے صوبہ حجاز کا صحیح نقشہ ہے جس میں کہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ عربوں کی قومی روایت بھی تاریخی رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ جب ایک طرف اوس کی تصدیق کتب بائبل سے بھی ملتی ہے یعنی یہ قیدار کا اسی حصہ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ارسطو، بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے۔ جو کیداری (قیداری) قوم کی اسی صوبہ میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں" (فارسٹر جغرافیہ عرب ج ۱ ص ۲۴۸ (ملخصاً))

قیدار کی اہمیت اور عظمت کیلئے یہ دلائل کافی ہیں کہ اوسکا نام توراۃ کے صحیفوں میں اسیریا کے کتبات میں اور یونان کے جغرافیات میں ہر جگہ موجود ہے لیکن اس سے بڑی عظیم الشان عزت اوسکو یہ حاصل ہے کہ وہ نور الٰہی جو آدم و ابراہیم کو ودیعت ہوا تھا۔ وہ اسماعیل کے بیٹے قیدار کی پشت سے جلوہ افروز عالم ہوا۔ یعنی پیغمبر عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نسل قیدار کی شاخ عدنان سے پیدا ہوئے۔

ایک قوم ہونے کی حیثیت سے قیدار کا نام سب سے پہلے سنہ ۱۱۰۰ ق م میں حضرت داؤدؑ کی زبور میں نظر آتا ہے بنو قیدار اس زمانہ میں خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت داؤدؑ شاہی سے پہلے بہت دنوں تک بنی قیدار کے خیموں میں رہے تھے (زبور ۱۲۰-۵)

سنہ ۱۰۰۰ ق م میں حضرت سلیمان بھی اپنی غزل میں قیدار کے خیموں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اور میں قیدار کے خیموں کی طرح سیاہ ہوں۔ یہ سیاہ خیمہ کالے کملوں کے ہوتے تھے۔ جو اب تک بدوی عربوں کے لئے صحرا میں قصر و کاشانہ ہیں۔ خود مکہ آنحضرت صلعم سے چند پشت پیشتر صرف خیموں کا شہر تھا۔ کوئی شہر یا مٹی کی عمارت موجود نہ تھی۔

تحریری حیثیت سے دو سو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے۔ ملک عرب کا نام ان کتبات میں عربی ہے۔ اول زبیبی اور شمسی دو شاہزادیوں کا ذکر ہے۔ زبیبی کی اصل شاید زبّار اور شمسی کی حقیقت شمسیہ ہو۔ ذیل کی عبارتیں ہم ان کتبات کا اقتباس ایک نہایت معتبر کتاب سے کرتے ہیں :-

ملکہ زبیبی (زبّار) تغلات پلاسر سوم۔ شاہ اسیریا (۷۴۵ تا ۷۲۷ ق م) کی معاصر تھی تغلات پلاسر سوم۔ ملکہ زبیبی سلطانہ عربی کو صرف مطیعین اور باجگذاروں کی فہرست میں داخل کرتا ہے (ص ۱۲۱) اسکے بعد زبیبی ملکہ عربی کا دوبارہ ذکر آتا ہے۔ زبیبی نے ۷۳۸ ق م میں خراج ادا کیا تھا اسکے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا اسکا سبب یہ تھا کہ زبیبی کے بعد ملکہ شمسی (شمسیہ) تخت نشین تھی۔ شمسیہ نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اور اسیری سپاہ کو ناکامیاب واپس کر دیا۔ ناچار وہ لڑنے پر مجبور ہو گئی۔ اسیری غالب آ گئے اور شمسیہ کے ملک کے اونٹ اور بیل لوٹ لیگئے۔ ایک اسیری سردار تحصیل خراج کے لئے متعین ہوا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ سبا نے بھی شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں۔ (ص ۱۳۰، ۱۳۱)

۷۱۳ ق م میں سرجون ثانی شاہ اسیریا نے شمال عرب پر فوجکشی کی۔ خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرتابی کی تھی۔ ثمود، عبادیدی (عبادی) اور مرسیمنی خیفہ کے طرفدار تھے۔ خیفہ انتہائی شمال میں موجودہ شہر مدینہ کے متصل اور بقیہ قبائل مکہ کی طرف سے نیچے آباد تھے۔ پیشتر سبا اور شمسیہ ملکہ عرب نے جسکا ملک انتہا سے شمال میں واقع ہوا تھا، نذریں پیش کیں۔ (ص ۱۴۴)

اشور بنی پال شاہ اسیریا کے زمانہ حکومت (۶۶۸ تا ۶۲۶ ق م) میں یوتع بن ہزائیل عربی کا بادشاہ تھا اور بادشاہ اسکی بادشاہ یکم تھی (یوتع (یوشع) نے اپنے حدود مملکت میں عرب ادوم۔ بیرود بیت عموں حوران۔ موآب سے سیر داخل کر لئے تھے۔ اور ان مقامات کے حدود پر عربوں کی چوکیاں مقرر کیں۔

یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخ ابی تیغ اور اباموکے ماتحت روانہ کی۔ بنی قیدار کی یہ فوج بابل سے پیچھے ہٹادی گئی۔ اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کرلیا گیا۔ عرب جو اسیریا میں آباد تھے جبراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے اسلئے متوتع کمک عربوں کو نہ پہونچ سکی۔ یوتع نبطیوں (نابتو) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا۔ بویطار (۱۳۸) یوتع کا بھتیجا تخت پر قابض ہوگیا اور بہادری کے ساتھ اسیری قوت کی مدافعت کرتا رہا۔ آخرا ہل اسیریا کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا۔ اور پابزنجیر اسیریا لایا گیا۔ دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اسکے لئے مقرر ہوئی۔ اسی سلسلہ میں قیدار کا ایک دوسرا سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ وہ فلسطین جاکو پناہ گزیں ہوا لیکن وہاں بھی اوسکو اماں نہیں ملی۔ فلسطین فتح کرلیا گیا اور وہ قید کیا گیا ملکہ عادیہ بھی گرفتار ہوئی اور ابیا ابی شیع عربی کا بادشاہ ہوا۔ ابی شیع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے اور ریکا یک تخت سے عویلط بن بیردتاریخ سے غائب ہوجاتا ہے۔ اور پھر ایک زمانہ کے بعد شیخ بنی قیدار کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اب نتنو (ناتان) رئیس انباط۔ یوتع۔ رئیس عربی اور ابی تیع شیخ قیدار متفقاً اسیریا کے مقابلہ میں اوٹھتے ہیں لیکن سوء قسمت سے ناتان گرفتار ہوجاتا ہے اور سب بچکر نکل آتے ہیں۔

(ص ۵۷۵-۵۷۶)

کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زہبی (شمسی اشمسیہ) خاندان بنی قیدار سے تھیں یا نہیں۔ لیکن آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اوسوقت الگ الگ ہوگئی تھیں اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں ان کی متفرق ریاستیں قائم ہوچکی تھیں۔

اشعیا نبی۔ جو تقریباً اسی زمانہ میں تھے یعنی آٹھویں صدی ق م میں وہ بیان کرتے ہیں کہ قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے (۲۱-۱۷) گاؤں میں ان کی بہت سی آبادیاں ہیں (۴۲-۱۱) بھیڑ بکری ان کی اونکی دولت ہے اسی کی وہ تجارت کرتے ہیں۔ (۶۰-۷)

قیدار کے متفرق رؤسا میں سے عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور عدنان ہے قیدار کی نسل کی تمام شاخیں شجرۂ انساب میں اسی عدنان تک منتہی ہوتی ہیں۔ چھٹی صدی ق م میں بنوکد نذر (بخت نصر) (۶۰۵ سے ۵۶۲ ق م) جس کو عرب بخت نصر کہتے ہیں۔ اسیریا کے تخت پر جلوہ نما ہوتا ہے اور عراق سے لیکر شام۔ مصر اور عرب تک کی خاک اڑا دیتا ہے۔ اہل عرب کا بیان ہے کہ اوسوقت عربوں کا رئیس کل معد بن عدنان تھا۔

اشعیا (۷۵۰ ق م) حزقیال (۵۹۷ ق م) اور یرمیاہ (۵۸۶ ق م) نبیوں نے خانوادہ قیدار کو اس خونخوار اور سفاک بادشاہ کے خروج سے ہشیار کیا ہے۔ سب سے پہلے اشعیا نبی کہتے ہیں:۔

قیدار کا تمام جاہ و جلال مٹ جائیگا۔ تیراندازوں اور بہادر فرزندانِ قیدار کی تعداد گھٹ جائیگی۔ (اشعیا ۲۱: ۱۶، ۱۷)

باب ۴۲۔ آیت ۱۱ میں ہے:۔

اُن دیہاتوں میں آواز نکلیں میں قیدار رہتے ہیں۔

باب ۶۰ درس ۷ میں ہے:۔

قیدار کے گلّے اور بنایوط کی بھیڑیں اکھٹی کیجائیں گی۔

یرمیاہ نبی نے کہا (۴۹-۲۸)

قیدار اور حضور کی حکومتوں پر افسوس ہے۔ جنکو بابل کا بادشاہ نبوخذنذر (بخت نصر) تباہ کریگا خدا کہتا ہے اوٹھو اور قیدار کے پاس جاؤ اور اہلِ مشرق کو برباد کرو۔

اہلِ عرب نے روایت کی ہے کہ بخت نصر حملہ کرتا ہوا حجاز تک پہونچگیا تھا۔ معد بن عدنان بر سرِ مقابلہ ہوا۔ اور ایک غیر منفصل جنگ کے بعد دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یرمیاہ نبیؑ نے معد کو بچا لیا۔ اور شاید اس شکست سے بنو قیدار کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہونچا۔ حزقیال نبیؑ جو بخت نصر کی ان جہاں سوزیوں کے زمانہ میں موجود تھے اور فلسطین سے قید ہوکر (۵۹۷ ق م) بابل گئے تھے۔ قیدار کے شہزادوں کا ذکر کرتے ہیں:۔

عرب اور قیدار کے تمام شہزادوں نے بھیڑ بکری کا تجھ سے بیوپار کیا۔ (۲۷-۲۱)

ان انبیاؑ کی معاصرانہ شہادتوں سے بنو قیدار کی معاشرت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خیموں اور گاؤں میں آباد تھے۔ بہادر اور شجاع تھے۔ قبائل کے سردار تھے۔ بدیا نہ جاہ و جلال اور شان و شکوہ ان کو حاصل تھا۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اور یہی نقشہ ان کا زمانہ اسلام تک موجود تھا۔ (ماخوذ از کتاب ارض القرآن جلد دوم۔ تذکرہ انباط و قیدار)

مشرقی مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عدنان کے دو بیٹے تھے معد اور عک۔ عک کی نسبت وہ صرف اتنا ہی لکھتے ہیں کہ وہ علاقہ یمن کی طرف جاکر سکونت پذیر ہوا۔ باقی حالات پر پردہ ہے لیکن زمانہ حال کی تحقیقات علم القدامت کے اکتشافات خصوصاً ان کتبوں کی عبارات سے۔ جو علاقہ حضر موت کے مقام حصن غراب میں پائے گئے ہیں اور جنکو مسٹر فارسٹر قوم عاد کے اخبار و آثار سے شمار کرتے ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ عک نے کچھ عرصہ تک اوسی علاقہ میں شاہی کی تھی۔ مذکور الصدر کتبوں کو حضر موت کے علاقہ

میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازی افسروں نے ۱۸۳۴ء میں پایا تھا۔ ان کتبوں کا پورا بیان مع نقشوں کے
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل جلد سوم میں مندرج ہے۔ مسٹر فارسٹر نے اسکی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس
سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں عکب وہاں کا حاکم تھا۔

معد بن عدنان کے بعد قبائل عرب کی سرداری اور حکومت معد سے تعلق رکھتی تھی۔ معد اور حضرت یرمیاہ
اوس وقت کے پیغمبر زمانہ دونوں ہمعصر تھے۔ اور اون دونوں میں باہم مراسم اتحاد قائم تھے۔ مورخ مسعودی
نے مروج الذہب میں صرف اتنا لکھا ہے۔ وقد کان لارمیا مع معد ابن عدنان اخبار یطول ذکرھا۔
حضرت ارمیا کے ساتھ معد ابن عدنان رہتے تھے اور بڑے ایسے واقعات ہیں کہ اونکا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ تاریخوں سے مسعودی
کے اس مجمل بیان اور اشارہ کی حقیقت اسطرح پائی جاتی ہے۔

معد ابن عدنان اور حضرت ارمیاہ کے حالات اور باہمی تعلقات جو گذرے ہیں وہ حقیقتاً بہت
طول طویل ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ جب بخت نصر نے حملہ کیا اور عرب میں بنی عدنان اور بنی جرہم کو
شکست دی اور شہر مکہ کو بالکل لوٹ لیا اور وہاں کے صدہا باشندوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ تو
اوس وقت خدا تعالیٰ نے معد ابن عدنان کی جان کو بال بال بچا لیا۔ حضرت ارمیاہ اور اون کے وصی و
جانشین برخیا (کاتب الوحی) کو معد بن عدنان کی حمایت میں بھیجا۔ یہ دونوں حضرات مکہ میں آئے اور عدنان
کو بھی اپنے ساتھ حران یا جیرون میں۔ جو علاقہ شام میں ہے۔ لے گئے۔ اور اون کو ایک معتد بہ زمانہ تک
بحفاظت و آرام رکھا۔ وائل ملقب بہ ابن کلیب ابن ربیعہ بھی معد ابن عدنان کی اولاد میں تھا۔ عرب کا
بادشاہ ہوا۔ اور یمن والوں سے چند لڑائیاں لڑا۔ زہیر ابن خزیمہ اور قیس ابن زہیر بھی باری باری سے
حجاز پر حکمرانی کرتے رہے اور یہ سب سلاطین صحیح طور پر معد ابن عدنان کی اولاد میں تھے۔

مگر بات یہ ہے کہ ان متذکرہ بالا۔ عدنانی سلسلہ حکمرانی کا زمانہ حکومت صحت کے ساتھ قائم کرنا اور بتلانا
سخت دشوار ہے اور حقیقتاً ان حکومتوں کا یقینی طور پر ہم کوئی خاص زمانہ بتلانے سے بالکل مجبور ہیں کیونکہ انکے
معلومات کا کوئی قوی اور معتبر ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے لیکن غور و خیال کرنے کے بعد ہم اتنا اندازہ
کر سکتے ہیں کہ ان اسماعیلی الاصل فرمانروایان عرب کا زمانہ حکومت اوسی وقت ہوگا جب بابل کی سلطنتیں
اور دیگر ہمسایہ حکومتیں اپنے عروج و ارتقا کے زمانہ کو تمام کرکے اضمحلال اور ادبار کی حالتوں میں مبتلا ہو چکی
تھیں۔ (خطبات احمدیہ ۵۶۴)

معد ابن عدنان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام نزار تھا۔ نزار کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچوں بیٹوں سے
پانچ مشہور شاخیں قائم ہوئیں۔ ۱ انمار ۲ ایاد ۳ ربیعہ ۴ قضاعہ ۵ مضر۔ عرب کے تمام قیداری قبائل انھیں

سکے فروع میں، میلاد مسیح علیہ السلام کے پیش پیش زمانہ میں طولاً یمن سے شام تک اور عرضاً حجاز و نجد سے بحرین و عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور زمانۂ اسلام تک انکا ہی نقشہ تھا۔

یہ پانچوں شاخیں پھر چھوٹے چھوٹے مختلف خاندانوں پر منقسم ہوگئیں۔ ان کا مجموعی نام اپنے اپنے مورثِ اعلیٰ کی نسبت سے۔ بنو عدنان۔ بنو معد اور بنو نزار قایم ہوا۔ نزار کے پانچ خاندانوں میں سے۔ انمار اور ایاد نے کوئی بڑی وقعت حاصل نہیں کی۔ ربیعہ قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد۔ دنیاوی اعزاز اور سیاسی اقتدار میں بڑی ناموری حاصل کی اور حجاز، نجد و عراق میں ان کی عظیم الشان حکومتیں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قایم ہوئیں بنو عبدالقیس کے بحرین میں۔ بکر و تغلب اور کندہ کے نجد میں اور آل منذر کے عراق و حیرہ میں نظام حکمرانی جاری ہوئے۔

قبیلۂ قریش

سلسلۂ نسب　مضر کی شاخ متعدد اور وسیع خاندانوں میں منقسم ہوگئی جن میں سے ایک قریش کا خاندان ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

فہر[1] ابن مالک[2] ابن نضر[3] ابن کنانہ[4] ابن خزیمہ[5] ابن مدرکہ[6] ابن الیاس[7] ابن مضر[8] ابن نزار[9] ابن معد[10] ابن عدنان[11]

عدنان تک سلسلۂ نسب حرف بحرف صحیح ہے اور ناقابلِ شک صحیح روایات سے ثابت ہے، احادیث صحیحہ میں مروی ہے۔ اشعارِ عرب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سلسلۂ نسب بھی انھیں واسطوں سے عدنان تک پہونچتا ہے۔

وجہ تسمیہ قریش　فہر کا لقب قریش تھا۔ اسی بنا پر اس کی نسل نے "قریش" اپنا خاندانی علَم قرار دیا۔ لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔ اسکا ایک ماخذ "قریش" و "تقرش" ہے جس کے معنی اکتساب و تحصیل ہیں۔ خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصلی پیشہ تجارت ہے۔ اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے۔ (مورخین و محققین عرب اس استخراج اور اشتقاق کو ذکر نہیں کرتے اور نہ تقرش کے معنی تحصیل و اکتساب کے بتلاتے ہیں۔ بلکہ تقرش سے تجمیع و اجماع کے مفہوم لیتے ہیں۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوتا ہے) قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ فہر نے اپنے استیلا و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اسی دوسری تاویل کو اختیار کیا ہے۔

مستشرقینِ یورپ نے۔ جنکو ہماری تاریخ سے خود غرضانہ محبت ہے۔ اسی دوسری رائے کو پسند کیا ہے لیکن اسلئے نہیں کہ وہ روایتاً صحیح تر ہے بلکہ اسلئے کہ توٹم (طوطمیت) کے ثبوت کے لئے ایک سند ہاتھ لگتی ہے۔ حالانکہ اسکی تردید کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس خاندان میں قریش کے نام کی نہ پوجا ہوتی تھی اور نہ اس نام

کا کوئی دیوتا تھا۔

قریش کی شاخیں قریش بھی کوئی ایک قبیلہ نہ تھا۔ چھوٹے بڑے دس مختلف خاندانوں پر منقسم تھا۔ ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔ ان کا سلسلہ نسب حسب ذیل ہے :—

سب سے پہلے قریش کون کہلایا
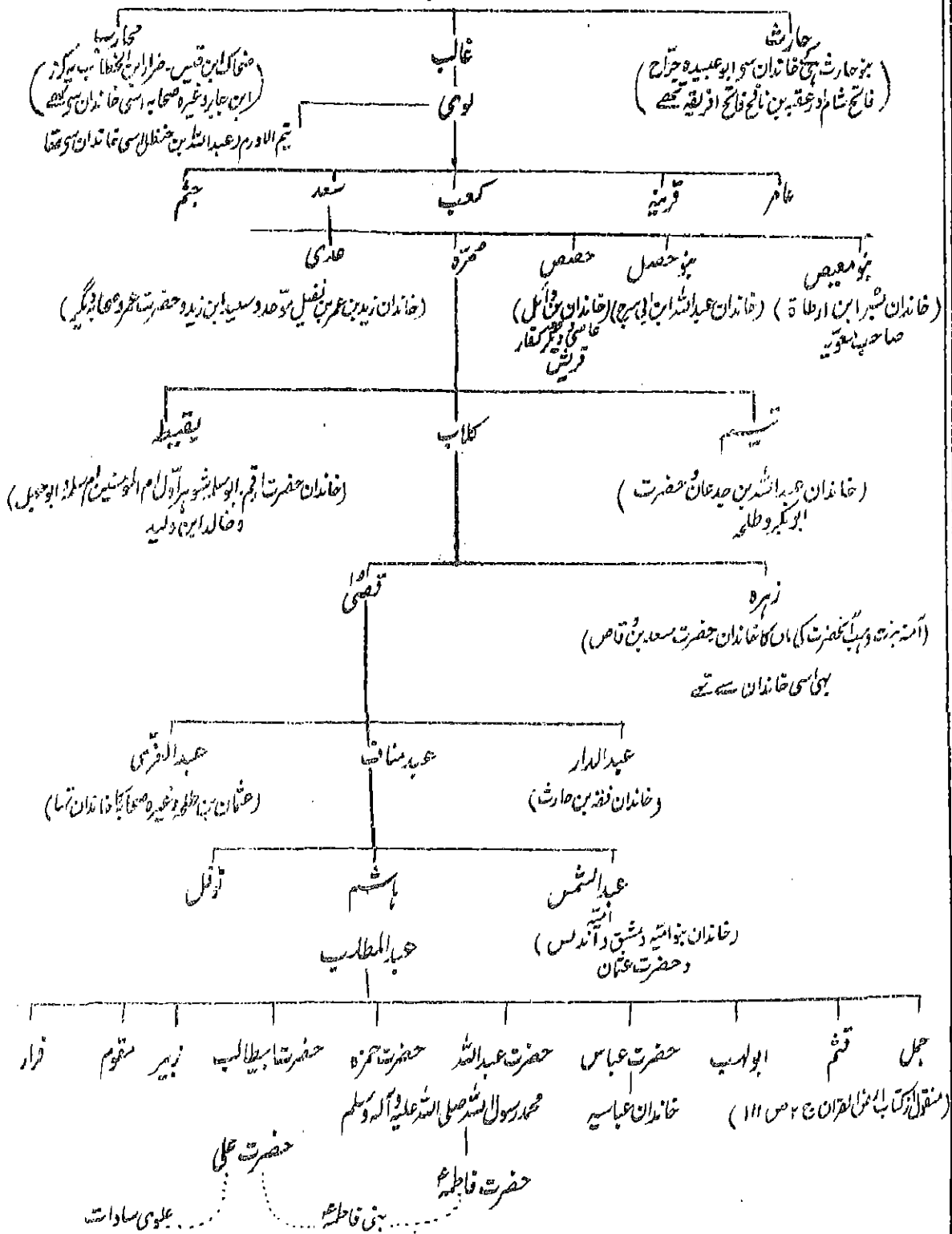
معد ابن عدنان کے بعد اس خاندان میں مدت تک کوئی شخص قابل الذکر نہیں گذرا۔ ان سے آیندہ چودھویں پشت میں خزیمہ بن مدرکہ ایک ایسا شخص معلوم ہوتا ہے جس کے بیٹے زہیر نے حجاز میں حکومت کی اور اوسکے بعد اوسکے بیٹے قیس نے بھی حکمرانی کی۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ نسب میں داخل نہیں ہیں۔ اسلئے ہم نے انکے تفحص حالات کی زیادہ فکر نہیں کی۔

خزیمہ کی ایک پشت بعد نضر کے وقت سے اس سلسلہ کے کسی قدر مسلسل حالات و واقعات تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید مورخین و محققین نے اس سلسلہ کے حالات کو نضر ابن کنانہ بن خزیمہ کے عہد سے ایک سلسلہ اور ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔ اکثر محققین کا اسی بناپر یہ مختار معلوم ہوتا ہے کہ اس خانوادہ میں پہلا شخص جو قریش کہلایا وہ نضر ابن کنانہ تھا۔ بعض فہر ابن مالک ابن نضر (نضر کے پوتے) کو اول قریش بتلاتے ہیں۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فہر جماعہا والاکثرون النضر	قریش صحیح یہ ہے کہ وہ فہر (بن مالک) تھا جس نے اونکو جمع کیا اور اکثروں نے نضر کو بتلایا ہے۔

اس شعر قدیم عرب سے فہر کی صحت تخصیص تو ضرور معلوم ہوئی۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ نضر کا شمول بھی اسکے ترجمہ میں ظاہر ہوگیا قول اول کے مطابق ممکن ہے کہ قریش کی خصوصیت نضر ہی کے وقت سے پیدا ہوئی ہو۔ مگر اس نے اس خصوصیت اور اسکی شہرت کیطرف توجہ نہ کی ہو۔ لیکن اوس کی دوسری ہی پشت میں اوس کے پوتے فہر ابن مالک نے اس کی شہرت کا خاص اہتمام کیا اور تمام بنی نضر کو جمع کرکے اون کا قریشی ہونا بتلایا۔

نضر اور فہر پر موقوف نہیں۔ ان سے دو تین پشت بعد قصی ابن کلاب کی نسبت بھی اکثر مورخین کی رائے ہے کہ پہلے یہی شخص قریش کے لقب سے مشہور ہوا کیونکہ قریش کے قومی وجود۔ آثار اور اقتدار کا قیام اور اونکا اجماع اسی شخص کے وقت سے اور اسی کے اہتمام و انتظام سے قائم ہوا ہے۔ اور حقیقتاً تمام شواہد قرائن اور دلائل سے بھی وہ شخص تاریخوں میں پایا جاتا ہے جس نے قریشیوں کو عرب کے قبائل و اقوام سے ایک جداگانہ اور مشہور و ممتاز قوم بنایا۔ اور پھر ایسے اعزاز و امتیاز کے ساتھ کہ تمام اہل عرب ہی نے اوسکے اس قومی القاب و نام کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ غیر قوموں اور دوسرے قبیلوں نے بھی۔ ان اوصاف خصوصی کے اعتبار سے نضر ابن کنانہ اصلی قریشی اور اول قریش کہلانے کا اتنا مستحق ہو سکتا ہے اور نہ فہر ابن مالک۔ ابن سعد نے طبقات میں ایسا ہی مختار قائم کیا ہے۔ اسکے ثبوت میں ہم حسب ذیل مشاہد پیش کرتے ہیں۔

قال حذافہ بن غانم العدوی لابی لہب ابن عبد مناف ابوکم قصی کان یدعی مجمعا به جمع اللہ القبائل من فھر

حذافہ بن غانم العدوی نے ابولہب ابن عبد مناف کی تعریف میں کہا کہ تمہارے باپ قصی مجمع ہیں۔ اس لئے کہ خدا نے قبائل بنو فہر کو انہی کے وقت میں جمع فرمایا ہے اسکے بعد ابن سعد لکھتے ہیں:-

فدعی قصی مجمعا لجمعه قریشا وقصی سمیت قریش قریشا وکان یقال لھم قبل ذلک بنو النضر

قصی کا لقب مجمع (جمع کنندہ) قرار پایا۔ اسوجہ سے کہ انکے وقت میں قریش کا اجماع (من حیث القوم) واقع ہوا قصی ہی کے وقت سے قریش کا لقب قریش ہوا۔ اس سے پہلے وہ لوگ بنو نضر کہلاتے تھے۔

ایک دوسری شہادت پیش کرتے ہیں:-

عن سعید ابن محمد ان عبد الملک ابن مروان سئل محمد ابن جبیر متی سمیت قریش قریشا قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقھا فذلک التجمع التقرش فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال له القرشی ولم تسم قریش قبله

سعید ابن محمد کا بیان ہے کہ محمد ابن جبیر سے عبد الملک ابن مروان نے پوچھا کہ کس وقت میں قریش کا لقب قریش قائم ہوا محمد نے جواب دیا اوس وقت سے جب اونہوں نے اپنی مدت کے اختلافات کے بعد آپس میں پھر اتفاق اختیار کیا۔ کیونکہ التقرش کے لغوی معنی تجمع کے ہیں عبد الملک نے کہا کہ میں نے آجتک یہ نہیں سنا تھا لیکن میں نے تو یہ سنا تھا کہ قصی کا نام قریشی تھا اور اس سے قبل اس قبیلہ کا نام قریش نہیں تھا۔

قصی کے اول قریش ہونے کی تیسری شہادت یہ ہے:-

عن عبد الرحمان ابن عوف قال لما انزل قصی الحرم وغلب علیه فعل افعالا جمیلة فقیل له القرشی فھو اول من سمی به

(طبقات ابن سعد ص ۴۰)

عبد الرحمن ابن عوف کا قول ہے کہ جب قصی حرم میں آئے اور انکو غلبہ حاصل ہوگیا اور ان سے افعال حسنہ ظاہر ہوئے تو انکا لقب قریش مقرر ہوا اور وہ پہلے شخص ہیں جو اس لقب سے موسوم ہوئے۔

عیسائی بلا کے متعصب ہیں۔ ارض القرآن کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ بنو اسمٰعیل میں ٹوٹو نزم (طوطمیت) ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سے بنو اسمٰعیل کی۔ جو اسلام کی اصل ہیں۔ ایک گونہ ذلت منظور ہے (مارگیولوس حیات محمد) فاضل معاصر صاحب ارض القرآن نے ایک دھیما سا جواب بھی دیدیا ہے اور بتلادیا ہے کہ اگر قریش کے لغوی معنی جانور درندہ دریا کے سبب سے یہ خیال پیدا کیا ہے۔ تاہم خلاف واقع ہے۔ کیونکہ قریش میں کسیوقت جانور پرستی (طوطمیت) ثابت نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر مخالفین اسلام کو اسی وجہ تسمیہ کی خصوصیت پر اصرار ہے جس کا قدیم و جدید عربی تاریخوں میں کہیں نشان نہیں ملتا۔ تو ہم ان سے استفسار کرتے ہیں کہ عرب کے ان قبائل نے ایام جاہلیت میں جانوروں پر اپنے نام رکھکر اپنی جاہلیت (جانور پرستی) کا اظہار کیا تھا۔ مگر آپ حضرات تو اس چکا چوند والی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں بھی۔ مسٹر اولف (بھیڑیا) مسٹر پیکاک (مور) مسٹر پیرٹ (طوطا) مسٹر ڈکسن (بطخ کا بچہ) وغیر امثالہم نام رکھ رکھکر آجتک اپنے ٹوٹم ازم کا پورا ثبوت پہونچا رہے ہیں۔

تسمیہ قریش کی اولیت کی نسبت ہم نے ابن سعد کی شہادتیں جو اوپر پیش کی ہیں۔ انکو۔ اور اون سے پہلے جو اقوال لکھے گئے ہیں۔ اون کو ایک جا جمع کر کے ایک تحقیق طلب شخص بآسانی حقیقت حال کو سمجھ کر اپنا یوں اطمینان کر لیگا کہ اہل عرب (بنو اسمعیل) میں قبائل وعشائر کو ایک خاص قوم بنانے اور اوس کے لئے ایک خاص امتیازی نام سے شہرت دئے جانے کا خیال سب سے پہلے نضر ابن کنانہ کو پیدا ہوا۔ اور اوس نے اس بنا پر اپنے قبیلہ اور عشیرے والوں کو۔ جتنے بھی اوسوقت جمع ہو سکے۔ پہلے اسی شخص نے اکٹھا کیا۔ اور اس تجمیع کی رو سے وہ قریش کہلایا۔ اوسکے بعد مالک بن نضر نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ مالک کے بیٹے فہر نے پھر اسی خیال کو زندہ کیا۔ اور قومی مجموعہ کی ترتیب دی۔ مگر وہ بھی خاطر خواہ کامیاب نہوا۔ وجہ یہ تھی کہ غیر قبائل پر حاکمانہ غلبہ نہ نضر ہی کو حاصل ہو سکا اور نہ فہر کو۔ لیکن کسی کا ریاض کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ کوشش موقوف ہو جاتی تھی۔ ارادہ اور نیت تو دل سے مٹتا نہیں تھا۔ اس اصول کی بنا پر قریش کی ترتیب قومیت کی نسبت فہر ابن مالک کی سعی و محنت بھی ایک حد تک عرب کے جریدہ میں یادگار رہ گئی۔ اور مورخین اخبار اور محققین انساب نے انکو بھی موجدان تسمیہ قریش کے ذیل میں تسلیم کر لیا۔

مگر تاریخ و انساب کی کامل اور پر غور ورق گردانی کے بعد محقق ہو جاتا ہے کہ ان تمام کوششوں کی تکمیل قصی ابن کلاب کے زمانہ میں ہوئی۔ اور قریش کے ان تمام مجوزہ قومی اصطلاح و اتحاد کی بنیاد کا تکملہ اسی شخص کی ذات خاص سے ہوا۔ اور قبیلہ قریش کی قومی یکجہتی۔ اونکا خاندانی وقار واقتدار اور حکومت و اثار غرض سب کچھ اسی کے زمانہ میں قایم ہوئے۔ اور پھر ایسے استقرار و استحکام کے ساتھ کہ ظہور اسلام تک حکومت حجاز اور امارت کعبہ اسی خانوادہ میں برقرار رہی۔ جیسا کہ مفصلہ ذیل سلسلہ بیان سے ظاہر ہے۔

قصی ابن کلاب سے پہلے تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے حالات

قبل اسکے کہ ہم خانوادہ ابراہیمی کے اس جلیل القدر اور نامور بزرگ کے تاریخی حالات شروع کریں۔ مناسبت مقام اور سلسلہ کلام قایم رکھنے کی ضرورت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق وہ حالات

واقعات جنکو ہم نے حضرت اسمعیل ع کیوقت تک لکھکر چھوڑ دیا ہے۔ بطور اجمال بیان کر کے قصی ابن کلاب تک اوسکا سلسلہ پورا اور تمام کر دیں۔

یہانتک اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حضرت اسمعیل ع کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے نابت ابن اسمعیل پر امارت مکہ اور تولیت خانۂ کعبہ کے منصب تفویض ہوئے۔ مگر جیسا کہ علامہ ازرقی اور قریب قریب تمام مورخین و محققین نے لکھا ہے۔ یہ تمام اختیارات قرابت قریبہ کیوجہ سے بنی جرہم کے دست اقتدار میں دیدئے گئے۔ علامہ ازرقی کی عبارت یہ ہے۔

وترك (إسماعيل) ولدا من رعلة بنت مضاض بن عمرو الجرهمي فقام مضاض أمر ولد إسماعيل وكفلهم لأنهم بنو ابنته فلم يزل أمرهم معهم يعظم بمكة ويستفحل حتى ولي البيت وكانوا ولاته وحجابه وولاة الأحكام بمكة

حضرت اسماعیل ع نے رعلہ بنت مضاض بن عمر جرہمی کے بطن سے اولاد و عقب چھوڑی۔ مضاض نے وفات اسمعیل کے بعد اون کی اولاد کو اپنے ساتھ رکھا اور اون کی کفالت کی کیونکہ وہ سب انکے حقیقی نواسے ہوتے تھے۔ اسی وقت سے بنی جرہم کی مکہ میں عظمت قایم ہوگئی۔ یہاں تک تولیت خانۂ کعبہ۔ خدمت حجابت اور شہر مکہ کی امارت و حکومت بھی اونکے قبضہ و اختیار میں آگئی۔

علامہ ازرقی نے خانۂ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی امارت کے متعلق اتنے ہی بیان پر اکتفا فرمائی۔ مگر ہم اوسکو کسی قدر زیادہ تفصیل سے لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تاریخ طبری۔ ابن اثیر۔ زرقانی کے مفصلۂ ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

حضرت اسمعیل ع کے بیٹوں میں نابت سب سے بڑے تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد اپنے آبا کی منصب پر فائز ہوئے۔ قبیلہ جرہم جو حضرت ابراہیم ع کی اجازت سے مکہ میں آباد ہوا تھا۔ نابت اور اونکے تمام معاملات کا نگران ہوا۔ اسلئے کہ حضرت اسمعیل نے رعلہ بنت مضاض ابن عمر جرہمی سے شادی کر لی تھی اور تمام بنو اسمعیل اونھیں کی اولاد تھے۔ اس قرابت قریبہ کے رو سے قبیلہ جرہم نابت اور تمام بنو اسمعیل کا ولی اور قریبی خیر خواہ مقرر ہوا۔ اور مضاض بن عمر رئیس جرہم کو اسی ذریعہ سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ حاصل ہوئی۔

مکہ میں اوسوقت دو قبیلے آباد تھے۔ ایک تو بنی جرہم۔ دوسرے بنی قطورہ (عمالیق) بنی قطورہ حضرت ابراہیم کی دوسری بی بی کی اولاد تھے۔ جو یمن سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اسوقت مضاض بن عمر قبیلہ جرہم کے رئیس تھے اور سمیدع بنی قطورہ کا امیر۔ مکہ کے حصۂ اعلیٰ میں جرہم مع بنو اسمعیل آباد تھے۔ اور وہاں کی حکومت بنی جرہم سے متعلق تھی شہر کے حصہ پائین میں بنی قطورہ بستے تھے اور وہاں کی امارت اون سے تعلق رکھتی تھی۔ حصول ترجیح اور تفضیل کی بنا پر ان دونوں مختلف قبائل میں بڑی بڑی خونریزیاں واقع ہوئیں اور بالآخر

نتیجہ یہ ہوا کہ مضاض نے سمیدع کو قتل کر ڈالا اور اوسکے قبیلہ کو سخت شکست ہوئی اور ہمیشہ کیلئے ایسا کمزور کر دیا کہ پھر اونہوں نے جرہمیوں کے مقابلہ میں سر نہ اوٹھایا اس فتحیابی کے بعد مضاض ابن عمر جرہمی تمام مکہ کا امیر اور حاکم تسلیم کر لیا گیا۔ اور خانہ کعبہ کی تمام خدمات و اختیارات تو اوسکے قبضہ اقتدار میں پہلے سے تھے ہی۔

مضاض کے بعد اوس کی اولاد میں مدت تک نسلاً بعد نسلاً امارت کعبہ اور حکومت مکہ کے تمام اختیارات باقی اور قایم رہے اور بنو اسمعیل کچھ تو قرابت قریبہ اور زیادہ تر اپنی مالی اور قومی ضعف و اضمحلال کی وجہ سے اپنے موروثی اختیار واقتدار کے واپس لینے کیلئے جرہمیوں سے برسر مقابلہ نہو سکے۔ یہاں تک کہ بنی جرہم کے اطوار و رفتار میں بمقابلہ قدیم روش اور حسن سلوک کے بہت بڑا اختلاف اور فرق آگیا۔ اون میں ریاست کی شان اور امارت کی تمکنت آگئی۔ اور اون کی موجودہ شاہانہ سطوت اور امیرانہ شوکت۔ بنو اسمعیل کے ساتھ قرابت مندانہ اور عزیز دارانہ محبت و ہمدردی کی جگہ بیدردی اور نفرت کا اظہار کرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنو اسمعیل اور بنی نابت کے کثیر التعداد قبائل عشائر مختلف اقطاع و حصص ملکی میں جلاوطن ہو ہو کر بدویانہ زندگی بسر کرنے لگے جیسا کہ تاریخ آل نابت کی تفصیل میں ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں۔ بنو اسمعیل و بنو نابت کے معدودے چند قبائل وہیں رہ گئے۔

بنو جرہم کے ظلم و تعدی کی خبریں جب تمام دنیا میں عالمگیر ہوئیں تو آس پاس کے تمام علاقوں کے قبائل اون کے خلاف برانگیختہ ہو گئے یمن کے قبیلہ بنی قحطان کی ایک شاخ جو بنی خزاعہ مشہور تھی بنی جرہم پر حملہ آور ہوئی۔ اور اونکو شکست دیکر تمام شہر اور اوسکے حوالی پر قابض ہو گئی۔

بنی جرہم نے بنی خزاعہ سے شکست پاکر مکہ سے نکل جانے کے وقت یہ حرکت کی کہ عمر ابن حارث جو اوس وقت بنی جرہم کا رئیس تھا۔ اوس نے اپنی قوم و قبیلہ کی صلاح و مشورت سے حجر الاسود کو اوسکے مقام سے اوکھاڑ لیا اور اون دونوں سونے کے ہرنوں کو جو اسفندیار شہریار فارس نے خانہ کعبہ کے نذر کئے تھے۔ اور وہ بیش بہا زرہیں جو خانہ کعبہ کے خزانہ میں مدت سے محفوظ و مخزون چلی آتی تھیں۔ نکال کر چاہ زمزم میں پوشیدہ کر دیں۔ اور اس کنوئیں کو مٹی ڈالکر ایسا چھپا دیا کہ چاہ زمزم کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں تھا۔

عدنان ثانی بنی جرہم کی امارت و حکومت تیسری صدی ق م تک قایم رہی۔ اسی طرح بنی خزاعہ کی حکومت و امارت کا سلسلہ سن عیسوی کے سو برس پہلے تک باقی رہا۔ اس اثنا میں بنی اسمعیل کی قوت روز بروز ضعیف اور کمزور ہوتی گئی۔ ظالم بخت نصر کے حملوں نے جس کی مدافعت کیلئے بنی جرہم اور بنی خزاعہ نے حب وطن اور حفاظت بیت اللہ کے تقاضے اور جذبات سے باہم اتفاق کر لیا تھا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ انکے معاون و مددگار قبیلہ جرہم کی رہی سہی قوتوں کو بالکل زائل کر دیا تھا۔ مگر نظام مشیت نے عدنان دوم کے زمانہ سے بنی اسمعیل کی درستی کیطرف توجہ فرمائی۔ اور وہ اس طرح کہ عدنان دوم نے بنی جرہم کے ایک رئیس اور متمول شخص کی لڑکی سے شادی کر لی اور مکہ میں

اسی ذریعہ سے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار اور اثر بڑھایا۔ اور اتنا کہ ان کے صاحبزادہ معد ثانی کی اولاد و اعقاب اور اعیان و اصحاب حجاز سے نکلکر علاقہ نجد تک پھیل گئے۔

پھر بنی عدنان موجودہ عروج و اقتدار کی ترقیوں میں چھ پشت تک خلاف امید رکاوٹ پیدا ہوگئی؎ اور معد ثانی سے لیکر کنانہ ابن خزیمہ تک کوئی ذی اثر اور مقتدر شخص ان میں پیدا نہ ہو سکا۔ مگر باایں ہمہ ان لوگوں میں اگر کوئی ایسی ترقی بھی نمایاں نہیں ہوئی تو کچھ ایسا ضعف بھی نہیں پیدا ہوا۔ ایک سکونی حالت برابر قائم رہی۔ پھر قصی ابن کلاب کے زمانہ میں انھوں نے پورا عروج و اقتدار حاصل کرلیا۔

قصی ابن کلاب

قصی ابن کلاب کے حالات زندگی بالکل حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں اور حقیقتاً ایسے ہی ہیں جیسا کہ تاریخوں سے بڑے بڑے نمودار ان اور سرداران ملک کے حالات و واقعات پائے جاتے ہیں۔ یوں تو اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے امارت مکہ اور تولیت کعبہ کی خدمات کو انجام دیا ہے۔ مگر حقیقتاً امارت مکہ اور تولیت کعبہ اصول و قواعد کے مطابق قصی کے وقت اور حکم سے قائم ہوئی۔ اسی طرح ملکی رفاہ۔ اور قومی اصلاح کی جو جو تدبیریں اور ترکیبیں قصی نے جاری کیں اور اون سے اپنے تمام ملک و قوم کو فائدہ پہونچایا وہ میرے سلسلہ بیان سے آیندہ ظاہر ہونگی۔

ابتدائی حالات

قصی ابن کلاب کے باپ کلاب بن مرہ نے خاندان ازد میں۔ فاطمہ بنت سعد سے شادی کی تھی۔ قبیلہ ازد کے لوگ بھی شہر مارب علاقہ یمن سے آکر مکہ میں بس گئے تھے۔ اور قبیلہ بنی الدیل بن بکر سے شادی بیاہ کرکے اونھیں میں مل جل گئے تھے اسی قبیلہ میں فاطمہ بنت سعد ازدی سے کلاب ابن مرہ کی شادی ہوئی۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ فاطمہ کے بطن سے پہلے زہرہ ابن کلاب پیدا ہوئے۔ اور پھر ایک عرصہ کے بعد قصی ابن کلاب کی ولادت ہوئی۔ مگر قصی کے دودھ چھٹنے کے بعد ہی کلاب کا انتقال ہوگیا۔ اور فاطمہ نے ربیعہ ابن حرام قضاعی سے شادی کرلی۔ ربیعہ نے چند دنوں کے بعد فاطمہ کو اپنے مسکن و موطن شہر عذرہ علاقہ شام میں ساتھ چلنے کے لئے مجبور کیا۔ اور فاطمہ کو آخرکار جانا ہی پڑا۔ زہرہ ابن کلاب کو چونکہ سن تمیز تک پہونچ چکے تھے اون کے قبیلہ والوں میں چھوڑ دیا۔ اور قصی کو کمسن ہونیکے باعث ہمراہ لیلیا اور ربیعہ اپنے موجودہ شوہر کے ساتھ فاطمہ علاقہ شام میں چلی گئیں۔

علامہ ابن سعد طبقات میں قصی کی وجہ تسمیہ کی نسبت حجاز سے علاقہ شام تک کی مسافت طے کرنیکو انکے قصی نام رکھے جانیکا خاص سبب قرار دیتے ہیں۔ بہرحال قصی نے شہر عذرہ اور قبیلہ بنی قضاعہ میں پرورش پائی اور ہمیشہ اپنے آپکو ربیعہ کا بیٹا خیال کیا۔ فاطمہ کے بطن اور ربیعہ کے صلب سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام زراح رکھا گیا۔ ربیعہ نے باوجود اسکے کہ فاطمہ سے اب اوسکی صلبی اولاد بھی پیدا ہوچکی تھی۔ قصی پر اپنے اشفاق و اکرام کم نہیں کئے بلکہ سلسلہ

ابراہیمی اور خانوادہ اسمعیلی ہونے کے باعث سے انکی عظمت و حرمت ویسی ہی قایم او برقرار رکھی۔

قصی کو اپنی حقیقت کی اطلاع

قصی جب سن تمیز کو پہونچے تو ایکدن بنی قضاعہ کے ایک شخص سے اور ان سے تیر اندازی میں اَن بَن ہوگئی۔ اور فیمابین بات بڑھتے بڑھتے مقابلہ اور مقاتلہ کی نوبت پہونچ گئی۔ اوس مرد قضاعی نے باہمی مکالمہ میں تعریضاً یہ بھی کہدیا کہ تم ہمارے قبیلہ اور ہمارے موطن سے چلے جاؤ۔ اور اپنے بطن و وطن کیطرف واپس جاؤ۔ ہمارا تمہارا میل جول مناسب نہیں۔ کیونکہ تم ہماری قوم قبیلہ سے نہیں ہو قصی کو۔ جو اسوقت تک اپنے آپ کو بنی قضاعہ کا ایک فرد خالص سمجھتے تھے۔ اسکی یہ تعریض بہت بُری معلوم ہوئی قصہ کو رفع دفع کرکے فوراً اپنی ماں کے پاس آئے اور پوچھنے لگے میرے باپکا کیا نام ہے۔ ماں نے کہا ربیعہ قصی بولے اگر یہ سچ ہوتا تو لوگ اس سے انکار نہیں کرتے۔ اب تو ماں سمجھ گئی کہ آج کسی نے حقیقت حال اس سے کہدی۔ ماں نے جوابدیا کہ یہ تم سے کس نے کہدیا۔ اور جس نے بھی کہا ہو۔ تو میں تم سے کہتی ہوں کہ تم اپنے قوم و وطن کے اعتبار سے۔ اُس کہنے والے شخص سے بدرجہا بہتر ہو۔ تم ذاتی شرافت نسبی نجابت اور وطنی مفاخرت میں معترض سے بمراتب اعلیٰ ترجیح و تفضیل کے مستحق ہو۔ تمہارا باپ کلاب ابن مرّہ ابن کعب قرشی ہے اور تیرے قبیلہ کے لوگ مکہ معظمہ میں بیت اللہ الحرام اور اوسکے چاروں گرد آباد ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ قصی کے دلمیں قومی غیرت کا وہ غیر متحمل جوش آیا کہ فوراً ماں کے پاس سے یہ کہتے ہوئے اوٹھ کھڑے ہوئے کہ قسم خدا کی میں اب یہاں ہرگز نہیں رہونگا۔ ماں نے کہا کہ اتنا تو ٹھہر جاؤ کہ حجاج کے قافلے یہاں سے روانہ ہوں تو میں تمکو اونکے ساتھ کردوں کیونکہ تمہارے تنہا جانے سے مجھکو تمہاری نقصان جان کا اندیشہ ہے۔

مکہ میں قصی کی بازگشت دو بچھڑے بھائیوں کی مدت پر ملاقات

جب بنی قضاعہ کے لوگ حج کرنے کو مکہ جانے لگے۔ تو اونہیں کے ساتھ قصی بھی ایک مدت مدید کے بعد مکہ واپس آئے اسوقت تک زہرہ ابن کلاب۔ انکے بڑے بھائی زندہ تھے قصی مکہ میں کہیں نہیں ٹھہرے۔ بلکہ اپنی ہمراہی جماعت بنی قضاعہ کو ساتھ لئے ہوئے۔ اور تلاش کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی زہرہ ابن کلاب کے مکان پر پہونچے بھائی بہت ہی کبیر السن ہوچکے تھے۔ اور اون کی آنکھوں سے بصارت کی قوت بھی زائل ہوچکی تھی۔ اور وہ بینائی سے ایسے مجبور و معذور ہوچکے تھے۔ کہ زہرہ قصی کو مطلق دیکھ نہ سکے۔ بالآخر قصی نے اپنی معرفت آپ کرائی اور کہا کہ میں آپ کا چھوٹا بھائی قصی ابن کلاب ہوں۔ زہرہ مرحبا کہکر اوٹھ کھڑے ہوگئے اور کہا قریب آجاؤ۔ قصی جب قریب پہونچے تو زہرہ نے انکا بدن ٹٹول کر پہچان لیا اور کہا کہ تم بیشک میرے بھائی ہو زہرہ کے بدن پر تمام بال تھے اور ایسے ہی قصی کے بھی۔ اور تمام جسم پر بال کا ہونا قدیم سے اس خاندان کا معیار تھا زہرہ نے انکا بدن ٹٹولکر اپنے اسی معیار خاندانی کی تلاش کی تھی۔ اور جب وہ پاگئے تو تصدیق کردی۔

مکہ میں قیام اور بنی خزاعہ میں شادی

بھائی نے پھر تو اپنے مدت سے چھوٹے ہوئے بھائی کو گلے لگا لیا اور پھر بڑی مسرت سے قصی اور اوسکی ہمراہی جماعت کو اپنا مہمان کیا جب حج سے فراغت ہوگئی تو جماعت قضاعہ نے معاودت وطن کیلئے عجلت کی اور قصی سے واپسی کے لئے اصرار پر اصرار کیا بالآخر قصی نے واپسی سے قطعی انکار کردیا۔ اور خود بھائی کے پاس مکہ میں رہ گئے۔ اور اون کے تمام ہمراہی اپنے اپنے مقام کو واپس گئے۔

قیام مکہ کے تھوڑے دنوں کے بعد قصی نے اپنی شادی حبّی بنت حلیل سے کرلی حلیل اُس زمانہ میں امیر مکہ تھے۔ اور متولی کعبہ معظمہ۔ حوالی مکہ سے لیکر تمام علاقہ حجاز میں بہت بڑے صاحب اقتدار و اختیار مشہور تھے قبائل خزاعیہ کے علاوہ گردو نواح کے دیگر عربی قبائل و عشایر بھی انکو اپنا سردار اور حکمران تسلیم کرتے تھے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اس قرابت و پیوند سے قصی کی آیندہ کامیابیوں میں بڑی قوت آگئی۔ مگر قصی نے کبھی اس قرابت پر مفاخرت نہیں کی اور نہ اسکو کبھی اپنے شارف نسبی پر ترجیح و تفضیل دی۔

حلیل کا انتقال ہوگیا۔ اسکا بیٹا المحترش اُسکا قائمقام ہوا۔ مگر وہ سراپا نااہل تھا۔ اور بقول ابن سعدؒ مکہ کے تمام لوگ اُسکے اطوار و کردار سے ناخوش تھے۔ وہ سخت شرابی تھے ہمیشہ مخمور اور نشہ میں چور رہتا تھا۔ قصی نے اوسے شراب پلا کر بیت اللہ کی کنجیاں اُس سے لیلیں۔ آخر زمانہ کے اکثر اسلامی مورخین نے اس قول کو اپنی تصنیفات و تالیفات میں نقل کیا ہے۔

خانہ کعبہ کی کلید برداری
مکہ کی امارت کعبہ کی تولیت

مغربی محققین کا کیا کہنا۔ اونہوں نے صرف اسوجہ سے کہ مکہ کے اکابر و عمائد میں شرابخواری کی عادت ثابت ہو۔ اس قول کو اتنا معتبر سمجھا ہے کہ گویا اسی کو اپنا مختار اور اپنی تحقیق کا معیار قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اس روایت کے بعد ہی دوسری روایت بھی طبقات ابن سعد میں موجود ہے۔ جو اس سے زیادہ قوی اور قریب الامکان اور سریع الفہم ہے۔ مگر اُسپر نظر نہیں جاتی ہم اونکے ملاحظہ کیلئے اُسکی اصلی عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

حدثتنی فاطمہ ابنت مسلم الاسلمیہ عن فاطمۃ الخزاعیۃ وکانت قد ادرکت اصحاب الرسول اللہ صلعم قالا لما تزوج قصی الی حلیل ابن حبشیۃ ابنتہ حبّی وولدت لہ اولادہ قال حلیل انما ولد قصی ولدی ھم بنو ابنتی فا وصی لو کالیۃ البیت والقیام بامر مکۃ الی قصی	فاطمہ بنت مسلم الاسلمیہ فاطمہ الخزاعیہ سے روایت کرتی ہیں کہ جنہوں نے اصحاب رسول اللہ صلعم کا زمانہ دیکھا تھا کہ جب قصی نے حلیل ابن حبشیہ کی لڑکی حبّی نامی سے شادی کی اور اوس سے قصی کے بال بچے ہوگئے تو حلیل نے کہا کہ قصی کی اولاد میری ہی اولاد ہے کیونکہ وہ میری بیٹی کے اولاد و اعقاب ہیں پس مرتے وقت تولیت بیت اللہ اور امارت شہر مکہ کا منصب قصی کیلئے وصیت کرگیا

وقال انت احق بہ۔ | اور کہہ گیا کہ وہی انکا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

ایسے صاف و پاک طریقہ استحصال امارت مکہ اور تولیت کعبہ کی موجودگی میں اس ناپاک ذریعہ کو کسی کی عقل سلیم قبول نہیں کرے گی۔

تولیت کعبہ اور امارت مکہ قصی کا موروثی اور جائز حق تھا

قبل اسکے کہ ہم اپنے سلسلہ بیان کو آگے بڑھائیں ہمکو اس مقام پر اتنا لکھکر دکھلا دینا نہایت ضروری ہے۔ کہ تولیت کعبہ اور امارت مکہ کا منصب جیسا کہ ہم کامل تفصیل اور قوی دلیل سے اوپر لکھ آئے ہیں ذریت اسمٰعیل کا موروثی اور جائز حق تو ضرور تھا۔ لیکن یہ استحقاق اور یہ مناصب منجانب اللہ اون میں سے اونھیں نفوس کے ساتھ بطور منصوص مخصوص کیا گیا تھا جو اس عہدہ جلیلہ کی پوری اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔ اور اون کی یہ اہلیت اور صلاحیت بھی ودیعت الٰہی کے خاص انتخاب عنایات پر موقوف تھے بشارات کثیرہ بتلا رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ یہ استحقاق اور یہ مناصب دوسروں کے قبضہ و اختیار میں چلے بھی جائیں اور غیر مستحقین اون پر غصب جبر غلبہ استیلا یا اور کسی تدبیر اور حکمت عملی سے متصرف بھی ہو جائیں۔ مگر وہ ایک نہ ایک دن اونھیں غیر مستحقین سے اپنے اصلی مستحقین کی حقیقت اور اصلیت کے اقرار و اعتراف کرا ہی چھوڑتے تھے۔ ثبوت کیلئے حلیل خزاعی کا واقعہ جو ابھی ابھی لکھا گیا ہے موجود ہے حلیل خزاعی باوجود اسکے کہ سالہا سال اور پشتہا پشت سے تولیت کعبہ اور امارت مکہ پر متصرف اور متقابض چلا آتا تھا۔ عرب کے قریب قریب تمام قبائل و عشائر مدت سے بنی خزاعہ کو اس تولیت اور امارت کا جائز حقدار تسلیم کر چکے تھے۔ مگر تاہم جب اس حقیقی مستحق کا سامنا ہو گیا تو آخر حلیل خزاعی کو اتنی مدت مدید کے قبضہ و تصرف کے خلاف قصی کے اصلی حقوق و تصرف کا اقرار و اعتراف کرنا ہی پڑا۔ اور خود دستبردار ہو کر اپنے بعد قصی کے قبضہ و اختیار میں واپس کرنا پڑا۔

بنی خزاعہ اور بنی بکر سے مقابلہ اور قصی کی فتح مکہ

حلیل نے واگذاشت حقوق قصی کی وصیت تو کر دی۔ مگر اوس کی وصیت پر عملدر آمد نہیں ہوا۔ اور بنی خزاعہ اور بنی بکر نے ملکر قصی کو امارت و تولیت کے منصب پر قابض نہیں ہونے دیا۔ قصی نے اون سے فوری منازعت کو مصلحت نہ سمجھا۔ تھوڑے دن اور صبر کیا۔ یہاں تک کہ چند روزوں میں قصی اور اونکی اولاد نے مکہ اور اوسکے اطراف و جوانب میں اپنے کاروبار تجارت کے ذریعہ سے اپنی مالی حالت ایک حد تک درست کر لی۔ اسی اثنا میں قصی نے تمام قریش اور بنی کنانہ کو جو حضرت ابراہیم و اسماعیل ع کی صحیح النسل اولاد تھے۔ ایک مجمع خاص میں جمع کر کے تولیت کعبہ اور امارت مکہ کے متعلق ایک طولانی تقریر کی۔ اور اسمیں پوری تفصیل سے بیان کیا کہ قریش اور بنی کنانہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی صحیح اولاد ہیں اور قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر کے مقابلہ میں امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے خاص طور پر

مستحق ہیں تو اس بنا پر ہماری موجودگی میں کسی دوسرے کو اسپر قبضہ و تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ان سے پہلے بالمسالمت ان امور کے منتزع کرنیکی کوشش کیجائے اگر وہ بالمسالمت اسکا تصفیہ نہ کر سکیں تو پھر یہ تمام اختیارات اون سے بالمنازعت واپس لئے جاویں۔

یہ سنکر تمام قریش اور بنی کنانہ نے قصی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور اسکی اطاعت و متابعت اختیار کرلی اسی روز سے قریش کا نام اس خصوصیت کے ساتھ شہرت پذیر ہوا۔ کیونکہ اونکا اتفاق و اتحاد اسیوقت سے مستحکم ہوگیا۔ اور یہی وہ قوی وجوہ ہیں جو نضر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک وغیرہ کے مقابلہ میں قصی کو قریش کے اصلی باعث تسمیہ ہونیکا صحیح ثبوت پہونچاتے ہیں۔ ابن سعد محمد ابن عمر کے اسناد سے طبقات میں لکھتے ہیں۔

لما فرغ قصی و نفی خزاعه و بنی بکر عن مکة تجمعت الیه قریش فسمیت یومئذ قریشا لحال تجمعها والتقرش التجمع طبقات ج ۱ ص ۳۸

جب قصی کو کسی قدر فارغ البالی حاصل ہوئی تو بنی خزاعہ اور بنی بکر نے اونکو قیام مکہ سے منع کیا۔ تب قریشیوں نے اوسکے پاس مکر اجماع کیا اور اسی دن سے انکا نام قریش مشہور ہوا کیونکہ قریش کے معنی جمع ہونیکے ہیں۔

تاریخوں کے مطالعہ سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ بنو اسماعیل کے دلمیں تولیت خانہ کعبہ اور امارت مکہ کے نہ ملنے یا کسی وجہ سے اوس سے نکالے جانے یا باز رکھے جانیکا بہت بڑا خیال اور ملال پیدا ہوتا تھا جسکو وہ اپنی مجبوری یا ادنی ضعف کیوجہ سے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر جب کبھی اونکی حالتوں میں ذرا بھی درستی اور قوت آجاتی تھی تو وہ فوراً غیر قوموں کے قبضہ و اختیار سے اپنے ان حقوق مخصوصہ کو واپس لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے نضر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک نے بھی اپنے اپنے وقتوں میں اسی امر خاص کیلئے اپنے قوم و قبیلہ کو مجتمع کیا تھا۔ مگر اس اجماع سے نہ نضر ابن کنانہ اپنا کام نکال سکا اور نہ فہر ابن مالک اپنے ارادہ میں کامیاب ہو سکا۔ چونکہ مشیت ایزدی اس کامیابی کا سہرا مخصوص طور پر قصی کے سر باندھ چکی تھی۔ اسلئے فہر سے چھ پشتوں کے بعد قصی نے اپنی اس آبائی تمنا و مدعا کو خاطر خواہ پورا کیا۔

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ قصی نے جب مکہ میں اپنی قوم و قبیلہ کو اس مہم کی انجام دہی پر پورے طور سے راضی اور آمادہ کر لیا تو اوسنے اندرونی قوت کیساتھ اپنی بیرونی طاقت کی درستی کا بھی سامان کیا۔ اور اپنے بھائی زراح ابن ربیعہ کو لکھ بھیجا۔ وہ بھائی کا خط پاتے ہی اپنے قبیلہ سے ایک معتد بہ جمعیت لیکر مکہ میں پہونچگیا جب قصی اور بکر و بنی خزاعہ میں بالمسالمت کوئی تصفیہ نہوا اور بنی خزاعہ اور بنی بکر کسی طرح قصی کی تولیت اور امارت پر راضی نہوئے تو بالآخر جانبین سے مقابلہ کی نوبت پہونچی۔ مقام الطح میں سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ طرفین سے کثیر التعداد لوگ مارے گئے۔ آخر کار جانبین سے مصالحت پیش ہوئی۔ یعمر ابن عوف حکم ہوئے اور اونہوں نے قصی کو تولیت کعبہ اور امارت مکہ مسلم دلوا دی۔ اور بنی بکر و خزاعہ کا خون بہا بھی قصی سے نہیں دلوایا۔ بلکہ اسکے خلاف بنی بکر و

بنی خزاعہ سے قصی کے مقتولین کی دیت دلوادی۔ اور اسی وجہ خاص سے حجاز میں یعمر ابن عوف کا نام شداخ ہوگیا۔ کیونکہ اوس نے بہت خونوں کو رائگاں کردیا۔ (طبری - ابن سعد)

قصی نے زورِ شمشیر سے مکہ کو فتح کیا ہے نہ کسی حیلہ و تدبیر سے

جب قصی کے تمام معاملات خاطرخواہ درست ہوگئے۔ تو قصی نے اپنے علاتی بھائی رزاح ابن ربیعہ اور اوسکی ہمراہی جمعیت کو اونکے وطن کی طرف رخصت کردیا۔ اور اسی وقت سے قریش اور بنی ربیعہ کے مابین باہمی تعلقات اتحاد اور زیادہ قوی اور مستحکم ہوگئے۔ قوم ربیعہ کے لوگ سالانہ ایام حج میں بلاناغہ آنے لگے اور قصی کے مہمان رہنے لگے۔ قریش بھی قصی کے ساتھ اون کی قرابت کی رعایت سے بنو ربیعہ کی تعظیم و تکریم کرنے لگے اور جنگ خزاعہ کے وقت سے بنو ربیعہ کو اپنا شریک و معین یقین کرنے لگے۔

ہمنے قصی کے حالات کو اسوجہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ اکثر محققین و مورخین کا یہ خیال کرلینا کہ قصی ابن کلاب نے امارت مکہ و تولیت کعبہ بے محنت و مشقت صرف اپنے حیلہ و حکمت سے المحترش ابن حلیل کو شراب پلاکر حاصل کرلی محض بے اصل ہے۔ مذکرہ بالا مشاہد تاریخی ثابت کررہے ہیں کہ اپنے آبائی قوت و اختیار اور امارت و اقتدار کے حاصل کرنے میں قصی کو کتنی زحمتیں اوٹھانی ہوئیں اور کتنے سامان فراہم کرنے ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ المحترش کو شراب پلاکر کلید کعبہ حاصل کرلیگئی ہو۔ مگر صرف کنجی ملجانے سے یا ایک المحترش کے شریک و رفیق بنجانے سے قصی کو امارت مکہ اور تولیت کعبہ حاصل ہونیوالی نہیں تھی۔ بنی بکر اور بنو خزاعہ کب اوسکو قبول کرتے۔ جیسا کہ وہ خاتمہ جنگ تک رہا۔ باوجود اسکے کہ حلیل کی وصیت اور المحترش کی نا اہلیت اور قصی کے ساتھ اوسکے ساز باز سے بھی آگاہ ہوچکے تھے۔ قصی کے استحقاق و مطالبات سے انکار ہی کرتے رہے۔

ان مشاہد کو پیش نگاہ رکھکر ایک محقق آسانی سے تصفیہ کرلیگا کہ قصی ابن کلاب نے اپنی آبائی حکومت و امارت اور خاندانی عظمت و اقتدار ایک سخت لڑائی کے بعد جیسی کہ عربی قبائل میں لڑائیاں ہوتی ہیں پھر از سر نو حاصل کیا ہے۔ حالات و واقعات مذکورہ بالا سے کامل طور پر ثابت ہے۔ ان مشاہد تاریخی کے مقابلہ میں شراب خواری والی روایت اگر مان بھی لیجائے۔ تو قول منفرد ثابت ہوتی ہے جس کی کوئی تفصیل و تصریح ثابت نہیں۔ اس بنا پر اس روایت کو تاریخی واقعہ سمجھنا غلطی ہے۔

قومی اصلاح اور دار الندوہ کی افتتاح

قصی نے اسی اثنا میں بنی نضر بنی کنانہ اور بنی فہر کے قبائل کو جو بنو بکر و بنو خزاعہ کے غلبہ و ظلم سے سکونت مکہ ترک کرکے مختلف مقامات میں آباد ہوگئے تھے۔ پھر مکہ میں واپس بلالیا۔ شہر میں عموماً تمام اور بیت اللہ کے خصوصاً چار و نطرف دور دور تک خاردار درختوں کے جنگل کھڑے تھے اور اوس معبد الہی کی صفائی اور پاکیزگی کو بالکل بدنما بنا رہے

تھے قصی نے سب سے پہلے ان تمام مقامات کی صفائی کو مدنظر رکھکر ان تمام جنگلوں کے کٹوا دینے کا اہتمام کیا۔ قبیلہ قریش کے اکثر اور عرب کے دیگر اقوام و قبائل نے اپنی قدامت پسندی اور اوہام پرستی کی بنا پر قصی کو اس امر سے روکنا چاہا۔ مگر قصی نے اپنے اور اعوان و انصار کو ہمراہ لیکر ان جنگل جھاڑیوں کو خود کاٹنے لگا۔ اوسکی مستعدی اور آمادگی دیکھکر تمام عرب اُسکے شریک ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مقامات بالکل صاف و شفاف ہو گئے۔ تو قصی نے ان تمام مقامات کو چار حصوں میں منقسم کیا۔ اور باہر سے آئے ہوئے قریشیوں کے مختلف قبائل و عشائر کو انہیں مقامات میں بسایا۔ ان انتظامات نے قبائل قریش ہی پر نہیں بلکہ تمام اقوام عرب پر قصی کی امارت و حکومت کے کامل اور مستحکم اثر پیدا کر دئے۔ اور اہل عرب دینی اور دنیاوی حیثیت سے قصی ابن کلاب کو اپنا پیشوا اور سردار تسلیم کرنے لگے۔

قصی ابن کلاب کے دیگر انتظامات متعلقہ تولیت کعبہ امارت مکہ کی تفصیل میں ابن سعد لکھتے ہیں:-

عن ابی صالح عن ابن عباس قال کان قصی ابن کلاب اول ولد کعب ابن لوی اصاب ملکا اطاع له قریش قومه فکان شریف اهل مکة لا ینازع فیها فابتنی دار الندوة و جعل بابها الی البیت ففیها کان یکون امر قریش کله وما ارادوا من نکاح او حرب او مشورة فیما ینوبهم حتی ان کانت الجاریة تبلغ ان تدرع فما یشق درعها الا فیها ثم ینطلق بها الی اهلها ولا یعقدون لواء حرب لهم ولا من قوم غیرهم الا فی دار الندوة یعقده لهم قصی ولا یعذر لهم غلام الا فی دار الندوة ولا تخرج عیر من قریش فیرحلون الا منها ولا یقدمون الا نزلوا فیها تشریفا له وتیمنا برایه ومعرفة بفضله ویتبعون امره کالدین المتبع لا یعمل بغیره فی حیاته وبعد موته وکانت الیه الحجابة و السقایة والرفادة واللواء والندوة وحکم مکة کله وکان یعشر من دخل مکة سوی اهلها

ابی صالح ابن عباس سے ناقل ہیں کہ کعب ابن لوی کی اولاد میں قصی ابن کلاب پہلا شخص ہے جس نے ملکی حکومت حاصل کی اور اوس کی تمام قوم نے اُسکی اطاعت اختیار کی۔ اور بلا منازعت احدے وہ پہلا شخص ثابت ہوتا ہے جو شریف مکہ تسلیم کیا گیا۔ اسی نے دارالندوہ کی بنیاد قایم کی اور اوسکے دروازہ کو حرم محترم کے اندر داخل کیا۔ اسی مکان میں قریش کے تمام امور پیش ہوتے تھے۔ ضرورتہ نکاح و حرب و ضرب مقابلہ و مقاتلہ اور دیگر تمام ضروریات کی نسبت اسی مکان میں جمع ہو کر مشورت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ عروس کا خلعت عروسی بھی یہیں قطع ہوتا تھا۔ اور یہیں پہنایا جاتا تھا۔ اور یہیں سے وہ اپنے گھر رخصت کیجاتی تھی۔ اور قریش کے علاوہ عرب کے دوسرے قوم و قبیلہ کے لوگ بھی سوائے اس جگہ کے اور کسی دوسری جگہ اپنا علم جنگ آراستہ کرنیکے مجاز نہیں تھے۔ اور اُس علم کو سوائے قصی کے کوئی دوسرا مرتب بھی نہیں کر سکتا تھا اور ایک غلام بھی اپنا عذر سوائے یہاں کے کہیں اور نہیں پیش کر سکتا تھا اگر کوئی قافلہ سوائے اس مقام کے کسی دوسرے مقام سے مرتب ہو کر اوٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ اور اسی طرح داخلہ کے وقت بھی اوسکو تحریم و تکریم کے خیال سے پہلے اسی مقام پر آنا ہوتا تھا۔

اور یہ تمام امور قصی کے فضائل و معارف کی معرفت اور اوسکے اختیار و اقتدار کی متابعت پر مبنی تھے۔ اور تمام لوگ اوسکے حکم و احکام کو فرائیض منصبی کی طرح واجب التعمیل سمجھتے تھے۔ اور کوئی شخص اپنی حیات یا وفات کے بعد بھی اس سے خلاف ورزی نہیں کرسکتا تھا۔ اور قصی کے قبضہ اختیار میں حجابت کعبہ۔ سقایۃ الحاج۔ رفادہ۔ اللواء۔ دار الندوہ۔ امارت مکہ غرض تمام ملکی۔ قومی اور دینی مناصب قایم اور برقرار تھے۔ طبقات ج ۱ ص ۳۹

مذکورہ بالا خدمات کعبہ میں۔ سقایہ اور رفادہ کے ماسوا۔ اور بقیہ خدمات کی تفصیل کامل طور سے اوپر بیان ہوچکی ہے۔ ذیل میں سقایہ اور رفادہ کی تفصیل بھی قلمبند ہوتی ہے۔

فرض قصی علی قریش السقایۃ والرفادۃ فقال یا معشر قریش انکم جیران اللہ و اہل بیتہ و اہل الحرم وان الحاج ضیفان اللہ وزوار بیتہ وہم احق الضیف بالکرامۃ فاجعلوا لہم طعاما وشرابا ایام الحج حتی یصدروا عنکم ففعلوا فکانوا یخرجون ذلک کل عام من اموالہم خرجا یترافدون ذلک فیدفعونہ الیہ فیصنعہ طعاما للناس ایام منی وبمکۃ ویصنع حیاضا من ادم فیسقی فیہا بمکۃ ومنی وعرفۃ فجری ذلک من امرہ فی الجاہلیۃ علی قومہ حتی قام الاسلام ثم جری فی الاسلام علی ذلک الیوم۔

طبقات ج ۱ ص ۴۱

قصی نے ایام حج میں قریش پر حجاج کی ضیافت اور پانی پلانے کی خدمت کو فرض کردیا۔ اوسکی تفصیلی کیفیت یہ ہے کہ قصی نے تمام قریش کو جمع کرکے کہا کہ تملوگ مقربان خدا ہو۔ اور اہل بیت خدا اور اہل حرم کہلاتے ہو۔ اور حجاج حقیقت میں خدا کے مہمان ہیں اور اوسکے خانہ مقدس کے زوار۔ اور تکریم و اکرام ضیف کے متعلق وہ تمہارے اور مہمانوں سے زیادہ مستحق ہیں اسلئے تم لوگ اونکی سقائی اور مہمانداری کا اوسوقت تک پورا انتظام تیار کرر کھو جب تک کہ وہ تم سے رخصت ہوکر تمہارے شہر سے واپس جائیں تمام لوگوں نے قصی کے اس حکم کو مان لیا اور اقرار کیا کہ ہم حجاج کو پانی پلائینگے اور کھانے کھلائینگے۔ اونلوگوں نے اسیوقت سے یہ قاعدہ اختیار کرلیا کہ سال بہر میں ہر شخص ضیافت حجاج کیلئے اپنے مال سے کچھ خرچ نکال لیا کرتا تھا۔ اور سب اوسکو قصی کے پاس جمع کراتے تھے۔ اسی رقم مجموعہ سے قصی حجاج کی ضیافت کا سامان اُنکے قیام مکہ و منی کے ایام میں کیا کرتے تھے قصی نے پانی کے متعلق بڑے بڑے مشعد و حوض بنوائے تھے۔ اور مقامات مکہ منی اور عرفات میں انہیں حوضوں کے ذریعہ سے تمام حجاج کو پانی پلایا جاتا ہے۔ قصی نے ایام جاہلیت میں ان قومی انتظام کو رائج کیا تھا اور فی نفسہ اور بالعموم یہ امور ایسے مفید تھے کہ اسلام نے بھی آجتک انکو جاری رکھا۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۱

قصی ابن کلاب کے یہ حالات و واقعات تھے جنکو ہمنے مختلف ماخذوں سے مندرجہ بالا عبارت میں جمع کردیا ہے اور شبلی صاحب کے اختصار اور بالاجمال بیان سے قطع نظر کرکے ان واقعات کو حتی الامکان وسعت

اور تفصیل کے ساتھ اس ضرورت خاص کی وجہ سے قلمبند کیا ہے کہ قبیلہ قریش پر ہی موقوف و محدود نہیں بلکہ تمام اقوام عرب کی نام و نمود۔ اونکا تمدن۔ اونکی تہذیب و اخلاق و معاشرت۔ غرض عرب کے تمام دینی۔ دنیاوی۔ ملکی اور قومی اقتدار اسی شخص کی تنہا قابلیت، صلاحیت۔ تجویز اور تدبیر سے وجود پذیر ہوئے اور تاریخوں سے یہی شخص پہلا اور تنہا ثابت ہوتا ہے جو قوم عرب کو ایک علیحدہ قومیت کی امتیازی صورت میں لایا اور انکو دوسرے اقوام و قبائل کی نگاہوں میں تعظیم و تکریم اور وقعت کے قابل ٹھہرایا۔

قصی کے جن ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح کے کاموں کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ وہ کامل طور سے تمدن۔ تہذیب سیاست اور حسن معاشرت میں اوسکی اعلیٰ قابلیت و استعداد کو ثابت کر رہے ہیں۔ علی الخصوص خانہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی ضیافت کے انتظام و سامان اوسکو وارث خوان خلیل اللّٰہی اور خانوادہ اسماعیلی کا سرمایہ ناز بتلاتے ہیں۔ اس نمود آ قوم اور افتخار قبیلہ نے ۴۸۰ء میں انتقال کیا۔

عبدمناف ابن قصی کی امارت

قصی ابن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ انمیں عبدالدار سب سے بڑا تھا لیکن بالکل ضعیف اور کمزور طبیعت کا آدمی تھا۔ قصی نے اگرچہ مرتے وقت حرم محترم کے تمام خدمات عبدالدار ہی کو دئے مگر اوسکی ناقابلیت اور ضعیف المزاجی کے باعث قصی کے بعد قریش کی دستار ریاست عبدمناف کے سر بندھی۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

وكان عبد الدار اكبر ولده وكان ضعيفا وكان اخوته قد شرفوا عليه (طبقات ج ۱ ص ۴۱)	عبدالدار قصی کے پہلوٹے اور اکبر اولاد تھے مگر ضعیف المزاج تھے اور اسی بنا پر اون کے بھائیوں کو اون پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

عبدمناف کے زمانہ امارت مکہ میں کوئی قابل الذکر واقعہ تاریخوں میں پایا نہیں جاتا جس کو خصوصیت کے ساتھ ہم انکو ذکر میں نقل کرتے۔ سب سے بڑا شرف جو عبدمناف کو حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ انہیں کی نسل میں سرور کائنات اشرف موجودات حضرت ختم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذیجود قائم ہوا ۔ مبارک آں صدف باشد کہ چون تو گوہرے دارد۔

ہاشم ابن عبدمناف کی امارت مکہ

عبدمناف کے چھ بیٹے تھے۔ انمیں حضرت ہاشم نہایت ہی مشہور و معروف اور قابل عظمت بزرگ تھے۔ اور تمام قریش میں یہ وہ نمودار اور ذی اقتدار شخص گذرا ہے جسکے ذاتی اوصاف و قابلیت نے تمام قوم قریش کی گذشتہ و جاہ

اور اثر کچھ علاقہ حجاز اور حوالی مکہ ہی میں نہیں بلکہ عرب اور تمام ہمسایہ ممالک اور اقوام وقبائل میں بالاستقلال قایم کر دیا۔

اسمیں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ قریش کی نمود اریوں کی ابتدا جیسا کہ ہم اوپر لکھ کر بتلا آئے ہیں قصی ابن کلاب کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ مگر جب ان واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اونکی ترقی کا اسوقت محض آغاز ہی آغاز تھا قصی کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی عذر نہیں۔ اونہوں نے اپنے وقت میں اپنی گذشتہ قومی اور خاندانی عظمت وقوت واپس لینے میں اور اپنے ملک قوم کی حالتوں کے درست کرنے میں، اور اسکے نظام ترتیبی کے درست وفراہم کرنے میں بہت ہی مفید اور کارآمد تدبیریں سوچیں۔ اور انمیں سے اکثر کو عمل میں بھی لائے اور اونکے مفید نتیجے بھی دکھلائے۔ مگر اصول ارتقا کے مطابق چونکہ ہر شئے کی نمو اور تکمیل بیک وقت نہیں ہوسکتی تھی اس لئے قصی کی مختلف تجاویز و تدابیر اونکے قومی اور ملکی عروج وترقی کا مقدمہ تھا جن کی ترتیب وتکمیل حضرت ہاشم کے زمانہ میں عرش الکمال تک پہونچگئی اور اسکے اختتام و اتمام کا سہرا انہیں کے سر باندھا گیا۔ جیسا کہ ہمارے سلسلہ بیان سے آئندہ ظاہر ہوگا۔

خانہ کعبہ کی خدمتیں حضرت ہاشم نے سب سے پہلے خدمات کعبہ کی درستی وترتیب کیطرف توجہ فرمائی جس کی نسبت قصی کے زمانہ ہی سے چند قسم کے انتظامی شکایتیں چلی آرہی تھیں۔ مگر عبدالدار قصی کے وقت ہی سے ان خدمات کے مختار ومنتظم قرار پاچکے تھے اسلئے اسمیں کسی قسم کی دراندازی سے آپس کی مشاجرت کا پورا خوف تھا۔ مگر بنی عبد الدار کی بے احتیاطی اور بے ترکیبی بڑھتے بڑھتے اس زمانے میں ناقابل برداشت ہوگئی تھی، اسلئے حضرت ہاشم نے ان خدمات مبارکہ کی اصلاح و درستی کی ضرورت کو آپس کی مشاجرت اور مخالفت کے خوف پر ترجیح دی۔ ایکدن اپنے سب بھائیوں کو جمع کیا اور اونکے مجمع میں ان امور کو پیش کیا۔ سب نے بنی عبد الدار سے ان خدمات کے واپس لینے کی تجویز میں ہاشم کی رائے سے اتفاق کیا۔ بنی عبد الدار کو ان خدمات کے واپس دینے کا پیغام بھیجا گیا۔ انھوں نے قطعی انکار کر دیا۔ اس بنا پر فیمابین کشیدگی اور رنجیدگی واقع ہوگئی۔ اور پھر تھوڑے دنوں میں بڑھتے بڑھتے جانبین سے مقابلہ اور مقاتلہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بالآخر موجودہ مخالفت ومشاجرت اس شرط مصالحت کیساتھ ختم کردیگئی کہ خدمات کعبہ کے متعلق سقایہ اور رفادہ کے خدمات بنی عبد الدار سے واپس لیکر بنی عبد مناف کو واپس کر دئے گئے اور حجابہ۔ لوا۔ اور دار الندوہ کے خدمات بنی عبد الدار کی تحویل میں چھوڑ دئے گئے۔ مگر ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔ کہ دار الندوہ کے اختیارات بنی عبد الدار کے ہاتھوں میں کبھی نہیں گئے جبتک کہ عکرمہ ابن ہاشم ابن عبد مناف نے معویہ ابن سفیان کے ہاتھ اوسکو بیچ نہ ڈالا۔ اسی بنا پر سقایہ۔ رفادہ کے ساتھ دار الندوہ کا منصب بھی ہاشم ابن عبد مناف کے

قبضہ میں آگیا۔

مولوی شبلی صاحب کی یہ تحریر بالکل غلط ہے کہ امارت مکہ اور تولیت کعبہ حضرت عبدالمطلب کے عہد میں بنی ہاشم سے منتزع ہوگئی تھی۔ آپکی یہ رائے شاید شرائط صلحنامہ مرقومہ بالا پر مبنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبقات کی عبارت پر نظر نہیں پڑی بہرحال ہم اس مسئلہ کو حضرت عبدالمطلب کے خاص حالات میں مفصل طور سے لکھکر بتلا دینگے کہ مولوی صاحب کا یہ قیاس اونکی تحقیق کی خامی ہے۔

ان تینوں خدمات (سقایہ۔ رفادہ۔ اور الندوہ) کو جس خوش اسلوبی سے ہاشم مرحوم نے اپنے زمانہ حیات میں انجام دیا وہ آجتک تاریخ عرب میں انکے حسن انتظامی اور خوش لیاقتی کی یادگار ہے۔ خانہ کعبہ کی مقدس خدمات کی خاطر خواہ اصلاح و ترمیم فرماکر ہاشم مرحوم ملکی اور قومی رفاہ و ارتقا کیطرف متوجہ ہوئے۔

ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح

دنیا جانتی ہے کہ عرب چٹیل میدان اور تمامتر ریگستان ہے اور اہل عرب بالکل مفلس اور نادار قوم۔ اپنی کم سرمایگی اور بے سروسامانی کیوجہ سے وہ کسیطرح اپنی حالتونکو درست نہیں کرسکتے تھے۔ اونکی ناداری اونکا افلاس اونکی ترقی اور خوشحالی کا سخت مانع تھا۔ یہ ہاشم مرحوم کی قومی ہمدردی اور ملکی رفاہ کی خدمات تھی جس نے اپنے ملک و قوم کو ایک مدت مدید اور عرصہ دراز کی تنزلی مفلسی اور ناداری کے بعد ترقی اور مرفہ الحالی کے درجوں تک پہونچایا۔ اور رفتہ رفتہ اپنی مفلوک الحالی اور بے سرمایہ قوم و قبیلہ کو تجارت پیشہ قوم اور کاروباری فرقہ بنایا۔ تمام مغربی اور مشرقی مورخین و محققین کا اسپر اتفاق ہے کہ قریش کے مشہور و معروف قبیلہ میں بیوپار اور کاروبار کرنیکا خیال شوق اور مذاق ہاشم مرحوم ہی نے پیدا کیا۔ اگرچہ علم آثار کے اکتشافات و تحقیقات جدیدہ سے عرب میں مشاغل تجارت کا وجود ہاشم سے بہت قبل پایا جاتا ہے۔ مگر وہ بنی قطورہ اور بنی سبا (عرب ادومی) اور اصحاب مدین وغیرہ خاص اقوام قبائل تک محدود تھا۔ اگر ان میں کہیں کہیں بنو ہاجرہ یا اسمٰعیلی عرب کا ذکر آجاتا ہے تو انکا شمول کوئی خاص تعلق میں شمار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اونہیں غیر اقوامی تاجروں کے ذیل ضمن میں تصور کرنا ہوگا۔

ہاشم مرحوم کے ایسے سچے اور مخلص حامی قوم نے دو ہزار برس کی جہالت کے اوس تاریک زمانہ میں اپنی ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و ترقی کیلئے اپنی قوم و ملک کو سب سے پہلے وہی ذریعہ اور وسیلہ بتلایا جو فی زمانہ کمال تہذیب کمال تمدن۔ اور کمال ترقی کے موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے ملکی اور قومی ریفارمر (مصلح) اپنی اپنی مختلف قوم اور جماعتونکو اونکے عروج و ترقی حاصل کرنے کیلئے بتلایا اور دکھلایا کرتے ہیں۔ اسلئے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ملکی اور قومی رفاہ کے خدمات و خیالات کے متعلق ہاشم مرحوم کی حسن تدبیر آپکا اعلیٰ تمدن دو ہزار برس پہلے بھی ترقی اور کمال کے اوسی درجہ پر پہونچا ہوا تھا جس درجہ اور مقدار تک اس زمانہ موجودہ کے ہمدردان قوم و وطن کے خدمات

وخیالات پہونچے ہوئے ہیں۔

قریش کی قومی تجارت میں ترقی

قومی ہمدردی اور ملکی رفاہ کے خیالوں سے بیحد متاثر ہوکر ہاشم مرحوم نے انکو تجارت کیطرف خاص طور پر رغبت دلائی۔ اور اپنے خاص سرمایہ سے مدد بھی۔ کیونکہ عرب کی جاہل قوموں کو اگر دنیا کے کاروبار میں کسی شے سے دلچسپی تھی بھی تو وہ تجارت ہی تھی۔ مگر تمام لوگ تو اپنی کم مایگی اور ناداری کیوجہ سے تجارت کا شغل نہیں پیدا کرسکتے تھے۔ مگر وہ لوگ جو کسی قدر سرمایہ والے تھے وہ تمام تر تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے۔ انھیں میں حضرت ہاشم اپنے عہد میں ممتاز بھی تھے۔ اس اصلی نباض قوم نے انکے اصلی مرض اور اسکے تیربہدف علاج کو فوراً معلوم کرلیا۔ اور اوسی کے مطابق عملی تدبیر اختیار کی۔ ان سے قبل جو سرمایہ دار حضرات تھے وہ بیشتر خودغرضی اور ذاتی نفع اندوزی کے خیال سے جو اکثر اہل تجارت کی طبیعت کا لازمہ ہے۔ وہ اپنی قوم کو ان امور کیطرف رغبت دلانے کیلئے ایک حد تک مجبور تھے۔ مگر ہاشم فیاض کی تربیت اصول عدالت حقوق مساوات پر قائم تھی۔ اور اسمیں ذاتی منفعت اور خودغرضی کو ذرا بھی مداخلت نہیں تھی۔ اسی وصف خاص کا نتیجہ تھا کہ ہاشم مرحوم نے اپنے تمام قوم و قبیلہ کو تجارت کیطرف لگایا۔ اور اونہیں سے نادار اور بے سرمایہ لوگوں کو اپنے سرمایہ سے کافی مدد پہونچائی۔ انکو ایک معتدبہ جماعت میں پہلے مجتمع کرکے ایک قافلہ اور تجارتی کاروان بنایا۔ اور اونکو سال بھر میں دو مرتبہ دو مختلف اطراف میں تجارت کرنیکی غرض سے بھیجے جانیکا قاعدہ مقرر کیا جس طرح قصی کو اپنے زمانہ میں تجمیع کی رعایت سے قریش کا لقب دیا گیا تھا اوسیطرح ہاشم مرحوم بھی اپنے وقت میں ایلاف قریش اور رائد القریش کہلائے جیسا کہ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں وکان (یعنی ہاشم) یقال لہ ایلاف قریش و رائد قریش ہاشم کو صاحب ایلاف قریش (کاروان سالار قریش) کہتے تھے۔ اور ایلاف قریش کے معنی حرکت کنندگان قریش کے ہیں۔ قریش کے تجارتی قافلے جاڑے کے موسم میں یمن اور حبشہ تک جاتے تھے۔ اور گرمیوں میں علاقہ شام کے شہر غزہ تک۔ تو یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہاشم مرحوم کی یہ حسن تدبیر انکی قومی اور ملکی رفاہ و فلاح کیلئے ایسی مفید اور مقید ثابت ہوئی کہ دو تین بار کی آمد و رفت اور دولت کثیر کے بعد نادار قریش اور بیشتر کنگال اہل عرب کی حالتوں میں ایک حد تک درستی اور ترقی کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ان مشاہدات نے حضرت ہاشم ہی کو نہیں بلکہ تمام قوم کے تمام افلاس زدہ اور فلاکت حال لوگوں کو اسکی غیرمتحمل ہمت دلائی اور وہ اب بلا تحریک و تحریص خود اسی کاروبار میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

ہاشم مرحوم اور قیصر روم

جب قریشیوں کی تجارت کو دوسری قوموں کی تجارت کے مقابلہ میں بہت فروغ ہونے لگا۔ تو شام و یمن کی مقامی تجارت پیشہ قوموں میں حسد و نفسانیت کی بنا پر انکے کاروبار میں غیر متوقع رکاوٹیں پیدا کرنے لگیں۔ حضرت ہاشم اکثر اپنے کاروانوں کے ساتھ اپنا مال تجارت لیکر بھی جایا کرتے

تھے۔ اور کبھی کسی ضرورت سے خود مکہ میں بھی رہ جاتے تھے مگر اہل یمن و شام کی بے رخی اور ناتوجہی کی خبر جب اونکو معلوم ہوئی تو اونہوں نے اس کی فوری اصلاح کو ضروری سمجھا اور بذات خاص قیصر کے پاس ان امور کی درستی اور اصلاح کیلئے چلے گئے قیصر نے انکا بڑا اعزاز کیا۔ ہاشم نے قیصر سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اور اوس کی رعایا کے ہاتھوں قریش کے کاروان تجارت کو جو جو دشواریاں پیش آئی تھیں ایک ایک کرکے بیان کر دیں قیصر نے بکمال رضا و رغبت قریش کے کاروان تجارت کے امن و امان اور حفاظت مال و جان کا پورا سامان کیا۔ منزلوں کے قیام اور سفر کے ایام و حالت میں عام شاہراہوں اور گذرگاہوں میں اپنی طرف سے معاہدہ لکھ کر ہاشم مرحوم کے حوالہ کر دیا۔ اور اوسکی نقل اپنے قلمرو میں خصوصاً اون علاقوں میں اور مقاموں میں جو مکہ سے شام آنے والے راستہ کے قریب تھے۔ یا ملحق تھے وہاں کے عمال اور رئیسان قبائل کے پاس بھجوا دی۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۰

نجاشی شاہ حبشہ کے نام ہاشم کا خط ملک شام کی تجارتی مشکلوں کو پوری کامیابیوں کے ساتھ رفع دفع کرکے حضرت ہاشم علاقہ یمن و حبشہ کی درستی معاملات کیطرف متوجہ ہوئے۔ مگر اسکے لئے بادشاہ حبشہ کے پاس بذات خاص حاضری کی ضرورت نہ دیکھ کر ایک خط لکھ دیا گیا اور اوسی سے خاطر خواہ کام نکل گیا۔ جیسا کہ ابن سعد کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وکتب الی النجاشی ان یدخل قریشا ارضہ و کانوا تجارا	نجاشی بادشاہ یمن و حبشہ کے پاس خط لکھکر بھیجا گیا کہ وہ اپنے ملک میں قریش کو تجارت کرنیکی اجازت دے۔

خط پہونچنے کی دیر تھی نجاشی کو کوئی عذر نہوا۔ قریش کو حبش کے ملک محروسہ میں آزادانہ تجارت کرنیکی اجازت ہو گئی۔ مولوی شبلی صاحب ان حالات کو ذیل کے مختصر الفاظ میں یوں لکھتے ہیں۔

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو ترقی دی قیصر روم سے خط و کتابت کرکے فرمان لکھوا دیا کہ قریش جب اسکے ملک میں اسباب تجارت لیکر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کیلئے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایۂ تخت تھا۔ تجار قریش انگوریہ میں برابر جایا کرتے تھے۔ تو قیصر نہایت عزت و حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔ عرب کے راستہ محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کرکے ان قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ یہ قریش کا کاروان تجارت کو ضرر نہ پہونچائینگے جسکے صلے میں کاروان قریش اون قبائل میں اونکی ضرورت کی چیزیں خود لیکر جائیگا۔ اور اون سے خرید و فروخت کریگا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۸

الغرض۔ ہاشم مرحوم نے ان مشکلات کو جو قریشی کاروان تجارت کو اپنے کاروبار میں حائل تھیں نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے رفع کر دیا کہ پھر وہاں کے مقامی قوموں کو ان کی مخالفت اور ضرر رسانی پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لئے قریش کے کاروان تجارت کا راستہ مکہ سے یمن اور شام تک صاف ہو گیا۔ ملکی رفاہ اور قومی اصلاح و فلاح کے متعلق ہاشم مرحوم کی یہ اعلیٰ تدبیریں تھیں، یہ محاسن خدمات تھے۔ جو قریب قریب دو ہزار برس کے بعد بھی قوم و ملک کی بیشمار اور لاانتہا شکر گذاریوں کے ساتھ عرب کی دفاتر تاریخی ہی میں نہیں۔ بلکہ تذکرات عالم کے مختلف صحائف و جرائد میں آج تک محفوظ و مرقوم ہیں۔

ہاشم مرحوم کی اس ہمدردی اور دلسوزی نے تمام ملک و قوم کو انکا مطیع و منقاد اور والہ و شیدا بنا رکھا تھا اور ایسا کہ ہر شخص انکی متابعت کو اپنی مفاخرت سمجھتا تھا اور اپنے تمام مصائب و حوائج ضروریہ کے وقتوں میں اپنا حامی و معین اور متکفل یقین کرتا تھا۔ اور تھا بھی ایسا ہی۔

ہاشم مرحوم کی ثروت و اقتدار کا اثر اوس زمانہ میں ملک عرب اور قوم قریش ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ اطراف و جوانب کے بیرونی اقوام و قبائل بھی پوری طرف سے ان کی ذاتی وجاہت اور عظمت کے زیر اثر تھے۔ اور اسکی سب سے بڑی وجہ اور قوی سبب یہ تھا کہ بیرونی قوم و قبائل کے بیشمار لوگ سالانہ ایام حج میں آکر حضرت ہاشم کے ہاں تین شبانہ روز تک مہمان رہا کرتے تھے۔ اور رفادہ کے قدیم خدمت۔ جو قصی ابن کلاب کے وقت کا دستور تھا۔ اور جو فی الحال ان سے خاص طور پر تعلق رکھتا تھا حضرت ہاشم کیطرف سے اس عالی ہمتی، فیاضی اور کشادہ دلی کیساتھ عمل میں لائی جاتی تھی اور بلا اختصاص و امتیاز اصول مساوات و عدالت کے تمام شرائط احتیاط کے ساتھ عرب کے تمام صادرین و واردین کی عام ضیافت کیجاتی تھی کہ وہ تمام اقوام و قبائل ہاشم مرحوم کی اعلیٰ فیاضی اور مہمان نوازی کے غلام بےدام بنجاتے تھے اور انکے جود و سخا اور مہر و عطا کے واقعات میں بڑی بڑی نظمیں اور طول و مفصل قصائد تصنیف کر کے یادگار چھوڑتے تھے۔

ہم قصی ابن کلاب کے ذکر میں، خدمت رفادہ کے متعلق۔ اون تمام انتظامات کو جو اون کے وقت میں کئے جاتے تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور اب ذیل میں۔ اس خدمت کے متعلق ہاشم مرحوم کی فیاضیوں نے جس وسعت اور ہمت سے کام کیا ہے۔ اوسکو بالتفصیل قلمبند کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

ان ولی هاشم بن عبد مناف بن قصی السقایة والرفادة وكان رجلا موسرا وكان اذا حضر الحج قام في قريش فقال يا معشر قريش انكم جيران الله واهل بيته فانه ياتيكم في هذا الموسم

جب ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی کو سقایہ کی خدمت ملی اور رفادہ حاج کی۔ ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی تمام قبیلہ قریش میں ایک مرفہ الحال بزرگ تھے۔ جب یہ عہدے ان کے سپرد ہوئے اور موسم حج قریب آیا تو ہاشم نے تمام قبیلہ قریش کو جمع

زوار الله يعظمون حرمة بيته فهم ضيف الله
وأحق الضيف بالكرامة ضيفه وقد خصكم الله
بذلك وأكرمكم به وحفظكم منكم بافضل ما حفظ
جار من جاره فأكرموا ضيفه وزوّاره فإنهم يأتون
شعثا غبرا من كل بلد على ضوامر كأنهن القداح
قد أزحفوا وتفلوا وقملوا وأرملوا فأقروهم
واسقوهم فكانت قريش ترافد على ذلك حتى
إن كان أهل البيت ليرسلون بالشيء اليسير
على قدرهم وكان هاشم بن عبد مناف يخرج في
كل عام مالا كثيرا وكان قوم من قريش أهل
يسار يترافدون وكان كل إنسان يرسل بمائة
مثقال هرقلية وكان هاشم يأمر بحياض من
أدم فتجعل في موضع زمزم ثم يستقى فيها الماء
من الآبار التي بمكة فيشربه الحاج وكان
يطعمهم أول ما يطعم قبل التروية بيوم بمكة و
بمنى وجمع وعرفة وكان يثرد لهم الخبز واللحم
والخبز والسمن والسويق والتمر ويجعل لهم الماء
فيسقون بمنى والماء يومئذ قليل في حياض
الأدم إلى أن يصدروا من منى فتنقطع الضيافة
ويتفرق الناس إلى بلادهم

طبقات ج ۱ ص ۴۵

کرکے فرمایا کہ اے جماعت قریش تم خدا کی جماعت ہو اور اوسکے گھر والے
ان ایام میں تمہارے پاس خانہ خدا کی زیارت کرنیوالے۔ اوس کے
خانہ مقدس کی عظمت بڑہانے کے خیال سے آتے ہیں پس وہ لوگ
خدا کے مہمان ہیں۔ اور میزبان کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ وہ اپنے
مہمانوں کی با حسن سلوک ضیافت کرے اور یہ ایک ایسا حق ہے
کہ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں اسکے ساتھ مخصوص کیا ہے اور تم ہی اپنا
حقوق کو اوسیطرح محفوظ رکھا ہے جسطرح کہ وہ اپنے بندوں کی
جماعت کو دوسری جماعت سے محفوظ کرتا ہے۔ پس تم اپنے ان
مہمانوں اور زائروں کے ساتھ باکرام پیش آؤ۔ جو بالکل گرد وغبار
میں اٹی ہوئی جماعتوں کی صورت میں دور دراز ملکوں سے
تمہارے پاس آتے ہیں۔ گویا وہ فوج مقابلہ کنندگان کی جماعت
ہیں۔ جو دوری مسافت اور تکالیف سفر کی وجہ سے ضعیف، لاغر
شکستہ، افتاں و خیزاں تمہارے پاس آتے ہیں پس تم بالطاف و
اکرام تمام اونکو اپنے پاس بلاؤ۔ اور انکو پانی پلاؤ۔ ہاشم کا یہ حکم سنکر
تمام قریش نے جادہ کی خدمت کا سامان کرنا شروع کیا۔ اور تمام
قریش نے جو اہل بیت کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے ہیں مال کثیر
اس خدمت کے لئے دینا آغاز کر دیا۔ اور خود ہاشم ابن عبد مناف
ہر سال بہت مال کثیر اپنے سرمایہ سے اس مصرف خاص کیلئے
نذر کیا کرتے تھے اور جو لوگ کہ قریش میں متمول تھے۔ وہ طعام داری
کا سامان کرتے تھے۔ اور انمیں سے ہر شخص سو مثقال ہرقلیہ کعبہ
کیلئے نذر کا لاکرتا تھا۔ ہاشم نے حجاج کے پانی پلانے کے لئے
چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنوا لئے تھے۔ اور وہ زمزم کے پاس رکھے
جاتے تھے اور ان میں مکہ کے کنووں سے لا لاکر پانی بھر دیا جاتا تھا۔ (کیونکہ چاہ زمزم تو مدت سے پٹا ہوا اپنے نام و نشان تک پڑا تھا) اور
یہی تمام حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ اور حجاج کو پہلے یوم ترویہ کے روز کھانا کھلایا جاتا تھا اور یہ اول ضیافت خاص شہر مکہ میں کی جاتی تھی۔
پھر دوسرے روز منیٰ میں۔ یہی سلسلہ عرفہ تک برابر جاری رہتا تھا۔ اول روز اون کو روٹی گوشت کھلایا جاتا تھا۔ دوسرے روز روٹی اور

روغن تیسرے روز ستو اور خرمے۔ اور پھر مکہ سے پانی لیجا کر منیٰ میں تمام حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ اور اوسدن چمڑے کے حوضوں میں پانی قلیل المقدار رہ جاتا تھا۔ اس لئے منیٰ سے لوٹنے والے دن سلسلہ ضیافت ختم ہوجاتا تھا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقامات کیطرف واپس جاتے تھے۔

بہرحال سقایہ اور رفادہ کی تعمیل خدمات کی یہ تفصیل تھی۔ جو ہاشم مرحوم کی اس عالی ہمتی اور کشادہ دلی کو اونکے اسلاف کی قدیم فیاضی اور سخاوت سے کہیں بڑھی چڑھی ثابت کرتی ہے۔ یہ تو ہاشم مرحوم کے وہ محاسن اخلاق و اشفاق تھے۔ جو عموماً حجاج کعبہ کی آرام رسانی کے متعلق عرب کے تمام تاریخی کارناموں میں اون کی ابدی یادگار ہیں۔ اب اسکے بعد اونکی اس فیاضی اور ایثار کی تفصیل ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو اونہوں نے اپنے ہموطن اور ہمسایہ اقوام و قبائل کے ساتھ مکہ کی سالِ قحط کے مصیبت ناک زمانہ میں دکھلائی ہیں۔ مولوی شبلی صاحب ہاشم مرحوم کے اس مشہور و معروف ایثار نفسی اور فیاضی کو ان الفاظ مختصرہ میں۔ بیان کرتے ہیں۔

ایکدفعہ مکہ میں قحط پڑا اب ہاشم نے اس قحط میں شوربے میں روٹیاں چور کر کے کھلائیں اوسوقت سے انکا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔ عربی زبان میں چور کرنیکو ہشم کہتے ہیں جسکا اسم فاعل ہاشم ہے۔

اب اس مجمل اور مختصر بیان کی تفصیل طبقات کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

مکہ میں سالِ قحط سالی اور ہاشم مرحوم کی فیاضی

فاصابت قریشا سنوات ذھبن بالاموال فخرج الی الشام فامر بخبز کثیر فخبز له فحمله في الغرائر علی الابل حتی وافی مکة فھشم ذلك الخبز یعنی کسرہ و ثردہ و نحر تلك الابل ثم امر الطھاۃ فطبخوا ثم کفاء القدور علی الجفان فاشبع اھل مکة فکان اول الحیاء بعد السنة التی اصابتھم فسمی بذلك ھاشما وقال عبد اللہ ابن الزبعری فی ذلك ؎

عمر العلی ھشم الثرید لقومه
ورجال مکة مسنتون عجاف

قوم قریش ایک بار متواتر قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ یہانتک کہ جو کچھہ اونکے پاس سرمایہ موجود تھا وہ بالکل اٹھ گیا۔ ہاشم سے اپنے قوم و ملک کی یہ مصیبت نہیں دیکہی گئی۔ تو وہ شام کیطرف بذات خاص چلے گئے۔ اور وہاں سے کثیر التعداد روٹیاں پکوا کر اور بڑی بڑی کہالوں میں بہروا کر اونٹوں پر مکہ میں لدوا لائے۔ مکہ پہونچکر اون روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کروایا اور شوربے میں ڈلوا کر ثرید تیار کروایا۔ پہر جن اونٹوں پر وہ روٹیاں لاد کر لائے تھے۔ اونکو ذبح کروایا اور پکوایا۔ جب کہانا پک کر تیار ہوگیا تو بڑے بڑے ظروف بہروا کر تمام جماعتوں کو کہلوایا۔ یہانتک کہ تمام اہل مکہ سیر ہوگئے۔ گویا قحط کی مصیبتوں کے بعد مکہ کے غربت زدہ لوگ اول بار پہر از سر نو زندہ ہوئے۔ اس ایثار عام کے لحاظ سے حضرت ہاشم اوسی دن سے ہاشم مشہور ہوگئے۔ کیونکہ ہاشم کے معنی توڑنے والے کے ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ ابن الزبعری نے ہاشم کے اس ایثار عظیم کی یادگار میں ذیل کا شعر یادگار

چھوڑا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ وہ عالی ہمت عمر (ہاشم کا اصلی نام) نے ثرید کا چورا اپنی قوم کے لئے تیار کرایا۔ ایسی حالت خاص میں کہ باشندگان مکہ قحط زدگی کے باعث بالکل ضعیف ولاغر ہو چکے تھے۔

ابن ہشام نے ایک اور شعر اسکے علاوہ لکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔

سنة اليه الرحلتان كلاهما	باشندگان مکہ کیلئے دو سفروں کا انتظام کیا
سفر الشتاء ورحلة الاصياف	ایک گرمی اور ایک جاڑے کے ایام میں

طبقات ابن سعد میں وہب ابن عبد قصی کے یہ اشعار درج ہیں جنہیں یہ پورا واقعہ نظم کر دیا ہے۔

تحمل هاشم ما ضاق عنه	ہاشم نے اپنی قوم کی مصیبتوں پر تحمل کیا
واعيا ان يقوم به ابن بيض	اور انکی امداد کیلئے ایک ایسی ابن بیض کی شان میں آمادہ ہو گئے۔
اتاهم بالغرائر متاقات	اور ارض شام سے جو کثرت سے میوہ خیز ہے۔
من ارض الشام بالبر النفيض	باشندگان مکہ کیلئے کھانوں سے بھر کر اذوقہ لائے۔
فاوسع اهل مكة من هشيم	تمام باشندگان مکہ کو روٹی اور گوشت کے
وشاب الخبز باللحم الغريض	ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھلائے۔
فظل القوم بين مكللات	تمام قوم اسطرح انکے امداد فیض کے زیر سایہ
من الشيزاء حائرها يفيض	ان تمام تکالیف کے بعد آگئی۔
طبقات ص ۴۴	طبقات ص ۴۴

حقیقت میں ہاشم مرحوم کی تمام ملکی اور قومی خدمتیں۔ قوم و وطن کی ترقی اور مرفہ الحالی اور درستی معاشرت کے لئے ایسی مفید اور کارآمد ثابت ہوئیں جو اوس وقت سے آج تک اہل عرب کے دل سے بھولیں ہیں اور نہ ابدالآباد تک بھول جانے کی امید کی جاتی ہے قوم و ملک کیساتھ اون کی ایسی سچی۔ خالص اور بے لوث ہمدردی کی کوشش اور سعی ایسی پُر اثر ثابت ہوئی کہ اوس نے باشندگان مکہ اور قرب و جوار کے تمام ہمسایہ قوم و قبائل کے قلوب کو تسخیر کر لیا۔ اس سے زیادہ ان فیاضانہ قومی ایثار کی عام قبولیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ فیاضی کے مدح وادصاف میں بڑے بڑے معرکۃ الآرا قصیدے لکھے گئے۔ اور اوس کی فیاضی کے اظہار و اعتراف میں طول وطویل اور پُر تفصیل نظمیں تیار کی گئیں۔ اُس زمانہ میں ہاشم مرحوم کی وجاہت عظمت اور حکومت و امارت کے سکے عرب کی تمام قوم و قبائل پر ایسے جم گئے تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسی کی رو داری اور نمود داری کچھ کام نہ کر سکی۔

ہاشم کے ساتھ امیہ کی مخاصمانہ مخالفت

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

باوجود اس مقبولیت عام کے بھی، ہاشم مرحوم کے بے نظیر اور لاجواب خدمات، رشک حسد اور نفسانیت کے اظہار سے خالی نہ رہیں۔ اور اوسی وقت سے ان کی نمود اری اور ذی اقتداری کے استیصال کی فکر کی گئی۔ مگر رشک و حسد کا نخل تمنا بارآور ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ ان کے مخالفین کو اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں ذرہ بھر بھی کامیابی نہیں ہوئی، سارے انتظام مقام اہتمام اور سب کوششیں دنیا کی ویسی ہی رہ گئیں۔ انکا مخالفانہ پہلو تنگ آکے گھر ہی پیدا ہوا۔ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتے ہیں۔

ان عبد شمس وهاشما توأمان وان احدهما ولد قبل الآخر واصبع له ملتصقة بجبهة صاحبه فنحيت فسال الدم فقيل يكون بينهما دم فولي هاشم بعد ابيه عبد مناف ما كان اليه من السقاية والرفادة فحسده امية بن عبد شمس على رياسته فكان اول عداوة وقعت بين هاشم وامية

كامل ابن اثير

عبد مناف کے دو بیٹے عبد شمس اور ہاشم توام پیدا ہوئے تھے اس طرح کہ ایک کی انگلی دوسری کی پیشانی سے چپکی ہوئی تھی جب اوسکو جدا کیا گیا تو خون جاری ہو گیا۔ لوگ اسکو فال بد سمجھ کر کہنے لگے کہ ان دونوں میں خونریزیاں ہوں گی۔ جب ہاشم اپنے باپ عبد مناف کے بعد اون کی ریاست سقایہ اور رفادت کے رئیس اور والی ہوئے تو امیہ ابن عبد شمس کے دل میں ہاشم کی طرف سے رشک و حسد پیدا ہوا۔ اور جو عداوت پشتہا پشت خاندان ہاشم اور قبیلہ بنی امیہ میں باقی اور قائم رہی، اسکی یہ ابتدا تھی۔

طبقات ابن سعد میں اسکی تفصیل یوں لکھی ہے۔

فحسده امية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي وكان ذا مال فتكلف ان يصنع صنيع هاشم فعجز عنه فشمت به ناس من قريش فغضب ونال من هاشم ودعاه الى المنافرة فكره هاشم ذلك لسنه وقدره فلم تدعه قريش واحفظوه قال فاني انافرك على خمسين ناقة سود الحدق تنحرها ببطن مكة والجلاء عن مكة

امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ابن قصی کو ہاشم کے ساتھ بوجہ امارت و حکومت کے حسد پیدا ہوا اور یہ بڑا مالدار دولتمند تھا اور اپنی مالی قوت کے اعتبار سے انہوں نے ہاشم کی طرح سخاوت و مہمانداری میں مساوی اور مقابل ہونا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی اور کبھی کوشش کی جو ہاشم کرتے تھے اسکی تقلید نہ کر سکا اور عاجز رہا، تمام لوگوں نے اسکی اس خفیف الحرکتی پر طعن و تشنیع کی، امیہ کو غصہ آگیا اور انہوں نے ہاشم سے اپنی تحقیر کا بدلہ لیا اور اسکے ساتھ ہی ہاشم کو منافرہ[1] کی دعوت دی۔

(۱) المنافرۃ = داوری کردن در حسب و نسب۔ صراح مطبوعہ کلکتہ [illegible]۔ عرب میں دو فریق کے درمیان اظہار مفاخرت کی غرض سے مجلسیں باقاعدہ قائم ہوتی تھیں اکثر منافرت [illegible] اسلام کے اصول مساوات نے [illegible] ان نزاعات کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔ مولف

عشر سنین فرضی امیہ بذلک وجعل بینہما الکاہن الخزاعی فنفر ہاشما علیہ فاخذ ہاشم الابل فنحرہا واطعمہا من حضرہ وخرج امیہ الی الشام فاقام بہا عشر سنین فکانت اول عداوۃ وقعت بین ہاشم وامیہ۔

طبقات ص ۴۵

ہاشم نے منافرہ کے انعقاد کو اپنی شان و مراتب کے خلاف سمجھکر انکار کر دیا۔ لیکن قوم و قبیلہ کے لوگوں نے اسکا اصرار کر کے مجبور کیا۔ بالآخر ہاشم نے امیہ کیساتھ منافرہ کے ساتھ یہ شرائط ٹھہرائے کہ جانبین سے جو فریق مغلوب ہو سکے وہ پچاس سیاہ آنکھوں والے اونٹ نحر کریگا اور دس برس تک مکہ کی سکونت ترک کر دیگا۔ امیہ نے یہ شرائط قبول کر لئے۔ جانبین سے قبیلہ خزاعہ کا ایک کاہن حکم مقرر ہوا جانبین سے منافرہ قائم ہوا۔ اور اسمیں ہاشم امیہ پر غالب آئے اور ہاشم نے وہ اونٹ شرط منافرہ کے مطابق امیہ سے لیکر ذبح کئے۔ اور اسیوقت اونکا گوشت کیا آئے تمام حاضرین مجمع کو کھلوا دیا اور امیہ نے اوسی وقت سے سکونت مکہ چھوڑ دی اور دس برس تک شام میں جاکر مقیم رہا۔ اور یہ پہلی عداوت تھی جو سلسلۂ ہاشمیہ اور خانوادہ امیہ کے مابین واقع ہوئی۔

بہرحال یہ تھے ہاشم و امیہ کے باہمی مفاخرت اور منافرت کے صحیح واقعات۔ جو قریش میں باوجود باہم متصل ہونے کے کامل طور سے ہاشمیہ و امیہ کے قطعی تفرق و باہر الامتیاز کو ثابت کر رہے ہیں۔

مولوی شبلی صاحب کی واقعات صحیح سے صریح چشم پوشی

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ تاریخی کو جو سیرۃ نبی ہاشمی کے لکھنے والے کو قلمبند کرنا از حد ضروری تھا بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے۔ حالانکہ قریب تمام عربی ماخذوں میں بالتفصیل مندرج ہے۔ اور ہم نے انکو بھی کے اصل ماخذ مسند طبقات ابن سعد سے اوپر نقل کیا ہے۔ اگر حضرات بطور ظاہر ایسی فرد گذاشت کو مولوی صاحب کی کوتہ قلمی اور اتفاقی سہو سے تعبیر فرمائینگے۔ تو ہم اسکو مولوی صاحب کی کمال عاقبت اندیشی اور ذات ہیت وردی (?) تسلیم کرینگے شبلی صاحب نہ کوتہ قلم ہیں اور نہ سہو و نسیان کے ملزم۔ وہ ان مضامین کے انتخاب و اندراج کے غور و فکر کے متعلق امام بخاری اور اپنے ہم عصر ہم چشموں کے ہم سنگ ہیں۔ بلکہ ان امور کے اظہار و استتار میں ان حضرات سے زیادہ محتاط اور تجربہ دار (?)۔

ہاشم و امیہ کے واقعات ہی کو آپ نے مخالفت و مقاصد کا کہیں پتا پایا ہے بلکہ قصی ابن کلاب اور ہاشم ابن عبد مناف کے ان خطبات کو بالکل قلم زد فرما دیا ہے۔ جو خدمت کعبہ اور ضیافت حجاج کے متعلق مجمع قریش میں بیان کئے گئے تھے۔ اور جنمیں اہلبیت کے قدیم مفاخر و شرافت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور یہ دونوں خطبے طبقات ابن سعد میں جو شبلی صاحب کی تمام تحقیق کا اصل سرمایہ ہے۔ موجود ہیں۔ مولوی صاحب نے مرقومہ بالا دونوں واقعات کو صرف اسلئے مطالبہ (?) کے لحاظ سے ساقط کر دیا اور مرفوع القلم فرمایا ہے کہ ان واقعات سے سلاطین

امویہ کے معائب و مناقص اور بنی ہاشم کے فضائل و مناقب کا پورا پورا انکشاف ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں امر آپ کے مدعا کے خلاف تھے۔ کیونکہ سلاطین امویہ کے ساتھ آپ کو دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا شرف حاصل تھا۔ اور ولید ابن عبد الملک آپ کی مجوزہ تالیفات اسلامی ہیروز کی فہرست خاص میں داخل تھا۔ رسول صلعم کے انتقال فرمانیکے بعد۔ بنی ہاشم اور بنی فاطمہ سے آپکو واسطہ اور تعلق رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پھر ان امور کے اظہار و انکشاف کو اوسکے مرکز اور مبدء سے مستاصل کرنا اور ان کے استخفاف کی کماحقہ کوشش کرنا جس سے اپنے ممدوحین کے معائب اور بضرورت اور بیکار لوگوں کے مناقب نہ ظاہر ہونے پائیں آپ کا فرض لازمی و زمہ لیعین قائمی تھا۔

مگر با ایں ہمہ۔ یہ بھی سمجھہ لینا ضرور ہے کہ شمس العلما صاحب دنیا میں اکیلے باریک بیں یا روشنضمیر تو تھے ہی نہیں اونکے ایسے سیکڑوں اور ہزاروں دوربین۔ بالغ نظر حقیقت حال کا سراغ لگانیوالے اور بال کی کھال نکالنے والے خدا کے بندے ایسے موجود ہیں جو مولوی صاحب کے استخفاف کے کمپندے دار جالوں کو توڑکر حقیقت حال کا پورا پورا مشاہدہ اہل دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

اہل بیت تمہیداً اتنا لکھہ کر ہم اپنے مدعا سے بیان پر آجاتے ہیں۔ چونکہ شبلی صاحب کی قلمزد و اقعات سے ہمارے بہت سے موجودہ اور آئندہ مضامین کو پورا تعلق ہے اسلئے اون کی تحقیق اور تفصیل ہمارے لئے ضروری اور لازمی ہے ہمکو قصی اور ہاشم کے خطبات سے۔ اہلبیت اور اونکے خصائص۔ فضائل و مناقب جنکو ہم دونوں خطبوں کے اصل عربی الفاظ میں ابن سعد کی عبارت سے اوپر لکھہ آئے ہیں۔ یہ امر ثابت ہوچکا ہے کہ اہلبیت کا لقب خطاب اور منصب عرب میں نہایت قدیم اور ہمیشہ قابل تعظیم و تکریم تسلیم کیا گیا ہے اور اس مبارک لقب و خطاب سے اونھیں معززین کی مخصوص جماعت قرار دی جاتی تھی جو بیت اللہ کے منصب تولیت پر فائز ہوتے تھے اور اپنے ذاتی اور صفاتی کمالات کے اعتبار سے تمام قوم و قبیلہ میں واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما نے بیت اللہ کی عمارت مقدسہ کی بحکم خدا بنیاد رکھکر اوسکو تکمیل تک پہونچایا سب سے پہلے خدا سے سبحانہ تعالی نے انھیں بزرگواروں کو اہلبیت کے معزز لقب سے بطور خاص مشرف فرمایا اون کے بعد اون کی ذریت اور سلسلے نے اپنے آپ کو اس خطاب سے مخاطب کئے جانیکو ہمیشہ اپنا خاص استحقاق اور خاندانی افتخار قرار دیا۔ اور یہ لوگ اپنے اس صفاتی مفاخرت و اعزاز اور اس روحانی شرف و امتیاز کو کسی حال او رمقام میں نہ بھولے۔ اگرچہ زمانہ کی ناسازگاری اور اہل زمانہ کی ناموافقت نے ایک مدت دراز تک اون کا گھر بار چھوڑا اور دنیا کے انقلابات اور نامہربان قوم و قبیلہ کے باہمی اختلافات نے اون کے تمام آثار و اقتدار کو مٹاکر اونکو ایسا کمزور اور ضعیف بنا دیا کہ بالآخر اون کو سکونت مکہ ترک کرکے ادہر ادہر جاکر آباد ہونا پڑا۔ جیسا کہ عربی تاریخیں بکزبان

ہوکر تبلا رہی ہیں۔ مگر اس درمیان میں جب کبھی اون کی حالتوں میں ذرا بھی قوت آئی۔ اونہوں نے سب سے پہلے اپنے اہلبیت ہونے کی حقوق پر بیت اللہ مقدس کی تولیت کا مطالبہ کیا۔ ان کوششوں میں اونکو کبھی وقتی اور عارضی کامیابی بھی ہوئی اور کبھی قطعی ناکامیابی۔ جیسا کہ نضر ابن کنانہ اور فہر ابن مالک کے حالات سے ظاہر ہے۔ مگر باوجود ان تمام مطالبات، مشکلات اور مصائب کے وہ اپنے اصلی حقوق کے خواستگاری سے دست برداری نہ کرسکے یہاں تک کہ قصیٰ ابن کلاب نے آخر اوسکو بزور بازو اپنے فریق مخالف سے واپس لیا۔ اسی لئے قصیٰ نے اپنی قوم و قبیلہ کی جماعت میں۔ اپنی فتحیابی کے بعد بیت اللہ مبارک کی خدمات اور اوسکی انتظامی ترتیب و ترمیم کے متعلق جو خطبہ دیا ہے اور اونکو اس کی انجام دہی کیطرف مخاطب کیا ہے اوسمیں انکو اہلبیت کے خاص لفظ سے منسوب کرکے اونکے فضائل و مناقب کو اونھیں یاد دلایا ہے۔

پھر قصیٰ ابن کلاب کے بعد عبد مناف نے بنی عبدالدار سے جو باقرار ابن سعد کان ضعیفا وکان اخوتہ قد شرفوا علیہ (عبدالدار ضعیف المزاج آدمی تہا اور اسی وجہ سے اوسکے اور بھائیوں کو اوسپر شرف اور غلبہ حاصل ہوگیا) اختیارات تولیت خانہ کعبہ اور امارت شہر مکہ منتزع کرلئے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ عبدالدار حقیقتاً ان مناصب جلیل کیلئے شایاں و اہل نہ تھا۔ اسی طرح عبد مناف کے بعد ہاشم مرحوم نے اپنے وقت میں رفادہ اور سقایہ کی خدمات جو بنی عبدالدار کے تعلق رہ گئے تھے۔ واپس لے لیں۔ صرف اسلئے کہ وہ فیاضی اور کشادہ دلی سے حجاج کے اتنے بڑے مجمع کی ضیافت اور سقایت نہیں کرسکتے تھے لطف تو یہ ہے کہ ان عہدوں کی واپسی لیجانیوالے شوریٰ میں عبدالشمس بنی امیہ کے باپ بھی داخل تھے۔

جب بنی عبدالدار سے یہ اختیارات واپس ملگئے تو ہاشم نے اپنی حسن انتظامی اور خوش لیاقتی سے ان خدمات کو باحسن الوجوہ انجام دیا۔ اور تمام قوم و قبیلہ کی ترقی اور رفہ الحال کا ایسا انتظام کیا۔ جو آجتک نہیں ہوا تھا۔ امیہ کو ہاشم کے ساتھ اتحاد نسبی اور اصلیت کی ناسمجھی کے غلط قیاس پر مساوات، برابری اور ہمسری کا خیال بھی پیدا ہوا۔ انہیں خیالوں کے ساتھ رشک و حسد بھی اشتعال طبع کے باعث ہوئے۔ حالانکہ سلسلہ واقعات سے برابر ثابت ہوتا آیا ہے کہ اس منصب جلیل کے حصول کے اسباب کوشش انسانی سے زیادہ تر صبر ربانی۔ اور تقدیر یزدانی سے مہیا اور فراہم ہوتے ہیں اور ظاہری طور تمام قوم و ملک کا اسی خوش نصیب اور اقبالمند شخص واحد پر اتفاق و اتحاد بھی ہوجاتا ہے جسکو مدبرین قدرت اس عہدہ جلیلہ کے لئے پہلے منتخب کرلیتے ہیں۔ ورنہ اہل عرب اور اونکے قوم و قبائل کے دائمی اختلاف سے کبھی ایسے ایسے متحد اور مستقل نظام قومی اور ملکی کی امید نہیں ہوسکتی ہے مگر حقیقت کے جوہر شناس خوب جانتے ہیں کہ یہ قدرت کے خاص تصرفات تھے۔ جو اپنی عملی صورتیں پیدا کرنے کی ضرورتوں میں انکو فوراً اتفاق و اتحاد پیدا کردیتے تھے۔ جیسا کہ قصیٰ ابن کلاب، عبد مناف اور ہاشم مرحوم کے حالات و واقعات

سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ امر بھی ضروری اور لحاظ کے قابل ہے کہ اس منصب جلیل کے حصول کے وقت ہر بزرگ قوم نے خاصکر لقب اہل بیت کی خصوصیت کے ساتھ اپنے مفاخر کا اظہار کیا ہے قصی اور ہاشم کی تقریریں صاف صاف اس دعوی کو بتلا رہی ہیں۔ ظاہری طور پر اس میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا کہ اتحاد اصل اور نسل کی بنا پر قریش پر کیا منحصر ہے تمام ذریت اسمٰعیل اس لقب سے یاد کئے جانے کی مستحق ہے۔ مگر اس تعمیم میں ایک روحانی تخصیص بھی صاف طور پر منضمر ہے جس کو شاہدات تاریخی علیحدہ کرکے بتلا رہے ہیں کہ وہ تخصیص عام طور سے ہر شخص کے اختیار و قابو میں نہیں تھی کہ جس وقت جو چاہتا وہ حاصل کر لیتا۔ یہ مخصوص اہلیت اور قابلیت جبروت قدرت کے متعلق تھی۔ اور اوسمیں انسانی تدبیر و تجویز کو بہت کم مداخلت تھی۔ ورنہ بنی عبد الدار پر عبد مناف کو اور بنی عبد مناف پر ہاشم کو اور پھر اسی طرح امیہ بن عبد الشمس پر ہاشم کو باعتبار ہم حسبی اور ہم نسبی کے ترجیح و تفضیل کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

بنی عبد الدار اور بنی عبد مناف کی مخالفتیں نہ ایسی شدید تھیں اور نہ اتنی دیرپا۔ اور نہ شیوع اسلام تک اونکا کوئی اثر اسلام کی مضرت یا مخالفت کا باعث ہوا۔ سوا اسکے کہ بنی عبد الدار اور بنی عبد مناف نے مشرکین قریش اور کافرین مکہ کا ساتھ دیا۔ اور عام اہل عرب کیطرح اسلام کے مخالف بنے رہے۔ اسلئے انکی مخالفت اتنی قابل الذکر نہیں۔ بخلاف اسکے بنی امیہ کی دائمی اور قائمی مخالفت اسوقت سے لیکر ہمیشہ بڑھتی ہی گئی جبتک کہ اوس نے بنی ہاشم اور خاندان رسول سلام اللہ علیہ کو بالکل خاک و سیاہ نکر لیا۔ ہاشم کے مقابلہ میں امیہ کا دعوی ہمسری۔ امارت مکہ۔ تولیت کعبہ۔ اور اہلبیت کہلانے کی آرزو نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطناً بنی امیہ کے خاندان میں برابر قائم رہی۔ ہاشم سے امیہ کا مقابلہ عبد المطلب سے حرب ابن امیہ کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان ابن حرب کا جناب رسالتمآب صلعم کے ساتھ مقابلہ معویہ ابن ابوسفیان کا حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ساتھ متواتر ہر عصر کے تاریخ کے ایسے شاہدات ہیں جن سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا معویہ کو آخر وقت میں ہزار ہا معویانہ اور مفسدانہ مکر و حیلہ اور جعل و فریب سے امارت و حکومت عرب ملی بھی تو وہ صرف ان کو امیر بنا کر تمام ہوگئی اور باوجود اتنی سطوت و ثروت کے بھی کسی نے ان کو اہل بیت کے معزز اور گرانمایہ القاب و خطاب سے کبھی مخاطب نہ کیا۔

اسی سے حقیقت بین آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اور اصلیت شناس قلوب پہچان لیتے ہیں کہ اتنی شدید اور دیرپا مخالفت کے بعد بھی بنی امیہ کو بنی ہاشم سے اس روحانی مفاخرت اور عظمت و جلالت کے واپس لینے میں کبھی کامیابی نہوئی جسکے حصول کیلئے انہوں نے امیہ کے وقت سے ابتدا کی تھی۔

بہرحال پہلے قصی نے اور قصی کے بعد ہاشم نے اہلبیت کی روحانی عظمت و جلالت پر کسی قدر روشنی ڈالی تھی اور اونکے اعزاز و امتیاز سے قوم و ملک کو آگاہ کیا تھا۔ مگر پھر انہیں ہاشم مرحوم کے زمانہ سے یہ منصب جلیل جیسا کہ نظام الٰہیہ کی مشیت ظاہر ہوتی ہے۔ انہیں کے سلسلہ میں ایسا قایم اور مستقل ہوگیا کہ پھر ذریت اسماعیلی یا سلسلہ قریش کے کسی دوسرے شعبہ یا فرع میں نہ گیا اور نہ ان شاء اللہ المستعان ابدالآباد تک جائیگا۔

اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام نے عہدۂ جلیلہ اہلبیت کی روحانی عظمت و جلالت کو نصوص الٰہیہ انما

یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

تحقیق کہ خداوند عالم نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہلبیت تم سے تمام آلائشوں کو دور کردے اور ایسا پاک و پاکیزہ کردے جو پاکیزہ کرنیکا حق ہے۔

(۲) قالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم جزو ۵

(۲) (نصاریٰ) سے کہدو کہ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنے نفس کو اور تم اپنے نفس کو (مباہلہ) کیلئے بلاؤ۔

(۳) قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ جزو ۲۵

(۳) (اے پیغمبر مسلمانوں سے) کہدو کہ میں تبلیغ رسالت کا تم سے کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں مانگتا ہوں۔ سوائے اسکے قرابت مندان رسول کے ساتھ محبت رکھو۔

کے مطابق پورے طور سے بتلادیا اور تمام دنیا کو سمجھا دیا کہ اس لقب جلیل کی عطا و تفویض کا تعلق بالکل خدا کی مشیت سے ہے نہ بندے کی کوشش اور ہمت سے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ بنی ہاشم کے فضائل و مناقب اور بنی امیہ کے مناقص و معائب بھی بتلا دیئے اور ثابت کردیا کہ فطرت اور خلقت کے اصول اختلافی کے مطابق بنی امیہ کو بنی ہاشم سے کبھی ہمسری اور مساوات کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا اور قرابت و رشتہ مندی کے ظاہری اتحاد اُنکے روحانی اختلاف اور باطنی امتیاز کو زائل نہیں کرسکتے تھے۔ اسکے ثبوت و تصدیق میں حدیث و تاریخ کے اخبار و آثار کثرت سے موجود ہیں۔ جن میں سے چند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ صحیحین بخاری و مسلم اور ترمذی میں مرقوم ہے۔

عن عائشۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم ان اللّٰہ اصطفی من بنی کنانہ قریشا ثم اصطفی من قریش بنی ھاشم

عائشہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خدائے سبحانہ تعالیٰ نے بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب کرلیا۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفاء میں لکھا ہے۔

عن واثلہ ابن الاسقع قال قال رسول اللہ ان اللہ اصطفی من ولد ابراہیم اسمعیل و اصطفی من ولد اسمعیل بنی کنانہ قریشا و اصطفی من قریش بنی ہاشم و اصطفانی من بنی ہاشم۔

واثلہ ابن الاسقع سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ برگزیدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں بنی اسماعیل کو اور اولاد اسمعیل میں بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو۔ اور بنی ہاشم میں مجھ کو

اخرجہ ایضاً فقال ھذا حدیث صحیح

اس حدیث کو ترمذی نے بھی لکھکر بتلایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تاریخ ابو الفدا میں ہے۔

عن عائشہ رض قالت قال رسول اللہ صلعم قال لی جبرئیل قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا فلم اجد احدا افضل من محمد و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ہاشم۔

عائشہ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہا کہ جبرئیل نے کہ میں نے روئے زمین میں مشرق سے مغرب تک گشت کی کسی شخص کو محمد سے افضل نہ پایا اور پھر میں نے روئے زمین کو مشرق سے مغرب تک گشت لگا کر دیکھا اگر کسی باپ کے بیٹے کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا۔

تاریخ و حدیث کے مرقومہ بالا معتبر و مستند شواہد میرے مدعائے بیان کی تصدیق کیلئے کافی ہیں کیونکہ ان سے بنی امیہ پر کیا منحصر ہے۔ تمام قریش اور جمیع سلسلہ اسماعیلی اور جملہ ذریات ابراہیمی پر بنی ہاشم کی فضیلت اور ترجیح قطعی طور پر ثابت ہے۔ ایسے مخصوص شرف و مفاخر کے مقابلہ میں بنی امیہ کے ایسے بدنام۔ مجروح اور مقدوح قبیلہ کی کیا ہستی اور کیا وجود ہے۔ جو بنی ہاشم سے شرف و فضیلت میں مقابلہ کرے۔ اسکی حقیقت اور وجود اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی نگاہوں میں جتنا اور جیسا کچھ ثابت ہوا ہے وہ ذیل کی تفسیر و حدیث کی متفقہ اور مستند شہادت سے کماحقہ ظاہر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں لکھتے ہیں۔

اخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الطبرانی فی الاوسط و ابن مردویہ و الحاکم و صححہ من طرق عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا قال ھما الافجران من قریش بنو امیہ و بنو المغیرۃ

ابن جریر۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ ابن مردویہ اور حاکم نے بطریق صحیح حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جن لوگوں نے دین خدا کو کفر سے بدل ڈالا وہ فاجر ترین قوم قریش بنی امیہ اور بنو مغیرہ ہیں۔
تفسیر در منثور

عالم اسلام میں بنی امیہ کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے اور یہ وجود۔ پھر وہ کون لایعقل ہوگا جو انکو بنی ہاشم

کا ہموزن اور ہمپایہ خیال کرنیگا۔ بنو عبد مناف ہونے کی اتحاد کی تنہا بنا پر نا ہموار ان بنی امیہ کو بزرگوار ان بنی ہاشم کا مقابل ٹھرائے گا۔ بلکہ بخلاف اسکے۔ ان بدنام کنندگان خاندان دودمان کو اعیان قبیلہ ہاشم کا بالکل نقیض اور متضاد پائیگا۔

بہرحال مرقومہ بالا اسناد و اشہاد سے بنی امیہ کے اوس وہم و گمان کی پوری تردید کر دی گئی ہے جو اونکے دلوں میں بنی ہاشم کے ساتھ مساوۃ فی المراتب حاصل ہونے کے متعلق خطور کر رہے تھے بنی امیہ پر بنی ہاشم کی فضیلت و شرافت کو قرآن و حدیث تفسیر اور حدیث سے ثابت کر کے ہم اہلبیت کے اعزاز و امتیاز کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہم اس اعزاز قدیم کی عظمت و حرمت مخصوصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے قصی اور ہاشم کے زمانوں تک ثابت کر آئے ہیں اور مشاہد تاریخی سے بتلا آئے ہیں کہ وہ اپنے ان مراتب و مدارج پر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک دیگر اقوام کے مقابلہ میں برابر شرف و مفاخرت کا خاص طور پر اظہار کرتے آئے۔ باوجودیکہ ایک مدت مدید تک اون کے یہ اقتدار و اثار اون کے قبضہ اختیار سے نکل گئے ان کی حالتیں بالکل خراب ہوگئیں اور عرصہ دراز تک یہ گمنام اور بے نام و نشان رہے۔ لیکن اس ضعف و اضمحلال کی خاص حالتوں میں بھی انھوں نے اپنے اس خاندانی شرافت و عظمت کا دعوی اور مطالبہ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قصی ابن کلاب اور ہاشم ابن عبد مناف نے اون تمام اختیار کو اغیار کے قبضہ اختیار سے واپس لے لیا۔ اور جیسا کہ ابھی ابھی تاریخی اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگواروں نے اپنی قوم و قبیلہ کو اسی لفظ اہل بیت سے اونکے قدیم اقتدار و عظمت کو یاد دلا کر درستی احوال اور ترقی اموال کی راہوں پر لگا یا۔ ہاشم مرحوم تک تو اسی منصب کو قریش اپنا موروثی اعزاز سمجھتے رہے۔ مگر ہاشم کے بعد جب بنی ہاشم کے ساتھ اسکا مخصوص تعلق قایم ہوگیا۔ تو اہلبیت سے صرف بنی ہاشم سمجھے جانے لگے۔ ہاشم کے وقت تک گو بنی عبد مناف بنی عبد الدار وغیرہ قبائل و عشائر کے۔ جدا جدا تخصیصی نام رکھے گئے تھے۔ مگر حقیقتاً سب قریش کے ایک ہی نام سے مشہور تھے۔ مگر ہاشم کے بعد بنو ہاشم کے مخصوص اور جداگانہ تفریق قایم ہوگئی۔ طبقات ابن سعد میں ہے۔

اوصی هاشم ابن عبد مناف الی اخیه مطلب ابن عبد مناف فبنو هاشم و بنو المطلب ید واحدة الی الیوم وبنو نوفل و بنو عبد شمس ابنا عبد مناف ید واحدة الی الیوم

ص ۴۶ ج ۱

ہاشم ابن عبد مناف نے اپنے بعد اپنے بھائی مطلب ابن عبد مناف کو اپنا وصی قرار دیا۔ اوسی وقت سے بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہوگئے۔ اور آجتک ایک ہیں۔ اسی طرح بنو نوفل اور بنو عبد شمس (بنو امیہ) ایک ہوگئے اور آجتک ایک ہیں۔

اس بنا پر وہ تمام روحانی عظمت و اقتدار بنو ہاشم کی طرف ودیعت ہو گئے۔ اور ان کی سیرت و عادت سائر قریش سے بالکل علیحدہ ہو گئی۔ اور اب اہلبیت کا مقدس و معزز لقب بھی کلیتاً اور قطعاً انہیں سے متعلق ہو گیا۔ اصل میں تو اہلبیت کا اعزازی خطاب اور امتیازی القاب سب سے پہلے حضرت ابراہیم اور اونکے اہل و عیال کو جنہوں نے بیت الٰہی کی تعمیر کو انجام دیا اور سب سے پہلے اسکی خدمت پر مامور ہوئے۔ منجانب اللہ تفویض فرمایا گیا جیسا کہ نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔ حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد سے حضرت ہاشم کے وقت تک اسی سلسلہ اور خانوادہ کے لوگ اصول توریث کی بنا پر اسکو اپنا جائز حق سمجھتے رہے۔ مگر جہاں تک تحقیق کی جاتی ہے اسکی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس منصب کا تعلق اور اس گرانمایہ القاب و خطاب کی تفویض بھی حصول رسالت اور نزول نبوت کے ساتھ ساتھ تھی چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام رسالت و نبوت کے عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز تھے۔ اسلئے خدمات کعبہ بھی انہیں مقدسین کے سپرد ہوئی اور سب سے پہلے یہی گرانمایہ القاب و خطاب اہلبیت سے مخصوص و معروف فرمائے گئے۔ ہاشم مرحوم کے زمانہ تک چونکہ اس سلسلہ میں کسی کو منصب رسالت اور عہدۂ نبوت تفویض نہیں ہوا۔ مگر ہاں جو اس سلسلہ ابراہیمی اور خانوادہ اسماعیلی میں محامد و اوصاف کریمہ اور افعال و اعمال حسنہ سے آراستہ و پیراستہ پایا گیا۔ وہ اس خطاب و القاب کا خاصکر مستحق و سزاوار سمجھا گیا۔ گو اوسکے قبیلے اور عشیرے والے برائے نام اہلبیت ہونیکے دعویدار زبانی بنے رہے مگر یہ دعوے اونہیں کے خاص ہو کر رہ گئے۔ عام لوگوں نے نہ اسے منظور کیا اور نہ مشہور جیسا کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں بنی امیہ کے زبانی جمع خرچ ہاشم ابن عبد مناف کے بعد اس کی تخصیص بنی ہاشم کے ساتھ ہو گئی جیسا کہ ہم ابھی ابھی اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر بنی ہاشم کی تخصیص۔ انتخاب اور اصطفا۔ اگرچہ احادیث سے ثابت ہے۔ مگر یہ اختصاص و انتخاب بھی اونکے محامد و محاسن ذاتی پر مبنی تھا۔ اور اسکو اجزائے رسالت اور شعبہائے نبوت سے تعلق نہیں تھا مگر ہاشم مرحوم سے چوتھی ہی پشت میں جناب سید المرسلین اور خاتم النبیین سلام اللہ علیہ و آلہ کو قدرت نے مبعوث فرما کر آپ کے انوار رسالت اور شعاع نبوت سے خاندان ہاشم اور دودمان عبد المطلب میں چار چاند لگا دئے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ۔ بارگاہ قدرت اور پایگاہ مشیت سے اس شرف مخصوص اور فضائل و مراتب کی سند منصوص اس خانوادۂ مطہر کے لئے جدید اور مزید کر دی گئی۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔ اور اہل بیت کا مقدس خطاب و القاب اس خاندان کے لئے مستقل اور ابدی کر دیا گیا۔ اور اس عہدۂ جلیلہ سے تعمیم کے قدیم قیاسات و توہمات کو بالکلیہ بیخ و بن سے اکھیڑ کر صرف پانچ نفوس قدسیہ مخصوص النجبا کو (پنجتن پاک علیہم السلام) اور اون کے بعد اون کی اولاد معصومین کو۔ اس عظمت و جلالت کا اصلی مستحق قرار دیا۔ جو نصارائے نجران کے ساتھ مباہلہ کے موقع پر منکرین مسیحی کے مقابلہ میں۔ خدا کی وحدانیت اور اوسکے رسول برحق کی صداقت ثابت کرنیکے

لیے خدا کے آگے کھڑے کیے گئے تھے - اوسوقت اہل اسلام کی اتنی کثیر جماعت میں بھی پانچ نفوس قدسیہ خدا کی توحید اور رسول کی نبوت کی تصدیق کے شاہد معتبر دستیاب ہوئے - اور انکے اسی تکملہ ایمانی اور مجاہدہ نفسی کی جلدو میں ان بزرگواروں کو انما یرید اللہ الخ کی بشارت تفویض فرمائی گئی - جیسا کہ ان شاء اللہ بالتفصیل اپنے مقام پر بیان کیجائے گی -

سیرۃ النبی جلد اول میں شبلی صاحب نے ہاشم و امیہ کی تفضیل و ترجیح اور مخالفت و مشاجرت باہمانہ کو خاصکر اسلئے چھپایا - اور اتنے بڑے واقعات تاریخ کو مرفوع القلم فرمایا کہ نہ بنی ہاشم کے فضائل و مراتب ظاہر ہو سکیں اور نہ بنی امیہ کے مناقص و معائب - اور بنی قصی اور بنی عبد مناف ہونے کی یکجہتی کے مغالطہ میں پڑکر ان دونوں متضاد قبائل و عشائر میں ہمسری اور برابری سمجھی جاوے - اور آپس کی مخالفت و مخاصمت سے بالکل بے علم و اطلاع رہ کر جانبین میں مراسم و اتفاق و اتحاد اور ذرائع اخوت و محبت یقین کی جائے - وَاِنَّ ہٰذا ضَلَالٌ مُّبِیْن

شبلی صاحب کی یہ ایجاد بھی طبعزاد نہیں ہے - بلکہ تحقیق سے اس کی اسناد بھی معاویہ کے ملبدعات و مخترعات پر منتہی ہوتی ہے - چنانچہ معاملات صفین میں پہلا خط جو معاویہ نے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا ہے - اوسکی عبارت عنوان یہ تھی -

ہم بنی عبد مناف ایک چاہ سے پانی پیتے تھے - اور ایک ماں کی چھاتی سے دودھ - ہم میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں تھی - اور ہمارا کوئی قائم اپنے قاعد پر فخر و افتخار نہیں رکھتا - مجبور اور ممتاز ہمارے دونوں مؤید تھے - اور ہماری جماعت متفق تھی ...... ترجمہ تاریخ اعثم کوفی -

مولوی شبلی صاحب کی تنہا کوششوں سے حقیقت کا استخفاف نہیں ہو سکتا - اون کے اختیار و قدرت میں بس اتنا ہی تھا کہ وہ اپنی کتاب میں لکھیں جیسا اونھوں نے کیا - مگر اون بیشمار کارناموں کو کیا کرینگے جو دو ہزار برس پیشتر سے ان واقعات کی حقیقت کا تمام دنیا کو مشاہدہ کرا رہے ہیں -

سلمیٰ بنت عمر سے عقد اور وفات

مرقومہ بالا اشارات تاریخی سے ثابت ہو گیا کہ امیہ ابن عبد الشمس کی حسد و نفسانیت ہاشم کی عظمت اور اقتدار کا کچھ نہ بگاڑ سکی بلکہ اسکے خلاف تمام اہل عرب نے امیہ کو خفیف الحرکات - حاسد اور ناقابل سمجھا - ہاشم مرحوم مادام الحیات بڑی ثروت - بڑے اقتدار اور بڑی شان و شوکت سے امارت مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے خدمات انجام دیتے رہے - اور تمام ملکی اور قومی رفاہ و اصلاح کی تدبیروں اور کوششوں کو کسی وقت نظر انداز یا فراموش نہ کر سکے - حکومت و امارت کے ملکی نظام و تدبیر کے علاوہ قومی تجارت اور کاروبار کی ترقی و کامیابی کی تجویزیں ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور کبھی اوس سے تا توجہی اختیار نہیں کی - کاروان تجارت کے ساتھ خود آتے جاتے رہے - راستوں - گذرگاہوں

اور منزلوں میں اہل کاروان اور اونکے سامان کی حفاظت اور امن و امان کے انتظام و اہتمام فرماتے رہتے۔
یہانتک کہ اس شیدائے ملک و وطن اور فدائی قوم نے انھیں فکر و انتظام میں اپنی جان نثار کر دی۔ تفصیل یہ ہے
ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

فخرج هاشم في عير لقريش فيها تجارات و
كان طريقهم على المدينة فنزلوا السوق النبط
فصادفوا سوقا تقوم بها في السنة يحشدون
لها فباعوا واشتروا ونظروا الى امرأة على
موضع مشرف من السوق فرأى امرأة تأمر
بما يشترى ويباع لها فرأى امرأة حازمة
جلدة مع جمال فسأل هاشم عنها أأيم هي أم
ذات زوج فقيل له أيم كانت تحت احيحة
بن الجلاح فولدت له عمرا ومعبدا ثم فارقها
وكانت لا تنكح الرجال لشرفها في قومها حتى
يشترطوا لها ان امرها بيدها فاذا كرهت
رجلا فارقته وهي سلمى بنت عمرو بن زيد بن
لبيد بن خداش بن عامر بن غنم ابن عدي
النجار فخطبها هاشم فعرفت شرفه و
نسبه فزوجته نفسها ودخل بها وصنع طعاما
ودعا من هناك من اصحاب العير الذين كانوا
معه وكانوا اربعين رجلا من قريش فيهم
رجال من بني عبد مناف ومخزوم وسهم
ودعا من الخزرج رجالا واقام باصحابه
اياما وعلقت سلمى بعبد المطلب فولدته وفي راسه
شيبة فسمي شيبة وخرج هاشم في اصحابه الى الشام حتى
بلغ غزة فاشتكى فاقاموا عليه حتى مات فدفنوه بغزة
ص ۴۶

ہاشم کاروان قریش کے ساتھ بغرض تجارت نکلے۔ اور مدینہ
کے راستہ پر بازار نبطیں پہونچے۔ جہاں ہر سال بہت بڑا بازار
لگا کرتا تھا اور قرب و جوار سے لوگ جمع ہو کر خرید و فروخت کیا
کرتے تھے اور اس وقت بھی لوگ خرید و فروخت میں مصروف
تھے۔ اور ایک زن معظمہ کیطرف متوجہ تھے جو بازار کے ایک مقام
بلند پر مقیم تھی۔ اور وہ خاتون ان لوگوں کو اپنے اشیاء ضروری
کی خرید و فروخت کیلئے حکم کرتی تھی۔ اور سب لوگ اسکی طرف
سے خرید و فروخت کر رہے تھے۔ وہ قبول صورت صاحب
جمال خاتون تھی۔ ہاشم بھی اوسکی طرف متوجہ ہوئے اور اوسکی
نسبت لوگوں سے پوچھا کہ بیوہ ہے یا صاحب شوہر ہے تو
معلوم ہوا کہ زن بیوہ ہے۔ یہ پہلے احیحہ بن جلاح کے حبالہ
نکاح میں تھیں اور اونسے اونکے دو بیٹے عمرو اور معبد نامی پیدا ہوئے
اسکے بعد احیحہ نے طلاق دیدی اور آپ بوجہ اپنی شرافت و
نجابت ذاتی کیوجہ سے کسی مرد سے اس وقت نکاح کرنا نہیں
چاہتی تا وقتیکہ وہ مرد اس امر کا اقرار نہ کرے کہ نکاح کے بعد
انکو اختیار رہیگا کہ اگر وہ اوسکو ناپسندیدہ پائینگی تو اس سے
مفارقت اختیار کر لینگی۔ انکا نام سلمی بنت عمرو بن زید بن
لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی قبیلہ بنی النجار سے
ہیں۔ یہ سنکر ہاشم نے اونکے پاس نکاح کا پیغام بھیجا کیونکہ
وہ صاحب حسن و جمال تھیں سلمی کو جب ہاشم کی شرافت حسبی و
نسبی کا حال معلوم ہو گیا تو ہاشم سے عقد کر لیا۔ ہاشم نے بعد عقد
سلمی کی ولیمہ کی بڑی تیاری کی۔ کھانا پکوایا اور جتنے لوگ کاروان

قریش میں اوسوقت اونکے ساتھ تھے سب کی دعوت کی۔ سب کو بلایا اور کھلایا اور یہ سب مجموعی چالیس آدمی تھے اور اون میں بنی عبد مناف۔ بنی مخزوم اور بنی سہم کے قبیلے والے موجود تھے۔ سلمیٰ کیطرف سے خزرج کے قبیلے والے بھی بلائے گئے۔ شادی کے بعد ہاشم نے چند سے وہاں قیام کیا۔ انھیں دنوں سلمیٰ کو عبدالمطلب کا حمل رہ گیا۔ اسکے بعد ہاشم اپنے اصحاب کیساتھ شام کیطرف روانہ ہوئے مقام غزہ پہونچکر بیمار پڑ گئے۔ ان کی علالت کی وجہ سے قافلہ والوں نے وہیں قیام کیا۔ ہاشم نے بالآخر وہیں وفات پائی۔ قافلہ والوں نے غزہ ہی میں انکو دفن کردیا۔ طبقات ج ا ص ۴۶۔

ہاشم کی وفات تقریباً سنہ ۵۱۰ء میں واقع ہوئی اور یہی عبدالمطلب کا سال ولادت بھی ہے۔ مرقومہ بالا واقعات انھیں مضامین کے ساتھ سیرت ابن ہشام ص ۶۶ مطبوعہ مصر میں بھی مندرج ہیں۔ ہاشم مرحوم کے ایسے محسن۔ سرپرست اور بہبود از قوم وملک کی وفات پر مرثیہ نہ لکھے جائیں۔ امکان سے باہر ہے۔ اہل عرب نے انکی وفات پر بے شمار مراثی لکھے ان تمام مراثی میں ان کی دو صاحبزادیوں کے دو مرثیے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور عرب کی تاریخ و ادب کی کتابوں میں آجتک محفوظ و مسطور ہیں ہم ابن سعد اور ابن ہشام کے جامعات سے اونکا ایک ایک شعر ذیل میں نقل کرتے ہیں خالدہ بنت ہاشم کا شعر۔

بکر النبی بخیر من وطئی الحصی ذو المکرمات وذی الفعال الفاضل	بہترین گریہ زاری اس نیکو کار کیلئے شایاں ہے۔ جو اپنے قبیلہ و جماعت میں سب سے بہتر تھا۔ صاحب کرم تھا۔ اور صاحب اعمال حسنہ۔

شفا بنت ہاشم کے مرثیہ کا یہ شعر ہے۔

عین جودی لبسح و سجوم واسفحی الدمع للجواد الکریم	اے آنکھ ایسے غم و مصیبت میں اور اوس کریم و جواد مرد بزرگ کے لئے رو اور اپنے آنسو بہا۔

ہاشم مرحوم کا نام عمرو ابن مناف اور لقب ہاشم تو تمام تاریخ و سیر میں مندرج ہے۔ مگر کنیت کم دیکھی گئی، صاحب صراح اللغات نے ابو نضلہ کنیت بتلائی ہے۔ اور وجہ کنیت یہ ٹھرائی ہے کہ بنی ہاشم تمام عرب میں بہت بڑے تیر انداز مشہور تھے۔ اور اس فن کے کامل تھے۔ یہ کمال اونکو حضرت اسمعیل علیہ السلام سے ورثتاً پہونچا تھا اسی رعایت سے ہاشم کی کنیت ابو نضلہ مشہور تھی۔ صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۹۸۶

مطلب ابن عبد مناف کی امارت

محمد ابن سائب الکلبی، امام الانساب کے اسناد سے اوپر لکھا گیا ہے کہ ہاشم نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی مطلب کی امارت کیلئے وصیت کردی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

المطلب بن عبد مناف بن قصی اکبر من ہاشم	یعنی مطلب ابن عبد مناف ابن قصی، ہاشم اور عبد شمس دونوں

ومن عبد شمس وهو الذی عقد الحلف لقریش من النجاشی فی متجرها وکان شریفا فی قومه مطاعا سیدا وکانت قریش تسمیه الفیض لسماحته فولی بعد هاشم السقایه والرفادة

سے بڑے تھے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے قریش کے لئے بادشاہ نجاشی سے معاہدہ قائم فرمائے۔ وہ اپنے قوم و قبیلے کے سید و سردار اور اشرف ترین مردم تھے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں جنکی فیاضی اور سخاوت کے اعتبار سے قریش نے انکا لقب الفیض رکھا تھا۔ ہاشم مرحوم کے بعد خدمت کعبہ میں سقایہ اور رفادہ کے متولی ہوئے۔ طبقات ص ۴۸

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس بزرگ ہاشمی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ شاید اس کو قلمی میں یہ مصلحت مضمر ہو کہ بزرگان اور نمود اران بنی ہاشم کی تعداد میں جہاں تک کمی ہو وہ آپ کے مدعا تالیفی کے مطابق اور مناسب ہوگی نہ ان کی امارت کا کوئی ذکر کیا ہے اور نہ نجاشی کے ساتھ معاہدہ حدیدہ کی قومی خدمت کا تذکرہ۔ لکھا یہی تو حضرت عبد المطلب کے حالات میں اتنا کہ مطلب۔ ہاشم کے بھائی تھے۔ انکو (آپکے ننہال میں رہنے کے حالات) معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچکر بھتیجے کی جستجو شروع کی سلمی نے انکا حال سنا تو بلا بھیجا تین دن مہمان رہے۔ چوتھے دن شیبہ (عبد المطلب) کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۲۱

اس عبارت سے بجز یہ مطلب کی کیا معرفت ہوئی۔ اور آپ کے اس مختصرہ سے دنیا کو مطلب ابن عبد مناف کے ذاتی اوصاف۔ خدمات اور حالات کیا معلوم ہو سکے۔ کیا ایک محقق۔ مورخ اور سیرت نگار کا معیار تالیف اور شعار تصنیف یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ہر شخص کے حالات اور ذکر و اذکار میں بلا ضرورت اتنا اختصار اختیار کرے کہ اوسکے نہ ذاتی حالات معلوم ہوسکیں اور نہ اوسکے خدمات۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے نزدیک یہ بزرگ ہاشمی اگر کسی توجہ اور التفات کے قابل نہیں تھا تو اس سے اوسکی عظمت و جلالت میں سر مو کمی نہیں آئی کیونکہ وہ یہ نمود دار اور ذی اقتدار سردار قریش ہے جس کے لطف و ایثار کے زیر بار ہو کر تمام ملک و قوم نے اوسکو فیاض کا لقب مخصوص تفویض کیا ہے۔

حضرت مطلب کی وفات علاقہ یمن کے شہر ردمان میں واقع ہوئی۔ مطلب قریش کے کاروان تجارت کیساتھ حسب المعمول یمن گئے تھے۔ ردمان میں پہونچکر علیل ہوگئے۔ اور اوسی علالت میں انتقال کر گئے۔ مطلب کی وفات ہاشم کے انتقال سے دس برس بعد تقریباً سنہ ۵۲۰ء میں واقع ہوئی۔

حضرت عبد المطلب ابن ہاشم کی امارت

حضرت عبد المطلب کا اصلی نام شیبہ۔ شیبہ نام رکھے جانے کی وجہ ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہم یہ بتلاتے ہیں۔

علقت سلمی لعبد المطلب فولدتہ و فی راسہ شیبہ فسمی شیبہ۔ ص ۲۴۷۔

ہاشم سے سلمی کو عبدالمطلب کا حمل رہ گیا جب وہ پیدا ہوئے تو اونکے سر میں سفید (کچھ سے) بال تھے۔ اسوجہ سے انکا نام شیبہ ہوا۔

حضرت ہاشم کے انتقال کے بعد سے یہ برابر ننہال میں رہے سلمی نے بوجہ اپنی خوشحالی کے سسرال کی کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ ان لوگوں سے کسی قسم کے تعلقات قائم رکھے۔ اور معاملات توریث کو شیبہ (حضرت عبدالمطلب) اپنے یتیم بچے کے جوان ہونیکے وقت تک اوٹھا رکھا۔ اور اس درمیان میں سلمی نے اپنی طرف سے اس بچہ کی خبرگیری یا اسکے وہاں طلب کرنے جانے کی تحریک کو اپنی غیرت اور شریفانہ ہمت کے خلاف سمجھا۔ اور بالکل خاموشی اختیار کی۔ اسلئے عبدالمطلب کیطرف سے بنو ہاشم کو ایک عرصہ تک قطعی لاعلمی رہی۔ یہانتک کہ مطلب کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اونکے برادر مرحوم کا کوئی یتیم معصوم دنیا میں یادگار موجود ہے۔

مطلب کو عبدالمطلب کے حالات کی کیسے اطلاع ہوئی

شبلی صاحب ان اقسام کے حالات و واقعات کو زوائد میں شمار کرتے ہیں اور اپنے سیاق تحریر سے خلاف سمجھتے ہیں۔ مگر ہم تاریخ تحقیق اور سیرت نگاری کی موجودہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے کسی خاص شخص کے حالات و واقعات پر ہر جزوی اور کلی تفصیل کو جس سے اوس خاص شخص کے ذاتی اور صفاتی تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہو۔ اپنا فرض تالیفی سمجھتے ہیں۔ اسلئے شبلی صاحب کے اون اختصارات سے جو اکثر مقامات پر صرف اشارات ہو کر رہ جاتے ہیں قطع نظر کر کے ان حالات کو اوسی تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس تفصیل سے وہ اپنے اصلی ماخذوں میں مندرج ہیں۔ اسکے متعلق طبقات ابن سعد سیرت ابن ہشام اور تاریخ کبیر ابن جریر طبری میں مرقوم ہے۔

وقدم ثابت بن المنذر بن حرام وھو ابو حسان ابن ثابت الشاعر مکۃ معتمرا فلقی المطلب وکان وکان له خلیلا فقال له لو رایت ابن اخیك شیبه فینا لرایت جمالا وھیبۃ وشرفا لقد نظرت الیه وھو یناضل فتیانا من اخواله فیدخل مرماتیه جمیعا فی مثل راحتی ھذه ویقول کلما خسق انا ابن عمرو العلی فقال المطلب یا ابا اوس لا امسی حتی اخرج الیه فاقدم به فقال ثابت ما ارى سلمی تدفعه الیك

ثابت بن منذر ابن حرام حسان ابن ثابت شاعر کے باپ مکہ میں بقصد عمرہ آئے اور مطلب سے ملے۔ انہیں اور انہیں مراسم اتحاد تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ اگر تم نے اپنی بھتیجے شیبہ نامی کو جو ان اعمال ہمارے قبیلہ کے ہمراہ ہے۔ دیکھو تو اسکو خوش جمالی ہیبت اور شرافت کی سراپا تصویر پاؤگے۔ میں نے اسکو اسکے ماموں کے لڑکوں کے ساتھ تیراندازی کرتے ہوئے دیکھا اور جب اوسکا نشانہ پر تیر بیٹھتا تھا تو وہ آواز بلند پکار اوٹھتا تھا۔ کہ میں ہوں عمرو العلی کا بیٹا (حضرت ہاشم کا نام تھا) یہ سن کر مطلب نے کہا کہ میں تو اوسکو اپنے ساتھ لائے بغیر نہیں

ولا اخواله حتی یکون هو الذی یقدم علیك
الی ما ههنا راغبا فیك فقال المطلب یا ابا اوس
ما کنت لادعه هناك ویترك مآثر قومه و
سطته ونسبه وشرفه فی قومه ما قد علمت
فخرج المطلب فورد المدینه فنزل فی ناحیه
وجعل یسأل عنه حتی وجده یرمی فی فتیان
من اخواله فلما رآه عرف شبه ابیه فیه
ففاضت عیناه وضمه الیه وکساه حلة
یمانیه وانشأ یقول ؎

عرفت شیبة والنجار قد حفلت
ابناؤها حوله بالنبل تنتضل
عرفت اجلاده منا وشیمته
ففاض منی علیه وابل سبل

فارسلت سلمی الی المطلب فدعته الی النزول
علیها فقال شأنی اخف من ذلك ما ارید ان
احل عقدة حتی اقبض ابن اخی والحقه
ببلده وقومه فقالت لست بمرسلته معك
وغلظت علیه فقال المطلب لا تفعلی فانی
غیر منصرف حتی اخرج به معی ابن اخی قد
بلغ وهو غریب فی غیر قومه ونحن اهل بیت
شرف قومنا والمقام ببلده خیر له من المقام
ههنا وهو ابنك حیث کان فلما رأت انه غیر
مقصر حتی یخرج به استنظرته ثلاثة ایام
وتحول الیهم فنزل عندهم فاقام ثلاثا ثم احتمله
وانطلقا جمیعا فانشأ المطلب یقول ؎

رہ سکتا۔ ثابت نے کہا کہ میں تو نہیں دیکھتا کہ سلمی یا اوس کے
ماموں، جو اوسکے ہم وطن ہیں۔ اوسکو تمہارے ساتھ آنے
دینگے۔ اور آپکو بھی ابھی اوسکو یہاں نہ لانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ اپنے
ماموں کے ساتھ ہے کسی غیر کے گھر تو نہیں ہے اور پھر ایسی حالت
میں کہ تمکو اوسکے لانے کی اور شاید کہ نکی خود رغبت ہوئی ہے۔"
مطلب نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ اے ابا اوس (ثابت
کی کنیت تھی) یہ مجھ سے کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اوسے لائے
بغیر چھوڑ دوں اور اوس آثار، اقتدار اور نسبی افتخار کو جو میری
قوم میں اوسکو حاصل ہے اوس سے چھڑالوں یا اون سے اوسکو
محروم رکھوں الحاصل مطلب مکہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ پہونچے
اور بیرون شہر مقیم ہوئے اور اپنے بھتیجے کی تلاش کرنے لگے۔ اور
بالآخر اوسکو پا گئے اوسی حالت میں جیسا کہ ثابت نے اون سے
بیان کیا تھا۔ شیبہ اور بچوں کے ساتھ تیر اندازی میں مصروف تھے
دیکھتے ہی مطلب نے پہچان لیا۔ اور اونکو اپنے باپ (ہاشم برادر
مطلب) کا ہو بہو ہم صورت و ہم شبیہ پایا۔ مطلب کی آنکھوں سے
بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ فوراً اوسکو لپٹا لیا اور ایک حلہ
یمانی۔ جو مخصوص اونکے لئے گھر سے لیگئے تھے پہنا دیا۔ اور یہ اشعار
اپنی زبان پر جاری کئے ؎ میں نے شیبہ کو ایسی حالت میں کہ
بنی نجار کے لڑکے تیر اندازی میں اوسکے گھیرے ہوئے تھے پہچان
لیا۔ میں نے اوسکی جسمانی ساخت کو بالکل اپنے لوگوں کی پائی
اور اوس سے اپنی خوشبو بھی پائی۔ پس میری آنکھوں سے بیساختہ
آنسو جاری ہو گئے۔ اب سلمی کو مطلب کے آنیکی خبر ملی۔ انہوں نے
مطلب کو اپنے گھر بلا بھیجا۔ مطلب گئے اور کہنے لگے کہ میرے
لئے بڑی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اگر میں تم سے اپنے بھتیجے کے
لے لینے اور اپنے شہر میں لیجانے کا عزم و ارادہ چھوڑ دوں۔ یہ سنکر

انشدنی هشام بن محمد عن ابیه

ابلغ بنی النجار ان جئتهم
انی منهم وابنهم والخمیس
رایتهم قوما اذا جئتهم
هووا لقائی واحبوا حسیسی

ودخل به المطلب مکة ظهرا فقالت قریش هذا عبد المطلب فقال ویحکم انما هو ابن اخی شیبة

ابن سعد - طبقات ص ۴۸-۴۹

سلمی نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اوس کو بھیجدے جانے پر کبھی راضی نہوں گی اور اسپر سلمی نے سخت قسمیں کھانی شروع کردیں مطلب نے کہا۔ ہاں ہاں یہ نہ کرو۔ کیونکہ میں تو اب بغیر اوس کو لیکئے یہاں سے ٹلتا نہیں ہوں۔ کیونکہ تم خود سوچو کہ میرا بھتیجا بلوغ کے قریب پہونچگیا اور وہ ابتک ایک غیر قوم و قبیلہ میں یکہ و تنہا ہے۔ اور ہم لوگ اہل بیت ہیں۔ جو اپنے تمام قوم و قبیلہ میں اشرف ترین افراد ہیں۔ اور یہ بھی غور کرو کہ اوسکے لئے اس مقام میں رہنے سے اپنے خاص شہر میں رہنا زیادہ مناسب ہے۔ اور یونہی تو وہ جہاں رہیگا تمہارا بیٹا ہے اور تمہارا فرزند۔ بالآخر جب سلمی کو یقین ہوگیا کہ مطلب اپنے ارادے سے باز نہ آئینگے تو مطلب نے تین دن اور سلمی اور قبیلہ بنی النجار کے اظہار رائے کا انتظار کیا۔ اور انھیں لوگوں پر اس امر کو محول کردیا۔ اور تین دن تک بنی النجار کے مہمان رہے۔ آخر کار اون کی رضا و استمزاج سے لڑکے کو ہمراہ لے چلے اور بنی نجار کے تمام لوگ رسم رخصت کے اصول پر مطلب کی مشائعت کی غرض سے انکے ہمراہ ہوئے۔ اور مطلب نے اونکے یہ اخلاق و اشفاق دیکھکر یہ اشعار انشاء کئے۔ میری طرف سے بنی نجار کو یہ پیام پہونچادو کہ میں نے اون کے پاس آکر یہ سمجھ لیا ہے کہ اونکے اہل و عیال اور تمام گروہ گویا میرے لوگ ہیں اور گویا میں اپنے ہی لوگوں میں ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو ایک ایسی قوم پایا کہ میں جب انلوگوں کے پاس پہونچا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ میری ملاقات کیا میری آواز تک کے مشتاق ہیں۔ بہرحال مطلب اپنے بھتیجے شیبہ کے ساتھ پشت شتر پر مکہ کے شہر میں داخل ہوئے۔ قریش نے اس لڑکے کو انکے پیچھے بیٹھا دیکھکر کہا کہ یہ تو عبد المطلب ہے۔ غلام مطلب۔ مطلب نے انکے اس غلط قیاس کی فوراً تردید کردی اور کہا افسوس ہے تم پر یہ شیبہ ابن عمرو (ہاشم) میرا خاص بھتیجا ہے۔ طبقات از صفحہ ۴۸ و ۴۹

قبیلہ بنی نجار کے انھیں محاسن اخلاق کے اعتراف میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم داخلہ مدینہ کیوقت قبیلہ بنی نجار کو اپنی فرودگاہ بننے کے شرف خاص سے مشرف فرمایا جس کو ہم تفصیل سے اپنے مقام پر لکھیں گے۔ بنی نجار کی نمود اری اور ذی اقتدار ی کیلئے یہی ثبوت کافی ہیں۔

آمدم بر سر مطلب۔ مندرجہ بالا واقعات کو شبلی صاحب کے موجودہ طریقہ اختصارات و اشارات کے خلاف ہم نے تفصیل و تطویل سے کیوں لکھا۔ صرف اسلئے کہ شبلی صاحب جن مختصر اور گنے ہوئے الفاظ میں اس تاریخی واقعہ کو لکھا ہے۔ وہ بھی معلوم ہوجائے۔ عربی ماخذ کی اصلی عبارت بھی اس غرض سے نقل کردیگئی ہے۔ کہ دونوں عبارتوں کے مقابلہ اور موازنہ کے وقت با آسانی معلوم ہوجائے کہ مولوی صاحب کے مختصر وست اس بزرگ ہاشمی اور سید قریشی کے

متعلقہ اون امور کی کوئی اطلاع۔ کوئی خبر اور کوئی علم نہیں ہوسکتا جن سے اس بزرگ کی ذاتی وجاہت اور ذی اثر ہونیکا ثبوت خاص اوسی کے قوم و قبیلہ میں نہیں پایا جاتا بلکہ دوسری قوم و قبائل میں بھی اوسکی عظمت اور حرمت اوسی طرح مسلّم اور مقدم سمجھی جاتی ہے۔

اسی تفصیل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم میں اوسوقت اپنی قومی حمیت اور خاندانی شرف و مفاخرت کا کس حد اور کس درجہ تک کا پاس و لحاظ تھا کہ مطلب اپنے گم گشتہ عزیز خاندان کے حالات ثابت کی زبانی سنکر۔ جو نہایت آرام و راحت سے اپنے ننہال میں پرورش پاکر جوانی کے قریب پہونچگیا تھا یعقوبؑ وار بیتاب ہوگئے۔ اور پھر ایک منٹ تک اوسکے پرورش پانے کو قبیلہ غیر میں۔ گو وہ قرابت اور عزیزداری میں کتنا ہی قریب نہو۔ گوارا نکرسکے مدینہ پہونچے سلمی اور تمام اکابر و عمائد بنی نجار لڑکے کے چھوڑ جانے کیلئے اصرار پر اصرار کرتے رہے۔ مگر مطلب نے ایک نمانی۔ اور کسی طرح اپنی حمیت خاندانی اور عظمت موروثی کے حقیقی افتخار اور اصلی اقتدار کو یہ کہکر کہ ہم اہلبیت ہیں اور اپنی قوم قبیلہ میں اشرف ترین افراد۔ اونکے اخلاق و اشفاق کا زیر بار نہ ہونے دیا۔

کیا شبلی صاحب ان واقعات کو جن کے لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً سے مطلب اور خاندان ہاشم کے فضائل و خصائص ثابت ہوتے تھے۔ اپنے مدعائے تالیفی سے زائد سمجھتے تھے؟ کیا ان واقعات سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جد بزرگوار کے اعلیٰ محاسن اخلاق۔ طرز معاشرت۔ شریفانہ حمیت اور رئیسانہ شان و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا؟ کیا اپنے بھتیجے کی تلاش میں مطلب کی یہ تمام سرگذشت واقعات تاریخی کی تعریف میں نہیں آتی؟ کیا یہ واقعات ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کیلئے قابل الذکر نہیں ہیں؟ ہیں۔ واقعات تاریخی بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ شبلی صاحب کے شیخ التحقیق۔ ابن سعد کے طبقات میں موجود ہیں۔ اور قابل الذکر بھی ضرور ہیں۔ اسلئے کہ اس سے مکہ و مدینہ کے دو نمودار اور ذی اقتدار قبیلوں کے حسن معاشرت۔ تہذیب اور شعار ان کے حالات پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں مگر ہاں مولوی شبلی کیلئے اس وجہ خاص سے قابل ذکر نہیں ہیں کہ ان سے آپکے مجوزہ سیر و آثار اسلام کے فریق مخالف بنی ہاشم کی فضیلت۔ شرافت۔ قومی عزت اور خاندانی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ آپ کی طبع نازک کے ناگوار ہے۔ مولوی صاحب کے مقلدین بھی اس طریقہ اختصار کو پسند کرینگے ورنہ ایک محقق اور مورخ تو ان حالات کی تفصیل کو اپنی تاریخ و سیر کے تالیفی مقاصد کے اجزاء لازمی تسلیم کریگا اور اسی اصول کی بنا پر قدیم و جدید مورخین و اہل سیرت نے اپنے تالیفات و تصنیفات میں ان واقعات و حالات کو مفصل طریقہ سے قلمبند کیا ہے۔

شیبہ کی وجہ تسمیہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ مگر قوم قریش نے اونکے تحمل و وقار اور شوکت و اقتدار کے اعتبار سے ان کو شیبۃ الحمد کا خطاب دیا تھا۔ مگر تمام لوگ عبدالمطلب ہی کہتے تھے۔ اور بالآخر یہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ مطلب نے اپنی وفات کیوقت انہیں کو اپنا وصی و وارث قرار دیا طبقات میں ہے۔

فولّی عبد المطّلب بن هاشم بعده الرفادة و السّقاية فلم يزل ذلك بيده يطعم الحاجّ و يسقيهم في حياض من ادم بمكّة فلما سقى زمزم يترك السّقي في الحياض بمكّة وسقاهم من زمزم حين حفرها وكان يحمل الماء من زمزم الى عرفة فيسقيهم۔

مطلب نے رفادہ اور سقایہ کے منصب اپنے عبد المطلب کو سپرد کر دئے۔ اور اونہوں نے کبھی حجاج کا کھانا کھلوانا اور چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں پانی بھر بھر کر اونکو پانی پلانا ترک نہیں کیا۔ لیکن جب سے اونھوں نے چاہ زمزم کو کھود کر پانی پلانا شروع کیا تو اوسی وقت سے ان چمڑی حوضوں کے ذریعہ سے پانی پلانے کا طریقہ موقوف ہوگیا۔

طبقات ص ۹ ج ۴

شبلی صاحب نے اس بزرگ کی نسبت بھی وہی کوتہ قلمی اور اختصار پسندی کا قدیم طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ تلاش دنیاوی چاہ زمزم کے متعلق صرف اتنی ہی خامہ فرسائی گوارا فرمائی گئی ہے۔

”عبد المطّلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ زمزم جو ایک مدت سے اٹکر گم گیا تھا۔ انہوں نے اسکا پتا لگایا اور کھدوا کر نئے سر سے درست کرا دیا“ سیرۃ النبی ج ا ص ۱۲۱

یہ تو شبلی صاحب کی مختصرہ عبارت ہے۔ مگر آپ سے سیکڑوں برس پہلے کی عربی تاریخوں سے اسکے تفصیلی حالات جو تحقیق ہوتے ہیں وہ ذیل میں مندرج کئے جاتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ”بنی جرہم کے اخراج مکہ و ترکہ تولیت خانۂ کعبہ“ کے ذکر میں۔ لکھا ہے۔

فخرج عمرو بن الحرث بن مضاض الجرهمي بغزالي الكعبة وبحجر الركن فدفنهما في زمزم وانطلق

عمرو ابن الحرث ابن مضاض الجرہمی نے کعبہ کے دونوں ہرنوں کے مجسمے اور حجر الاسود کعبہ کے اندر سے نکال لئے۔ زمزم میں انکو دفن کر دیا اور چلے گئے۔

حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے۔ کامل ابن اثیر کے اسناد سے۔ اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ۔ اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ اون کی اصلی عبارت یہ ہے۔

چوں حال باین منوال رسید قوم جرہم را یقین گشت کہ ریاست مکہ از ایشاں زائل میشود۔ دل ازاں برداشتند۔ در پیش ایشاں دراں وقت عمرو ابن حارث بود حسد او را باعث شد برا نکہ حجر الاسود را از رکن برکند۔ و صورت دو آہو برہ از طلا کہ اسفندیار فارسی بہدیہ کعبہ فرستادہ بود و انرا غزال الکعبہ خواندند و با سلاحی چند کہ در خانہ کعبہ بود۔ ہمہ را برداشت و در چاہ زمزم پنہاں

جب اس طریقہ پر حال پہونچگیا تو قوم جرہم نے یقین کر لیا کہ مکہ کی ریاست ہم سے چلی جاتی ہے۔ تو اونہوں نے اسکی طرف سے اپنا دل اوٹھا لیا۔ اوسوقت اونکا سردار عمرو ابن حارث تھا۔ اسپر حسد نے غلبہ کیا۔ اوس نے کعبہ سے حجر الاسود کو اوکھاڑ کر اور اون دونوں ہرنوں کے طلائی مجسموں کو۔ جو اسفندیار شہریار فارس نے کعبہ میں نذر چڑھائے تھے۔ لیکر اور اون چند سلاحوں کو جو کعبہ

کرد و آنرا انباشت و باز زمین ہموار نمود۔

میں تھیں سب کو اٹھا کر چاہ زمزم میں پوشیدہ کر دیا۔ اور زمزم کو پاٹ کر زمین کے برابر کر دیا۔ روضۃ الاحباب جلد اول ص ۶۲ مطبوعہ لکھنؤ

زمزم کی تلاش اور از سر نو مرمت حضرت عبدالمطلب کی بے نظیر ہمت

چاہ زمزم کے مفقود اور بے نام و نشاں کی یہ وجہ ہوئی۔ زمزم سلسلہ ابراہیمی اور خانوادۂ اسماعیلی کی عظمت تقدیس کا قدرتی اور نہایت قدیم یادگار تھا۔ اسلئے بنو اسمعیل اسکی یاد کبھی بھول نہیں سکتے تھے

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

باوجودیکہ بنی جرہم و بنی قضاعہ کے بعد امارت مکہ پھر بنو اسماعیلؑ کے قبضہ میں آگئی۔ مگر تاہم حضرت عبدالمطلب کے وقت تک کسی بزرگ ہاشمی کو چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور مرمت کرانیکی طرف نہ توجہ ہوئی اور نہ ہمت۔ امتداد زمانہ کے سبب سے بنو اسمعیل کے اکثر افراد زمزم کے نام اور اس کی حقیقت کو فراموش کر گئے۔ ساکنین عرب عموماً اور باشندگان مکہ خصوصاً پانی کو ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے جس کے مقابلہ میں وہ دنیا کی کسی دولت کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ مکہ میں انسانی آبادی کا اصلی باعث یہی زمزم کا چشمہ ثابت ہوتا ہے جس کو پہلے حضرت ہاجرہؑ اور اسمعیل علیہما السلام اور انکے بعد بنو اسمعیلؑ نے گھیر کر ایک حوض اور پا کنوئیں کی صورت میں بنا لیا تھا۔ وہ اتنی مدت مدید سے مفقود اور لاوجود ہو گیا تھا۔ مکہ والونکو بھی آب کی جیسی تکلیف ہو رہی تھی وہ بالکل اندازہ سے باہر ہے۔ خیریت تھی کہ شہر میں کچھ کنوئیں کھود لیے گئے تھے۔ جن سے پیاسوں کی پیاس بجھ جایا کرتی تھی۔ مگر تاہم سالہا سال مکہ میں پانی کا قحط بنا رہتا تھا۔ حج کے ایام میں یہ تکلیف اور بڑھ جاتی تھی۔ اور منصب سقایہ کی گویا جان پر بن آتی تھی۔ سمجھ لینے کیلئے کافی ہے کہ جس مقام پر وہاں کیضرورت کیلئے پانی کافی نہو۔ وہاں باہر کے آنیوالی حجاج کی بیشمار جماعت کے لئے کافی طور پر پانی فراہم کرنا آسان بات نہیں تھی۔

قصی ابن کلاب کے ایام امارت سے لیکر مطلب ابن عبد مناف کے عہد حکومت تک تو جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے بڑے بڑے چرمی حوضوں میں شہر کے کنوؤں سے پانی بھر کر خانہ کعبہ کے صحن میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور وہی حجاج کو پلایا جاتا تھا۔ عرفات و منیٰ میں جانیوالے دن بھی یہی حوض اٹھا کر وہاں لیجائے جاتے تھے اور یہی اون دونوں مقاموں میں بھی حجاج کے کام آتے تھے۔

عبدالمطلب نے بھی اپنی امارت کے ابتدائی ایام میں چند سے خدمت سقایہ کی انجام دہی میں یہی قدیم طریقہ اختیار کئے اور وہ بھی انھیں حوضوں کے ذریعہ سے تمام حجاج کو پانی پلا سکے۔ بالآخر انھوں نے اسکو حد درجے کی تکلیف کا باعث سمجھا اور اصلی چاہ زمزم کے سراغ لگانے اور وہاں پھر از سر نو ایک نیا کنواں بنانے کا ارادہ کیا۔ اور اپنے اس ارادہ و تجویز کو دینی اور قومی ضرورتوں کے اعتبار سے بہت بڑا کار خیر اور ثواب جسیاب کا باعث سمجھا

اور حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی۔

ممکن تھا کہ حضرت عبدالمطلب صحن کعبہ یا اور کسی مقام متصل میں ایک معمولی کنواں کھدوا دیتے تھے۔ اور سقایہ کی موجودہ ضرورت پوری ہو جاتی۔ مگر نہیں۔ اِن کے دل میں اُسی قدرتی چشمہ رحمت کی تمنا تھی جو خدا کی طرف سے اِن کے خاندانی عظمت و تقدیس کا معیار قرار دیا گیا تھا۔ انکا خلوص انکی ہمت خدا سے شرط کر چکی تھی کہ یہ کنواں وہیں کھودا جائے گا جہاں اصلی زمزم واقع تھا۔ اور وہ صورت و ہیئت میں چاروں طرف ہاتھوں سے بنائی ہوئی مینڈ سے گھرا ہوا حوض تھا۔ جیسا کہ حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل ؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اور چشمہ زمزم کے آب رحمت کو اوسمیں جمع کر رکھا تھا۔ اسی شرط کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب کی تعمیل تعمیر میں تاخیر ہو گئی۔ ورنہ یہ عالی ہمت اپنی نیت کو کب کا پورا کر چکا ہوتا۔

ہمت مرداں مدد خدا۔ جناب عبدالمطلب نے زمزم کے اصلی مقام کے پتا لگانے میں اپنی کوشش کا کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا۔ مگر کسی سے کوئی پتا یا نشان نہ ملا۔ بالآخر عبدالمطلب نے اسکے اصلی مقام کے پتا لگانے میں اوس ہادی حقیقی کیطرف رجوع کی جس نے زلال رحمت بنا کر اسکو اسمٰعیل کیلئے پیدا کیا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

کانت زمزم سقیا من اللہ اتی فی المنام مرات فامر بحفرها و وصف له موضعها	زمزم خاص خدا کی رحمت کی سقائی تھی۔ عالم رؤیا میں متواتر طور پر عبدالمطلب کو بتلایا اور اسکے کھود دینے جانیکا حکم ہوا۔

الغرض عبدالمطلب کے ارادہ کے ساتھ مشیت کا ارادہ بھی شامل حال ہو گیا۔ اور خدا کے بتلائے ہوئے مقام پر کھودنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب کی سب سے زیادہ قدر کے قابل ہمت تو یہ تھی کہ آپ نے اپنے اس کام میں اپنی قوم و قبیلہ سے کسی قسم کی مدد و حمایت نہیں مانگی اور خدا کی راہ میں اس کار عظیم کو صرف دو باپ بیٹوں نے ملکر از آغاز تا انجام تمام کیا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

مرمت زمزم میں قریش کی مخالفانہ مخالفت

برا ہو حسد، نفسانیت اور برابری و مساوات کے غلط انداز غرور و نخوت کا جس نے عبدالمطلب کی اسی ایثار نفسی اور رفاہ و فلاح کے کام میں بھی تمام قریش کو اونکی مخالفت اور حفر زمزم کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اول تو اونھوں نے یہ کہکر عبدالمطلب کو کنوئیں کھود دینے سے روکنا چاہا کہ ہم اپنے بتوں کے سامنے گڑھا کرنے نہیں دینگے مگر حضرت عبدالمطلب اور اونکے بیٹے حارث۔ قریش سے مقابلہ و مقاتلہ پر فوراً تیار ہو گئے۔ مزاحمین کی جماعت مرعوب ہو گئی۔ اور عبدالمطلب کے تیور برے دیکھکر موقع سے ہٹ گئی۔ ابن سعد قریش کی اس اول مخالفت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ مگر ابن ہشام اپنی سیرت میں ذیل کی تفصیلی عبارت لکھتے ہیں۔

فغدا عبد المطّلب ومعه ابنه الحٰرث وليس له يومئذ ولد غيره فوجد قرية النّمل ووجد الغراب ينقر عندها بين الوثنين اساف و نائلة الّذين كانت قريش تنحر عندها ذبائحها فجاء بالمعوّل وقام ليحفر حيث امر فقامت اليه قريش حين رأوا جده فقالوا والله لا نتركك تحفر بين وثنينا هذين الّذين ننحر عندها فقال عبد المطّلب لابنه الحرث ذد عنّي حتّى احفر فوالله لامضينّ لما امرت به فلمّا عرفوا انّه غير نازع خلوا بينه وبين الحفر

ابن ہشام ص ۵۰ مطبوعہ مصر

صبح سویرے عبد المطلب اپنے بیٹے حارث کو۔ اور اوسوقت تک انکا یہی ایک بیٹا تہا۔ ساتھ لیکر کنواں کھودنے کیغرض خاص سے گئے۔ اور قریۃ النمل و غراب کے علامات دینیات قدرت کے مطابق۔ جو عالم رؤیا میں خدا کیطرف سے انکو بتلائے گئے تھے اور جو بیچ اون دونوں بتوں کے واقع تہا جنکا نام اساف و نائلہ تھا اور جنکے آگے قریش اپنے جانوران قربانی کو نحر کیا کرتے تھے جب یہاں عبد المطلب کنواں کھودنے کیلئے تیار ہوکر اور کدال وغیرہ لیکر آگئے تو انکو دیکھ قریش اونکی مخالفت پر آمادہ و استادہ ہوگئے۔ اور کہا ہم تمکو اپنے ان دونوں بتوں کے درمیان کنواں نہیں کھودنے دینگے۔ عبد المطلب نے اپنے بیٹے حارث سے کہا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس سے ہٹا دو کہ ہم بغیر کنواں کھودے نہیں رہینگے اور کبھی اس کام کو نہ چھوڑینگے جسکے انجام کرنیکا حکم مجھکو مل چکا ہے۔ انکی یہ تقریر سنکر قریش کو یقین ہوگیا کہ یہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہیں آوینگے۔ اسلئے وہ انکی اور اونکی کدھا کرنیکے مقام کو چھوڑکر ہٹ آئے۔

یہ واقعہ صاف بتلا رہا ہے کہ قریش نہیں چاہتے تھے کہ بنی ہاشم اپنی کوئی نمود قایم کریں۔ وہ انکے کسی کام کو تمام اسی سے کہ وہ اون کے اور تمام عوام الناس کیلئے کیسا اور کتنا ہی مفید ہو۔ صرف اس نفسانیت کے خاص خیال سے کہ وہ بنی ہاشم کر رہے ہیں۔ اپنی ٹھنڈی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھ سکتے تھے حسب و نسب کی کچھتی کے غلط قیاس پر انکے سروں پر بنی ہاشم کی برابری اور ہمسری کے جن سوار تھے۔ جو عفریت خانہ بنی امیہ سے نکل پڑے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے ان توہمات کی غلطی کو دیکھتے جاتے تھے۔ اور مقابلہ کے وقت برابر خفت۔ ندامت اور ذلت پر ذلت اوٹھاتے جاتے تھے۔ مگر طبیعت کی ناہمواری سے باز نہیں آتے تھے۔

سلہ غراب اور قریۃ النّمل۔ صفحہ گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب کو عالم رؤیا میں اصل زمزم کا نشان اور خاص مقام جہاں بتلایا گیا تہا اوس جگہ دو ظاہری علامات بھی بتلائے گئے تھے۔ ایک تو چونٹیوں یا دیمک کا پہاڑ (قریۃ النّمل) دوسرے کوے کا آشیانہ سے اوڑنا۔ طبقات۔ سیرت ابن ہشام۔ ابن اثیر اور روضۃ الاحباب کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے رؤیائے صادقہ کی ہدایت کے مطابق۔ اس مقام خاص پر دیمک کا ٹیلہ پایا۔ جو امتداد ایام کی وجہ سے وہاں پیدا ہوگیا تہا جب یہ کھدا تو اسمیں سے کوے بھی جو اسکے اندر آشیانہ رکھے تھے نکلکر اوڑے۔ اسی بنا پر خدا کے بتلائے ہوئے علامات کی تصدیق ہوگئی۔ وہو علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔

بہرحال۔ چاہ زمزم کے کھودیجانے کے متعلق قریش کی عبدالمطلب کے ساتھ یہ پہلی مخالفت تھی۔ آگے چلکر اسکی صورت اور ہیبتناک معلوم ہوتی ہے۔ اور اسکے آخر میں۔ جو ذلت قریش کے پیراموں حال ہوئی وہ سخت سے سخت عبرت ناک ثابت ہوتی ہے۔ ابن سعد اور ابن ہشام کی متفقہ عبارتوں سے اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فحفر ثلاثة ايام ثم بدا له الطوی فكبر وقال هذا طوی اسمعیل فعرفت قریش انه قد ادرك الماء فاتوه فقالوا اشركنا فيه فقال ما انا بفاعل هذا امر خصصت به دونكم فاجعلوا بيننا وبينكم من شئتم احاكمكم اليه قالوا كاهنة بني سعد هذيم وكانت بمعان من اشراف الشام فخرجوا اليها

طبقات ص ۴۹

تین دنتک باپ بیٹے (عبدالمطلب اور حارث) نے ملکر وہ کنواں کھودا تیسرے روز جاکر اصل چاہ زمزم کا نشان ملا۔ دونوں صاحبوں نے تکبیر کے نعرے بلند کئے اور کہاکہ یہی اسمٰعیلؑ کا اصلی کنواں ہے۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم یا عبدالمطلب پانی کو پاگئے۔ تو اونکے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہمکو بھی اس کام میں شریک کرلو۔ عبدالمطلب بولے ہم تو ایسا نہیں کرینگے کیونکہ تم لوگوں کو چھوڑکر یہ امر میرے ساتھ مخصوص کردیا گیا ہے مگر ہاں اگر تم چاہو تو ہمارے تمہارے باہمی تصفیہ کیلئے تم لوگ کسی کو حکم مقرر کرلو۔ قریش نے کہاکہ ہذیم نامی کاہنہ کو جو قبیلہ بنی سعد سے ہے۔ اور شام کے بالائی حصہ مقام معان میں رہتی ہے اس امر کے تصفیہ کیلئے حکم مقرر کرتے ہیں پس سب ملکر اوسکی طرف چلے۔

ابن ہشام اسکو اور توضیح سے لکھتے ہیں۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو۔

فلم يحفر (عبد المطّلب) الا يسيرا حتى بدا له الطّی فكبّر وعرف انه قد صدق فلمّا تمادى به الحفر وجد فيها غزالين من ذهب وهما الغزالان اللذان دفنت جرهم فيها حين خرجت من مكة ووجد فيها اسياف قلعيّة وادراعا فقالت له قريش يا عبد المطّلب لنا معك في هذا شرك وحق قال لا ولكن هلمّ الى امر نصف بيني وبينكم

سیرت ہشام جلد اول ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر

عبدالمطلب نے تھوڑا کھودا تھاکہ قدیم آثار چاہ نکل آئے۔ تو عبدالمطلب نے خوشی میں تکبیر کہی اور یقین ہوگیا کہ خواب میں جو کچھہ انکو بتلایا گیا ہے وہ صحیح ہے جب کچھہ اور کھودا تو دونوں سونیکے ہرن نکلے جنکو بنی جرہم نے مکہ سے جاتے وقت چاہ زمزم میں دفن کردیا تھا پھر اسمیں عبدالمطلب کو قلعی کی ہوئیں چند تلواریں اور زرہیں بھی دستیاب ہوئیں۔ تب تو قریش پھر آئے اور آکر عبدالمطلب سے کہنے لگے کہ ان اشیاء برآمد شدہ میں ہمارا بھی حق و حصہ ہے عبدالمطلب نے کہا نہیں۔ مگر ہاں اگر تم باخود ہا تصفیہ چاہو تو ہم نصفا نصف کردینگے۔

اب قریش کی اصل مخالفت اور علت مخاصمت معلوم ہوگئی۔ یہی مال و اسباب کی برآمدگی موجودہ مخاصمت کی وجہ تھی۔ اور انھیں سکے برآمد ہونیکی خبر نے اونکو عبدالمطلب کے ساتھ فساد و تکرار پر برانگیختہ کردیا۔ وگرنہ صرف

کھدجاتا اور کوئی چیز برآمد ہوتی تو پھر قریش کچھ نہ بولتے۔ ان چیزوں نے قریش کی حسد و نفسانیت اور حرص طمع میں باردیگر پرجوشی اور نئی آمادگی پیدا کردی اور وہ انکے ساتھ مخاصمت اور فتنہ انگیزی پر آمادہ اور مستعد ہوگئے۔ ابن سعد بقیہ حالات یوں لکھتے ہیں۔

خرج مع عبد المطّلب عشرون رجلا من بني عبد مناف
وخرجت قريش بعشرين رجلا من قبائلها فلمّا
كانوا بالفقير من طريق الشّام او حذوه فني ماء
القوم جميعا فعطشوا فقالوا لعبد المطّلب ما ترى
فقال هو الموت فليحفر كل رجل منكم حفرة لنفسه
فكلّما مات رجل دفنه اصحابه حتّى يكون آخرهم
رجلا واحدا فيموت ضيعة ايسر من ان تموتوا
جميعا فحفروا ثم قعدوا ينتظرون الموت فقال
عبد المطلب والله ان القاءنا بايدينا هكذا لعجز
الا نضرب في الارض فعسى الله ان يرزقنا ماء
ببعض هذه البلاد فارتحلوا وقام عبد المطلب
الى راحلته فركبها فلمّا انبعثت به انفجر
تحت خفها عين ماء عذب فكبّر عبد المطلب
وكبّر اصحابه وشربوا جميعا ثم دعا القبائل
من قريش فقالوا هلمّوا الى الماء الرواء فقد
سقانا الله فشربوا واستقوا وقالوا قد قضى
لك علينا الذّي سقاك هذا الماء بهذه
الفلاة هو الذي سقاك زمزم فوالله لا
نخاصمك فيها ابدا فرجعوا ورجعوا معه
ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبين
زمزم۔ طبقات ج ۱ ص ۵۰

عبدالمطلب کے ساتھ بیس آدمی عبدمناف کی اولاد میں سے اور
قریش کے ساتھ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی مکہ سے نکلے
جب علاقہ شام کے مقام فقیر یا حذوہ میں پہونچے تو تمام لوگوں
کا پانی تمام ہوگیا۔ اور سب پیاسے ہوگئے۔ تو سب نے عبدالمطلب سے
کہا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ کہا کہ موت۔ تم میں سے ہر آدمی
اپنے لئے ایک گڑھا کھود رکھے۔ جو آدمی مرے اوسکا ہمراہی
اوسکو دفن کردے۔ یہانتک کہ ایک آدمی تنہا باقی رہجائیگا
اور وہ البتہ جو بلا تیمارداری اور محض بیکسی و بےیاری کی سخت
موت مریگا۔ مگر اس سختی کے ساتھ ایک آدمی کا مرجانا اتنے
آدمیوں کی سختی سے مرنے سے آسان تر ہوگا۔ ان لوگوں نے
گڑھے کھودے اور اپنی اپنی موت کے منتظر ہوکر بیٹھ رہے جب
حضرت عبدالمطلب نے اونکی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ ہمارے
ہاتھوں کی بلائی ہوئی مصیبت کہی جائیگی اور یہ ہمارے ضعف و
کمزوری کا نتیجہ سمجھا جائیگا اور اسطریقہ سے ہماری جہالت اور ذلت
کی دنیا میں ایک مثال قایم ہوجائیگی۔ اگر خدا کو منظور ہے تو اس
مقام سے کسی دوسرے مقام پر ہمکو پانی عنایت فرمائیگا۔ یہ
سنکر وہ لوگ وہاں سے چلنے پر تیار ہوگئے اور حضرت عبدالمطلب
بھی سوار ہونے کیلئے اپنی سواری کے قریب آکھڑے ہوئے۔ اور
جیوں ہی وہاں سے چلے ویسے ہی آپ کے پیر کے نیچے آب
شیریں کا ایک چشمہ ریگستان میں نظر آئی دیا۔ اوسکے دیکھتے ہی
حضرت عبدالمطلب اور اونکے ہمراہیوں نے جوش مسرت میں
تکبیریں کہیں اور سب نے سیر ہوکر اوس پانی کو پیا اور پلایا پھر

ان لوگوں نے قریش کے قبائل کو بھی آواز دی اور کہا کہ اس آب رواں کیطرف دوڑآؤ۔ جو خداوند عالم نے ہمیں عنایت فرمایا ہے اور پلایا ہے پس وہ تمام لوگ بھی آئے۔ اوس پانی کو پیا اور پلایا اور کہنے لگے کہ اب ہماری موجودہ نزاع کا فیصلہ ہوگیا جس شخص نے ہمکو اس چشمہ سرزمین سے پانی پلایا ہے بیشک وہی ہمکو چاہ زمزم کا بھی پانی پلائیگا۔ خدا کی قسم اب اس امر میں ہم اوسکے ساتھ کبھی مخاصمت نہ کرینگے پس وہ لوگ حضرت عبد المطلب کے ساتھ ہوکر اوسی وقت لوٹ آئے اور اوس کاہنہ شامیہ کے پاس نہیں گئے اور پھر زمزم اور حضرت عبد المطلب کے معاملات سے بالکل دست بردار ہوگئے۔

سیرت ابن ہشام کی عبارت بھی قریب قریب یہی ہے۔ مگر اسمیں جو امر خاص قابل ذکر ہے وہ قریش اور بنی ہاشم کے اخلاقی اوصاف کے اختلاف ہیں۔ ذیل کی عبارت سے اونکا پورا انکشاف ہوتا ہے۔

فخرجوا حتى اذا كانوا ببعض تلك المفاوزة بين الشام والحجاز فنی ماء عبد المطلب واصحابه فظمئوا حتى ايقنوا بالهلكة فاستسقوا من معهم من قبائل قريش فابوا عليهم فقالوا انا بمفازة ونحن نخشى على انفسنا مثل ما اصابكم فلما رای عبد المطلب ما صنع القوم وما يتخوف على نفسه واصحابه قال ماذا ترون قالوا ما راينا الا تبع لرايك فامرنا بما شئت

ابن ہشام ج ۱ ص ۹۶ مطبوعہ مصر

قریشین نکلے اور جب حجاز و شام کے مابین پہونچے تو یہاں آکر حضرت عبد المطلب اور اونکے ہمراہیوں کا پانی ختم ہوگیا اور وہ لوگ پیاسے رہ گئے۔ اور جب پیاس سے ہلاکت کے قریب پہونچگئے تو اونہوں نے قریش کے قبائل سے پانی پلانے کی درخواست کی اون لوگوں نے قطعی انکار کردیا اور کہا کہ ہم اپنی جانوں کے لیے اسی مصیبت کا خوف و اندیشہ کرتے ہیں۔ جو تمہاری جانوں پر پڑی ہے اور جسکو ہم خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہ جواب صاف پاکر حضرت عبد المطلب نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم دیکھتے ہو جو تمہاری قوم تمہارے ساتھ کر رہی ہے اور اوسکو ہمارے صحاب اور ہماری جان کا کوئی خوف و لحاظ نہیں ہے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ اصحاب عبد المطلب نے جواب دیا ہماری کوئی رائے سوائے اسکے نہیں ہے کہ ہم آپ کی رائے کی متابعت کریں۔ جو آپ تجویز کریں وہ حکم ہمکو دیں۔

اس واقعہ سے پہلے جس چیز کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ تعمیم و تخصیص کا مسئلہ ہے معمول کے ظاہری اصول پر ہر شخص تخصیص کو اکثر حسن ارادت کا نتیجہ اور خلوص و عقیدت کا مقتضا سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر لوگ بنی ہاشم کی بنی امیہ یا سائر قریش پر تفضیل و ترجیح کو قابل ذکر نہیں سمجھتے اور اسکو عموماً مولفین کی خوش عقیدگی سمجھکر اکثر قلم انداز کردیتے ہیں۔ شبلی صاحب بھی اسی مسلک کے بزرگ ہیں۔ ابن سعد۔ ابن ہشام۔ ابن اثیر وغیرہم کی ایسی ایسی صدہا کتابیں اور عربی ماخذ۔ یا یوں کہئے کہ مصر و قسطنطنیہ کے کتب خانے کے کتب خانے۔ سیرۃ النبی کی تدوین کے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ جنمیں یہ واقعات تحریر تھے مگر آپ نے اپنے اصول طبعی کے مطابق مذکورہ بالا ماخذ و

کی تاویل۔ واقعات سے صریح چشم پوشی اختیار فرمائی۔ اور بنو ہاشم کے ایسے لاجواب اور بے نظیر اخلاق۔ فیاضانہ اور قومی ہمدردی کے واقعات کو بالکل چھپا دیا اور قطعاً لا وجود بنا دیا۔ حالانکہ یہی دو واقعات آپ کی ہدایت و تنبیہ کے لئے کافی تھے جن سے آپ بخوبی سمجھ لیتے تھے کہ بنی امیہ اور تمام قوم قریش کو باوجود ہم اصلی اور ہم بطنی کے بنی ہاشم کے ساتھ اخلاق۔ تہذیب۔ عام ہمدردی۔ فیاضی اور اشفاق کے تمام محاسن اوصاف میں کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں ہے۔ اور انہیں واقعات سے آپ یہ نتیجہ نکال لیتے تھے کہ ان اوصاف و محامد کے لئے ہم قومی اور ہم بطنی کی ضرورت نہیں۔ انکی افزونی قدرت کی تجویز اور مشیت کی تدبیر پر موقوف ہوتی ہے ورنہ انسانی عالم میں ممکن نہیں ہے کہ ایک قوم۔ ایک نسل اور ایک شہر کے لوگ اپنی جمعیت میں اتنے لوگوں کو جو ان کے اس وقت مخالف خیال ہو گئے ہوں پیاس سے مرتا ہوا آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے پاس کافی مقدار میں پانی رکھکر بھی ان پیاس سے مرتے ہوئے انسانوں کو پانی دینے سے انکار صاف کر دیں۔ اور ایک پوند دیں جیسا کہ ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب اور ان کے ہمراہیوں نے پیاس سے بیقرار ہوکر اور ہلاکت کے قریب پہونچکر اپنے ہمقوم اور ہم وطن قریشی بھائیوں اور عزیزوں سے پانی مانگا اور ان لوگوں نے نہ دیا۔ پھر نہ دیا۔

اسی واقعہ کا دوسرا نتیجہ بدلا جاتا ہے کہ طبقات اور ابن ہشام دونوں کی مذکورہ عبارت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے جب ان تشنہ کامان عبد المطلب کو آب شیریں کا چشمہ ملگیا تو ان سیر چشموں نے اپنا سوتا چشمہ اور اس زلالی رحمت سے خود سیراب ہونا۔ اپنے فطرتی اخلاق کے خلاف سمجھا۔ دشمنان قوم نے منکرین اور تشنگیوں جیسا عصمت قریش کو بلایا اور اوس چشمہ رحمت کا سب کو پانی پلایا۔

یہی دو واقعات جانبین کی فطرت اور مقتضائے طبیعت کو کھلا بتلاتے ہیں۔ دونوں ہم اصل ہی تھے اور ہم بطن بھی مگر ایک کی طبیعت میں قساوت و عداوت کے ایسے اجزا و عناصر بھرے ہیں کہ ان کی ظاہری تصویر انسانی بالکل ترکیب حیوانی معلوم ہوتی ہے بخلاف اسکے دوسرے کے مزاج و فطرت ہمدردی۔ رحم مروت اور اخلاق کی انتہا اور بیش بہا جوہروں سے پُر اور مملو ہے کہ باوجود ایسی شدید مخاصمت و مخالفت کے بھی وہ اپنے ایسے مخالف اور دشمن کو بھی اپنی نعمت میں شریک کرنے اور حصہ دینے میں ذرا بھی تامل نہ کر سکے۔ یہ خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے اونکو خاص طور پر تفویض فرمائی گئی تھی۔

یہی دو واقعات بنی امیہ اور تمام قریش کی طبائع حیوانی اور بنی ہاشم کے علی الاکثر خصائص روحانی۔ اور تمیم و تخصیص کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ اختلاف اور انتشار مثلاً لعبد نسلاً۔ او بطناً بعد بطنٍ فریقین کے سلسلہ میں برابر قائم اور برقرار رہا۔ جو فتح مکہ کے دن تمام قریش کے اپنے مظالم کے بدلے لا تثریب علیکم الیوم کے

الفاظ میں لیا۔ رسالت سے مشرف ہوکر پھر معارکِ صفین کے ابتدائی ایام میں بار دیگر قبضۂ آب فرات کی بدولت
زبان ولایت سے کلمہ وَاللّٰہِ لَا اَفْعَلُ کَمَا فَعَلَ اَشْیَاعُہٗ وَظَلَمَہٗ مترنم ہوا۔ پھر بار دیگر شہادت کے بعد وفات
سے بالکل قریب۔ اپنے قاتل کو شربت پلانے کے موقع پر اشربہ قبل ان یشرب بنی کی تقریر میں جلوہ پذیر ہوا۔ پھر
یہی اختصاص قدرت اور امتیاز فطرت، واقعہ صفین سے اکیس برس بعد کربلا کے قیامت ناک مقتل میں یوں
ظاہر ہوا کہ انہیں سے ایک فریق قاتل کی صورت اپنے دوسرے فریق مقتول کے سینہ پر سوار ہے۔ فریق مقتول
ذبیحہ کی شکل و صورت میں اس کے زانو کے نیچے دبا پیاس سے دم توڑنا چاہتا ہے۔ ایک قطرۂ آب کا قاتل سے
سوال کرتا ہے اور وہ بے درد باوجودیکہ ایک جام یا ایک کوزہ آب کیا پورے دریائے فرات پر قابض ہے۔ مگر
اسکو ایک قطرہ آب نہیں دیتا۔ اور جلد جلد ذبح کر رہا ہے۔ مقتول مایوس ہو کر قاتل کی اس بیدردی کے جواب
میں اپنے قاتل کو دعائیں دیتا ہوا دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور سلسلہ ہاشمیہ کی پاک سیرت اور
نیک اخلاق کی بے نظیر مثال دنیا میں یادگار چھوڑ جاتا ہے۔

بہر حال جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں یہ دونوں واقعات تاریخی جس طرح بنو ہاشم کے قبائل میں تخصیص روحانی
ثابت کرتے ہیں اسی طرح ان میں خاص خاص بزرگواروں کا موید من اللہ ہونا بھی ثابت رہے ہیں کیونکہ تخصیص
روحانی کا منصب تائید ربانی کے بغیر دشوار ہے۔ اور بحال یہی مشاہدات تاریخی یہی ثابت کرتے ہیں کہ امارت و
حکومت قومی مفاخرت اور اخلاقی محاسن و کرامت بھی اسی سلسلہ میں قدیم ہے اور یہ استحقاق اور یہ خصوصیت حضرت
ابراہیم کے وقت سے لیکر اسوقت تک خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کیلئے وراثت میں ودیعت فرمائے
گئے تھے۔

واقعہ چاہ زمزم جو بقول شبلی صاحب حضرت عبدالمطلب کی حیات کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اور اس میں بھی
بنی ہاشم کے موید من اللہ ہونیکا اصلی معیار عرب کے دو معتبر اور مستند تاریخوں سے اوپر لکھ دیا گیا۔ اس میں حضرت
عبدالمطلب کے استقلال اور پا داری کی مثال بالکل بے نظیر اور لاجواب ثابت ہوتی ہے۔ چاہ زمزم کا کام اس پاک
نیک نیتی سے محض ملکی اور قومی رفاہ و فلاح کے خیال سے علاوہ کعبہ اور حجاج کعبہ کی آرام رسانی کے لحاظ سے اپنا فرض
سمجھ کر آغاز کیا تھا جس میں انکی ذاتی منفعت اور فائدہ کا کوئی تعلق اور لوث نہیں تھا۔ مگر قریش صرف اپنی عداوت
اور نفسانیت کی آنکھوں سے انکے اس کار خیر اور رفاہ عام کی عملی ایثار کو بھی ٹھنڈی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے آغاز
ہی سے آنکھ دکھلا۔ اور اپنی قوم و قبائل کی کثرت پر ان سے خصومت و مخالفت کا اظہار کیا۔ ممکن تھا کہ حضرت عبدالمطلب
ان کی قوت و کثرت سے مرعوب ہو کر اپنے اس ارادے سے باز آجاتے۔ مگر نہیں یہ خدا کا کام تھا۔ اور خدا کی طرف
سے بہ ایما کے مامور ہو چکے تھے۔ اسلئے انکے ارادے میں ایک روحانی قوت تھی۔ جو انسانی قوت سے مغلوب یا مرعوب

نہیں ہو سکتی تھی۔ اونھوں نے اس باعث سے قریش کی مخالفت کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنے ارادے میں اوسی طرح مستقل رہے۔ تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ عبدالمطلب نے قریش کی متفقہ عداوت و مخاصمت کا علی الاعلان اوسوقت میں مقابلہ کیا ہے جب انکے ساتھ سوائے حارث کے اوس موقع پر دوسرا حامی اور مددگار نہیں تھا۔ آخر قریش بھی انکے عزم بالجزم کی قوت اور اپنی جہالت کے قائل ہوگئے۔ اور اپنے مفسدوں سے باز آگئے۔ یہ پہلی مخالفت تھی۔

دوسری مخالفت پہلی سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ یہ اصول فطرت سے مطابق تھی۔ کیونکہ اسمیں مال و متاع اور قیمتی اشیاء کی دستیابی کی امید و طمع شامل تھی۔ حالانکہ عبدالمطلب نے اونکے مطالبہ کیوقت ہی ان اموال کیساتھ اپنے قبضہ و تصرف کی خصوصیت اور قریش کی غیر سروکاری صاف صاف لفظوں میں بیان کردی تھی۔ مگر چونکہ اس امر میں اسباب طمع و آز کا زیادہ دست دراز تھا اسلئے قریش کسی طرح نہ رک سکے۔ بالآخر محاکمہ کی نوبت آئی۔ اور اسکے تصفیہ میں نظام قدرت نے قریش کی دوں طبعی کا منظر اور بنی ہاشم کی خوش اخلاقی اور فیاضی کا محضر اون کی آنکھوں کے سامنے رکھدیا تو پھر محرومان قریش کو توبہ و انابت اور خجالت و ندامت کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا۔ یہ تاریخی واقعات انھیں حالات و مشاہدات کے آئینے ہیں جنمیں حقیقت کے پورے انکشاف ہوتے ہیں۔

تمام تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چاہ زمزم کی تکمیل تعمیر تک قریش نے بالکل خموشی اختیار کی۔ مگر تکمیل زمزم کے بعد مخالفت قریش کی ایک اور مذبوحی حرکت تاریخوں سے پائی جاتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

عبدالمطلب کی مخالفت میں قریش کی ایک آخری حرکت مذبوحی

جب زمزم کی تعمیر تمام ہوگئی تو حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو تمام اقوام مکہ کے لئے وقف کردیا۔ ایک تو ایسے متبرک اور مقدس کنوئیں کی قدامت اور پھر حرم محترم کے اندر واقع ہونیکی خصوصیت اور برکت نے تمام لوگوں کو اسکے استعمال کیطرف خاص توجہ اور رغبت دلائی۔ مکہ میں اسوقت بارہ کنوئیں اور بھی قبل سے بنے موجود تھے اسطرح کہ ہر قبیلہ کے لئے ایک کنواں علیحدہ تھا۔ انکی تفصیل پوری تصریح کے ساتھ سیرت ابن ہشام میں مندرج ہے۔ ص ۵۰۔

زمزم کی تعمیر کے بعد جیسا کہ مواہب لدنیہ کے اسناد سے صاحب روضۃ الاحباب کا مختار ہے مکہ کے یہ تمام کنوئیں بیکار ہوگئے۔ اونکا مصرف محض اتفاقی ضرورتوں کے وقت تک محدود ہوگیا۔ زمزم کے مرجع عام نے جس کی بنا و تعمیر کو حضرت عبدالمطلب کی خاص فیاضی اور عالی ہمتی سے تعلق تھا۔ آپکی عظمت اور قدر و منزلت اہل عرب کی نگاہوں میں پہلے سے بھی زیادہ کردی۔ حضرت عبدالمطلب نے جس خلوص و عقیدت سے اس کار خیر کی ابتدا کی تھی اوسی نیک نیتی اور پاک نفسی کے ساتھ اسکو انجام تک پہونچا بھی دیا۔ تجدید و ترمیم زمزم کو حضرت عبدالمطلب نے خدا کیطرف سے سمجھکر اپنا فرض عینی یقین کرلیا تھا۔ اسی لئے اسکی انجام دہی میں جیسا کہ

ہم اوپر دکھلا آئے ہیں، بڑے حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ چاہ زمزم سے جو اشیاء برآمد ہوئے تھے۔ اور جو قریش کے تمام مفسدوں کے اصلی باعث تھے۔ اونکو آپ نے جیسا قریش کا گمان تھا اپنی ضرورتوں کے لئے کبھی ہاتھ نہ لگایا۔ ویسا کا ویسا ہی محفوظ رکھا۔

جب چاہ زمزم تیار ہوگیا تو قریش نے انہیں حصہ پانیکا پھر مطالبہ پیش کیا۔ عبدالمطلب نے پھر دینے سے انکار کیا۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی۔ سونے کے ہرنوں اور قلعی دار تلواروں پر تو کعبہ کا نام نکلا۔ اور وہ اسی وقت سے کعبہ کی نذر کردی گئیں۔ باقی رہیں زرہیں۔ اونپر عبدالمطلب کا نام نکلا۔ وہ انکو ملگئیں۔ قریش کا نام کسی پر نہ نکلا۔ یہ بالکل محروم رہ گئے ۵ طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی۔ سیرت ابن ہشام ص ۵۰ ج ۱ مصر

(ز) اشیاء کعبہ کے متعلق دو قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے سونے کے ہرنوں کو توڑ کر اوسی سے دروازہ کعبہ کے کواڑ (کنجیں) قفل اور کنجیاں بنوائیں۔ اور تلواروں کو باب کعبہ پر عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے آویزاں کردیا۔ طبقات ابن سعد ص ۵۰ ج ۱ جرمن

دوسری روایت یہ ہے کہ انمیں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ بلکہ اون اشیاء کو اسیطرح در کعبہ پر آویزاں کردیا۔ ایک مدت تک یہ دونوں چیزیں آویزاں رہیں پھر قریش انکو چرا لیگئے۔ طبقات ابن سعد صفحہ ایضاً

ابن سعد نے مختصر الفاظ میں اسکی کیفیت یوں لکھی ہے۔

فلما حفر عبد المطلب زمزم استخرج الغزال وسيوفا قلعية فضرب عليها القداح فخرجت للكعبة فجعل صفائح الذهب على باب الكعبة فغدا عليه ثلاثة نفر من قريش فسرقوه ۱۲

جب عبدالمطلب نے زمزم کو کھودا تو انہیں سے سونے کے دو ہرن قلعی کی تین تلواریں۔ اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ ان پر قرعہ اندازی کی گئی۔ یہ اشیاء خانہ کعبہ کے نام پر نکلیں۔ دو سونے کے اشیاء باب کعبہ پر آویزاں کردیئے گئے۔ وہ آویزاں تھے۔ یہاں تک کہ قریش کے تین آدمی اسے چرا لیگئے۔

محمد رشید شیرازی نے روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

قریش نزد عبدالمطلب آمدند و گفتند مرا نصیبی ازین مال ببایاید داد و آغاز مخاصمت کردند عبدالمطلب گفت اگرچہ شمارا درین حقی نیست زیرا کہ مرا درین امر اعانت نکردید بلکہ مانع شدید لیکن من انصاف دہم و باشما قرعہ برآرم۔ ایشان راضی شدند عبدالمطلب مال را دو قسم کردند۔ آہو برہا را قسمی ساختند و اسلحہ جات

قریش عبدالمطلب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمکو اس مال میں ہم لوگوں کو بھی حصہ دینا چاہیئے۔ اور مخاصمت شروع کردی عبدالمطلب نے کہا کہ اگرچہ اس مال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام میں تم لوگوں نے مجھے کوئی مدد نہیں پہونچائی ہے۔ بلکہ مجھکو تو تم نے اس سے باز رکھنا چاہا تھا۔ مگر تاہم میں تمہارے ساتھ انصاف سے کام لونگا۔ اور اس کام کو قرعہ سے انجام دونگا۔ وہ راضی

را قسمت ۔ و قرعہ را بنام کعبہ تعیین ساخت ۔ دیگرے بنام قریش و دیگرے بنام خود چوں قرعہ زد آہو برہا بنام کعبہ برآمد و اسلحہ بنام عبدالمطلب و قریش را چیزے نرسید عبدالمطلب آن اسلحہ را کہ بنام وے برآمدند در مصالح خانہ کعبہ صرف کرد ۔ فرمود تا در ہائے آہنین برائے خانہ کعبہ ساختند و ازاں دو آہو برہ زریں کہ نصیب خانہ کعبہ بود بداد تا کوبہائے ازاں بساختند و بر آں در ہائے آہنین نشاندند ۔ و در روایتے آنست کہ ایشاں را بہماں صورت بر در کعبہ آویختند و ہمچناں آویختہ بود تا شبے جماعت از قریش بخوردن خمر مشغول بودند ۔ و ابولہب درمیان ایشاں بود و کنیزکان مغنیہ ہم بودند ۔ چوں اسباب طرب ایشاں ختم شد ۔ متوجہ خانہ کعبہ شدند و آں دو آہو برہ طلا را کہ آنجا آویختہ بودند بدزدند و ہم در ہماں شب با اہل قافلہ فروختند کہ خمر بمکہ آوردہ بودند و ہر چہ در آں قافلہ بود بیکبار در بہائے آں بستدند و یک ماہ بطرب و لہو مشغول بودند و در آں مدت ہیچکس را معلوم نبود کہ اینکار از کہ صادر شدہ تا شبے عباس ابن عبدالمطلب را اتفاق مرور بر در سرائے کہ آں جماعت در آنجا بودند واقع شد ۔ کنیزکان مغنیہ سرودی گفتند ۔ و در اثنائے سرود گفتن بیانے کہ مشتمل بود بر سرقہ آں دو آہو برہ از در خانہ کعبہ و فروختن با اہل قافلہ میخواندند ۔ عباس بشنید و قریش را ازاں مطلع ساخت آں جماعت را گرفتند و تادیب بلیغ کردند و بعضے را قطع ید کردند۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص ۴۲ طبع لکھنؤ۔

ہو گئے ۔ عبدالمطلب نے مال کے دو حصہ کئے ۔ ایک حصہ میں سونے کے ہرنوں کو رکھا ۔ اور دوسرے میں زرہوں کو ۔ ایک قرعہ کعبہ کے نام ۔ ایک قریش کے نام اور ایک اپنے نام ڈالا جانا تجویز کیا ۔ اسی کے مطابق قرعہ ڈالا گیا ۔ جب قرعہ ڈالا گیا ۔ تو سونے کے ہرنوں پر کعبہ کا نام نکلا ۔ اور زرہوں پر عبدالمطلب کا نام نکلا ۔ اور قریش کا نام کسی چیز پر نہیں نکلا ۔ عبدالمطلب نے اون زرہوں کو جو اونکے نام سے نکلی تھیں ۔ خانہ کعبہ کے اصلاح کے کاموں میں صرف کیں ۔ اون سے کعبہ کے آہنی دروازے بنائے جانیکا حکم کیا ۔ اور وہ بنائے گئے ۔ اور ان سونے کے ہرنوں کو دیکر خانہ کعبہ کے کواڑوں کی کلمیخیں تیار کرائیں ۔ اور کواڑوں پر جڑوا دیں ۔ دوسری روایت میں وارد ہے کہ ان کو اسی صورت میں دروازہ کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا ۔ اور یہ آویزاں تھے ۔ ایک جماعت قریش جس میں ابولہب بھی شامل تھا ۔ بیٹھی ہوئی شراب پیتی تھی ۔ گانے والی لونڈیاں بھی ہمراہ تھیں ۔ جب انکا سامان عیش تمام ہوگیا ۔ تو وہ لوگ خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ سونے کے دونوں ہرنوں کو ۔ جو لٹکے ہوئے تھے ۔ چرا لیا ۔ اور اسی رات کو شراب فروشوں کے قافلہ کے ساتھ ۔ جو مکہ میں فرود تھا ۔ اونکو بیچ ڈالا اور جتنی شراب انکے پاس تھی سب ایکبار خرید لی ۔ اور ایک مہینہ تک شراب پیتے رہے کسی کو نہ معلوم ہوا کہ یہ فعل کس سے صادر ہوا یہاں تک کہ ایک شب کو عباس ابن عبدالمطلب کا ۔ قریش کی اس صحبت عیش و طرب کی طرف سے گذر ہوا ۔ کنیزان مغنیہ گا رہی تھیں اور اپنے گیتوں میں ۔ اون دونوں طلائی ہرنوں کے چوری کرنے اور قافلہ کے ہاتھ بیچ دینے کے پورے حالات گویا گنگنا گنگنا کر بیان کر رہی تھیں ۔ عباس نے ان گیتوں کو

سنا اور قریش کو تمام حالات کی اطلاع کی جماعت کی جماعت پکڑی گئی۔ اون کی سخت تنبیہ و تادیب کی گئی۔ اور بعض مجرم سرقہ بدھوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ روضۃ الاحباب ص ۴۴

ابن سعد کی اجمالی تفصیل تھی اور روضۃ الاحباب نے قریش کے حرکات ناشائستہ کی کامل تشریح کر دی ان تمام فضیحتوں کے بعد بھی قریش کو بنی ہاشم یا بنی مطلب کے ساتھ ہم بطنی اور ہم نسبی کے غلط قیاس پر مساوات کے دعوے بنے تھے۔ اور اپنے تعمیم کے زعم میں تخصیص کے نظام ربانی میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو داخل و شامل سمجھنے پر مرے مٹتے تھے اور باوجود متواتر ناکامیابیوں کے بھی اپنے زعم حماقت سے باز نہیں آتے تھے ہم انکے ناہنجار کردار و رفتار کو بہت جلد اپنے آیندہ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

ہاشم مرحوم کے حالات میں امیہ ابن عبد شمس کے زعم باطل اور اوس عظیم منافرہ کی پوری کیفیت جو انہوں نے ہاشم کے مقابلہ میں قائم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اوٹھائی تھی۔ بالتفصیل لکھ آئے ہیں۔ امیہ کے بعد اونکے بیٹے حرب ابن امیہ نے بھی حضرت عبد المطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کیا۔ اور خواہ مخواہ عرب کی قدیم رسم جہالت۔ منافرۃ کی پھر بنیاد ڈالی ؎ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

بہرحال تعمیر چاہ زمزم کے متعلق ہم مفصل حالات لکھ چکے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جاوے تو حضرت عبد المطلب کی یہ ہمت۔ یہ فیاضی اور احسان اپنے خاص ملک و احسان کے لئے محدود نہیں تھا بلکہ اون تمام بیشمار اور لاانتہا قوم و قبائل کے لئے بھی جو حج کے موسم میں دور دور سے زیارت بیت اللہ کے لئے جمع ہوا کرتے تھے یہ ایک ایسا کارنمایاں تھا اور احسان فراواں۔ جو حضرت عبد المطلب کی فیاضی اور عالی ہمتی کی لاجواب مثال بنکر ابدالاباد تک قائم رہا۔

حضرت عبد اللہ ذبیح ثانی کی قربانی

چاہ زمزم کی تکمیل کے بعد آپ کی حیات گرامی صفات کا واقعہ حضرت عبد اللہ ذبیح ثانی کی قربانی ہے اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

چاہ زمزم کی ترمیم حقیقۃً ایک کار عظیم تھی۔ اول تو ایسے قدیم آثار ابراہیمی کا احیا اوس کی تجدید جو خاندان الٰہی کی ہونے کی حیثیت سے حضرت عبد المطلب کی سعادت و رشادت کا فرض منصبی تھا۔ دوسرے حجاج کعبہ اور رفاہ عام کی خالصتاً للہ خدمت آپ کی ایسی فیاضانہ اور دلیرانہ ہمت کی محرک تھی۔ ان سب پر عرب کی سنگلاخ زمین پر عموماً اور حجاز کی سطح آہنی پر خصوصاً کنواں کھودنا اور پانی نکالنا۔ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بلکہ بڑے کلیجے والے کا کام تھا۔ حضرت عبد المطلب بھی اپنی ذمہ داری، ایسے امر عظیم الشان کی دشواری اور اس بار عظیم کی

گرانباری کو محسوس کرتے تھے۔ اسپر اپنے قوم اور ہموطن قبائل کی مخالفت اس امر عظیم کی تکمیل کیطرف سے آپکو سدِّ باب اور سدِّ سبیل بنا رہی تھی مگر آپ کے روحانی استقلال و پاداری نے ان امور کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ جو کام اپنے ذمہ لیا تھا۔ ان تمام دقتوں اور دشواریوں کی موجودگی میں بھی تمام کردیا۔

ان تمام دشواریوں کے خوفناک عالم میں ابھی اس خدمت جلیل کی انجام دہی کے متعلق اس شرط و اقرار کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں نذر مانی تھی کہ اس خدمت فی سبیل اللہ کے صلہ میں۔ اگر منعم حقیقی انکو دس بیٹے عنایت فرمائیگا۔ اور ان سب کو سن بلوغ تک پہونچائیگا۔ تو ان میں سے ایک بیٹے کو وہ خدا کے نام پر قربان کردینگے۔

حسب المدعا قدرت نے اس نیک نفس بزرگ کے اس پاک ارادے اور نیت کو بھی پورا کردیا۔ حارث۔ زبیر ابوطالب۔ عبداللہ۔ حمزہ۔ ابولہب۔ غیداق۔ المقوم۔ ضرار اور عباس۔ دس بیٹوں کی تعداد پوری ہوگئی تو حضرت عبدالمطلب ایفاء نذر کے لئے تیار ہوگئے۔ طبقات ابن سعد میں اس منظر کو ذیل کی عبارت میں دکھلایا ہے۔

ثم اخبرهم بنذره ودعاهم الى الوفاء لله به فما اختلف عليه منهم احد وقالوا اوف بنذرك وافعل ما شئت

حضرت عبدالمطلب نے اپنے تمام بیٹوں کو (جب سب بالغ ہوچکے) اپنے ارادے سے مطلع فرمایا۔ اور اون کو خدا کی ایفاء نذر کے لئے بلایا۔ ان میں کسی ایک نے بھی باپ کے حکم سے اختلاف نہیں کیا اور متفق اللفظ ہوکر عرض کی کہ آپ شوق سے اپنی نذر کے وعدہ کو پورا کریں اور جو تجویز فرمایا ہو اسپر عمل فرمائیں۔ طبقات ج ۱ ص ۵۳ مطبوعہ یورپ۔

ایک بیٹے کی قربانی کا وقت آپہونچا۔ اور یہاں باپ کے حکم پر دسوں بیٹے لبیک کہہ رہے تھے۔ اب ان میں سے کسے قربان کیا جائے۔ باپ کا دل اسکا تصفیہ نہ کرسکا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے استقلال و پاداری نے قرعہ اندازی کے ذریعہ سے اس مرحلے کو بھی طے کرلیا۔ حسن اتفاق سے اونکے محبوب ترین فرزند عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ اب اوس سے زیادہ دشواری سے سامنا ہوا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کا استقلال بےمثال تھا۔ ہمت ٹالنے والی نہ تھی۔ فوراً اپنے پیارے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور مذبح کیطرف لیچلے۔ اس حسرتناک عالم کو ابن سعد طبقات میں یوں دکھلاتے ہیں۔

فانطلق بعبد الله ليذبحه الى المنحر ومعه المدية فجاءت بنات عبد المطلب ذكورهم قياما وقالت لعبد المطلب اعذر فيه بان

حضرت عبدالمطلب حضرت عبداللہ کو ہاتھ پکڑکر ذبح کی طرف لیچلے تو اسوقت عبدالمطلب کے ساتھ اون کے اہل عیال خویش و اقارب کی جماعت ساتھ تھی۔ انہیں

تضرب فی ابلک السآئم التی فی الحرم

سب سے زیادہ اون کی صاحبزادیاں بھائی کی محبت میں بیقرار اور زار زار روتی تھیں بالآخر ان میں سے ایک نے باپ سے عرض کی کہ عبداللہؑ اور ان اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کیوں نہیں کی جاتی جو حرم میں چر رہے ہیں۔ (ابن سعد)

سیرت ابن ہشام میں بجائے عبدالمطلب کے ساتھ حضرت عبداللہ کے ننہالی اعزہ و اقارب بھی اس قرعہ اندازی کی تجویز میں شریک پائے جاتے ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔

وقال له المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم وكان عبد الله ابن اخت القوم والله لا تذبحه ابدا حتى تعذر فيه فان كان فداؤه باموالنا فديناه

مغیرہ ابن عبداللہ ابن عمر بن مخزوم نے۔ جو رشتہ میں حضرت عبداللہؑ کے ماموں ہوتے تھے۔ عبدالمطلب سے کہا کہ ہم عبداللہ کو ہرگز ذبح نہونے دینگے تاوقتیکہ انکے لئے بھی قرعہ اندازی کیجائے۔ اور انکا جو فدیہ ہوگا وہ ہم اپنے مال سے ادا کرینگے۔ سیرت ابن ہشام ص ۲ ۵ مصر

حضرت عبدالمطلب نے بالآخر قرعہ اندازی کی تجویز اختیار کی۔ چونکہ شریعت ابراہیمی میں رقم دیت کے نصاب مقررہ کی نسبت عشر مقابل کا طریقہ جاری تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بدلے پہلے دس اونٹوں کی تعداد پر قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے پھر دس کی تعداد بڑھا کر دس کے بیس کر دئے۔ پھر بھی عبداللہؑ ہی کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب بقاعدہ عشر دس دس اونٹ برابر بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں کی تعداد پوری ہو گئی۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام پر آمد ہوا۔ اور حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے۔

حضرت عبدالمطلب کو اپنی نذر کے ناکمل رہ جانے سے ایک گونہ ویسا ہی ملال ہوا۔ جیسا آپ کے مورث اعلی اور جد امجد حضرت ابراہیمؑ کو فدیہ اسماعیلؑ کے نازل ہونے سے مستولی ہوا تھا۔ اسلئے حضرت عبدالمطلب نے خاصکر اپنے اطمینان کلی حاصل اور فرمان ایزدی کے کامل کر لینے کی غرض سے اس حکم کے آجانے پر بھی تین بار پھر قرعہ اندازی فرمائی۔ اس مستقل مزاج اور مستقیم الارادہ بزرگ ہاشمی کی اس عزم و احتیاط کا منظر ابن ہشام نے ذیل کی عبارتیں دکھلایا ہے۔

فخرج القدح على الابل فقالت قريش ومن حضر قد انتهى رضا ربك يا عبد المطلب فقال لا والله حتى اضرب عليها ثلاث مرات فضربوا على عبد الله وعلى الابل وقام عبد المطلب

جب اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش اور جملہ حاضرین نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اب تو خداوند عالم عبداللہ کے فدیہ پر راضی ہوگیا۔ عبدالمطلبؑ نے جواب دیا نہیں اسکو نہیں مانتے کا جب تک کہ تین بار قرعہ اندازی کرکے اس حکم کو محکم نہ کرلوں پس

یدعو اللہ فخرج القدح علی الابل ثم عاد والثانیۃ وعبد المطلب قائم یدعو اللہ فضربوا فخرج القدح علی الابل ثم عاد والثالثۃ وعبد المطلب قائم یدعو اللہ فضربوا فخرج القدح علی الابل فنحرت

ابن ہشام ۵۲

پھر قرعہ ڈالا گیا۔ حضرت عبد المطلب اب کی بار بھی سابق کی طرح خدا سے دعا مانگتے رہے۔ یہانتک کہ پھر اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلا۔ دوسرے بار پھر دوہرایا۔ اور عبد المطلب ویسی طرح دست بدعا رہے۔ مگر اب کی بار بھی قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ تیسری بار پھر قرعہ ڈالا گیا۔ اور عبد المطلب کھڑے ہو کر دست بدعا رہے مگر قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ یہ مشاہدہ فرما کر عبد المطلب نے اونٹوں کو نحر فرمایا۔

اس واقعہ سے حضرت عبد المطلب کے کمال استقلال پاداری کے پورے ثبوت ہوتے ہیں اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ کو خدا کے کاموں کے بجالانے اور تعمیل فرمانے میں کس قدر حزم واحتیاط۔ استحکام و استقلال لاحق حال رہتا ہے۔ ان سب امور کے ساتھ اس راز عظیم کا بھی پورا انکشاف ہوگیا کہ سلسلہ ابراہیمی میں یہ دوسری قربانی بھی فدیہ سے بدل گئی اور انی اذبحک کی نیت وارادہ اپنی اصلی صورت میں اوسوقت تک جلوہ آرا نہیں ہوا جب تک کہ ایکسو بارہ[۱۲] برس کے بعد (تقریباً) اس مقدس خاندان کے مایہ افتخار ابی عبد اللہ الحسین ابن علی علیہما السلام نے اپنے عدیم المثال استقلال و پاداری سے خدا کی راہ میں جان دیکر اس کمی کو پورا نہ کرلیا۔

یہ واقعہ بھی حضرت عبد المطلب کے کمال و استقلال ہمت اور ایثار نفسی کا عظیم ترین واقعہ ہے جو تعمیر و ترمیم چاہ زمزم کی خاص فیاضی سے کبھی کم نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ قلبی تعلقات و جذبات کے اعتبار سے تو ہر شخص اس واقعہ کو اوس سے بھی زیادہ دشوار غیر متحمل قرار دیگا حقیقت میں یہ ایثار و انداز ایسا کامل۔ ایسا خالص اور ایسا بے مثال تھا کہ اونکے بعد اون کی اولاد و احفاد نے اس شرف مخصوصہ پر بار بار مفاخرت کا خاص اظہار کیا۔ یہاں تک کہ مفخر موجودات۔ مفضل کائنات۔ اشرف المرسلین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین نے انا ابن الذبیحین کا اعتراف فرماکر اس کی روحانی عظمت و تقدیس کا اقرار فرمایا۔

عرب کی تمام قدیم و جدید مورخین بڑی شرح و بسط سے حضرت عبد المطلب کے اس بے نظیر ایثار و انداز کے واقعہ کو اوسوقت سے لیکر اسوقت تک برابر لکھتے آئے ہیں۔ مگر سر سید صاحب نے بڑی دلیری سے اس متفق العام اور مشہور بین الجمہور واقعہ کی تردید و تکذیب کی ہے۔ انکے انکار کا اصلی اور حقیقی سبب وہی۔ قربانی اسماعیل و اسحاق کے متعلق ان کے عیسائیوں اور یہودیوں کی کورانہ تقلید و تصدیق ہے جس کی پوری تنقید اوپر کردیگئی ہے۔ سید صاحب کا یہ انکار عربی تاریخ و سیر سے اونکی بیخبری اور کوتہ نظری ثابت کرتا ہے۔

حرب ابن اُمیّہ (پدر ابوسفیان) کی حاسدانہ مخالفت

ہاشم مرحوم کے حالات میں امیّہ ابن عبدشمس کے زعم باطل اور اوس عظیم الشان معرکہ منافرہ کی داستان کامل جو امیّہ نے ہاشم کے مقابلہ میں قایم کیا تھا اور بالآخر جو ذلت و رسوائی اوٹھائی تھی ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ امیّہ کے بعد حرب ابن امیّہ نے بھی لیکہ ۵ بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے تھے حضرت عبدالمطلب کے ساتھ وہی خیال باطل پیدا کئے۔ اور خواہ مخواہ عرب کی قدیم رسم جہالت معرکہ منافرت کی بنیاد ڈالی۔

قبل اسکے کہ ہم اس جاہلانہ رسم منافرت کا جو حقیقتاً باہمانہ مفاخرت کی زبانی رجز خوانی ہے مفصل حالات قلمبند کریں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسکی تفصیل سے پہلے اسکے اسباب وقوع کو بیان کر دیں حقیقت یوں ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی نیک نفسی۔ فیاضی حسن اخلاق۔ محاسن تہذیب اور ذاتی اعزاز و وجاہت کے اوصاف نے۔ آپکو اپنے بزرگوں کے اقتدار و عظمت کا کامل نمونہ بنا رکھا تھا خصوصاً زمزم کی تعمیر نے قریش اور عام باشندگان مکہ پر کیا منحصر ہے گرد و نواح کے تمام قبایل و اقوام کو آپ کا مطیع و منقاد بنا دیا تھا۔ معاملات زمزم میں قریش کو شکست فاش پہونچ ہی چکی تھی عبدالمطلب کی اس تازہ نام و نمود نے اونکے حسد و کینہ کو پہلے سے بھی زیادہ مشتعل اور برانگیختہ کر دیا۔ نذر و قربانی کے معاملہ نے یہ قیامت کی نوعیت کر دی کہ عبدالمطلب کی روحانی عظمت و تقدس کا تمام عرب کو براۃ العین مشاہدہ کرا دیا۔ اور اس واقعہ عظیم سے وہ آپکو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا اصلی وارث اور قایمقام یقین کرنے لگے۔ اور آپکی امارت و حکومت کے ساتھ عقیدت و ارادت کے تعلقات بھی اہل عرب کے قلوب میں پیدا ہو گئے۔ اسکے بعد ہی بنی ثقیف کی منافرت کا واقعہ پیش ہوا۔ اگرچہ وہ غیر مقام تھا۔ اور غیر لوگ تھے۔ مگر حسد و نفسانیت کی وجہ سے قریش میں سے کسی نے بھی عبدالمطلب کا ساتھ اس منافرہ میں نہیں دیا لیکن اس تنہائی اور غربت کے عالم میں بھی خدا نے عبدالمطلب کی بات رکھ لی معرکہ منافرہ میں بنی ثقیف ہارے۔ اور بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب جیتے اس واقعہ نے حرب ابن امیّہ کو خواہ مخواہ سب سے زیادہ پرجوش بنا دیا۔ اور ایسا کہ بیہودہ قرابت و اتحاد سب کو بالائے طاق رکھکر فوراً مقابلہ پر تیار ہو گئے۔

ہم پہلے بنی ثقیف کے معاملات کو ابن سعد کی عبارت سے ذیلمیں نقل کرتے ہیں۔

كان لعبد المطلب بن هاشم ماء بالطائف يقال له ذو الهرم وكان في يدي ثقيف دهرا ثم طلبه عبد المطلب منهم فابوا عليه وكان صاحب امر ثقيف جندب بن

عبدالمطلب بن ہاشم کا طائف میں ایک چشمہ آب تھا جس کا نام ذوالہرم تھا۔ اور وہ مدت سے بنی ثقیف کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ عبدالمطلب نے اُس کا مطالبہ کیا۔ قبیلہ ثقیف نے انکار کر دیا۔ جندب بن الحارث اونکا امیر تھا۔

بن الحارث فابی علیہ وخاصمہ فیہ فتحاکما
ہما ذلک الی المنافرۃ الی الکاہن العذری و
کان یقال لہ عزی سلمۃ وکان بالشام فتنافروا
علی ابل سموہا فخرج عبد المطلب فی نفر من
قریش ومعہ ابنہ الحارث ولا ولد لہ یومئذ
غیرہ وخرج جندب فی نفر من ثقیف فنفد
ماء عبد المطلب واصحابہ فطلبوا الی
الثقفیین ان یسقوہم فابوا ففجر اللہ لہم
عینا من تحت جران بعیر عبد المطلب
فحمد اللہ عزّ وجل وعلم انّ ذلک منہ فشربوا
کلّہم وحملوا حاجتہم ونفد ماء الثقفیین
فبعثوا الی عبد المطلب یستسقونہ فسقاہم
واتوا الکاہن فنفر عبد المطلب علیہم فاخذ
عبد المطلب الابل فنحرہا واخذ ذو الہرم
ورجع وقد فضل علیہ وفضل قومہ علی
قومہ۔

سیرت ابن ہشام ۲۳ و

اوس نے چشمہ کے دینے سے انکار کیا۔ اور مخاصمت پر آمادہ ہو گیا
جانبین سے منافرہ کے شرائط مقرر ہوئے۔ اور قبیلہ عذرا کا کاہن
جو عزّی سلمی کے نام سے مشہور تہا طرفین سے حکم مقرر ہوا۔
اور معاوضہ میں دونوں فریق سے ایک ایک اونٹ علیحدہ
کیا گیا۔ اسلئے کہ جسکا حق ثابت ہو۔ وہ ناحق والے سے ایک
اونٹ تاوان لے۔ عبد المطلب قریش کی جماعت کو لیکر
نکلے۔ اور آپکے ساتھ حارث آپ کے بیٹے بہی تہے۔ اور اسوقت
تک یہی ایک لڑکے تہے۔ اوسطرف سے جندب بہی
بنی ثقیف کی جماعت لیکر باہر نکلا۔ دونوں جماعتیں حکم کے
آنے کی منتظر رہیں۔ حکم کے آنے میں غیر امید دیر ہوئی۔ اسی
اثنا میں عبد المطلب کا ہمراہی پانی چک گیا۔ اونہوں نے
ثقیف سے پانی مانگا۔ اون سب نے پانی دینے سے
قطعی انکار کر دیا۔ قدرت خدا نے عبد المطلب کے اونٹ
کے پاؤں کے نیچے ایک چشمہ رواں پانی کا پیدا کر دیا۔ عبد المطلب
اور اونکے ہمراہیوں نے خداوند عالم کے اس کا شکر ادا
کرکے وہ پانی پیا۔ اپنی تمام جماعت کو وہ پانی پلایا۔ اور
بقدر ضرورت بار کر لیا۔ اب بنی ثقیف کا پانی بہی چک گیا

توسب کے سب عبد المطلب کے پاس آگئے اور پانی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے اون سب کو بہی پانی پلایا۔ پہر دونوں فریق
ملکر کاہن کے پاس گئے۔ اوس نے عبد المطلب کے حقوق کو ترجیح دی۔ اور شرائط منافرہ کے مطابق عبد المطلب نے اون
اونٹوں کو لیلیا اور ذبح کیا اور چشمہ ابیہ موسومہ ذی الہرم کو۔ جو کیا نہیں یہی بنا پر تنازع تہا بنی ثقیف سے واپس دلوادیا
عبد المطلب پہر وہاں سے واپس آگئے اور اوس دن سے انکو اور انکی قوم کو۔ بنی ثقیف اور اونکی قوم پر فضیلت و ترجیح حاصل
ہوگئی۔ سیرت ابن ہشام ص ۲۴ و

بنو ثقیف پر حضرت عبد المطلب اور بنی ہاشم کی فتحیابی نے حرب ابن امیہ کے دلمیں خواہ مخواہ نفسانیت
پیدا کر دی اور پہر ایسی کہ وہ اوسے ایکدم کے لئے ہی سنبہال نہ سکا۔ اور باوجودیکہ حضرت عبد المطلب کے ساتھ
مراسم یکجہتی رکہتا تہا اونمیں کوئی مشاجرت بہی نہیں تہی۔ مگر سبکے قطع نظر کرکے حضرت عبد المطلب سے منافرت اور

مخاصمت پر آمادہ ہوگیا۔ طبقات میں ابن سعد لکھتے ہیں۔

تنافر عبد المطلب ابن هاشم و حرب ابن امیّه الی النجاشی الحبشی فابیٰ ان ینفّر بینهما فجعل بینهما نفیل ابن عبد العزّی فقال لحرب یا ابا عمر اتنافر رجلا هو اطول منك قامة و اعظم منك هامة و اوسم منك وسامة و اقلّ منك لامة و اکثر منك ولدا و اجزل منك صفدا و اطول منك مزودا فنفّره علیه فقال حرب ان من انتکاث الزمان ان جعلناك حکما

طبقات ص ۵۲

عبد المطلب ابن ہاشم اور حرب ابن امیہ کے درمیان منافرہ قرار پایا۔ اور نجاشی حاکم حبش کو حکم ہونے کیلئے لکھا گیا اسنے ان لوگوں کے درمیان حکم مقرر ہونے سے انکار کر دیا تب طرفین سے نفیل ابن عبد العزّی حکم مقرر ہوا نفیل نے حرب کو مخاطب کر کے کہا کہ تم کیونکر ایسے شخص سے منافرہ کر سکتے ہو۔ جو قد و قامت میں تم سے زیادہ طویل ہے ہیبت میں تم سے زیادہ ہے حسن و جمال میں تم سے زیادہ وجیہہ۔ عیوب و مناقص میں تم سے بہت ہی کم۔ اولاد و اعقاب میں تم سے بہت زیادہ۔ جود و سخا میں تم سے زیادہ فیاض اور تقریر و بیان میں تم سے زیادہ لسّان۔ یہ کہکر نفیل نے عبد المطلب کو حرب پر فضیلت دی

حرب نے کہا کہ یہ بھی ہماری شومی ایام تھی کہ ہم نے تجھکو اپنا حکم قرار دیا۔

یہ تھے بنی امیہ حضرات کے حرکات۔ جو ابتدا سے بنی ہاشم کی مخالفت میں انواع و اقسام کی خوفناک صورتیں پیدا کیا کرتے تھے۔ اس سے قبل حرب کے باپ امیہ اور خود عبد شمس کی مخالفتوں کو ہم اوپر بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ مرقومہ بالا واقعات میں اونکے صاحبزادے حرب کے منافرہ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ہر شخص ان حالات و واقعات کو دیکھکر سمجھ لیگا کہ جس طرح تمام اہل عرب میں قریش کی اور تمام قریش میں بنی ہاشم کی فضیلت اور قدر و منزلت قدیم ہے اوسی طرح بنی امیہ کے مقابل میں کامل طور پر بنی ہاشم کی مفاخرت بھی اور اوسی کے ساتھ جس طرح بنی ہاشم کے قریش ہمیشہ مخالف بنے رہے اوسی طرح بنی ہاشم کے بنی امیہ بھی جانی اور لاگو دشمن۔

اصول اضداد کے اعتبار سے۔ قریش و امیہ کی مخالفت بنی ہاشم کی وجاہت کو صدمہ پہنچانے کی جگہ کل شئی یعرف باضدادها (تمام اشیا اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں) کے مطابق۔ تمام دیار و امصار میں انکے اثار و اقتدار کو بڑہاتی گئی۔ افسوس ہے کہ جس طرح ہاشم اور امیہ کے باہمی مخاصمت و منافرت کو مولوی شبلی نے چھپایا ہے اوسی طرح حرب اور عبد المطلب کی مشاجرت کو بھی۔ حالانکہ دونوں واقعات اون کے اصلی ماخذ طبقات ابن سعد میں موجود ہیں اور جنسے خاصکر اوسی سے نقل کئے ہیں۔

ہم شبلی صاحب کے اس تخفاف کیلئے پہروہی لکھیں گے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اسکے لئے مولوی صاحب کست

مجبور ہیں۔ کیونکہ ان حالات کا لکھنا۔ عام اس سے کہ کیسی ہی معتبر تاریخی ماخذوں میں مندرج نہ ہوں اون کے
موجودہ مدعائے تالیف کے لیے بعید مضر تھے۔ اس احتجاب و استخفاف سے وہ جو کام لینا چاہتے تھے وہ یہی
تھا کہ بنی ہاشم کے ذاتی اقتدار۔ ثروت و اختیار میں وہ تخصیص و تائید ربانی کی اہمیت نہ ظاہر ہونے دیں بلکہ عام
ملکی عروج و زوال اور قومی ترقی و ادبار کی معمولی صورت میں۔ اصول تعمیم کے مطابق۔ ان کے معاملات کو بھی بہ
غلبہ اور استیلا وغیرہ کا نتیجہ قرار دیں۔ مگر حقیقت کا متلاشی جس طرح حقیقت کی باریکیوں کو پالیتا ہے اسیطرح
خود غرضی اور نفسانیت کی تاریکیوں کو بھی۔ جیسا کہ ان واقعات نے اصل حقیقت کی چہرہ کشائی کر دی یعنی
تعمیر زمزم۔ نذر عبد اللہ۔ منافرہ قریش۔ منافرہ بنی ثقیف۔ اور منافرہ بنی امیہ۔ حیات عبد المطلب کے قابل الذکر
واقعات تھے جن کو شبلی صاحب نے یا تو سرے سے مرفوع القلم فرما دیا۔ یا ان میں سے بعض کو (زمزم کی
حرمت۔ عبد اللہ کی نذر) لکھا بھی تو اس اختصار کے ساتھ جو تلخیص التلخیص کا جوہر مختصر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔
انہیں واقعات کی طرح انہدام کعبہ کے قصد سے اصحاب فیل کی فوج کشی کے حالات ہیں۔ جو عبد المطلب کی
زندگی کے مشہور ترین واقعات ہیں۔ ہم اونکو ابن ہشام اور زرقانی کے اصلی عبارتوں سے ذیل میں نقل کرتے ہیں

ابرہہ بن الصبّاح (اصحاب الفیل) کی خانہ کعبہ پر ناکامیاب فوجکشی

ابرهة بن الصبّاح الاشرم لانه لما غلب
على اليمن وملكها من قبل النجاشي رأى الناس
يتجهزون ايام الموسم للحج فقال اين تذهبون
فقيل يحجون بيت الله بمكة قال من هو قيل من حجارة
قال وما كسوته قيل ما يأتي من هنا من الوصائل
فقال والمسيح لابنين لكم خيراً منه فبنى لهم
كنيسة بصنعاء بالرخام الابيض والاحمر
والاصفر والاسود وحلاها بالذهب والفضة
وانواع الجواهر واذل اهل اليمن على بنائها و
كلفهم فيها انواعاً من السخر ونقل لها الرخام
المجزع والحجارة المنقشة بالذهب والفضة
من قصر بلقيس وكان على فراسخ من موضعها

جب ابرہہ ابن الصبّاح الاشرم نے غلبہ کر کے نجاشی کی طرف
(شاہ حبش) سے علاقہ یمن پر قبضہ کر لیا تو اوس نے لوگوں کو ایام
حج میں حج کے لیے سفر کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تم لوگ کہاں
جاتے ہو۔ اون لوگوں نے جواب دیا۔ مکہ میں خانہ خدا کا حج کرنے
جاتے ہیں۔ پوچھا وہ کہاں ہے۔ کہا کہ علاقہ حجاز میں۔ دریافت
کیا یہ کپڑے کیسے ہیں۔ جواب دیا۔ یہ اوس خانہ خدا کے ہدیہ ہیں
جو وہاں جاتا ہے یہ لیکر جاتا ہے۔ اوس نے کہا مسیح کی قسم میں
اوس سے بہتر تمہارے لیے یہیں بنائے دیتا ہوں۔ پھر اوس نے
شہر صنعا۔ دار السلطنت یمن میں سفید۔ سرخ۔ زرد اور سیاہ
قسموں کے رنگ رخام سے ایک کنیسہ بنایا اور اوسپر سونے
چاندی کی پچیکاری کرائی۔ اور انواع و اقسام کے جواہرات
جڑوائے۔ اہل یمن کو اس کے بنانے اور تعمیر کرنے کی ذلیل طرح

ونصب فيها صلبانا من ذهب وفضة و
منابر من عاج وابنوس وغيرها وكانت
تشرف منها على عدن لارتفاع بنائها و
علوها ولذا سماها القليس فلما اراد الحج
اليها كتب الى النجاشي انى بنيت كنيسة باسم
الملك لم يبن مثلها قبلها اريد صرف حج العرب
اليها وامنع الناس من الذهاب الى الكعبة
فلما اشتهر الخبر عند العرب خرج رجل من
كنانة مغضب فتغوط فيها ثم خرج فلحق
بارضه فاغضبه ذلك شديدا وحلف
لينقضن الكعبة حجرا حجرا وكتب الى النجاشي
يخبره ذلك وسأله ان يبعث اليه فيله محمودا
فلما قدم الفيل اليه خرج فى ستين الفا حتى
اذا بلغ المغمس بطريق الطائف ثم ارسل
ابرهه خيلا له الى مكة فاخذت ابلا
لعبد المطلب فذهب بها فبلغ عبد المطلب
ذلك فقال يا معشر قريش لا تفزعوا فانه
لا يصل الى هدم البيت لان هذا البيت ربا
يحميه ويحفظه وعند ابن اسحاق بعث
ابرهه حناطة الحميري الى مكة وقال له سل
عن سيد اهل البلد وشريفهم ثم قل ان الملك
يقول لم آت لحربكم انما جئت لهدم هذا
البيت فان لم تعرضوا دونه لحرب فلا حاجة لى بدمائهم

کی تزئین اور زینت پہونچائی - اور جابجا دیکھے ہوئے سنگ رخام
اور سونے چاندی سے نقش و نگار کئے ہوئے پتھر شہر بلقیس کی
کہنہ عمارت سے جو ایک فرسخ (۳ میل) کے فاصلہ پر تھا
نکال لائے تھے ۔ اس کلیسا پر صلیبیں سونے اور چاندی
کی نصب کی تھیں اور اس میں متعدد منبر عاج کی لکڑی اور
آبنوس وغیرہ کے رکھے تھے ۔ اور چونکہ وہ شہر کی تمام عمارتوں
سے بلند تر تھا ۔ اس رعایت سے اسکا نام قلیس رکھا جب
ابرہہ نے اسمیں مراسم حج بجالانے کا ارادہ کیا تو نجاشی کو لکھ
بھیجا کہ ہم نے بادشاہ کے نام سے اس شہر میں ایک کنیسہ بنایا
ہے جس کے ایسا کوئی کنیسہ پہلے نہیں بنا تھا میں نے قصد کیا
ہے کہ تمام عرب کے لوگ یہیں جمع ہو کر حج کیا کریں اور مکہ کا
حج کیا جانا روک دیا جائے جب یہ خبر تمام مشہور ہوگئی تو اہل
عرب (حجاز) کو بھی معلوم ہوئی - تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص
کو ابرہہ کی اس حرکت پر سخت طیش آیا اور اوس کنیسہ میں جا کر
پاخانہ پھر آیا - اور پھر وہاں سے بھاگ کر اپنے مقام پر چلا آیا
اس حرکت نے ابرہہ کو بہت غصہ دلایا - اور اوس نے قسم کھائی
کہ اب جبتک وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دیگا ۔ دم
نہ لیگا ۔ اوس نے اوسی وقت نجاشی کو اس واقعہ کی خبر دی
اور اوس سے درخواست کی کہ اوسکا مشہور و معروف اور
عظیم الشان ہاتھی محمود نامی بھیجدیا جاوے ۔ بہرحال نجاشی کے
ہاتھی جب پہونچ گئے تو ابرہہ نے ساٹھ ہزار کی جمعیت کیساتھ
مکہ کا رخ کیا جب اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ وہ طائف کی
راہ سے مکہ کے قریب مُغمّس[۱۵] (ایک مقام کا نام) تک پہونچ گیا

[۱۵] المغمس بضم الميم وفتح الغين المعجمة وفتح الميم الثانية مشددة وكسرها وهو على ثلثي فرسخ من مكة ـ مغمس بضم میم وفتح غین معجمہ وفتح میم ثانی مشدد ـ مکہ سے تین فرسخ پر ایک مقام ہے ۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۰۵ مطبوعہ حیدرآباد ۔

لی بعد ما اسمعکم فان ھو لم یردھم با فأتنی به
فدخل فسأل فقیل له عبد المطلب فقال له ما
امره به ابرھه فقال عبد المطلب والله ما
نرید حربه وما لنا بذلك من طاقة ھذا
بیت الله الحرام وبیت خلیله ابراھیم فان
یمنعه فھو بیته وحرمه وان یخل بینه
وبینه فوالله ما عندنا دفع عنه قال حناطة
فانطلق الیه فانه امرنی ان آتیه بك
فانطلق به عبد المطلب ومعه بعض بنیه
فکلم انیس سائس فیل ابرھه فقال ایھا
الملك ھذا سید قریش ببابك یستأذن
علیك وھو صاحب عیر مکة ویطعم الناس
فی السھل والوحوش والطیر فی رؤس الجبال
فاذن له ابرھه وکان عبد المطلب اوسم
الناس اجملھم واعظمھم فعظم فی عین
ابرھه فاجله واکرمه عن ان یجلس تحته
وکره ان تراه الحبشة یجلس معه علی
سریر ملکه فنزل عن سریره فجلس علی بساطه
اجلسه معه الی جنبه ثم قال له ترجمانه قل
له ما حاجتك فقال له حاجتی ان یرد الملك
علی مائتی بعیر اصابھا فقال له ترجمانه قل لقد کنت
اعجبتنی حین رأیتك ثم قد زھدت فیك
اتکلمنی فی مائتی بعیر وتترك بیتا ھو دینك و
دین آبائك قد جئت لھدمه لا تکلمنی فیه
فقال عبد المطلب انی انا رب الابل وان

تو ابرہہ نے اپنی فوج کا ایک دستہ وہاں سے مکہ میں بھیجا اور
اس دستۂ فوج نے مکہ میں آکر حضرت عبد المطلب کے اونٹ
چرا لئے اور اپنے ساتھ لیگئے جب اس غارتگری کی خبر حضرت
عبد المطلب کو پہونچی تو آپ نے تمام قریش کو جمع کر کے کہا کہ
تم لوگ انہدام کعبہ کی خبر پاکر بیہودہ درازی نہ کرو۔ کیونکہ یہ خدا
کا گھر ہے اور وہ اس کی ضرور حفاظت و حمایت کریگا۔ اور
ابن اسحاق کے مطابق ابرہہ نے حناطۃ الحمیری نامی ایک
افسر فوج کو اس غرض سے مکہ بھیجا کہ وہ امیر شہر اور سردار اہل
مکہ سے یہ پیغام شاہی پہونچا دے کہ وہ اہل شہر کے ساتھ
لڑنے کی نیت سے کبھی نہیں آیا ہے۔ بلکہ کعبہ کے انہدام
کے تنہا ارادہ سے بس وہ لوگ اگر انہدام کعبہ کے متعلق
اوس سے معترض نہوں گے تو اوسکو اہل شہر کی نسبت خونریزی
کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ لوگ جنگ پر آمادہ
ہوجائینگے تو پھر مجھکو وہاں آکر لڑنا پڑیگا۔ ابرہہ کا فرستادہ امیر
آیا اور اوس نے سید قوم اور امیر شہر کو دریافت کیا تو لوگوں نے
حضرت عبد المطلب کو بتلایا۔ امیر فوج نے ابرہہ کا پیام
عبد المطلب سے دوہرایا تو اونہوں نے جواب دیا قسم خدا
کی مجھے بھی اوس سے جنگ مقصود نہیں ہے اور حقیقتاً ہم میں
اوس سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے یہ خدا کا گھر ہے اور اوسکے
خلیل ابراہیم کا۔ وہی اوسکو اسکے انہدام سے باز رکھے گا۔
کیونکہ یہ گھر اوسی کا گھر ہے۔ اور یہ حرم اوسی کا حرم ہے اور وہی
اپنے گھر کو اوس سے خالی کرا سکتا ہے۔ ہمارے پاس اوس کے
دفاع کی قوت نہیں ہے۔ حناطہ امیر فوج ابرہہ نے یہ سنکر
کہا کہ تو آپ میرے ساتھ چلے چلیں کیونکہ ابرہہ نے کہا تھا کہ
اوس سردار قوم کو میرے پاس لیتے آنا۔ یہ سنکر حضرت عبد المطلب

للبیت رباً سیمنعه قال ما کان لیمتنع منی قال انت وذلك فرد علیه ابله وزاد عن کلبی فقلدها واشعرها وجللها وجعلها هدیة للبیت وبثها فی الحرم

زرقانی ج ۱ ص ۱۰۷

چلے اور آپ کے بعض لڑکے بھی آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ ابرہہ کا داروغہ نفیلیخ نہ انہیں عربی النسل تھا اوسی کے وسیلہ سے یہ لوگ خیمہ شاہی تک پہونچے۔ اور انہیں نے خیمہ کے اندر جاکر ابرہہ کو اطلاع کی کہ قریشیوں کے سید و سردار دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اونکو اندر آنیکی اجازت دیجائے۔ وہ معزز ترین اہل مکہ ہیں۔ اور یہ وہ فیاض بزرگ ہیں جو لوگوں کو عام گذرگاہوں پر کھانا کھلاتا ہے اور وحوش وطیور کیلئے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر خوان کرم رکھوا دیتا ہے۔ یہ سنکر ابرہہ نے فوراً اجازت دیدی اور حضرت عبدالمطلب کو اندر بلا لیا۔ چونکہ عبدالمطلب تمام قریش میں سب سے زیادہ معزز اور معظم تھے۔ اسلئے ابرہہ کی نگاہوں میں بھی انکی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ اوس نے یہ چاہا کہ ہم سے نیچے بیٹھیں اور نیز اوسکو یہ بھی منظور ہوا کہ اہل حبشہ مجھکو اور عبدالمطلب کو ایک ساتھ تخت شاہی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر پسند نکریں ان وجوہ سے ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اوتر آیا۔ اور عبدالمطلب کو اپنے ساتھ فرش پر بٹھا لیا۔ پھر اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں عبدالمطلب نے کہا کہ میری یہی حاجت ہے کہ میرے دو سو اونٹ جو تمہاری فوج کے لوگ لوٹ لائے ہیں وہ مجھے واپس مل جائیں۔ یہ سنکر ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہلوایا کہ مجھے آپ کے اس بیان پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ آپ مجھ سے اپنے اونٹوں کے لئے تو استدعا کرتے ہیں اور اوس گھر کے انہدام کے متعلق۔ جو آپ کے اور آپ کے آباء کرام کا دین ہے کوئی عرض او معروض نہیں کرتے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اور اوس گھر کا بھی ایک مالک ہے اور وہی تم کو اسکے انہدام سے باز رکھے گا۔ اوس نے کہا کہ وہ کون ایسا ہے جو مجھے اس ارادے سے باز رکھیگا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ یہ تم جانو اور وہ۔ پھر ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس دیدے۔ امام کلبی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ عبدالمطلب نے ان اونٹوں کو آراستہ کر کے خانہ کعبہ پر نذر چڑھا دیا۔ اور حرم میں لاکر چھوڑ دیا۔

فوج ابرہہ کی مکہ پر چڑھائی۔ انہدام کعبہ کے اسباب و وجوہ اور اوسکے ابتدائی حالات۔ ہم نے عربی کے دو معتبر اور قدیم ماخذوں سے پوری تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے مندرجہ بالا حالات و واقعات سے حضرت عبدالمطلب کی ذاتی وجاہت۔ قدر و منزلت اور اعزاز و اکرام۔ جو قوم قریش اور تمام اہل عرب کے علاوہ دوسرے مقامات کے اکابر و عمائد کی نگاہوں میں بھی قائم تھے اور آپکا صبر و تحمل اور تائید الٰہی کی امید پر توکل کامل طور پر ثابت ہوگیا۔

ابرہہ کے پاس سے واپس آکر حضرت عبدالمطلب نے موجودہ فتنہ و فساد کے لحاظ سے مکہ کا قیام ترک فرما دیا اور جماعت قریش کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چلے گئے۔ زرقانی لکھتے ہیں۔

وانصرف الی قریش واخبرھم الخبر وامرھم بالخروج من مکۃ والتحرز فی شعف الجبال والشعاب تخوفا علیھم من معرۃ الجیش	حضرت عبدالمطلب نے ابرہہ کے پاس سے واپس آکر قریش سے یہ تمام واقعات دُہرا دئے۔ اور اونکو تمام مکہ کے ترک کر دینے اور پہاڑوں کے غار، شگاف اور دروں میں پناہ لینے

کیلئے حکم دیا۔ حضرت عبدالمطلب کے اس مفید اور ضروری حکم کو سب نے مان لیا۔

تمام قریش فوج ابرہہ کے قتل و غارت کے خوف سے شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے اور مکہ کی آبادی بالکل خالی ہوگئی۔ حضرت عبدالمطلب نے اوسوقت تک شہر کو نہ چھوڑا جب تک کہ تمام قوم کے لوگ پہاڑوں کی طرف نہ نکل گئے خانہ کعبہ سے وداع ہونیکی خاص کیفیت زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔

ثم قام عبدالمطلب فاخذ بحلقۃ الکعبۃ و معہ نفر من قریش یدعون اللہ ویستنصرونہ علی ابرھۃ وجندہ ثم ارسل حلقۃ الباب وانطلق ھو ومن معہ من قریش الی الجبال ینتظرون ما ابرھۃ فاعل بمکۃ	حضرت عبدالمطلب زنجیر خانہ کعبہ پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ کے ساتھ ایک جماعت قریش ہی تھی۔ آپ نے اون کے ساتھ ملکر ابرہہ اور فوج ابرہہ پر نصرت وحمایت فرمائی جانے کی درگاہ رب العزت سے دعا مانگی اور پھر دروازہ کعبہ کی زنجیر چڑھا دی اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ اور ابرہہ کی کارروائیوں کا انتظار کرنیلگے۔

بہرحال مرقومہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ حضرت عبدالمطلب خدا کا گھر خدا پر چھوڑ کر پہاڑوں کے دروں میں اپنے اہل وعیال کو لیکر چلے آئے اور نصرت وحمایت الٰہی کے مشاہدہ قدرت کا انتظار فرمانے لگے۔

انہدام کعبہ کے متعلق اصحاب الفیل کی ناکامی

ابرہہ ابن الصباح علی الصباح اپنی تمام جمعیت کے ساتھ مصلاے ابراہیمی کے انہدام کے مصمم ارادے سے شہر کعبہ میں آداخل ہوا اور اپنے ہمراہی ہاتھیوں کی فلک نما قطاروں سے خانہ الٰہی کے انہدام وتباہی کا جونہی قصد کیا ویسے ہی ۵ پل مارنے کی ہوئی جو دیر ہی ہو۔ سبحان اللہ شان تیری۔ جبروت قدرت نے نہایت بے مقدار اور ادنیٰ مخلوق کی فوج تیار کرکے ابرہہ کے ایسے اعلیٰ درجہ کی باقاعدہ اور تربیت یافتہ لشکر کو ان طوال القامت ہاتھیوں کے ساتھ دم کے دم میں تباہ وبرباد کر ڈالا۔ زرقانی اور ابن ہشام کی عبارت تفصیلی حسب ذیل ہے۔

فارسل اللہ تعالیٰ علیھم طیرا من البحر امثال الخطاطیف والبلسان مع کل طائر منھا ثلاثۃ احجار یحملھا حجر فی منقارہ و	خدا تعالیٰ نے سمندر (بحر عرب) کی طرف سے ایک قسم کے جانوروں کے جھنڈ اور فوج نازل فرمائی۔ انہیں سے ہر طائر کی چونچ میں ایک اور دونوں چنگلوں میں دو پتھروں کی

بحجران فی رجلیه امثال الحمص والعدس لا
تصیب احدا الا هلك ولیس كلهم اصابت
وخرجوا هاربین یبتدرون الطریق الذی
منه جاؤا فخرجوا یتساقطون بكل طریق و
یهلكون بكل مهلك علی كل منهل واصیب
ابرهة فی جسده وخرجوا به معهم یسقط
انملة انملة كلما سقطت منه انملة اتبعتها
منه مدة تمث قیحا ودما حتی قدموا به صنعاء

ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹ مطبوعہ مصر

مونگ اور ماش کے برابر برابر کنکریاں تھیں۔ پرندوں کے ان
بیشمار جھنڈوں نے جبروت قدرت کے اشارہ سے ابرہہ کی فوج
شاہی پر اس زور سے سنگباری کی کہ اوسکے کثیر التعداد لشکر
میں سے کوئی ایسا نہ بچا جو نہ مرگیا ہو یا کم سے کم بے انتہا
نہ زخمی ہوا ہو اور وہ سب کے سب اگر وہیں ہلاک نہیں
ہوگئے تو بھاگ نکلے اور یہ حال ہوا کہ وہ اتنا بھی
نہیں جانتے تھے کہ کس راستہ سے بھاگیں۔ اور بھاگتے
پر بھی تمام راستوں میں اونکے اعضا کٹ کٹ کر گرتے جاتے
تھے اور تمام راستوں میں مرتے جاتے تھے۔ ابرہہ خود بھی
اس عذاب میں مبتلا ہوا اور وہ بھی لشکر کے ساتھ بھاگ
نکلا اور راستہ میں اس کی اونگلیاں بھی پور پور سے جدا ہو ہو کر گر گئیں اور اسی کے ایسا اور لوگوں کی اونگلیوں کا بھی حال ہوا۔
اور مقامات افتادہ سے خون اور ریم جاری ہوا اور وہ اسی خراب حالت سے شہر صنعاء (دار الحکومت یمن) میں پہونچے۔

خانہ کعبہ کے ساتھ ابرہہ کی بے ادبی اور ہتک حرمت کی سزا و تنبیہ دنیا میں ابد الآباد تک خوف الہی کے
لئے کافی ہوگئی۔ اور پھر اوسوقت سے لیکر اسوقت تک کسی غیر عرب اور غیر مسلم قوم کو اس بیت معظم کے انہدام
و غارت کی جرأت نہوئی اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک ہوگی۔ کرشمہ قدرت نے ایک چشم زدن میں ابرہہ
اور نجاشی کے ایسے دو بڑے سلاطین کی جبروت و سطوت کو خاک میں ملا دیا اور اونکے تمام سامانوں کو جو
اونہوں نے نظام شاہی کے اعلیٰ پیمانہ پر مہیا کیا تھا۔ ایک آن واحد میں محض معمولی اور بیوجود مخلوق سے تباہ و برباد
کر ڈالا۔

مولوی شبلی نے اس واقعہ قدیم کو نہیں لکھا

عرب کی تمام قدیم اور جدید مورخین نے اصحاب فیل کے واقعہ کو
پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اصحاب فیل اور
نزول ابابیل کے حالات و واقعات درج ہیں۔ مگر مولوی شبلی صاحب
اتنے بڑے واقعہ تاریخی کو جس سے خانہ کعبہ کی تقدیس اور عظمت پورے طور پر ثابت ہوتی تھی بالکل نسیاً منسیاً کر دیا۔
مرقومہ بالا چند واقعات کی نسبت آپکے استخفاف کیوجہ اور مجبوری معلوم ہی ہوتی تھی۔ مگر اسکے مرفوع القلم فرما دئیے
جانیکا کوئی خاص سبب ظاہر نہیں ہوتا اگر بنو ہاشم یا عبد المطلب کے خصائص ثابت ہونیکا وہی عذر یہاں
بھی آپ کو لاحق ہوا تھا۔ تو اوسکے ساتھ ہی ساتھ خانہ کعبہ زاد اللہ شرفا کی عظمت و حرمت کا اظہار و انکشاف بھی

تو ہوتا تھا۔ مگر نہیں حقیقتاً آپ کیلئے وہی وجہ اول مانع ہوئی۔ اور اوسکی بنا پر اسکا استخفاف بھی ایسا ہی ضروری
اور لازمی ٹھیرا کہ پھر اوسکے مقابلہ میں۔ اسواقعہ کی اہمیت قابل توجہ اور لائق التفات نہیں سمجھی گئی۔ حالانکہ تاریخ عرب
کا یہ ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اسکے وقوع سے ایک جدید سن کی ایجاد قائم ہوئی اور سن عام الفیل کی بنیاد پڑی۔
اسکی ندرت اور شہرت مشرقی ممالک سے ہوتی ہوئی مغربی اقالیم تک پہونچگئی اور تمام مغربی محققین و مورخین نے اس
واقعہ کو اور اسکے باعث سے عرب میں ایک نئے سن کے قائم ہونیکو شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

زمانہ حال کے مغربی مورخین نے گذشتہ صدی سے تاریخ کو اصول فلسفہ پر ترتیب دیکر اسکی تعلیم شروع کی ہے اور معمولی
مشاہدات روزمرہ کے اصول پر اون تمام تاریخی واقعات کو خارج از عقل اور بیرون قیاس ٹھیرایا ہے جو قدرت کے تصرفات
اور مشیت کے کرامات تھے۔ ممکن ہے کہ شبلی صاحب نے بھی اپنی سیرۃ النبی کو فلسفہ تاریخی کے پیمانے پر صحیح آثار رہنے
کیلئے اس واقعہ کو غلط اور مضحکہ خیز سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہی تھا۔ تو بھی سر سید احمد خاں کے اتنا اسواقعہ کو لکھکر
اور اہل عرب کی رواۃ پرستی کا مقتضا سمجھکر غلط اور خلاف عقل ٹھیرا دیا ہوتا۔ اور نزول ابابیل کے واقعہ کو شیوع مرض
آبلہ (چیچک) سے ظاہری طور پر مطابق فرما دیا ہوتا تاہم غنیمت تھا کیونکہ اس سے اصل واقعہ فوجکشی ابرہہ قصد انہدام خانہ
کعبہ شیوع وبائے آبلہ (چیچک) اور ہزیمت جنود حبشہ اور حفاظت بیت اللہ کے صحیح واقعات تو دنیا کو معلوم ہوجاتی
اور تاریخ عرب کا اتنا بڑا قدیم و عظیم واقعہ مفقود القلم اور کالعدم ہونیسے بچ جاتا۔

تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب کے ایسا محقق اور فلسفی مورخ اسکی ضرورت کی فلسفی کو نہ پہونچکا اسکے اصلی
اور خارجی پہلوؤں میں بھی امتیاز نکرسکا۔

اچھا یہ تسلیم کر لیا کہ ابابیلوں کا عذاب نہیں آیا تھا۔ بلکہ مکہ میں چیچک کی وبا پھیل گئی تھی۔ اور یہی ابرہہ اور اوسکے
لشکر کی تباہی و غارت کا اصلی باعث ہوئی۔ تو اس سے کیا۔ ابرہہ کا انہدام کعبہ کی نیت سے اپنے لشکر جرار کے ساتھ
آنا۔ اوسکی فوجکشی محاصرہ۔ ہزیمت اور فتح و عزیمت کے تمام حالات و واقعات جو نہ قدرت کے تصرفات ہیں نہ
کسی کے معجزہ و کرامات۔ جو کسی کے سمجھ میں نہ آئیں۔ یہ سب غلط ہو جائینگے؟ یہ تو کسی مشرقی مورخ کی جدید تحقیقات
سے ثابت ہوتا ہے اور نہ کسی مغربی محقق کے اقتباسات ہمارے مدعا۔ دیکھیے باوجود انکار معجزات اور خوارق
عادات۔ آپکے محسن و معاون ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب اس واقعہ کی حقیقت کا کس تفصیل سے انکشاف فرماتے
ہیں۔

> میں اپنے اس خطبہ میں اوس لغو اور بیہودہ روایتوں اور قرآن مجید کے غلط معنی بیان کرنے پر جو مفسرین
> نے اس واقعہ کی بابت بیان کی ہے۔ بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا مباحثہ ہے۔ مگر جو واقعہ کہ
> گذرا اوسکو صاف صاف لفظوں میں بیان کر دیتا ہوں۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ اصحاب فیل سے پہلے تبع نے تین دفعہ کعبہ کے ڈہانے کا ارادہ کیا مگر ظلمت و آفت میں گرفتار ہوگئے (کیا یہ قدرت کا اظہار اور اعجاز و کرامت کا اقرار نہیں ہے)

وہ قصے چنداں مشہور نہیں ہیں۔ مشہور قصہ اصحاب فیل کا ہے۔ ابرہۃ الاشرم جو ایک عیسائی حاکم یمن تھا۔ اوس نے صنعا یمن میں قریب غمدان کے ایک عظیم الشان کنیسہ یعنی گرجا بنایا تھا اور قلیس اسکا نام رکھا تھا۔ اور یہ بات چاہی کہ لوگ کعبہ کا حج چھوڑ دیں اور اس کنیسہ کا حج کیا کریں اور اسلئے اسکے ڈہانے کا ارادہ کیا اور مع فوج کے اور چند ہاتھیوں کے روانہ ہوا اور مغمس میں اوترا۔ اوسوقت قریش کنانہ، خزاعہ اور ہذیل سب لڑنے کو تیار ہوئے مگر اونہوں نے ابرہۃ الاشرم سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے میں نہیں پائی۔ ابرہۃ الاشرم نے کہلا بھیجا کہ مجھے تم سے جدال و قتال منظور نہیں ہے بلکہ کعبہ کا ڈہانا صرف مقصود ہے۔ اس گفتگو میں چند روز گذر گئے اور اسی درمیان میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ پھر تمام لشکر برباد ہوگیا۔ بہت سے مر گئے خدا نے تعالیٰ نے ان پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ انہوں نے کیا تھا۔ اوسپر کامیاب نہ ہوسکے (کیا یہ معجزہ کا اعتراف اور اقرار صاف نہیں ہے) مفسرین نے اس قصہ کو عجب طرح سے رنگا ہے۔ قرآن مجید میں دو لفظ طیراً اور الحجارۃ آئے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کی مناسبت سے جو مفسرین اور وضاعین نے چاہا بنا لیا ہے جسکی کچھ اصل نہیں ہے خطبات ص ۵۵۳۔ لاہور

مرقومہ بالا عبارت میں سید صاحب نے باوجود تردید و تنقید معانی اصل مطالب کو بالکل ویسا ہی لکھ دیا ہے جیسا کہ ہم عربی کے معتبر اور مستند ماخذوں سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اصل واقعہ سے نہ سید صاحب کو انکار ہوسکتا ہے نہ دنیا بھر میں کسی کو بھی۔ مگر تمام دنیا کے خلاف شبلی صاحب تنہا اسکو مرفوع القلم فرما گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اون کے نزدیک یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ حالانکہ سیرۃ النبی کے لکھنے والے اسکو آپکی ولادت سے کل دو مہینہ قبل کا واقعہ تمام تاریخوں میں بتلاتے ہیں۔ اور تمام مشاہیر تاریخی سے یہ امر صحیح طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ واقعہ اصحاب فیل کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ذیجود قائم ہوچکا تھا اور یہ ودیعت الٰہی سات مہینوں سے جناب آمنہ بنت وہب سلام اللہ علیہا کے بطن مطہر میں امانت تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم الاثنین لعشر لیال خلون من شھر ربیع الاول وکان قدوم اصحاب الفیل النصف من المحرم فبین الفیل وبین مولد رسول اللہ صلعم

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم دسویں ربیع الاول کی رات کو، دوشنبہ کے دن، پیدا ہوئے اور نصف (۱۵) محرم میں اصحاب الفیل مکہ میں آچکے تھے تو اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت اور واقعہ اصحاب

خمس وخمسون لیلۃ

ص ۶۲ مطبوعہ جرمن

فیل کے درمیان کل پچپن ۵۵ راتوں کی مدت گذری تھی"

طبقات ص ۶۲ مطبوعہ جرمن

اسی بنا پر ابن ہشام نے بھی ص ۵۶ ج ۱ میں آنحضرت صلعم کی ولادت اور مکہ میں اصحاب فیل کی آمد ایک ہی سال کے اندر تحریر کی ہے۔

پھر ایک مورخ ایک سیرت نویس اور ایک محقق۔ اتنے قریب کے گذرے ہوئے ایسے مشہور و معروف واقعہ کو جس سے اوس ملک کی تاریخ میں ایک زمانہ قایم ہوتا ہو۔ کیسے قلم انداز کر سکتا ہے۔ مگر مولوی شبلی تمام سیر و تواریخ کے خلاف اسکو مرفوع القلم فرما گئے۔ اگر اسکے استخفاف و استقصار کی مصلحت آپ نے ایک فلسفی مورخ ہونے کی حیثیت سے اختیار کی ہے تو یہ بھی آپ کی عقل کی خوبی ہے۔ آپ کی مختصرات یا سیرۃ النبیؐ کو کوئی فلسفہ تاریخ عرب نہیں کہہ سکتا نہ کم سے کم ابن خلدون کا نمونہ سمجھ سکتا۔ آپ کو جو کچھ فلسفہ یا منطق کے اصول ولائل تاریخ و حدیث کی تحقیق و تنقید میں بیان کرنے تھے۔ وہ آپ مقدمہ الکتاب میں بیان کر چکے۔ مولوی شبلی صاحب کو یقین کر لینا چاہیئے کہ جبتک آپ خدا کی قدرت اور اوس کی بیشمار اور لا انتہا تصرفات سے قطعی انکار نہ کر لینگے۔ اوسوقت تک آپ ان جبروت الہیہ کے کسی مشاہدہ کو خارج از عقل اور ناممکن نہیں کہہ سکتے۔ اور شبلی صاحب پر کیا منحصر ہے تمام ہی نوع انسان کو۔ عام اس سے کہ وہ فیلسفی ہوں یا ہیئت داں۔ مورخ ہوں یا محدث۔ شاعر ہوں یا ادیب جب تک کہ وہ خدا اور اوسکی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اونکو۔ ان تمام خارج از عقل۔ محالات اور ناممکنات کو بالکل مطابق عقل معمول قدرت اور ممکن الوقوع ماننا ہی پڑیگا۔

اگر شبلی صاحب کا بھی یہی خیال ہے اور اسی خیال کی بنا پر موجودہ عام تاریکی کے زمانہ میں صرف نئی روشنی والوں کے خوف تشنیع سے۔ آپ نے اس واقعہ کو مرفوع القلم فرمایا ہے تو وہ اپنی اسی کتاب میں دیکھیں کہ آپنے حضرت ابراہیم کے وقت سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک خدا کی جبروت قدرت کے کتنے واقعات مندرج کئے ہیں اور صرف نقل و اندراج ہی نہیں بلکہ اونھیں کے استنباط پر اپنے استدلال قایم فرمائے ہیں۔ پھر اپنے ہی اختیار کردہ مختار و معیار سے خلاف ورزی شعار دانشمندی نہیں۔

ہم اتنا لکھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شبلی صاحب سے اچھے تو اونکے تلمیذ رشید مولوی سلیمان صاحب ندوی نکلے جنھوں نے باوجود اسکے کہ یہ واقعہ اونکا موضوع تالیف بھی نہیں تھا۔ اپنی کتاب ارض القرآن میں اس واقعہ کو من حیث الوقوع پوری تفصیل سے لکھکر جدید مفسرین کے بعض مخترعات کی تنقید بھی کر دی ہے۔ افسوس کہ آپ تو اتنا بھی نہ کر سکے۔

سید صاحب کے تغیرات فی اللفظ اور تصرفات فی المعنی کی تنقید و تردید

اب رہا یہ امر کہ سید صاحب نے بھی اس سے انکار کیا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ سید صاحب نے اصل واقعہ سے ذرا بھی انکار نہیں کیا ہے اور سید صاحب پر کیا کوئی بھی اسکی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ سید صاحب نے اس واقعہ کے متعلق صرف ابابیلوں کے ذریعہ سے سنگباری پر اعتراض کیا ہے اور اسکو معمولی افسانہ اور محض کہانی ٹھہرایا ہے شبلی صاحب نے تو واقعہ کا واقعہ ہی مرفوع و مقطوع فرما دیا ہے گویا اسکا وجود و وقوع آپ کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ ایسی حالت میں آپکا مختار اور سید صاحب کی رائے کیسے مساوی ہو سکتی ہے۔ ہر ذی فہم آسانی سے سمجھ لیگا کہ تحقیق و تلاش واقعات میں آپکا کیا سرمایہ ہے اور سید صاحب کا کیا پایہ۔

سرسید کو اس پر اعتراض کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ سید صاحب نے لندن میں بیٹھکر اور ایل ایل۔ ڈی کی ڈگری کے امیدوار بنکر۔ اپنے خیالات کے اقتباسات کو اپنی کتاب خطبات میں اتحاد بین المذاہب کے اصول پر جمع کیا۔ اتحاد کا خیال تو اسلام میں بہت قدیم ہے۔ تمام مذاہب کے خلاف اسلام ہی نے سب سے پہلے اتحاد فی المذاہب کی حقیقت کا انکشاف کیا اور اس مسئلہ کو صاف کرکے بتلا دیا کہ ہمارا وہی مذہب ہے جو آدمؑ کا مذہب ہے۔ ہمارا وہی دین ہے۔ جو ابراہیمؑ کا دین ہے۔ ہمارا وہی طریق ہے۔ جو عیسیٰؑ کا طریق ہے۔ "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔ تمام انسان فطرت اسلام پر مخلوق کئے گئے ہیں" اسی کی پہلی تعلیم ہے اس لیے یہ مسئلہ گویا اسلام کی ایجاد ہے اور اسلام ہی اسکا موجد ہے۔ اس بنا پر یہ اتحاد تو ہمارا خاص اعتقاد ہے۔ اوس سے ہمکو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ اختلاف بین المذاہب ہے۔ وہ بعد کے معتقدات اور عملیات ہیں جن کے لا انتہا اور بے شمار اختلاف رائے و العمل نے رشتۂ اتحاد کو پارہ پارہ کرکے ہر مذہب و ملت کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر دیا بلکہ ایک کو دوسرے کا سخت مخالف بنا کر مقابلہ اور مقاتلہ پر آمادگی تیار کر رکھا ہے۔

چونکہ اختلاف مذاہب پر بحث کرنا میرا مقصود نہیں ہے۔ اسلئے اس سے قطع نظر کرکے ہم اپنے مدعا کے بیان پر آجاتے ہیں۔ سید صاحب نے اول تو اسی اتحاد کے اصول کو اپنے خطبات کی ترتیب و تدوین کے وقت پیش نظر رکھا ہے۔ دوسرے اسی ضرورت سے اونہوں نے ماہرین فلسفہ مغربی اور محققین علم ہیئت کی تحقیقات کے ماننے پر علم الٰہیات کے خاص مسائل کا بھی موازنہ کرنا چاہا ہے۔ لیکن اس موازنہ میں مغربی تحقیقات کی حسن و قبح، رطب یابس پر تنقیدی نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ سید صاحب کی تنقیدی قوت سر ولیم میور اور دیگر متعصب عیسائیوں کے لغویات کی تردید و تکذیب تک تمام ہو گئی ہے۔ جنہوں نے بیباکی سے آنحضرت صلعم کی ریاست و نظام حکومت اور احکام شریعت پر اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان امور کی نسبت ہمیشہ کوتہ فہمی اور قصیر النظری سے

کام لیا گیا ہے۔ یوروپین محققین کے مقابلہ میں عربی مورخین کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور یوروپین محققین کی ایسی شدید تقلید اختیار کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ایسے سہل اور عام فہم الفاظ کے وقت خیز غیر مرسوم۔ خلاف محاورات اور غیر مصطلحات معانی بتلانے میں اور دور از قیاس و دور از واقع تاویل فرمانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا گیا ہے بلکہ کھلے کھلے الفاظ میں قدرت الٰہیہ کے جبروت اوسکے اظہار کی غیر متحمل ضرورت۔ خانہ کعبہ کی حفاظت وغیرہ کے تمام حالات و واقعات سے بالکل انکار کرکے۔ ان مشاہدات قدیمہ اور کرامات عظیمہ کو جھوٹے فسانے اور اون کے سلسلہ رواۃ کو جن میں ہر طبقہ اور ہر درجہ کے اسلامی محدثین و مفسرین شامل ہیں ایک سرے سے (نعوذ باللہ) وضاع اور کذاب ٹھہرادئے گئے ہیں۔ مگر قیاسین یورپ کے قیاسات پر تنقید و تحقیق کی نگاہ سرسری بھی نہیں ڈالی گئی۔ حالانکہ اونھیں یورپ والوں کے کتب قدیمہ کے اخبار و آثار پر اگر محض سطحی نظر بھی ڈالی جاتی۔ تو غالباً اون کے خاص مرویات و معتقدات میں اتنے مہملات اور محالات۔ جو اصل میں اونکے توہمات کے طومار اور انبار ہیں۔ مشاہدہ کئے جاتے۔ جو کسی کے عقل میں کیا وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ عبرت ہے اور افسوس ہے کہ سید صاحب کے خطبات میں نہ انکی کوئی تفصیل قلمبند ہے اور نہ تنقید۔

بہرحال۔ اگر سید صاحب کی یہ خاص رائے ہے۔ تو بہتر ہے وہ اپنے ہی معتقدات تک اسکو محدود و موقوف رکھیں عام مسلمانوں کو اسکے تسلیم کی تکلیف نہ دیں۔ اور یقین کرلیں کہ آپ کی اس تعلیم سے تمام مسلمانوں کو جبروت قدرت کے تصرفات اور ضرورت کے وقت اونکے عجائب و غرائب مشاہدات سے انکار کرنا پڑیگا۔ جو انکے عقائد کو باطل اور اونکے قلوب سے نور ایمان و عرفان کو زائل کردیگا۔

یہاں تو ابلہ سے ابابیل بصیغہ جمع عام قیاس کیا گیا ہے۔ اور طیراً کو تطیر کے مادہ سے بقاعدہ استخراج مستخرج بتلایا گیا ہے اور اسکے معنی فال بد کے مراد لئے گئے ہیں۔ مگر القمل والجراد الخ کے صاف و صریح الفاظ قرآنی میں قوم فراعنہ پر عذاب الٰہی کی جو مختلف صورتیں بتلائی گئی ہیں۔ انکے معنوں میں مسلمانوں کو کونسی تاویل تبلائی جائیگی۔

ابابیل تو عقل صحیح کے سامنے کسی مقدار کا جانور تسلیم بھی کیا جاسکتا ہے۔ مگر قمل جسے آپ لیکھ کہتے ہیں۔ اسکی تو ابابیل کے مقابلہ میں کوئی مقدار ہی نہیں قائم کی جاسکتی۔ پھر قوم فراعنہ کے ایسے توانا اور قوی ہیکل انسانوں کو ایسے بے مقدار اور لا وجود حشرات الارض کا تباہ و برباد کردینا۔ جو نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔ کیونکر خلاف عقل اور ناممکن نہ ٹھہرایا جائیگا۔ اب جاکوئی بتلائے کہ سید صاحب کی ایسی تعلیم سے غریب مسلمانوں کو قرآن سے انکار صریح کرنا ہوگا یا نہیں۔ اور انکار قرآن کے بعد پھر نہ وہ مسلمان مسلمان رہیگا اور نہ اوسکا اسلام اسلام۔

قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن سے پہلے کی تمام کتب مقدسہ میں ان مشاہدات قدرت کی اس سے زیادہ تصریح و تفصیل مندرج ہے۔ مگر اسوقت سے لیکر اسوقت تک اونکے متبعین اور معتقدین اقوام کو جنمیں زیادہ تر یورپ

کے محققین شامل ہیں۔ ذرا بھی انکار نہیں ہے تو وہ انکو اپنے مقامات میں غلط ٹھہراتے ہیں یا نہ انکو مصنوع و موضوع بتلاتے
ہیں۔ یورپ کے تمام ممالک میں بچہ بچہ اسوقت فلسفہ و ہیئت کا پتلا دکھلائی دیتا ہے مگر جب اوسکے معتقدات اسکے سامنے
پیش کئے جاتے ہیں۔ یا جسوقت اُسکا کوئی مذہبی پیشوا کسی مذہبی جلسہ میں یا خاص طور پر اُن مشاہدات قدرت کو جو جناب
عیسیٰ مریم کی تصدیق رسالت اور تکمیل ولادت کی ضرورت سے مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوئے اور نیز آپکے مابعد بھی
عیسائیت کے اثبات و استدلال میں حواریوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ اُن سے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ سمعاً و اطاعتاً
کہکر اونھیں مان لیتا ہے اور انکے محال عقل اور بیرون قیاس ہونے پر اپنے فلسفہ و ہیئت کی ذرا بھی روشنی نہیں ڈالتا۔
کیونکہ وہ ان امور کو ابتدا ہی میں سمجھ چکا ہے اور یقین کر چکا ہے کہ جب قدرت کو تسلیم کر لیا گیا ہے تو اوسکے عمل سے انکار
صریح جہالت ہے۔ اکثر محققین یورپ کی اعتقادی اب تک یہی حالت ہے ہم اون میں سے چند مختار ذیل میں
لکھدیتے ہیں۔

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان (Camel Flameran) جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا
ہے۔ اپنی کتاب اسپریچولیزم (Spritualism) میں لکھتا ہے:-

انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز نظر نہیں آتی یا جسکو وہ نہیں جانتا اور سمجھ نہیں سکتا اسکے وجود
سے انکار کرتا ہے۔ ہیرو ڈوٹس یا پلینی کی تحریروں میں اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران میں چھاتی تھی
اور اسی سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہمکو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن پیرس کی علمی
کانفرنس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ء میں یہ واقعہ برای العین مشاہدہ کیا گیا۔
اسی طرح اگر کوئی شخص ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مر گیا اور جب اوسکی تشریح کی گئی تو اوسکے پیٹ میں ایک
بچہ پایا گیا۔ جو اوس شخص کا توام تھا۔ اور اسکے جسم میں پرورش پا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات
سمجھتے۔ لیکن چند روز ہوئے ہمنے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن برس تک بدن ہی میں پرورش
پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا۔ ہیرو ڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسانا
نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جسکے سر نہ تھا۔ خلاف عقل سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آج تمام طبی کانفرنس میں یہ
تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں۔
اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہمکو انتہا احتیاط سے کام لینا چاہئے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت
کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں۔ (کامل فلامریان کی کتاب ص ۲۶۳ بحوالہ الکلام شبلی
ص ۱۱۸ ج ۲)

مولوی شبلی صاحب الکلام جلد دوم میں خرق عادت اور روحانی معجزات کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں کہ:-

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایک ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو۔ استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسلئے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور و مستند حکما و فضلا کے اقوال و آرا اس موقع پر نقل کریں۔

۱۸۶۹ء میں بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کیلئے منعقد ہوئی۔ اوس مجلس کے ارکان یہ تھے۔

سر جان لیک (Sir Jhon Lake) ممبر پارلیمنٹ — صدر انجمن

پروفیسر ہکسلی (Pro Haxely) علم طبیعیات کا سب سے بڑا عالم — وکیل

لوئیس (Louis) فیزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم — ”

الفرڈ ویلز (Alfred Wales) جو ڈارون کا معاصر اور مسئلہ ارتقا میں برابر کا شریک تھا۔ — ممبر

مارگن (Morgen) مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن — ممبر

جان کاکس (Jhon Cox) — ”

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے۔ اٹھارہ (۱۸) مہینہ تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی اخیر میں مجلس نے جو رپورٹ تیار کی اوسکے بعض فقرے یہ ہیں۔

مجلس نے اپنی تحقیقات کا مدار صرف اون تجربوں پر رکھا جو مجلس نے برائے العین مشاہدہ کئے اور جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجلس میں چار ممبر ایسے تھے۔ جو شروع میں اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات میں فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے۔ لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربوں کے بعد اون کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور واقعی ہیں۔

اسکے بعد انگلستان اور امریکا میں اسکی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قایم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے۔ یہ مجلس تقریباً بارہ (۱۲) برس تک تحقیقات میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء میں اس نے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات (خرق عادات اور روحانی اثرات) کی صحت کا اعتراف کیا۔

ہیزلوب نے جو رائے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہیں:۔

مجھ کو امید ہے کہ میں بیس دن بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے ثابت کر دوں گا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ خرق عادات دیکھے۔ جن کی نسبت کسی طرح

شعبدہ اور فریب کا احتمال نہیں ہوسکتا۔

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہیں۔

دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعیں حاصل ہونیوالی ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ ایک برس میں
میں دنیا کے لئے انسانی زندگی کیلئے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کروں گا۔ اگر پروفیسر ہیزلوپ
نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اوس نے مُردوں کی روحوں سے باتیں کیں تو اوس نے بالکل سچ دعویٰ کیا ہے۔

پروفیسر کاکس۔ جو امپیریل سائنٹفیٹک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے۔ اوس نے مجمع عام میں کہا۔
میں صرف یہی نہیں کہتا کہ یہ (خرق عادات اور روحانی اثرات) ممکن ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ
بالکل حقیقت واقعی ہے۔

اپنی کتاب اسپریچولیسزم میں لکھتا ہے:۔
چونکہ مجھ کو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے۔ اسلئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ میں اونکے ظاہر کرنے
میں اس بنا پر ہچکچاؤں کہ نکتہ چیں میری ہنسی اوڑائینگے۔

جرمن کا مشہور ہیئت داں زولز Zolner ہی اسکی طرف متوجہ ہوا۔ اسکے ساتھ چند فضلا شریک
ہوئے جنمیں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

ویبر (Veber)

فیشنر Fashioner فزیکل سائنس کا اُستاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

ونڈٹ Vendette نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت ہی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلوں نے روح کے عجیب و غریب کرشموں کا اعتراف کیا۔ زولز
بہت بڑا عالم تھا۔ اسکے اعتراف پر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید اوس نے دھوکا کھایا۔ چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے
یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولز نے ایک رسالہ لکھا جسکا نام اوراق علمیہ ہے۔ اسمیں نہایت زور و شور
سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا اور اونکی صحت پر دلائل قائم کئے۔

۱۸۹۱ء میں جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اوسکے ایک جلسہ میں پروفیسر لودج (Lodge) نے جو
بہت بڑا ریاضی داں ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جس طرح
اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہوجائیگا کہ ممکنات کی کچھ حد و انتہا نہیں اور یہ کہ
جسقدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ اُن چیزوں کے جو ہمکو معلوم نہیں ہیں کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔

۲۲ جون ۱۸۹۸ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی جسمیں پروفیسر ڈو ٹروشیہ DuDutrochete نے اپنی اسپیچ میں کہا۔

"یہ خرق عادات جو اسوقت ہم نے مشاہدے کئے۔ اور جن کے ذکر سے انلوگوں کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپکو عالم خیال کرتے ہیں اور جزئی مسئلہ و مباحث علمیہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ انھیں متواتر مشاہدات کے سلسلہ میں داخل ہیں جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ میں آرہے ہیں اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہو گیا ہے"

۱۸۹۳ء میں بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے۔

الگزنڈر کزاکوف	Alexender Kozokoff
جیوفانی۔	میلان کے رصدخانہ کا سکرٹری
کارل ودیرل	جرمن کا مشہور ڈاکٹر
جیوریب جیرونا	فزیکل سائنس کا پروفیسر
لمبروزو	(Lombroso)

ان علما نے ۱۷ اجلاس میں ان امور کی تحقیقات کی اور بالآخر اپنی رپورٹ میں لکھا کہ۔

جو خوارق عادات ہم نے مشاہدہ کئے۔ انمیں کسی قسم کا شعبدہ بازی یا چالاکی نہیں تھی۔ اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہیں کہ مسائل علمیہ میں داخل کئے جائیں۔

(منقول از کتاب الکلام جلد دوم مولفہ مولوی شبلی از صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۵)

ہم نے شبلی صاحب کے خاص استفادات کلامیہ سے خرق عادات اور معجزات کے وجود و ثبوت میں محققین یورپ کے اپنے اعترافات پیش کر دیئے اور ہماری موجودہ ضرورت تنقید کی کے لئے اتنی ہی کافی ہے جو اسلئے مسلمانوں پر اور عبرت ہے ان نادانوں پر جو بلا تحقیق و تفتیش اور بلا تامل و تکلف ایک ذرا سے شبہ پر نصوص الٰہی اور اونکے تمام مفسرین محدثین اور مورخین کو بیدھڑک وضاعین اور کذابین کہدیتے ہیں۔

سید صاحب اور علی الاکثر انگریزی تعلیم یافتہ مجددین و مجتہدین کو معانی قرآن میں ایسے لغو اور مہمل تاویل کی جس وجہ سے جرات ہوئی ہے۔ وہ سیرت ابن ہشام کی یہ عبارت ہے۔

قال ابن اسحٰق حدثني يعقوب بن عتبة انه حدث ان اول ما رئيت الحصبة والجدري بارض العرب ذالك العام وانه اول ما رئي	ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یعقوب بن عتبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی سال ملک عرب میں چیچک پہلے نکلی اور آبلہ دانی بیماری پیدا ہوئی اور اسی سال عرب کی سرزمین پر پہنچا (کالے دانے) تلخ

لها عرائر الشجر الحرمل والحنظل والعشر ذالك العام -	پھنسی اور عشر (ایک قسم کا گوند پیدا کرنے والا درخت) کے پیڑ بھی نکلنا شروع ہوئے - مطبوعہ مصر ص ۹ ج ۱

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ابن ہشام اپنے اس بیان میں بالکل منفرد ہے - واقدی اور ابن سعد اسکا کوئی ذکر نہیں کرتے - اس بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مورخین و محدثین میں سے کسی نے اسکے وقوع کا اقرار نہیں کیا ہے اور شبلی صاحب کے اصول تحقیق و تنقید کے اعتبار پر چیچک یہ واقعہ تاریخی علما سے حدیث کا خصوصاً صحیحین کا مختار ثابت ہو سکے، مانا نجائے گا - اور کبھی صحیح الاعتقاد مسلمان کے نزدیک قابل اعتبار و اعتماد سمجھا نہ جائیگا -

اور اگر شبلی صاحب کی زبانی حزم و احتیاط کے خلاف ابن ہشام کو اوسکی قدامت کی وجہ سے قابل اعتبار سمجھ بھی لیں تو بھی یہ کہا جائیگا کہ ابن ہشام نے اسکو قصہ ابابیل کی کامل تصریح و تفصیل کے بعد لکھا ہے - اس بنا پر یہ بخوبی ثابت ہے کہ اس روایت پر نہ ابن اسحاق نے اپنا مختار قائم کیا ہے اور نہ ابن ہشام نے - کیونکہ سیاق عبارت سے اس کیلئے کوئی زمانہ مقرر نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ سمجھا جاوے یا یقین کر لیا جاوے کہ چیچک کی وبا عین اوسی روز اور اوسی وقت پھوٹ نکلی جب ابرہۃ الاشرم اپنی فوج گراں لیکر خانہ کعبہ کے انہدام کیلئے مکہ میں داخل ہوا تھا - بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ یعقوب ابن عتبہ کا بیان ہے کہ اوسی سال عرب میں جسم میں دانے اور آبلے پڑنیوالی بیماری کا آغاز ہوا اور اس سے پہلے نہیں تھی -

اس عبارت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اوسی سال کے اندر اس وبا کا شیوع ہوا - ابن سعد اور ابن ہشام کے متفقہ اقوال کے مطابق - اصحاب فیل کا واقعہ نصف ماہ محرم میں وقوع پذیر ہوا - اسلئے ممکن ہے کہ سال بھر کے اندر محرم سے لیکر آئندہ ذی الحجہ تک کے بارہ مہینوں کی مدت میں یہ امراض وبائی نمایاں ہوئے -

پھر جب اس روایت سے اس وبا کا آمد اصحاب فیل یا انکے حملات کے عین وقت میں پھوٹ پڑنا ثابت نہیں ہوتا تو قرآن مجید کی آیتی صاف اور کھلی معنیوں میں تاویلات مہملہ کا انبار لگانا محض بیہودہ اور بیکار ہے -

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ تمام مسلمان بھی کہ ابن ہشام نے بھی صحیح لکھا ہے - اور ابن اسحاق سے ابن ہشام نے بھی صحیح روایت کی ہے کہ اوسی عام الفیل کے اندر اندر اوس قادر مطلق نے قوم عرب کی تنبیہ و تہدید کیلئے اوس عارضی اور وقتی عذاب (احجار ابابیل) کے ساتھ ہی ساتھ اس دائمی اور قائمی بلا و مصیبت (وبائے چیچک) کو بھی نازل فرمایا - تو اس سے واقعہ ابابیل کے ظہور و وقوع میں کیا نقصان و فتور پیدا ہوتا ہے - ہاں اگر ابن ہشام نے ابابیل کے واقعہ کو نہ لکھا ہوتا - اور صرف وبائے چیچک کے شیوع کو قلمبند کیا ہوتا تو کسی قدر ان حضرات کے تاویلات مہملہ کے گنجایش ہو سکتی تھی -

ابابیل کو آبلہ کی تصحیح بتلانا ابلہ فریبی ہے - ابن ہشام اور ابن اسحاق دونوں بزرگوار عربی النسل تھے عربی

اون کی خاص زبان تھی۔ اور ادب ولغت کے ماہر کامل تھے۔ اور عالم وفاضل۔ وہ ہندی نژاد خام عربی دانوں کی طرح ابابیل کو آبلہ کی جمع بتلا دینے کی ایذا فریبی نہیں کر سکتے تھے۔ موجودہ زمانہ کے انگریزی تعلیم یافتہ حضرات نے ابابیل کو آبلہ کی جمع سمجھ کر اپنی عربی دانی اور اجتہاد طبعی کا نمونہ دکھلایا ہے۔ اون کی اس قیاسی لفظ شناسی کی حقیقت کا انکشاف صراح اللغات کی مفصلہ ذیل عبارت سے ہو جاتا ہے۔

وكذا طير ابابيل قال وهكذا الجمعي في سعتى الكثير وهو من الجمع الذى لا واحد له وقال بعضهم واحده ابول مثل عجول وقال بعضهم ابيل وقال ولم اجد العرب تعرف له واحداً۔

صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۸۸۴

اسی طرح لفظ ابابیل ہے (مشتق لفظ ابل سے) اور جماعت کثرت سے اسکو ابابیل کہتے ہیں۔ اور یہ ایسی جمع ہے جسکا واحد نہیں ہے بعضوں نے ابول کو مثل عجول کے اسکا واحد قرار دیا ہے اور بعض ابیل کو اسکا واحد بتلاتے ہیں۔ مگر آخر قول یہ ہے کہ اہل عرب میں سے کسی ایک نے بھی اس جمع کا واحد نہیں بتلایا ہے۔

صراح اللغت

اب یہ قیاس کہ ابابیل آبلہ کی جمع ہے یا اوس کے مشتقات سے ہے کیسی صریح غلطی ہے اور کھلی کھلی ایذا فریبی۔ وہ محدود علم واطلاع والے مسلمان جو ان الفاظ کے لغوی تحقیق سے قاصر ہیں وہ اس غلط فہمی میں پڑ کر عبارت قرآنی کے صحیح مطالب ومعانی کے سمجھنے میں ضرور تامل کریں گے۔ اون کی نیت میں فساد عقیدت میں ارتداد اور معرفت میں اشتباہ کے سیاہ داغ لگ جائیں گے۔ مگر وہ طبقہ جو ان مطالب ومقاصد کی حقیقت پر کافی علم واطلاع رکھتا ہے وہ نہ کبھی ان وساوس شیطانی پر متوجہ ہوتا ہے اور نہ ان مفاسد نفسانی کو کبھی خیال میں لاتا ہے۔

آبلہ عربی کا کوئی لفظ نہیں

لغت عرب میں آبلہ کوئی لفظ نہیں۔ بلکہ بتشریک حرف الف ایک لفظ ہے ابلہ جس کے معنی بیوقوف کے ہیں۔ فارسی کے آبلہ بزیادت حرف الف غالباً اسی سے مشتق ہے۔ آبلہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پھوڑے یا پھپھولے کے ہیں۔ جو اکثر جل جانے کی وجہ سے انسان کے جسم پر پڑ جاتا ہے۔ اور آبلہ سے مرض چیچک کی مناسبت بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔ مگر آبلہ سے ابابیل کا تناسب بالکل بے جا لگتا ہے۔

اب رہا اس واقعہ کا خلاف عقل ہونا۔ اس کی نسبت سید صاحب نے جو اپنی طرف سے یہ لکھ کر کہ ان لغو اور بیہودہ روایتوں پر اور قرآن مجید کے غلط معانی بیان کرنے پر جو مفسرین نے اس قصہ کی نسبت بیان کی ہیں میں بحث کرنا نہیں چاہتا جس میں ایک لمبا چوڑا عالمانہ مباحثہ ہے۔ خطبات ص ۵۵۲۔ جو مجبوری دکھلائی ہے وہی مجبوری ہم کو بھی لاحق ہے۔ کیونکہ سیرۃ کی موجودہ تالیفات تاریخ وسیر کے مضامین پر حاوی ہے جس کو منقولات سے تعلق ہے نہ معقولات سے۔ مگر تاہم ہم نے خرق عادات اور قدرت کے تصرفات کے متعلق محققین یورپ اور

مجددین مغرب کے اعترافات اوپر لکھ دئیے ہیں جن سے معترضین اور متشککین حضرات کی پوری تسکین ہو جائیگی
وما توفیقی الا باللہ۔

مگر تاہم ناظرین کتاب کی مزید تشفی کے لئے اتنا اور لکھ دینا میرے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں
لکھا گیا ہے کہ جب خدائے واجب الوجود کے وجود اور اُسکے تمام صفات کو عین ذات سمجھ کر ہم تسلیم کر چکے ہیں اور صرف
اسکو تسلیم ہی نہیں بلکہ اُنکو عین مشاہدات یقین کر کے اُنکی شہادت دے چکے ہیں اور یہ امور گو بظاہر ہم سے پوشیدہ اور مخفی
ہیں اور پھر ایسے کہ ہمکو کسی وقت اپنے کسی حواس اور قوت کے ذریعہ سے انھیں معلوم و محسوس کر لینے کی کوئی امید نہیں ہے
نہ اُنکے احساس کیلئے ہمارے اعضائے جسمانی کام آتے ہیں نہ قوائے ادراکی تو جب ایک ذات خاص کی نسبت باوجود
اپنے محالات کے اُسکے واحد قادر حاضر اور ناظر ہونے کا ہم زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتے ہیں تو
پھر اُس قادر مطلق کے اظہار قدرت کی مختلف صورتوں کو عام اس سے کہ ہماری ظاہری نگاہوں کو کتنی ہی عجیب غریب
نہ معلوم ہوتی ہوں۔ کیسے محال اور ناممکن کہہ سکتے ہیں بالخصوص ایسی حالتیں کہ جب قدرت یزدانیہ اور جبروت ربانیہ
کی ان جلوہ آرائیوں کا سلسلہ تاریخی دُنیا میں آفرینش عالم کے زمانہ سے لیکر اسی دم تک برابر چلا آتا ہو اور ہر وقت میں
بارہا و بسیاری ثابت ہوتا ہے تو ایسے غرض منقول اور معقول دونوں طریقوں سے کرشمہائے قدرت کی جلوہ نمائیوں کی
تصدیق و اقرار اُسی طرح لازم ہو گیا جس طرح اُس قادر مطلق کے وجود اور جبروت کا یقین و اعتراف۔ اور یہ اصول
اسلام کا ایسا مسلم مسئلہ اعتقادی ہے جو اصحاب حقیقت اور ارباب معرفت کی نگاہوں سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے
تمام علمائے اعلام اور فضلائے کرام حق سبحانہ تعالیٰ کے تمام صفات کو عین ذات اور اُس کی مقدس و منزہ ذات کو
عین صفات یقین کرتے ہیں اور اسی کی تعلیم کرتے ہیں۔ اسی بنا پر اُسکے افعال قدرت کو اُسکی قدرت سے جدا
یا اُسکی قدرت کو اُس قادر مطلق سے علیحدہ تصور کرنا۔ اور اُس کی حقیقت معرفت کو ادراک ظاہر اور قوائے بشریہ کے
ذریعہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا صریح کوتہ عقلی ہے اور صحیح قصور النظری۔ قدرت ہی کی یہ قدرت ہے اور اُسکے
جبروت ہی کی یہ قوت کہ باوجود ان تمام تعریض و تکذیب کے بھی غافل سے غافل انسان کو بھی پھر ایک خاص نتیجہ
اور حالت پر پہونچکر اُسکی جبروت و قدرت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

سید صاحب نے بھی باوجود ایسے سخت و شدید اعتراض و انکار کے بھی۔ اصحاب فیل اور ہذا ابابیل
کے واقعہ میں بالآخر یہ لکھکر کہ "ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی وبا پھیلی۔ جو اس سے پہلے نہیں تھی۔ تمام لشکر برباد ہو گیا
بہت سے مر گئے۔ اور بہت سے اسی حالت میں پھر گئے۔ خدا تعالیٰ نے اون پر ایسی آفت ڈالی کہ جو بد ارادہ اونھوں نے کیا
تھا اسمیں کامیاب نہ ہو سکے" (خطبات ص ۵۵۲) اُس قادر مطلق کی قدرت کا پورا اقرار کر ہی دیا۔ یہی قدرت کے
اصل تصرفات ہیں۔

ہم اس بحث کے تمام مقاصد کو ختم کر چکے۔ اسکے خاتمہ پر ہمکو صرف اتنا لکھ دینا باقی رہ گیا ہے کہ تمام مسلمان اصحاب فیل کے واقعات کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً اوسی طرح صحیح اور فی الواقع یقین کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی فصیح اور عام فہم عبارت میں نازل ہوا ہے۔ ہم ایک قادر مطلق کا اقرار کر چکے ہیں تو اب اوسکے ظہور قدرت سے انکار کرنا ہماری شان عبودیت کے خلاف ہے ع اپنی یہی ہے شان خدا اوسکی شان کے۔

موجودہ زمانہ کے روشنضمیر محققین، فلسفہ جدید کی شیدائی ہیئت اور طبعیات کے فدائی۔ اس واقعہ کو محض الفاظ پر محمول کریں یا معمولی حادثات سے تعبیر کریں، مرض بتلائیں یا وبا۔ مگر ہم تو نصوص قرآنی کے مطابق اس واقعہ کو عذاب الہی کی سخت بلا یقین کرتے ہیں اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم فتح۔ جو عیسائیوں کے اون مکرانہ تحریک و ترغیب کی سزا و پاداش میں حق سبحانہ تعالی کیطرف سے اونپر نازل فرمائی گئی جسکو انہوں نے اپنے تعصب و نفسانیت کی بنا پر اوس قدیم اور واجب بیت الہی کی توہین و انہدام کیلئے اختیار کیا تھا جسکے معمار ابراہیم تھے اور مزدور اسمعیل سلام اللہ علیہما۔

اگر تاریخوں کے ورق گردانی کی تھوڑی سی زحمت گوارا فرمائی جائے تو ارباب تحقیق کی نگاہ ہو میں عیسائیوں کے لا انتہا تعصب اور بیجا نفسانیت کا حقہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کی کورانہ تقلید میں عیسائیوں کی بنو اسماعیل کے ساتھ قلبی نفرت کا یہ پورا زمانہ تھا۔ انکی بنو اسماعیل اور بنو ہاجرہ کے ساتھ عداوت اس شرارت کے ساتھ بڑھی ہوئی تھی کہ باوجود اخبار و آثار صحیحہ سے قدامت و عظمت کعبہ ثابت ہو چکنے کے وہ نہ اسکو معبد الہی تسلیم کرنا گوارا کرتے تھے اور نہ اس کو صرف عمارت ابراہیمی ماننا چاہتے تھے۔ حالانکہ عرب کے تمام اخبار و آثار قدیمہ کافی طور سے اسکا ثبوت دے رہے ہیں اور روم و یونان کے مشہور محققین ہی نے جنہوں نے یہود کی کتب قدیمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اوسکی شرحیں لکھی ہیں اسکا اعتراف کرتے ہیں کہ بخت نصر اور شاہان بابل کی تاخت و تاراج کے بعد جب یہودیوں نے عرب اور خصوصاً نواح مکہ و مدینہ میں سکونت اختیار کی تو وہ بھی اہل عرب کی طرح اس معبد الہی کی عظمت و تکریم کرتے تھے۔ اسکو خالص عمارت ابراہیمی یقین کرتے تھے اور عربوں کے ساتھ سالانہ مراسم و ارکان حج بجا لاتے تھے۔ مگر آگے چلکر جب گرد و نواح کے ممالک میں عیسائیت کا اقتدار قائم ہو گیا اور بنو اسمعیل کی قوت و اختیار میں کمی آئی تو یہ (یہود) ابن الوقتی کر کے عربوں کے اتحاد و اتفاق سے دست بردار ہو کر عیسائیوں کے معین و مددگار بنگئے اور بیت المقدس کی مسافت بعید دکھلا کر اپنا کعبہ الگ بنا لینے کی ترغیب دی۔ ابرہۃ الاشرم نے اس تجویز میں مذہبی خیال کے ساتھ سیاسی نظم و تدبیر کو بھی شامل کر دیا۔ اور اس تدبیر سے اس نے اپنی تختگاہ شہر صنعاء کو مکہ کی طرح مرفہ الحال، تجارت اور کاروباری شہرت کا مرکز بنانا چاہا۔ اور اس طریقہ اور قاعدہ سے ملکی اور قومی رعایا کو اون تمام منافع اور محاصل سے منتفع اور مالا مال بنا دینا چاہا جن ذرائع اور وسائل سے مکہ اور تمام علاقہ حجاز کے اقوام و قبائل ہر سال ایام حج میں مستفید و مستفیض ہوا کرتے تھے۔

مگر ابرہۃ الاشرم کو اپنی سیاسی تدبیر کی فکروں میں مشیت کے ارادے اور تقدیر کے نیرنگ کی کیا خبر۔ اسنے سوچ سمجھ کر تو سب کچھ سوچ لیا اور کر سکو حتی الامکان سب سمجھ کر لیا۔ مگر جبروت کے ایک ہاتھ نے آن کی آن میں اسکے سارے منصوبے۔ اوسکے سارے سامان خاک میں ملا دئے۔ اور اوسکی فوجی۔ سیاسی اور تمدنی۔ غرض تمام قوتیں موںھ دیکھتے ہی دیکھتے رہ گئیں۔ واللہ یفعل ما یشاء۔

حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی شادی

ابن ہشام۔ ابن سعد۔ طبری۔ ابن اثیر اور ابو الفدا غرض قریب قریب تمام عربی تاریخوں نے حضرت عبداللہ ابن مطلب کی شادی کے واقعہ کو اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ حالانکہ اونھیں کے مختارے اصحاب فیل کا واقعہ ولادت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کل پچپن ۵۵ روز پہلے کا ثابت ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرات متقدمین کو سلسلہ و ترتیب سنین سے زیادہ واقعات کی اہمیت مدنظر رہتی ہے اور اس بنا پر وہ مطابقت سنین کا اسقدر خیال نہیں کرتے تھے۔

بہر حال۔ ابن سعد کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا سن شادی کیوقت سترہ ۱۷ برس کا ثابت ہوتا ہے یوں تو آپ کی نسبت مکہ کے تمام اشرف و اعلیٰ قبائل سے بھی برابر آیا کی۔ مگر نظام مشیت نے اس ازدواج کا شرف مکہ والوں کی خوش قسمتی کا نتیجہ نہیں ٹھرایا تھا۔ بلکہ اس فخر و مباہات کو بنی زہرہ کا تمغاے شرافت قرار دے رکھا تھا جو بیرون مکہ آباد تھے۔ اسکی مثال مفصلہ ذیل واقعہ سے بآسانی معلوم ہو جائے گی۔

قتیلہ بنت نوفل اخت ورقہ ابن نوفل وکانت تنظر و تعتاف فمر بہا عبداللہ بن عبدالمطلب فدعتہ لیستبضع منہا و لزمت طرف ثوبہ فابی وقال حتی آتیک فخرج سریعا حتی دخل علی آمنۃ بنت وھب فوقع علیہا فحملت برسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ طبقات ص

قتیلہ بنت نوفل۔ ورقہ ابن نوفل۔ مشہور و معروف عالم قریش کی بہن جو اسوقت دوشیزہ بھی تھیں اور بہت بڑی شفیقہ۔ ایکبار حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کے سامنے سے گذریں۔ قتیلہ نے دیکھتے ہی آپ کو اپنی طرف بلایا۔ اور نکاح کی درخواست کی اور ان کا گوشہ دامن پکڑ لیا۔ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب نے قطعی انکار کیا اور اسکے پاس سے بسرعت تمام چلے آئے۔ اس واقعہ کو ہو سہ ہو گیا۔ اس درمیان میں آپ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حمل واقع ہو گیا۔

نتیجہ واقعہ ذیل کی تتمہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ثم رجع عبداللہ ابن عبدالمطلب الی المرأۃ

عبداللہ ابن عبدالمطلب نے ایک بار پھر اوس لڑکی کو دیکھا تو

فوجدها فانتظره فقال هل لك في الذي عرضت علي فقالت كان مرة وفي وجهك نور ساطع ثم رجعت وليس فيه ذلك النور

طبقات ص ۵۹

پوچھا کہ اب اوس امر میں تمہاری کیا رائے ہے جس کی نسبت تم نے ایک بار مجھ سے درخواست کی تھی۔ اوس نے جواب دیا کہ اب کچھ نہیں کیونکہ جب اوس دفعہ تم میرے پاس سے ہو کر نکلے تھے۔ تو میں نے تمہارے چہرے سے ایک نور ساطع دیکھا تھا۔ اب جو تم لوٹ کر میرے پاس آئے تو وہ نور تم میں نہیں پاتی ہوں۔

ابن سعد نے اس واقعہ کو قتیلہ بنت ورقہ کے علاوہ فاطمہ بنت مرہ خثعمیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

بہرحال چونکہ مشیت کو اس ازدواج و اتحاد سے اپنی ودیعت خاص کی استبدار و ایجاد منظور تھی جس کے لئے عمائد و اشراف قریش میں بنی زہرہ زیادہ تر موزوں تجویز کئے گئے تھے۔ گویا مشیت کی اسی تحریک پر حضرت عبد المطلب اہل مکہ کی تمام نسبتوں کو نامنظور فرماتے گئے۔ اور بنی زہرہ کی آئی ہوئی نسبت کو قبول فرما کر حضرت عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے کردی اور اپنی شادی ہالہ بنت وہیب سے کرلی۔ وہیب، وہب کے چھوٹے بھائی تھے۔ اور وہب کے بعد اپنے قبیلہ کے سید و سردار اور اپنے زمانہ کے ذی اقتدار و صاحب اختیار۔ یہ دونوں صاحب عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب کے صاحبزادے تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:۔

كانت آمنة بنت وهب في حجر عمها وهيب ابن عبد مناف ابن زهرة فمشى اليه عبد المطلب ابن هاشم بابنه عبد الله ابي رسول الله صلعم فخطب عليه آمنة بنت وهب فزوجها عبد الله بن عبد المطلب وخطب اليه عبد المطلب ابن هاشم في مجلسه ذلك ابنته هالة بنت وهيب على نفسه فزوجه اياها فكان تزوج عبد المطلب بن هاشم وتزوج عبد الله بن عبد المطلب في مجلس واحد فولدت هالة بنت وهيب لعبد المطلب حمزة بن عبد المطلب فكان حمزة عم رسول الله صلعم في النسب واخاه من الرضاعة لما تزوج عبد الله بن عبد المطلب آمنة بنت وهب اقام عندها ثلاثا وكانت

آمنہ بنت وہب اپنے چچا وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب کی کفالت میں تھیں۔ حضرت عبد المطلب حضرت عبد اللہ کو لے کر بنی زہرہ کے قیام گاہ پر لے گئے۔ اور حضرت آمنہ کا خطبہ نکاح اپنے صاحبزادے عبد اللہ پدر جناب رسالتمآب صلعم سے پڑھا اور آمنہ کو عبد اللہ سے بیاہ دیا۔ اور وہیب کی لڑکی ہالہ بنت وہیب سے خود خطبہ نکاح پڑھ کر شادی کرلی۔ اور یہ دونوں نکاح ایک ہی مجلس میں بیک وقت واقع ہوئے۔ ہالہ کے بطن سے حضرت عبد المطلب کے ہاں حضرت حمزہؑ پیدا ہوئے۔ ہالہ نے جناب رسالتمآب صلعم کو دودھ پلایا۔ اس بنا پر حضرت حمزہؑ سلسلہ نسب میں تو آنحضرت صلعم کے عم محترم تھے۔ مگر بلحاظ رضاعت کے اعتبار سے وہ آپ کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ جب حضرت عبد اللہؑ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے ہوگئی۔ تو آپ سسرال میں تین دن تک قیام فرما رہے۔ کیونکہ یہ دستور تھا کہ شادی کے بعد شوہر اپنی عروس

تلك السنة عندهم اذا دخل الرجل على امرأته في اهلها۔ طبقات ج ۱ ص ۵۸	کے ہاں تین دن تک قیام کرتا تھا۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۸

حضرت عبد المطلب پر اپنے بیٹے کے ساتھ یک وقت اور یک مجلس اپنی بھی شادی کر لینے کیلئے جوان طبع مولفین معترضین دیدہ اعتراض نکالتے ہیں اور عیسائی متعصبین تو کھل کھل کر استہزا کرتے ہیں مگر دونوں حقیقت شناسی سے علیحدہ ہیں۔ یہ حضرات اپنے زمانہ اور اہل زمانہ کی طرح اوس زمانہ اور اوسکے اہل زمانہ کو بھی قیاس کرتے ہیں۔ اونکا یہ موازنہ سراپا غلط ہے۔ مجھکو اونکے اس غلط قیاس کی تردید و تنقید کی مطلق ضرورت نہیں۔ مگر حقیقت امر کا بتلا دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب کی اس شادی سے جو نتیجہ نکلا۔ اور حقیقتاً جو تدبیر الٰہی کا عین مقصود ثابت ہوتا ہے وہ اسی سے ظاہر ہے کہ اس اتحاد و مواصلت کی علت و غایت جناب حمزہؓ کی ولادت تھی۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ چچا تھے۔ ان تمام حضرات میں اعانت اسلام اور رفاقت حضرت سید الانامؐ میں۔ بجز ابو طالبؑ جس خلوص و عقیدت کے ساتھ حضرت حمزہ ابن عبد المطلب نے اپنے خدمات کے جوہر دکھلائے۔ ویسے کسی ایک نے بھی نہیں کہ کما لا یخفی علی المدابر

وقد تم بحمده و فضله المجلد الاول من الكتاب الا سوة الرسول في سيرة الرسول المقبول صلى الله عليه وآله واصحابه

ذوي الجلالة والعقول في الرابع ربيع الاول

يوم الجمعة من شهور الاثني والاربعين

وثلثمائة بعد الالف من

الهجرة المقدسه

واٰخر

دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله على سيد المرسلين واله الميامين. آمين

ستر لف العمارت گوانگه صانها الله عن الآفات	المولف الاحقر السيد اولاد حيدر بلگرامي عفا الله السامي

۴۲
۱۳۴